الہامی مذاہب کے
مشترکہ اقدار

ڈاکٹر آسیہ رشید



الہامی مذاہب کے

مشترکہ اقدار

قرآن مجید اور کتابِ مقدس کے تناظر میں علمی جائزہ

تحقیق و تصنیف

ڈاکٹر آسیہ رشید

ادارہ تحقیقاتِ مذاہب

کتاب	:	الہامی مذاہب کے مشترکہ اقدار
مصنف	:	ڈاکٹر آسیہ رشید
ناشر	:	ادارہ تحقیقاتِ مذاہب
ویب سائٹ	:	www.mazahib.org

انتساب

میں یہ مقالہ بڑی عقیدت اور احترام کے ساتھ اپنے پیارے والدین، اپنی عزیز بہن فوزیہ اور برادران محمد عمران اور حافظ محمد عرفان کے نام کرتی ہوں جن کی دعاؤں، رہنمائی اور محبت کی بدولت آج میں اس مقام تک پہنچی ہوں۔

الہامی مذاہب میں مشترکہ اقدار

قرآن کریم اور کتاب مقدس کے تناظر میں علمی جائزہ

مقالہ نگار

آسیہ رشید

پی ایچ۔ڈی (علوم اسلامیہ) نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز' اسلام آباد ۲۰۱۰ء

مقالہ ہذا

پی ایچ۔ڈی (علوم اسلامیہ)

کی ڈگری کی تکمیل کے لئے پیش کیا گیا

فیکلٹی آف ایڈوانس انٹگریٹڈ سٹیڈیز اینڈ ریسرچ



نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز' اسلام آباد

جون ۲۰۱۰ء

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اینڈ سائنسز ،اسلام آباد

جون ۲۰۱۰ء

فہرست عناوین

مقدمة

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن وَالصَّلاةُ وَالسَّلامُ عَلَى أَشْرَفِ الأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْن

أَمَّا بَعْد فَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْم بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم.

❁ موضوع کا تعارف اور اہمیت: (Introduction and Importance of topic)

اللہ تعالیٰ نے انسان کی مادی ضروریات کا خیال رکھنے کے ساتھ ساتھ اس کی روحانی ضرورت کا بھی مکمل اہتمام فرمایا اس مقصد کے لیے الہامی کتب نازل کیں اور انبیاء مبعوث فرمائے۔ دنیا میں اس وقت دو طرح کے مذاہب پائے جاتے ہیں۔ ایک الہامی مذاہب، یہ وہ مذاہب ہیں جن کی تعلیمات خالق کائنات کی طرف سے ودیعت کی گئی ہیں دوسرے غیر الہامی جن کی تعلیمات اور اصول انسانوں کے وضع کردہ ہیں۔ الہامی مذاہب میں یہودیت عیسائیت اور اسلام آتے ہیں یہ وہ مذاہب ہیں جن کی تعلیمات کی بنیاد وحی الٰہی پر ہے۔ الہام کے معنی ہیں ''من جانب کوئی خیال دل میں آنا'' لفظ ''الہامی'' الہام سے منسوب ہے الہامی کو انگریزی میں (Revealed) کہا جاتا ہے یعنی نازل کردہ۔ عمومی طور پر اسی لئے الہامی کتابوں کے لئے Revealed Books کا لفظ بولا جاتا ہے۔ الہامی نظام حیات انسان کے ساتھ ہی اس دنیا میں آیا۔ اس لئے کہ جب اس دنیا میں سب سے پہلے انسانی جوڑے کو بھیجا گیا تو اسے اس کی تاکید کردی گئی کہ اگر تم فلاح چاہتے ہو تو میری بھیجی ہوئی ہدایات پر عمل کرو اگر ایسا کرو گے تو کامیاب رہو گے۔ گویا الہامی مذاہب و نظام ہائے حیات کا رشتہ انسان سے انتہائی قدیم بلکہ ازلی ہے۔

قرآن پاک اور کتاب مقدس میں پہلی بنیادی قدر مشترک یہ ہے کہ ان کتب کو نازل کرنے والی ہستی ایک ہے یعنی ذات باری تعالیٰ۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی امور ہیں جو ان دونوں الہامی کتابوں میں قدر مشترک کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قرآن پاک سے پہلے جو آسمانی کتب نازل ہوئیں اور جن کا ہمیں علم ہے وہ تورات، زبور، انجیل ہیں جو آج کتاب مقدس کی شکل میں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف انبیاء پر اللہ تعالیٰ نے صحائف بھی نازل فرمائے لیکن ماننے والوں نے ان رسولوں کی تعلیمات کو بدل ڈالا۔ ایک اللہ کی بجائے کئی معبودوں کو ماننے لگے اس کے علاوہ تورات، زبور اور انجیل میں تحریف کی گئی۔ لیکن قرآن بغیر تحریف کے اپنی اصلی زبان عربی میں موجود ہے اور اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔ یہودی تورات کو مانتے ہیں، انجیل اور قرآن کو الہامی کتاب نہیں مانتے اور نہ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں۔ عیسائی تورات، زبور اور انجیل کو مانتے ہیں اور قرآن کو نہیں مانتے اور نہ حضرت محمد ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں۔ مسلمان اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ چاروں

الہامی کتب کو مانتے ہیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں میں ان کی الہامی کتب کو بائبل یا کتاب مقدس کے نام سے پکارا جاتا ہے "بائبل" کا لفظ یونانی الاصل ہے۔ بائبل یا کتاب مقدس کا اطلاق عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید دونوں پر ہوتا ہے۔

کتاب مقدس کے دو حصے ہیں۔ ۱۔ عہد نامہ قدیم ۲۔ عہد نامہ جدید

عہد نامہ سے مراد رشد و ہدایت کے ایک خاص دور سے ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرئیل کو تشریع و قانون کی نعمتوں سے نوازا اور کہا کہ اگر وہ اس کو مانتے اور تسلیم کرتے رہے تو کامرانیاں اور کامیابیاں ان کے قدم چومتی رہیں گی۔ اور وہ ترقی کرتے رہیں گے۔ ورنہ رسوائی ان کا مقدر رہے۔ یہ عہد ایک تو وہ ہے جو قدیم انبیاء سے شروع ہو کر حضرت موسیٰ تک اختتام پذیر ہوتا ہے اور دوسرا وہ ہے جس کا آغاز حضرت مسیح کی تعلیمات اور خوشخبری سے ہوتا ہے اور دنیا کے قائم رہنے تک رہے گا اس مناسبت سے ان کو عہد نامہ قدیم و جدید کہا جاتا ہے۔

عہد نامہ قدیم ۳۹ حصوں پر مشتمل ہے جسے سہولت کے لئے اسے ۳ حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

پہلے حصے میں ۵ کتابیں شامل ہیں جنہیں کتب خمسہ موسوی کہا جاتا ہے۔ دوسرے حصے میں ۲۲ کتابیں شامل ہیں اسے نبیم کہتے ہیں۔ تیسرے کو کتبیم کہتے ہیں۔ زبور کو اگر چہ عہد نامہ قدیم کا حصہ بنا دیا گیا ہے لیکن یہود کے نزدیک وہ کتاب ہونے کی حیثیت اب بھی رکھتی ہے۔

عہد نامہ جدید کتاب مقدس کا دوسرا حصہ ہے اس میں ۲۷ کتابیں شامل ہیں جن میں اناجیل اربعہ کو عہد نامہ جدید کے شروع میں رکھا گیا ہے اناجیل اربعہ، متی، مرقس، لوقا، یوحنا اور کتاب اعمال کو کہا جاتا ہے۔ کتاب اعمال میں رسولوں کے اعمال اور مختلف خطوط شامل ہیں۔

سید ابو الاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں کہ انجیل دراصل نام ہے ان الہامی خطبات اور اقوال کا جو مسیح علیہ السلام نے اپنی زندگی کے آخری ڈھائی تین برس میں بحیثیت نبی ارشاد فرمائے۔ قرآن کریم اور کتاب مقدس میں جو مشترکہ اقدار ہیں اور جن کی تصدیق قرآن بھی کرتا ہے ان میں سے پہلی قدر توحید ہے۔ مثلاً خدا ایک ہے اور اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ توحید اصل دین ہے۔ اس کا ذکر سورہ آل عمران میں یوں گیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا ﴾ (آل عمران: ٦٤)

آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب آؤ ایسی بات کی طرف جو ہم میں اور تم میں برابر ہے۔ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔

اس آیت کریمہ میں تین بنیادی نکات بیان کیے گئے ہیں:

☆۔ صرف اللہ کی عبادت کرنا

☆۔ اس کے ساتھ کسی کوشریک نہ کرنا۔

☆۔ اور کسی کوشریعت سازی کا خدائی احکام نہ دینا

یہ وہ کلمہ سواء ہے جس پر اہل کتاب کواتحاد کی دعوت دی گئی ہے۔اور موجودہ دور میں امت مسلمہ کے بکھرے ہوئے شیرازے کوجمع کرنے کے لئے بھی انہی تینوں نکات کواساس بنانا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے اس دنیا میں انبیاء کرام بھیجے اور یہ سلسلہ نبوت ابتدائے آفرینش سے ہی جاری رہا اور اس سلسلے کی آخری کڑی نبی رحمت حضرت محمد ﷺ ہیں۔انسان کی ہدایت کی تکمیل آپ ﷺ پر نازل کتاب قرآن مجید کے ذریعے ہوئی۔اب قیامت تک نہ کوئی نبی اور نہ کوئی الہامی کتاب اترے گی۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلاَمَ دِيْنًا﴾(المائدہ: ۳)

❁ موضوع تحقیق کے انتخاب کی وجہ:

تقابل ادیان کے مضمون کو پڑھنے کے دوران مجھے مذاہب عالم کوتفصیلاً پڑھنے کی دلچسپی ہوئی۔اور مجھے محسوس ہوا کہ مذاہب عالم میں اسلام کو جو امتیاز حاصل ہے وہ کسی اور مذہب کونہیں اور مجھے معلوم ہوا کہ صرف اسلام ہی زمانے کی دست برد سے محفوظ ہے جس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لیا ہے اس لیے یہ اپنی اصلی شکل میں آج بھی موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گا۔اسلام پر مستشرقین کے اعتراضات صرف مذہبی کم نظری اور تعصب کی وجہ سے ہیں۔زیرنظر کاوش ان تمام نیک جذبات کا مظہر ہے جن میں انسانیت کی صحیح رہنمائی کے ذریعے دنیاوی اور اخروی فلاح مقصود ہے۔الہامی مذاہب اپنی بنیاد اور دلائل کے اعتبار سے غیر الہامی مذاہب کی نسبت اپنے اندر کئی گنا زیادہ جاذبیت رکھتے ہیں لہٰذا اصلاحی اور امن پسند نقطہ نظر سے کام کرنے والے تحقیق نگار کی نظر انتخاب الہامی مذاہب پر ہی ٹھہرتی ہے۔

تحقیق کے لیے متعین عنوان پر کام کرنے کا اہم مقصد موجودہ کتاب مقدس کا تفصیلی جائزہ لے کر یہ بتانا ہے کہ وہ کون سی عبادات، معاملات، رسومات، اخلاقیات اور دیگر مختلف قدریں ہیں جن کا ذکر قرآن مجید اور کتاب مقدس دونوں میں ہے اور انہی کو بنیاد بنا کر مذہبی تعصب کو ختم کرنے کی کوشش کرنی ہے تا کہ پاکستانی معاشرے اور دنیا میں امن قائم ہو اور تعصب کا خاتمہ ہو اس طرح دنیا انسان کے لیے چین سکھ اور امن وسلامتی کا گہوارہ بن جائے گی اور الہامی مذاہب کو ماننے والے مل جل کر رہ سکیں گے اور ایک دوسرے کے مذہب کا احترام بھی کریں گے۔

مقالہ نگار کی تمام تحقیق تجزیاتی اور بیانیہ طریقہ تحقیق پر مشتمل ہے جس کے ذریعے یہ نکتہ منظر عام پر آیا کہ الہامی مذاہب میں اقدار مشترکہ کو اجاگر کرنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے الہامی مذاہب میں جو اچھے کام بتائے تھے وہ اسلام میں منسوخ نہیں بلکہ خود اسلام ان کو اپناتا ہے اور ان پر عمل کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور بتاتا ہے کہ یہ اقدار مشترکہ وہ قیمتی اثاثہ ہیں جن پر سب کو متفق ہو جانا چاہیے۔

مذکورہ موضوع کو تحقیق کے لیے منتخب کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مقالہ نگار کی ایک دوست غیر مسلمہ تھی ۔ جب بھی اس کو عبادت کرتے ہوئے دیکھتی تو مقالہ نگار کے ذہن میں مختلف سوالات اٹھتے تھے ۔اس طرح سے ان سوالات کے جوابات پانے کی کوشش میں مقالہ نگار نے کتاب مقدس کا مطالعہ کرنا شروع کیا تا کہ اصل صورت کو اجاگر کر سکے اور الہامی مذاہب کی تمام اقدار سے آگاہی حاصل کر سکے اور اسی کو بنیاد بنا کر الہامی مذاہب کے ماننے والوں کو ایک پلیٹ فارم پر لایا جا سکے ۔

متعلقہ موضوع کی تحقیق ایک کٹھن مرحلہ رہا۔اللہ کا شکر ہے جس نے میرے تحقیقی کام کی تکمیل میں میری مدد کی اور مجھے کامیابی کے راستے پر گامزن فرمایا۔اس موضوع کی تحقیق سے قرآن اور کتاب مقدس کی تعلیمات میں مشترکہ اقدار کی تفصیلات آسانی سے سمجھ آسکیں گی ۔لہٰذا موضوع تحقیق کی اہمیت وضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے تینوں الہامی مذاہب کی مشترکہ اقدار کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اور یہ مقالہ نگار کی اپنی انفرادی کاوش ہے ۔لہٰذا اس موضوع پر لکھا جانے والا یہ مقالہ اپنی جگہ ایک منفرد مقام رکھتا ہے ۔اس مقالہ تحقیق میں اساتذہ کرام کے مشورے سے بائبل سوسائٹی لاہور سے اردو زبان میں شائع ہونے والا کنگ جیمز (KJV) نسخہ بطور حوالہ جات منتخب کیا گیا ہے ۔ موجودہ خاکہ تحقیق چار ابواب پر مشتمل ہے جس کی تفصیل آگے دی گئی ہے ۔

❁ اہداف تحقیق (Objective of Research)

- ☆ ۔ عہد نامہ جدید اور قرآن کے مشترکہ نکات کو لوگوں کے سامنے لانا تا کہ معاشرے میں افہام وتفہیم کی فضاء پیدا ہو۔
- ☆ ۔ مذہبی رواداری اور انسانی بھائی چارے کا فروغ ۔
- ☆ ۔ انسانی معاشرے سے مذہبی تعصب اور مذہبی منافرت کا خاتمہ ۔
- ☆ ۔ قرآن کی حقانیت کو اجاگر کرنا ۔
- ☆ ۔ الہامی مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان حائل وسیع خلیج کو کم کرنے کی کوشش کرنا ۔
- ☆ ۔ تمام انبیاء کی مشترکہ دین کی اصولی تعلیمات کی وضاحت کرکے بلاتفریق نسل و مذہب تمام انسانوں میں اتحاد وفکر وعمل پیدا کرنا ۔
- ☆ ۔ انسانوں اور قوموں کے درمیان اور سب کو خالق کی مخلوق مانتے ہوئے اخلاقی اور انسانی بنیادوں پر ایک دوسرے کی بھلائی کے عظیم مقصد کو سامنے رکھنا۔
- ☆ ۔ انسانی معاشرے میں مذہبی افراط وتفریط کے درمیان اعتدال کی فضا قائم کرنے کی کوشش کرنا ۔
- ☆ ۔ الہامی مذاہب کے درمیان پائے جانے والی مشترکہ اقدار کی مکمل وضاحت ۔
- ☆ ۔ اسلام کے پیغام امن کو واضح کرتے ہوئے اس کی نشر واشاعت کے لیے عملی کردار ادا کرنا ۔

❁ اسلوب تحقیق: (Method of Research)

تحقیق کے دوران درج ذیل نکات کو اسلوب تحقیق کے طور پر اختیار کیا گیا ہے۔

☆۔ مقالہ کو ایک مقدمہ، چار ابواب اور نتائج مقالہ پر مشتمل حصوں پر ترتیب دیا گیا ہے۔

☆۔ اصل مآخذوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔اورانہی سے حوالہ دیا گیا ہے۔ضروری معلومات قرآن وسنت اور اصلی اسلامی مصادر سے اخذ کی گئی ہیں۔جس جگہ ضروری سمجھا ثانوی مآخذ سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

☆۔ حوالہ جات ہر فصل کے آخر میں دیئے گئے ہیں۔حاشیہ میں ارقام عددی استعمال کی گئی ہیں۔

☆۔ مقالہ میں تمام غیر معروف اسماء،اعلام،وجگہوں کا تعارف حاشیہ میں دیا گیا ہے۔

☆۔ مقالہ میں نقشہ جات اور مطبوعہ اوراق وضاحت کیلئے دیے گئے ہیں۔جنکا حوالہ اسی صفحہ پر درج کر دیا گیا ہے۔

☆۔ کوشش کی گئی ہے کہ مقالہ کی عبارت آسان اور بامحاورہ ہو۔

☆۔ حوالہ کے اندراج کے لئے پہلے مصنف کا نام' پھر کتاب' جلد'شہر'ناشر'سن اور صفحہ نمبر دیا گیا ہے۔

☆۔ صفحہ نمبر اور جلد کے لئے ص لکھکر دائیں طرف جلد اور بائیں طرف صفحہ لکھا گیا ہے مثلاً ص:۱/۴۳۔

☆۔ ایک صفحہ پر ایک کتاب کا دوبارہ حوالہ آنے پر ایضاً کی علامت اختیار کی گئی ہے۔

☆۔ فقہی معلومات بنیادی کتب فقہ سے حاصل کی گئی ہیں۔

☆۔ سن ہجری کے لئے ''ھ''۔

☆۔ سن عیسوی کے لئے ''ء''۔

☆۔ رضی اللہ عنہ کے اختصار کے لئے (ؓ) لکھا گیا ہے۔

☆۔ رحمۃ اللہ علیہ کے لئے (ؒ) لکھا گیا ہے۔

☆۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے (ؑ) لکھا گیا ہے۔

☆۔ قرآن حکیم کے حوالوں میں سورۃ کے ساتھ آیت نمبر کا حوالہ دیا گیا ہے۔مثلاً سورۃ نمل:۱۵۔

☆۔ صحاح ستہ کے زیادہ حوالے ہونے کی وجہ سے صرف کتاب کا نام لکھا گیا ہے۔

☆۔ دیگر حوالہ جات کی صورت میں مصنف کا مشہور نام اور کتاب کا نام لکھا گیا ہے۔

☆۔ آخر میں مصادر و مراجع کی فہرست درج کی گئی ہے۔

☆۔مقالہ کے آخر میں شامل آیات واحادیث کی فہرست اور فہرست اعلام واماکن بھی شامل ہے

❁ تحقیق کے بنیادی سوالات

سوال نمبرا۔ کیا قرآن اپنے آپ کو پوری بنی نوع انسانیت کے لیے''دائمی ہدایت'' قرار دینے میں حق بجانب ہے؟

سوال نمبر۲۔ کیاواقعی قرآن اور کتاب مقدس کا منبع اور سر چشمہ ایک ہی ہے؟

سوال نمبر۳۔ کیاواقعی الہامی مذاہب میں مشترکہ اقدار موجود ہیں؟

سوال نمبر۴۔ قرآن اور کتاب مقدس میں جو مشترکہ اقدار ہیں وہ کس طرح مسلمانوں اور اہل کتاب کو ایک دوسرے سے قریب کرتی ہیں یا معاون اور مددگا ثابت ہو سکتی ہیں۔

سوال نمبر۵۔ کیا تمام الہامی مذاہب کی مشترکہ اخلاقی اقدار کا واحد مقصد اچھے انسان بنانا ہے؟



باب اول

الہامی مذاہب اور ان کے دینی سرمائے کا تعارف

فصل اول: یہودیت اور ان کے دینی سرمائے کا تعارف

مبحث اول: یہودیت کی وجہ تسمیہ اور تاریخی پس منظر

مبحث دوم بنی اسرائیل اور انکے انبیاء کے حالات زندگی اور تعلیمات

مبحث سوم یہودیت کے دینی سرمائے کا تعارف

الہامی مذاہب اوران کے دینی سرمائے کا تعارف

دنیامیں اس وقت دوطرح کے مذاہب پائے جاتے ہیں۔جن میں سے ایک الہامی مذاہب ہیں(۱)۔جن کی تعلیمات اورنظریہ حیات خالق کائنات کی طرف سے ودیعت کیا گیاہے۔

اور دوسرے غیر الہامی ، یعنی جن کی تعلیمات اُصول وقوانین انسانوں کے وضع کردہ ہیں۔الہامی مذاہب میں یہودیت عیسائیت اوراسلام شامل ہیں۔یہ وہ مذاہب ہیں جن کی تعلیمات کی بنیادوحی الٰہی پر ہے۔الہامی مذاہب میں یہودیت قدیم ترین مذاہب میں سے ہے۔الہامی نظریہ حیات یا الہامی نظام حیات انسان کے ساتھ ہی اس دنیا میں وقوع پذیر ہوا اوراللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ اورحواؑ کودنیا میں بھیجتے وقت تاکید کی کہ اگر میری ہدایات پرعمل کروگےتو فلاح پاؤگے۔ارشادباری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْن﴾(۲)۔

ترجمہ: پس جب میری طرف سے ہدایت آئے گی تمہاری طرف پس جس نے میری ہدایت کی پیروی کی ہوگی اس پر نہ کوئی خوف ہوگااورنہ وہ غمگین ہوں گے۔

گویاالہامی مذاہب اورنظام ہائے حیات کارشتہ انسان سے انتہائی قدیم اورازلی ہے۔

فصل اول: یہودیت اوران کے دینی سرمائے کا تعارف

مبحث اول: یہودیت کی وجہ تسمیہ اور تاریخی پس منظر

لفظ یہود کا لغوی معنی:

لغات کے مخصصین نے ''یہود'' کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ لفظ یہود ھاد بمعنی تاب سے مشتق ہوتا ہے جیسا کہ ابن فارس رقمطراز ہیں:

''فأما اليهود فمن هاد يهود ' اذا تاب هودا وسموا به لأنهم تابوا عن عبادة العجل (۳)۔

وفی القرآن ﴿إنا هُدنا اليك﴾(۴)۔

ترجمہ: جہاں تک یہود اسم کا تعلق ہے تو یہ ھاد یھود سے ہے جس کا معنی ہے توبہ کرنا۔لوٹنا۔ان کا یہ نام بچھڑے کی عبادت سے توبہ کرنے کی وجہ سے پڑا جیسا کہ قرآن میں ہے۔ہم نے آپ کی طرف رجوع کیا یعنی توبہ کی۔

لسان العرب میں ابن منظور یہود کی لغوی تشریح میں لکھتے ہیں:

''الهود ' التوبة' هاد ' يهود هودا وتهّود' تاب ورجع إلى الحق فهو هائد ويهود(۵)۔''

اسم للقبیلة ...هود بمعنی توبہ یہ ھاد یھود ھودا وتھود سے مصدر ہے جس کا معنی ہے حق کی طرف لوٹنا اور یہود ایک قبیلے کا نام ہے۔اس کے بعد ابن منظور مختلف اقوال بیان کرتے ہیں۔

اس کے معنی توبہ کرنا۔بخشش کی طرف قریب ہونا۔اللہ تعالی فرماتے ہیں۔

﴿فَتُوبُوا إِلَى بَارِئِكُم﴾(۶)۔

ترجمہ: اپنے پیدا کرنے والے کے آگے توبہ کرو۔

اسی طرح اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ الذينَ امَنُوا والذينَ هَادُوْا﴾(۷)۔

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ یہودی ہوئے ۔۔۔۔

حدیث مبارکہ میں ہے:

((كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِه اَوْ يُنَصِّرَانِه))(۸)۔

ترجمہ: ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے پس اسکے والدین اسے یہودی یا عیسائی بنادیتے ہیں یعنی اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی اپنا دین چھوڑ کر یہودی ونصرانی بن جائے اور اس میں داخل کردے۔

مشہور لغوی زبیدی لفظ یہود کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"التوبة والرجوع الی الحق ، وتهود فهو هائد وقوم هود وفی التنزیل العزیز : ﴿انا هدنا إلیک﴾ ای تبنا إلیک . معنی رجعنا . والهود بالضم الیهود اسم قبیلة وقیل إنما اسم هذه القبیلة یهود. (۹)۔"

ترجمہ: حق کی طرف پلٹنا اور رجوع کرنا ہے، اس نے رجوع کیا پس وہ رجوع کرنے والا ہے اور رجوع کرنے والی قوم سے ہے۔ قرآن میں ہے ﴿انا هدنا إلیک﴾ ۔یعنی ہم نے تیری طرف رجوع کیا۔ اور جہاں تک ہود کا تعلق ہے پیش کے ساتھ۔ یہ ایک قبیلے کا نام ہے۔ اور کہا گیا کہ اس کا ایک نام یہود بھی ہے۔

راغب اصفہانی لفظ یہود کے متعلق اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں:

"ہ . و . د۔ الهود ۔کے معنی نرمی کے ساتھ رجوع کرنے کے ہیں اس سے التهوید (تفعیل) ہے عرف میں ہود بمعنی توبہ کے استعمال ہوتا ہے چنانچہ قرآن میں انـاَّ هُدنَا اِلَیْکَ ۔بعض نے کہا کہ لفظ یہود بھی انـا هدنا إلیک سے ماخوذ ہے۔ یہ اصل میں ان کا تعریفی لقب تھا۔ لیکن ان کی شریعت منسوخ ہونے کے بعد اُن پر بطور جنس بولا جاتا ہے نہ کہ تعریف کے لئے۔۔۔۔ هادفلاں کے معنی یہودی ہو جانے کے ہیں (۱۰)۔"

معجم متن اللغہ میں یہود کی تشریح اس طرح کی گئی ہے۔

هاد هودا فهو هائد وهم هود ، تاب ، رجع إلی الحق .

الهود : التوبة والرجوع إلی الحق .

الهود: الیهود واحدهم یهودی ج یهود (۱۱)۔

ترجمہ: هـاد سے هودا ہے اور هـائد جمع ، تائب ہوئے اور هود کا معنی ہے توبہ کرنا۔ حق کی طرف لوٹ آنا هود کے معنی سچائی کی طرف توبہ اور رجوع کرنے کے ہیں اور هود بمعنی یهود اس کا واحد یہودی ہے اور جمع یهود آتی ہے۔

معجم الوسیط میں ہے:

" قوم من أصل سامی قیل إنهم سموا باسم یهوذا أحد ابنا یعقوب (۱۲). "

ترجمہ: اور کہا جاتا ہے کہ انہیں یہ نام یہودحضرت یعقوب علیہ السلام کے ایک بیٹے یہوذا (یہودا) کی بنا پر دیا گیا

اصطلاحی تعریف:

اردو جامع انسائیکلوپیڈیا میں "یہودی" عنوان کے تحت لکھا ہے:

"یہ نام سامی النسل لوگوں کو دیا گیا ہے۔ انہیں اسرائیلی اور عبرانی بھی کہا جاتا ہے۔ یہودی لفظ یعقوب علیہ السلام کے فرزند یہودا سے مشتق ہے۔ یہ خود کو ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کہتے ہیں۔ انہوں نے ۲۰۰۰ ق م میں میسو پوٹیمیا (۱۳)

(عراق) سے ہجرت کی ۔اور کنعان میں آ کر آباد ہو گئے ۔ان دنوں مصر میں خاندان ہائیکسوس (Hyksos) کی حکومت تھی (۱۴) ۔جب ان کی حکومت کا خاتمہ ہوا تو مصر پر قبطی النسل خاندان کی حکومت قائم ہوئی ۔اور فرعون رعمسیس ثانی نے اسر ائیلیوں پر مظالم ڈھائے ۔تب اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا جو بالآخر چھ لاکھ بنی اسرائیلیوں کو ۱۳۹۱ق م میں فرعون کی غلامی سے نکال لائے (۱۵) ۔"

ایس ایم ناز لکھتے ہیں:

"اس وقت حضرت موسیٰ کے ماننے والوں کو یہود کہا جاتا ہے ۔لیکن ان کا قدیم اوراصلی نام بنی اسرائیل تھا ۔غالبًا یہود نام موسیٰ کے بہت بعد سلیمانؑ کے عہد میں پڑا ۔حضرت سلیمانؑ کے بعد یہود دو حصوں میں منقسم ہو گئے ۔ان میں سے ایک گروہ حضرت سلیمانؑ کے فرزند اور ولی عہد کے ماتحت تھا ۔اصل میں یہودان ہی کا لقب تھا اس لئے یہود کا لفظ ہود سے مشتق ہے جس کے معنی رجوع کے ہیں ۔چونکہ یہ لوگ اللہ کی طرف رجوع ہوئے اس لئے ان کا نام یہود پڑ گیا (۱۶) ۔"

منشی محبوب عالم یہود کے لغوی معنی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہود ایک قوم ہے جو بنی اسرائیل کے نام سے مشہور ہے ان کی اصل شامیوں سے ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیادت میں سن عیسوی سے پہلے بیسویں صدی میں ارض کنعان میں اترے ۔حضرت اسماعیلؑ اسحاق اور یعقوب ۔انہی سے ہوئے ہیں (۱۷) ۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ کا مقالہ نگار یہود کے متعلق لکھتا ہے:

"قرآن مجید میں الیھود ﴿ الـذیـن ھـادوا ..﴾ اور دیگر الفاظ استعمال ہوئے ہیں ۔اگر چہ یہودی کی اصطلاح یا تو قدیم سلطنت یہودا کے باشندوں یا یہودا بن یعقوب کی اولاد یا مذہب یہود پر عامل شخص کے لئے مخصوص ہوتی ہے اور بنی اسرائیل (اولاد یعقوب) کا وسیع تر مفہوم رکھتا ہے ۔اور یعقوب علیہ السلام کے تمام بیٹوں کے لئے استعمال ہوتا ہے ۔عموماً اس سے مراد موسیٰؑ کی شریعت کو ماننے والے ہیں ۔لیکن چونکہ یہودی مذہب کی تعلیمات صرف اولاد یعقوب تک محدود رہی اس لئے یہ لفظ ایک نسلی گروہ کے لئے مخصوص ہو کر رہ گیا (۱۸) ۔"

انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

"جیوجس کو عبرانی میں یہود کہتے ہیں بنیادی اعتبار سے یہودا کا رکن ہے ۔مثلاً یہود کے بارہ قبائل میں سے جو کہ موعود سرزمین کے قابض یا پھر سلطنت یہود کے برخلاف شمالی اسرائیل مخالفت سلطنت کے جیو لوگ ابتدا میں عبرانی کہلاتے تھے یا اسرائیلی جوان کے سرزمین مقدس میں داخل ہونے سے لیکر بابل سے اخراج تک جو کہ ۵۳۸ق م میں ہوا اس کے بعد اصطلاح یہودی تمام یہودی قبائل کے لئے استعمال ہونے لگی ۔تمام یہودی اس بات پر متفق ہیں کہ یہودی ماں کے بطن سے جنم لینے والا

بچہ بھی یہودی ہوسکتا ہے۔یہودیت میں اصلاحات کے بعد قدامت پسندی سے نکل کر تسلیم کیا گیا کہ اگر اس کے والدین میں سے کوئی بھی یہودی ہوتو وہ یہودی کہلائے گا(۱۹)۔''

انسائیکلوپیڈیا آف دی سوشل سائنسز میں لکھا گیا ہے:

''لفظ''یہودی''دوطرح کے مجموعات سے تعلق رکھنے والے گروہوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اول وہ لوگ جوانجیل یا اس کے بعد کے صحیفے کی رو سے کسی ایسے خاندان یا نسل میں پیدا ہوئے جو کہ انجیل کی رو سے یہودی کہلاتے ہیں۔دوم: یہ لفظ ان اعتقادات کے مجموعے کی طرف اشارہ کرتا ہے جو یہودیت کہلاتا ہے اوران عبادات کے طریقے پر عمل پیرا ہوتا ہے جو کہ اس کا تقاضا کرتی ہیں۔یعنی ایسا فرد جو کہ یہودی عقائد کا پیروکار رہواوران پر یقین رکھتا ہو(۲۰)۔''

انسائیکلوپیڈیا امریکانا کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

''یہودیت :یہودی لوگوں کا مذہب' جوقریبا ۳ ہزار برس پر محیط تاریخ کا حامل ہے۔انجیل میں بھی یہودیت کا کوئی حوالہ موجود نہیں ہے جو کہ صدیوں قبل رابیوں کی تحریروں میں لکھی گئی اور نہ ہی اس کے لئے مذہب کا لفظ استعمال کیا گیا۔اس کے صرف رسم ورواج' قواعد وضوابط بیان کئے گئے ہیں جو کہ زندگی کے ہر پہلو پر محیط ہیں۔نہ ہی انجیل یا یہودی تحریرات میں اس کو تسلیم کرنے پر زور دیا گیا ہے۔بسااوقات ''یہودیت'' کے نظریے کو لفظی شکل دینے کی کوشش کی گئی لیکن یہ پایہ تکمیل کو نہیں پہنچی (۲۱)۔''

علامہ شہرستانی یہودلفظ کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''الیھود خاصة ، الرجل ای رجع وتاب ، وانما لز مھم ھذا الاسم لقول موسیٰ علیه السلام (انا ھدنا الیک)ای رجعنا وتضرعنا (۲۲)۔''

ترجمہ: خاص طور پر یہودی،اس نے رجوع کیا اوراس نے توبہ کی،اوران کا یہ نام موسیٰؑ کے اس قول (اناھدنا الیک) ہم نے رجوع کیا اور ہم آہ وزاری کرتے ہیں۔

امام قرطبی لفظ یہود کے بارے میں رقم طراز ہیں:

" والذین (ھادوا) معناه صاروا یھودًا ؛ نسبوا الی یھوذا وھو اکبر ولد یعقوب علیه السلام .... وقیل سموا بذلک لتوبتھم عن عبادة العجل ھاد : تاب .والھائد : التائب(۲۳)."

ترجمہ:ھادوا کا معنی ہے کہ وہ یہودی ہوئے، یہوذا کی طرف نسبت ہے جو یعقوبؑ کا سب سے بڑا بیٹا ہے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا یہ نام بچھڑے کی عبادت سے رجوع کرنے کی وجہ سے رکھا گیا

ہے۔ھاد اس نے توبہ کی۔ھائد کا معنی ہے توبہ کرنے والا۔

مفسر قرآن امام طبری لفظ یہود کی لغوی تشریح یوں بیان کرتے ہیں:

''واما الذین ھادوا فھم الیھود ومعنی 'ھادوا':تابوا، یقال منه . ھاد القوم یھودون ھوداً وھادة وقیل انما سمیت الیھود یھود من اجل قولھم ، انا ھدنا الیک(۲۴) .''

ترجمہ: ھادوا سے مراد یہودی ہیں اور ''ھادوا'' کا معنی ہے، ''انہوں نے توبہ کی'' اور اسی سے کہا جاتا ہے لوگوں نے توبہ کی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہودی کا نام اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ہے ''ہم نے تیری طرف توبہ کی۔

تفسیر جلالین میں یوں لکھا ہے:

''یہود بنی اسرائیل کو کہتے ہیں وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے لیکن قوی تر یہ ہے کہ یہودا ابن یعقوبؑ کی طرف یہ منسوب ہیں جو ان کے جد اعلیٰ ہیں یا ھاد بمعنی تاب ہے(۲۵)۔''

''لفظ یہود **ھوادہ** سے ماخوذ ہے جس کے معنی مودۃ اور دوستی کے ہیں یا یہ **تھود** سے ماخوذ جس کے معنی توبہ کے ہیں۔جیسے قرآن میں ہے ﴿**إنا ھدنا إلیک**﴾۔حضرت موسیٰ فرماتے ہیں اے اللہ ہم تیری طرف توبہ کرتے ہیں۔پس انہیں انہی دو وجوہات کی بنا پر یہود کہا گیا۔توبہ اور آپس کی دوستی کی وجہ سے۔اور بعض کہتے ہیں کہ یہ اولاد یہودا کی بنا پر کہا گیا۔اور ایک قول یہ ہے کہ تورات پڑھتے وقت بنی اسرائیل ہلتے تھے اس لئے انہیں یہود یعنی حرکت کرنے والا کہا گیا(۲۶)۔''

مفسر قرآن امین احسن اصلاحی لفظ یہود کے متعلق کہتے ہیں کہ:

''یہودا یعقوب علیہ السلام کے ان بارہ بیٹوں میں سے چھوٹے بیٹے جن سے بنی اسرائیل کے بارہ خاندانوں کا ظہور ہوا جو یشوع کے زمانے میں مفتوحہ علاقہ انہی لوگوں کے درمیان تقسیم ہوا اور اس تقسیم میں ارشلیم سے لیکر جنوب تک تمام علاقہ بنی یہودا کے قبضے میں آیا۔حضرت داؤدؑ اسی خاندان سے تھے۔ان کے وارث سلیمانؑ تھے۔انہوں نے ہیکل کی تعمیر کی جس سے خاندانی عظمت میں اضافہ ہوا۔ان کے بعد اختلافات کی وجہ بنی اسرائیل دو حصوں میں تقسیم ہو گئے ایک یہودا اور دوسرے بنی اسرائیل ک نام سے موسوم ہوا ------ چنانچہ بعد کی تاریخ میں یہودا اور بنی اسرائیل کے نام ملتے ہیں۔جب یہ لوگ کلدانیوں کی اسیری میں مبتلا ہوئے تو بنی اسرائیل کے لئے یہود کا لفظ ایک متبرک حیثیت سے استعمال ہونے لگا(۲۷)۔''

الغرض یہ کہ یا تو یہ نام یہودا بن یعقوب کی وجہ سے پڑا، یا ان کے توبہ کرنے کی وجہ سے۔مقالہ نگار کہ رائے میں یہودا بن یعقوب کی وجہ سے پڑا کیونکہ جمہور علماء لغت و مفسرین کی رائے میں یہ قوی تر اور آسان بات ہے ورنہ قرآن میں اس کی طرف

واضح اشارہ ملتا۔

تاریخی پس منظر:

یہودیت دنیا کے موجودہ مذاہب میں سب سے قدیم مذہب ہے۔کہا جاتا ہے کہ یہودی مذہب ان دو عظیم الشان مذاہب اسلام اور عیسائیت کا پیشرو ہے جو کرۂ ارض کے بیشتر حصے پر پھیلے ہوئے ہیں۔اور جن کی تعلیمات میں ابراہیمی مذہب کے وہ اصول وقواعد بھی پائے جاتے ہیں جن پر یہودی مذہب کا بڑی حد تک دارومدار ہے(۲۸)۔

Larouse Dictionary کے مطابق:

"The Religion of the Jews , central to which is the belief in on God , the Transcendent Creator of the world who delivered the Israelites out of their
bondage in Egypt , revealed his law (Torah) to them and chose them to be a light to all human kind. The Hebrew bible is the primary source of Judaism(29)."

ترجمہ: یہودیوں کا مذہب جس کا بنیادی عقیدہ توحید ہے یعنی ایک مالک کل خالق عالم جس نے اسرائیلیوں کو سرزمین مصر میں سے غلامی سے نجات دی اور ان پر اپنے قوانین (تورات) آشکار کیے اور ان کو تمام دنیا کے انسانوں کے لئے مشعل راہ بنایا۔ عبرانی انجیل یہودیت کا بنیادی ماخذ ہے۔

انسائیکلوپیڈیا آف ریلجن اینڈ ایتھکس کا مقالہ نگار یہودیت کے متعلق یوں لکھتا ہے:

''یہودیت کی کوئی معین تعریف کرنا مشکل ہے کیونکہ اس ضمن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کم سے کم اور قطعی طور پر کس چیز کا اقرار ضروری ہے۔تا ہم یہودیت دو اصولوں پر مبنی ہے خدا کی وحدانیت اور بنی اسرائیل کی پسندیدہ اور منتخب امت ہونا' یہودیت بت پرستی اور متعدد خداؤں کی پوجا یعنی شرک کو مسترد کرتی ہے۔اور ایک رب العالمین پر عقیدہ رکھتی ہے(۳۰)۔ ''

رابرٹ وین ڈی ویئر یہودی مذہب کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''یہودی مذہب کی ابتدا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ۱۹۰۰ق م میں اس وقت کی جب انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کی سرزمین میسوپوٹیمیا (موجودہ عراق) نقل مکانی کر کے مغرب کی جانب گئے۔ان کی اولاد ایک قوم بنی اور انہوں نے بحیرہ روم کے کنارے کنعان کی سرزمین کو فتح کر کے ڈیرے جمائے اور یہیں بس گئے(۳۱)۔''

حضرت نوحؑ کے بعد حضرت ابراہیمؑ پہلے نبی تھے جن کو اللہ تعالی نے اسلام کی عالمگیر دعوت پھیلانے کے لئے مقرر کیا تھا جنہوں نے پہلے خود عراق سے مصر تک اور شام وفلسطین سے ریگستان عرب کے مختلف گوشوں تک برس ہا برس لوگوں کو اللہ کی فرمانبرداری کی دعوت دی پھر اپنے مشن کی اشاعت کے لئے مختلف علاقوں میں اپنے خلفاء مقرر کیے۔مشرق اردن میں اپنے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کو' شام وفلسطین میں اپنے بیٹے حضرت اسحاقؑ کو اور اندرون عرب میں اپنے بڑے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو مامور کیا پھر اللہ ہی کے حکم

سے وہ اس مشن کا مرکز قرار پایا (۳۲)۔

حضرت ابراہیمؑ (۱۸۰۰ق م) عراق کے باشندے تھے۔آپ نے اپنے عہد کی ستارہ پرستی کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔جب نمرود یا ان کی قوم نے آگ میں زندہ جھونکا تو اللہ تعالی نے نجات دی۔بعد میں بڑی مشکلات سے گزر کر وہ کنعان (فلسطین وشام) آبسے اور اپنے آدھے کنبے بی بی ہاجرہؓ اور اپنے صاحبزادے حضرت اسماعیلؑ کو مکہ معظمہ میں بسایا خود بی بی سارہؓ اور حضرت اسحاقؑ کے ساتھ فلسطین میں مقیم رہے (۳۳)۔

حضرت اسحاق کے فرزند یعقوبؑ تھے جن کی اولاد بنی اسرائیل کے نام سے موسوم ہے۔اصل دین جو حضرت موسیٰ اور ان سے پہلے اور بعد کے انبیاء لائے وہ اسلام ہی تھا ان انبیاء میں کوئی یہودی نہ تھا یہ مذہب اس نام کے ساتھ بہت بعد کی پیداوار ہے۔یہ اس خاندان کی طرف منسوب ہے جو حضرت یعقوبؑ کے چوتھے بیٹے یہوداہ کی نسل سے تھا۔حضرت سلیمانؑ کے بعد جب سلطنت دو ٹکڑے ہوئی تو یہ خاندان اس ریاست کا مالک بنا جو یہودیوں کے نام سے مشہور ہوا اور دوسرے قبائل نے اپنی الگ ریاست بنالی۔جو سامریہ کے نام سے مشہور ہوئی پھر اسیریا نے نہ صرف سامریہ کو برباد کیا بلکہ ان کے نام ونشان کو بھی مٹادیا۔اس کے بعد یہودا اور بن یامین کی نسل باقی رہ گئی۔جس پر یہودا کی نسل کے غلبے کی وجہ سے یہوداہ کے الفاظ کا اطلاق ہونے لگا اس نسل میں کاہنوں نے اپنے خیالات ورجحانات کے مطابق عقائد ورسوم اور مذہبی ضوابط کا جو ڈھانچہ صدہا برس میں تیار کیا وہ یہودیت ہے۔یہ ڈھانچہ چوتھی صدی قبل مسیح میں بننا شروع ہوا اور پانچویں صدی تک بنتا رہا۔اللہ کے رسولوں کی لائی شریعت وہدایت کا بہت تھوڑا عنصر اس میں شامل ہے (۳۴)۔

یہ بات مسلم ہے کہ اسرائیل حضرت یعقوبؑ بن اسحاقؑ بن ابراہیمؑ ہیں اور حضرت یعقوب ہی کی طرف ہی بنی اسرائیل کی نسبت ہے مختلف جگہوں سے منتقل ہو کر فلسطین میں انہوں نے سکونت اختیار کی تھی۔حضرت ابراہیمؑ کے بعد حضرت یعقوبؑ اور ان کے بیٹیوں نے فلسطین ہی کو اپنا مسکن بنا کر وہاں دیہاتی زندگی بسر کرنا شروع کردی۔یہود کی تاریخ اس بنا پر حضرت یعقوبؑ سے شروع کی جاتی ہے۔اس کا پہلا مرحلہ حضرت یعقوبؑ کا فلسطین سے مصر منتقل ہونا ہے (۳۵)۔

جوڈیاJodea قدیم زمانے میں شمال فلسطین کے ایک ملک کا نام تھا دراصل یہ نام اس علاقے کو وہاں رہنے والے قبیلے (Juddah) کی مناسبت سے دیا گیا اس علاقے کے باشندے کوJudeans کے نام سے پکارا جاتا ہے۔لفظ (Jew) اسی سے نکلا ہے ڈیوڈ بادشاہ یہودیوں کے علاقے سے تعلق رکھتا تھا۔اس نے اسرائیلیوں کو ایک سلطنت کے تحت متحد کیا اور یروشلم کو اس کا دارالسلطنت بنایا۔سلیمان کے مرنے کے بعد یہ قوم دو حصوں میں منقسم ہوگئی۔اسرائیلیوں کی ایک سلطنت جنوب کی طرف قائم ہوئی اور شمال کی طرف دوسری سلطنت Juddah قائم ہوئی یروشلم Juddah والوں کا دارالخلافہ رہا۔۵۸۷ ق م بن یمین نے یروشلم پر قبضہ کرلیا اور بہت سارے یہودیوں کو نکال دیا گیا۔۳۸ ق م میں ایرانی بادشاہ نے ان کو جوڈیا واپس آنے کی اجازت دے دی جوڈیا نےHasmonean کی سرکردگی میں ۱۰۰ق م میں آزادی حاصل کی لیکن ۶۳ ق م میں یہ ایک رومی صوبے کے ماتحت ہوگئے۔یہودیوں نے ٦٦ ق م میں رومیوں کے خلاف انقلاب برپا کیا جو جوڈیا ۱۰ق م

میں اختتام پذیر ہوگیا۔ جبکہ رومیوں نے یروشلم فتح کیا اور ہیکل کو تباہ کردیا (۳۶)۔

یروشلم کی تباہی کے بعد بابل ایرانیوں کے ہاتھ سرنگوں ہوا اس کے بعد اسرائیلی متعدد حکومتوں کے زیرنگیں رہیں پھر انہوں نے یونانیوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ یہودی حکومت قائم کی۔ حکومت مذہب سے دور تھی۔ عوام نے دلچسپی نہ لی اور مخالفت کی۔ اس پر حکومت نے مدد مانگی لیکن رومی مدد کے بہانے قابض ہوگئے۔ ۷۰ عیسوی میں یروشلم کو مسمار کیا گیا اور طویل غلامی کا سلسلہ شروع ہوا۔ ۱۵ ویں صدی میں یہودیوں پر عیسائیوں کے مظالم نے شدت اختیار کی۔ ۱۴۹۲ء میں حکم نافذ ہوا کہ سب یہودی عیسائیت قبول کرے ورنہ ملک بدر ہوجائیں اور اپنا قیمتی مال یہیں چھوڑ دیں۔ اکثر نے عیسائیت قبول جو جلاوطن ہو کر نکلے وہ موت کا شکار ہوگئے۔ ورلڈ بک انسائیکلوپیڈیا کے مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ:

ہم یہود کی تاریخ کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں پہلا حصہ یعقوب علیہ السلام سے لے کر یوشع بن نون کے شام میں فاتحانہ داخلے کے واقعات پر مشتمل ہے اور دوسرا حصہ شام کی فتح سے لے کر اب تک کے واقعات پر پھیلا ہوا ہے۔ کتاب وسنت میں اس حصے کے کچھ اجزاء محفوظ ہیں اور بعض دوسرے واقعات کی طرف اشارات بھی پائے جاتے ہیں۔ اس حصے کی تاریخ کے لئے ہمیں یہودی روایات بائبل اور تالمود پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے۔ چونکہ یہودیوں کو جنگ عظیم کے بعد سخت ظلم کا نشانہ بنایا گیا۔ وہ جرمنی سے جلاوطن ہوئے حتی کہ بحری جہازوں میں رہنے پر مجبور ہوگئے۔ مشرق وسطی کے عرب ممالک پر قبضہ کرنے کے لئے یورپی طاقتوں نے سازشوں کے ذریعے فلسطین پر اسرائیلی ریاست قائم کردی۔ اس لئے ان کے وطن کے بارے میں سخت اختلاف پایا جاتا ہے (۳۷)۔

چونکہ یہود کی تاریخ یعقوب علیہ السلام سے شروع ہوتی ہے۔ جسکا پہلا مرحلہ یعقوبؑ کا فلسطین سے مصر منتقل ہونا ہے۔ ان کے بیٹے یوسف علیہ السلام کو اللہ نے مصر میں حکومت عطا فرمائی تو یعقوبؑ کے اہل وعیال وہاں منتقل ہوگئے اور اسے اپنا مسکن بنایا۔ موسیٰؑ کی آمد سے پہلے بنی اسرائیل دور فراعنہ میں مظالم کا شکار رہے یہاں تک کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو مبعوث فرمایا ان پر ایک کتاب نازل فرمائی انہوں نے فرعون کو ایک اللہ پر ایمان کی دعوت دی اور کہا کہ وہ لوگوں کو اپنی عبادت کی طرف نہ بلائے اور یہ کہ بنی اسرائیل پر ظلم وستم کرکے انکو نہ ستائے (۳۸)۔

لیکن اس نے پھر بھی تکبر کیا اور انکار کیا اسلئے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی حضرت موسیٰؑ کو بنی اسرائیل اپنے ساتھ لیکر مصر سے نکل جانے کا حکم دیا اور اسکی ایک تاریخ مقرر فرمادی جس میں تمام اسرائیلی اور غیر اسرائیلیوں کو اس ملک کے ہر حصہ سے ہجرت کرنا پڑی۔ سب لوگ ایک طے شدہ مقام پر جمع ہوکر ایک قافلہ کی صورت میں روانہ ہوگئے۔ حضرت موسیٰؑ نے بحراحمر کی طرف جانے والا راستہ اختیار کیا ادھر سے فرعون ایک لشکر عظیم لے کر تعاقب کرتا ہوا ٹھیک اس موقع پر آپہنچا ابھی یہ قافلہ اس وقت ساحل سمندر پر ہی تھا۔ قرآن مجید کی سورۃ الشعراء میں بتایا گیا کہ مہاجرین کا قافلہ لشکرِ فرعون اور سمندر کے درمیان گھر چکا تھا۔ عین اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو حکم دیا کہ اپنا عصا سمندر میں مار۔ چنانچہ ان کے عصا مارنے سے سمندر فوراً پھٹ گیا۔

اس کا ہر ٹکڑا ایک بڑے ٹیلے کی طرح کھڑا ہو گیا بیچ میں صرف یہی نہیں کہ قافلے کے گزرنے کے لئے راستہ نکل آیا۔ بلکہ بیچ کا یہ حصہ خشک ہو کر سوکھی سڑک کی طرح بن گیا۔اس راستے سے مہاجرین کے گزرتے ہیں فرعون اپنے لشکر سمیت سمندر کے اس درمیانی راستے میں اتر آیا۔اور سمندر نے اس کو اس کے لشکر سمیت غرق کر دیا۔اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کو بچایا اور فرعون اور اس کے لشکر کو ہلاک کیا(۳۹)۔

عہد نامہ قدیم کے مطابق:

''مصر میں ان کی مدت اقامت ۴۳۰ سال ہے(۴۰)۔''

احمد شلبی کے مطابق:

''مصر میں بنی اسرائیل کی مدت اقامت ۲۱۵ سال ہے۔حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر جزیرہ نمائے سینا میں آئے اور ایک سال سے کچھ زیادہ مدت تک اسی مقام پر ٹھہرے رہے۔تورات کے بیشتر احکامات یہیں آپؑ پر نازل ہوئے۔انہی احکام میں ایک حکم یہ تھا کہ بنی اسرائیل کو لے کر فلسطین کی طرف سے جاؤ اور اسے فتح کرلو کہ وہ تمہاری میراث میں دیا گیا ہے۔چنانچہ آپؑ نے بنی اسرائیل کو ساتھ لیکر دشت فاران میں پہنچے جہاں سے آپ نے ایک بارہ رکن وفد کو فلسطین کے حالات جاننے کے لئے بھیجا۔اس وفد نے اپنی رپورٹ ۴۰ دن بعد واپس آ کر پیش کی۔رپورٹ حوصلہ افزا نہ تھی۔سب پریشان ہوئے اور بنی اسرائیلیوں نے فلسطین کی مہم پر جانے سے انکار کر دیا(۴۱)۔''

قرآن کی سورۃ مائدہ اس کا ذکر ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾(۴۲)۔

ترجمہ: وہ بولے کہ موسیٰ جب تک وہ لوگ وہاں ہیں ہم کبھی نہیں وہاں جا سکتے۔تم اور تمہارا خدا جاؤ اور لڑو ہم یہیں بیٹھے رہیں گے۔

تب اللہ تعالیٰ نے انہیں نافرمانی کی یہ سزا دی کہ اب وہ ۴۰ برس تک اس علاقے میں بھٹکتے رہیں گے۔جب سزا کے ۴۰ سال ہونے لگے تو ادوم کی سرحد کے قریب کوہ ہور پر حضرت ہارونؑ وفات پا گئے۔پھر حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو لئے موآب کے علاقے میں داخل ہوئے۔اس علاقے کو فتح کرنے کے بعد جب کوہ عباریم تک آئے تو حضرت موسیٰ کا انتقال ہو گیا۔اُن کے بعد حضرت یوشعؑ ان کے خلیفہ اول بنے جنہوں نے دریائے اردن کو پار کر کے شہر اریحا فتح کیا۔یہ فلسطین کا پہلا شہر تھا جو بنی اسرائیل کے قبضے میں آیا۔پھر قلیل مدت میں ہی پورا فلسطین فتح ہو گیا(۴۳)۔

حضرت موسیٰؑ کی وفات کے بعد جب بنی اسرائیل فلسطین میں داخل ہوئے تو یہاں مشرک قومیں آباد تھیں ان میں بدترین قسم کا شرک پایا جاتا

تھا۔ساری خدائی بہت سے معبودوں میں بٹ کر رہ گئی تھی ۔ان دیویوں دیوتاؤں کی طرف ایسے بڑے ذلیل اعمال منسوب تھے کہ اخلاقی لحاظ سے انتہائی پست بدکردار انسان بھی ان کے ساتھ مشتہر ہونا پسند نہ کرے۔اُن کے ہاں بچوں کی قربانی کا عام رواج تھا تو رات میں واضح طور پر ان قوموں کے سلسلے میں جو ہدایات موجود ہیں اُن میں کہا گیا کہ یہ قومیں نا قابل اصلاح ہیں اور ان کے ساتھ رہنے' بسنے اور اخلاق' اعتقادی خرابیوں میں مبتلا ہونے سے پرہیز کرنا لیکن بنی اسرائیل نے ان ہدایات پر عمل نہ کیا اور ان کو پس پشت ڈال دیا اور قبائلی عصبیت کے باعث یہ پسند کیا کہ متحدہ سلطنت کی بجائے مفتوحہ علاقوں کا ایک ایک حصہ لے کر الگ ہو جائے ۔اس طرح فلسطین کا مختصر سا علاقہ ۱۲ قبائل میں منقسم ہو گیا وہ قبائل یہ تھے۔

۱۔ بنی یہودا ۲۔ بنی شمعون ۳۔ بنی دان ۴۔ بنی یمین
۵۔ بنی افرائیم ۶۔ بنی روبن ۷۔ بنی جد ۸۔ بنی منسی
۹۔ بنی اشکار ۱۰۔ بنی زبولوت (زبلون) ۱۱۔ بنی تفتالی ۱۲۔ بنی آشر

انتشار اور تفرقے کی وجہ سے کوئی قبیلہ طاقتور نہ بن سکا کہ علاقے کو مشرکین سے پاک کر دے آخر کار انہیں یہ گوارا کرنا پڑتا کہ مشرکین ان کے ساتھ رہیں اس طرح بری عادتیں اُن میں گھس آئیں (۴۴)۔

دوسرا خمیازا انہیں یہ بھگتنا پڑا کہ جن علاقوں کی شہری ریاستیں انہوں نے چھوڑ دی تھیں انہوں نے اور فلستیوں نے جن کا علاقہ غیر مغلوب رہ گیا تھا مل کر بنی اسرائیل کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کر لیا اور پے در پے حملے کر کے فلسطین کے بڑے حصے سے انہیں بے دخل کر دیا یہاں تک کہ اُن سے تابوت سکینہ یعنی خداوند کے عہد کا صندوق بھی چھین لیا۔ پھر انہیں حضرت موسیٰؑ کی ہدایت یاد آئی اور متحدہ سلطنت کا قیام عمل میں لاکر تین فرمانرواؤں نے یعنی حضرت طالوت' حضرت داؤد اور حضرت سلمان نے اس کام کو مکمل کیا جسے بنی اسرائیل نے حضرت موسی علیہ السلام کے بعد نامکمل چھوڑ دیا تھا۔اگر اللہ تعالیٰ طالوت کی قیامت میں اسرائیلیوں کو جمع نہ کرتا تو پھر وہ دنیا کی پست ترین اور ذلیل قوم بن کر رہ جاتی (۴۵)۔

حضرت سلیمان کے بعد زر پرستی کا غلبہ ہوا۔اور انہوں نے زیادہ سے زیادہ دولت ہتھیانے کے لئے آپس میں لڑ لڑ کر دو الگ الگ سلطنتیں قائم کر لیں۔

۱۔ شمالی فلسطین اور شرق اردن میں سلطنت اسرائیل
۲۔ جنوبی فلسطین اور ادوم میں سلطنت یہود

اول الذکر کا دارالحکومت سامریہ اور موخر الذکر کا یروشلم بنا۔اب دونوں سلطنتوں میں رقابت شروع ہو گئی جو آخر تک جاری رہی اسرائیلی ریاست کے فرمانروا اور باشندے سب سے زیادہ متاثر ہوئے ۔حضرت الیاس' حضرت الیسع نے فحاشی روکنے کی کوشش کی لیکن یہ قوم تنزل کی جانب بڑھ رہی تھی پھر اللہ کے غضب نے آشوریوں کی صورت میں آلیا نوویں صدی ق م میں سارگون نے سامریہ فتح کر کے سلطنت

اسرائیل کا خاتمہ کیا اس طرح سلطنت یہود کے ساتھ ہوا۔ آخر کار ۵۸۷ ق م بابل کے بادشاہ بخت نصر نے ایک سخت حملہ کیا اور سلطنت یہودیہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ یروشلم اور ہیکل سلیمانی کو پیوندِ خاک کیا کہ اس کی ایک دیوار بھی اپنی جگہ کھڑی نہ رہ سکی۔ یہودیوں کو وہاں سے نکلنے پر مجبور کردیا (۴۶)۔

سلطنت اسرائیل اور سلطنت یہود آشوریوں کی فتح اور بخت نصر کے حملوں کے بعد نیست و نابود ہو گئیں اور اسے قائم کرنے والے بھی صفحۂ ہستی سے مٹ گئے مگر یہودیہ کے بچ جانے والے باقی تمام باشندوں میں سے کچھ لوگ جو خیر کی دعوت دینے والے موجود تھے جنہوں نے توبہ کی ترغیب دی آخر کار رحمت الٰہی نے جوش مارا اور ان کی مدد کی اور بابل کی سلطنت کو زوال ہوا۔ ۵۳۹ ق م میں ایرانی فاتح سائرس (خسرو یا خورس) نے بابل کو فتح کیا اور اس کے دوسرے ہی سال اُس نے فرمان جاری کر کے بنی اسرائیل کو وطن واپس جا کر آباد ہونے کی اجازت دی اور ساتھ ہی ہیکل سلیمانی کو دوبارہ تعمیر کرنے کی اجازت مل گئی۔ اُن کے واپس آنے کے بعد یہاں مسلسل آباد ہونے والی ہمسایہ قوموں نے ان سے مزاحمت شروع کردی آخر کار ۵۲۲ ق م میں "سلطنت یہود" کے آخری بادشاہ کے پوتے کو یہودیہ کا گورنر مقرر کیا گیا جس نے ہیکل سلیمانی کی دوبارہ تعمیر کروائی۔ اس زمانے میں حضرت عزیر نے دین موسیٰ کی تجدید کا کام سرانجام دیا۔ خیر و صلاح کی لوگوں کو دعوت دی تورات کو مرتب کرا کے شائع کرایا۔ یہودیوں کی دینی تعلیم کا انتظام کیا۔ اخلاقی برائیوں کو دور کرنے کے قوانین شرعی نافذ کئے یوں ۱۵۰ سال بعد بیت المقدس نئے سرے سے آباد اور یہودی مذہب کی تہذیب کا مرکز بن گیا (۴۷)۔

شام کے فرمانروا (اینٹیوکس ثالث) نے ۹۸ ق م میں فلسطین پر حملہ کردیا اور اس پر قبضہ جمالیا۔ وہ یہودیوں سے سخت نفرت کرتے تھے۔ انہوں نے جابرانہ قوت کا استعمال کیا تو یہودیوں میں شدید ردِ عمل کے نتیجے میں ایک زبردست تحریک نے جنم لیا جسے تاریخ میں مکابی بغاوت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس تحریک کے نتیجے میں مذہب سے مخلص پکے کٹر یہودیوں نے یونانیوں کو نکال کر اپنی آزاد ریاست قائم کرلی جو ۶۷ ق م تک جاری رہی۔ یہ صورتحال زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی۔ یہ تحریک جس دینی و اخلاقی روح کے ساتھ اٹھی وہ رفتہ رفتہ فنا ہوتی چلی گئی اور اس کی جگہ خواہشات نفسانی اور دنیا پرستی نے لے لی۔ آخر کار ان میں پھوٹ پڑ گئی۔ انہوں نے رومن فاتح جنرل پومپی Pompy کو فلسطین پر حملے کی دعوت دے دی اس نے ۶۳ ق م میں بیت المقدس پر قبضہ کرکے یہودیوں کی آزادی کو ختم کردیا۔

رومن فاتحین کی پالیسی تھی کہ وہ مقامی حکمرانوں کے ذریعے کام کرتے تھے انہوں نے دیسی ریاست قائم کردی جو بالآخر ایک ہوشیار یہودی ہیرودِ اعظم کے قبضے میں آئی اس نے دونوں طرف کے لوگوں کو خوش رکھا اور قیصر کی خوشنودی حاصل کرلی اُس وقت یہودیوں کی اخلاقی و دینی حالت انتہائی زوال پذیر ہو چکی تھی ۴ ق م رومیوں نے ہیرودِ اعظم کے پوتے کو ان تمام علاقوں کا فرمانروا بنادیا اُس نے اقتدار کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں پر مظالم کی انتہا کردی اس قوم کے سامنے حضرت یحییٰ کا

سر قلم کیا گیا مگر اس ظلم عظیم کے خلاف کوئی آواز نہ اٹھی پھر حضرت عیسیٰ کے لئے سزائے موت کا مطالبہ کیا گیا (۴۸)۔

بعد ازاں رومنوں اور یہودیوں میں کشیدگی پیدا ہوگئی۔ ۶۳، ۶۴ یا ۶۶ ق م کے درمیان یہودیوں نے رومیوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ رومیوں نے اس بغاوت کو کچل دیا۔ اور فلسطین پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اگرچہ ۱۳۵ء میں یہودیوں نے رومیوں کیے خلاف بغاوت کی کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ اس ظلم وستم کے بعد فلسطین سے یہودی اثر ایسا مٹا کہ ہزار برس تک اس کو سر اٹھانے کا موقع نہ ملا (۴۹)۔

آخر رومیوں کے مظالم سے تنگ آکر یہودیوں نے ترک وطن کیا اور وہ ایشیا اور یورپ کے علاقوں میں جا بسے اور متواتر کئی قسم کے حالات سے دوچار رہوئے۔ اٹھارویں صدی تک انہیں سر اٹھانے کا نمایاں موقع نہ مل سکا۔ اٹھارویں صدی میں بھی یہود کے خلاف اہل قلم نے آواز بلند کی اسطرح یورپ کے بیشتر ممالک میں انکے خلاف نفرت قائم ہوئی اور مختلف ممالک میں ان پر ظلم کا سلسلہ پھر شروع ہوگیا اس پر ایک یہودی ”ڈاکٹر ہون ہنسکر“ نے کتاب لکھی اور یہودیوں کو الگ خود مختار ریاست کا مشورہ دیا جس پر صحافیوں نے یہود کے ارض مقدس پر آباد ہونے کے متعلق مضامین لکھے۔ اسی کے نتیجے میں ”تھیوڈر ہرزل“ تحریک شروع ہوئی۔ یوں یہود فلسطین میں آباد ہونا شروع ہوئے پہلی جنگ عظیم تک ان کی تعداد اسی ہزار تک ہوگئی۔

۱۹۱۷ء میں برطانیہ نے اعلان کیا کہ فلسطین میں یہود کا الگ وطن قائم کیا جائے گا اور برطانیہ تعاون کرے گا یہ اعلان سن کر فلسطین کے مسلمانوں اور عرب ممالک میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی اور اس پر احتجاج ہوا پہلی جنگ عظیم تک فلسطین ترکی کا حصہ تھا لیکن جنگ کے بعد اتحادیوں نے برطانیہ کی تحویل میں دینے کا اعلان کیا اس سے یہود کو تقویت ملی اور دنیا بھر سے یہود فلسطین میں آکر آباد ہوگئے اس پر ہنگامے ہوئے آخر یہود اور عربوں میں صلح کی کوشش کی گئی جو ناکام ہوئی ۱۹۳۷ء میں یہود کا عالمی اجلاس ہوا پھر ۱۹۳۹ کو گول میز کانفرنس بھی ہوئی لیکن عربوں نے شرکت نہ کی ۱۷ مئی ۱۹۳۹ء کو مسئلہ فلسطین پر برطانوی حکومت نے قرطاس ابیض شائع کیا جس میں دس سال کے اندر فلسطین میں آزاد اور خود مختار حکومت کا عندیہ دیا گیا اس پر عرب پرامن رہے۔ اسی دوران دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی اور جرمنی سے مزید یہود فلسطین منتقل ہوئے فلسطین میں حالات پھر کشیدہ ہوگئے یہود نے دہشت گردی کی کاروائیاں کیں اور خفیہ فوج بنائی اور ۱۹۴۴ء مین توڑ پھوڑ کی۔ آخر مسئلہ اقوام متحدہ میں پیش ہوا ۲۹ نومبر ۱۹۴۷ء کو جنرل اسمبلی میں بل پیش ہوا جہاں تقسیم فلسطین کی تجویز منظور ہوگئی جس پر یہود اور عربوں کا بہت خون بہا ۱۴ مئی ۱۹۴۸ء کو برطانیہ نے فلسطین سے اپنا تسلط ختم کا اعلان کیا اور ڈیوڈ بن گوریان اسرائیل کا پہلا وزیر اعظم تھا۔ جس نے اسرائیل کے قیام کا اعلان کیا اس پر تمام عرب ممالک نے اسرائیل پر حملہ کردیا ۱۹۴۹ء تک جنگ جاری رہی اسرائیل کو برطانیہ اور امریکہ کی مدد حاصل تھی اس لئے انکا پلڑا بھاری رہا اور فلسطین کے تین چوتھائی پر اسرائیل کا قبضہ ہوگیا۔ ۱۹۵۶ء میں اسرائیل نے فرانس اور برطانیہ کی شہ پر حملہ کیا اسی طرح ۱۹۶۷، پھر ۱۹۷۳ء میں بھی اور ابھی تک یہ سلسلے بڑھ رہا ہے۔ (خدا امن قائم کرے) (۵۰)۔

مبحث دوم : بنی اسرائیل اوران کے انبیاءؑ کے حالات زندگی اور تعلیمات:

خالق کائنات نے آدم وحوا علیہم السلام اور بنی آدم کوروئے زمین پر بسایا تو مرور ایام کے ساتھ ساتھ بنی نوع انسان میں گمراہیاں آتی گئیں حتی کہ وہ خالص توحید چھوڑ کر اصنام پرستی میں کھو گئے اُن کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ نے پے در پے انبیاء ورسل مبعوث فرمائے جنہوں نے رشد وہدایت کی نئی راہیں روشن کیں ۔ گو کہ حضرت آدم علیہ السلام اُبو البشر ہیں اور حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی کہا جا تا ہے لیکن ہم یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بنی اسرائیل کے تذکرے کا آغاز کریں گے کیونکہ تینوں الہامی مذاہب کے پیرو کار حضرت ابراہیم علیہ السلام سے آغاز کرتے ہیں ۔

اُبوالأنبیاء دنیا کے تین بڑے الہامی مذاہب یعنی یہودیت ، مسیحیت اور اسلام کے پیشوا و پیرو کار اور تینوں کے پیغمبروں حضرت موسیٰؑ ،حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد ﷺ کے جد امجد ہیں ۔حضرت ابراہیم علیہ السلام انبیائے عظام میں سے ہیں ۔اللہ تعالیٰ نے قرآن میں انہیں اُمۃ اور اِمام الناس کہا ہے ۔قرآن نے آپ کو "حنیف" اور "مسلم" کی صفات سے بھی یاد فرمایا ہے(۵۱) ۔

بنی اسرئیل اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور چند دیگر بنی اسرائیل کے انبیاء کا تذکرہ درج ذیل ہے:

☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام (Ibraheem)

☆ حضرت اسماعیل علیہ السلام(Ismael)

☆ حضرت اسحاق علیہ السلام(Isaac)

☆ حضرت یعقوب علیہ السلام(Jacob)

☆ حضرت موسیٰ وہارون علیہم السلام(Moses and Haroon)

☆ حضرت داؤد علیہ السلام(David)

☆ حضرت سلیمان علیہ السلام(Salmon)

☆ حضرت زکریا علیہ السلام(Zecharies)

☆ حضرت یحییٰ علیہ السلام (Yahya) ☆ حضرت عیسیٰ علیہ السلام(Jesus christ)

بنی اسرائیل: اسرائیل کی اولاد، اسرائیل حضرت یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علیہ السلام کا لقب ہے جس کے معنی ہیں اللہ کا برگزیدہ بندہ(ائل یا اِیلؔ عبرانی میں اسمائے ربانی میں سے ہے اور اِسُر کے معنی عبد یا برگزیدہ کے ہیں(۵۲) ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ خاندان جو اُن کے پوتے حضرت یعقوب بن اسحٰق سے تھا بنو اسرائیل/بنی اسرائیل کہلاتا ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام سے دونسلیں چلیں جن کا زمانہ ۲۱۶۰ سے ۱۹۸۵ ق م سے شروع ہوا۔ایک بنی اسماعیل (بی بی ہاجرہ مصری کے بطن سے فرزند اسماعیل) جس کی ایک شاخ قبیلہ قریش بنی۔دوسری نسل (جو کہ بی بی سارۃ عراقی کے بطن سے) حضرت اسحاق علیہ السلام اوران کے فرزند یعقوب علیہ السلام سے چلیں جو بنی اسرائیل کہلائی (۵۳)۔

اس لیے نسلی یہودی اور نصاری کے قدیم ترین خاندان اسرائیلی کہلاتے ہیں کیونکہ حضرت عیسی علیہ السلام بنواسرائیل ہی کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔اُن میں ایک گروہ ایمان لایا اور ایک نے انکار کیا حضرت عیسیؑ پر جو ایمان لائے وہ نصاری یا حواری کہلائے اور جنہوں نے ان کا انکار کیا وہ گروہ "یہودی" کہلایا (۵۴)۔

قرآن مجید میں ہر جگہ حضرت عیسیٰؑ کے اولین مخاطب بنواسرائیل ہی ہیں۔بلا شک وشبہ حضرت عیسیؑ بنواسرائیل ہی کی طرف مبعوث کئے گئے لیکن جس طرح آج اسرائیلی سے مراد بالعموم یہودہوتے ہیں اسی طرح قرآن پاک میں جن بنواسرائیل کا ذکر ہے وہ یہودیا اولاد یعقوب ہی ہیں جو اولاد انبیاء اور حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسی کی اتباع کے دعویدار تھے اور جن کو قرآن نے متعدد بار اولاد اسرائیل کہہ کر مخاطب کیا (۵۵)۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام: (I braheem‹Abraham)

(۲۱۶۰ تا ۱۹۸۵ ق م)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا شجرہ نسب:

ابراہیم بن تارح بن ناحور (بقول توراتِ نحور) بن ساروخ (بقول توراتِ سروج) بن راغو (بقول توراتِ رعو) بن فالج (بقول توراتِ فلج) بن عابر (بقول توراتِ عبر) بن شالخ (بقول توراتِ سلح) بن ارفخشد (بقول توراتِ ارفکشا د/ارفکشا ذ/ارفکسد) بن سام (بقول توراتِ سم) بن نوح (۵۶)۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام "آزر" تھا اس کی تصدیق قرآن کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے۔اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً اِنِّیْۤ اَرٰىكَ وَ قَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ (۵۷)۔

ترجمہ: اور جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ کیا تم بتوں کو معبود بناتے ہو میں دیکھتا ہوں تم

اور تمھاری قوم صریح گمراہی میں ہو۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سمیت اکثر علماءِ نسب کے مطابق اُنکا نام "تارح" تھا۔اہل کتاب تارخ یا تارح کہتے ہیں (۵۸)۔

بعض کے مطابق آزر نام کے بت کی پوجا کرنے کی وجہ سے اُن کا نام "آزر" پڑا۔ابن جریر طبری کے بقول اِنکا نام آزر تھا(۵۹)۔

مختصر حالات زندگی و وفات:

مؤرخین کے مطابق تارخ (تارح) کی عمر ۷۵ برس تھی کہ جب اُن کے ہاں ابراہیمؑ پیدا ہوئے تارح کے اس کےعلاوہ دو بیٹے تھے ناحور اور حاران۔اور ہاران کے بیٹے لوط تھے آپ اپنے والد کے درمیانے بیٹے تھے(۶۰)۔

ابن عساکر حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں بیان فرماتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کوثٰی (بابل) یا ورکاء یا حرّان میں پیدا ہوئے بہر حال یہ بات طے ہے کہ جنوبی عراق میں پیدا ہوئے(۶۱)۔

آپ عراق کے رہنے والے تھے اُن کا وطن "اُور/اُر" عراق کے نمرود خاندان کا دار السلطنت تھا۔قرآن کے بیان کے مطابق جب آپ کو آپ کی قوم اور نمرود نے توحید کی دعوت دینے پر آگ میں ڈال دیا تو وہ آگ اللہ کے حکم سے ٹھنڈی ہوگئی اور آپ صحیح سلامت نکل آئے(۶۲)۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰنَارُ كُونِى بَرْدًا وَسَلَـٰمًا عَلَىٰٓ إِبْرَٰهِيمَ ﴾ (۶۳)۔

ترجمہ: اے آگ! سرد ہو جا اور ابراہیم پر (موجب) سلامتی (بن جا)۔

اس کے بعد آپؑ اپنا وطن چھوڑ کر سرزمین شام و فلسطین کی طرف ہجرت کر گئے جو اس زمانہ میں ارض کنعان کہلاتی تھی(۶۴)۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام بالآخر کنعان میں مقیم ہو گئے اور خدا نے اُن کو کہا کہ اپنے گھر و جگہ سے نکل کر اُس ملک میں جا، جو میں تجھے دکھاؤں گا اور میں تجھے ایک بڑی قوم بناؤں گا۔یہی (کنعان) زمین تھی جس کے دینے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا۔۷۵ سال کی عمر میں آپ نے وہاں قیام کیا جہاں اب بیت المقدس ہے۔پھر چند دن بعد جب کنعان پر قحط آگیا آپ اپنے خاندان کے ہمراہ مصر چلے گئے پھر آپ وہاں سے نکل کر اپنے اہل وعیال کے ساتھ کنعان آئے اور مقام حبرون (الخلیل) پہنچکر قیام کیا اس مقام کو عبرانیوں نے متبرک سمجھا اور اس کا نام ایلیاہ (اللہ کا گھر) رکھا(۶۵)۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں آتا ہے اسم گرامی قرآن کی ۲۵ سورتوں میں ۶۳ دفعہ آیا ہے آپ کو خلیل

اللہ بھی کہاجاتا ہے صحف ابراہیم علیہ السلام کاذکرقرآن مجید میں موجود ہے (٦٦)۔
کنعان کے علاقے مقیم ہونے کے بعد اولاد کی تمناتھی چنانچہ دعابھی کی جس کا ذکرالصفٰت میں یوں آیا ہے:
﴿رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ (٦٧)۔
ترجمہ: اے پروردگار مجھے نیک اُولاد سے نوازے۔

چونکہ آپ کی زوجہ حضرت سارہؓ سے اولاد نہ تھی تو آپ کی شادی ہاجرہ سے ہوئی جن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی خوشخبری دی گئی۔آپ حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسماعیلؑ کو کعبہ شریف کے قریب چٹیل میدان میں چھوڑ کر چلے گئے۔جب یہ بچہ بڑا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو خواب میں دکھایا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں چنانچہ باپ بیٹا دونوں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر چھوڑ دیا اس آزمائش میں حضرت ابراہیم علیہ السلام پورا اترے۔حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے کعبے کی بنیادوں کو از سرنو اٹھایا تو آپؑ نے دعا کی۔اور تعمیر کے بعد مکے کی آبادی کے لئے بھی دعا مانگی (٦٨)۔
ابن کثیر کے مطابق:

حضرت ہاجرہ قبطیہ مصری سے حضرت اسماعیل آپ کی بچا زاد حضرت سارہؓ سے حضرت اسحاقؑ آپؑ نے اس کے بعد قطورا (قطورا) بنت یقطن کنعانیہ سے شادی کی جن سے چھ بیٹے پیدا ہوئے ان کے بعد آپ نے حجون بن امین سے شادی کی جن سے پانچ بیٹے پیدا ہوئے (٦٩)۔
محدثین و مورخین کے مطابق:
حضرت ابراہیمؑ نے اپنا ختنہ اسی سال یا ننانوے برس کی عمر میں کرایا۔پانی سے استنجا کیا۔مسواک کی،مصافحہ اور معانقہ کے بھی آپ موجد ہیں۔پاجامہ بھی آپ نے بالہام ربانی سب سے پہلے بنایا آپ ہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے ایمان کی حفاظت اور اطاعت حق تعالیٰ کی خاطر اپنا وطن چھوڑ کر شام کیطرف ہجرت کی (٧٠)۔
حضرت ابراہیمؑ فلسطین کے شہر الخلیل (حبرون) میں فوت ہوئے۔آپ کو حبرون میں مکفیلہ کے غار میں جو حبرون کے شہر میں ہے اور آج کل ''الخلیل'' کہلاتا ہے اور وہیں دفن کیا گیا۔آپؑ،اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ کی قبریں اس چاردیواری میں واقع ہیں جسے حضرت سلیمانؑ بن داؤدؑ نے تعمیر کیا تھا (٧١)۔
غرض ہمیں قصہ ابراہیم علیہ السلام اور آپکے حالات زندگی سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان اگر پختہ ارادہ اور خلوص دل سے رب کی اطاعت کرے تو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو جاتی ہے آپ اولوالعزم انبیاء میں سے ایک ہیں۔آپ ہی پر ٢٠ صحیفے نازل ہوئے۔آپ ہی نے مہمانداری کی رسم کا آغاز کیا۔حضرت ابراہیم کی کنیت اُبوضیفان (مہمان نواز) تھی (٧٢)۔
دیگر دس شعائرِ اسلام کا آغاز جن کو سنت ابراہیمی کہتے ہیں کے موجد ہیں۔مصافحہ و معانقہ کے موجد بھی آپ ہیں۔آپ نے ایمان کی حفاظت و

اطاعت حق تعالی کی خاطر سب سے پہلے ہجرت کی ۔ ہمیں اس قصہ ابراہیمی سے سب سے بڑا سبق یہ ملتا ہے کہ ایمان کی خاطر جان، مال اور اولاد کی کوئی اہمیت نہیں ۔ یہ دنیاوی آزمائشیں ہیں اللہ تعالی اُس سے راضی ہوتا ہے جو اللہ اور اللہ کے رسول کی خاطر سب کچھ حقیقی طور پر قربان کردے اور دعا صرف اللہ ہی سے مانگے، صرف اُسی سے ڈرے، کسی جابر حکمران کے سامنے مت جھکے چاہے کتنی ہی مشکلات ہی کیوں پیش نہ آئیں ۔ بقیہ آنے والے تمام انبیائے کرام نے آپ کی اس سلسلے میں پیروی کی اور وہی کام کیے جن سے رب کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے ۔(۷۳)

حضرت اسحاق علیہ السلام (Isaac/Ishaq):

حضرت ابراہیمؑ کے دوسرے فرزند جو حضرت سارہؑ کے بطن سے تھے ۔جن کی پیدائش کی بشارت انہیں اور ان کی بیوی سارہؑ کو پیرانہ سالی میں ملی ۔آپ اپنے بھائی حضرت اسماعیلؑ سے ۱۳ یا ۱۴ سال چھوٹے تھے ۔آپکی پیدائش کے وقت ابراہیمؑ کی عمر تقریبا ننانوے یا سو سال تھی اور آپ کی والدہ سارہؑ کی عمر ۹۰ سال تھی ۔تو انہیں آپ کی ولادت کی خوشخبری سنائی گئی (۷۴)۔

جب حضرت اسحاق آٹھ دن کے ہوئے تو شریعت ابراہیمی کے مطابق ختنہ ہوا اور سارہؑ نے ہی دودھ پلایا (۷۵)۔

زمانہ پیدائش/مولد و مسکن و جائے وفات:

آپ کا زمانہ ۱۸۸۰ ق م تا ۲۰۶۰ ق م ہے ۔حضرت اسحاق کا مولد و مسکن اور جائے وفات ملک شام کی سرزمین ہے بعض کے مطابق آپ ولادت حبرون میں ہوئی ۔جہاں حضرت ابراہیمؑ نے مصر سے واپسی پر اقامت اختیار کی تھی (۷۶)۔

قرآن کریم میں آپکی پیدائش کی بشارت کا ذکر مختلف سورتوں میں ۱۷ مرتبہ آیا ہے (۷۷)۔

شجرہ نسب:

حضرت اسحاق علیہ السلام کا شجرہ نسب یوں ہے ۔اسحاق بن ابراہیم بن تارح بن ناحور بن ساروخ ۔۔۔۔(۷۸)

قرآن نے آپ کا نام اسحاق بتایا ہے (۷۹)۔

اردو بائبل عہدنامہ قدیم میں کتاب پیدائش میں اِضحاق لکھا گیا ہے ۔اسحاق کا عبرانی تلفظ یصحق ہے اور یصحق کا عبرانی مترادف یضحک ہے (عبرانی میں ضاد) نہیں ہوتا یہ انکی والدہ ماجدہ کا رکھا ہوا نام ہے اس بنا پر کہ حضرت سارہ نے کہا اللہ نے مجھے ہنسایا (۸۰)۔

عہدنامہ قدیم کی مختلف کتب میں حضرت اسحاق علیہ السلام کا تذکرہ آیا ہے (۸۱)۔

آپؑ کا انتقال الخلیل یعنی حبرون شہر میں ہوا ۔بقول تورات ۱۸۰ سال کی عمر پائی ۔اور ابراہیم اور سارہ علیہا السلام کے پہلو میں دفن ہوئے اور وہیں مکفیلہ غار میں دفن ہوئے (۸۲)۔

عہد نامہ قدیم کے مطابق دونوں بھائیوں میں چپقلش تھی کیونکہ برکت دعا یعقوبؑ نے لے لی تھی ۔عیسو اپنے والدین کے مشورے سے خصوصاً والدہ کی بات مانتے ہوئے آپ اپنے ماموں لابان کے پاس چلے گئے اور وہیں ۴۰ برس کی عمر گزاری ۔آپ کے ماموں نے اپنی دونوں بیٹیوں کی شادی آپ سے کی نیز دونوں شادیوں کے درمیان دس سال کا وقفہ تھا عیسو کی شادی حضرت اسماعیلؑ کی بیٹی بنا مہ سے ہوئی اور اُن کی نسل ادوم کے نام سے مشہور ہوئی (۸۳)۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام (Ismael):

حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیمؑ کے پہلوٹھے بیٹے یعنی فرزند اکبر ہیں ۔جو حضرت ہاجرہؑ کے بطن سے ہیں ۔آپ کی ولادت ۲۲۴۸ ق م میں ہوئی (۸۴) ۔جبکہ جمیل احمد کیمطابق ۲۰۷۴ ق م ہے (۸۵)۔

اُس وقت حضرت اسماعیل کی پیدائش کے وقت حضرت ابراہیم کی عمر ۸۶ برس تھی ۔آپ حضور اکرم ﷺ کے جد اعلیٰ ہیں ۔کیونکہ حضرت سارہؑ سے حضرت اسحٰق کی پیدائش بعد میں ہوئی ۔چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحٰقَ إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ﴾ (۸۶)۔

ترجمہ: اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اس بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق عطا فرمائے ۔بلاشبہ میرا رب خوب دعائیں سننے والا ہے۔

قرآن کے مطابق حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی کہ مجھے صالح اولاد عطا کر ۔آپ کی دعا قبول ہوئی چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَبَشَّرْنٰه بغلٰم حليم﴾ (۸۷)۔

ترجمہ: ہم نے انکو ایک نرم دل لڑکے کی خوشخبری دی۔

بشری تقاضے سے سارہؑ کو حضرت ہاجرہؑ کے حاملہ ہونے پر رشک پیدا ہوا تو ہاجرہؑ مجبوراً حبرون سے صور (لبنان کی بندرگاہ) کی طرف چلی گئیں اور وہیں ایک چشمے پر اسماعیلؑ پیدا ہوئے اور انہوں نے فرشتے کی بشارت کے مطابق بیٹے کا نام اسماعیل رکھا (۸۸)۔

''اسماعیل'': یہ اسمع اور ایل سے مرکب نام ہے ۔ایل عبرانی میں اللہ سے مترادف ہے اور عربی کے اسمع اور عبرانی کے شماع کے معنٰی ہیں ''سن'' چونکہ آپؑ کی ولادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی دعا سن لی اس لئے یہ نام رکھا گیا ۔(''ایل'' کے لفظی معنٰی ہیں اللہ یعنی اللہ کا سن لینا ۔اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت ہاجرہؑ کی دعا سن لی) اور اسماعیلؑ کو بھی نبوت سے سرفراز فرمایا گیا ۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ إِسْمٰعِيلَ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا﴾ (۸۹)۔

ترجمہ: کتاب میں اسماعیل کا ذکر کرو بے شک وہ سچے وعدے والے اور رسول اور نبی تھے۔

مولد و مسکن اور جائے پیدائش:

حضرت اسماعیل کنعان میں پیدا ہوئے۔شوقی اَبُوخلیل کے مطابق جنوبی لبنان کی بندرگاہ "صور" حضرت اسماعیل کی جائے پیدائش ساحل بحیرہ روم پرواقع ہے یہ حبرون سے تقریباً ۲۵۰ کلومیٹر شمال میں ہے(۹۰)۔

حضرت اسماعیلؑ کی پیدائش پر اُن کی سوتیلی ماں سارہؓ دونوں ماں بیٹے کو کسی اور جگہ چھوڑ کر آنے کا تقاضا کرنے لگیں تو بحکم الٰہی حضرت ابراہیمؑ ان دونوں کو وادی غیر ذی زرع (مکہ) میں چھوڑ گئے جہاں ننھے اسماعیلؑ کے ایڑیاں رگڑنے سے زم زم کا چشمہ جاری ہوا۔قبیلہ بنی جرہم یہاں آبسا اور اسماعیلؑ کے بڑے ہونے پر بنو جرہم میں اُن کی شادی ہوئی۔مکہ ہی میں اسماعیل کے لڑکپن میں ذبح اسماعیلؑ کا واقعہ پیش آیا جب حکم الٰہی کے مطابق اُن کی جگہ دنبہ ذبح کیا گیا یہ واقعہ منٰی میں پیش آیا(۹۱)۔

قرآن کریم اور تورات دونوں میں یہ بات مشترک ہے کہ دونوں میں حضرت ابراہیمؑ کا بڑا بیٹا حضرت اسماعیل کو کہا گیا ہے اور اُن کے تیرہ چودہ برس بڑے ہونے کو تسلیم کیا گیا ہے وہی ذبیح اللہ ہیں اور ارض حجاز میں آباد ہوئے اور تعمیر کعبہ اور اس سے وابستہ مقاصد کی تکمیل میں حضرت ابراہیمؑ کے شریک تھے(۹۲)۔

حضرت اسماعیل کا نام کے ساتھ تذکرہ قرآن کریم کی مختلف آیات میں بارہ مرتبہ آیا ہے۔ چونکہ آپ نے خانہ کعبہ کے جوار میں سکونت اختیار کی اولاد اسماعیلؑ شمال عرب میں پھیل گئی اور قدیم عرب کے مقابلے میں عرب مستعربہ یعنی آباد کار عربوں کی اصطلاح وضع ہوئی۔چونکہ اللہ کا وعدہ تھا بقول تورات ۱۲ سردار پیدا ہوں گے ان میں نبطیوں کا مورث اعلیٰ جنہوں نے شمال عرب میں شان وشوکت حاصل کی اور قیدار سب سے زیادہ مشہور ہیں قیدار ہی سے بواسطہ عدنان ہمارے نبیﷺ کا سلسلہ نسب حضرت اسماعیل تک پہنچتا ہے(۹۳)۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بارہ بیٹوں اور ایک بیٹی بشامہ یا محلاۃ سے نوازا۔یہ اپنی امتوں کے بارہ رئیس تھے ان میں نابت اور قیدار بہت مشہور ہوئے(۹۴)۔

بقول ابن خلدون:

"حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر ۱۳۰ سال کی ہوئی اور اپنی ماں کے پاس میزاب اور حجر اسود کے درمیان میں دفن کیے گئے۔" لیکن تورات کے مطابق:" آپ نے ۱۳۷ سال عمر پائی' حضرت اسماعیلؑ کی عمر ۱۳۶ سال تھی۔اس وقت ان کی نسل حجاز، شام، فلسطین عراق اور مصر تک پھیل چکی تھی۔آپکی قبر فلسطین میں ہے جبکہ تاریخ طبری کے مطابق حضرت اسماعیلؑ اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ دونوں مکہ مکرمہ میں دفن ہیں۔قرآن کریم میں آپ کا تذکرہ ۱۲ مرتبہ آیا ہے(۹۵)۔"

حضرت یعقوب علیہ السلام:

حضرت اسحاقؑ کے بیٹے، عیسو (ادوم) کے بھائی اور حضرت ابراہیمؑ کے پوتے اور بنی اسرائیل کے بانی ہیں۔ آپ کی پیدائش کے وقت اسحاقؑ کی عمر ۶۰ برس تھی۔ آپ کی والدہ کا نام ''رفقہ'' (ربقہ) تھا جو حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے بتوئیل کی بیٹی تھی۔ بقول جمیل اُحمد آپ کا دور ۲۰۰۰ ق تا ۱۸۵۳ ق م ہے (۹۶)۔

نسب نامہ:

یعقوب (اسرائیل) بن اسحاق بن ابراہیم بن تارح (آزر) بن ناحور بن ساروخ (سروج) بن راغو (رعو) بن فالح (قانع، فالغ) بن عابر (عبر) بن شالح (سلح) بن ارفخشد (ارفکساد/ارفکساذ/ارفکسد) بن سام بن نوح (۹۷)۔

جب حضرت اسحاقؑ کی عمر ۴۰ سال کی ہوئی تو انہوں نے ایک آرامی خاتون رفقہ (ربقہ) یا بقول الکسائی ربابا بنت بتوئیل سے شادی کر لی۔ آپ کی زوجہ بانجھ تھیں اس لئے ۲۰ سال تک کوئی اولاد نہ ہوئی۔ آخر کار خصوصی دعا مانگی اور جلد ہی قبولیت کے آثار ظاہر ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے دو جڑواں بچوں سے نوازا یعقوب علیہ السلام انہی دو میں سے ایک تھے (۹۸)۔

قرآن میں ہے

:﴿وَوَهَبْنَا لَهٗ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً﴾ (۹۹)۔

ترجمہ: اور ہم نے ان (ابراہیم) کو اسحٰق عطا کئے اور اس کے علاوہ یعقوب علیہ السلام۔

بنیامین کے سوا یعقوبؑ کی تمام اولاد اُس وقت پیدا ہوئی جب وہ اپنے ماموں کے ہاں مقیم تھے۔ بیس سال وہاں رہ کر حضرت یعقوبؑ فلسطین چلے آئے اور حبرون میں مقیم ہو گئے۔

اُن کی اولاد کی تفصیل یوں ہے:

☆...... لیاہ (Leah) بنت لابان سے: روبن (Reuben)، شمعون (Simeon)، لاوی (Levi)، یہودا (Judah)، دینا (بیٹی)، اشکار/یسا کر (Issacher)، زبولون/زابلون (Zebulun)۔

☆...... (Rachel) راحیل بنت لابان سے: یوسف اور بنیامین (Joseph, Ben Jamin)۔

☆...... (Bilhah) جاریہ راحیل سے: دان (Dan) اور نفتالی (Naphtali)

☆...... زلفا جاریہ لیاہ سے: جد جاد (Gad)، آشر (اشیر) (Asher)

اس طرح حضرت یعقوبؑ کے کل بیٹوں کی تعداد ۱۲ ہے جن سے مستقل ۱۲ خاندان بنے۔ حضرت یعقوبؑ کا ذکر قرآن کریم میں ۱۶ مرتبہ آیا ہے (۱۰۰)۔

حضرت یعقوبؑ نے بیس سال اپنے ماموں کے پاس گزارے اور جب اپنے وطن واپس جانا چاہا تو انکے ماموں نے بہت سا مال و دولت دیکر رخصت کیا چنانچہ وہ فلسطین میں دوبارہ اپنے آبائی وطن لوٹ آئے۔

یعقوب نے کنعان میں سکونت اختیار کی۔یہیں آنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی مطلع کیا کہ آج سے تمہارا نام اسرائیل ہوگا ۔آپ کے بارہویں بیٹے راحیل سے بنیامین یہیں پیدا ہوئے تھے۔آپؑ کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔قیام مصر کے دوران ہی میں حضرت یعقوبؑ نے وفات پائی۔آپ کی عمر مبارک ۱۴۷برس تھی۔آپ کوحبرون میں ابراہیمؑ سارہؑ اسحاقؑ اور ربقہ کے پہلو میں دفن کیا گیا آپ شریعت ابراہیمی پر مستقل مزاجی سے عمل پیرا تھے۔آپ نے لوگوں کو اس کی دعوت بھی دی۔غالباً آپ کو اہل کنعان کی طرف مبعوث کیا گیا تھا اسلامی ادب میں آپ کا ذکر بطور انتہائی مبتلائے آزمائش اور انتہائی صابروشاکر نبیؑ کےطور پر تمثیلی پیرائے میں کثرت سے ملتا ہے(۱۰۱)۔

حضرت یوسف علیہ السلام:

حضرت یوسف علیہ السلام' بنی اسرائیل کے جلیل القدر نبی' قرآن میں آپ کا نام یوسف اور بائبل میں جوزف (Joseph) آیا ہے۔آپ حاران (حرّان) میں پیدا ہوئے ۔والدہ کا نام راحیل بنت لابان (لابن) تھا۔آپ یعقوبؑ کی چوتھی زوجہ راحیل سے پہلی اور مجموعی طور پر بیٹی سمیت بارھویں اولاد تھے۔آپ کے ماں کی طرف سے سگے بھائی بن یامین بن یعقوبؑ تھے۔۔آپ یعقوبؑ کے سب بیٹوں سے زیادہ مشہور ہوئے۔آپ کا زمانہ پیدائش تخمیناً ۱۹۲۷ق م اور زمانہ وفات ۱۸۱۷ق م بتایا جاتا ہے۔بائبل کے علماء کی تحقیق کے مطابق ۱۹۰۶ق م کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔یعقوبؑ کو آپ سے محبت عشق کی حد تک تھی۔اس وجہ سے آپ کے بھائی آپ سے حسد کرتے تھے(۱۰۲)۔

قرآن کریم نے آپ کا ذکر سورۃ یوسف میں بالتفصیل کیا ہے۔آپکا اسم گرامی ۲۷ مقامات پر آتا ہے(۱۰۳)۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے کو قرآن نے احسن القصص کہا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿نحنُ نَقُصُّ عَلَيْکَ أحسنَ القَصْص﴾(۱۰۴)۔

سن رشد پر پہنچنے پر آپؑ جلیل القدر پیغمبر بنے اور ملت ابراہیمی کی دعوت وتبلیغ کی خدمات سرانجام دیں۔یہی وجہ ہے کہ ابتدائے زندگی ہی سے دماغی وفطری استعداد بقیہ دیگر بھائیوں کی نسبت بے حد زیادہ تھی۔آپ کے والد آپ کی پیشانی کا چمکتا ہوا نور نبوت پہنچاتے اور روحی الٰہی کے ذریعے اس کی اطلاع پا چکے تھے۔چونکہ انہی ایام میں یوسفؑ نے خواب میں گیارہ ستاروں اور سورج چاند کو اپنے سامنے جھکے ہوئے دیکھا یہ خواب سنتے ہی یعقوبؑ سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ یوسفؑ کے ذریعے ان کے خاندان پر اتمام نعمت فرمائے گا۔آپکے بھائیوں نے حسد کی وجہ سے آپ کو دوتن (Douthan) کے مقام پر ایک کنویں میں پھینک دیا۔جلعاد (اردن) سے آنے والے ایک قافلہ کے لوگ آپکو کنوئیں سے نکال کر مصر لے گئے ۔۱۸۹۰ق م کے قریب یوسفؑ کے خواب دیکھنے وکنوئیں میں پھینکے جانے کا واقعہ پیش آیا۔حضرت یوسفؑ کا زمانہ محققین کے مطابق ۱۷۰۰ق م بھی ہوسکتا ہے۔جب وہاں ابوفیس نامی بادشاہ حکمران تھا ہکسوس حکمرانوں کے زمانے میں ۱۸ سال کی عمر میں آپ مصر لے جائے گئے۔مصر میں حضرت یوسف کو ''عزیز''

فوطیفار یا فوطیفرح نے خرید لیا۔سورۂ یوسف میں برسر اقتدار حضرت یوسفؑ کے لیے مَلِک (بادشاہ) اور عزیز دونوں الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ"عزیز"مصر میں کسی خاص منصب کا نام نہ تھا بلکہ محض"صاحب اقتدار" کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔مختصر یہ کہ حضرت یوسف کو بیت المقدس کے ایک کنوئیں میں ڈالا گیا پھر ان کو مصر لے جانے کے بعد فروخت کر دیا گیا۔یوسف کو بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ کیطرف سے تسلی دینے کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے(۱۰۵)۔

امراۃ العزیز زلیخا حضرت یوسفؑ کے لیے کڑی آزمائش ثابت ہوئی۔یوسفؑ کی پاکدامنی اور اس واقعہ کا ذکر قرآن نے کیا ہے۔ ایک مدت تک کے لئے یوسفؑ کو قید خانے میں ڈال دیا گیا۔وہاں بھی آپ نے دین کی تبلیغ کی اور لوگوں کو خوابوں کی تعبیر بھی بتائی۔یوسف قید سے رہائی پانے کے بعد مصر کے حکمران بنائے گئے۔آپ جب مصر کے نائب السلطنت بن گئے تو آپ نے شاہی خزانے کے مطابق آنے والے قحط کے پیش نظر بہترین انتظامات کی اور قحط سالی کے دنوں کے لئے غلہ بھی ذخیرہ کیا حتیٰ کہ انکے سوتیلے بھائی کنعان سے غلہ لینے مصر آئے۔آپکی کی خواہش پر اگلے سال وہ بنیامین کو بھی ساتھ لائے۔جب آپکے علاتی بھائی تیسری بار مصر غلہ لینے آئے اور بھائی کو پہچان کر اور اسے برسر اقتدار دیکھ کر اپنے سابقہ رویے پر نادم ہوئے پھر آپ نے اپنے والد یعقوبؑ کو بھی مصر بلوالیا۔یوسفؑ نے انہیں معاف کر دیا۔باپ بیٹے کی جدائی کا زمانہ تخمینا چالیس سال ہے(۱۰۶)۔

حضرت یوسفؑ نے ۱۱۰ سال کی عمر پا کر مصر میں انتقال کیا۔حضرت موسیٰؑ کے دور میں آپ کی نعش کو نابلس میں لے جایا گیا اور وہیں پر آپ کا مزار ہے۔المختصر یہ کہ مصائب سے بھرپور زندگی گزارنے کے بعد آپ کو اللہ تعالیٰ نے مصر میں حکومت دی۔پھر آپ نے یعقوبؑ اور اپنے بھائیوں کو"سفط الحنہ" کے شمال میں جشن یا جاشان کے علاقے میں آباد کیا۔آپ وفات پا گئے تو آپ کو الخلیل (حبرون) منتقل کیا گیا اور مکفیلہ غار میں دفن کیا گیا۔آپ کی ایک یادگار نابلس (سکم) میں ہے اور دوسری یادگار ملک شام کے قصبے"قلمون" کی قریبی بستی"فلاک"میں ہے(۱۰۷)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام (Moses، ۱۵۲۰ ق م تا ۱۴۰۰ ق م)

حضرت موسیٰ علیہ السلام،کلیم اللہ ایک جلیل القدر اور اولوالعزم نبی اور رسول۔حضرت موسیٰؑ کے والد کا نام عمران اور والدہ کا نام یوکابد (یوکبد) تھا۔حضرت موسیٰ حضرت ابراہیم کی ساتویں پشت میں تھے۔آپ بالائی مصر (جنوبی مصر) میں دارالحکومت طیبہ (تھیبس Thebes)موجودہ اُقصر میں پیدا ہوئے حضرت موسیٰؑ کی ولادت ۱۵۲۰ ق م میں ہوئی کیونکہ تورات میں ہے کہ موسیٰؑ جب بنی اسرائیل کو لے کر مصر روانہ ہوئے تو انہیں مصر میں رہتے ہوئے ۴۳۰ سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔چنانچہ واقعہ خروج کی تاریخ ۱۴۴۰ ق م ہے۔تورات کے مطابق اس وقت حضرت موسیٰؑ کی عمر ۸۰ سال تھی۔حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے حقیقی بھائی تھے۔آپ کا سلسلہ نسب حضرت یعقوبؑ تک جا پہنچتا ہے(۱۰۸)۔

نسب نامہ/شجرہ نسب:

موسیٰ علیہ السلام بن عمران (بن یصہر) بن قاہث (قاہت) بن لاوی بن یعقوب علیہ السلام بن اسحاق علیہ السلام بن ابراہیم علیہ السلام (۱۰۹)۔

حضرت یعقوبؑ اپنی اولاد سمیت جب مصر میں اپنے بیٹے حضرت یوسفؑ کے پاس آئے تو اُس وقت وہاں مصر کے سولھویں خاندان کی حکومت تھی جو ہکسوس (Hyksos) یعنی چرواہے بادشاہ کہلاتے تھے جنہیں عرب مؤرخین عمالقہ کہتے ہیں اور جو سامی النسل عرب تھے (۱۱۰)۔

کچھ عرصہ بعد مصر کے اٹھارویں خاندان کی حکومت شروع ہوئی آخر وہ فرعون تختِ حکومت پر بیٹھا جس کے دور میں بنی اسرائیل پر مظالم کی انتہاء ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ان مظالم سے نجات دلانے کے لئے حضرت موسیٰؑ کو پیدا کیا۔ جدید محققین اور ماہرین اثریات کا کہنا ہے کہ:

''جس فرعون کے زمانے میں حضرت موسیٰؑ کی ولادت ہوئی وہ مصر کے فرعونی دور کے ۱۹ویں خاندان کا بادشاہ رعمسیس ثانی (Ramases II) ہے جو سیتی اول (Setti I) کا بیٹا تھا۔ حضرت موسیٰ عمران کے گھر پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ کا نام ''ایارخا'' یا ''ایاذخت'' تھا (۱۱۱)۔''

چونکہ فرعون نے بنی اسرائیل کے لڑکوں کو ایک عرصے سے قتل کرنے کا سلسلہ شروع کیا ہوا تھا لہٰذا بیٹے کی ولادت فرعون کی جاسوسوں سے زیادہ عرصہ مخفی نہ رہ سکتی تھی لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور منظور تھا کہ نہ صرف بچہ نازونعم کے ماحول میں پرورش پائے بلکہ قصرِ شاہی میں بھی رہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی والدہ کو وحی کی کہ وہ اسے دودھ پلاتی رہیں جب اندیشہ ہو تو بچے کو صندوق میں ڈال کر دریا میں ڈال دے اس کا تذکرہ قرآن اور کتابِ مقدس میں آیا ہے کہ:

''ساتھ ہی ممتا کو تسلی دی کہ اللہ تعالیٰ بچے کو واپس آغوشِ مادر میں پہنچا دے گا اور اسے منصبِ رسالت پر سرفراز فرمائے گا لہٰذا پریشان نہ ہونا (۱۱۲)۔''

حضرت موسیٰ کی والدہ نے جب خطرہ محسوس کیا تو انہیں ایک صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دیا اور حضرت موسیٰؑ کی ہمشیرہ مریم کو مامور کیا کہ وہ صندوق کے پیچھے پیچھے جائے۔ آخر کار دریا نے صندوق کو کنارے پر ڈال دیا جہاں سے فرعون کی بہن اسے اُٹھالیا جب صندوق کھولا گیا اور اُس میں بچہ پڑا دیکھا تو اُسے بچے پر رحم آیا اور وہ بچے کو قصرِ شاہی لے گئی اور قدرت نے ملکہ کے دل میں اس بچے کی محبت پیدا کردی اور اُس نے اُسے پالنے کا ارادہ کرلیا۔ حضرت موسیٰ کی ہمشیرہ نے جو صندوق کے پیچھے پیچھے کسی طرح محل کے اندر پہنچ گئی تھیں جب دیکھا کہ موسیٰ نے کسی انا کا دودھ نہیں پیا تو ایسی انکی بہن نے ایسی انا کی پیشکش کی جو بچے کی خیر خواہ ہو۔ فرعون کے گھر والوں نے فوراً اس لڑکی کی بات کو مان لیا یوں حضرت موسیٰ اپنی والدہ ماجدہ کے پاس واپس آ گئے (۱۱۳)۔

اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے طیبہ (موجودہ اُقصر) میں رحمتِ الٰہی کے تحت فرعون

رعمسیس ثانی کے محل میں پرورش پائی۔آپ نہایت قوی الجثہ اور بہادر جوان نکلے۔اللہ تعالیٰ نے زور بازو کے ساتھ قوت فکر بھی بخشی تھی۔جوان ہوئے تو موسیٰؑ کے ہاتھوں ایک قبطی کے قتل بالخطاء پر انہیں مصر سے ہجرت کرنا پڑی۔وہ طیبہ سے مُنفس پہنچے اور پھر صحرائے سینا اور ایلہ سے ہوتے ہوئے مدین آئے جہاں شیخ کبیر (شعیبؑ) نے ان کی میزبانی کی (۱۱۴)۔

حضرت موسیٰؑ مصر سے نکلے تو راستے سے ناواقف تھے آپ کو ایک مرد نیک نے مصر سے نکل جانے کا مشورہ دیا تھا۔جب حضرت موسیٰؑ مدین کی بستی کے باہر ایک کنویں کے پاس پہنچے تو وہاں بیٹھ کر خدا سے مدد مانگی۔شیخ کبیرؑ حضرت موسیٰؑ سے فرمانے لگے "میں چاہتا ہوں کہ اپنی دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تمھارے ساتھ کردوں بشرطیکہ تم آٹھ سال تک میرے ہاں ملازمت کرو اور اگر دس سال پورے کرو یہ تمھاری مرضی ہے میں تم پر سختی نہیں کرنا چاہتا تم انشاءاللہ مجھے نیک پاؤ گے چنانچہ حضرت موسیٰ نے یہ تجویز قبول فرمائی (۱۱۵)۔

یہ شیخ کبیر (شعیب) جو موسیٰ جیسے جلیل القدر نبی کے خسر بنے ایک مومن و صالح بزرگ تھے چنانچہ مدین میں ۸ یا ۱۰ سال کی مدت پوری ہونے پر آپ کا نکاح صفورأ سے ہوگیا آپ نے نکاح کے بعد مزید دس برس وہیں قیام کیا۔بہر حال آزمائشیں گزرنے کے بعد حضرت موسیٰؑ کو منصب رسالت پر سرفراز کیا گیا جس کیلئے انہیں ابتدائے حیات سے لیکر اب تک تیار کیا جا رہا تھا۔دس برس مزید قیام کے بعد اپنی اہلیہ صفورأ کے ساتھ وادی سیناء میں جا رہے تھے کہ کوہ طور پر روشنی دیکھ کر آگ لینے گئے مگر پیغمبری مل گئی (۱۱۶)۔

اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰؑ سے ہم کلام ہوا اور انہیں اور اُن کے بھائی حضرت ہارونؑ کو حکم دیا گیا کہ فرعون کو حق کی دعوت دیں اور بنی اسرائیل کو فرعون اور قبطیوں کی غلامی سے نجات دلائیں۔حضرت ہارونؑ مصر میں موجود تھے۔جب آپ نبوت سے سرفراز ہو کر مصر واپس آئے تو اس دوران دارالحکومت پھر زیریں مصر میں منتقل ہو چکا تھا۔حضرت موسیٰؑ کو منصب نبوت پر سرفراز کرنے اور بنیادی تعلیمات دینے کے بعد اللہ کی طرف سے حضرت موسیٰؑ کو عصا کے اژدہا بن جانے اور ید بیضا کے دو معجزے عطا کیے گئے پھر آپ کو یہ بھی بتا دیا گیا کہ یہ منجملہ ان نو معجزات کے ہیں کہ جن کے ساتھ تمہیں مشن پر بھیجا جا رہا ہے۔اب موسیٰؑ کو فرعون کی طرف جانے کو کہا گیا تو حضرت موسیٰؑ نے بعض عذر پیش کر کے التجا کی کہ رسالت کا منصب ان کے بھائی ہارونؑ کو بھی دے دیا جائے۔تو اللہ نے آپکو تسلی دی اور اور حضرت ہارونؑ کو بھی منصب نبوت سے سرفراز کیا۔حضرت موسیٰؑ نے مظلوم و مقہور لوگ جنہیں قرآن مستضعفین بتاتا ہے مصر سے بحفاظت نکال کر صحرائے سینا میں لے آئے۔ان میں بنی اسرائیل بھی تھے (۱۱۷)۔

حضرت موسیٰؑ کا مشن درحقیقت مشیت الٰہیہ کی تکمیل کرنا تھا۔حضرت موسیٰؑ کو ۸۰ برس کی عمر میں نبوت عطا ہوئی چنانچہ آپ اور آپ کے بھائی ہارونؑ فرعون کے پاس گئے اور بنی اسرائیل کو دعوت حق دی وہ لوگ ایمان لے آئے۔آپؑ نے فرعون کو اللہ کی طرف سے عطا کردہ معجزات دکھائے مگر اُس نے جھٹلایا۔موسیٰؑ کی تبلیغ کا فرعون اور اس کے لشکر پر ذرا اثر نہ ہوا

تب وحی آنے پر آپؑ نے فرعون کو تنبیہ کی کہ اگر یہی ڈھنگ رہے تو اللہ کا عذاب زیادہ دور نہیں کیے بعد دیگرے مختلف صورتوں میں ان پر عذاب الٰہی ظاہر ہونے لگا۔اللہ تعالٰی نے موسیٰ کو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو مصر کی سرزمین سے نکال کر فلسطین کیطرف لے جاؤ آپ راتوں رات بحر قلزم(Red Sea) کی جانب روانہ ہوئے(۱۱۸)۔

فرعون کو جب اطلاع ملی تو وہ ایک زبردست لشکر کے ساتھ آپ کے پیچھے روانہ ہوا۔حضرت موسیٰؑ کی قوم گھبرا گئی وحی آئی کہ اپنا عصا پانی پر مارو بحر قلزم کے درمیان راستہ بن گیا پانی پھٹ کر پہاڑ کی طرح دونوں جانب کھڑا ہو گیا خشکی کا راستہ نکل آیا۔حضرت موسیٰؑ کے حکم سے تمام بنی اسرائیل بحفاظت بحر قلزم پار کر گئے ۔یہ منظر دیکھ کر فرعون کا لشکر فرعون سمیت بحر قلزم میں بے خوف وخطر اترا بحکم الٰہی بحر قلزم کا پانی اپنی روانی پر آ گیا اور فرعون مع اپنے لاؤلشکر کے غرق ہو گیا(۱۱۹)۔

بنی اسرائیل حضرت موسیٰؑ کے ساتھ بحر قلزم پار کرنے کے بعد وادی سینا کی طرف روانہ ہوئے۔آپ نے قوم کو حکم دیا کہ اس نجات پر شکر بجالائیں اور آپ نے خود بھی حمد وثنا کی ۔وہاں گرمی ہونے اور پانی نہ ہونے پر حضرت موسیٰ نے عصا مارا بارہ چشمے پھوٹے اور بارہ قبائل آباد ہوئے ۔اللہ کا وعدہ تھا کہ فرعون کی غلامی سے آزادی پر تمہیں شریعت دی جائے گی چنانچہ اللہ تعالٰی نے موسیٰؑ کو ۳۰ راتوں کے اعتکاف کے لئے کوہ طور پر بلایا پھر مزید ۱۰ راتیں بڑھا کر ۴۰ کر دیں ۔کوہ طور پر حضرت موسیٰؑ کو اللہ تعالٰی سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا۔دیدار الٰہی کی درخواست پر فرمایا گیا تم مجھے نہیں دیکھ سکو گے پہاڑ پر انوار الٰہی کی تجلی ہوئی تو وہ جل کر ریزہ ریزہ ہو گیا اور موسیٰؑ بیہوش ہو گئے جب ہوش آیا تو توبہ کی اسکے بعد تورات کی الواح (تختیاں) انہیں عطا ہوئیں جن پر احکام عشرہ (Ten Commandments)درج تھے یہ سب سے پہلی آسمانی کتاب تھی جو حضرت موسیٰؑ کو دی گئی تورات کا ذکر قرآن کریم میں ۷ امرتبہ آیا ہ(۱۲۰)۔

کوہ طور پر جانے سے پہلے حضرت موسیٰؑ نے ہارونؑ کو اپنا نائب مقرر کر دیا تھا۔الواح عطا کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالٰی نے آپؑ کو یہ بھی بتا دیا تھا کہ ان کی عدم موجودگی میں سامری نے بنی اسرائیل کو ایک بچھڑے کی پرستش پر لگا دیا حضرت ہارونؑ نے بہت سمجھایا کہ یہ گمراہی کا راستہ ہے مگر انہوں نے نہ مانا۔حضرت موسیٰؑ کو بنی اسرائیل کی اس جہالت کی خبر ملی تو شدید غم وغصہ کی حالت میں اپنی قوم سے باز پرس کی اور ہارونؑ سے بھی آپ نے جواب طلبی کی انہوں نے کہا میں نے بارہا گمراہی سے روکا لیکن قوم مجھ پر حاوی ہو گئی تھی یہاں تک کہ کمزور پا کر قتل کے درپے تھی ۔حضرت موسیٰؑ نے اُن کا عذر قبول کیا۔انہوں نے اپنے بھائی ہارونؑ کے لئے دعا کی اور موسیٰؑ نے سامری کو ملامت کی اور اپنی جماعت سے خارج کر دیا اور بچھڑے کو جلا دیا۔پھر آپؑ نے الواح پر لکھے گئے احکامات قوم کو سنائے۔قوم نے اپنے گناہ سے توبہ کی۔لیکن قوم نے کچھ عرصہ بعد پھر سرکشی کی تو اللہ نے کوہ طور کو ان پر مسلط کر دیا۔تو پھر انہوں نے مجبوراً خوف وڈر سے توحید ورسالت کا عہد کیا لیکن کچھ عرصہ بعد پھر اس روش پر قائم ہوئے اور آپ سے گستاخی سے پیش آئے۔(۱۲۱)۔ بنی اسرائیل کی رشد وہدایت کے لئے اللہ کے پیغمبر کا ان کے درمیان میں موجود رہنا ضروری تھا اس لئے

حضرت موسیٰ ؑ وہارون ؑ کو ان کے درمیان رہنا پڑا۔بنی اسرائیل صحرا نوردی کرتے رہے وادی سینا میں ذبح بقرہ کا واقعہ پیش آیا اس کے بعد موسیٰ کی خضر ؑ سے ملاقات کا تذکرہ بھی آتا ہے موسیٰ نے اپنے آخری ایام میں نبی ﷺ کی آمد کی بشارت بھی قوم کو دی تھی ۔اس کے بعد حضرت موسیٰ نے یوشع بن نون ؑ کو اپنا نائب مقرر کر کے فلسطین کے جابر حکمرانوں کو ختم کرنے اور عادلانہ اسلامی نظام کو قائم کرنے کی تلقین کی اور دعا کی کہ! اے اللہ اس آخری وقت میں ارض مقدس کے قریب کردے ۔حضرت موسیٰ نے کوہ نیبو پر جو موآب میں ارض مقدس کے قریب مشرق کیطرف تھا، ۱۲۰ برس کی عمر میں ۱۴۵۱ ق م یا ۱۴۰۰ ق م میں وفات پائی ۔آپ کی دعا کے مطابق آپ کی قبر (Jericho) کی بستی میں کثیب احمر (سرخ ٹیلہ) پر واقع ہے (۱۲۲)۔

حضرت ہارون علیہ السلام:

آپ علیہ السلام بنی اسرائیل کے جلیل القدر نبی اور پیغمبر تھے ۔تو راۃ اور قرآن حکیم میں آپ کا تذکرہ حضرت موسیٰ ؑ کے تذکرے کے ساتھ ساتھ ہوا ہے ۔تو راۃ نے آپ کو نبی یا پیغمبر نہیں لکھا ' بلکہ آپ کو مومن قرار دیتے ہوئے آپ کی حیثیت کاہن کی تسلیم کی ہے ۔یہود میں کاہن کا مقام اور حیثیت وہی ہے جو مسلمانوں میں امام کی (۱۲۳)۔

مگر تو راۃ کی اس تصریح کے برعکس قرآن حکیم نے آپ کی نبوت اور پیغمبری کا برملا اعتراف کیا ہے (۱۲۴)۔

جب حضرت موسیٰ کو سرکش فرعون کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا تو حضرت ہارون ؑ بحکم خداوندی ان کے ہمراہ تھے ۔بنا بریں بنی اسرائیل کے دوران قیام مصر' جب نماز کا حکم ہوا تو اس کی وحی بھی حضرت موسیٰ ؑ اور حضرت ہارون ؑ دونوں کی طرف بھیجی گئی ۔حضرت ہارون ؑ کی زندگی بھی تقریباً وہی ہے جو حضرت موسیٰ ؑ کی ۔آپ حضرت موسیٰ ؑ کے بڑے بھائی تھے ۔حضرت موسیٰ ؑ آپ سے تین سال چھوٹے تھے اس طرح سن پیدائش ۱۵۲۳ ق م نکلتا ہے (۱۲۵)۔

تورات میں آتا ہے:

''اور موسیٰ اسی برس اور ہارون تراسی برس کا تھا جب وہ فرعون سے ہم کلام ہوئے (۱۲۶)۔

حضرت ہارون علیہ السلام کے والد کا نام عمرام (عمران) اور والدہ ماجدہ کا نام یوکبد تھا ۔آپ کی ولادت مصر ہی میں ہوئی اور وہیں آپ نے پرورش پائی ۔تو راۃ اور قرآن حکیم سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نہایت خوش کلام اور فصیح اللسان تھے (۱۲۷)۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارون ؑ کو حضرت موسیٰ ؑ کی دعا پر خلعت نبوت سے سرفراز فرمایا ۔کہا جاتا ہے کہ کوہ طور سے منصب نبوت پانے کے بعد حضرت موسیٰ ؑ نے دعا مانگی کہ میرے گھر والوں میں سے ایک کو میرا وزیر یعنی مددگار بنا دے یعنی میرے بھائی ہارون ؑ کو میری قوت بازو کر دے اور میرے کام میں شریک کر دے (۱۲۸)۔

چنانچہ موسیٰ ؑ کی دعا قبول ہوگئی اور اسی وقت حضرت ہارون ؑ کو نبوت کے رتبہ سے سرفراز کر دیا گیا ۔اس وقت سے آخری لمحہ تک حضرت ہارون ؑ کی ساری زندگی حضرت موسیٰ ؑ کی معیت اور رفاقت میں گزری اور آپ اپنے بھائی کی ہر آڑے وقت

میں حمایت ونصرت فرماتے رہے(۱۲۹)۔

توراۃ کا بیان ہے کہ فرعون کے تکبر پر مصریوں پر مختلف آزمائشیں اور سختیاں نازل ہوئیں۔حضرت موسیٰ ؑ نے حضرت ہارون ؑ کو نیابت عطا کی۔کوہ طور پر چالیس روزہ اعتکاف کا مرحلہ آیا تو حضرت ہارون ؑ ہی کو آپ نے اپنا خلیفہ اور نائب مقرر کیا۔اس دوران ہارون ؑ رشد وہدایت اور نفاذ احکام شریعت وریاست کے تمام اختیارات بروئے عمل لائے۔حضرت موسیٰ ؑ کے کوہ طور پر تشریف لے جاتے ہی سامری نے سونے کے زیورات کا ایک بچھڑا بنالیا۔آپ نے روکا اور بنی اسرائیل کی ہدایت واصلاح کے لئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔اس موقع پر آپ نے صاف صاف بتایا کہ یہ تو صرف تمہاری آزمائش کی گئی ہے۔اور تمہارا پروردگار تو خدا ہے اس لئے تم میری پیروی کرو۔میرا کہا مانو اور ایک خدا کی عبادت کرو۔لیکن قوم نے حضرت ہارون ؑ ایک نہ مانی بلکہ آپؑ کو قتل کرنے کے درپے ہوئے۔چنانچہ آپ حضرت موسیٰ ؑ کی واپسی کا انتظار کرنے لگے جب حضرت موسیٰ ؑ واپس تشریف لائے تو یہ دیکھ کر آپ کو جلال آگیا۔کچھ لوگوں نے حضرت موسیٰ ؑ کو کہا کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے انھیں ایسا کرنے سے منع نہیں کیا چنانچہ شدت غضب سے ہارون ؑ کو کہا آخر ایسا کیوں ہوا؟اس پر حضرت ہارون ؑ نے جو فرمایا اس کا قرآن نے ذکر کیا ہے(۱۳۰)۔

یہ سنکر حضرت موسیٰ ؑ کا غصہ فرو ہو گیا اور آپ نے ہارون ؑ کو گلے سے لگالیا۔ہارون ؑ آخری وقت تیہ میں بنی اسرائیل کے ساتھ رہے۔پھر آپ قادس برنیع پہنچے جہاں من وسلویٰ نازل ہوا۔جب بنی اسرائیل قادس چلے تو آپ بھی ان کے ہمراہ اُدوم کی سرحد پر کوہ شعیر کے دامن میں ہوتے ہوئے گزرے اور یہ آپ کا آخری سفر تھا۔یہیں وادی تیہ میں جبل ہور پر حضرت ہارون ؑ کا انتقال ہوا(☆)

اور یہیں جبل ہور پر ہی آپ کو دفن کیا گیا۔آپ نے ۱۲۳برس کی عمر پائی۔آپ کا سن وفات ۱۴۰۰ق م ہے۔صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ہارون ؑ حضور ﷺ سے شب معراج کے وقت پانچویں آسمان میں ملے تھے۔قرآن کریم میں آپ کا ذکر مختلف سورتوں کی آیات میں آیا ہے(۱۳۱)۔

حضرت داؤد علیہ السلام (David):

اللہ تعالیٰ کے اُولوالعزم پیغمبر۔جو بنی اسرائیل کی ہدایت ورہنمائی کے لئے مبعوث ہوئے۔قرآن میں آپ کا نام سولہ مقامات پر نو سورتوں میں آیا ہے۔تورات میں آپکا تذکرہ متعدد بار آیا ہے۔یہ بات قابل ذکر ہے کہ انبیاء ورسل میں حضرت آدم ؑ کے علاوہ حضرت داؤد علیہ السلام وہ پیغمبر ہیں جن کو قرآن کریم نے خلیفہ کے لقب سے پکارا ہے(۱۳۲)۔

حضرت داؤد ؑ کا سلسلہ نسب گیارہ پشتوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جا ملتا ہے(۱۳۳)۔

سلسلہ نسب:

داؤد(David) بن ایشا (ایشی،یسّی ،جسّی،Jesse) بن عوبد (عوبید،Obed،عوفد،عوید) بن عابر (بوعز''Boaz باعز) بن سلمون (سلما،سلمان،Salmon) بن نحشون (نحسون، Nahsmoon) بن عونیاذب (عمی ناذب،عمیندا ب Amminadab) بن ارم (رام،Ram) بن حصرون (Hezron) بن فارص (Pharez بارص) بن یہوذا (Judah) بن یعقوب (Jacob) بن اسحاق (Isaac) بن ابراہیم (Abraham)(۱۳۴) ۔

ولادت:

حضرت داؤدؑ کی ولادت یروشلم کے پاس جنوب میں ایک گاؤں بیت اللحم میں ہوئی۔تو رات میں تاریخ پیدائش درج نہیں۔جمیل اُحمد کیمطابق ۱۰۳۴ق م اور مصباح الدین کے مطابق ۱۰۳۵ق م ہے ۔حضرت داؤدؑ اپنے والد کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔آپ پستہ قد اور نیلگوں آنکھوں والے تھے۔چہرے سے طہارت قلب اور نفاست طبع جھلکتی تھی (۱۳۵)۔

نبوت اور بادشاہت:

حضرت داؤدؑ سے پہلے نبوت یہودا کے گھرانے میں اور افرائیم کے خاندان میں حکومت چلی آتی تھی ۔
حضرت داؤدؑ پہلے شخص ہیں جن کو نبوت اور حکومت دونوں نعمتیں بخشی گئیں یعنی آپ صاحب نبوت بھی تھے اور صاحب حکومت و سلطنت بھی ۔قرآن میں اس کا واضح طور پر ذکر اس طرح کیا گیا ہے ۔

﴿أُولٰئِکَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّۃَ﴾ (۱۳۶)۔

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جنکو ہم نے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کی۔

۱۰۰۰ق م کے لگ بھگ عمالقہ نے بنی اسرائیل سے فلسطین کے اکثر علاقے چھین لئے۔سموئیل (شموئیل) اُس وقت بنی اسرائیل کے درمیان حکومت کرتے تھے ۔ بنی اسرائیل نے دشمنوں کے مقابلے میں کسی بادشاہ کے تقرر کی درخواست کی تو بحکم الٰہی سموئیل نے قبیلہ بنیامین کے طالوت (ساؤل Saul) کو مقرر کر دیا۔طالوت اسرائیلیوں کا لشکر لیکر دشمن کے مقابلے پر نکلے۔ اسرائیلی فوج کی دریائے اردن پر آزمائش کی گئی اور صرف پختہ کار لوگ میدان جنگ میں پہنچے جب جالوت (Goliath) نے طالوت کو دو بدو دعوت دی تو آپ نے اُس کے چیلنج کو قبول کیا اور اُسکے مقابلے میں نکل کر اُسے قتل کر دیا لوگوں نے آپکی بہادری سے متاثر ہو کر طالوت کو معزول کر دیا اور حضرت داؤدؑ کو بادشاہ بنالیا اور طالوت نے اپنی بیٹی آپ سے بیاہ دی (۱۳۷)۔

اللہ تعالیٰ کا حضرت داؤد علیہ السلام پر خاص فضل اور انعام تھا۔اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں اور پرندوں کو اُن کا مطیع بنادیا تھا جو صبح و شام اُن کے ساتھ اللہ کی حمد و ثنا کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے آپ اور آپ کے فرزند سلیمانؑ کو پرندوں کی بولیاں (منطق الطیر) کی تعلیم اور فہم بخشا تھا۔اللہ تعالیٰ نے لوہے کو آپکے لئے موم کی طرح نرم کر دیا تھا وہ اسے جس طرح چاہتے موڑ لیتے

تھے(۱۳۸)۔

آپکولوہے سے ہلکی زرہیں بنانے میں مہارت حاصل تھی۔زرہ سازی ہی آپ کا ذریعہ معاش تھا۔چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔رسول اللہﷺ نے فرمایا:

((ما أكلَ أحد طعاماً قط خيراً من أن ياكلَ من عَمل يده،وانَّ نبيّ اللّٰه داود عليه السلام كان ياكل من عمل يده))(۱۳۹)۔

ترجمہ:انسان کا بہترین رزق وہ ہے جواُس نے اپنے ہاتھ سے کمایااوراللہ کے نبی داؤدؑ اپنے ہاتھ کی محنت سے اپنی روزی کماتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کوجنگی لباس تیار کرنے کافن سکھایا جوشدت جنگ سے محفوظ رکھتا آپؑ کوخلافت ارضی عطا کرکے لوگوں میں عدل قائم کرنے کاحکم دیا اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی سلطنت کومضبوط کیا۔اللہ تعالیٰ نے آپؑ کوحکمت اورصحیح فیصلہ کرنے کی قوت(فصل الخطاب) بخشی تھی۔آپ کے فیصلہ کرنے کی اعلیٰ صلاحیت کے متعدد واقعات تاریخ میں درج ہیں(۱۴۰)۔

دوسری الہامی کتاب زبور:

حضرت داؤدعلیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے آسمانی کتاب زبورسریانی زبان میں رمضان میں نازل کی۔جوتورات کے احکام اور قوانین کے اصولوں پر مشتمل تھی۔زبوردراصل تورات کاایک حصہ اور جز ہے۔زبور کی روشنی میں حضرت داؤدعلیہ السلام نے شریعت موسوی کواز سرنو زندہ کیا۔زبوراللہ کی حمدوثنااورقصائدومواعظ اوراحکام کا مجموعہ تھی۔موجودہ تورات میں زبوربھی شامل ہے۔زبورکےلغوی معنٰی پارےاورٹکڑے کے ہیں۔یہ دراصل تورات کی تکمیل کے لئے نازل ہوئی تھی۔لہٰذااسی کاایک حصہ اور ٹکڑا شمارہوتی ہے۔انگریزی میں زبورسامز کہلاتی ہےاورعبرانی میں اسےتہلیم کہتے ہیں اس میں تقریباً ۱۵۰قصائد تھے جب آپ خوش الحانی سےاس کی تلاوت کرتےتو جن وانس حتیٰ کہ وحوش وطیورتک وجد میں آجاتے اسی لئےلحن داؤدی مشہور ہے(۱۴۱)۔

عبادت وزہد داؤدی:

اللہ تعالیٰ نے آپ کوزہدوعبادت میں انہماک بخشا۔رسول اللہﷺ نے آپؑ کے بارے میں فرمایا:

((أحب الصلاة إلى اللّٰه صلاة داؤد عليه السلام' و أحب الصيام إلى اللّٰه صيام داؤد عليه السلام'وكان ينام نصفَ الليل' ويقوم ثلثَه' وينام سدسَه' ويصوم يوما ويفطر يوما))(۱۴۲)۔

ترجمہ:اللہ کےنزدیک پسندیدہ نماز داؤدعلیہ السلام کی نماز ہےاورپسندیدہ روزہ داؤدعلیہ السلام کاروزہ ہے۔آپ آدھی رات آرام کرتے' تہائی رات قیام'رات کاچھٹا حصہ پھرسوجاتےاورایک دن روزہ رکھتےاورایک دن نہ رکھتے۔**وفات:**

حضرت داؤدعلیہ السلام نے بنی اسرائیل پر۴۰سال(۷برس حبرون اور۳۳برس یروشلم میں حکومت کرنے کے بعد

۱۰۰ سال کی عمر ۹۶۳ ق م یا ۹۶۴ ق م میں سبت کے دن وفات پائی۔اور شہر داؤد (صیہون) میں مدفون ہوئے (۱۴۳)۔

حضرت سلیمان علیہ السلام:

حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے صاحبزادے بنی اسرائیل کے مشہور پیغمبر سب سے کامیاب اور صاحب اقتدار بادشاہ تھے۔چونکہ داؤدؑ کے فرزند ہیں اس لئے آپ کا نسب بھی یہوداہ کے واسطے سے حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ آپ داؤدؑ کے بعد بادشاہ ہوئے اس لئے نبوت وسلطنت کے جامع ہیں۔قرآن میں آپ کا نام سترہ مقامات پر آیا ہے۔تورات میں بھی آپ کا تذکرہ کئی کتب میں آیا ہے (۱۴۴)۔

شجرہ نسب:

سلیمان بن داؤد (David) بن ایشا (ایشی،یسّی،حبسّی، Jesse) بن عوبد (عوبید، Obed، عوفد، عوید) بن عابر (بوعز، Boaz باعز) بن سلمون (سلما، سلمان، Salmon) بن نحشون (نحسون، Nahsmoon) بن عونیاذب (عمی ناذب، عمیندا ب Amminadab) بن ارم (رام، Ram) بن حصرون (Hezron) بن فارص (Pharez بارص) بن یہوذا (Judah) بن یعقوب (Jacob) بن اسحاق (Isaac) بن ابراہیم (Abraham) (۱۴۵)۔

ولادت:

تورات کے مطابق یروشلم میں بت سبع (بت سوع) کے بطن سے پیدا ہوئے۔امیر علی خان کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام کی والدہ کا نام بطشاء اور بعض کے مطابق اوکوبت شوع لکھا ہے جبکہ حفظ الرحمٰن سیوہاروی کے مطابق تاریخی لحاظ سے ان کی کوئی حیثیت نہیں قرآن وحدیث وتاریخ سے صحیح نام آپ کی والدہ کا معلوم نہیں ہوسکا (۱۴۶)۔

تاریخ پیدائش:

آپ کی ولادت کا سال تخمیناً ۱۰۳۵ ق م بیان کیا گیا ہے۔اس وقت حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر ۴۲ سال تھی (۱۴۷)۔

تخت نشینی:

حضرت سلیمان علیہ السلام کا زمانہ حکومت دسویں صدی ق م کا ہے۔حضرت سلیمانؑ کے سن رشد پر پہنچنے پر داؤدؑ کا انتقال ہوا اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت اور حکمت میں داؤدؑ کا جانشین اور وارث بنایا۔اس کا ذکر تورات میں بھی ملتا ہے (۱۴۸)۔مؤرخین نے تخت نشینی کے وقت حضرت سلیمانؑ کی عمر مختلف لکھی ہے (۱۴۹)۔

حضرت سلیمانؑ نے ۴۰ سال حکومت کی آپ نے بنی اسرائیل کے اردگرد کے دشمنوں کو زیر کر کے زبردست سلطنت قائم کی۔حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ کے حضور دعا کی تھی جس کا ذکر قرآن نے کیا ہے(۱۵۰)۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ایسی عجیب وغریب حکومت عطا کی جو نہ اس سے پہلے کسی کو نصیب ہوئی اور نہ اُن کے بعد کسی کو میسر آئیگی۔☆۔انہیں علم وحکمت اور فہم وفراست میں یکتائے روزگار کیا۔مقدموں کے تصفیے کی امتیازی صلاحیت انہیں بخشی۔انسانوں کے علاوہ جن اور حیوانات بھی ان کے تابع تھے۔اُن کے لئے پگھلتے ہوئے تانبے کا چشمہ بہادیا گیا جس سے جنات بڑی بڑی دیگیں،لگن اور برتن تیار کرتے تھے۔اُنہیں چرند پرند اور تمام رینگنے والے کیڑوں مثلاً چیونٹیوں وغیرہ کی بولیاں سمجھنے کی صلاحیت دی گئی۔ہوا کو بھی آپ کے لئے مسخر کیا گیا آپ صبح وشام ایک ایک مہینے کی مسافت کے برابر سفر کیا کرتے تھے(۱۵۱)۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام پر ایسے عظیم الشان احسان کیے اور آپ کو بے انتہاء دولت وثروت دی اور اسے خرچ کرنے پر باز پرس بھی نہ کرنے کا کہا لیکن اس کے باوجود وہ دولت وحکومت کو اللہ کی مخلوق کے لئے امانت الٰہی سمجھ کر ایک حبہ بھی اس میں سے اپنی ذات پر خرچ نہیں فرماتے تھے۔بلکہ اپنی روزی ٹوکریاں بنا کر حاصل کرتے تھے۔انہوں نے جہاد کے لئے گھوڑوں کی وسیع پیانے پر افزائش کی تھی۔آپؑ کا قاصد ہدہد تھا۔اس زمانے میں یمن کے مشرقی علاقے سبا میں ایک عورت کی حکومت تھی جس کے دارالحکومت کا نام مآرب (Sheba) تھا۔یہاں کی آفتاب پرست ملکہ کی خبر قرآن حکیم کے مطابق سلیمانؑ کے پاس پرندہ ہدہد لے کر آیا۔سلیمانؑ نے ہدہد کے ذریعے ملکہ سبا (بلقیس) کو اسلام کی دعوت کا خط بھیجا۔اس میں پہلی بار "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" سے ابتدا کی گئی۔ ملکہ اظہار اطاعت کے لئے فلسطین روانہ ہوئی لیکن اُس سے پہلے ہی اُسکا تخت سلیمانؑ نے معجزانہ طور پر منگوالیا اور بطور آزمائش آپ نے کچھ تبدیلی بھی تخت میں کی۔ملکہ سمیت پوری قوم سبا مسلمان ہوگئی(۱۵۲)۔

حضرت یعقوبؑ نے مسجد بیت المقدس کی بنیاد ڈالی تھی جس کی وجہ سے بیت المقدس کی آبادی وجود میں آئی۔عرصہ دراز بعد حضرت سلیمانؑ کے حکم سے اسی بیت المقدس کی عمارت اور شہر کی تعمیر نو کی گئی اور جنوں کی تسخیر کی وجہ سے ایک شاندار تعمیر عالم وجود میں آئی۔بیت المقدس کی تعمیر نو کا کام حضرت سلیمانؑ کے انتقال کے بعد بھی جاری رہا۔آپ علیہ السلام عصا کو ٹیک لگائے عبادت الٰہی میں مصروف تھے اور جنوں کے ذریعے تعمیر کی نگرانی بھی کر رہے تھے کہ پیغام اجل آ پہنچا اور جنوں کو موت کی خبر نہ ہوئی۔عرصے بعد عصا کو دیمک نے چاٹ لیا تو عصا کا توازن بگڑا اور وہ گر گئے تب جنوں کو معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا انتقال ہوگیا۔آپ بیت المقدس میں ۹۲۳ ق م میں فوت ہوئے اور وہیں دفن ہوئے(۱۵۳)۔

حضرت زکریا علیہ السلام (Zacharies)

حضرت زکریاؑ اولاد سلیمان بن داؤدؑ میں سے تھے۔نیز حضرت زکریاؑ ویحییٰ انبیائے بنی اسرائیل میں سے اور حضرت عیسیٰؑ کے ہم عصر تھے۔اور آپ حضرت مریمؑ کے خالو تھے۔حضرت زکریاؑ اور حضرت مریمؑ کے والد عمران بن ماثان ہم زلف

تھے (۱۵۴)۔

حضرت زکریا علیہ السلام کا نسب نامہ: زکریا بن اُدن بن مسلم بن صدوق بن محمان بن داؤد بن سلیمان بن مسلم بن صدقیۃ بن برحیۃ بن ملقاطیۃ بن ناحور بن سلوم بن بہفانیا بن حاش بن انی بن خشعم (Khas,am) بن سلیمان بن داؤد (۱۵۵)۔

حافظ ابن عساکر نے آپ کا نام زکریا بن حنا لکھا ہے بعض علماء زکریا بن دان کہتے ہیں (۱۵۶)۔

حضرت زکریاؑ کی زوجہ کا نام ایشاع بنت فاقوذہ اور حضرت مریمؑ کی والدہ یعنی عمران کی بیوی کا نام حنہ بنت فاقوذہ تھا۔آپ حضرت ہارونؑ کی ذریت میں سے تھیں (۱۵۷)۔

آپ انبیاء بنی اسرائیل اور ان کے کاہنوں میں سے تھے ۵۱۹ ق م میں پیغمبری کا اعلان کیا۔حضرت زکریاؑ کے ذمے مریمؑ کی کفالت ونگرانی تھی۔یعنی آپ ان کے مربی تھے۔ان کے پاس ان کے عبادت والے کمرے میں داخل ہوتے تو بےموسم پھل پاتے آپ تعجب سے پوچھتے تو وہ فرماتی اللہ کے ہاں سے۔تب زکریاؑ کو بےاولاد ہونے کا احساس ہوا آپ نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے یحییٰ کی بشارت کی خبر دی جس کے متعلق علامات سے پہلے ہی آگاہ کر دیا گیا۔یہ خبر بےحد مسرت کا باعث تھی کیونکہ ایک صحیح جانشین اور علم وحکمت ونبوت کا وارث آنے والا تھا (۱۵۸)۔

مختصر یہ کہ حضرت یحییٰ کی پیدائش کے وقت آپ کی عمر کافی زیادہ تھی۔اور آپ کی زوجہ بھی ضعیف العمر اور بانجھ تھیں۔آپ بنی اسرائیل میں معزز کاہن بھی تھے اور جلیل القدر پیغمبر بھی (۱۵۹)۔

قرآن کریم میں ہے:

﴿وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ (۱۶۰)۔

ترجمہ: زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ سب صالحین میں سے تھے

حدیث میں آیا ہے کہ: ((زکریا علیہ السلام پیشے کے اعتبار سے بڑھئی تھے؟)) (۱۶۱)۔

شہادت حضرت زکریا علیہ السلام:

آپ کی وفات کا واقعہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ایک طبقہ آپ کی وفات کو طبعی اور دوسرا شہادت قرار دیتا ہے (۱۶۲)۔

بعثت مسیح سے جو احکام تورات منسوخ ہوئے ان میں سے ایک بھتیجی سے نکاح بھی تھا بنی اسرائیل کا بادشاہ ہیرودس اپنی ایک بھتیجی سے نکاح کرنا چاہتا تھا حضرت یحییٰ چونکہ شریعت عیسوی پر ایمان رکھتے تھے۔اس لئے مانع آئے جس پر انہیں شہید کر دیا گیا اس واقعے کے بعد زکریاؑ بھاگ کر ایک باغ میں پہنچے ایک درخت کے تنے میں پناہ لی بادشاہ کے آدمیوں نے درخت کو حضرت زکریاؑ سمیت آرے سے چیر دیا (۱۶۳)۔

حلب کی جامع مسجد میں آپ کا مدفن ہے (۱۶۴)۔

حضرت یحیٰؑ علیہ السلام:

حضرت یحیٰؑ کے والد کا نام حضرت زکریاؑ اور والدہ کا نام ایشاع /الیشع تھا۔عبرانی زبان میں آپ کا نام یوحنا تھا آپ حضرت عیسیٰؑ سے صرف چھ ماہ بڑے تھے۔حضرت یحیٰؑ حضرت زکریاؑ کے بعد مبعوث ہوئے۔آپ حضرت عیسیٰؑ کے مبعوث ہونے کی بشارت دیتے رہتے تھے (۱۶۵)۔

حضرت یحیٰؑ علیہ السلام اپنے والد حضرت زکریاؑ کی دعاؤں کا ثمرہ ہیں۔آپکی ولادت کے وقت حضرت زکریاؑ کی عمر ۷۷ سال اور بعض روایتوں کے مطابق ۹۰، ۹۲، یا ۱۲۰ سال تھی اور زکریاؑ کی زوجہ ایشاع /الیشع بانجھ تھیں (۱۶۶)۔

قرآن کریم میں حضرت زکریاؑ کو دی گئی بشارت کا ذکر موجود ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿یٰزَکَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ اسْمُهٗ یَحْیٰی﴾ (۱۶۷)۔

ترجمہ: اے زکریا! بیشک ہم تمہیں بشارت دیتے ہیں ایک لڑکے کی جس کا نام یحییٰ ہوگا۔

حضرت یحیٰؑ نے جناب عیسیٰؑ کو دریائے اردن میں بپتسمہ دیا۔حضرت مریمؑ کی والدہ حضرت یحیٰؑ کی سگی خالہ تھیں۔حضرت یحیٰؑ حضرت عیسیٰؑ سے صرف ۶ ماہ بڑے تھے۔حضرت یحیٰؑ کی ولادت ۱ ق م میں ہوئی۔آپ کی شہادت کا واقعہ ۳۰ء میں پیش آیا۔چونکہ حضرت عیسیٰؑ کی عمر ۳۳ سال بتائی گئی ہے حضرت عیسیٰؑ نے اعلانیہ دعوت حق ۳۰ برس کی عمر میں آغاز کی اس وقت حضرت یحیٰؑ کی شہادت ہوئی۔بوقت شہادت آپ کی عمر ساڑھے تیس برس تھی۔الطبری کے مطابق حضرت یحیٰؑ وہ پہلے شخص ہیں جو حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لائے اور عیسیٰؑ کے بعد تک زندہ رہے۔انہیں ہیرودیاس (Herodias) کی درخواست پر قتل کیا گیا (۱۶۸)۔

جو یہودی بادشاہ تھا ہیرود کی بھتیجی یا بھانجی تھی کیونکہ آپ نے بادشاہ کی ہیرودیاس کے ساتھ شادی سے اختلاف کیا تھا۔حضرت یحیٰؑ علیہ السلام کو بیت المقدس میں صخرہ پر ذبح کیا گیا اور اُن کا سر مبارک کاٹ کر دمشق لے جایا گیا آج بھی دمشق کی بڑی جامع مسجد میں ایک قبر کو حضرت یحیٰؑ مزار بتایا جاتا ہے (۱۶۹)۔

مسجد اموی جو دمشق میں ہے وہاں سر دفن ہے۔اور آپکا جسم مبارک (Village of Sebastiya) کے اس مقام پر دفن ہے (۱۷۰)۔

تعلیمات یحییٰ:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے یحییٰؑ کو پانچ باتوں کا حکم دیا کہ وہ خود بھی ان پر عمل پیرا ہوں اور اپنی قوم کو بھی ان پر عمل کرنے کی تلقین

کریں۔

۱۔ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور کسی کو بھی اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔۔۔۔

۲۔ خشوع وخضوع اور یکسوئی کے ساتھ نماز ادا کرو۔۔۔۔

۳۔ میں تمہیں روزے رکھنے کا حکم دیتا ہوں۔۔۔اللہ کے ہاں روزے دار کے منہ کی بو کستوری (مشک) کی خوشبو سے زیادہ پاکیزہ ہے۔

۴۔ میں تمہیں صدقہ کا حکم دیتا ہوں۔۔۔۔

۵۔ پانچواں حکم یہ کہ دن رات ذکر الٰہی کثرت سے کرتے رہا کرو۔۔بندہ بھی شیطان سے سب سے زیادہ محفوظ اس وقت ہوتا ہے جب وہ اللہ کے ذکر میں مشغول ہوتا ہے (۱۷۱)۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام (Jesus Christ)

حضرت عیسیٰ بن مریم خاتم الانبیا بنی اسرائیل یعنی آل یعقوب کے آخری نبی ہیں۔آپ جلیل قدر اور اولوالعزم پیغمبروں میں سے ایک ہیں (۱۷۲)۔

سیدنا عیسیٰ کی والدہ کا نام مریم تھا یہ عمران کی بیٹی تھیں اور مریم کی والدہ کا نام حنہ تھا حضرت عیسیٰ کی پیدائش حضرت آدم کی طرح عام مروجہ طریق سے ہٹ کر ہوئی یعنی حضرت آدم کی تخلیق ماں باپ کے بغیر اور عیسی کی بغیر واسطہ پدری کے عالم وجود میں آئی (۱۷۳)۔

نسب نامہ

عیسیٰ بن مریم بنت عمران بن ہاشم بن اُمون بن میشا بن حزقیا بن احریق بن موثم بن عزازیا بن امصیا ایان بن احریہو بن یازم بن یہفاشاط بن اشیا بن ایان بن رحعام بن سلیمان بن داؤد (۱۷۴)۔

نام ولقب، جائے پیدائش:

آپکا نام عیسیٰؑ اور لقب مسیح تھا۔آپکی جائے پیدائش کوہ شاعیر (شعیر، بیت اللحم) اور بعض کے نزدیک ناصرہ ہے (۱۷۵)۔

قرآن میں ہے: ﴿ اِسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ﴾ (۱۷۶)۔

انجیل متی اور لوقا کے مطابق جب فرشتے نے حضرت مریمؑ کو آپ کی ولادت بغیر باپ کے پیدا ہونے والے ایک مبارک بیٹے کی خوشخبری دی تو کہا:

''دیکھ تو حاملہ ہوگی اور تیرے بیٹا ہوگا اور اُس کا نام یسوع رکھنا (۱۷۷)۔''

حضرت عیسیٰ نام کی وجہ تسمیہ:

آپ کا نام عبرانی میں یسوع اور عربی میں عیسیٰ تھا جو انگریزی میں jesus بن گیا یسوع معنی سید او رمبارک کے ہیں نیز ''نجات دلانے والا'' ہیں دوسرا نام مسیح ہے جو مسح سے مشتق ہے مسح کے معنی کسی چیز پہ ہاتھ پھیرنا اس سے بڑا اثر دور کرنا یعنی بیماری دور کرنا۔

سیر اور چلنے کو بھی مسیح کہتے ہیں مسیح اس لیے نام رکھا گیا کہ وہ زمین میں چلنے والے یا سیاحت کرنے والے تھے (۱۷۸)۔

حیات عیسی اناجیل کی روشنی میں:

حیات عیسیٰ کے متعلق آج بھی چند بشارات لفظی اور معنوی تحریفات کے باوجود بائبل میں محفوظ ہیں آپ اور محمد ﷺ کے درمیان کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا فترۃ الوحی کا زمانہ تقریباً ۵۷۰ عیسوی سال ہے۔ پیدائش کے بعد سے لے کر نبوت تک کہاں رہے مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ حضرت مریم بادشاہ وقت ہیرود کے خوف سے مصر چلی گئیں اور حضرت عیسیٰ کی عمر کے ابتدائی بارہ سال وہیں گزرے بیت المقدس کا بادشاہ مرنے کے بعد حضرت زکریاؑ نے حضرت مریمؑ کو بلا بھیجا اب حضرت مریم اپنے بچے سمیت بیت المقدس میں واپس تشریف لے آئیں۔حضرت عیسیٰ نے بیت المقدس کے قریب مقام ناصرہ میں جو صوبہ گلیلی میں تھا رہائش اختیار کی ایک قول کے مطابق اس کی وجہ سے آپ کے متبعین کو نصاری کہا جاتا ہے (۱۷۹)۔

حضرت عیسیٰ کی عمر ۳۰ سال ہوئی تو ان پر نزول وحی کا آغاز ہوا۔آپ پر آرامی زبان میں انجیل نازل ہوئی جو عبرانی زبان میں نازل ہونے والی تورات کے بعد بنی اسرائیل کی رشد وہدایت کے لئے ایک عظیم المرتبت آسمانی کتاب تھی۔اس کے بعد حضرت عیسیٰؑ کے پورے زوروشور سے دعوت وتبلیغ کا آغاز کر دیا ان کی تبلیغ میں حکمت ودانائی کے ساتھ ساتھ احکام الٰہی پر شدت سے عمل کرنے اور کرانے کا جزبہ بھی پایا جاتا تھا انہوں نے اپنے مواعظ میں ان مذہبی لوگوں کو خاص طور پر ہدف تنقید بنایا، جنہوں نے مذہب کے نام پر دکانداریاں قائم کر رکھی تھیں۔انہوں نے اعلان نبوت کے چند دن بعد ایک پہاڑی سے وعظ کیا، جسے خطبہ کوہ کہا جاتا ہے۔

اس وعظ میں ان کی تمام تعلیمات کا خلاصہ موجود ہے پھر جیسے جیسے عوام ان سے متاثر ہوتے گئے خواص، یعنی مذہبی لوگ، کاہن اور فریسی اتنے ہی ان کے مخالف ہوتے گئے، کیونکہ انہیں اپنی مذہبی سیادت ختم ہوتی نظر آ رہی تھی بہر حال دشمنوں نے رومی گورنر پونطس یا پیلاطس کو حضرت عیسیٰؑ کے خلاف ابھارا اور اس کے سپاہیوں کے ساتھ مل کر حضرت عیسیٰ کو گرفتار کرنے کی سازش تیار کر لی اور بقول انجیل حضرت عیسیٰ کے ایک شاگرد یہوداہ اسکر یوتی کو ۳۰ دینار پر جاسوسی کے لیے تیار کر لیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مذہبی تہوار کے موقع پر بیت المقدس آئے ہوئے تھے یہاں انہوں نے عید فسح کا آخری کھانا کھایا۔اس کے بعد حضرت عیسیٰؑ اپنے گیارہ شاگردوں سے الگ ہو کر منہ کے بل گر کر اللہ تعالیٰ سے یوں دعا مانگی: اے میرے خدا! اگر ہو سکے تو

یہ پیالہ

(موت) مجھ سے ٹل جائے ۔اس دعا کے جواب میں تسلی نازل ہوئی (۱۸۰) ۔

حضرت عیسی علیہ السلام جس مقصد کی تکمیل کے لئے دنیا میں تشریف لائے وہ پورا ہو چکا تھا آپ نے اپنی جان کو بطور کفارہ دیکر ابلیس کے منصوبوں کو کچل دیا ۔

حیات عیسی ازروئے قرآن:

قرآن کریم میں حضرت عیسی علیہ السلام کو ابن مریم، مسیح، عبداللہ کے نام سے یاد کیا ہے ۔قرآن میں عیسی نام تقریبا چھبیس مرتبہ آیا ہے ۔قرآن میں مسیح علیہ السلام کے ظہور کا ذکر دو جگہ تفصیل سے آیا ہے (۱۸۱) ۔

مسلم علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جب دشمن حضرت عیسیٰؑ کے ایک شاگرد یہوداسکریوتی (یا اسخر یوطی) کی رہنمائی میں مذکورہ جگہ کے پاس پہنچے اور اس کا محاصرہ کرلیا تو عین اس وقت حضرت عیسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اٹھالیا اور خود گرفتار کروانے والے پر حضرت عیسیٰ کی شکل وشباہت طاری کردی ۔ چنانچہ حکومت کے اہلکاروں اور یہودیوں حتی کہ خود حواریوں نے بھی اسی کو حضرت عیسیٰ سمجھ لیا اور اسی کو لے جا کر پھانسی پر چڑھا دیا (۱۸۲) ۔

مبحث سوم: یہودیت کے دینی سرمائے کا تعارف

جب یہود کے دینی سرمائے کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مسیحی کتاب مقدس (بائبل) کے دو بڑے حصے ہیں پہلا حصہ، عہدنامہ قدیم یا عہد عتیق (Old Testament) کہلاتا ہے اور دوسرے کو نیا عہدنامہ یا عہد جدید (New Testament) کہتے ہیں۔ عہدنامہ قدیم یہودیوں اور عیسائیوں دونوں کے نزدیک مقدس اور الہامی کتاب ہے۔ یہودی عبرانی بائبل (Hebrew Bible) یا عبرانی صحائف، (Hebrew Scriptures) کو مانتے ہیں۔ جب کہ عہدنامہ جدید (NewTestament) یا انجیل خالصتاً عیسائیوں کی مقدس کتاب ہے (۱۸۳)۔

گویا عہد عتیق ''خدا اور اس کی منتخب قوم یہود کے درمیان'' اور عہد جدید ''خدا اور بنی اسرائیل، بمطابق عیسائیوں کے'' عام انسانیت سے خدا کے میثاق عہد قانون اور شریعت کو کہا جاتا ہے یعنی وہ عہد اور قانون جو اس نے اپنے انبیاء کی معرفت بنی اسرائیل یا انسان پر عائد کیا (۱۸۴)۔

پروٹسٹنٹ (Protestant) عیسائی عہدنامہ قدیم کی انہی ۳۹ کتب کو معتبر مانتے ہیں جو یہودیوں کے نزدیک الہامی ہیں جبکہ رومن کیتھولک، اینگلی کان اور مشرقی کلیسا سے متعلق عیسائی مزید کچھ اور کتابوں کو بھی مقدس مانتے ہیں اور اسے عہد نامہ قدیم کا جزو سمجھتے ہیں (۱۸۵)۔

مولانا رحمت اللہ کیرانوی بنی اسرائیل کے دینی سرمائے کے بارے میں رقم طراز ہیں:

> ''تنقسم هذه الكتب الى قسمين: قسم منها يدعون انه وصل اليهم بواسطة الانبياء الذين كانـــوا قبل عيسىٰ عليه السلام، وقسم منها يدعون انه كتب بالالهام بعد عيسى عليه السلام، فمجموع الكتب من القسم الاولىٰ يسُمى بالعهد العتيق والقسم الثانى بالعهدالجديد، و مجموع العهدين يُسَمَّى ببيبل وهذا يونانى بمعنىٰ الكتاب (۱۸۶)۔''

ترجمہ: ان کتابوں کی دو قسمیں ہیں ایک وہ کتابیں جن کی نسبت ان کا دعویٰ ہے کہ یہ ان پیغمبروں کے واسطے سے ہمارے پاس پہنچی ہیں جو عیسیٰ ؑ سے پہلے گزر چکے ہیں (یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام)' دوسری وہ کتابیں جن کی نسبت وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ عیسی علیہ السلام کے بعد الہام کے ذریعے لکھی گئیں ہیں۔ پہلی قسم کی کتابوں کے مجموعے کو عہدنامہ عتیق اور دوسری قسم کے مجموعہ کو عہدنامہ جدید کہتے ہیں اور دو عہدوں کے مجموعے کا نام وہ بائبل رکھتے ہیں۔ یہ یونانی لفظ ہے جس کے معنی کتاب کے ہیں۔

یہود کا مقدس دینی ادب بنیادی طور پر دو کتابوں پر مشتمل ہے۔

۱۔ عہدنامہ قدیم (The Old Testament)

۲۔ تالمود (Talmud)

موجودہ بائبل (کتاب مقدس) جسے موجودہ عیسائی مانتے ہیں دوحصوں پر مشتمل ہے۔

۱۔ عہدنامہ قدیم Old Testament

۲۔ عہدنامہ جدید New Testament

جوعہدنامہ قدیم کی پانچ کتابوں پر مشتمل ہے جسے خمسہ موسوی کہا جاتا ہے اس کے علاوہ عہدنامہ قدیم میں مزید ۳۴ کتابیں شامل ہیں اس طرح کل تعداد ۳۹ ہے۔

رحمت اللہ کیرانوی عہدنامہ عتیق کی کتب کی تعداد کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''اما القسم الاول (من العهد العتيق) فثمانيه وثلاثون كتاباً (۱۸۷)۔''

ترجمہ: عہدنامہ عتیق کی پہلی قسم کی ۳۸ کتابیں ہیں۔

یعنی ان کے مطابق عہدنامہ قدیم میں ۳۸ کتب ہیں۔ جبکہ دیگر کے مطابق ۳۹ ہے۔ حضرت موسیٰ سے لے کر حضرت ملاکیؑ (ملاخیا) تک مختلف پیغمبروں پر نازل ہونے والے صحیفے اس میں جمع کئے گئے ہیں۔ یہ تعداد عیسائیوں کے پروٹسٹنٹ فرقے کے مطابق ہے۔ کیتھولک نسخے میں مزید سات کتابیں شامل ہیں (۱۸۸)۔

عہدنامہ جدید بائبل کا دوسرا حصہ ہے جس میں چاروں اناجیل اور حضرت مسیح کے حواریوں کی طرف منسوب خطوط اور مکاشفات وغیرہ ہیں۔

عیسائی کہتے ہیں کہ:

عہدنامہ قدیم خدا کا اسرائیل سے عہد تھا۔ حضرت عیسیٰؑ کی بعثت کے بعد خدا نے ان کی معرفت نیا عہد کیا جو عہدنامہ جدید ہے۔ (۱۸۹)۔

یہودی بائبل کا بڑا حصہ عبرانی زبان میں ہے معمولی حصہ آرامی (Aramic) زبان میں ہے۔ یہودی مسلمہ مذہبی کتب سے مراد عبرانی بائبل کی ۲۴ کتابیں ہیں ان کو اصطلاح میں کینن (Canon) بھی کہا جاتا ہے اس کے علاوہ بھی یہودیوں کی مذہبی کتب کے کئی مجموعے ہیں۔

عہدنامہ قدیم کی کتابوں کی تفصیل درج ذیل ہے آسانی کی غرض سے اسے تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

عہدنامہ قدیم کی ۲۴ کتابیں ہیں۔ توریت کی پانچ، انبیاء کی آٹھ اور تحریرات مذہبی شاعری اور حکمت و دانش پر مبنی کتابوں کی تعداد گیارہ ہے۔ ان کتابوں کو الگ الگ کردیا جائے تو ان کی تعداد ۹ بن جاتی ہے۔

جیسے سموئیل اول اور دوم، یہودی اس کو ایک کتاب کہتے ہیں عیسائی دو قرار دیتے ہیں۔ یہودی بارہ انبیائے صغیر (Minor Prophets) کی

ایک کتاب مانتے ہیں عیسائی ان کو الگ الگ کر کے بارہ کتابیں قرار دیتے ہیں۔ پروٹسٹنٹ فرقہ یہودی بائبل کو مانتا ہے۔ رومن کیتھولک اور بعض دوسرے کلیسا ان ۳۹ کتب کے علاوہ بھی کئی کتابوں کو مانتے ہیں۔ پروٹسٹنٹ عیسائی عہدنامہ قدیم کی ۳۹ اور عہدنامہ جدید کی ۲۷ کتابیں یعنی ۶۶ کتابیں مانتے ہیں۔(۱۹۰)۔ عام طور پر عیسائی عہدنامہ قدیم کی کتب کی تقسیم اس طرح کرتے ہیں۔

الف: تورات 05(اسفارِ خمسہ، اسفارِ موسیٰ، کتبِ خمسہ موسوی، صحائف موسیٰ)

ب: انبیاء کی کتب (نبیم) 22 (Nevi,im Nebiim)

ج: متفرق کتب 12 (کتبیم، Writings, Kethubim, Ketuvim)

عہدنامہ قدیم نہ صرف قانون اور شریعت کی کتاب ہے بلکہ اس میں اعلیٰ درجے کی شاعری اور تاریخ اور فلسفے کے نمونے بھی دیکھے جاسکتے ہیں(۱۹۱)۔

الف: **تورات** (Pentateuch, The Torah , Law , or Instructions)

تورات لغۃً عبرانی لفظ ہے جس کے معنی شریعت، تعلیم، وحی یا فرشتہ کے ہیں۔ اس سے یہودی روایت کے مطابق صحائف خمسہ اور تمام یہودی تعلیمات دونوں مراد لیے جاتے ہیں۔ یہ لفظ جس مادے سے ماخوذ ہے اس کے سادہ ترین مشتق کا مفہوم ہے پھینکنا، ڈالنا۔ اس کا ایک کا مطلب راستہ دکھانا ہدایت کرنا یا تعلیم دینا بھی ہے۔ عہدنامہ قدیم میں بھی جگہ لفظ تورات بطور خاص انہی موخر الذکر معانی میں استعمال ہوا ہے (۱۹۲)۔ جبکہ تورات اہل عرب کے نزدیک وریٰ سے ہے۔ ڈکشنری آف بائبل میں لفظ تورات کا مادہ یراہ بتایا گیا ہے جو بعض محققین کے نزدیک مابہ النزاع۔ اس لفظ کا معنی ہے پھینکنا یا ڈالنا (قرعہ) اسی سے اس کا مفہوم قرعے کے ذریعے سے منکشف ہونے والا غیبی جواب استخارہ ہوگیا(۱۹۳)۔

اصطلاح میں تورات پانچ کتابوں کا مجموعہ ہے۔ یہ یہود کی الہامی کتاب ہے جو عبرانی زبان میں حضرت موسیٰ پر نازل ہوئی۔ عموماً تورات سے مراد بائبل کے عہدنامہ قدیم کی ابتدائی پانچ کتابیں لی جاتی ہیں۔ لیکن حقیقت میں تورات بائبل کی پانچ کتابوں کا نام نہیں بلکہ وہ ان پانچ کتابوں میں شامل ہے(۱۹۴)۔

بقول مولانا مودودی:

"تورات سے مراد وہ احکام ہیں جو حضرت موسیٰ کی بعثت سے لے کر انکی وفات تک تقریباً چالیس سال کے دوران میں ان پر نازل ہوئے۔ ان میں سے دس احکام تو وہ تھے جو اللہ تعالیٰ نے پتھر کی لوحوں پر کندہ کر کے انہیں دیئے تھے۔ باقی ماندہ احکام کو حضرت موسیٰ نے لکھوا کر اس کی ۱۲ نقلیں بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کو دی تھیں اور ایک نقل بنی لاوی کے سپرد کی تھی تاکہ وہ اسکی حفاظت کریں اسی کتاب کا نام تورات تھا(۱۹۵)۔"

مسلمانوں کے ہاں تورات وہ کتاب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ پر لوگوں کے لئے ہدایت اور نور بنا کر اتارا۔

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰۃَ فِیْھَا ھُدًی وَّنُوْرٌ﴾ (۱۹۶)۔

یہود کے نزدیک ان پانچ کتابوں کے مجموعہ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں سے لکھا تھا۔عربی میں سفر سے مراد صحیفہ یا کتاب کے ہیں اور اسفار سفر کی جمع ہے (۱۹۷)۔

i) کتاب پیدائش:(سفر التکوین،سفر الخلیقہ ,Genesis, Gensis)

۸ ویں صدی ق م تحریری شکل میں آئی ۔اس میں تخلیق کائنات اور تخلیق آدمؑ سے لیکر حضرت یوسفؑ تک کے حالات مذکور ہیں اس کے ۵۰ ابواب ہیں (۱۹۸)۔

ii) کتاب خروج (سفر الخروج ,Exodus)

اس میں حضرت موسیٰ کی پیدائش کے متعلق واقعات بالتفصیل مذکور ہیں یعنی ان کی پیدائش سے لیکر ان کی دعوت اسلام ،فرعون کے غرق اور کوہ سینا پر ۱۳ ویں صدی ق م میں اللہ سے ہمکلامی کے واقعات اور احکام عشرہ مذکور ہیں بنی اسرائیل کے صحرائے سینا میں خیمہ زن ہونے کے واقعات پر ختم ہوجاتا ہے ۔اسے خروج اسلئے کہتے ہیں کہ اس میں بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے کا واقعہ مذکور ہے اس کے ۴۰ باب ہیں (۱۹۹)۔

iii) کتاب احبار (سفر اللاویین ,Leviticus)

اس میں موسوی شریعت کے احکام درج ہیں یعنی اس کتاب میں شرعی قوانین ،قربانی کی شرائط ،حلال وحرام ،مذہبی احکامات اور حضرت ہارونؑ کی کہانت کا بیان ہے ۔اس کے ۲۷ باب ہیں (۲۰۰)۔

iv) کتاب گنتی (کتاب اعداد،سفر العدد ,Numbers)

اس کتاب میں مصر سے خروج اور بنی اسرائیل کی مختلف شاخوں کی تقسیم اور چالیس سال تک صحرائے سینا میں بھٹکنا اور ہر قبیلے کے افراد کی مردم شماری (تعداد) بیان کی گئی ہے اس کے کل ۳۶ باب ہیں ۔(۲۰۱)

v) کتاب الاستثنا:

مذہبی قوانین کے اعتبار سے اس کتاب کو انتہائی بنیادی اہمیت حاصل ہے ۔حضرت موسیٰ کی وفات تک کے حالات وواقعات واحکام پر مشتمل ہے ۔اس کے کل ۳۴ باب ہیں (۲۰۲) ان پانچوں کتابوں کے مجموعے کو تورات (توریت) کہاجاتا ہے (۲۰۳)۔

بقیہ کتابیں جو سلسلہ نمبر ب،ج کے تحت ہیں کے نام نیچے درج کئے جارہے ہیں اس کے بعد ان کی مزید تفصیل دی جائے گی

ب) نبیم ,Neviim Prophets:

اس میں کل ۲۲ کتابیں شامل ہیں ۔

انبیاء متقدمین (انبیائے قدیم),Former Prophets:۔

۱۔یشوع(یسوع,Joshua) ۲۔قضاۃ,(Judges) ۳۔سموئیل اول(Samuel I) ۴۔سموئیل دوم(Samuel II) ۵۔سلاطین اول(Kings I) ۶۔سلاطین دوم(Kings II) (۲۰۴)۔

انبیاء متاخرین (مابعد انبیاء) Latter Prophets:

۱۔یسعیاہ(Isaiah) ۲۔یرمیاہ(جرمیاہ،Jeremiah) ۳۔حزقی ایل(حزقیل Ezekiel)(۲۰۵)۔

بارہ انبیاء صغیر Twelve Minor Prophets,

۱۔ہوسیع ہوشع،ہوسیا,Hosea ۲۔یوایل(Joel) ۳۔عاموس(عموس,Amos) ۴۔عبدیاہ(Obadiah) ۵۔یوناہ(Jonah) ۶۔میکاہ(Micah) ۷۔ناحوم(نحوم Nehum) ۸۔حبقوق (Habakkuk)
۔صفنیاہ(صفانیا Zephaniah) ۱۰۔حجی(Haggai)(ہگاہ) ۱۱۔زکریا(Zechariah)
۱۲۔ملاکی(Malachi) (۲۰۶)۔

ج)تحریرات (کتبیم،Writings, Kethubim, Ketuvim,Hagiographa)

۱۔زبور(مزامیر,Psalms) ۲۔امثال(Proverbs) ۳۔ایوب(Job) (۲۰۷)۔

شاعری کے پانچ مجموعے

۱۔غزل الغزلات(Song of Songs) ۲۔روت (Ruth) ۳۔نوحہ (Lamentation) ۴۔واعظ (Ecclesiastes or Kohelth)
۵۔آستر (Esther) ۶۔دانیال (Daniel) ۷۔عزرا (Ezra) ۸۔نحمیاہ (Nehmiah) ۹۔تواریخ اول(Chronicles I) ۱۰۔تواریخ دوم(Chronicles II) (۲۰۸)

عہد عتیق کی دوسری قسم کی کتب جن کی صحت میں اختلاف ہے یہ کل نو کتب ہیں ۔رحمت اللہ کیرانوی ان کے متعلق کہتے ہیں ۔

''۱۔کتاب آستر(استیر) ۲۔کتاب باروخ(Baruch) ۳۔کتاب دانیال کا ایک جزو ۴۔کتاب طوبیا(Tobit) ۵۔کتاب یہودیت ۶۔کتاب دانش ۷۔کلیسائی پند و نصائح ۸۔کتاب مکابیین اول(Maccabees 01)
۹۔کتاب مکابیین الثانی(Maccabees 02) (۲۰۹)۔''

پہلی یہودی بائبل:

مسیحی بائبل کا پہلا حصہ جسے وہ عہد عتیق یا پرانا عہد نامہ کہلاتا ہے یہودیوں کی بائبل ہے اس مجموعہ کتب کی پہلی پانچ کتب کو تورات پکارا جاتا ہے ۔یہودیوں نے خدا سے تورات لیتے وقت کہا تھا کہ:

''ہم اس کے حکموں پر عمل کریں گے اور اس کی تعلیمات کو قبول کرینگے (۲۱۰)۔''

دوسری سامری بائبل:

حضرت سلیمانؑ کے بعدان کی سلطنت دوحصوں میں بٹ گئی دو یہودی قبائل اس یہودیت وتورات پر قائم رہے اور یروشلم میں سلیمان کی بنائی ہوئی مسجد کواپنی عبادت کا مرکز ومحور بنائے رکھا(۲۱۱)۔

تیسری پروٹسٹنٹ بائبل:

پروٹسٹنٹ فرقہ کی بائبل ۶۶(۳۹+ ۲۷=۶۶) کتب پر مشتمل ہے (۲۱۲)۔

چوتھی رومن کیتھولک بائبل:

رومن کیتھولک بائبل بہتر،۷۲(۴۶+۲۷=۷۳) کتب پر مشتمل ہے (۲۱۳) ۔

اہم یہودی کتب ,Hebrew Literature:

یہودیوں کے مذہبی لٹریچر میں عبرانی بائبل کے علاوہ درج ذیل ۶ کتب اہم ہیں:

مشنہ Mishnah

200ء میں گلیل میں مدون ہوئی یہودی ربیوں کی تورات کا مجموعہ ہے اس کے چھ حصے ہیں جو عبادات،مقدس ایام،خاندانی معاملات،قربانیوں اور طہارت کے مسائل پر مشتمل ہیں (۲۱۴)۔

گمارا Gamara

مشنہ کی تفسیر تیسری اور پانچویں صدی میں تیار ہوئی (۲۱۵)۔

تالمود Talmud

توریت کے زبانی قوانین کا مجموعہ ہے اس میں کہانیاں ،مذہبی قوانین اور اخلاقی ضابطے ہیں تالمود دو ہیں ۔ایک تالمود یروشلم جو 400ء میں مکمل ہوئی اور دوسری بابلی تالمود جو 500ء میں پایہ تکمیل کو پہنچی (۲۱۶)۔

ہگادا Haggada

لفظی معنی قصہ یا کہانی کے ہیں ۔یہ مشنہ کا قانون سے الگ حصہ ہے ۔بابلی تالمود کا 1/3 حصہ اور یروشلم تالمود کا 1/6 حصہ ہگادا پر مشتمل ہے(۲۱۷)۔

ہلاخہ Halakha

مشنہ کی زبانی ۸روایات اور قانونی نظائر،ربیوں کی قانون کے متعلق رائے پر مبنی ہے(۲۱۸)۔

مدراش Midrash:

مقدس کتاب بائبل کے قانون کی تشریح وتفسیر ہے ۔چھٹی صدی عیسوی میں مکمل ہوئی مشنہ کے مسائل دو الگ الگ

کتب میں جمع کئے گئے ایک توفستا(Tosefta) اوردوسری مدراشیم(Midrashim) کہلاتی ہے(۲۱۹)۔

یہ یہودیت کے مذہبی لٹریچر کا اجمالی تعارف ہے۔ہر کتاب کی الگ مذہبی اہمیت ہے ان کے علاوہ بائبل اور بعض کتب کی تشریحات،توضیحات اورتفاسیر پر مشتمل بہت بڑا ذخیرہ ہے جو زیادہ تر آرامی زبان میں ہے اورتر گوم کہلاتا ہے(۲۲۰)۔

تحریف تورات:

حضرت موسیٰ کی جو آخری تقریر نقل کی گئی ہے اس میں وہ بار بار بنی اسرائیل سے عہد لیتے ہیں کہ یہ باتیں جن کا حکم آج میں تجھے دیتا ہوں تیرے دل پر نقش رہیں۔۔۔پھر اپنی آخری وصیت میں انہوں نے تاکید کی کہ فلسطین کی سرحد میں داخل ہونے کے بعد پہلا کام یہ کرنا کہ کوہ عیبال پر بڑے بڑے پتھر نصب کر کے تورات کے احکام ان پر کندہ کر دینا(۲۲۱)۔

نیز بنی لاوی کو نسخہ دے کر ہدایت فرمائی کہ: ہر ساتویں برس عید خیام کے موقع پر قوم کے مردوں،عورتوں،بچوں سب کو جگہ جگہ جمع کر کے یہ پوری کتاب بلفظ بلفظ ان کو سناتے رہنا لیکن اس پر بھی کتاب اللہ سے بنی اسرائیل کی غفلت رفتہ رفتہ یہاں تک بڑھی کہ حضرت موسیٰ کے سات سو برس بعد ہیکل سلیمانی کے سجادہ نشین اور یروشلم کے یہودی فرمانروا تک کو یہ معلوم نہ تھا کہ ان کے ہاں تورات نامی کوئی کتاب موجود ہے(۲۲۲)۔

علمائے یہود کا سب سے بڑا قصور یہ تھا کہ انہوں نے کتاب اللہ کے علم کی اشاعت کرنے کے بجائے اس کو ربیون اور مذہبی پیشہ وروں کے ایک محدود طبقے میں مقید کر رکھا تھا اور عامہ خلائق تو درکنار،خود یہودی عوام تک کو اس کی ہوا نہ لگنے دیتے تھے۔پھر جب عام جہالت کی وجہ سے ان کے اندر گمراہیاں پھیلیں تو علماء نے نہ صرف یہ کہ اصلاح کی کوشش نہ کی بلکہ وہ عوام میں اپنی مقبولیت برقرار رکھنے کے لئے ہر اس ضلالت اور بدعت کو جس کا رواج عام ہو جاتا،اپنے قول وعمل سے،یا اپنے سکوت سے الٹی سند جواز عطا کرنے لگے(۲۲۳)۔

سید مودودی لکھتے ہیں:

''عہد عتیق(Old Testament) کی کتب خمسہ (Pentateuch) اصل تورات نہیں ہیں بلکہ اصل تورات دنیا سے ناپید ہو چکی ہے۔اس نظریہ کی تائید خود عہد عتیق سے ہوتی ہے۔اس سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ نے اپنی زندگی کے آخری زمانہ میں حضرت یشوع(یوشع) کی مدد سے تورات کو مرتب کر کے ایک صندوق میں رکھوا دیا تھا۔ان کے انتقال کے بعد چھٹی صدی ق م میں جب بخت نصر نے بیت المقدس کو آگ لگا دی تو وہ مقدس صندوق ان تمام کتابوں سمیت جل گیا جو حضرت عزیر نے خود بائبل کی روایت کے مطابق بنی اسرائیل کے کاہنوں اور لاویوں کے ساتھ مل کر آسمانی الہام سے اس کتاب کو از سر نو مرتب کیا(۲۲۴)۔''

۲۸۰ ق م میں تورات کی تمام کتابیں یونانی زبان میں منتقل کر دی گئیں اور رفتہ رفتہ اصل عبرانی نسخہ متروک ہو کر یونانی ترجمہ رائج ہو گیا۔موجودہ تورات کی سند کسی طرح حضرت موسیٰ تک نہیں پہنچتی۔قرآن کی رو سے تورات کا دین وہی تھا جو خود قرآن کا دین ہے،اور موسیٰ اسی طرح اسلام کے پیغمبر تھے جس طرح محمد ﷺ ہیں۔بنی اسرائیل نے اصل دین میں اپنی خواہشات کے مطابق بہت کچھ کمی بیشی کر کے ایک نیا مذہبی

نظام ''یہودیت'' کے نام سے بنالیا یعنی موجودہ توراۃ حضرت موسیٰ کے لائے ہوئے اسلام کی نہیں بلکہ اس دینِ اسلام کی مسخ شدہ صورت ''یہودیت'' کی آئینہ دار ہے (۲۲۵)۔

دراصل تورات سے مراد وہ احکام ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے لے کر ان کی وفات تک تقریباً چالیس سال کے دوران میں ان پر نازل ہوئے۔ ان میں سے دس احکام تو وہ تھے جو اللہ تعالیٰ نے پتھر کی لوحوں پر کندہ کرکے انہیں دیئے تھے۔ باقی ماندہ احکام کو حضرت موسیٰ نے لکھوا کر اس کی بارہ نقلیں بنی اسرائیل کے ۱۲ قبیلوں کو دے دی تھیں، اور ایک نقل بنی لاوی کے حوالے کی تھی تا کہ وہ اس کی حفاظت کریں۔ تورات ایک مستقل کتاب کی حیثیت سے بیت المقدس کی پہلی تباہی کے وقت تک محفوظ تھی۔ اس کی ایک کاپی جو بنی لاوی کے حوالے کی گئی تھی، پتھر کی لوحوں سمیت، عہد کے صندوق میں رکھ دی گئی تھی۔ اور بنی اسرائیل اس کو توریت ہی کے نام سے جانتے تھے۔ اس سے ان کی غفلت اس حد کو پہنچ چکی تھی کہ عہد یوسیاہ میں جب ہیکل سلیمانی کی مرمت ہوئی تو اتفاق سے سردار کاہن کو ایک جگہ توریت رکھی ہوئی مل گئی، اور اس نے اسکو شاہی منشی کو دیا اور نے اسے لے جا کر بادشاہ کے سامنے اس طرح پیش کیا جیسے ایک عجیب انکشاف ہوا ہے (۲۲۶)۔

اب تورات ان منتشر اجزاء ہی کا نام ہے جو سیرت موسیٰ کے اندر بکھرے ہوئے ہیں ہم انہیں صرف اس علامت سے پہچان سکتے ہیں کہ ''خدا نے موسیٰ سے یہ فرمایا'' یا ''موسیٰ نے کہا خداوند تمہارا خدا یہ کہتا ہے'' وہاں سے تورات کا ایک جز شروع ہوتا ہے اور جہاں پھر سیرت کی تقریر شروع ہوتی ہے وہاں وہ جزو ختم ہو جاتا ہے بیچ میں جہاں کہیں کچھ بائبل کے مصنف نے تفسیر وتشریح کے طور پر بڑھا دیا وہاں عام قاری کیلئے یہ تمیز کرنا سخت مشکل ہے کہ آیا یہ اصل تورات کا حصہ ہے یا شرح و تفسیر (۲۲۷)۔

حواشی وحوالہ جات

باب اول/فصل اول

ا۔الہامی مذاہب کے متبادل سامی اورآسمانی مذاہب کالفظ بھی بولا جاتا ہے۔حضرت نوحؑ کے بڑے بیٹے کانام سام تھا۔وہ سامی اقوام عرب،یہود وغیرہ سب کاجدامجد تھا اورآسمانی مذاہب یعنی آسمان سے (اللہ کی طرف سے)نازل کردہ ((تورات،زبور،انجیل،قرآن والے))مذاہب ہیں۔

۲۔البقرۃ:۳۸۔الہامی اس کے لئے زیادہ بہترین اورموزوں لفظ ہے۔الہامی مذاہب کامعنی ہے ایسے مذاہب جن کی تعلیمات کی بنیاد وحی الٰہی یعنی الٰہی قوانین پر ہو۔الہامی لفظ الہام سے نکلا ہےاورالہام مصدر ہے لغت میں اس کے معنی اللہ کاانسان کے دل میں ایساداعیہ پیدا کرنا جوکسی فعل کے کرنے یا چھوڑپرآمادہ کرے۔اورمذاہب مذہب کی جمع ہے جس کے معنی چلنے کاراستہ،زندگی گزارنے کاطریقہ۔مذہب وہ ضابطہ حیات ہے جس پرعمل پیراہوکر انسان دنیاوآخرت میں فلاح حاصل کرسکے۔۔الٰہی قانون اٹل ہوتا ہے۔اس میں ردوبدل نہیں ہوسکتا۔مشترکہ اقدار،مماثل ومساوی قدریں ملتی جلتی باتیں،تواس کامعنی ہوااللہ کی طرف سے نازل کردہ وہ قوانین جوان مذاہب میں مشترک ہیں جیسا کہ سورۃ آل عمران:۶۴میں توحید(جوپہلی قدرمشترک ہے) کی طرف اشارہ ہے۔سامی لفظ استعمال نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ سامی اورغیر سامی فرضی نام ہیں۔اس کی تاریخی لحاظ سے کوئی حقیقت نہیں۔یہ لفظ ایک مستشرق اے۔ایل شلوتسر نے گھڑااوراسے اپنی تصنیف''فہرس لأ دب التوراتی والشرقی''میں ذکرکیا۔یہ۱۷۸۱ءکی بات ہے۔اس نام کوقبول کرنااوراس نام پرخاموشی اختیارکرنا گمراہی اور جہالت ہے۔اورجھوٹے صہیونی دعوؤں کی تصدیق کرنے کے مترادف ہیں۔ہم ان مخصوص مقاصدکافی الوقت مغرب میں عمومی اورخصوصی مشاہدہ فی الوقت کرتے رہتے ہیں۔

۳۔ ابن فارس،احمد بن فارس،ابوالحسین،معجم مقاییس اللغۃ،ص:۶/ ۱۸،مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی،القاھرہ،مصر،۱۳۸۹ھ

۴۔ الأعراف:۱۵۶

۵۔ابن منظورمحمد بن مکرم بن منظورالافریقی،لسان العرب،ص:۳/ ۴۳۹،دارالفکرللطباعۃ والنشر والتوزیع،بیروت لبنان،۱۴۱۰ھ

۶۔ البقرۃ۲/۵۴۔

۷۔ البقرۃ۲/۶۲

۸۔ امام بخاری،محمد بن اسماعیل،،الجامع الصحیح البخاری،کتاب الجنائز،باب ما قیل فی اولاد المشرکین،حدیث نمبر:۱۳۸۵،ناشردارالسلام ریاض،ط/ثانیہ۲۰۰۸ء

۹۔ زبیدی،محب الدین ابی،امام،تاج العروس من جواھرالقاموس، ص:۵/۳۳۹،دارالفکر بیروت لبنان۱۹۹۴ء

۱۰۔ اصفہانی،راغب،امام،مفردات فی غریب القرآن،ص:۲/۵۴۶،شیخ شمس الحق لاہور،سن اشاعت،۱۹۸۷ء

۱۱۔ الشیخ رضا،احمد،معجم متن اللغۃ،ص:۵/۶۸۶،۶۸۷،دارمکتبۃ الحیاۃ،بیروت،لبنان۔

۱۲۔ابراہیم مصطفیٰ،احمدحسن زیات ودیگر،المعجم الوسیط،ص:۲/ ۹۹۸،داراحیاء التراث بیروت،لبنان نیز دیکھئے،المعجم الوجیز،مجمع اللغۃ العربیۃ،

ص:۶۵۴۔البستانی 'محیط المحیط ،ص:۹۴۷۔ **۔یہودا** (Judah)یا یہوزا:**حضرت** یعقوبؑ کے چوتھے فرزند یہ لیاہ کےبطن سے تھے۔گوکہ آپ نبی نہیں لیکن آپ کاذکر یہاں کرنے کامقصد یہ ہے کہ مذہب یہودیت 'یہودا'' کی مناسبت سے پڑا۔ نیز دیکھئے:اردو جامع انسائیکلوپیڈیا'ص:۲/۱۹۲۱' فرہنگ آصفیہ'ص:۴/۷۹۳'فرہنگ تلفظ'اردو دائرہ معارف اسلامیہ'ص:۲۳۔نیز دیکھئے:انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا۔**نوٹ**:چونکہ آپ نبی نہیں اس لئے آپ کے متعلق انتہائی تلاش کے باوجود سیر حاصل مستند معلومات دستیاب نہیں ہوسکیں ۔آپ کا ذکر انسائیکلوپیڈیاز'تاریخ 'مذہب کی کتابوں میں بہت مختصر موجود ہے۔نیز دیکھئے: رانا 'احسان الحق' یہودیت ومسیحیت'ص:۱۱۷۔مودودی 'ابوالاعلی ،سید، یہودیت قرآن کی روشنی میں۔شوقی 'ابوخلیل' اطلس القرآن'ص:۷۷۔یہودا کا تذکرہ کتاب پیدائش'۴۹:۸تا۱۲ میں ہےاور یہودا کی نسل کا تذکرہ گنتی'۱:۲۶'۲۷ میں ہے۔

۱۳۔ قدیم عراق تاریخ میں میسوپوٹیما /میسوپوٹے میا/میسوپٹیمیا کے نام سے مشہور ہے۔میسوپوٹیمیا دو یونانی الفاظ کامرکب ہے۔جس کے معنی دریان اوردریا کے ہیں یعنی دو دریاؤں کے درمیان واقع یا دریاؤں کی درمیانی جگہ کیونکہ یہ دریائے فرات اور دریائے دجلہ کے درمیان واقع ہے۔اس لئے اسی نسبت سے اس کو یہ نام دیا جاتا تھا ایم ایس ناز'مسلم شخصیات کاانسائیکلوپیڈیا'ص:۴۷۔مرتضیٰ انجم'سقوط بغداد'ص:۱۰

۱۴۔ ہاکسوس' ہکسوس:مصر قدیم کا حملہ آور گروہ جو غالبا سامی النسل تھا۔مصر میں ۱۶ویں خاندان کے زمانے میں باہر سے حملے شروع ہوگئے۔اور بالائی مصر پران لوگوں نے قبضہ جمالیا۔جو تاریخ میں ہکسوس کے نام سے مشہور ہیں یہ سامی النسل تھے۔اور فلسطین وشام سے مصر پہنچے تھے۔یہی لوگ سب سے پہلے گھوڑے مصر لے کرگئے۔حضرت یوسف ہکسوس ہی کے زمانے میں مصر پہنچے اوران کی وجہ سے حضرت یعقوبؑ کا خاندان وہاں آباد ہوا تھا۔اردو جامع انسائیکلوپیڈیا'ص:۲/۱۸۵۶'ولیم ایل لینگر،انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم'مترجم غلام رسول مہر،ص:۔۱۴۵،شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور،۲۰۰۵ء۔

۱۵۔اردو جامع انسائیکلوپیڈیا'ص:۲/۱۹۲۱'،غلام علی اینڈ سنز،لاہور۔**کنعان**:۔بائبل کیمطابق نوحؑ کے فرزند حام کے چوتھے بیٹے کا نام،جس کے بڑے بیٹے نے شہر صیدا آباد کیا۔ابتدا میں اس سے مراد وہ ساحلی میدان تھا۔جس میں شہر صیدا واقع تھا۔ابراہیمؑ کے زمانے میں اسی کو کنعان کہا جاتا تھا۔حضرت موسیٰؑ اور یشوع کے زمانے میں اس سے مراد وہ ملک تھا،جو دریائے اردن اور بحیرہ لوط سے بحیرہ روم تک تھایعنی پورا فلسطین جسے ارض موعود کہا گیا۔بنی اسرائیل نے ۴۰ سالہ صحرانوردی کے بعد اسے فتح کیا۔

۱۶۔ایم ایس ناز'مسلم شخصیات کاانسائیکلوپیڈیا'ص:۷۸۶'،غلام علی اینڈ سنز،لاہور'دوسرا گروہ مشرک تھاجو یہ بھام کے ماتحت تھا۔

۱۷۔ منشی محبوب عالم'اسلامی انسائیکلوپیڈیا'ص:۷۸۳'الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور

۱۸۔اردو دائرہ معارف اسلامیہ،ص:۲۳/۳۵۵'دانش گاہ پنجاب لاہور۔تفصیل کیلئے دیکھئے نیچے درج کی گئی سورۃ وآیات نمبر:

الذین ھادوا ۲/۶۲، ۴/۴۶، ۵/۴۱، ۴۴، ۶۹، ۶/۱۴۶، ۱۶/۱۱۸، ۲۲/۱۷، ۶۲/۶.

انا ھدنا الیک ۷/ ۱۵۶. ..ھودا او نصاری ۲/ ۱۱۱، ۱۳۵، ۱۴۰.

الیھود ۲/ ۱۱۳، ۱۲۰، ۵/۱۸، ۵۱، ۶۴، ۸۲، ۹/۳۰۔یھودیا ۳: ۶۷

19. Encyclopedia of Britanica, vol: 6/544

20. International Encyclopeadia of the Social Sciences , vol:7/272.

21. The Encyclopeadia Amricalna international Edition , 16/194.

۲۲۔ شہرستانی، ابوالفتوح محمد بن عبدالکریم، الملل والنحل ص:۲/۹ مکتبہ الحسین التجاریہ، القاہرہ، ۱۹۴۸ء۔

۲۳۔ القرطبی محمد بن احمد ابی عبداللہ الأنصاری الجامع لأحکام القران ص:۱/۱۷ دار احیاء التراث بیروت

۲۴۔ الطبری ابی جعفر، محمد بن جریر، جامع البیان عن تاویل آی القرآن ص:۱/۴۱۳ دار حیاء التراث العربی بیروت لبنان؛ البغوی حسین بن مسعود، تفسیر البغوی ص:۱/۱۲۴، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر، بیروت لبنان۔

۲۵۔ محلی، جلال الدین، سیوطی، جلال الدین، تفسیر کمالین شرح اردو تفسیر جلالین، شرح مولانا محمد نعیم، ص: ۱/۹۶ دار الاشاعت، کراچی، ۲۰۰۴ء

۲۶۔ ابن کثیر، ابوالفداء عماد الدین، حافظ، تفسیر القرآن العظیم، ص:۱/۱۶۵ دار السلام ریاض، ط/ثانیہ ۱۹۹۸ء

۲۷۔ اصلاحی، امین احسن، مولانا، تدبر قرآن، ص:۱/۱۸۳ فاران فاؤنڈیشن لاہور دار الاشاعت، کراچی، ۲۰۰۴ء۔ نیز دیکھیے شہرستانی، عبدالکریم، الملل والنحل ص:۱/۲۱۰۔

۲۸۔ مسدوسی احمد عبداللہ مذاہب عالم کا ایک معاشرتی وسیاسی جائزہ ص:۲۸۶ مکی دار الکتب، لاہور،

29. Goring , Rosemary , Larousse Dictionary of beliefs and Religions, p: 88

30. Encyclopeadia of Religion and Ethics , Vol 7/581.

۳۱۔ رابرٹ وین ڈی وڑ، یہودیت، مترجم: ملک اشفاق، ص:۱۱ بک ہوم لاہور، ۲۰۰۴۔

۳۲۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، یہودیت ونصرانیت، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور، ص:۱۹۔

۳۳۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ص:۲۳/۳۵۵۔ نیز دیکھیے: مودودی، یہودیت قرآن کی روشنی میں، ص:۲۳۔

۳۴۔ أیضا۔

۳۵۔ محمد شریف ہزاروی، اسرائیل کیوں تسلیم کیا جائے، ص:۱۴، ۱۵ جمعیۃ پبلیکیشنز لاہور، ۲۰۰۴ء۔

۳۶۔ ورلڈ بک انسائیکلوپیڈیا، ص:۲/۱۴۶ یو ایس اے

۳۷۔ ایضاً ص:۲/۱۶۳ نیز دیکھیے: مسدوسی احمد عبداللہ مذاہب عالم کا ایک معاشرتی وسیاسی جائزہ ص:۲۸۶۔

۳۸۔ المسعودی، ابوالحسن، علی بن حسین، تاریخ مسعودی (مروج الذھب ومعادن الجوہر)، ص:۱/۶۶ نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۶۵ء

۳۹۔ شلبی، احمد (ڈاکٹر)، مقارنۃ الادیان، الیہودیہ، بکلیۃ دار العلوم جامعۃ القاہرہ، ۱۹۸۴ ص:۶۳ مکتبہ

النهضة المصريہ شارع عربی القاہرہ۔ابن خلدون،عبدالرحمٰن بن محمد،تاریخ ابن خلدون،ص: ۱/۱۲۹،۱۳۰۔ہزاروی،محمد شریف'اسرائیل کیوں تسلیم کیاجائے،ص:۱۳'۱۴۔ نیز دیکھئے الشعراء آیات نمبر ۵۲تا۶۶

۴۰۔ کتاب مقدس'عہدنامہ قدیم'خروج'۱۲:۴۰'بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور

۴۱۔ أحمد شلبی'الیہودیة'ص:۶۴

۴۲۔ المائدہ:۲۴۔

۴۳۔ ایس ایم ناز'مسلم شخصیات کاانسائیکلوپیڈیا'ص:۸۵،اردودائرہ معارف اسلامیہ'ص:۲۱/ ۷۹۹ وکٹر ای مارڈسن'یہودی پروٹوکولز'مترجم یحیی خان'ص:۲۱۔نیز اریحا شہر کوبائیبل میں ریحولکھا گیاہے۔یہ قدیم ترین شہر ۷۰۰۰ق م آباد ہوا دریائے اردن سے آٹھ دس کلومیٹر مغرب میں ہے غرب اردن پر تسلط کی وجہ سے اب یہ اسرائیلی تسلط میں ہے۔بعض مورخین کے مطابق موسیٰ کامرقد اریحا میں ہے۔

۴۴۔ ابن خلدون،عبدالرحمٰن،ابوزید،ولی الدین،علامہ،تاریخ ابن خلدون،مترجم حکیم احمد حسین الہ آبادی،ص:۱/۱۳۵،۱۴۷،نفیس اکیڈمی،کراچی ۱۹۸۶ء، نیز دیکھئے عہدنامہ قدیم،یشوع، باب:۱۴تا۱۹،عہدنامہ قدیم،گنتی،باب ۲۴

۴۵۔ ایس ایم ناز'مسلم شخصیات کاانسائیکلوپیڈیا'ص:۸۵۔

۴۶۔ أیضا۔

۴۷۔ أیضا۔

۴۸۔ أیضا۔

۴۹۔ أیضا۔

۵۰۔ خان،محمد یوسف'تقابل ادیان'ص:۱۷۷تا۱۸۱'بیت العلوم'لاہور

۵۱۔ النحل:۱۲۰،البقرة:۱۲۴،آل عمران:۶۷'اردو جامع انسائیکلوپیڈیا،ص:۱/۴۲

۵۲۔ابن منظور،لسان العرب'ص:۱۱/۴۰،نیز دیکھئے،۱۴/ ۳۷۷۔زبیدی،تاج العروس'ص:۸/ ۲۴۹

۵۳۔ سیویہاروی،حفظ الرحمٰن،قصص القرآن،ص:۱/۲۷۹،الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور ۲۰۰۰ء۔'ایس ایم ناز'مسلم شخصیات کاانسائیکلوپیڈیا'ص:۷۹۔نیز دیکھئے:زمخشری،ابوالقاسم محمود،تفسیر الکشاف،ص:۱/۱۳۰،البیضاوی،ناصرالدین،ابوالخیر،تفسیر البیضاوی،ص:۵۵۔پاریکھ،عبدالکریم'یہودیت قرآن کی روشنی میں'ص:۱/۲۵۳۔

۵۴۔ القصف:۶،۱۴۔ نیز دیکھئے:زمخشری،الکشاف،ص:۴/ ۵۲۴،حفظ الرحمٰن سیویہاروی'ص:۱/۲۵۷۔

۵۵۔ آل عمران:۴۹، المائدہ:۷۲۔نیز دیکھئے:سید اَبوالأعلی مودودی، تفہیم القرآن،ص:۱/۷۰۔

۵۶۔ عہدنامہ قدیم، پیدائش،۱۱:۱۰تا۲۷،طبری, تاریخ طبری،ص:۱/۱۶۴،ابن کثیر' البدایہ والنہایۃ' ص:۱ /۲۰۸'ابن خلدون تاریخ ابن خلدون'ص:۱/۴۹'اسیو یہاروی' قصص القرآن'ص:۱/۱۵۔

۵۷۔ الانعام:۷۴۔

۵۸۔ طبری' تفسیر طبری'تفسیر سورۃالأنعام' آیۃ:۷۴،ص:۵/۳۱۷۔عہدنامہ قدیم' پیدائش،۱۱:۲۵تا۲۷

۵۹۔ أیضا۔

۶۰۔ ابن کثیر'البدایہ والنہایہ'ص:۱/۲۰۹دارالمعرفہ بیروت، لبنان،۱۹۶۹ء۔،عہدنامہ قدیم، پیدائش،۱۱:۲۷

۶۱۔ ابن عساکرابوالقاسم علی بن الحسن الدمشقی' تاریخ ابن عساکر'۶/۱۷۷'دارالمعرفہ بیروت۔نیز دیکھئےابن کثیر،ص:۱/۲۰۹،اَبوخلیل شوقی،اٹلس سیرت النبی'ص:۳۸ نیز دیکھئے:اَبوخلیل شوقی'اطلس القرآن،ص:۶۹۔

کوثٰی: معجم البلدان کے مطابق یہ شہر نہر کوثٰی کے کنارے واقع ہے۔یہ بابل کے شمال مشرق میں تھا اسکا فاصلہ بابل سے تقریباً ۴۰کلومیٹر بنتا ہے۔**بابل:** یہ تاریخی شہر وسطی عراق میں دریائے فرات کے مشرقی کنارے میں آباد تھا۔اسے سمیری قوم نے آباد کیا تھا ۲۰۰۰ ق م کے لگ بھگ بابل کی پہلی سلطنت پھلی پھولی یہیں نمرود حکمران تھا جسکے حکم پر ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا حمورابی بابل کا عظیم حکمران تھا۔جس نے پہلی بار باقاعدہ آئین نافذ کیا۔سکندر اعظم نے ۳۳۱ ق م میں بابل فتح کیا۔**حران:** الجزیرہ (دجلہ و**فرات** کا درمیانی علاقہ) میں واقع ہے۔اس کا نام ابراہیمؑ کے بھائی پر رکھا گیا ہے۔آجکل جنوبی ترکی میں شام کی سرحد کے قریب بلیخ دریا پر واقع ہے۔جو معاون دریائے **فرات** ہے۔طوفان نوح کے بعد بسنے والا پہلا شہر یہی کہلاتا ہے۔عہد فاروقی میں فتح ہوا۔

۶۲۔ االأنبیاء:۶۸'۶۹،الصٰفٰت:۹۷،۹۸۔ سید اَبوالأعلی مودودی، سیرت سرور عالم،ص:۲/۴۹

۔**اُور/اُر**۔دریائے فرات کے دائیں کنارے پر واقع عراق کا قدیم ترین شہر جسے ۴۰۰۰ ق م میں سمیری قوم نے آباد کیا۔بائیبل کے مطابق آپ یہیں پیدا ہوئے اور یہی سے آپ نے ہجرت کی۔

۶۳۔ الأنبیاء:۶۹۔نیز دیکھئے الصٰفٰت:۹۷،۹۸

۶۴۔ سید اَبوالأعلی مودودی، سیرت سرور عالم،ص:۲/۴۹'ادارہ ترجمان القران'لاہور

۶۵۔ ایضاً،عہدنامہ قدیم' پیدائش'۱۲:۱تا۵،نیز دیکھئے خان،امیر علی،تذکرۃ الأنبیاء،ص:۱۴۷۔اردو دائرہ معارف اسلامیہ'ص:۲/۳۳۷(دکتور)شوقی اَبوخلیل،اطلس القرآن،ص:۷۵۔

۶۶۔ البقرۃ:۱۲۴،۱۲۵،۱۲۶،۱۲۷،۱۳۰،۱۳۱،۱۳۲،۱۳۳،۱۳۵،۱۳۶،۱۴۰،۲۵۸،۲۶۰۔ آل عمران:۳۳،۳۵،۶۷،۶۸،۸۴،۹۵،۹۷۔النساء:۵۴،۱۲۵،۱۶۳۔الأنعام:۷۴، ۷۵،۸۳،۱۵۱۔التوبۃ:۷۰،۱۱۴۔ہود:۶۹،۷۴،۷۵،۷۶۔ابراہیم:۳۶۔النحل:۱۲۰،۱۲۳۔

الأنبیاء:۵۱،۶۰،۶۲،۶۹۔الشعراء۴۹،۷۰۔۷۶۔الأحزاب۷۰۔ص ۴۵۔الزخرف ۲۶۔النجم۳۷۔
الممتحنۃ:۴۔یوسف ۳۸،۶۔الحجر۵۱۔المریم۴۱،۴۶،۵۸۔الحج ۲۶،۴۳،۷۸۔العنکبوت ۱۶،۳۱،۲۶۔
الصفت ۸۰،۸۳،۱۰۴،۱۰۹۔الشوریٰ۱۳۔الذاریات:۲۴۔الحدید:۲۶۔الأعلیٰ:۱۹۔۱۹۔
الأنبیاء۵۲تا۵۵۔ عہدنامہ قدیم، پیدائش۱۱:۳۲۔النجم:۳۶،۳۷۔

۶۷۔ الصّٰفّٰت:۱۰۰۔

۶۸۔ ابراہیم:۳۷۔البقرۃ:۱۲۴۔الصفت:۱۰۱۔البقرۃ:۱۲۷،ابراہیم:۳۵۔

۶۹ ۔ابن کثیر،البدایۃ والنہایۃ،ص:۱/ ۲۳۳،۲۳۴۔اردودائرہ معارف اسلامیہ،ص: ۱/ ۳۴۷

۷۰۔ البخاری،الجامع الصحیح،کتاب الانبیاء،باب قول اللہ تعالیٰ ﴿ واتخذاللہ ابراھیم خلیلا﴾،
رقم الحدیث:۳۳۵۶ ((اختتن ابراھیم علیہ السلام وھو ابن ثمانین سنۃ بالقدوم))۔ابن
خلدون،تاریخ ابن خلدون،حصہ اول،تاریخ الأنبیاء،ص:۶۴۔

۷۱۔ ابن خلدون،تاریخ ابن خلدون،ص:۱/۶۴۔ابن کثیر،البدایہ والنہایہ، ص:۱/۲۳۲،۲۳۳۔دیکھئے:ابن کثیر،قصص الأنبیاء۔
حموی،،یاقوت،معجم البلدان،۲:۱۹۴۔**حمرون**:عبرانی اور انگریزی میں کہاجاتا ہے۔مسلمان دنیا میں اسے الخلیل کہاجاتا ہے۔یہ بیت المقدس
سے۳۵کلومیٹرجنوب میں واقع ہے۔یہ اس وقت بھی آباد تھاجب ابراہیم علیہ السلام ۴۰۰۰ سال قبل یہاں آئے تھے۔ان ہی کے لقب سے موسوم ہوا۔
یہاں ایک غار میں ابراہیم،اسحاق،یعقوب اور یوسف علیہم السلام کی قبریں ہیں۔حضرت سارہ،ربقہ،ایلیا (بلہا) کی قبریں بھی یہیں ہیں۔کہاجاتا ہے کہ
آدمؑ کی قبر بھی یہی ہے۔

۷۲۔ ابن کثیر،البدایہ والنہایہ،ص:۱/ ۲۰۹،طبری،تفسیر طبری تفسیر سورۃ الأنعام،آیۃ:۷۴،ص:۵/ ۳۱۷۔

۷۳۔ ایضاً

۷۴۔ابن کثیر،البدایہ والنہایہ،ص:۱/۲۲۴،ابن خلدون،تاریخ ابن خلدون،ص:۱/ ۵۸،۵۹،عہدنامہ قدیم
،پیدائش:۱۷:۱۷۔۲۱:۴،۷،اردودائرہ معارف اسلامیہ،۲/۵۹۲،اردوجامع انسائیکلوپیڈیا،۱/۹۴۔ ہود:۷۱۔

۷۵۔ابن کثیر،البدایہ والنہایہ،ص:۱/۲۲۴،ابن خلدون،تاریخ ابن خلدون،ص:۱/ ۵۸،۵۹،عہدنامہ قدیم،پیدائش:۱۷:۱۷،عہدنامہ قدیم،
پیدائش،۲۱:۴،۷،اردودائرہ معارف اسلامیہ،۲/۵۹۲،اردوجامع انسائیکلوپیڈیا،ص:۱/۹۴،۷۷۔

۷۶۔ ابن خلدون،تاریخ ابن خلدون،ص:۱/ ۵۲۰،۵۸،۵۹۔جمیل احمد
انبیائے قرآن،ص:۱/۱۵۰۔اردودائرہ معارف اسلامیہ،ص:۲/۵۹۲۔

۷۷۔دیکھئے:البقرۃ:۱۳۳،۱۳۶،۱۴۰،آل عمران:۸۴۔النساء:۱۶۳۔الأنعام:۸۴۔ہود:۷۱(اس آیت
میں دومرتبہ آیا ہے)۔یوسف:۶،۳۸۔ابراہیم:۳۹۔مریم:۴۹۔الانبیاء:۷۲۔العنکبوت:۲۷۔
الصّٰفّٰت:۱۱۲،۱۱۳۔ص:۴۸۔الحجر:۵۳۔الذّٰریات:۲۸تا۳۰(نوٹ:ان دونوں آخری حوالوں میں ناموں

کے ساتھ ذکر نہیں ہے صرف آپ کی بشارت کا تذکرہ ہے)۔ یعنی قرآن کریم میں ۱۷ مرتبہ آپ کا ذکر آیا ہے۔

۷۸۔ عہدنامہ قدیم، پیدائش، ۱۱: ۱۰ تا ۲۷، طبری, تاریخ طبری، ص: ۱/ ۱۶۴۔ نیز دیکھئے: ابن کثیر، البدایہ والنہایۃ، ص: ۱ / ۲۰۸، ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، ص: ۱/ ۴۹، سیوہاروی، قصص القرآن، ص: ۱/ ۱۵

۷۹۔ البقرۃ: ۱۳۳، ۱۳۶، ۱۴۰۔ آل عمران: ۸۴۔ النساء: ۱۶۳۔ الانعام: ۸۴۔ ھود: ۷۱ (دو دفعہ)۔
یوسف: ۶، ۳۸۔ ابراھیم: ۳۹۔ المریم: ۴۹۔ الانبیاء: ۷۲۔ العنکبوت: ۲۷۔ الصّٰفٰت: ۱۱۲، ۱۱۳۔ سورۃ ص: ۴۸

۸۰۔ ’’اضحاق‘‘ کی تفصیل کیلئے دیکھئے عہدنامہ قدیم، پیدائش ۲۱: ۳، ۷۔ نیز دیکھئے ہود: ۷۱، شوقی ابوخلیل، اطلس القرآن، ص: ۹۷۔

۸۱۔ تورات میں سارہؑ کو بیٹے کی بشارت کا ذکر ہے۔ عہدنامہ قدیم، پیدائش، ۱۸: ۱ تا ۱۵، آپ کی ولادت کے متعلق عہدنامہ قدیم، پیدائش، ۲۱: ۱ تا ۸۔ نیز آپ کے متعلق دیگر تفصیلات کا ذکر کہیں مختصرا اور کہیں تفصیلا عہدنامہ قدیم، پیدائش، باب ۲۱ تا ۲۸ میں آیا ہے۔ حضرت اسحٰق کی شادی اور اولاد کی تفصیل کیلئے۔ ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، ص: ۱/ ۹۷، سیوہاروی، حفظ الرحمٰن، ص: ۱/ ۲۵۰، ۲۵۱، یعقوبی، تاریخ یعقوبی، ص: ۱/ ۲۸، عہدنامہ قدیم، پیدائش، ۲۵: ۲۱، عہدنامہ قدیم، پیدائش، ۲۶: ۲۶، جمیل احمد، انبیائے قرآن، ص: ۱/ ۱۵۳، ۱۵۴، خان، علی امیر، تذکرۃ الأنبیاء، ص: ۱۷۵۔

۸۲۔ عہدنامہ قدیم، پیدائش، ۳۵: ۲۹، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ص: ۲/ ۵۹۴، ابوخلیل، شوقی، أطلس القرآن، ص: ۹۱۔ مصباح، الدین، شکیل، شاہ، نشانات أرض قرآن، ص: ۱۲۷، ۱۲۸۔

۸۳۔ أیضاً۔

۸۴۔ غلام جیلانی برق، معجم القرآن، ص: ۸۰، غلام علی اینڈ سنز، لاہور

۸۵۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ص: ۱/ ۲۳۸، ۲۳۹۔ جمیل احمد، انبیائے قرآن، ص: ۱/ ۱۳۶۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق، معجم القرآن، ص: ۱۰۔ نیز دیکھئے: Jewish Encyclopedia , vol:6, P:647,

۸۶۔ ابراہیم: ۳۹

۸۷۔ الصّٰفٰت: ۱۰۱۔

۸۸۔ عہدنامہ قدیم، پیدائش، ۱۶: ۱۵: ۱۶، ابوخلیل، شوقی، أطلس القرآن، ص: ۹۸، ۹۹۔

۸۹۔ دیکھئے: المریم: ۵۴، ۵۵۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ص: ۲/ ۲۸۷۔ تاریخ ارض قرآن، ص: ۲/ ۴۳۔ ابوخلیل شوقی، أطلس القرآن، ص: ۹۸۔

۹۰۔ دیکھئے: جمیل احمد، انبیائے قرآن، ص: ۹/ ۱۳۶، شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ شوقی، ابوخلیل، أطلس القرآن، ص: ۹۸، ۹۹۔

۹۱۔ شوقی اُبوخلیل ٬ اُطلس القرآن ٬ص: ۹۸ ٬ دارالسلام لاہور؛ ابن کثیر ٬ البدایہ والنہایہ ٬ص :۱/ ۲۳۸ ٬ ۲۳۹ ؛ ۲: ۲۳۸/ تا ۲۴۰۔ اُبوالحسن علی ندوی ٬ تاریخ اُرض قرآن ٬ص: ۲/ ۳۵۰ ٬ ۳۵۱۔

۹۲۔ دیکھئے: عہدنامہ قدیم، پیدائش ٬ص: ۱۷ ٬ ۲۰۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ٬ص: ۲/ ۳۳۷۔

۹۳۔ بائبل میں اولادِ اسماعیلؑ کی تفصیل کے لئے دیکھئے: کتاب پیدائش: ۲۵: ۱۳ تا ۱۷۔ طبری ٬ تاریخ طبری ٬ص :۱/ ۲۱۶۔ ابن خلدون ٬ تاریخ ابن خلدون ٬ص :۱/ ۹۹ ۔نیز دیکھئے: اُبوالحسن علی ندوی، تاریخ اُرض قرآن ٬ص: ۲/ ۳۵۶ تا ۳۶۲ ۔

۹۴۔ اُبوالحسن علی ندوی ٬ تاریخ اُرض قرآن ٬ص: ۲/ ۳۵۶ ٬ دارالاشاعت کراچی ۔ اُبوخلیل شوقی ٬ اُطلس القرآن ٬ص: ۹۹ ۔عہدنامہ قدیم، پیدائش ٬ ۲۵: ۱۷۔ شاہ مصباح الدین شکیل ٬ نشانات اُرض قرآن، ص: ۱۲۲۔ نیز دیکھئے:
ابن خلدون ٬ تاریخ ابن خلدون ٬ص :۱/ ۶۵ ۔

۹۵۔ اُبوخلیل شوقی ٬ اُطلس القرآن ٬ص: ۹۹۔ عہدنامہ قدیم، پیدائش ٬ ۲۵: ۱۸۔ طبری ٬ تاریخ طبری ٬ص :۱/ ۳۵۴ ۔ قرآن میں دیکھئے: البقرۃ: ۱۲۵ ٬ ۱۲۷ ٬ ۱۳۳ ٬ ۱۳۶ ٬ ۱۴۰۔ آل عمران: ۸۴؛ النساء: ۱۶۳؛ الأنعام: ۸۶۔ ابراہیم: ۳۹۔ مریم: ۵۴۔ الأنبیاء: ۸۵۔ ص: ۴۸۔

۹۶۔ طبری ٬ تاریخ طبری ٬ص :۱/ ۳۵۴۔ ابن خلدون ٬ تاریخ ابن خلدون ٬ص :۱/ ۶۶۔ ابن کثیر ٬ البدایہ والنہایہ ٬ص :۱/ ۲۴۱ ٬ ۲۴۲۔ حفظ الرحمٰن سیوہاروی ٬ قصص القرآن ٬ص :۱/ ۲۷۷۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ٬ص: ۲۳/ ۳۰۱۔ اُبوخلیل شوقی ٬ اُطلس القرآن ٬ص :۱۱۱۔ اُحمد جمیل ٬ انبیائے قرآن ٬ص :۱/ ۱۵۸۔ عہدنامہ قدیم، پیدائش ٬ ۲۵: ۲۶۔

۹۷۔ ابن کثیر ٬ البدایہ والنہایہ ٬ص :۱/ ۲۴۵ تا ۲۵۶ ۔طبری نے شالح اور ارفخشند کے درمیان قینان کا نام دیا ہے۔
دیکھئے: طبری ٬ تاریخ طبری ٬ص :۱/ ۲۵۲، عہدنامہ قدیم، پیدائش ٬ ۱۱: ۱۰ تا ۲۶۔

۹۸۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ٬ص: ۲۳/ ۳۰۱ ٬ ۳۰۲ ۔نیز دیکھئے اُبوخلیل شوقی ٬ص :۱۱۱۔ حفظ الرحمٰن سیوہاروی ٬ قصص القرآن ٬ص :۱/ ۲۷۷۔ الکسائی ٬ قصص الانبیاء ٬ص :۱/ ۱۵۳۔ ابن کثیر ٬ البدایہ والنہایہ، ص :۱/ ۲۴۱۔ طبری ٬ تاریخ طبری ٬ص :۱/ ۳۵۴۔ عہدنامہ قدیم ٬ پیدائش ٬ ۲۵: ۱۹ تا ۲۱۔

۹۹۔ الأنبیاء: ۷۲۔

۱۰۰۔ دیکھئے: اُبوخلیل شوقی ٬ اُطلس القرآن ٬ص :۱۱۱۔ ابن کثیر ٬ البدایہ والنہایہ ٬ص :۱/ ۲۴۳ تا ۲۴۵۔ ابن خلدون ٬ تاریخ ابن خلدون ٬ص :۱/ ۶۶ ۔عہدنامہ قدیم پیدائش ٬ ۳۱: ۳۸۔ ۳۵: ۲۳ تا ۲۷، اردو دائرہ معارف اسلامیہ ٬ص: ۲۳/ ۲۰۲ ومابعد ۔نیز دیکھئے اُبوخلیل شوقی ٬ اُطلس القرآن ٬ص :۱۱۱ ۔برق ٬ جیلانی ٬ غلام ٬ ڈاکٹر ٬ معجم القرآن ص: ۴۳۶۔

۱۰۱۔ الکسائی ٬ قصص الأنبیاء ٬ص :۱/ ۱۵۴۔ ابن کثیر ٬ البدایہ والنہایہ :۱/ ۲۵۲۔ ابن خلدون ٬ تاریخ ابن خلدون ٬ص :۱/ ۶۶ ٬ ۶۷ ۔اردو دائرہ معارف اسلامیہ ٬ص: ۲۳/ ۲۰۳، ۳۰۲، ۳۰۳ ۔یوسف: ۹۴ ۔دیکھئے تفسیر سورۃ یوسف ٬ محمد شفیع (مفتی)، معارف القرآن ۔برق ٬ جیلانی ٬ غلام ٬ معجم القرآن ٬ص: ۴۳۸ نیز دیکھئے: عہدنامہ قدیم، پیدائش ٬ ۵۰: ۱۳۔ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا، ۱۲/ ۴۰۴۔

۱۰۲۔ جمیل اُحمد ٬ انبیائے قرآن ٬ص :۱/ ۳۰۲ ٬ ۳۰۳ ۔دیکھئے: حفظ الرحمٰن ٬ قصص القرآن ٬ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ٬ ص: ۲۳/ ۳۲۹، عہدنامہ قدیم، پیدائش ۳۰: ۲۴ ٬ جیوئش انسائیکلوپیڈیا ٬ص: ۷/ ۲۴۶ ٬ ۲۴۷۔

۱۰۳۔ الانعام:۸۴۔یوسف:۴،۷،۸،۹،۱۰،۱۱،۱۷،۲۱،۲۹،۴۲،۵۱،۵۶،۵۸،۶۹،۷۶،۷۷،۸۰،۸۴،۸۵، ۸۷،۸۹،۹۰(دودفعہ)۹۴،۹۹۔المومن:۳۴

۱۰۴۔ یوسف:۳۔

۱۰۵۔ یوسف۴،۵،۱۵،۱۸۔دیکھئے:عہدنامہ قدیم،پیدائش۳۷:۱۰۔دیکھئے:البدایہ والنہایہ،ص:۱/ ۲۶۱۔دیکھئے شوقی اُبوخلیل،اطلس القرآن،ص:۱۱۶۔تفہیم القرآن،ص:۲/۳۵۴،اطلس القرآن،ص:۱۱۸۔اسے آج کل صان الحجر کہاجاتا ہےاور یہ جگہ بحیرہ منزلہ کےقریب ہے۔۱۰۶۔ دیکھئے مکمل سورۃ یوسف۔عہدنامہ قدیم،پیدائش،۳۹:۱تا۲۰۔مسلم شخصیات کاانسائیکلوپیڈیا،ص:۸۰،اردودائرہ معارف اسلامیہ،ص:۹/۳۲۴

۱۰۷۔اطلس القرآن،ص: ۱۱۶۔حفظ الرحمٰن،قصص القرآن،ص:۱/۳۳۵،۳۳۶۔نیز دیکھئے،عہدنامہ قدیم،پیدائش،۵:۲۲ تا ۲۶،۳۷:۲۸،البدایہ والنھایہ، ۱:۲۲۔یاقوت حموی،معجم البلدان،نابلس:اردن کاشہر،جودریائے اردن کے کنارےواقع ہے،پرانانام سکم یاشکم ہے۔

۱۰۸۔ الجوالیقی کےمطابق"موسیٰ"اصل میں موشاسے ماخوذ ہے۔"مو کےمعنی پانی اورشاکےمعنی درخت کے ہیں کیونکہ حضرت موسیٰ درخت اورپانی کے پاس گئے تھے"۔ابن منظور نے بھی یہی معنی مراد لئے ہیں۔عبرانی میں موسیٰ موشی ہے۔جس کے معنی"نجات دہندہ"کے ہیں۔یہ حضرت موسیٰ کالقب ہے، پیدائش پر رکھا گیا نام نہیں۔آپ نے بنی اسرائیل کومصر کی ۴۰۰ سالہ غلامی سے نجات دلائی اس لئے یہ نام پڑا۔انجیل میں یہ لفظ"موالیستر"آیاہے۔جس کے معنی"پانی سے نکالا ہوا"کے ہیں۔چونکہ آپ کوفرعون کی زوجہ نے دریاسے نکالا اس لئے یہ نام رکھا گیا۔دیکھئے جوالیقی،ابومنصور،المعرب من الکلام الاعجمی علی حروف المعجم،ص:۳۰۳۔غلام جیلانی برق،معجم القرآن،ص:۴۰۸۔جمیل احمد،انبیائے قرآن،ص:۱۵۱،۲۵۲،۲۵۳۔دیکھئے:اردو دائرہ معارف اسلامیہ،ص:۲۱/ ۷۸۳۔شوقی اُبوخلیل،اطلس القرآن،ص:۱۳۹۔عہدنامہ قدیم،خروج،۱۴:۲۵،۷:۷۔The Jewish Encyclopeadia.Vol:9 p:56,

۱۰۹۔ یہ نسب نامہ تاریخ طبری،ص:۱/۳۸۵،تورات،عہدنامہ قدیم،استثناء،باب۳۴:۷،النووی،تہذیب الأسماء،ص:۱/۱۱۹،ابن الأثیر،الکامل،ص:۱/۱۴۹،غلام جیلانی برق(ڈاکٹر)معجم القرآن،ص:۴۰۸کے مطابق ہے۔"بن یصہر"کچھ قدیم عرب مؤرخین ابن کثیر(البدایۃ والنہایۃ)اورجدید مؤرخین میں سے شوقی کے مطابق نہیں۔نیز دیکھئے: اردو دائرہ معارف اسلامیہ،ص:۲۱/۷۸۳۔

۱۱۰۔ شوقی اُبوخلیل،اطلس القرآن،ص:۱۳۹۔اردودائرہ معارف اسلامیہ، ص:۲۱/ ۷۸۳۔

عبدالوہاب نجار،قصص الأنبیاء،ص:۱۰۲۔ندوی،سید سلیمان،تاریخ ارض قرآن، ص:۱/۱۵۴،۱۶۱۔

۱۱۱۔اردودائرہ معارف اسلامیہ، ص:۲۱/۷۸۳،۷۸۶،۔نیز دیکھئے:ابن کثیر،البدایہ والنہایہ، ص:۱/۳۱۳،تفسیرابن کثیر،سورۃ القصص:۱تا۱۳۔

۱۱۲۔ سورۃ طٰہٰ:۳۷تا۳۹،القصص:۷تا۲۰عہدنامہ قدیم،خروج،۲:۳

۱۱۳۔ القصص۱تا۱۳،۲۲،کو،ابن کثیر،تفسیرابن کثیر،:۱۰/۴۴۱تا۴۴۵،۴۴۹،۴۵۰۔فرعون کی بیوی کانام آسیہ تھااُس کانسب آسیہ بنت مزاحم بن عبید بن ریان بن ولید(یہ ریان بن ولیدوہی ہے جو یوسف علیہ السلام کے دور میں مصر کاباد شاہ تھا)تفصیل کے لئے دیکھئے،طٰہٰ:۳۹،تفسیرابن کثیر، ۹/۳۲۶۔اردودائرہ معارف اسلامیہ،ص:۲۱/۷۸۴۔

۱۱۴۔ طٰہٰ:۴۰،القصص:۱۰تا۱۴۔نیز دیکھئے:شوقی اُبوخلیل،اطلس القرآن،ص:۱۳۹۔**ممفس**:مصر کانہایت قدیم شہرجوفراعنہ کے اٹھارویں

خاندان کے ظہور تک ملک کا مرکز حکومت رہا۔اس کے کھنڈر قاہرہ سے کم وبیش ۱۲ میل جنوب میں نیل کے مغربی کنارے پر ہیں ۔بائبل میں ممفس کا ذکر ''نوف'' کے نام سے آیا ہے ۔دیکھئے عہدنامہ قدیم، یسعیاہ'۱۹: ۱۳'حزقی ایل'۳۰: ۱۳' مزید تفصیل کیلئے اردو جامع انسائیکلوپیڈیا'ص:۲/ ۱۶۱۵۔ شوقی اُبوخلیل'اُطلس القرآن'ص:۱۳۹۔

۱۱۵۔القصص: ۲۰ تا ۲۸،سید مودودی، تفہیم القرآن،ص: ۳/ ۶۲۵ تا ۶۲۸ ابن کثیر'تفسیر ابن کثیر،ص:۴/ ۱۱۶، ۱۱۷۔عہدنامہ قدیم،خروج'۲: ۱۵ تا ۲۱' ۳: ۱ تا ۵ ۔نیز دیکھئے' حفظ الرحمٰن سیوہاروی،قصص القرآن' ص:۱/ ۴۵۰۔ ایک دن موسیٰ علیہ السلام بکریاں چراتے اپنے اہل وعیال سمیت مدین سے بہت دور کوہ سینا کی طرف نکل گئے ۔ٹھنڈی رات میں آگ کی جستجو میں نکلے۔اتنے میں وادی ایمن میں نگاہ دوڑائی تو ایک شعلہ چمکتا دکھائی دیا جو صرف آپ نے دیکھا آپ نے اپنی اہلیہ کو کہا کہ میں نے آگ دیکھی ہے میں انگارہ لے آؤں یا اس آگ پر مجھے کوئی رہنما مل جائے جب قریب پہنچے تو آواز آئی اے موسیٰ میں ہوں تمہارا پروردگار رب العالمین زبردست دانا اللہ۔مبارک ہے وہ جو اس آگ میں ہے اور جو اس کے گرد وپیش ہے اے موسیٰ!تو جوتیاں اتار دے تو مقدس وادی طوی میں ہے'میں نے تجھے چن لیا ہے اب تو میرا پیغام سن! میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں ہیں تو میری بندگی کر اورمیری یاد کیلئے نماز قائم کر۔ دیکھئے درج آیات اور انکی تفسیر ، طٰہ :۱۰ تا ۱۶۔ابن کثیر،تفسیر، ابن کثیر،ص:۳/ ۳۹۹، ۴۰۰،سید مودودی، تفہیم القرآن،ص:۳/ ۸۸ تا ۹۰ النمل ۷ تا ۱ ابن کثیر،تفسیر، ابن کثیر،ص: ۴/ ۱۷، ۲۷۔تفہیم القرآن،ص:۳/ ۵۵۷، ۵۵۸۔القصص: ۲۹، ۳۰ ابن کثیر،تفسیر، ابن کثیر،ص:۴/ ۲۱، ۲۲،تفہیم القرآن،ص:۳/ ۶۳۱ تا ۶۳۳ ۔

۱۱۶۔ القصص: ۲۹'۳۰ ۔نیز دیکھئے:شوقی اُبوخلیل'اُطلس القرآن'ص:۱۴۱۔

۱۱۷۔ شوقی اُبوخلیل'اُطلس القرآن'ص:۱۴۰'۱۴۲۔طٰہ:۱۷ تا ۲۳'۴۴'۴۷'النمل:۱۰ تا ۱۲'القصص:۳۱'۳۲ ۔نیز دیکھئے: عہدنامہ قدیم،خروج'۳: ۹ تا ۱۲'۴: ۱ تا ۷'۳۱'۱۴'دیکھئے الشعراء: ۱۰ تا ۱۴'۱۷۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ'ص:۲۱/ ۸۸۷۔نیز دیکھئے:فرعون اور امراء کے پاس جانے کے دو مقاصد کیلئے دیکھئے:الأعراف:۱۰۵'الدخان:۱۷۔انہیں راہ راست پر لانے سے متعلقہ آیات کے لئے دیکھئے:یونس:۷۸۔النازعات:۱۸'۱۹۔

۱۱۸۔ الأعراف ۲۰، ۲۱۔القصص:۴'۵'اردو دائرہ معارف اسلامیہ'ص:۲۱/ ۷۰۲،مصباح الدین شکیل،نشانات ارض قرآن'ص:۱۶۹۔

۱۱۹۔ ابن کثیر،البدایۃ والنہایۃ'ص:۱/ ۲۸۷'۲۸۸۔ابن خلدون،تاریخ ابن خلدون'ص:۲/ ۱۶۲۔

۱۲۰۔ البقرۃ:۵۱،خروج''۱۵:۱ تا ۱۸۔۲۴: ۱۸،۳۴: ۲۸۔ابن کثیر'تفسیر ابن کثیر'ص:۱/ ۹۷،سیوہاروی، قصص القرآن،ص:۱/ ۷۷۴،مصباح الدین شکیل'نشانات ارض قرآن'ص:۲/ ۱۷۔

۱۲۱۔الأعراف:۱۴۵، ۱۵۰ تا ۱۵۱'۱۵۴،تا ۱۵۷۔طٰہ:۸۳ تا ۹۸'البقرۃ:۵۵ تا ۵۷'۶۳ تا ۱۶۴، ۱۷۱' النساء:۱۵۴'المائدہ:۲۰ نیز دیکھئے،عہدنامہ قدیم'خروج'۲۰: ۱۸ تا ۱۹،۔۳۲: ۲۰عہدنامہ قدیم، گنتی'باب ۱۳: ۴۔عہدنامہ قدیم،استثنا'۱: ۱۹ تا ۴۶۔اردو دائرہ معارف اسلامیہ' ص:۲۱/ ۷۹۶،۷۹۷مصباح الدین شکیل'نشانات ارض قرآن'ص:۲/ ۱۷۲،۱۷۳۔

۱۲۲۔ ذبح بقرۃ کے واقعے کا ذکر سورۃ البقرۃ: ۶۷ تا ۷۳ میں کیا گیا ہے۔'عہدنامہ قدیم' استثنا'۲۱: ۱تا ۹ میں بھی کیا گیا ہے ۔قرآن کریم کی رو سے بنی اسرائیل میں کسی شخص کا قتل ہوگیا۔قاتل کا پتہ نہ چلتا تھا اس پر تنازعہ کھڑا ہوگیا جب معاملہ موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا تو انہوں نے ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیا لیکن انہوں نے پس وپیش سے کام لیا۔آخر کار انہوں نے وحی الٰہی کی بیان کردہ صفات کے مطابق گائے ذبح کی اور مقتول کے جسم پر

لگائی ۔مقتول زندہ ہوگیا اور اُس نے اپنے قاتل کا نام بھی بتادیا۔ دیکھئے: الکھف: ۶۰ تا ۸۲؛ الجامع الصحیح البخاری، کتاب الأنبیاء، باب ۲۷، باب حدیث الخضر مع موسیٰ علیھما السلام، رقم الحدیث: ۳۴۰۰، ۳۴۰۱۔ سید مودودی تفہیم القرآن، حاشیہ: ۵۷، ص: ۳/ ۳۴، ۳۵۔ مصباح الدین شکیل ،نشانات ارض قرآن، ص: ۱۷۴، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ص: ۱۱/ ۸۰۰۔ المسعودی، تاریخ مسعودی، ص: ۱/ ۶۸، ۹۴۔ عہد نامہ قدیم، گنتی، ۲: ۲۲ تا ۲۹، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ص: ۱۱/ ۷۹۹۔ نیز دیکھئے البخاری، الجامع الصحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب من اُحب دفن فی الارض المقدسہ، رقم الحدیث: ۱۳۳۹۔ الجامع الصحیح ہی میں دیکھئے، کتاب احادیث انبیاً، باب وفاۃ موسیٰ رقم الحدیث: ۳۴۰۷۔ صحیح مسلم میں دیکھئے، کتاب الفضائل، باب من فضائل موسیٰؑ رقم الحدیث: ۶۱۴۶

۱۲۳۔ فاضل ہیز بیچ بوالڈ، تاریخ بنی اسرائیل، ص: ۱/ ۲۵، شیخ غلام علی اینڈ سنز ۱۹۶۵۔

۱۲۴۔ المریم: ۵۳۔

۱۲۵۔ یونس: ۸۷۔

۔ جمیل احمد، انبیائے قرآن، ص: ۲/ ۳۶۲

۱۲۶۔ عہد نامہ قدیم، خروج، باب ۷۔

۱۲۷۔ القصص: ۲۴۔ عہد نامہ قدیم، خروج: ۴: ۱۴ تا ۱۶

۱۲۸۔ طہٰ: ۴۲۔

۱۲۹۔ الاعراف: ۱۲۱، شعراء: ۴۷۔

۱۳۰۔ طہٰ: ۸۵ تا ۹۴

☆ ۔**تیہ**: بنی اسرائیل کی دشت نوردی کا علاقہ تیہ کہلاتا ہے جسے بائیبل میں بیابان سین کہا گیا ہے۔ یہ کوہ طور کے شمال میں صحرائے سیناء کا جنوبی حصہ ہے۔**جبل ہور**: جبل ہارون یا کوہستانی ادوم بھی کہتے ہیں۔ وادی عربہ کے دائیں کنارے بحیرہ لوط اور خلیج عقبہ کے تقریباً وسط میں واقع ہے۔ اس پہاڑ کی دو چوٹیاں بالمقابل ہیں بیچ میں نشیب، کہا جاتا ہے کہ آپ کا مقبرہ اسی نشیب میں ہے۔**قادس برنیع**: کوہ ہور کے پاس ملک ادوم کی سرحد۔**قادس**: شمالی فلسطین میں واقع بائیبل میں اس کا ذکر ملتا ہے۔**ادوم**: پہاڑی علاقہ کوہ شعیر بھی کہلاتا ہے۔**نوٹ**: **کوہ طور**: (قرآنی نام طوی) جبل موسیٰ **یا** حورب یا **سیناء** کی، اس بلند چوٹی کا نام، جہاں موسیٰؑ کو احکام عشرہ کی الواح ملیں۔

۱۳۱۔ النساء: ۱۶۳، الانعام: ۸۴، یونس: ۷۵ تا ۸۶۔ اعراف ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۴۲، ۱۵۰، ۱۵۱۔ مریم: ۵۳۔ طہٰ: ۲۹ تا ۳۶، ۴۲، ۷۰، ۹۰، ۹۲، ۹۳، ۹۴۔ انبیاء: ۴۸، المومنون: ۴۵، فرقان: ۳۵، ۳۶۔ الشعراء ۱۱۳، ۴۸۔ القصص: ۳۴، ۳۵۔ الجامع الصحیح البخاری، کتاب مناقب انصار، باب المعراج، رقم الحدیث: ۳۸۸۷۔ عہد نامہ قدیم، گنتی، ۳: ۱ تا ۴۔ ۲۶: ۴، ۴۱۔ ۳۳: ۳۷ تا ۳۹۔ خروج، ۷: ۱۴ تا ۱۲۷ یم ایس ناز، مسلم شخصیات کا انسائیکلو پیڈیا، ص: ۸۸۔ انبیائے قرآن، ص: ۲/ ۳۶۲، ۳۷۱۔

۱۳۲۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو **تورات** نے صرف بادشاہ کہا ہے لیکن قرآن نے تصریح کی ہے کہ **آپ** بادشاہ بھی تھے اور پیغمبر بھی دیکھئے: الانعام: ۸۹۔۔ البقرۃ: ۲۵۱، النساء: ۱۶۳، المائدہ: ۷۸، الانعام: ۸۴، بنی اسرائیل: ۵۵، الأنبیاء: ۷۸، ۷۹، النمل: ۱۵، ۱۶، سبا: ۱۰، ۱۳، ص: ۱۷، ۲۲، ۲۴، ۲۶، ۳۰

۔سورۃ ص:۲۶۔ عہد نامہ قدیم، سموئیل اول، باب ۱۶ تا آخر سموئیل دوم' سلاطین اول باب ۱'۲' تواریخ اول، باب ۳'۱۲'۲۹۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ' ص:۱۸۸/۹۔ حفظ الرحمن سیوہاروی' قصص القرآن' ص:۵۸/۲۔ شوقی اُبوخلیل' اطلس القرآن' ص:۱۶۰، ۱۶۴۔ جمیل اُحمد' انبیائے قرآن' ص:۴۰۶/۳ ومابعد۔

۱۳۳۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ' ص:۹/ ۱۸۸۔ نیز دیکھئے: ابن کثیر، البدایہ والنہایہ' ص:۳۵۰/۲۔
السیوہاروی' قصص القرآن' ص:۵۷/۲۔ مصباح الدین' نشانات ارض قرآن' ص:۱۷۹۔

۱۳۴۔ سلسلہ نسب میں قوسین سے باہر دیئے گئے نام البدایہ والنہایہ یعنی تاریخ ابن کثیر کے مطابق ہیں قوسین میں اردو زبان میں لکھے جانے والے مذکور ناموں میں سے پہلا نام ابن جریر طبری دوسرا نام موجودہ تورات یا عہد نامہ قدیم کی کسی کتاب سے ہے اور اگر تیسرا نام بھی ہے تو وہ غلام جیلانی برق کی کتاب معجم القرآن سے لیا گیا ہے ۔ اگر قوسین میں صرف ایک ہی نام ہے تو اس کا معنی ہے کہ طبری، عہد نامہ قدیم' ابن کثیر اور غلام جیلانی برق کیمطابق ایک جیسا ہے ۔ ابن خلدون نے تاریخ ابن خلدون میں عوبد (عوبید) کو عوفد اور اُس نے ابن اثیر کے مطابق عوید لکھا ہے ۔ بوعز کو باعز لکھا ہے ۔ دیکھئے: ابن خلدون' تاریخ ابن خلدون' ص:۱۸۵/۱۔ نیز نسب نامے کی تفصیل کیلئے دیکھئے: ابن کثیر، البدایہ والنہایہ' ص:۳۵۰/۲۔ حفظ الرحمن سیوہاروی' قصص القرآن' ص:۱/ ۵۷۔ طبری، تاریخ طبری' ص:۱/ ۲۳۴۔ عہد نامہ قدیم، روت' ۴:۱۲ تا ۲۲۔ تواریخ اول، ۲:۳ تا ۱۶' سموئیل
اول
۱۷:۱۲ تا ۱۴۔ نوٹ: اوپر دیئے گئے نسب نامے میں روت میں سلمون اور تواریخ اول میں سلما لکھا گیا ہے ۔ عہد نامہ قدیم وجدید دیکھنے کیلئے دائیں ہاتھ کتاب کا نام لکھا گیا ہے پھر باب ہے اور اس کے بعد آیات نمبر دیئے گئے ہیں

۱۳۵۔ غلام جیلانی برق' معجم القرآن' ص:۲۰۶۔ احمد' جمیل' انبیائے قرآن' ص:۴۳۸/۳۔ البدایہ والنہایہ' ص:۳۵۰/۲
' تاریخ ابن خلدون' ص:۱/ ۱۸۷۔ مصباح الدین شکیل' نشانات ارض قرآن' ص:۱۷۹ محمود احمد غضنفر' حیات انبیاء' ص:۱۲۔ عہد نامہ قدیم، سموئیل اول ۱۷/ ۱۴۔ حضرت داؤدؑ کے والد ایشا/ یَسّی بیت اللحم میں رہتے تھے ۔ ان کے آٹھ بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں ۔ دیکھئے ۔ عہد نامہ قدیم، سموئیل اول' ۱۶:۶ تا ۱۳' ۱۷:۱۲ تا ۱۴' تواریخ اول' ۲:۱۶' ۱۷' روت' ۴:۱۲ تا ۲۲۔ ۱۳ شوقی اُبوخلیل، اطلس القرآن' ص:۱۶۴۔ البدایہ والنہایہ' ص:۳۵۱/۲۔ الأنعام:۸۹ نیز دیکھئے: البقرۃ:۲۵۱۔

۱۳۷۔ البقرۃ: ۲۴۷ تا ۲۵۱، شوقی اُبوخلیل، اُطلس القرآن' ص:۱۶۴۔

۱۳۸۔ سبا: ۱۰' سورۃ ص: ۱۷ تا ۱۹۔ النمل: ۱۷۔ البدایہ والنہایہ' ص:۲/ ۴۵۹

۱۳۹۔ شوقی اُبوخلیل' اُطلس القرآن' ص:۱۲۹۔ الأنبیاء: ۸۰، سبا: ۱۰۔ الجامع الصحیح البخاری' کتاب البیوع ،
باب کسب الرجل و عملہ بیدہ، رقم الحدیث: ۲۰۷۲' ص:۳۳۳۔

۱۴۰۔ الأنبیاء: ۷۹، ۸۰۔ سورہ ص: ۔ ۱۹، ۲۱ تا ۲۶۔ نیز دیکھئے: السیوہاروی، قصص القرآن' ص:۲/ ۵۸۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ' ص:۹/ ۱۸۹۔

۱۴۱۔ نزول زبور پر دیکھئے: النساء: ۱۶۴۔ بنی سرائیل: ۵۵۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایۃ' ص:۲/ ۳۵۴' جمیل احمد' انبیائے قرآن' ص:۲/ ۴۲۲' ۴۲۳۔ شوقی اُبوخلیل' اطلس القرآن' ص:۱۶۴، ۱۶۵۔ مصباح الدین' نشانات ارض قرآن' ص:۱۷۹، ۴۲۲۔

۱۴۲۔ البخاری، الجامع الصحیح البخاری' کتاب التہجد' باب من نام عند السحر' حدیث:۱۱۳۱۔ نیز دیکھئے المسلم
' صحیح مسلم' کتاب الصیام' باب النھی عن الصوم الدھر' حدیث:۱۱۵۹۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ' ص:۳۵۶/۲۔

۱۴۳۔ عہد نامہ قدیم، سموئیل دوم' ۳:۳' ۴' ۵' ۱۴۔ ۱۲:۲۴۔ تواریخ اُول، ۲:۱، ۲، ۳، ۵، ۹۔ ۳:۶، ۵، ۹۔ احمد جمیل' انبیائے قرآن' ص:۴۳۸/۳' ۴۳۹۔ ابن حنبل، مسند احمد' ص:۲۵۲/۱' نیز دیکھئے جامع ترمذی' تفسیر القرآن' باب ومن سورۃ الأعراف' حدیث:۳۰۷۶' عبدالوہاب نجار، قصص الأنبیاء' ص:۵۶۳۔ شوقی اُبو خلیل' اطلس القرآن' ص:۱۶۵۔ مصباح الدین شکیل' نشانات اُرض قرآن' ص:۱۷۹، ۱۸۰۔ نیز دیکھئے، سلاطین اول' ۲:۱۰، ۱۱۔ تواریخ اول' ۲۹:۲۷۔

۱۴۴۔ تورات نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح حضرت سلیمانؑ کا ذکر بھی صرف ایک بادشاہ وحکمران کی حیثیت سے کیا ہے۔ (دیکھئے سلاطین اول' ۲۹:۱۱)۔ لیکن قرآن نے صرف سلطان کی حیثیت سے ہی نہیں بلکہ جلیل القدر پیغمبر کی حیثیت سے بھی کیا، دیکھئے النساء:۱۶۳' ۱۶۴۔ اردو جامع انسائیکلوپیڈیا' ص:۷۷/۲۔ نیز دیکھئے احمد جمیل' انبیائے قرآن' ص:۴۳۸/۳۔ سیوہاروی' قصص القرآن' ص:۹۸/۲۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ' ص:۲۳۳/۱۱۔ البقرۃ:۱۰۲' (۲ مرتبہ)۔ الأنعام:۸۴۔ الأنبیاء:۷۸، ۷۹، ۸۱۔ النمل ۱۵ تا ۱۸' ۳۰' ۳۶' ۴۴۔ سبا:۱۲' ص:۳۰' ۳۴۔ تواریخ اول' ۳:۵ تا ۲۴ میں نسب ونسل کا ذکر ہے۔ نیز دیکھئے: اُبو الکلام آزاد' انبیائے کرام' ص:۳۱۱۔ عہد نامہ قدیم، سموئیل دوم' ۱۲:۲۴' سلاطین اول' ۱:۱۱ تا ۵۳' باب ۲ تا ۱۱' تواریخ اول، ۳:۵ تا ۲۴۔ باب ۲۸' ۲۹۔ تواریخ دوم: باب ۱ تا ۹۔ نیز آپ کے زریں اقوال کتاب امثال اور آپ سے منسوب تمثیلی عشقیہ نظم غزل الغزلات میں ہے۔

۱۴۵۔ ابن کثیر' البدایہ والنہایہ' ص:۳۶۲/۲۔ ابن خلدون' تاریخ ابن خلدون' ص:۱۵۶/۱

۱۴۶۔ عہد نامہ قدیم، سموئیل دوم ۲۴/۱۲' تواریخ اول ۵/۳ تا ۲۴۔ خان' امیر علی' تذکرۃ الأنبیاء' ص:۳۵۸' نیز دیکھئے: حفظ الرحمٰن سیوہاروی' ص:۹۸۲' مقالہ نگار کی رائے بھی یہی ہے کہ تحقیق سے صحیح نام معلوم نہیں ہوسکا واللہ اعلم۔ ابن ماجہ کی ایک حدیث میں آپ کی والدہ کے متعلق صرف اس قدر منقول ہے کہ سلیمان بن داؤد کی والدہ نے ایک دفعہ سلیمان علیہ السلام کو یہ نصیحت فرمائی بیٹا رات بھر سوتے نہ رہا کرو اس لئے کہ رات کے اکثر حصے کو نیند میں گزارنا قیامت کے دن اعمال خیر سے محتاج بنا دیتا ہے۔ دیکھئے سنن ابن ماجہ، ابواب أقامة الصلوات و السنة فیها، باب ما جاء فی قیام اللیل، رقم الحدیث:۱۳۳۲۔

۱۴۷۔ بعض کے مطابق ۹۹۲ ق م یا ۹۹۰ ق م یا ۱۰۴۵ ق م ہے۔ دیکھئے: اُبو الکلام آزاد، انبیائے کرام' ص:۳۱۱۔ جمیل احمد' انبیائے قرآن' ص:۴۴۱/۳۔ غلام جیلانی برق، معجم القرآن' ص:۲۴۶۔

۱۴۸۔ النمل، ص: ۱۵' ۱۶۔ حفظ الرحمٰن سیوہاروی، قصص القرآن، ص:۱۰۰/۲۔ دیکھئے، جمیل احمد' انبیائے قرآن' ص:۴۴۱/۳۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ' ص:۲۳۳/۱۱۔ تواریخ اول ۲۹:۱

۱۴۹۔ غلام جیلانی برق' معجم القرآن' ص:۲۴۶۔ مؤرخین کے مطابق آپ کا دور حکومت ۱۰۱۵ ق م تا ۹۷۵ ق م ہے

۱۵۰۔ سورۃ ص:۳۵۔

۱۵۱۔ الانبیاء:۷۸' ۷۹' سبا:۱۲' ۱۳' نمل:۱۶ تا ۱۸۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ص:۲۳۳/۱۱، ۲۳۴۔ نشانات ارض قرآن' ص:۱۸۰۔

۱۵۲۔ النمل:۲۲ تا ۲۴، ۳۸ تا ۹۱ نیز دیکھئے: شوقی اُبو خلیل' اطلس القرآن' ص:۱۷۴۔

۱۵۳۔ شوقی اُبوخلیل،اطلس القرآن،ص:۱۷۰،۱۷۲۔البدایہ والنہایہ،ص:۳۵۵/۲۔غلام جیلانی برق،
معجم القرآن، ص:۲۴۶۔جمیل احمد،انبیائے قرآن، ص:۴۴۱/۳۔اُبوالکلام آزاد،انبیائے کرام،
ص:۳۱۱،مصباح الدین،نشانات ارض قرآن،ص:۱۹۲۔بعض مؤرخین کے مطابق ۴۰برس حکومت کرنے ،اوردین کی تبلیغ کرنے کے بعد
۵۳یا۶۲برس کی عمر میں ۹۷۵ق م میں وصال فرمایااورشہر صیہون میں مدفون ہوئے

۱۵۴۔ انبیائے بنی اسرائیل میں زکریانام کے دونبی گزرے ہیں ان میں سے ایک زکریابن برخیا جوانبیائے تورات میں سے تھے۔ ان کاظہور فارس کے بادشاہ دارا کے عہد میں ہوا۔دیکھئے صحیفہ زکریا۔قرآن نے جن زکریا کا ذکر کیا ہے وہ زکریاابو یحیٰی ہیں۔دونوں زکریامیں چارسوسال کاعرصہ حائل ہے۔سیویہاروی،قصص القرآن،ص:۲۵۰/۲،۲۵۱۔احمد مصطفیٰ مراغی،تفسیر المراغی،ص:۱۳۸/۳۔ نیز دیکھئے شہاب الدین محمود آلوسی، روح المعانی،ص:۱۳۹/۳۔ابن اثیر،الکامل،ص:۱۶۹/۱ ومابعد۔اردو دائرہ معارف اسلامیہ،
ص:۴۷۱/۱۰۔

۱۵۵۔ ابن جریرطبری،تاریخ طبری،ص:۵۸۵/۱۔ابن کثیر،البدایہ والنہایہ،ص:۲/،۱۴۷، ۵۰۸

۱۵۶۔ ایضاً۔ابن خلدون،تاریخ ابن خلدون،ص:۲۲۲/۱۔نیز دیکھئے:سیویہاروی،قصص القرآن،
ص:۲۵۱/۲۔ابن حجرعسقلانی، فتح الباری،ص:۱۰۶۵/۶۔

۱۵۷۔ اردودائرہ معارف اسلامیہ،ص:۴۷۱/۱۰۔ابن حجرعسقلانی، فتح الباری،ص:۳۶۴/۶۔ابن کثیر،تاریخ ابن کثیر،
ص:۴۷/۲نیز دیکھئے:سیویہاروی، قصص القرآن، ص:۲۵۲/۲تا۲۵۶۔عہدنامہ جدید،انجیل لوقا،۱:۵

۱۵۸۔اردو جامع انسائیکلوپیڈیا،ص:۷۰۷/۱۔نیز دیکھئے: عہدنامہ جدید،انجیل لوقا،۱:۵،۶۔غلام جیلانی برق،معجم القرآن،ص:۲۳۴۔

۱۵۹۔ سیویہاروی، حفظ الرحمٰن،قصص القرآن،ص:۲۵۱/۲تا۲۵۶۔موٴرخین کیمطابق آپ کی عمر۹۰،۹۲،۱۲۰یا۷۷سال تھی۔

۱۶۰۔ الانعام:۸۵۔

۱۶۱۔ اِمام مسلم بن الحجاج،صحیح مسلم،کتاب الفضائل،باب فضائل الزکریا،رقم الحدیث۶۱۶۲،دارالسلام ریاض
۲۰۰۰ء۔نیز دیکھئے:سنن ابن ماجہ،ابواب التجارات،باب الصناعات((کان زکریا نجاراً))،رقم
الحدیث۲۱۵۰،ص:۳۰۹۔

۱۶۲۔ عہدنامہ جدید،متی،۲۳:۲۹تا۳۶،لوقا،۱۱:۴۷تا۵۲۔ شوقی اُبوخلیل،اطلس القرآن،ص:۱۸۸۔

۱۶۳۔ اُطلس القرآن،ص:۱۹۱،۱۹۲۔فتح الباری،۶/ ۵۷۱

۱۶۴۔ ایضاً،ص:۱۸۹۔حلب:شمالی شام کا تاریخی شہر یورپی زبانوں میں Aleppo کہلاتا ہے۔یہ حلب
(دودھ)اسلئے کہلاتا ہے کیونکہ ابراہیمؑ یہاں قیام کے دوران بھیڑبکریاں دوہا کرتے اورفقرا میں بانٹ دیتے تھے۔

۱۶۵۔ امیرعلی خان،تذکرۃ الأنبیاء،ص:۴۱۰،اسلامی کتب خانہ،فضل الٰہی مارکیٹ لاہور۔

۱۶۶۔ ابن کثیر،تفسیرابن کثیر،ص:۳۶۰/۲۔البدایہ والنہایہ،ص:۴۹/۲۔قصص القرآن،ص:۲۵۵/۲

عہدنامہ جدید، انجیل لوقا ۱:۲۶ تا ۳۵۔

۱۶۷۔ المریم: ۷۔

۱۶۸۔ شوقی ابو خلیل، اطلس القرآن، ص: ۲۰۰۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ص: ۲۳/۲۷۷۔ تاریخ طبری، ص: ۱/۳۴۵، ۳۴۶

۱۶۹۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ص: ۲۳/۲۷۷۔

۱۷۰۔ شکیل، مصباح الدین، نشانات ارض قرآن، ص: ۲۰۴، فضلی سنز اردو بازار کراچی ۲۰۰۵۔

۱۷۱۔ امام الترمذی، جامع الترمذی، ابواب المثال، باب ما جاء (فی) مثل الصلوۃ والصیام والصدقۃ، رقم الحدیث: ۲۸۶۳، ص: ۶۴۴، دار السلام ریاض، سعودی عرب، طبعہ ثانیہ ۲۰۰۸ء۔

۱۷۲۔ عیسیٰ یسوع ہی کی عربی صورت ہے معنی ہیں: نجات دہندہ (غلام جیلانی برق، معجم القرآن، ص: ۲۹۹)۔ قرآن میں آپ کو مسیح اور ابن مریم کہا گیا ہے یہود کے ہاں یہ رسم تھی کہ جب اُنکا بادشاہ اور پادری اپنے مناسب سنبھالنے لگتے تھے تو ملک کا مقدس ترین آدمی اُنکے سر پر مقدس تیل ڈالتا تھا اور اس کے بعد وہ مسیح کہلاتے تھے۔ جلیل القدر اور اولوالعزم پیغمبر پانچ ہیں، نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ، محمد ﷺ۔

۱۷۳۔ دیکھئے المریم: ۲۱۔ حفظ الرحمٰن، قصص القرآن، ص: ۴/۳۵۔ غلام جیلانی برق، معجم القرآن ص: ۲۹۹۔ حیات انبیاء ابو غضنفر، ص: ۴۵۱، ابن کثیر، البدایہ والنھایہ، ص: ۲/۷۰، تاریخ ابن خلدون، ص: ۲/۲۴۴۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ص: ۲/۱۴/۳۶۱

۱۷۴۔ ابن کثیر، البدایہ والنھایہ، ص: ۲/۷۰، حفظ الرحمٰن نے ابن اسحاق کے حوالے سے قصص القرآن میں یہ نسب نامہ بیان کیا ہے، عمران بن یاشم (یاشم، ہاشم) بن یشا بن جرقیا بن ابراہیم بن عزریا بن ناوش بن اجر بن لیوا بن نازم بن مقاسط بن اشیا بن ایاز بن رخیم (رحعام) بن سلیمان بن داؤدؑ۔ حافظ ابن عسا کر نے اسکے علاوہ دوسرے نام بھی بیان کئے ہیں اور ان دونوں بیانات میں کافی اختلافات ہیں لیکن تمام علماء انساب کا اس پر اتفاق ہے کہ عمران حضرت سلیمانؑ کی اولاد اور حنہ بنت فاقوذ بھی داؤدؑ کی نسل سے تھیں دیکھئے قصص القرآن ص: ۴/ ۱۷، ۱۸۔ عیسائی گوان کو یوسف نجار کا بیٹا نہیں سمجھتے لیکن نسب اسی کی طرف شمار کرتے ہیں دیکھئے عہدنامہ جدید، متی، ۱:۱۶، عہدنامہ جدید، انجیل لوقا ۳:۲۴ تا ۲۸، اس بنا پر انکا بیان کردہ نسب مسلمان ماہرین انساب کے دیئے ہوئے نسب سے مختلف ہے چونکہ عمران کے بارے میں جو قرآن مجید کے مطابق حضرت مریمؑ کے والد اور حضرت عیسیٰ کے نانا ہیں۔ بائیبل میں کچھ مذکور نہیں اسلئے حضرت عیسیٰ کا اصل نسب نامہ یعنی والدہ کیطرف سے انا جیل میں مکمل طور پر نظر انداز کیا گیا ہے۔

۱۷۵۔ عہدنامہ جدید، لوقا ۲:۱۔۷۔ شوقی ابو خلیل، اطلس القرآن، ص: ۲۱۱، ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن ص: ۲/۴۴۳۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ص: ۲/۱۴/۳۶۰ و مابعد۔

David Ropes, Jesus in his times, Eng translation by R.W.Miller, P:83

☆۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اصل نام یشوع (Jeshuah of Joshua) تھا۔یسوع،یشوع یا
یوشع (Joshua Jesus , Jeshua ,) کا مطلب ہے یہوواہ (خدا) نجات ہے۔یعنی خدا ہی منجی
اور نجات دہندہ ہے(Jehovah is salvation)۔مسیح یا عبرانی میں مسیحا (Messiah) آرامی میں مشیحا (Meshiah) اور یونانی
میں کرائسٹس یا خرستس (Christ) کہا گیا۔مسیح کا لفظی مطلب مسح یا
مالش کیا ہوا (Anointed) ہے۔ دیکھئے عیسائیت ایک تجزیہ ومطالعہ،ص:۲۶

۱۷۶۔ آل عمران:۴۵۔

۱۷۷۔ عہدنامہ جدید،انجیل لوقا، ۱:۳۱۔جمیل احمد،انبیائے قرآن،ص:۳/ ۵۷۴۔

۱۷۸۔ امام راغب اصفہانی،مفردات القرآن ص:۱/ ۹۵۷۔

۱۷۹۔ عہدنامہ قدیم،استثناء:۳۳:۲،حفظ الرحمٰن سیوہاروی،قصص القرآن،ص:۴/ ۳۶۔عہدنامہ قدیم
، یسعیاہ،۴۰:۳ تا ۸۔عہدنامہ جدید،لوقا،۲:۲۱۔۳،۳:۲۳۔۲۲:۴۵،۴۶۔۲۳:۳۴عہدنامہ جدید،متی،۲:۱۹،۲۰۔۳،۳:۱۴،۱۵۔عہدنامہ
جدید،مرقس،۱۴:۱،۲،۳۲۔۳۵:۳۷،۴۱،۴۲۔ابن کثیر،البدایہ والنھایہ،ص:۲/۷۰، ۷۷،طبری،تاریخ طبری،ص:۱/ ۷۲۹ تا ۷۳۳،ابو
خلیل شوقی،اطلس القرآن،ص: ۲۱۱، اردو دائرہ معارف اسلامیہ،ص:۱۴/۲ /۳۶۰ تا ۳۶۳۔ R.H. Hume , The world living religions , p: 237

۱۸۰۔ اُردو دائرہ معارف اسلامیہ:۱۴/۲ /۳۶۴۔عہدنامہ جدید،متی:۲۶،آیت:۳۶ تا ۴۰۔

۱۸۱۔ ایک شاگرد،وکلف اے سنگھ،ص: ۲۶۷۔۲۸۵۔دیکھئے:آل عمران:۴۲،۴۶۔المریم:۲۲،۲۳،۲۷،۲۸،۳۰،۳۱۔حفظ الرحمٰن سیوہاروی
قصص القرآن،۴/ ۴۶،۴۸۷۔ابوالکلام آزاد۔ترجمان القرآن،ص:۲/ ۴۴۳۔ابوالاعلیٰ مودودی،نصرانیت قرآن کی روشنی میں،ص:۱۹،۲۰۔سیارہ
ڈائجسٹ، قرآن نمبر،ص:۲۸۲۔

۱۸۲۔ النساء:۱۵۷۔۱۵۸۔

183. Encyclopeadia Americana vol: 3, P. 612 see also ,
Pfeiffer.Robert ,Introduction to Old Testament, Ny , 1948.

۱۸۴۔ ساجد میر،عیسائیت کا تجزیہ ومطالعہ،ص:۲۱۱،دارالسلام لاہور۔

185. Encyclopedia Americana vol: 3, P. 612.

(1*۱۸۶۔رحمت اللہ کیرانوی،اظہار الحق (بائبل سے قرآن تک)، ص:۱/ ۹۵،ادارہ اسلامیات لاہور The New Encyclopeadia Britannica, Vol. 8, P. 909, Encyclopeadia Americana, Vol. 20, P. 703 to 712, Collier's Encyclopeadia, Vol. 18, P. 116, World Book Dictionary, Vol. 2, P, 1447,

۱۸۷۔ ایضاً،ص،۹۵۔

۱۸۸۔ تفصیل کیلئے دیکھئے ڈاکٹر رانا احسان الحق، یہودیت ومسیحیت، ص۲۲، ۲۳، مسلم اکادمی، ۱۸ محمد نگر لاہور۔ یعقوب حسن، کتاب الہدیٰ، ص۸۱ تا ۸۳۔ عہدنامہ، نیا عہدنامہ کے لئے دیکھئے ص:۲/ ۱۰۲۱، ۱۷۶۵۔

۱۸۹۔ اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، پرانا عہدنامہ کے لئے دیکھئے، ص:۱/۳۲۵

۱۹۰۔ ایضاً

http://knol.google.com/k/ahmed-oguzhan/judaism-torah-talmud/16rac8l2of58l/35#

. ☆ Collier's Encyclopedia, Vol: 17, P: 465, 466,☆ The Encyclopedia Americana,Vol:20, P.228, The New Encyclopedia Britannica, Vol. 8, P:644. ,☆World Book Dictionary,Vol.2,P:1404,☆Collier'sEncyclopedia, vol.4,P.116to120 ,.See,'Bible(OldTestament,New testament)☆.The New Encyclopedia Britannica, vol.2, P. 195,194,Encyclopedia of Religion The Catholic Encyclopedia,P:73☆ & Ethics Bible, vol.2, P. 562.

191-ibid,see also Raemers, Sidney A, The Rev, Bible History, P. 1

. Compton's Encyclopedia vol.2, P. 146, 1963.

۱۹۲۔ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا، ص:۲۲/۸۷ نیز دیکھئے بشیر محمود اختر، مطالعہ بائیبل وقرآن، ص:۱۵،

۔ امام راغب، مفردات القرآن، ص:۷۶

☆The Encyclopedia of Religion, Torah, Biblical Literature

193- Dictionary of the Bible, p: 498

۱۹۴۔ ڈاکٹر، احسان الحق رانا، یہودیت ومسیحیت، ص۲۲، ۲۳۔ احمد بشیر، بائیبل کا تحقیقی جائزہ، ص:۱۱۱ تا ۱۲۰۔

۱۹۵۔ دیکھئے: سید ابوالاعلیٰ مودودی، سیرت سرور عالم، ص:۱/۶۲۸۔

۱۹۶۔ المائدہ:۴۴۔

۱۹۷۔ یعقوب حسن، کتاب الہدیٰ، ص:۹۷، شمع ادب، کراچی ۲۰۰۰ء

۱۹۸۔ عہدنامہ قدیم، کتاب پیدائش نیز دیکھئے بائیبل سے قرآن تک، مترجم اکبر علی، تقی عثمانی، ص:۳۰۶

۱۹۹۔ عہدنامہ قدیم، کتاب خروج نیز دیکھئے بائیبل سے قرآن تک، ایضاً

۲۰۰۔ عہدنامہ قدیم، کتاب احبار۔ نیز دیکھئے بائیبل سے قرآن تک، ایضاً

۲۰۱۔ عہدنامہ قدیم، کتاب گنتی۔ نیز دیکھئے بائیبل سے قرآن تک، ایضاً

۲۰۲۔ عہدنامہ قدیم، کتاب استثناء۔ نیز دیکھئے بائبل سے قرآن تک، ایضاً

۲۰۳۔ عہدنامہ قدیم، مقدس، ص، ۵ تا ۲۰۳، اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، ص: ۱/ ۱۳۷۰، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ص: ۷۰۳ تا ۷۱۲، اسلامی انسائیکلوپیڈیا، منشی محبوب عالم، ص: ۵۴۴ تا ۵۴۶۔ ڈاکٹر جمیل جالبی قومی انگریزی اردو لغت، ص: ۲۱۰۸، غلام جیلانی، معجم القرآن، ص: ۱۷۸ تا ۱۸۰۔ (چودھری)، غلام رسول، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، ص: ۳۹۶ تا ۴۰۴۔

۲۰۴۔ ایف ایس خیر اللہ، قاموس الکتاب، ص: ۲۲ مسیحی کتب خانہ فیروزپور روڈ لاہور۔

The Encyclopedia Of Americana, Vol. 3, P. 652 Collier's Encyclopedia, Vol. 4, P. 119, The New Encyclopedia Britannica, vol.8, P. 909

۲۰۵۔ ibid

۲۰۶۔ ibid

۲۰۷۔ ibid

۲۰۸۔ ibid

۲۰۹۔ رحمت اللہ کیرانوی، بائبل سے قرآن تک، ص: ۱/ ۳۱۴

۲۱۰۔ سید محمد امین الحق، بائبل اور قرآن، ص: ۱/ ۳ جامع مسجد قلعہ شیخوپورہ، ۱۹۳۷۔ عہدنامہ قدیم، خروج، ۱۲: ۴۰، ۴۱۔

Chaim Deasrz Brooks, A book of Jews Knowledge, P.101,

۲۱۱. Kitto John 'An Illustrated History of the Bible 1902, p: 128

۲۱۲۔ دیکھئے کتاب مقدس، بائبل سوسائٹی لاہور،

۲۱۳۔ The Encyclopedia Of Americana, Vol: 3, P: 652

۲۱۴۔ بشیر احمد، بائبل کا تحقیقی جائزہ، ص: ۱۲۲، ۱۲۳، نیز دیکھئے، بشیر احمد، فری میسنری، اسلام دشمن یہودی تنظیم

۲۱۵۔ ایضاً

۲۱۶۔ ایضاً

۲۱۷۔ ایضاً

۲۱۸۔ ایضاً

۲۱۹۔ ایضاً

۲۲۰۔ بشیر احمد، بائبل کا تحقیقی جائزہ، ص: ۱۲۲، ۱۲۳، بشیر احمد، فری میسنری، اسلام دشمن یہودی تنظیم، ص: ۲۱۔ چودھویں صدی عیسوی میں یہودی تصوف اور باطنیت قبالہ (Kabalah) نے عقائد کی دیگر کتب پر برتری حاصل کر لی۔ اس نے یہودیت میں ایک نئی فکر کی بنیا ڈالی فری میسنری کی بنیاد بابلی تالمود کے قصے اور قبالہ ہے۔

۲۲۱۔ عہدنامہ قدیم، استثنا، ۵ تا ۹۔ ۲:۲۷ تا ۴۔ عہدنامہ قدیم، سلاطین ۲۲: ۸ تا ۱۳، سید مودودی، تفہیم القرآن، سورۃ آل عمران حاشیہ ۱۳۲۔

۲۲۲۔ ایضاً۔

۲۲۳۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، سورۃ بقرہ، حاشیہ ۱۶

۲۲۴۔ عہدنامہ قدیم، استثناء، ۳۱: ۲۴، ۲۷ سید ابوالاعلیٰ مودودی، سیرت سرورعالمؐ، ص: ۱/ ۶۲۸۔

۲۲۵۔ ایضاً ص ۶۲۹، نیز دیکھئے سید ابوالاعلیٰ مودودی، الجہاد فی الاسلام، ص: ۳۸۰ تا ۳۸۲۔

۲۲۶۔ عہدنامہ قدیم، سلاطین ۲، ۲۲: ۸ تا ۱۳۔

۲۲۷۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، ص: ۱/ ۲۳۱، ۔ نیز دیکھئے، سیرت سرورِ عالم، ص: ۱/ ۶۲۹، ۶۳۰۔

فصل دوم: عیسائیت اور کتاب مقدس کا تعارف

مبحث اول: عیسائیت کا مفہوم اور تاریخی پس منظر

آبادی کے لحاظ سے عیسائی مذہب اس وقت دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے۔ یہودیت کی طرح عیسائیت بھی ابراہیمی مذہب کی ایک شاخ ہے۔شروع میں اس مذہب کو بھی یہودی مذہب خیال کیا جاتا تھا،ان کی بہت سی باتیں یہودیوں کے ساتھ مشترک ہیں۔عیسائی مذہب والے اپنے آپ کو حضرت عیسیٰؑ کا پیروکار مانتے ہیں۔عیسائیت کی ابتدا پہلی صدی عیسوی میں ہوئی اور حضرت عیسیٰ ایک یہودی گھرانے میں پیدا ہوئے (۱)۔

حضرت عیسیٰؑ کی آمد بھی انسانی رشد وہدایت کی خاطر ہوئی۔آپ کے آنے سے پہلے یہودی کئی فرقوں اور گروہوں میں تقسیم ہو چکے تھے،انبیاء کی تعلیمات فراموش کر چکے تھے،الٰہی پیغامات کو بھول چکے تھے،کتابوں میں ردوبدل کر دیا گیا تھا،یہودیوں کے مذہبی پیشواؤں کا یہ عالم تھا کہ وہ مذہب کے ٹھیکیدار اور اجارہ دار بن گئے تھے۔لوگوں کو اپنے ہاتھوں سے جنت کے ٹکٹ لکھ لکھ کر دیتے تھے، حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دینا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔انہی لوگوں نے خدا تعالیٰ کے سوا رب بنا رکھے تھے۔اس عالم تاریک میں حضرت عیسیٰؑ روشنی کی کرن بن کر جلوہ گر ہوئے۔آپ سے پہلے انبیاء بشارتیں دیتے رہے۔جیسا کہ استثنا میں ہے:

"اور اس موسیٰؑ نے کہا خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا اور فاران کے پہاڑوں پر جلوہ گر ہوا(۲)۔"

عیسائیت ایک یہودی عیسائی تحریک کی حیثیت سے گلیل میں شروع ہوئی۔اس کا مرکزی نقطہ یسوع ناصری تھا مسیح کی مصلوبیت کے بعد یروشلم تحریک کا ہیڈ کوارٹر بن گیا جو بنیادی طور پر یہودیت ہی رہی۔یہ تحریک مسیح کی حیثیت سے یسوع کی فاتحانہ واپسی کی امید میں تھی کہ وہ آ کر اسرائیل کی سلطنت کو پھر سے بحال کرے گا۔زیادہ تر پولوس کی کوششوں سے فلسطین کے باہر غیر یہودیوں میں ایک نئی شکل کا مذہب پھیلایا گیا جس میں یسوع کو یہودیوں کے مسیحا کی بجائے عالمگیر نجات دہندہ بنا کر پیش کیا گیا۔۷۰ء میں یروشلم کی تباہی پر یہودی کلیسا برباد ہو گئی۔یہودی عیسائیوں کے بچے کھچے گروہ فلسطین اور شام کے مختلف حصوں میں باقی رہے۔ان کی عیسائیت ابتدائی نوعیت کی تھی(۳)۔

عیسائیت کا مفہوم:

انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا میں عیسائیت کی تعریف یہ کی گئی ہے:

''وہ مذہب جو اپنی اصلیت کو ناصرہ کے باشندے یسوعؑ کی طرف کرتا ہے، اور اسے خدا کا منتخب (مسیح) مانتا ہے (۴)۔''

عیسائیت کی یہ تعریف بہت مجمل ہے، انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس کا مقالہ نگار مسٹر گاورے ''عیسائیت'' کی تعریف کے متعلق لکھتا ہے:

یہ وہ اخلاقی، تاریخی، کائناتی موحدانہ اور کفارے پر ایمان رکھنے والا مذہب ہے جس میں خدا اور انسان کے تعلق کو خداوند یسوع کی شخصیت اور کردار کے ذریعے پختہ کر دیا گیا ہے۔

اس تعریف کو بیان کر کے مسٹر گاورے نے اس کے ایک ایک جز کی توضیح کی ہے۔

''اخلاقی مذہب'' سے اس کے نزدیک وہ مذہب مراد ہے، جس میں عباستوں کے ذریعے کوئی دینوی مقصد حاصل کرنے کی تلقین نہ دی گئی ہو، بلکہ اس کا تمام تر مقصد روحانی کامل کا حصول اور خدا کی رضا جوئی ہو۔

''تاریخی مذہب'' کا مطلب وہ بیان کرتا ہے کہ اس مذہب کا محور فکر و عمل ایک تاریخی شخصیت، یعنی حضرت عیسیٰؑ، انہی کے قول و عمل کو اس مذہب میں آخری اتھارٹی حاصل ہے۔

''کائناتی'' ہونے کا اس کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ یہ مذہب کسی خاص رنگ و نسل کے لئے نہیں، بلکہ اس کو دعوت عالمگیر ہے۔

''عیسائی مذہب کو موحد'' وہ اس لئے قرار دیتا ہے کہ اس مذہب میں تین اقنیم تسلیم کیے جانے کے باوجود خدا کو ایک کہا گیا ہے۔ وہ لکھتا ہے: ''اگرچہ عام طور سے عیسائیت کے عقیدہ تثلیث یا زیادہ صحیح لفظوں میں توحید فی التثلیث کے بارے میں یہ سمجھا اور کہا جاتا ہے کہ وہ خطرناک حد تک تیں خداؤں کے عقیدے کے قریب آ گیا ہے، لیکن عیسائیت اپنی روح کے اعتبار سے موحد ہے، اور خدا کو کلیسائی عقیدت کے طور ایک سمجھتی ہے۔''

اس تعریف میں عیسائیت کی آخری خصوصیت کہ وہ کفارے پر ایمان رکھتے کی تشریح کرتے ہوئے گاروے لکھتا ہے۔

''خدا اور بندے کے درمیان جو تعلق ہونا چاہیے اس کے بارے میں عیسائیت کا یہ خیال ہے کہ وہ گناہ کے ذریعے خلل پذیر ہو گیا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اسے پھر قائم کیا جائے اور یہ کام صرف مسیح کو بیچ میں ڈالنے سے ہوتا ہے (۵)۔''

تاریخی پس منظر:

ظہور عیسائیت کے وقت یہودی قوم منتشر ہو چکی تھی ۔بحیرہ روم کے آس پاس کے ممالک میں ان کی مختلف آبادیاں قائم تھیں اور مشرق وسطیٰ کے دیگر ممالک میں بھی یہودی کافی تعداد میں موجود تھے ۔بابل کی جلاوطنی کے اختتام پر تھوڑے بہت یہودی فلسطین میں دوبارہ آ بسے تھے ۔لیکن جلاوطن شدہ افراد کی اکثریت بابل میں مستقلاً قیام پذیر تھی ۔خود فلسطین میں یہودیوں کی خودمختاری کا دور ختم ہوگیا تھا ۔اس ملک کے اس حصے پر دو آدمیوں کی حکومت تھی ،لیکن رومیوں کے ماتحت تھی ۔یروشلم رومی حکومت کا ایک صوبہ تھا جس کو رومی جوڈیا کہتے ہیں ،یہاں رومیوں کی طرف سے ایک حاکم مقرر تھا جسے پروکیوریٹر (Procurater) کہاجاتا ہے(۶) ۔

مادی اسباب و حالات کے لحاظ سے اس امر کا کوئی امکان نہ تھا ،کہ یہود پھر کبھی آزادی کا سانس لے سکیں گے ،یا غیر ملکی فرماں رواؤں کے ظلم وستم سے نجات حاصل کر سکیں گے ۔اس لئے قدرتاً ان کی امیدیں مستقبل پر مرتکز تھیں ،اور وہ خداوند تعالیٰ کی راست مداخلت کے منتظر رہتے تھے ۔ ان کے خیال میں وہ وقت قریب آ رہا تھا ،جبکہ ظالمانہ بیرونی سلطنتوں کی سیاست کا خاتمہ ہو جائے گا اور خداوند تعالیٰ بنی اسرائیل کو ایک مرتبہ پھر آزادی اور بالادستی کی نعمت سے سرفراز فرمائیں گے ۔ان کا اعتقاد تھا کہ جابر و ظالم حکمرانوں کے مقابلے میں یہودیوں کو ابد میں بڑی سخت آزمائش کا سامنا ہو گا ۔لیکن عین مایوسی کی حالت میں انہیں خدا کی امداد و اعانت حاصل ہو گی اور بنی اسرائیل کو ایسی عالمگیر قوت و سلطنت ہو گی جس کا وعدہ ابراہیمؑ اور دوسرے پیغمبروں سے کیے گیا تھا ۔اس دن جب کہ خداوند تعالیٰ کا یہ اعزازی کارنامہ پایہ تکمیل تک پہنچے گا(۷) ۔

اور وہ تمام اسرائیلی افراد زندہ ہو جائیں گے جنھوں نے بیرونی سلطنتوں کے ظلم وستم سہتے سہتے جان دی تھی ۔اس طرح ایک نئی زمین اور نیا آسمان معرض وجود میں آئے گا ۔یہ خیالات اس دور کے یہودیوں میں عام تھے اور ان کتابوں کا مشترکہ موضوع تھا جنہیں حضرت ابراہیمؑ ،موسیٰؑ ،دانیالؑ ،اور عزراؑ کی جانب منسوب کر دیا جاتا تھا ۔ان کتابوں نے یہودیوں کو آسمانی بادشاہت اور مسیح نجات دہندہ کے تخیل سے آشنا کر دیا تھا(۸) ۔

عیسائیت حضرت عیسیٰؑ کے بعد:

حضرت عیسیٰؑ کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا گیا ۔آپ کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد عیسائی مذہب برق رفتاری سے پھیلا ۔یہودیوں کے مظالم ان کے پایہ استقلال کو جنبش نہ دے سکے ،چوتھی صدی کے اوائل میں روم عیسائیت کا مرکز بن گیا تھا ،جہاں عیسائیوں پر یہودیوں اور رومیوں نے ظلم وتشدد کے پہاڑ ڈھائے تھے ۔رفتہ رفتہ عیسائیوں کا دائرہ کار وسیع تر ہوتا چلا گیا ۔ایک وقت وہ بھی آیا کہ جب قرون وسطیٰ میں عیسائیوں کے پوپ ،پادری کی قوت وقت کے حکمران سے بڑھ کر تھی ۔عیسائیوں کے ایک ہاتھ میں مذہبی اسلحہ تھا ،دوسرے ہاتھ میں سیاسی قیادت تھی اور معاً دولت وثروت بھی تھی ۔مگر ان لوگوں نے ان تین چیزوں کی عمدگی سے کام میں لانے کی بجائے ضائع کر دیا ۔حضرت مسیحؑ کی سادہ تعلیمات سے کنارہ کشی

اختیار کرلی (۹)۔

ایک وہ بدقسمت گھڑی بھی آن پہنچی کہ حصول زر کیلئے پادری، پوپ نے ''جنت کے سرٹیفکیٹ'' فروخت کرنے شروع کر دیئے، ایک دوسرے پر زبان درازیاں اور فتویٰ بازیاں ہونے لگیں، جس سے ان کی قوت کا شیرازہ بکھرنا چلایا اور اختلافات نے انہیں ایک دوسرے کا جانی دشمن بنا دیا۔ معمولی سی بات پر ایک دوسرے کو موت کے منہ میں ڈال دیتے۔ پھر سزاؤں کیلئے احتسابی عدالتیں قائم کی گئیں۔ صرف دو دو، تین تین سالوں میں ان عدالتوں نے تین لاکھ چالیس ہزار آدمیوں کو نت نئی سزائیں سنائیں۔ ان میں بتیس ہزار وہ تھے، جن پر دہکتی آگ میں جلانے کے مقدمات قائم تھے۔ عیسائیوں نے ہر دور میں یہی کوشش کی کہ انہیں مضبوط پوزیشن حاصل ہو اور وہ اس مطلوبہ پوزیشن کے حصول کے بعد علاقوں کے ٹھیکیدار بن جاتے، دوسروں پر حکم چلاتے اور انہیں نیچا دکھاتے، انہیں اپنا غلام سمجھنے میں ہی بڑائی اور قوت سمجھتے تھے۔ عیسائیوں کی یہ باتیں حضرت عیسیٰ ؑ کی حلیمی اور ان کی تعلیمات کے سراسر خلاف تھیں۔ عیسائیوں کی یہ عادات حضرت عیسیٰ ؑ کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد عام ہوئیں (۱۰)۔

مبحث دوم: حضرت عیسیٰؑ کے حالاتِ زندگی اور تعلیمات:

حضرت عیسیٰ بنی اسرائیل کے سلسلہ کے آخری نبی ہیں۔آپ کی پیدائش، آپ کی تعلیم وتربیت اور وفات کے مستند حالات کہیں نہیں ملتے۔آج کی تحقیقات اور ریسرچ کا زیادہ تر مآخذ عہدنامہ جدید ہے یا اس کے علاوہ چند ایک دوسری تحریرات ہیں۔انسائیکلوپیڈیا طرز کی کتب میں بھی زیادہ تر عہدنامہ جدید کے حوالوں سے بات کی گئی ہے۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا بیان ہے:

''حضرت مسیح کی پیدائش اور بچپن کے بارے میں نہ مرقس اور نہ ہی یوحنا نے کسی قسم کی کوئی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔دونوں نے اپنے اندراجات کو ابتدائی سالوں کے مختصر واقعات سے شروع کیا۔تہذیب یورپ کو تین نامور امریکی اہل قلم نے لکھا ہے اور جو تقریباً ۵۰۰ کتابوں سے اخذ شدہ معلومات کا ایک شاندار ریکارڈ ہے(۱۱)۔''

مہر صاحب لکھتے ہیں کہ:

''حضرت مسیح کی زندگی کے متعلق دستاویز ناپید ہیں۔یہودی عہدنامہ قدیم کو لفظاً لفظاً درست سمجھتے ہیں۔یہی کیفیت ''عہدنامہ جدید'' کے متعلق مسیحوں کی ہے اگر یہ کتابیں خدا کی طرف سے الہامی الفاظ کا مجموعہ ہیں تو اور کسی چیز کی ضرورت نہیں رہتی۔اگر عہدنامہ جدید کو اس کی موجودہ صورت میں دورِ حاضر کے اس طور طریق سے پرکھا جائے جن کے متعلق لامذہبی رسائل سے حاصل کردہ دستاویزوں کو پرکھا جاتا ہے تو ماہرین فن کی متفقہ رائے یہ ہے کہ متفق علیہ اناجیل Synoptic Gospels کو بھی حضرت عیسیٰ کی زندگی کے متعلق معاصر دستاویزات قرار نہیں دیا جاسکتا(۱۲)۔''

متفق علیہ اناجیل بھی حضرت عیسیٰ کی زندگی پر واضح روشنی نہیں ڈال سکتیں۔انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا بیان ہے کہ:

> ''انیسویں صدی کے آخر کے ناقدین کہتے ہیں کہ یسوع سرے سے کبھی نہیں رہا۔یسوع کی کہانی مکمل طور پر عیسائیوں کی محنت سے تیار کیا ہوا قصہ ہے جو خدا کے بارے میں تھوڑے عرصہ کیلئے وہ اپنی اصلی شکل میں زمین پر نمودار رہا(۱۳)۔ ''

جبکہ عہدنامہ جدید خود بھی حضرت عیسیٰ کی زندگی پر واضح روشنی نہیں ڈال سکتا۔اس صورت حال میں صرف ایک ہی ایسا ماخذ ہے جو ہمیں صحیح معلومات فراہم کرتا ہے وہ قرآن کریم ہے،حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے لے کر عروج آسمانی تک کے تمام حالات قرآن کریم میں تفصیل سے بیان ہوئے ہیں(۱۴)۔

نام کی وجہ تسمیہ:

''عیسیٰؑ ''عبرانی یا سریانی زبان کا لفظ ہے،جس کے معنی عربی زبان میں ایسے سفید اونٹ کے ہیں جس میں ہلکا ہلکا

بھورا پن بھی ہو، جس کی وجہ سے ایسے اونٹ کی خوبصورتی میں اضافہ ہو جاتا ہے(۱۵)۔
حضرت عیسیٰ ؑ کا حسن و جمال بھی ایسا تھا، اسی مناسبت سے آپ ؑ کا نام عیسیٰ رکھا گیا بعض کے مطابق ذاتی نام یشوعا (آرامی زبان میں) یا یسوع عیسی تھا مسیح وصفی اور رنذ ارین لقب تھا(۱۶)۔
قرآن مجید میں چھ جگہوں پر حضرت عیسیٰ ؑ کے نام سے یاد کیا گیا ہے(۱۷)۔
اور گیارہ جگہ پر مسیح اور ایک جگہ عبداللہ کے لقب سے یاد کیا گیا ہے(۱۸)۔اور بیشتر مقامات پر کنیت ابن مریم سے یاد کیا گیا ہے (۱۹)۔لفظ عیسیٰ ؑ عبرانی یسوع کی عربی صورت ہے جس کے معنی سید، سردار، مبارک مقرب کے ہیں(۲۰)۔
یسوع ہی سے لفظ جیسس (Jesus) نکلا ہے جو یونانی لاطینی اور انگریزی زبانوں میں پایا جاتا ہے۔سیر اور چلنے کو بھی مسیح کہتے ہیں۔یعنی حضرت عیسیٰ ؑ کا نام مسیح اس لئے رکھا گیا کہ وہ زمین پر چلنے والے یا سیاحت کرنے والے تھے۔انہیں یسوع ناصری، ناصرہ قصبہ کی نسبت ہی سے کہا جاتا ہے(۲۱)۔

جائے پیدائش:

حضرت عیسیٰ ؑ کی جائے پیدائش کے بارے میں اختلاف ہے بعض کے مطابق حضرت عیسیٰ ؑ کی پیدائش بیت اللحم میں ہوئی (۲۲) جبکہ لوقا میں لکھا ہے:

''یسوع کا اپنا شہر ناصرہ تھا، جہاں وہ پیدا ہوا اور پرورش پائی(۲۳)۔''

مقالہ نگار کی رائے میں بیت الحم آپ کی جائے پیدائش ہے کیونکہ جدید محققین و مورخین کی تحقیق یہی ہے(۲۴)۔

شجرہ نسب:

حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش اللہ تعالیٰ کی طرف سے بغیر باپ کے اعجازی رنگ میں ہوئی تھی۔اس کے بارے میں قرآن میں ارشاد ہوا:

﴿ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ﴾

ترجمہ: اور جب فرشتے نے کہا اے مریم اللہ تجھے اپنے ایک کلمے کی خوشخبری دیتا ہے اس کا نام مسیح ابن مریم ہوگا(۲۵)۔

اس طرح حضرت عیسٰی کا شجرہ نسب حضرت مریمؑ کے حوالے سے ہونا چاہیے۔جب حضرت مسیحؑ کا شجرہ نسب معلوم کرنے کیلئے اناجیل کا مطالعہ کریں۔مرقس اور یوحنا نے اس کا ذکر نہیں کیا۔متی اور لوقا نے اس کا بے حد مختصر ذکر کیا ہے۔اس شجرہ کا سرنامہ جناب متی نے یہ تجویز فرمایا ہے:

''یسوع بن داؤد ابن ابراہام کا نسب نامہ(۲۶)۔''

حضرت مسیحؑ اور حضرت داؤدؑ کے درمیان ۶۲ پشتیں اور حضرت داؤدؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے درمیان ۲۱ پشتیں ہیں مگر متی نے بیک جنبش دوردراز کا فاصلہ آناً فاناً طے کرلیا ۔اس نسب کا خاتمہ متی کے الفاظ میں اس طرح ہوتا ہے۔

''یعقوب سے یوسف پیدا ہوا۔یہ مریم کا شوہر تھا جس سے یسوع پیدا ہوا (۲۷)۔''

متی کے نزدیک حضرت مریمؑ کے شوہر کا نام یوسف تھا۔مگر وہ مانتے ہیں کہ یسوع مریم کے بیٹے تو تھے مگر یوسف کے نہ تھے ۔اب یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اگر مسیحؑ ان یوسف کے فرزند ہوں تو تب یہ شجرہ نسب واقعی انہی کا ہے۔ ماننا پڑے گا کہ یوسف اولادداؤد ہیں اور چونکہ حضرت مسیحؑ یوسف کے بیٹے تھے اس لئے وہ بھی اولاد داؤد ہیں ۔مگر اتنی بات متی اور ان کے دوسرے ہم نوا بھی تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ حضرت مریمؑ کے بیٹے تھے یوسف کے نہیں ۔اب سمجھ میں نہیں آتا کہ پھر یوسف صاحب کے شجرہ نسب کو مسیحؑ کا شجرہ کیونکر ٹھہرایا جا رہا ہے۔اگر متی صاحب کو حضرت مسیحؑ کا شجرہ لکھنا تھا تو عیسیٰؑ ابن مریم سے شروع کرتے اور اس کے بعد حضرت مریمؑ کا شجرہ نسب لکھ دیتے (۲۸)۔

لوقا اپنی انجیل میں یسوع مسیح کا شجرہ نسب یوں لکھتے ہیں:

''جب یسوع کو تعلیم دینے لگا۔قریباً تیس سال کا تھا اور یوسف کا بیٹا تھا اور وہ عیلی کا (۲۹)۔ ''

مسلمان اہل علم اور مؤرخین نے حضرت مریم کے حوالے سے حضرت مسیحؑ کا شجرہ لکھا ہے اگر چہ صاف اور واضح ،دو اور دو چار کی طرح کی معلومات نہ رکھنے کی وجہ سے ان کے ہاں ناموں میں باہم اختلاف پایا جاتا ہے مگر اتنی بات بہر طور ان کے ہاں مسلم ہے کہ حضرت مریمؑ کی والدہ محترمہ حنہ اور ان کے والد ماجد جناب عمران ،حضرت سلیمانؑ کی اولاد میں سے تھے ۔ابن اسحٰقؒ نے عمران کا شجرہ نسب اس طرح بیان کیا ہے:

''عمران بن یاشم بن میثا بن جرقیا بن ابراہیم عزریا بن ناوش بن اجر بن نازم بن متاسط بن الیشا بن رخیم بن سلیمان بن داؤد علیہما السلام (۳۰)۔''

علامہ ابن خلدون نے حضرت عیسیٰؑ کا نسب اس طرح بیان کیا ہے۔

''بنی ماثان جو داؤدؑ کی اولاد سے تھے ۔وہ بیت المقدس میں کہونت (مجاورت) کر رہے تھے اور (ماثان) عازر بن یہود بن اخس (اکھیم) بن رادوق (صاروق) بن یوعازور (عزور) بن الیاقیم بن ایود (ابیہود) بن زرقابل (ررابل) بن سالات (شیلٹیل) بن یوحنانیا (یکہنیاہ) ابن یوشیاہ (ملوک بن اسرائیل کا سولہواں بادشاہ) بن امون بن عمون ابن منشا ابن حزقیاہ بن احاز (احز) بن یواش (یوتم) بن اخریا (عزیاہ) بن یورام بن یہوشافاط (یہوشافظ) بن اساہ بن رحبعم بن سلیمان ابن داؤد صلوات اللہ علیہما کی نسل سے ہے۔یوحنا یوحنانیا بن یوشیا (سولہواں بادشاہ بنی اسرائیل ایام جلاوطنی بابل میں پیدا ہوا تھا)(۳۱)۔ ''

حضرت مریم ام عیسیٰ کا تعارف:

بنی اسرائیل کے علما اپنے نومولود بچے کو ہیکل میں چھوڑ دیتے تھے جہاں وہ بلوغ کی عمر کو پہنچنے تک رہتا تھا۔ہیکل یروشلم کی عبادت گاہ کا نام ہے جسے بیت المقدس بھی کہتے ہیں۔اس کی تعمیر حضرت سلیمانؑ کے دور میں ہوئی تھی۔عمران کا خاندان بھی ایک بڑا علمی گھرانہ تھا۔عمران کی بیوی حنہ نے یہ منت مانی تھی کہ اگر میرا بیٹا پیدا ہوگا تو میں اسے اللہ کی نذر کروں گی جو ہیکل میں اللہ ہی کے کاموں کیلئے وقف ہوگا۔

حضرت زکریاؑ کے عہد میں بنی اسرائیل کی قوم میں حنہ نام کی ایک زاہدہ اور متقی عورت تھی اور اس کے شوہر کا نام عمران بن لاثان تھا۔اور یہ حضرت سلیمانؑ کی اولاد میں سے تھی۔اس حنہ سے پہلے ایک بیٹی اشیاع پیدا ہوئی اور ان کا نکاح حضرت زکریاؑ سے ہوا۔بعض کے مطابق حنہ کی بہن سے حضرت زکریاؑ کا نکاح ہوا تھا۔غرض حنہ جب آخری عمر میں حاملہ ہوئی تو وہ بیت المقدس میں جا کر خدا کی بندگی میں مشغول ہوکر نذر مانی کہ یارب میرے پیٹ میں جولڑکا ہوگا وہ میں نے تیری نذر کیا تا کہ وہ اس بیت المقدس کی خدمت کرے(۳۲)۔

جب حنہ کے ہاں بیٹی مریم پیدا ہوئی تو وہ رنجیدہ ہوئی کہ میں نے تو لڑکے کیلئے منت مانی تھی کیونکہ لڑکی کو وقف کرنے کا رواج نہ تھا۔اسی بات کا تذکرہ قرآن کریم میں آیا ہے:

﴿ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْم﴾(۳۳)۔

ترجمہ: جب عمران کی عورت کہہ رہی تھی کہ میرے پروردگار میں اس بچے کو جو میرے پیٹ میں ہے تیری نذر کرتی ہوں۔وہ تیرے کام کیلئے وقف ہوگا۔میری اس پیشکش کو قبول فرما۔تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔

چنانچہ جب اس کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی تو وہ افسوس کرنے لگی۔

جب حضرت مریمؑ کی والدہ ان کا دودھ چھڑوانے کے بعد اس ہیکل کے مجاوروں کے پاس لے گئیں تو عمران کی قدرومنزلت کی وجہ سے انہوں نے اس لڑکی کو ہیکل کیلئے قبول کرلیا۔بچی کی پرورش کا مرحلہ آیا تو فیصلہ ہوا کہ جس کے نام کا قرعہ نکلے گا وہی اس بچی کی پرورش کرے گا۔آخر قرعہ حضرت زکریاؑ کے نام نکلا جو حضرت مریمؑ کے خالو تھے انہوں نے آپکی ہیکل میں پرورش کی(۳۴)۔

حضرت عیسیٰؑ کی بشارت:

مریمؑ کی یہ حالت ہے کہ وہ مسجد میں عبادت کرتی تھیں اللہ نے انہیں ولادت سے مشرف فرمایا۔ ملائکہ نے مریم کو برگزیدگی کی بشارت دی اور یہ بشارت دی کہ بغیر واسطہ عادت انسانی کے تجھ سے لڑکا پیدا ہوگا اور وہ نبی ہوگا۔مریمؑ کو اس سے

تعجب ہوا ملائکہ نے کہا اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اس کے کرنے پر قادر ہے۔مریمؑ یہ سن کر خاموش ہو رہیں اور انہوں نے سمجھ لیا کہ خدائے پاک کا یہ معجزہ ہے۔مریم علیہا السلام کے جوان ہونے پر فرشتوں کی جانب سے پھر بشارت دی گئی۔اسکا ذکر قرآن نے تصریحاً کیا ہے(۳۵)۔

یعقوب بن یوسف نجار اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ:

بنی اسرائیل کے مذہب میں داخل تھا کہ جب کوئی عورت طریقہ ازدواج کو ناپسند کرتی تھی تو اس پر ہیکل کی مجاورت فرض ہو جاتی تھی اللہ نے یہ الہام کیا کہ اولاد ہارون جمع کی جائے اور مریمؑ کی طرف رجوع کی جائیں جس کے عصا سے کوئی علامت ظاہر ہو اس کے سپرد کی جائیں اور یہ اس کی زوجہ کی مشابہ ہوں گی۔۔۔یوسف نجار بھی اس مجمع میں تھا۔۔۔۔یوسف یہ سن کر بکراہیت تمام مریمؑ کو اپنے ہمراہ لے کر۔۔رہنے لگا ایک روز پانی۔۔چشمہ گئیں اس مقام پر ایک فرشتہ ظاہر ہو کر آپ سے ہم کلام ہوا اور ولادت عیسیٰؑ کی بشارت دی جیسا کہ قرآن پاک سے بنص صریح ظاہر ہوتا ہے اس کے بعد آپ بلا تعلق بشری حاملہ ہوئیں۔ یوسف یہ حمل دیکھ کر متعجب ہوا اور ناراضگی کا اظہار کیا کیونکہ کاہنوں نے اس سے تعلق بشری پیدا نہ کرنے کی شرط کر لی تھی۔مریمؑ نے یوسف کو آگاہ کیا مگر اس کو ان کے کہنے پر یقین نہ ہوا تب فرشتے نے جواب میں کہا۔۔یوسف خواب سے بیدار ہو کر مریمؑ کے پاس آیا اور تعظیماً اسے سجدہ کیا اور اپنے گھر میں لے گیا(۳۶)۔

انجیل متی میں یہ واقعہ یوں لکھا ہے کہ:

> ''مریمؑ کی منگنی یوسف کے ساتھ ہوگی ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ روح القدس کی قدرت سے حاملہ پائی گئی۔پس اس کے شوہر یوسف نے۔۔اسے چپکے سے چھوڑ دینے کا ارادہ کیا۔وہ ان باتوں کو سوچ۔۔کہ خداوند کے فرشتے نے اسے خواب۔۔کر کہا اے یوسف ابن داؤد! اپنی بیوی مریمؑ کو۔۔۔لے آنے سے نہ ڈر کیونکہ جو اس کے پیٹ میں ہے وہ روح القدس کی قدرت سے ہے۔اس کے بیٹا ہوگا اور تو اس کا نام یسوع رکھنا کیونکہ وہی۔۔نجات دے گا۔۔۔کہ جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا۔۔۔۔۔(۳۷)۔''

حضرت عیسیٰؑ کی ولادت:

چنانچہ حضرت مریمؑ بغیر کسی بشری مس کے حاملہ ہوگئیں۔وہ اس شدید آزمائش میں مبتلا ہونے کے بعد خاموشی کے ساتھ اپنے اعتکاف کا حجرہ چھوڑ کر نکل کھڑی ہوئیں کہ جب تک اللہ کی مرضی پوری نہ ہو قوم کی لعنت و ملامت اور عام بدنامی سے بچی رہیں۔قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا﴾(۳۸)۔

ترجمہ: مریم کو اس بچے کا حمل رہ گیا اور وہ اس حمل کو لیے ہوئے ایک دور مقام پر چلی گئی۔

دور کے مقام سے مراد بیت اللحم ہے۔حضرت مریمؑ کا اپنے اعتکاف سے نکل کر وہاں جانا ایک فطری امر تھا۔یہیں سے ہم مریم علیہا السلام کی پریشانی کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ کتنی مشکل آزمائش ڈالی گئی۔اسی لئے وہ دور مقام پر چلی گئی۔یہ واقعہ بجائے خود اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ حضرت عیسیٰؑ باپ کے بغیر پیدا ہوئے تھے۔اگر وہ شادی شدہ ہوتیں اور شوہر ہی سے ان کے ہاں بچہ پیدا ہو رہا ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ میکے اور سسرال سب کو چھوڑ چھاڑ کر وہ زچگی کے لیے تن تنہا ایک دور دراز مقام پر چلی جاتیں(۳۹)۔

اسی حالت اور پریشانی کے عالم میں فرشتے نے حضرت مریمؑ کو ندا دی اور کہا کہ کچھ غم نہ کرو اور تسلی دی۔آپ نے چپ کا روزہ رکھ لیا۔چنانچہ حضرت مریمؑ فرشتے کی اس ندا پر مطمئن ہو کر بچے کو گود میں لے کر بیت المقدس کی طرف چلیں۔

﴿فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا. يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا.﴾(۴۰)۔

ترجمہ: حضرت مریم اس بچے کو اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئی تو قوم کہنے لگی کہ اے مریم! یہ تو نے کیا کیا؟ اے ہارون کی بہن! تیرا باپ بدکار تھا اور نہ ہی تیری ماں بدکارہ تھی۔

مریمؑ نے بچے کی طرف اشارہ کر دیا۔لوگوں نے کہا کہ ''ہم اس سے کیا بات کریں جو گہوارے میں پڑا ہوا ایک بچہ ہے؟ بچہ بول اٹھا۔قرآن کریم میں اس واقعے کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

﴿ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا. قَالَ اِنِّيْ عَبْدُاللّٰهِ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ...﴾(۴۱)۔

ترجمہ: اس نے اس کی طرف اشارہ کیا۔انہوں نے کہا ہم گود کے بچے کے ساتھ ہمکلام کیسے ہو جائیں آپ نے کہا میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی اور جہاں بھی رہوں مجھے بابرکت بنایا۔

حضرت عیسیٰؑ کی ابتدائی پرورش کہاں ہوئی:

حضرت عیسیٰؑ کی ابتدائی پرورش کے متعلق مختلف روایات ہیں وہ یہ ہیں کہ جب آپؑ آٹھ روز کے ہوئے تو آپؑ کا ختنہ ہوا اور آپ کا نام یسوع رکھا گیا۔مختلف لوگوں نے اس سے مختلف مقامات مراد لئے ہیں جیسے دمشق،الرملۃ،بیت المقدس اور مصر(۴۲)۔

انجیل میں اس واقعے کو یوں بیان کیا گیا ہے:

''جب ہیرودیس مر گیا تو خداوند کے فرشتہ نے مصر میں یوسف کو خواب میں ۔کہا کہ اٹھ اس بچے اور ان کی ماں کو گود لے کر اسرائیل کے ملک میں چلا جا کیونکہ جو بچے کی جان کے خواہاں تھے وہی مر گئے ۔پس وہ اٹھا اور بچے اور اس کی ماں کے ساتھ اسرائیل کے ملک میں آ گیا ۔مگر۔۔اور خواب میں ہدایت پا کر گلیل کے علاقے کو روانے ہو گیا ۔اور ایک شہر میں جا بسا تا کہ جو نبیوں کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہو (۴۳) ۔''

جب حضرت عیسیٰؑ بڑے ہوئے تو نصرانیوں نے ان کی زبان سے تو ارت اور پچھلی کتابوں کا اذکار سن کر سمجھا کہ وہ اپنے اسلاف کے دین پر ہیں اور اس کی اشاعت کرتے ہیں ۔آپ نے اردن کے شہر طبریہ کی خانقاہ میں جسے ''المدارس'' کہا جاتا ہے، ۳۰ سال اور بعض روایات کے مطابق ۲۹ سال کی عمر تک قیام فرمایا (۴۴) ۔

حضرت عیسیٰؑ نے جب بنی اسرائیل کو اپنی دعوت کا منکر اور کفر پر آمادہ دیکھا تو اُن سے کہا اسکے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾ (۴۵) ۔

ترجمہ: پھر جب عیسیٰؑ نے محسوس کیا کہ بنی اسرائیل کفر وانکار پر آمادہ ہیں تو اس نے کہا: کون اللہ کی راہ میں میرا مددگار بنتا ہے ۔حواریوں نے جواب دیا، ہم اللہ پر ایمان لائے، گواہ رہو کہ ہم مسلم ہیں ۔

ان جانثاروں کی مدد سے آپ کی تحریک میں نئی جان پڑ گئی مگر روم کے شہنشاہ نے وہی خطرہ محسوس کیا جو آپ سے پہلے نمرود نے حضرت ابراہیمؑ سے اور فرعون نے حضرت موسیٰؑ سے کیا تھا ۔شہنشاہ روم نے آپؑ کو قتل کرنے کی ٹھانی ۔حضرت عیسیٰؑ کی قوم نے غداری کی اور آپؑ کو گرفتار کروا دیا ۔

منصب نبوت:

جناب عیسیٰؑ کی زندگی فقیرانہ عنوان سے بھری ہوئی ہے ۔آپ کی تیس برس کی عمر تک آپؑ کی والدہ کے خالو زکریا اور انکے بیٹے یحییٰؑ ابن زکریاؑ کو نبوت ملی اور اب انکے بعد آپؑ منصب نبوت پر فائز ہوئے اور زیادہ سے زیادہ ساڑھے تین برس تک آپؑ نبی کی حیثیت سے بندوں میں موجود رہے ۔تیس برس کی عمر میں پہنچنے کے بعد جب آپ نبوت کے منصب پر فائز کئے گئے تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے آپ کو نبی منتخب کیا اور آپ نے اعلائے کلمۃ الحق کیا ۔بنی اسرائیل کو توحید کی طرف بلایا ۔اور انہیں ایک آسمانی انقلاب کی دعوت دی ۔نیز خلافت الٰہیہ قائم کرنے پر وعظ کیا ۔آپ کے عہد رسالت میں بنی اسرائیل کو ہر وہ بات جو آپ انہیں فائدے کی غرض سے کہتے یہ اسے الٹا سمجھنے لگتے اور اپنے مفاد کے خلاف جانتے گویا نافرمانی اور ناشکری ان کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی ۔

حضرت عیسیٰؑ کے خلاف یہود کی سازشِ قتل:

حضرت عیسیٰؑ نے نہ شادی کی اور نہ بود و باش کیلئے گھر بنایا۔وہ شہر شہر، گاؤں گاؤں خدا کا پیغام سناتے۔جہاں بھی رات آ پہنچتی، وہیں کسی سرو سامان کے بغیر شب بسر کر لیتے۔چونکہ آپؑ کی ذات سے مخلوق خدا جسمانی اور روحانی دونوں طرح کی شفاء اور تسکین پاتی اس لئے آپؑ کا جس جانب سے گزر ہوتا خلقت کا انبوہ کثیر عقیدت کے ساتھ جمع ہو جاتا۔بنی اسرائیل کے یہود جو دعوت حق کے ساتھ بغض وعناد رکھتے تھے اور انہیں آپ کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے انتہائی صدمہ اور خطرہ محسوس ہوا تو ان کے سرداروں اور فقیہوں نے آپؑ کے خلاف سازش شروع کی اور بادشاہ وقت کو مشتعل کر کے آپؑ کو تختہ دار پر چڑھانے کا منصوبہ بنایا۔انجیل یوحنا میں اس کا ذکر موجود ہے۔

''یہود کے سردار اور گورنر پیلاطیس کے اہل کاروں کو اطلاع ملی کہ اسوقت عیسیٰؑ مع چند حواریوں کے ایک مکان میں بیٹھے ہیں تو انہوں نے موقع کو غنیمت جانا اور وہاں پہنچ کر مکان کا محاصرہ کر کے عیسیٰؑ کو گرفتار کر لیا اور پیلاطیس کے دربار میں پیش کر دیا اور یہود و نصاریٰ کے مطابق آپ کو سولی چڑھا دیا گیا(۴۶)۔''

جہالت کی تاریکی کا پردہ ہٹا کر قرآن کریم نے حقیقت حال کا رخ روشن کو جلوہ آراء کرنا ضروری سمجھا۔اللہ تعالیٰ نے آپ کی جان بچالی۔قرآن کریم نے صرف اتنا کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو آسمان پر اٹھالیا۔آیا اسی وقت جب آپؑ کو دشمنوں نے آپؑ کو سولی پر چڑھایا تھا یا بعد میں(۴۷)۔

کیونکہ قرآن کریم اس بارے میں واضح کرتا ہے:

﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُم.......وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا﴾(۴۸)۔

ترجمہ: نہ انہیں (حضرت عیسیٰؑ) کو قتل کیا گیا اور نہ انہیں سولی پر چھایا گیا، بلکہ یہ معاملہ ان پر مشتبہ کر دیا گیا۔۔۔۔اور انہوں نے مسیح کو یقیناً قتل نہیں کیا۔

رفع اور نزولِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام:

دنیا میں صرف یہودیوں کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰؑ مقتول و مصلوب ہو کر دفن ہو گئے اور پھر زندہ نہیں ہوئے اور ان کے اس خیال کی حقیقت قرآن پاک میں واضح کر دی گئی ہے۔حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کے دشمنوں کے کید کو خود انہی کی طرف لوٹا دیا جو کہ یہودی حضرت عیسیٰؑ کے قتل کیلئے مکان کے اندر گئے تھے۔اللہ تعالیٰ نے انہی میں سے ایک کی شکل و صورت تبدیل کر کے بالکل حضرت عیسیٰؑ کی صورت میں ڈھال دیا۔اور حضرت عیسیٰؑ کو زندہ آسمان پر اٹھالیا۔نصاریٰ کا کہنا یہ تھا کہ حضرت عیسیٰؑ مقتول و مصلوب تو ہو گئے مگر پھر دوبارہ زندہ کر کے آسمان پر اٹھا لئے گئے موجودہ انجیل بھی رفع آسمانی کی تصدیق کرتی ہے(۴۹)۔

مرقس کے مطابق:

''خداوند یسوع ان سے کلام کرنے کے بعد آسمان پر اٹھایا گیا۔ جیسے یہودی اپنے ہی آدمی کو قتل کرکے خوشیاں منا رہے تھے۔ اس سے یہ دھوکہ عیسائیوں کو بھی لگ گیا کہ قتل ہونے والے عیسیٰؑ ہیں، اس لئے شُبِّہَ لَھُم کے مصداق یہود کی طرف نصاریٰ بھی ہو گئے (۵۰)۔''

ان دونوں گروہوں کے بالمقابل اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہودیوں کے ہاتھ نجات کیلئے آسمان پر اٹھالیا نہ کہ ان کو قتل کیا جاسکا۔ وہ زندہ آسمان پر موجود ہیں اور قرب قیامت میں آسمان سے نازل ہوکر یہودیوں پر فتح حاصل پائیں گے اور آخر میں طبعی موت سے وفات پا جائیں گے (۵۱)۔

اسی عقیدہ پر تمام امت مسلمہ کا اجماع و اتفاق ہے۔ حافظ ابن کثیر نے تفسیر میں لکھا ہے:

''رسول اللہ ﷺ کی احادیث اس معاملے میں متواتر ہیں کہ آپ ﷺ نے عیسیٰؑ کے قبل قیامت نازل ہونے کی خبر دی ہے (۵۲)۔''

خلاصہ یہ ہے کہ عیسیٰؑ اس وقت بھی صفت نبوت و رسالت سے الگ نہیں ہوں گے۔ اور جس ان کی نبوت سے انکار کفر تھا اس وقت بھی کفر ہوگا۔ تو امت مسلمہ جو پہلے سے ان کی نبوت پر قرآنی ارشادات کی بنا پر ایمان لائے ہوئے ہے اگر نزول کے وقت ان کو نہ پہچانے تو انکار میں مبتلا ہو جائے گی (۵۳)۔''

حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات:

حضرت عیسیٰؑ نے حق تعالیٰ کی توحید اور اپنی رسالت کی تعلیم دی۔ عیسائیوں کی کتاب متی میں ہے:

''پھر ابلیس (یسوع کو) ایک اور اونچے پہاڑ پر لے گیا اور دنیا کی سب سلطنتیں اور ان کی شان و شوکت اسے دکھائی اور اس سے کہا کہ اگر تو جھک کر مجھے سجدہ کرے تو یہ سب کچھ تجھے دے دوں گا۔ یسوع نے اس سے کہا اے شیطان دور ہو کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر (۵۴)۔''

انجیل مرقس میں ہے:

''ایک فقیہہ نے یسوع سے پوچھا کہ سب حکموں میں اول کون سا ہے؟ یسوع نے جواب دیا کہ اول یہ ہے اے اسرائیل سن: خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے اور تو خدا سے اپنے سارے دل سے اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ۔ دوسرا یہ کہ تو اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ، ان سے بڑا اور کوئی حکم نہیں (۵۵)۔''

عیسائی مذہب کی کتابوں سے توحید ربانی کا کہیں کہیں پتہ چلتا ہے، مگر وہ بھی خال خال۔لیکن عیسائی توحید خالص کے قائل نہیں۔وہ حضرت مریمؑ کو بھی خدا مانتے ہیں، حضرت عیسیٰؑ کو بھی خدا مانتے ہیں، بلکہ ابن اللہ (خدا کا بیٹا) کہتے ہیں:

﴿قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلاثَه﴾(۵۶)۔

ترجمہ: انہوں نے کہا کہ اللہ تین میں سے تیسرا ہے۔

﴿وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ﴾(۵۷)۔

ترجمہ:نصاریٰ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ اللہ کے بیٹے ہیں

مخالفین کا بے جا غصہ:

حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات عمدہ تھیں۔آپؑ نے شرک کی بجائے حق تعالیٰ کی توحید کو عام کیا۔آپ نے اخلاقی محنت اور معاشرتی اصلاح پر زور دیا۔نتیجۃً آپ کے بارے میں دو گروہ آپ کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے۔اس کی وجہ یہ تھی کہ جب حضرت عیسیٰؑ ربانی پیغام لے کر شہر شہر، قریہ قریہ گھومے، تو وقت کے احبار اور رہبان علماء سوء نے اسے اپنی موت سمجھا، کہ اب ہماری مذہبی اجارہ داری کا چراغ بجھ جائے گا۔عیسائی کتب کی رو سے یہودی مخالفت اس لئے کرتے تھے کہ حضرت عیسیٰؑ نے یہودیوں کو سخت اور درشت لہجے میں مخاطب ہو کر فرمایا:

''اے ریا کارو، فقیہو اور فریسیو! تم نبیوں کے قاتلوں کے فرزند ہو۔اے سانپو! اے افعی کے بچو، تم جہنم کی سزا سے کیونکر بچو گے؟ (۵۸)۔''

حضرت عیسیٰؑ کی اس جرأت پہ یہودیوں کے غصے کی آگ بھڑک اٹھی، پھر یہودیوں کو یہ غصہ بھی تھا کہ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا:

''سبت ابن آدم کیلئے ہے، نہ کہ ابن آدم سبت کیلئے (۵۹)۔''

چونکہ یہودی سبت (ہفتے) کو متبرک اور حرمت والا دن سمجھتے تھے، پھر یہودی یوں کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰؑ کے حواری ہاتھ دھونے کے بغیر کھانا کھانے لگ جاتے ہیں (۶۰)۔

حضرت عیسیٰؑ فرماتے تھے کہ پاکیزگی اصل دل کی ہے، ظاہری عبادت کی کوئی قیمت نہیں ہے۔مگر یہودی اپنے تئیں پاک و صاف بنتے تھے''۔پھر یہودیوں کو یہ غصہ تھا کہ حضرت عیسیٰؑ نے یروشلم کی تباہی و بربادی کیلئے بد دعائیں کیں۔چونکہ یہودی اس شہر کو مقدس سمجھتے تھے نیز یہودی یہ بھی الزام لگاتے تھے کہ حضرت عیسیٰؑ اپنے آپ کو خدا کا بیٹا کہلاتے ہیں۔یہودیوں نے ایک اور پروپیگنڈہ یہ شروع کر دیا کہ حضرت عیسیٰؑ داؤد کے تخت کا وارث ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، جس سے رومی حکومت کا تختہ الٹ جائے گا۔پھر وہ اپنے آپ کو بہت اونچا سمجھتے تھے، غریب طبقے کے لوگوں سے میل

ملاپ رکھنا اپنی توہین سمجھتے جبکہ حضرت عیسیٰ ؑ کا پیغام، پیغام محبت واخوت تھا۔اس بناء پر وہ عیسیٰ ؑ کے مخالف ہو گئے(۶۱)۔

یہودیوں نے حضرت عیسیٰ ؑ کے خلاف حکومت وقت کو خوب اکسایا کہ

حضرت عیسیٰ ؑ اپنے کو خدا کا بیٹا کہلواتے ہیں اور اس حکومت کے خلاف بددعا کرتے ہیں اور اپنی نئی حکومت قائم کرکے رومی حکومت کا تختہ الٹنا چاہتے ہیں۔علماءسوء، یہودیوں، فریسیوں کے احتجاج پر حضرت عیسیٰ ؑ (مسیح ؑ) کو گرفتار کرلیا جاتا ہے اور عیسائی کتب کی رو سے حضرت عیسیٰ ؑ پر دو فرد جرم عائد کی جاتی ہیں۔ایک یہ کہ وہ اپنے کو خدا کہلواتے ہیں۔دوسرا یہ کہ حکومت وقت کا تختہ الٹنا چاہتے ہیں۔صفائی کیلئے آپ ؑ کو پیلاطس کی کچہری میں ایک ملزم کی حیثیت سے لایا گیا۔حضرت مسیح ؑ نے اپنے اوپر لگنے والے الزام کا جواب یہ دیا کہ خدا کا بیٹا کہلوانا مجازی کلمات ہیں۔کیونکہ تو رات میں علماء کو خدا تک کے لفظ سے پکارا گیا۔دوسرے الزام کا جواب یہ دیا کہ میرا مقصد زندگی کی دنیاوی حکومت قائم کرنا نہیں بلکہ میں آسمانی حکومت قائم کرنے آیا ہوں(۶۲)۔

مبحث سوم: عیسائیت کے دینی سرمائے کا تعارف

عیسائیوں کی مذہبی کتاب بائبل ہے۔ جو عہد نامہ جدید کے نام سے مشہور ہے۔ یہودی عہد نامہ قدیم کو مانتے ہیں اور عیسائی عہد نامہ جدید کو اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ عہد نامہ جدید ناسخ ہے اور قدیم منسوخ ہے۔ عہد نامہ جدید چار انجیلوں پر مشتمل ہے۔ ان کے علاوہ اور انجیلیں بھی ہیں، لیکن عیسائی ان کو مستند نہیں مانتے۔ مسلمانوں کے نزدیک آج کل کوئی انجیل اپنی اصلی شکل میں نہیں ہے۔ جو کچھ ان میں ہے، وہ من جانب اللہ نہیں ہے، بلکہ عیسائیوں کا خانہ ساز مواد ان میں پایا جاتا ہے۔ اگر ان کی کوئی بات قرآن کریم سے ملتی جلتی ہے، تو ہم اسے اتفاقیہ کہہ سکتے ہیں۔

مسیحی کتاب مقدس بائبل کے دو بڑے حصے ہیں۔ پہلا حصہ پرانا عہد نامہ اور دوسرا نیا عہد نامہ کہلاتا ہے۔ نئے عہد نامہ یا انجیل خالصتاً عیسائیوں کی مقدس کتاب ہے۔ پروٹسٹنٹ عیسائی عہد نامہ قدیم کی ۳۹ جبکہ کیتھولک' اینگلی کان اور مشرقی کلیسا سے متعلق عیسائی عیسائی مزید کچھ اور کتابوں کو مانتے ہیں (۶۳)۔

انجیل کا تعارف:

انجیل کو عام طور یونانی زبان کا لفظ قرار دیا گیا ہے۔ یونانی زبان میں اس کے لغوی معنی ہیں خوشخبری/بشارت، آکسفورڈ ڈکشنری یہ بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ لفظ انجیل یونانی لفظ (Anggeloss) سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں پیغامبر (۶۴)۔

مسیحیوں کے نزدیک آج کل بنیادی طور پر انجیل سے مراد وہ چار کتابیں ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات زندگی' معجزات اور تعلیمات کے متعلق مختلف وقفوں میں لکھی گئیں اور متی' مرقس' لوقا اور یوحنا کی طرف منسوب ہیں' لیکن کبھی کبھی پورے عہد نامہ جدید کے لئے بھی انجیل کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اور یہ موجودہ بائبل کا حصہ ہے۔ بعض علماء شریعت نے انجیل کو عربی لفظ قرار دے کر اس کا مادہ ''ن ج ل'' بتایا ہے۔ نجل الشی ء کے معنی ہے اسے ظاہر اور روشن کیا اور نجل کے معنی اصل' بنیاد اور استخراج کے بھی ہیں۔ عربی میں انجیل کی ایک قراءت اَنجیل بھی ہے۔ اَنجل کے معنی ہیں عریض و وسیع قرآن کریم کے مطابق انجیل وہ کتاب ہے جو عیسیٰ پر نازل ہوئی (۶۵)۔

کیونکہ انجیل کے قدیم ترین تراجم سریانی سے عربی میں ہوئے ہیں۔ اس لئے زیادہ قرین قیاس ہے کہ اصل یونانی لفظ سریانی کی وساطت سے عربی میں آیا۔ سریانی اناجیل بھی (Evangelion) کے نام سے شائع ہوئی ہیں۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ لفظ انجیل سریانی الأصل ہے۔ انجیل بقول ابن منظور افریقی عبرانی اسم ہے یا سریانی۔ حضرت عیسیٰ اور اُنکے حواری نسلاً اور مذہباً اسرائیلی تھے۔ اور ان کی مادری اور مذہبی زبان عبرانی تھی یا مغربی آرامی پھر ابتدائی عیسائیوں اپنے مذہبی صحیفے اور نیز مقتدائے دین کے لئے جو کتاب لکھی ان کا نام عبرانی کی بجائے یونانی رکھنے کی وجہ کچھ یوں بیان کی گئی ہے۔ جب ہم پتہ چلالیں کہ اناجیل اصلاً کس زبان میں تھیں اگر عبرانی میں تھیں اور بعد میں ان کا ترجمہ یونانی زبان میں کیا گیا تو ظاہر ہے کہ کتاب کا نام انجیل نہیں ہوگا جو یونانی لفظ ہے لیکن جس

طرح ہمارے پاس اصل عبرانی اناجیل کیطرح اس کا اصل نام بھی ناپید ہو چکا ہے(۶۶)۔
انجیل کو بشارت اسی لئے کہا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ نبی آخرالزمان ﷺ کی بشارت دینے آئے تھے(جن کا ایک اسم مبارک احمد بھی تھا) ارشاد ربانی ہے: ﴿وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّأْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ﴾(۶۷)۔

ترجمہ: اور ایک رسول کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئیگا اس کا نام احمد ہے۔

پھر یہ کہ خود حضرت عیسیٰ کا ظہور قدیم نوشتوں کی بشارتوں کے مطابق ہوا تھا(۶۸)۔

البیان فی علوم القرآن کا مصنف انجیل کے معنی کے متعلق لکھتا ہے:

''انجیل معرّب ہے انگلیمول کا جس کے معنی یونانی زبان میں بشارت اور تعلیم کے ہیں(۶۹)۔''

انجیل کے جدید نام کے متعلق یہودی انسائیکلوپیڈیا کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

''انجیل کو عہدنامہ جدید یا (New Testament) کا نام عیسائیوں نے دوسری صدی عیسوی کے آواخر میں دیا(۷۰)۔''

عہدنامہ جدید کے متعلق انسائیکلوپیڈیا آف ریلجن اینڈ اتھکس کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

''عہدنامہ جدید کو مقدس اور الہامی کتاب قرار دینے کا تصور عیسائیت میں یہودیت سے آیا(۷۱)۔''

حضرت عیسیٰ کی انجیل:

حضرت عیسیٰ کو انجیل عطا ہوئی تھی لیکن واضح رہے کہ اس الہامی اور آسمانی کتاب کا ان انجیلوں سے کوئی تعلق نہیں جو آج موجود ہیں۔چونکہ موجودہ اناجیل حضرت مسیح کے اٹھ جانے کے تقریباً تیس سال بعد سے لکھی جانا شروع ہوئیں اور ان لوگوں نے ان کو لکھا جن کو خود بھی حضرت مسیح کی دید کا شرف حاصل نہیں ہوسکا۔ان کا درجہ سیرت کی کتب سے زیادہ نہیں۔جیسا کہ لوقا نے اپنی انجیل کے آغاز میں پوری طرح واضح کردیا ہے(۷۲)۔

کتاب مقدس کا دوسرا حصہ جو موجودہ دور میں نیا عہدنامہ کہلاتا ہے جو ستائیس کتابوں پر مشتمل ہے۔رحمت اللہ کیرانوی لکھتے ہیں:

''وأما القسم الأول من العهد الجديد فعشرون كتابا' انجيل متى ' انجيل مرقس' انجيل لوقا ' انجيل يوحنا ويقال لهذه الأربعة اناجيل ولفظ الأنجيل مختص بكتب هولاء الأربعة وقد يُطلَق على مجموع كتب العهد الجديد(۷۳)۔''

ترجمہ: عہد جدید کی جو پہلی قسم ہے ان میں بیس کتابیں ہیں۔انجیل متی، انجیل مرقس، انجیل لوقا، انجیل یوحنا، اور ان چاروں کے مجموعے کو انجیل کہا جاتا ہے۔اور لفظ انجیل ان چار کتابوں کے ساتھ مخصوص ہے۔اور ان سب کے مجموعے کو عہد جدید بھی کہا جاتا

ہے۔

نئے عہدنامے کی کتابوں کے نام درج ذیل ہیں۔

۱۔ متی کی انجیل ۲۔ مرقس کی انجیل ۳۔ لوقا کی انجیل ۴۔ یوحنا کی انجیل

۵۔ رسولوں کے اعمال ۶۔رومیوں کے نام خط ۷۔کرنتھیوں کے نام کا پہلا عام خط ۸۔ کرنتھیوں کے نام کا دوسرا عام خط، ۹۔گلتیوں کے نام کا پہلا خط

۱۰۔ افسیوں کے نام کا خط ۱۱۔فلپیوں کے نام کا خط ۱۲۔ کلسیوں کے نام کا خط

۱۳۔ تھسلنیکیوں کے نام کا پہلا خط ۱۴۔ تھسلنیکیوں کے نام کا دوسرا خط۔

۱۵۔ تیمتھیس کے نام کا پہلا خط ۱۶۔ تیمتھیس کے نام کا پہلا خط

۱۷۔ ططس کے نام کا خط ۱۸۔فلیمون کے نام کا خط ۱۹۔ عبرانیوں کے نام کا خط۔

۲۰۔ یعقوبؑ کا عام خط۔ ۲۱۔ پطرس کا پہلا عام خط،۲۲۔ پطرس کا دوسرا عام خط

۲۳۔ یوحنا کا پہلا عام خط ۲۴۔ یوحنا کا دوسرا خط ۲۵۔ یوحنا کا تیسرا خط

۲۶۔ یہودا کا عام خط ۲۷۔ یوحنا عارف کا مکاشفہ (۷۴)۔

یہاں صرف اناجیل اربعہ کے متعلق مختصراً لکھا جاتا ہے:

انجیل متی: یہ سب سے پرانی ہے۔اس کا مؤلف نامعلوم ہے۔اس کے احوال سے کوئی آگاہ نہیں ہوا۔بعض عیسائی مصنفین یوں کہتے ہیں کہ اس انجیل کا ایک حصہ حضرت عیسیٰ ؑ کے ایک حواری متی نے ترتیب دیا،لیکن وہ کافی عرصہ پہلے گم ہوگیا تھا۔اس میں عیسیٰ علیہ السلام کے مواعظ جمع ہیں۔ انجیل متی موجودہ کا مصنف ومؤلف کون ہے،اس کے بارے میں تمام مؤرخین محوسکوت ہیں۔پروفیسر ہارنک کے بقول یہ انجیل ۸۰ سے ۱۰۰ عیسوی کے درمیان تحریر ہوئی (۷۵)۔

انجیل مرقس:

اس انجیل کا ذکر سب سے پہلے مورخ یوی بس نے اپنی تاریخ کلیسا میں کیا۔اس کے مطابق مرقس ایک یونانی الأصل یہودی تھا۔ پہلے پال اور برنباس کا رفیق تھا۔ اُن سے علیحدہ ہوکر پطرس حواری کی خدمت میں رہنے لگا۔ ۶۴ عیسوی میں پطرس جب عیسائیوں کے ہاتھوں قتل ہوئے تو مرقس نے اس حادثے کے بعد مسیح کی سیرت تحریر کی۔گزشتہ صدی کے مورخین کے مطابق مروجہ انجیل مرقس کا ماخذ وہی ملفوظ ہے جسے مرقس نے لکھا لیکن موجودہ صورت میں آخر کی ۱۲ آیات جن میں رفع اور نزول عیسیٰ کا تذکرہ ہے دوسری صدی میں الحاق کردی گئیں ہیں (۷۶)۔

انجیل لوقا:

غیر یہود میں جس شخص نے انجیل کو مورخانہ حیثیت سے لکھا وہ لوقا ہے جو ایک یونانی الاً صل باشندہ اطالیہ تھا۔ لوقا طباعت کا پیشہ کرتا تھا اور کہا جاتا ہے وہ سینٹ پال کا رفیق اور اس کے کاموں میں شریک رہتا تھا۔ پروفیسر برکٹ کے قول کے مطابق لوقا نے پہلے صدی کے آخر میں اس انجیل کو لکھا' اس انجیل کے علاوہ اس نے اعمال حوارین کی کتاب بھی (جو عہد جدید میں داخل ہے) لکھی ہے (۷۷)۔

انجیل یوحنا:

اسے حضرت عیسیٰ کے ایک حواری یوحنا نے ترتیب دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ حضرت عیسیٰ کا حواری نہیں تھا، بلکہ ایک اور یوحنا تھا، جو ایشیائے کوچک کا باشندہ تھا۔ یہ پہلی صدی عیسوی کے اواخر میں مرتب ہوئی۔ اس کا انداز بیان دوسری اناجیل سے مختلف ہے۔ اس میں یونانیوں کے فلسفے کی آمیزش بھی کہیں کہیں دکھائی دیتی ہے۔ اس میں ایک بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ تعلیمات مسیح کو بطور استدلال پیش کیا گیا ہے۔ دوسری تینوں اناجیل اس قسم کے ارشادات سے تہی دامن اور خالی ہیں۔

ان چاروں انجیلوں میں ردوبدل کیا گیا ہے۔ مختلف مصنفین کے متعلق میں مختلف خیالات پائے جاتے ہیں۔ کبھی کسی زبان میں تصنیف ہوئیں اور کبھی کسی زبان میں۔ آج یہ اپنی اصلی شکل میں موجود نہیں ہیں۔ حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ کا شجرہ نسب بھی آج متضاد پیرائے میں ملتا ہے اور چاروں انجیلیں باہم ایک دوسرے سے مختلف ہیں (۷۸)۔

چاروں اناجیل' حواریوں کے اعمال' حواریوں کے اکیس خطوط اور یوحنا عارف کا مکاشفہ یہ سب ستائیس کتابیں بائیبل کے دوسرے حصے میں شامل ہیں، انہیں کو عہد نامہ جدید کہتے ہیں (۷۹)۔

عہد نامہ جدید کے ترجمے متعدد ہیں لیکن سب سے زیادہ شہرت اس ترجمہ کو حاصل ہے۔ جسکو جیروم نے یونانی سے لاطینی زبان میں ۳۸۳ء میں کیا۔ یہ ترجمہ ولگیٹ کہلاتا ہے انگریزی زبان میں مروجہ عہد نامہ جدید جو شاہ جیمس کے زمانے میں ۱۶۱۰ء میں شائع ہوا، اس ولگیٹ کا ترجمہ ہے۔ اسکے بعد ایک اور ترجمہ ۱۸۸۱ء میں شائع ہوا۔ جو تصحیح شدہ ایڈیشن (Revised Edition) کے نام سے موسوم ہوا (۸۰)۔

حواشی وحوالہ جات

باب اول/فصل ثانی

۱۔ بشیر احمد، بائیبل کا تحقیقی جائزہ، ص:۱، اسلامک اسٹڈی فورم راولپنڈی ۲۰۰۳ء

۲۔ عہد نامہ قدیم، استثنا، ۲۳:۲'

۳. A Dictionary of Comparative Religion by prof. Dr. S.G.F Broandon M.A, D.D. 1974,p: 373

۴۔ انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا مقالہ، عیسائیت، ص:۵/ ۶۹۳۔

۵۔ رحمت اللہ کیرانوی، مترجم، اکبر علی، مولانا تقی عثمانی، بائیبل سے قرآن تک، ص:۴۱

۶۔ اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، ص:۳/۱۱۸۳۔ **یروشلم**: یروشلم لفظ یہودا و رعیسائیوں میں مستعمل ہے۔ مسلمان اس کی جگہ بیت المقدس استعمال کرتے ہیں۔اسے یہودی اور عیسائی کتب میں صہیون بھی کہا گیا۔ عبرانی میں اورشلیم کہا جاتا ہے۔ پہلی صدی میں ایلیاہ کا نام دیا گیا مزید تفصیل کے لئے دیکھئے حوالہ نمبر:۴۲

۷۔ ایضاً

۸۔ عہد نامہ جدید' انجیل لوقا' ۲:۱۲

۹۔ رشید احمد' تاریخ مذاہب' ص:۲۱۵

۱۰۔ اَیضا۔

۱۱۔ انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا مقالہ، عیسائیت، ص:۵/ ۶۹۳۔

۱۲۔ محمد نا در رضا صدیقی، پاکستان میں مسیحیت، ص:۶۱ / ۶۲، مسلم اکادمی، محمد نگر، لاہور، ۱۹۷۹ء

۱۳۔ انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا مقالہ، عیسائیت، ص:۵/ ۶۹۳۔

۱۴۔ النساء:۱۵۷تا۱۵۹۔

۱۵۔ جمیل احمد، انبیائے قرآن، ص:۳/۵۷۴

۱۶۔ اردو جامع انسائیکلوپیڈیا' ص:۱۱۸۳' ابو خلیل شوقی' اَطلس القرآن' ص:۱۸۹
غلام رسول، چوہدری، مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا، ص:۴۳۶

۱۷۔ المائدہ:۱۱۶، النساء:۱۷۱، آل عمران:۵۹، ۵۵، ۵۲، ۸۴، ۔البقرۃ:۸۷، ۱۳۶، ۲۵۳۔

الانعام:۸۵،المریم:۳۴

۱۸۔ المریم:۳۰،النساء:۱۵۷،المائدہ:۷۵ا،النساء:۱۷۱۔التوبہ:۳۰،۳۱

۱۹۔ البقرۃ:۸۷،۲۵۳۔آل عمران:۴۵۔النساء:۱۵۷،۱۷۱۔المومنون:۲۳۔الاحزاب:۳۳۔ الزخرف:۴۳

۲۰۔ امام راغب اصفہانی،مفردات القرآن،ص:۳۸۲ ،مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ،ص:۴۳۶۔

۲۱۔ ابوالکلام آزاد،انبیائے کرام،ص:۲۷۰

۲۲۔ ساجد میر'عیسائیت ایک تجزیہ اور مطالعہ' ص:۸۵۔دارالسلام لاہور۔ابوالکلام آزاد،ترجمان القرآن'ص:۳/ ۳۳۶۔متی' ۱:۱۶۔**بیت اللحم**: بیت المقدس سے جنوب کی طرف تقریباً چھ میل کے فاصلہ پر ہے۔عیسائی اسی شہر حج کیلئے جاتے ہیں۔ابتدا میں اسکا نام''افرات''تھا اسے بیت اللحم افراتاہ، بیت اللحم یہوداہ اور شہر داؤد بھی کہا گیا ہے(دیکھئے، پیدائش،۳۵:۱۶، میکاہ،۵:۲۔سموئیل،۱۷:۱۲۔لوقا،۲:۴)

۲۳۔ أیضا۔لوقا،۲:۴۔۲۳۔۴:۶،**ناصرہ**: شمالی اسرائیل کا ایک قصبہ،طبریہ سے ۱۳میل دور۔مسیح نے تبلیغ سے قبل کافی وقت یہاں گزارا۔اسلئے مسیح ناصری مشہور ہوئے۔یہ مقام زیارتوں کا مرکز ہے۔نصاریٰ کی نسبت بھی اسی قصبے سے وابستہ ہے۔۔نیز یوحنا کے مطابق مریمؑ حاملہ ہونے کے بعد بیت اللحم کے قصبہ سے آکر گلیلی کے علاقہ کا چھوٹا سا گاؤں **بیتھلیہن الناصرہ** (Bethlehen- EN-Nosiryyah) بیتھلیہن الناصرہ جو ناصرہ سے ۷میل شمال مغرب کی جانب تھا،وہاں اپنی بہن کے پاس آگئیں۔دیکھئے، یوحنا،۱:۴۶:۷:۴۰تا ۴۳،۵۲۔یاقوت حموی،معجم البلدان:۸/۵۲۳۔اردو جامع انسائیکلوپیڈیا،ص:۲/ ۱۶۹۸۔مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ،ص:۴۳۷

۲۴۔ عہدنامہ جدید،متی،۲۱:۱۱،لوقا،۱:۵،۲۶،۲۸،۲:۱تا۷۔جمیل احمد'انبیائے قرآن 'ص:۳/۳۴۰،۱۵۸

۲۵۔ آل عمران:۴۵

۲۶۔ عہدنامہ جدید،متی،۱:۱،ص:۵'مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: مبحث ثانی فصل اول باب اول 'عیسیٰ''۔

۲۷۔ عہدنامہ جدید،متی'۱:۱۶۔

۲۸۔ کوثر نیازی'آئینہ تثلیث'ص:۱۱۴،فیروزسنز،لاہور،۱۹۷۳۔

۲۹۔ عہدنامہ جدید،لوقا'۳:۲۳۔کوثر نیازی'آئینہ تثلیث'ص:۱۴۔

۳۰۔ ابن اسحٰق، تاریخ ابن اسحٰق، ص: ۱/۱۵۳، دارالمعرفہ بیروت، لبنان، ۱۴۲۰ ۔آئینہ تثلیث، کوثر نیازی، ص: ۱۴

۳۱۔ ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، ص: ۲/۲۲۱

۳۲۔ شکیل ممتاز، قصص الانبیاء، ص: ۳۱۲، مکتبہ رحمانیہ لاہور۔

۳۳۔ آل عمران: ۳۵۔

۳۴۔آل عمران: ۴۴۔آپ کے معاملات دیکھ کر حضرت زکریاؑ نے اللہ تعالیٰ سے اولاد کی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت یحییٰؑ کی پیدائش کی بشارت دی

۳۵۔آل عمران: ۴۵

۳۶۔ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، ص: ۲/۲۲ تا ۳۲

۳۷۔عہد نامہ جدید، متی ۱: ۱۸ تا ۲۲

۳۸۔المریم: ۲۲۔یہودیت ونصرانیت، مولانا مودودی، ص: ۳۲۰، ۳۲۱۔

۳۹۔المریم: ۲۵ تا ۲۸۔بنی اسرائیل کے مقدس ترین گھرانے بنی ہارون کی لڑکی اور پھر وہ بیت المقدس میں خدا کی عبادت کیلئے وقف ہو کر بیٹھی تھی۔یکا یک حاملہ ہوگئی۔اس حالت میں اگر وہ اپنی جائے اعتکاف پر بیٹھی رہیں اور ان کا حمل لوگوں پر ظاہر ہوجاتا تو خاندان والے ہی نہیں، قوم کے دوسرے لوگ بھی ان کا جینا مشکل کر دیتے اس لیے شدید آزمائش میں مبتلا ہونے کے بعد اپنے حجرے کو چھوڑ کر نکل کھڑی ہوئیں

۴۰۔ ابوالکلام آزاد، انبیائے کرام، ص: ۱۵۸، شیخ غلام علی اینڈ سنز۔نیز دیکھئے کوثر نیازی، آئینہ تثلیث، ص: ۱۴

۴۱۔المریم: ۲۷ تا ۲۸۔نیز دیکھئے یہودیت اور نصرانیت، مولانا مودودی، ص: ۳۲۲، ۳۲۳۔

۴۲۔**دمشق**: شام کا سب سے بڑا شہر اور دارالحکومت جو سطح سمندر سے تقریباً ۷۰۰ میٹر بلند ہے۔صحرا کی حد پر، لبنان شرقیہ کے سلسلہ کوہ کی شرقی پہاڑی جبل قاسیون کے دامن میں واقع ہے

رملہ: فلسطین کا صدر مقام جو بیت المقدس کے شمال مشرق میں ۲۵ میل کے فاصلے پر واقع ہے

بیت المقدس: بیت المقدس جسے القدس بھی کہا جاتا ہے مسلمانوں کا قبلہ اول، مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرہ اور جامع عمر بھی ادھر ہے۔اسے یروشلم بھی کہاجاتا ہے۔جس کے معنی مبارک گھر کے ہیں۔مکہ سے اس کا فاصلہ ۱۳۰۰ کلومیٹر ہے۔یعقوبؑ نے جہاں مسجد تعمیر کی اس جگہ کا نام بیت ایل رکھا گیا ہے جواب

بیت المقدس کہلاتا ہے ۔اردو جامع انسائیکلوپیڈیا،۱/۲۸۵

مصر: افریقہ کے شمال مشرقی کونے میں آباد بڑا اسلامی ملک ہے،شمال میں بحیرہ روم،جنوب میں سوڈان مغرب میں لیبیا،مشرق میں بحیرہ قلزم واقع ہیں،یہ عمر فاروق کے عہد میں ۲۰ھ میں عمرو بن العاص نے فتح کیا

۴۳۔ عہدنامہ جدید،متی ۲:۱۹ تا ۲۳۔

۴۴۔المسعودی،تاریخ المسعودی،ابوالحسن بن حسین بن علی المسعودی،ص:۱/۸۰۔

۴۵۔ آل عمران:۵۲۔

۴۶۔عہدنامہ جدید،یوحنا،باب ۱۸،۱۹

۴۷۔مولوی محمد انور،تاریخ الانبیاء،ص:۱۸۵،۱۸۶ نگارشات لاہور

۴۸۔ النساء:۱۵۷

۴۹۔ ابن کثیر،تفسیر ابن کثیر،ص:۱/۷۰۸۔

۵۰۔ عہدنامہ جدید،مرقس،۱۹:۱۶

۵۱۔ ابن کثیر،تفسیر ابن کثیر،ص:۱/ ۷۰۸۔

۵۲۔ایضاً

۵۳۔مفتی محمد شفیع،معارف القرآن،ص:۲/۸۰،۸۱ ادارہ معارف القرآن کراچی

۵۴۔عہدنامہ جدید،متی،۸:۴

۵۵۔عہدنامہ جدید،مرقس،۲۹:۱۲

۵۶۔المائدہ:۷۳

۵۷۔ المائدہ،۱۱۶،۱۱۷ التوبۃ:۳۱

۵۸۔عہدنامہ جدید،متی،۱۳:۲۳

۵۹۔عہدنامہ جدید،مرقس،۲۷:۲

۶۰۔ایضاً

۶۱۔ایضاً،محمد ادریس کاندھلوی،اسلام اور عیسائیت،ص:۹۵،علمی کتب خانہ،لاہور،۱۹۸۹ء

۶۲۔ایضاً

۶۳۔ساجد میر ' عیسائیت کا تجزیہ اورمطالعہ ' ص: ۱۸ .اردو دائرہ معارف اسلامیہ ' ص :۳/ ۳۰۷،۳۰۸۔اردو جامع

انسائیکلوپیڈیا،ص:۱/۲۱۲،۲۱۳۔ Encyclopaedia Americana,vol:20,p:228۔1401

Collier's Encyclopeadia,vol.4, P.116 to 120, Compton's Encyclopeadia, vol:2, p:149..

64.,. Encyclopaedia Britannica , vol:10, p:536

Chamber Dictionary,p:220.,Oxford Dictionary,p:423

۶۵۔اردو دائرہ معارف اسلامیہ،ص:۳/۳۰۷،۳۰۸،۳۰۹ ۔تاج العروس،ص:۸/۱۳۸۔ابن منظور 'لسان العرب' مادہ نجل،ص:۱۱/۶۴۶ ۔آنحضرت ﷺ نے صحابہ کے متعلق فرمایا:'صدورھم اناجیلھم'' 'یعنی وہ قرآن مجید کی مدد کے بغیر حفظاً پڑھ لیتے تھے جبکہ اہل کتاب اپنی کتاب صحیفوں کی مدد سے پڑھتے ہیں۔تفسیر کشاف،۱/۳۳۵۔الجوالیقی،المعرب،ص:۸۰

66. Encyclopedia Britannica , vol:3, p525

۶۷۔الصّف:۶۔

۶۸۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ،ص:۳/۳۰۸ مقالہ انجیل۔

۶۹۔ محمد عبدالحق حقانی'البیان فی علوم القرآن'ص:۵۶۱'الفیصل ناشران وتاجران کتب،لاہور۔ رحمت اللہ کیرانوی'بائبل سے قرآن تک'ص:۱/۹۷۱ ۔

۷۰۔ جیوئش انسائیکلوپیڈیا'ص:۹/۲۴۶۔

.71. Encyclopedia of Religion and Ethics, vol:2 , p:588

کرسٹوفر کرین برنٹن' تاریخ تہذیب'مترجم غلام رسول مہر'ص:۱/۱۷۳'۱۷۴۔

۷۲۔ عہدنامہ جدید،لوقا'۱:۱تا۴۔

۷۳۔ رحمت اللہ کیرانوی'اظہارالحق،(بائبل سے قرآن تک)'ص:۱/۹۶' مکتبہ دارالعلوم کراچی۲۰۰۴ء نیز دیکھئے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا''نیا عہدنامہ''ص:۸/۶۴۴۔

۷۴۔کتاب مقدس،عہدنامہ جدید'ص:۴۰۔نیز دیکھئے:بشیر احمد،بائبل کا تحقیقی جائزہ'ص:۱۱'حنیف ندوی' مطالعہ قرآن' ص:۸۱۔ The New Encyclopedia Britanica, vol:2, p195

۷۵۔ یعقوب حسن' کتاب الہدی کشاف الہدی'ص:۸۵تا۸۹۔

۷۶۔پروفیسر سید نواب علی' آسمانی صحائف'ص:۵۷،سٹی بک پوائنٹ'نوید سکوائر اردو بازار کراچی

۷۷۔ ایضاً۔

۷۸۔مزید تفصیل کے لئے دیکھئے:یعقوب حسن' کتاب الہدی کشاف الہدی'ص:۸۵تا۸۹۔

۷۹۔ بشیر احمد'بائبل کا خصوصی جائزہ'ص:۲۱

۸۰۔نواب علی،تاریخ صحف سماوی،۱۲۲،۱۲۳۔نیز دیکھئے،رشید احمد،تاریخ مذاہب،ص:۳۴۰

فصل سوم: اسلام اوراس کے دینی سرمائے کا تعارف

مبحث اول: اسلام کا مفہوم، وجہ تسمیہ اور تاریخی پس منظر

لغوی معنی:

''اسلام'' کا مادہ (س،ل،م) سے باب افعال ہے۔

سلم کے لغوی معنی لسان العرب، مفردات القرآن اور دیگر لغات میں یوں بیان کیے گئے ہیں۔

☆۔ **معنی الخلوص والتعری من الآفات الظاهرة والباطنة** (ظاہری اور باطنی آلائشوں (آفات) اور عیوب سے پاک، خالص ومحفوظ ہونا اور رہنا۔

☆۔ **الصلح والامان** ۔صلح اور امان۔ معنی **الطاعة والاذعان** ۔اطاعت وفرمانبرداری۔

☆۔ امن وسلامتی ۔صلح واحسان، سلامتی وآشتی، سپردگی وحوالگی، سرافگندگی، گردن جھکانا۔

☆۔ **سَلَمَ .سَلْمٌ کا مفهوم اسلام، استسلام، الاستخذاء، والانقیاد(۱)۔**

اس کے مزید لغوی معنی یہ بیان کیے گئے ہیں۔قربان ہونا، کسی کی بات بلاحیل وحجت تسلیم کرلینا، اپنی عاجزی کا اظہار کرنا، پاک رہنا، سر جھکانا، صلح جو، صلح خو، سلامتی میں رہنا۔

اسلام اور سوشل سائنسز انسائیکلوپیڈیا میں اسلام کے یوں معنی بیان ہوئے ہیں:

Submission , Total Surrender (to God), the act of submitting (to Will of God).(2)

جدید انسائیکلوپیڈیا میں اسلام کے یوں معنی بیان ہوئے ہیں:

Islam is the religion of those who follow the Prophet Mohammad.The name is an arabic word that may be translated 'submission', 'surrender' or 'commitment' , 'Reconcilation' from the word salam 'peace' or 'salvation' , purity, obedience (to Allah's Law) in the religious sence(3)

اسلام باب افعال کا مصدر ہے اس پس منظر میں اسلام کے معنی عبادت دین اور عقیدے کو اللہ کے لئے خالص کرنے اور فرمانبرداری کے ہیں(۴)۔

سلم مادے سے باب افعال کے لحاظ سے اسلام کے لغتہً چھ مفہوم ہیں۔

۱۔ اس کا پہلا لغوی معنی خود امن وسلامتی پانا، دوسرے کو امن وسلامتی دینا اور کسی چیز کی حفاظت کرنا ہے۔ ﴿ يَّهْدِىْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ﴾(۵)۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے ایسے لوگوں کو جو رضائے حق کے طالب ہوں سلامتی کی راہیں بتلاتے ہیں۔

۲۔ اسلام کا دوسرا مفہوم ماننا، تسلیم، جھکنا، خود سپردگی کرنا، جھکنا اور فرنبرداری اختیار کرنے کے ہیں۔ اس معنی میں لفظ اسلام قرآن وحدیث میں کثرت سے استعمال ہوا ہے(۶)۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِذْقَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾(۷)۔

ترجمہ: ''جب ان سے ان کے پروردگار نے فرمایا کہ اطاعت اختیار کرو انہوں نے عرض کیا جہانوں کے ربّ کی اطاعت اختیار کی۔''

۳۔ اسلام کا تیسرا مفہوم صلح اور آشتی کا پایا جانا۔ صلح کے لئے سَلْم یا سِلْمٌ کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے(۸)۔

۴۔ عربی میں اونچے درخت کو ''سلام'' کہا جاتا ہے اور سیڑھی کو سُلَّم کہتے ہیں۔ درخت اور سیڑھی اپنی اونچائی کی وجہ سے لوگوں کی دسترس سے باہر ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس اعتبار سے اسلام کے لفظ میں بلندی اور عظمت کا مفہوم شامل ہے۔ ظاہر ہے اسلام سے زیادہ عظمت کسی اور مذہب کے حصے میں نہیں آئی(۹)۔

۵۔ ''سِلْم''، ''سلام'' اور سلم سخت پتھر کو کہتے ہیں۔ لہٰذا وہ نرمی کی صفت سے محفوظ (سالم) ہوتا ہے۔ ''سلم'' خاردار درخت کو کہتے ہیں۔ جو آفات سے محفوظ و بری (سلیم) ہوتا ہے گویا مسلمان عقائد اور موقف میں پتھر کی طرح سخت ہوتا ہے اور جہاد کی برکت سے باقی رہتا ہے۔ قرآن میں ''السلام'' اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے۔ جس کے معنی ہیں خود اپنی ذات میں سلامت اور دوسروں کو سلامتی اور امن وحفاظت عطا کرنے والا۔(۱۰)۔

۶۔ تنازعوں، جھگڑوں اور لڑائیوں کے خراب اور برے نتیجوں سے سلامتی اور حفاظت ہر قسم کے الزامات سے بری ہونا عاقبت کی زندگی بسر کرنا، باہمی محبت صلح اور اخلاق سے رہنا(۱۱)۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی حدیث شریف میں اس کے لغوی معنی کے لحاظ سے ارشاد ہے کہ:

((الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِه وَيَدِه))(۱۲)۔

ترجمہ: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان ایذا نہ پائیں۔

سید امیر علی نے سلم کے لغوی معنی سکون، قرار، فرض سے عہدا براء ہونا، فرض سے سبکدوشی، کامل امن وآشتی مراد لئے ہیں۔ اس ہستی کے آگے سر تسلیم خم کرنا جس سے انسان نے رابطہ آشتی قائم کر رکھا ہے۔ اس مادے سے جو اسم ماخوذ ہے اس کے

معنٰی امن، سلام، سلامتی، نجات کے ہیں(۱۳)۔

یعنی اسلام سراسر سلامتی ہی سلامتی ہے جس بھی پہلو اور زاویے سے دیکھیں انسان اس میں سکون ہی پاتا ہے۔

اسلام کے اصطلاحی معنی:

امام فخر الدین رازیؒ نے مفاتیح الغیب میں اسلام کے معانی بیان کرتے لکھتے ہیں:

"فالاسلام هو الایمان"(۱۴)۔

ترجمہ: اسلام ایمان کا نام ہے۔ نیز تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے کہ:

" والاسلام :هو الدخول فی السّلم والانقیاد والاطاعة (۱۵)۔"

سید شریف جرجانی لکھتے ہیں:

"الاسلام: الخضوع والانقیاد لمااخبربه الرسولؐ (۱۶)۔"

ترجمہ: اسلام ان سب (باتوں) کو ماننا اور ان کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا جن کی حضور ﷺ نے خبر دی ہے۔

لسان العرب میں ہے:

"اِظهارُ الخُضوعِ واظهارُ الشریعة والاِلتزام لِما اتی
به النبی ﷺ وبذلک یُحقنُ الدمَ ویستدفعُ المکروه(۱۷)۔"

ترجمہ: اطاعت وتسلیم، اظہارِ شریعت اور نبی ﷺ کی سنت سے تمسک ہے اور اسی لئے تو مسلمان کے خون کی حفاظت کرتا ہے اور اُس سے تکالیف کو دور کرتا ہے۔

نیز لکھتے ہیں:

"اظهار الخضوع والقبول لما أتی به سیدنا رسول الله وبه یُحقن الدم(۱۸)۔"

ترجمہ: اطاعت وتسلیم اس کے لئے جو حضور ﷺ لے کر آئے اور اسی لئے تو مسلمان کے خون کی حفاظت کرتا ہے۔

مولانا مفتی شفیع فرماتے ہیں:

"لفظ اسلام کے اصلی معنی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا اور اس کے تابع وفرمان ہونا اس معنی کے اعتبار سے ہر نبی ورسول کے زمانے میں جو لوگ ان پر ایمان لائے اور ان کے لائے ہوئے احکام میں ان کی فرمانبرداری کی وہ سب مسلمان ومسلم کہلانے کے مستحق تھے اور ان کا دین اسلام ہے"(۱۹)۔

اس معنی کے لحاظ سے حضرت نوحؑ فرماتے ہیں:﴿وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾(۲۰)۔

ترجمہ: ''اور مجھے حکم ہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں''۔

اور اسی لئے حضرت ابراہیم نے اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو امت مسلمہ فرمایا:

﴿رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ﴾ (۲۱)۔

ترجمہ: اے ہمارے رب! اور کر ہمیں تیرے حضور گردن جھکانے والے اور ہماری اولاد میں ایک امت تیری فرمانبردار ہو۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مطابق اسلام:

۱۔ ''عقیدہ و اقرار و عمل ہے۔ مکمل ضابطہ حیات بھی ہے۔ ۲۔ عقائد، عبادات و معاملات سب کو شامل ہے۔ ویسے تو دین اسلام سب پیغمبروں نے پیش کیا لیکن یہاں مراد وہ شریعت ہے جو حضرت محمد ﷺ کے ذریعے اللہ نے بنی نوع انسان کو بھیجا۔ اسلام میں امن و سلامتی کا مفہوم دو لحاظ سے شامل ہے (۲۲)۔

حدیث رسول ﷺ میں مسلمان کی یہی خوبی بیان کی گئی کہ وہ امن سے رہتا ہے (۲۳)۔ اصطلاح میں اسلام کسی برادری، خاندان، کنبے اور قبیلے کا نام نہیں ہے، جس میں پیدا ہونے والا ہر بچہ اپنے کو مسلمان سمجھے اور کہلوائے لیکن مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہونے والا بچہ محض اس نسبت سے اپنے کو مسلمان نہیں کہہ سکتا، بلکہ مسلمان کہلوانے اور مسلمان بننے کے لیے محنت کرنا پڑتی ہے، مسلمان بننے کے لئے وہ طریقے اپنائے جو حضرت نبی اکرم ﷺ نے اپنائے اور ان پر عمل کر کے امت کو دکھایا۔ جو لوگ اللہ اور رسول ﷺ کے بتلائے ہوئے طریقوں کو مانتے ہیں اور ان پر زندگی بسر کرتے ہیں وہ مسلمان ہیں اور جو ان طریقوں کو تسلیم نہیں کرتے وہ مسلمان نہیں ہیں۔ محمد کرم شاہ نے اسلام کے وسیع ترین مفہوم کو بڑے آسان اور واضح الفاظ میں یوں بیان فرمایا ہے:

''ہر زمانے کے نبی پر اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا اس کی اطاعت و اتباع کو اسلام کہتے ہیں یہاں تک کہ سیدنا محمد رسول ﷺ کی تشریف آوری سے جب نبوت کا سلسلہ ختم ہوا تو اسلام عام ہو گیا اتباع محمدی کا اس ذات اقدس کو چھوڑ کر کوئی شخص اگر دوسرا راستہ اختیار کرے گا تو وہ گمراہی کا راستہ ہوگا (۲۴)۔''

سید مودودی اسلام کی جامع تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اللہ کے نزدیک انسان کے لئے صرف ایک ہی نظام زندگی اور ایک ہی طریقہ حیات صحیح و درست ہے اور وہ یہ کہ انسان اللہ کو اپنا مالک و معبود تسلیم کرے اور اس کی بندگی و غلامی میں اپنے آپ کو بالکل سپرد کر دے اور اس کی بندگی بجا لانے کا طریقہ خود نہ ایجاد کرے بلکہ اس کے پیغمبروں کے ذریعے سے جو ہدایت بھیجی ہے۔۔ پیروی کرے اسی طرز فکر و عمل کا نام ''اسلام'' ہے اور یہ بات سراسر بجا ہے کہ کائنات کا خالق و مالک اپنی مخلوق اور رعیت کے لئے اس اسلام کے سوا کسی دوسرے طرز و عمل کو جائز تسلیم نہ کرے (۲۵)۔''

اسلام حضرت آدمؑ سے لیکر رحمت دو عالم ﷺ تک کی ان الٰہی تعلیمات کا نام ہے جو وقتاً فوقتاً انسانوں کی فلاح کے لئے لوگوں کو

سنوائیں اللہ کی طرف سے اس پیغام کی تجدید کے لئے وقتاً فوقتاً پیغمبر بھیجے گئے۔اسلام کا دعویٰ ہے کہ دین ہمیشہ سے ایک رہا ہے بالفاظ دیگر اسلام وحدت دین کا قائل ہے نہ کہ وحدت ادیان کا۔حضرت نوحؑ سے لے کر آخری پیغمبر تک تمام انبیاء نے اسی دین کو قائم کرنے کی تلقین کی۔اس کے شواہد قرآن میں موجود ہیں(۲۶)۔

ہر نبی و رسول کے زمانے میں جو لوگ ان پر ایمان لائے اور ان کے لائے ہوئے احکامات کی پیروی اور فرمانبرداری کی وہ سب مسلمان اور مسلم کہلانے کے مستحق تھے اور ان کا دین دینِ اسلام تھا لیکن امت محمدیہؐ کے لئے یہ خاص لقب کے طور پر استعمال ہوتا ہے کیونکہ انبیاء سابقین کے لیے دین کو جو اسلام کا نام دیا گیا وہ ایک محدود طبقے اور مخصوص زمانے کے لئے تھا اس وقت میں جو اسلام کا نام دیا گیا وہ ایک محدود طبقے اور مخصوص زمانے کے لئے تھا اس وقت کا اسلام وہی تھا۔لیکن خاتم الانبیاءﷺ کو جو اسلام دیا گیا وہ ناقابل تنسیخ دائمی قیامت رہے گا اور بعثت کے بعد صرف وہی دین اسلام کہلائے گا(۲۷)۔

قرآن حکیم میں یہ امر واضح کیا گیا ہے کہ جب تک دنیائے انسانیت کفر اور ظالمانہ تسلط کے خاتمے کے ذریعے امن و عافیت کا گہوارہ نہ بنی اس وقت تک ''دین کی تکمیل'' کا اعلان نہیں کیا گیا۔کیونکہ تکمیل اسلام کا اعلان دنیا کو امن و سلامتی مہیا کرنے کی ضمانت دیئے بغیر ممکن نہ تھا(۲۸)۔اہلِ اسلام نے نبی اکرمﷺ کی زیر قیادت مکہ معظمہ کو فتح کیا تو اس وقت آپﷺ نے کفار ومشرکین کو عام معافی کی نوید سناتے ہوئے اور انہیں جان کی امان اور پناہ دیتے ہوئے یہ اعلان فرمایا:

''جو کوئی اسلام قبول کرے گا یا بیت اللہ شریف میں داخل ہوگا یا ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا یا اپنے ہی گھر کا دروازہ بند کرکے بیٹھا رہے گا وہ امن و عافیت میں ہوگا(۲۹)۔

ابوسفیان کے گھر کو ''خانہ امن'' بنا دینے کا پس منظر یہ تھا کہ ابوسفیان نے اسلام قبول کر لیا تھا اور یوں اس نے خود بھی امن و عافیت کی دولت پالی تھی اور دوسروں کے لئے بھی اپنی ذات اور اپنے گھر کو دارالامان اور حفاظت کا مرکز بنا لیا تھا۔چنانچہ مسلمانوں کو اسلام کا نمونہ یہ ہونا چاہیے اور معیاری اور مطلوبہ مسلمان وہی ہے جس کی زندگی اسلام کی عکاس اور آئینہ دار ہو۔اسلام تو ایک معیار اور کسوٹی اور کل عالم کیلئے ہدایت الٰہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاءؑ کے ذریعے اور اپنے آخری نبیﷺ کے ذریعے بھیجا جو اپنی شکل میں قرآن وسنت میں محفوظ ہیں اور مسلمان وہ ہیں جن کو یہ امانت سونپی گئی۔انہیں ہدایت دی کہ وہ خود بھی اس دین پر چلیں اور پوری انسانیت تک اس پیغام کو پہنچائیں اور شہادت حق کا فریضہ انجام دیں(۳۰)۔

وجہ تسمیہ:

دنیا میں جتنے بھی مذاہب ہیں ان میں سے ہر ایک کا نام یا تو کسی خاص شخص کے نام پر رکھا گیا یا اس قوم کے نام پر،جس مذہب میں وہ پیدا ہوا۔مثلاً :عیسائیت کا نام حضرت عیسیٰؑ کی طرف منسوب ہے۔بدھ مت کا نام اسکے بانی کیطرف منسوب،زرتشت مذہب اپنے بانی کے نام پر،یہودی

مذہب ایک خاص قبیلے میں پیدا ہوا جس کا نام یہودا ہے اسی طرح دیگر مذاہب مگر اسلام کو یہ خصوصیت ہے کہ وہ کسی شخص یا قوم کی طرف منسوب نہیں ہے بلکہ اس کا نام ایک خاص صفت کو ظاہر کرتا جو لفظ ''اسلام'' میں پایا جاتا ہے۔ یہ نام کسی شخص کی ایجاد نہیں نہ کسی ایک قوم کے ساتھ مخصوص ہے۔ اسکا مقصد صرف ''اسلام'' کی صفت لوگوں میں پیدا کرنا اس کا مقصد ہے ہر زمانے میں اور ہر قوم میں جن سچے اور نیک لوگ تھے وہ سب ''مسلم'' تھے۔ ''مسلم'' ہیں اور آئندہ بھی ہونگے اور مسلم وہ ہوتا جو احکام الٰہی کے مطابق چلے اور ان سے سرتابی نہ کرے (۳۱)۔

تاریخی پس منظر:

اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو پیدا کیا تو کہا کہ اگر تیرے پاس میری ہدایت آئے تو اس کی اتباع کرنا، ہر دور میں اور ہدایت کیساتھ رسول بھیجے اسلام ہی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

﴿ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْن ﴾ (۳۲)۔

ترجمہ: پس اگر میری طرف سے تمہیں ہدایت پہنچے تو جو شخص میری ہدایت کی اتباع کرے گا، اس کے لئے کوئی خوف اور غم نہیں ہوگا۔

انبیا علیہم السلام کو جو منجانب اللہ احکامات ملے، ان سب کی پیروی دراصل اللہ ہی کی پیروی اور ان کی اتباع اللہ ہی کی اتباع ہے، حضرت ابراہیم جنہوں نے ''مسلم'' کی اصطلاح استعمال کی۔ رحمت دو عالم ﷺ کی امت کا نام امت مسلمہ تجویز کیا ان کے بارے میں قرآن نے بتایا کہ وہ مسلمان تھے، یعنی اللہ تعالیٰ کے مطیع وفرماں بردار تھے (۳۳)۔

اور ابراہیم مسلم تھے اسلام تو ہر الہامی مذہب کے انبیاء کا دین تھا۔ اس کی تعلیمات سب انبیاء نے پیش کی اور اب اس وقت جو موجودہ اسلام ہے وابدی اور کامل دین ہے ہ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ (۳۴)۔

ترجمہ: آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بطور ابدی دین کے منتخب کر لیا۔

تمام ادیان میں تمام مذاہب میں ایک اسلام ایسا دین ہے، جس کی صداقت اور حقانیت پر مہر تصدیق ثبت کی گئی ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَاللّٰهِ الْإِسْلَام﴾ (۳۵)۔

ترجمہ: بے شک اللہ کے نزدیک (سچا دین) اسلام ہی ہے۔

باقی ادیان میں تحریف اور اپنی مرضی کی باتیں شامل کی گئی ہیں، لیکن اسلام میں وہی باتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی ﷺ کے ذریعے ہمیں بتائیں، ان میں کوئی ردوبدل اور تحریف نہیں ہوسکتی (۳۶)۔

مبحث ثانی: آنحضرت ﷺ کے حالات زندگی (مکی و مدنی دور):

اسلام سے قبل عربوں کی حالت:

عرب کا علاقہ زیادہ تر صحرائی تھا، پیداوار کی قلت تھی، ذرائع آمدنی محدود تھے زیادہ تر آبادی خانہ بدوش تھی۔ جو دنیا کی ترقی سے بے خبر اور جنہیں حصول علم کے بجائے زیادہ فکر پیٹ بھرنے کی رہتی تھی۔ جس کے لئے وہ چھین کر کھا لینے میں، لوٹنے اور قتل و غارت میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے پر فخر کرتے۔ ایک دوسرے کو نسب کے طعنے دینا عام تھا۔ شاعر اپنے اشعار کے ذریعے اور قبیلے کے جوان اپنی بہادری کی سند حاصل کرنے کیلئے دوسرے قبیلے والوں کا خون بہاتے۔ اسی وجہ سے عرب کی سرزمین میں اسلام سے قبل بے شمار چھوٹی موٹی اور بڑی لڑائیاں ہو چکی تھی۔ جن کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔

عرب کے ممتاز قبائل میں قریش کو امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ مکہ عرب کا مرکزی مقام تھا۔ یہاں کا معاشرہ بھی معاشی اعتبار سے تیزی کے ساتھ زوال پذیر تھا۔ رواداری اور معتدل رجحانات کو فروغ دینے کی بجائے یہاں کے لوگ انتہا پسندی کے ساتھ زبردستی عدم توازن قائم رکھے ہوئے تھے (۳۷)۔

آخری نبی ﷺ (مکی زندگی):

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ، حضرت اسمٰعیلؑ کے تقریباً ڈھائی ہزار سال بعد ۹ ربیع الاول ۵۳ قبل ہجری مطابق ۲۰ یا ۲۲ اپریل ۵۷۱ء کو پیر کے دن شہر مکہ میں پیدا ہوائے (۳۸)۔

محمد ﷺ حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں سے تھے اور عرب کے مشہور قبیلے قریش سے آپ ﷺ کا تعلق تھا۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت آپ ﷺ کے والد عبداللہ کا وصال ہو چکا تھا۔ اس کے بعد جب آپ ﷺ چھ برس کے ہوئے تو والدہ حضرت آمنہ کا بھی انتقال ہو گیا اب آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب نے آپ ﷺ کی پرورش کی، لیکن دو سال بعد وہ بھی چل بسے۔۔ آخر میں آپ ﷺ کے چچا ابو طالب نے آپ ﷺ کی پرورش کی ذمہ داری لے لی اور آپ ﷺ ان ہی کی سرپرستی میں جوان ہوئے۔ قریش کا سب سے بڑا پیشہ تجارت اور کاروبار تھا۔ اس لئے جب آپ ﷺ بڑے ہوئے تو اپنے چچا کے ساتھ تجارتی سفروں پر جانے لگے، اور اس سلسلے میں شام اور یمن، بصریٰ کے متعدد سفر کئے۔ رسول پاک ﷺ شروع ہی سے ہر قسم کی بری باتوں سے پاک تھے۔ نہ شراب پی، نہ جوا کھیلا۔ بت پرستی بھی نہیں کی، جس کا عرب میں عام رواج تھا۔ ہمیشہ سچ بولتے تھے،۔ ایمانداری کا یہ عالم تھا کہ مکہ کے لوگ اپنی امانتیں روپے پیسے اور زیور وغیرہ آپ ﷺ ہی کے پاس رکھوا دیتے تھے۔۔ اس لئے آپ ﷺ مکہ میں صادق و امین کے نام سے مشہور تھے۔ حضرت خدیجہؓ ایک مالدار اور نیک خاتون تھیں، وہ اپنا تجارتی سامان، دیانتدار لوگوں کے سپرد کر کے دوسرے ملکوں میں بھیجا کرتی تھیں۔ جب حضرت خدیجہؓ کو آنحضرت ﷺ کے حسن معاملہ، راستبازی دیانت داری کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے آپ ﷺ کو پیغام بھیجا کہ آپ میرا مال لیکر جائیں میں آپکو دوگنا معاوضہ دوں گی تو آپ ﷺ نے قبول فرمایا اور مال تجارت لے کر

شام و بصریٰ گئے۔ واپس آنے کے تین ماہ بعد انہوں نے حضرت محمد ﷺ کو شادی کا پیغام بھیجا آپ ﷺ نے اپنے چچا سے مشورے کے بعد حضرت خدیجہؓ سے شادی کر لی آپ ﷺ کی عمر اسوقت ۲۵ سال اور خدیجہؓ کی عمر چالیس سال تھی (۳۹)۔

نبوت کا آغاز:

شہر مکہ اور عرب کے لوگ حضرت ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کی تعلیمات کو بھلا کر بت پرستی قتل و غارت، لوٹ مار، شراب نوشی، جوا اور طرح طرح کی بے حیائی کے کاموں میں مشغول رہتے تھے۔ آنحضرت ﷺ اپنا سارا وقت غور و فکر اور عبادت میں صرف کرتے۔ آپ ﷺ مکہ کے قریب ایک پہاڑ پر ایک غار میں، جس کا نام غارِ حرا ہے، کئی کئی روز اللہ کی عبادت کرتے رہتے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ایک دن جب آپ غارِ حرا میں عبادت کر رہے تھے، اپنے فرشتے جبرئیلؑ کے ذریعہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا نبی اور رسول ہونے کی خوشخبری دی (۴۰)۔

نبوت ملنے کے وقت آپ ﷺ کی عمر چالیس سال تھی۔ نبوت ملنے کے بعد آپ ﷺ نے سب سے پہلے اپنے گھر والوں کو اسلام کا پیغام پہنچایا۔ ان سے ایک اللہ کی عبادت کرنے کیلئے کہا۔ آپ ﷺ کی بیوی حضرت خدیجہؓ، حضرت علیؓ ابن طالب، جن کی عمر ابھی صرف دس سال تھی، آپ ﷺ کے دوست حضرت ابو بکر صدیقؓ اور آپ ﷺ کے غلام حضرت زید کو آپ ﷺ کی صداقت پر اتنا بھروسہ تھا کہ فوراً اسلام لے آئے۔ آنحضرت ﷺ اسی طرح خاموشی سے تین سال تک تبلیغ فرماتے رہے اور اس مدت میں تقریباً چالیس آدمیوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اس ابتدائی دور میں اسلام قبول کرنے والوں میں حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت سعد بن وقاصؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ابو عبیدہؓ کے نام اس لحاظ سے نمایاں ہیں جنہوں نے بعد کے بڑے کارنامے انجام دیئے (۴۱)۔

اعلانیہ تبلیغ:

تین سال تک خاموشی سے تبلیغ کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے خدا کے حکم سے علی الاعلان تبلیغ شروع فرما دی۔ آپ ﷺ نے ایک دن مکہ کے تمام لوگوں کو جمع کیا اور ان سے پوچھا کہ تم مجھ کو سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا؟ سب لوگوں نے کہا: آپ ﷺ ایک سچے آدمی ہیں اور ہم نے آپ ﷺ سے کبھی جھوٹی بات نہیں سنی (۴۲)۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

"اگر ایسا ہے تو پھر میری بات مانو! ایک اللہ پر ایمان لاؤ اور بت پرستی چھوڑ دو (۴۳)۔"

لیکن بت پرستی تو عربوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ ان کو رسول اللہ ﷺ کی یہ بات ناگوار گزری۔ انہوں نے آپ ﷺ کو سچا ماننے کے باوجود بات نہ مانی اور ایک اللہ کی طرف آنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد اسلام جیسے جیسے پھیلتا گیا اور ملتِ اسلامیہ میں شامل ہونے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا کافروں نے آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو طرح طرح سے ستانا

اوران پر ظلم کرنا شروع کر دیا ۔اسلام قبول کرنے والوں میں غلام اور لونڈیاں بھی تھیں ۔وہ اپنے آقاؤں کے ظلم وستم نشانہ بنے مگر اسلام کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ان ثابت قدم اور بہادر غلاموں میں حضرت بلال حبشیؓ اور حضرت عمار بن یاسرؓ کے نام بہت مشہور ہیں ۔مکہ کے کافروں کا ظلم جب بہت بڑھ گیا تو مسلمانوں کی ایک جماعت آنحضرت ﷺ کی ہدایت پر حبشہ ہجرت کر گئی (۴۴) ۔

مدینہ میں اسلام کی اشاعت اور ہجرت مدینہ:

مکہ سے ساڑھے تین سومیل شمال میں ایک شہر ہے، جس کو اب مدینہ (پرانا نام یثرب) کہتے ہیں یہاں کے لوگ بہت نرم دل اور خوش اخلاق تھے ۔اس زمانے میں مدینہ میں بت پرستوں کے علاوہ یہودی بھی آباد تھے اور ایک نبی کے آنے کا انتظار کر رہے تھے اور شہر کے عربوں سے بھی اس کا تذکرہ کرتے رہتے تھے ۔مدینہ کے عربوں کو جب اطلاع ملی کہ مکہ میں ایک شخص نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے تو انہوں نے تصدیق کرنے کیلئے ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مکہ بھیجا۔اس وفد نے رسول پاک ﷺ سے ملاقات کی اور اس وفد کے لوگوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا ۔اس کے بعد اگلے دو سالوں میں مدینہ سے اور لوگ بھی آئے اور انہوں نے اسلام قبول کیا۔مدینہ کے ان مسلمانوں نے صلح اور جنگ، دونوں صورتوں میں رسول پاک ﷺ کا ساتھ دینے کا عہد کیا ۔یہ عہد تاریخ میں بیعتِ رضوان عقبہ اول اور بیعتِ عقبہ ثانی کہلاتی ہیں (۴۵) ۔

جب تمام مسلمان مدینہ چلے گئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت ﷺ کو بھی مدینہ چلے جانے کا حکم ملا ۔رسول پاک ﷺ کی روانگی کی اطلاع مدینہ کے لوگوں کو پہلے سے ہوگئی تھی ۔اس لیے وہ آپ ﷺ کے بے چینی سے منتظر تھے ۔رسول پاک ﷺ جب مدینہ پہنچے تو لوگوں نے شہر سے باہر نکل کر بڑا پر جوش استقبال کیا ۔فضا اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھی ۔عورتیں آپ ﷺ کو دیکھنے کے لیے گھروں کی چھتوں پر پہنچ گئیں اور چھوٹی بچیوں نے گیت گا کر آپ ﷺ کا خیر مقدم کیا ۔مدینہ جو، اب تک یثرب کہلاتا تھا، رسول پاک ﷺ کے آجانے کے بعد اس کا نام مدینۃ النبی ﷺ پڑ گیا ۔

آخری نبی ﷺ کی مدنی زندگی:

رسول پاک ﷺ اور مسلمانوں کی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت اسلامی تاریخ کا ایک اہم موڑ ہے ۔اب مسلمانوں کو مدینہ میں ایک پناہ گاہ مل گئی ۔ان کی مظلومیت ،مصیبت کے دن ختم ہو گئے ۔اب مسلمان آزادی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکتے تھے ۔وہ مسلمان جو ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے، اب وہ بھی مدینہ آ گئے، جو اب دارالاسلام بن چکا تھا ۔

مسجد نبوی کی تعمیر:

آنحضرت ﷺ نے مدینہ پہنچنے کے بعد سب سے پہلے دو اہم کام کیے ۔پہلے ایک عظیم الشان مسجد کی بنیاد ڈالی گئی ۔یہ صرف عبادت کیلئے مخصوص نہیں تھی ، بلکہ مدینہ کی شہری زندگی کا ایک اہم مرکز تھی ۔یہاں مسلمانوں کو اسلامی احکام سکھائے جاتے ،

رسولِ پاک ﷺ ان کے آپس کے جھگڑوں کو طے کرتے اور مسلمانوں پر اثر انداز ہونے والے امور کے بارے میں مسلمانوں سے صلاح مشورہ کرتے تھے۔اذان دینے کا طریقہ بھی اسی زمانہ میں شروع ہوا بلال حبشیؓ، جب اذان دیتے تھے تو لوگ سننے کیلئے کھڑے ہو جاتے تھے۔

دوسرا اہم کام جو مدینہ پہنچ کر کیا گیا، وہ "اخوت" یعنی بھائی چارہ کا نظام تھا۔مکہ سے جو مسلمان ہجرت مدینہ آئے، ان کو "مہاجر" اسی طرح مدینہ کے مسلمانوں کو "انصار" کا نام دیا گیا۔مہاجر اپنا گھر اور اس کی ہر چیز مکہ ہی میں چھوڑ آئے تھے۔ہر انصار اور مہاجر کے درمیان آپ ﷺ نے بھائی کا رشتہ قائم کر دیا۔مدینہ میں آنحضرت ﷺ کی یہ کامیابیاں اور اسلام کی مضبوطی کفار مکہ کو ناگوار گزری اور انہوں نے فوجی کاروائی کے ذریعہ مسلمانوں کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔اس مقصد سے انہوں نے مدینہ پر تین مرتبہ چڑھائی کی، لیکن ہر مرتبہ نا کام رہے۔(۴۶)

مدینہ پر قریش نے مختلف حملے کئے ان لڑائیوں میں پہلی "غزوۂ بدر" کہلاتی ہے۔دوسری لڑائی "غزوہ احد" کہلاتی ہے۔تیسری بڑی لڑائی غزوۂ خندق یا غزوۂ احزاب کہلاتی ہے۔غزوۂ احزاب کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حج کرنے کا ارادہ فرمایا۔عرب میں رواج تھا کہ حج کے زمانے میں لڑائیاں بند کر دی جاتی تھیں اور عرب کے ہر حصہ کے لوگ بغیر کسی پابندی کے حج کر سکتے تھے۔لیکن جب آنحضرت ﷺ مسلمانوں کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوئے تو حدیبیہ کے مقام پر آپ ﷺ کو اطلاع ملی کے کافر جنگ کی تیاری کر رہے ہیں اور وہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔رسول اللہ ﷺ نے مکہ والوں کو یقین دلایا کہ لڑنے نہیں بلکہ حج کرنا چاہتے ہیں لیکن کفار نے مسلمانوں کو حج نہیں کرنے دیا۔آخر کار مکہ کے کفار اور مسلمانوں کے درمیان صلح حدیبیہ کا معاہدہ طے پایا اس معاہدے کے تحت یہ طے پایا کہ مسلمان اس سال واپس چلے جائیں اور اگلے سال حج کیلئے آئیں۔معاہدہ کی بعض شرطیں ایسی بھی تھیں جو بظاہر مسلمانوں کیلئے نقصان دہ تھیں۔لیکن آنحضرت ﷺ نے امن و صلح اور اس کے دور رس نتائج کی خاطر یہ شرطیں منظور کر لی تھیں۔معاہدہ ہو جانے کے بعد مسلمان مدینہ واپس آگئے(۴۷)۔

صلح حدیبیہ کے بعد خیبر کی فتح کا واقعہ پیش آیا۔ان مسلسل کامیابیوں کے نتیجے میں مسلمانوں کی تعداد بہت بڑھ گئی۔چنانچہ صلح حدیبیہ کے دو سال کے بعد جب مکہ کے لوگوں نے معاہدہ منسوخ کر دیا تو آنحضرت ﷺ دس ہزار مسلمانوں کیساتھ مکہ فتح کرنے کیلئے روانہ ہوگئے۔بغیر جنگ کے مکہ فتح ہو گیا۔رسول پاک ﷺ اور صحابہؓ، فاتحانہ شان سے مکہ میں داخل ہوگئے۔آنحضرت ﷺ نے خانہ کعبہ کو بتوں سے صاف کیا اور ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے مخصوص کر کے حضرت ابراہیمؑ کی روایت کو زندہ کر دیا۔

فتح مکہ کے بعد، رسولِ پاک ﷺ نے کسی کو کوئی سزا نہیں دی اور عام معافی کا اعلان کر دیا، حتیٰ کہ اس حبشی کو بھی معاف کر

دیا، جس نے آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ کو شہید کر دیا تھا۔ اور ابو سفیان اور اس کی بیوی ہندہ کو بھی معاف کر دیا۔ مکہ کی یہ پرامن فتح تاریخ اسلام بلکہ تاریخ عالم کا ایک زریں باب ہے۔ تاریخ نے اس سے پہلے کبھی کسی ایسے فاتح کو نہیں دیکھا تھا، جو دشمنوں پر فتح حاصل ہونے کے بعد ان کو اس طرح معاف کر دے اور ان کے کیے ہوئے ظلم و ستم کی سزا نہ دے۔ آپ ﷺ کے اس حسنِ سلوک کا نتیجہ یہ نکلا کہ قریش کے سردار ابو سفیان اور اس کی بیوی ہندہ دونوں نے اسلام قبول کر لیا۔۔ رسولِ پاک ﷺ مکہ میں کچھ دن رہنے کے بعد مدینہ واپس تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ نے مکہ میں پھر رہائش اختیار نہیں کی، کیونکہ آپ ﷺ مدینہ کے انصار سے یہ عہد کر چکے تھے کہ وہ انصار کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑیں گے۔ فتح مکہ اسلام کی تاریخ میں ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتا ہے۔

حجۃ الوداع:

۱۰ ہجری میں یعنی فتح مکہ کے دو سال بعد اور مدینہ آنے کے دس سال بعد رسول اللہ ﷺ نے حج کرنے کا ارادہ کیا۔ مسلمان عرب کے ہر حصے سے مدینہ پہنچنا شروع ہو گئے تاکہ رسولِ خدا ﷺ کے ساتھ حج کرنے کی سعادت حاصل کر سکیں۔ تقریباً اس موقع پر ایک لاکھ سے زیادہ مسلمانوں نے حج کیا۔ حج کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے ایک تقریر کی جو خطبہ حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

''آج عہدِ جاہلیت کے تمام دستور اور طور طریقے ختم کر دیئے گئے۔ خدا ایک ہے اور تمام انسان آدمؑ کی اولاد ہیں اور وہ سب برابر ہیں۔ عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں۔ اگر کسی کو فضیلت ہے تو نیک کام کی وجہ سے ہے۔ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں۔''

اس خطبہ میں رسولِ پاک ﷺ نے انتقام کے طریقے کو، اور سودی کاروبار کو سختی سے منع کیا۔ عورتوں اور غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تاکید کی۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو ہدایت کی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی قرآن مجید کو مضبوطی سے پکڑے رہیں، تاکہ گمراہ نہ ہوں۔ آخر میں آپ ﷺ نے مجمع کو مخاطب کر کے پوچھا: ''تم سے اللہ تعالیٰ کے ہاں میری نسبت پوچھا جائے گا تو تم کیا جواب دو گے؟'' مسلمانوں نے ایک آواز سے کہا: ''ہم کہیں گے کہ آپ ﷺ نے خدا کا پیغام ہم تک پہنچا دے اور اپنا فرض ادا کر دیا۔''

اس پر رسولِ پاک ﷺ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور تین بار فرمایا:

''اے خدا گواہ رہنا، گواہ رہنا، گواہ رہنا (۴۸)۔''

ٹھیک اس وقت جب آپ ﷺ یہ الفاظ کہہ رہے تھے یہ آیت نازل ہوئی:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ

لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (۴۹)۔

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو انتخاب کر لیا۔

اس میں شک نہیں کہ رسولِ پاک ﷺ اپنا فرض ادا کر چکے تھے اور اسلام کا پیغام مکمل ہو چکا تھا۔ آپ ﷺ نے یہ فرض ادا کر کے اور ہر قسم کی مصیبتوں اور مشکلات کا مقابلہ کیا۔ ۲۳ سال پہلے یہاں کے لوگ آپ ﷺ کی جان کے دشمن ہو گئے تھے اور اب ہر شخص آپ ﷺ پر اپنی جان قربان کر دینے کیلئے تیار تھا۔ یا تو ۲۳ سال پہلے عرب ایک دوسرے کے خون کے پیاسے رہتے تھے اور ہر طرف بدامنی، قتل وغارت اور لوٹ مار عام تھی، یا اب وہ اپنے تمام اختلافات بھلا کر شیر وشکر ہو چکے تھے۔ قتل، لوٹ مار اور بدامنی کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ بت پرستی اور وطن پرستی کی جگہ انسانی اخوت نے لے لی تھی۔ یہ نئی "ملتِ اسلامیہ" انسانی اخوت کا ایک مثالی نمونہ تھی عرب کی سرزمین میں آنے والا یہ ایک بہت بڑا انقلاب تھا۔ اس کی مثال دنیا کی تاریخ میں کہیں نہیں ملے گی۔
حج کرنے کے بعد رسولِ پاک ﷺ مدینہ واپس آ گئے اور تقریباً تین ماہ بعد آپ ﷺ نے وفات پائی۔ مسجد نبوی ﷺ کے ساتھ حجرہ عائشہؓ میں جہاں آپ ﷺ ایام بیماری میں تھے، اسی میں دفن کیے گئے۔ یہ ہجرت کا گیارھواں سال تھا، ربیع الاول کی ۱۲ تاریخ اور دن پیر کا تھا۔ آپ ﷺ کی عمر اس وقت ۶۳ سال تھی (۵۰)۔

مبحث سوم: قرآن وحدیث کی تعلیمات اور ان کی اہمیت:

دین اسلام سے مراد وہ دین ہے جسے دے کر اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا، اسی پر تمام دینوں کو ختم فرمایا اور اسی طرح سلسلہء دین کو اپنے بندوں کیلئے مکمل فرمایا، اسی دین اسلام کے ذریعے ان پر اپنی نعمت کو تمام کیا، اور اسی دین کو ان کیلئے پسند فرمایا۔ اب اس دین کے سوا دوسرا دین کسی سے قبول نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ﴾(۵۱)۔

ترجمہ: محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔

اور فرمایا: ﴿إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ﴾(۵۲) ۔

ترجمہ: اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہی ہے۔

﴿وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الإِسْلاَمِ دِيناً فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾(۵۳)۔

ترجمہ: اس دین اسلام کے سوا جو شخص کوئی اور دین اختیار کرنا چاہے اس کو وہ دین ہرگز قبول نہ کیا جائے گا ، اور آخرت میں وہ نا کام ونامراد رہے گا۔"

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشادفرمایا:

((وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ، لَا یَسْمَعُ بِیْ اَحَدٌ مِنْ هٰذِہِ الْاُمَّةِ یَهُوْدِیٌّ وَلَا نَصْرَانِیٌّ ثُمَّ یَمُوْتُ وَلَمْ یُؤْمِنْ بِالَّذِیْ اُرْسِلْتُ بِهٖ اِلَّا كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ))(۵۴)۔

ترجمہ: اس ذات کی قسم جس کے قبضہء قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے، اس امت میں سے جوکوئی میرے بارے میں سن لے، خواہ وہ یہودی ہو یا نصرانی، پھر مرتے دم تک اس دین پر ایمان نہ لائے جسے مجھے دے کر بھیجا گیا ہے، وہ آگ والوں میں سے ہوگا۔

ہرزمانے، ہرجگہ اور ہرقوم کیلئے فائدہ مند ہونے کا معنی یہ ہے کہ اس دین پر عمل کرنے سے انہیں فائدہ ہی فائدہ ہے، نقصان اور خسارے کی کوئی بات نہیں۔ اس کا معنی یہ نہیں کہ یہ دین ہرزمانے، ہرجگہ اور ہرقوم کی خواہش اور مرضی کا پابند ہے، جیسا کہ بعض لوگوں کا مطالبہ ہے۔

دین اسلام ہی برحق دین ہے۔ جو اس پر پوری طرح عمل کرے گا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کیلئے ضمانت ہے کہ وہ اس کی مدد فرمائیں گے اور دوسروں پر غلبہ عطا فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْ أَرْسَلَ رَسُولَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ

وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴾(۵۵)۔

ترجمہ: وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچے دین کیساتھ بھیجا تا کہ سب دینوں پر غالب کرے اگر چہ مشرک برا منائیں۔

دینِ اسلام عقیدہ و شریعت کا نام ہے۔اپنے عقیدے اور نظامِ زندگی میں وہ ہر طرح مکمل ہے۔۔۔جو:

اللہ تعالیٰ کی توحید کا حکم دیتا اور شرک سے روکتا ہے۔سچائی کا حکم دیتا ہے اور جھوٹ سے روکتا ہے۔عدل وانصاف کا حکم دیتا اور ظلم سے روکتا ہے۔امانت کا حکم دیتا اور خیانت سے روکتا ہے۔۔وفا کا حکم دیتا ہے اور دھوکہ بازی سے روکتا ہے۔والدین کی فرمانبرداری کا حکم دیتا اور نافرمانی سے روکتا ہے۔رقابت داروں سے صلہ رحمی کا حکم دیتا اور قطع تعلق سے روکتا ہے۔پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیتا اور بدسلوکی سے روکتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسلام ہر عمدہ اور اچھے اخلاق کا حکم دیتا ہے اور ہر برے اور گھٹیا اخلاق سے روکتا ہے۔اور ہر نیک کام کا حکم دیتا ہے اور ہر برے کام سے روکتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ وَإِيْتَآءِ ذِيْ الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴾(۵۶)۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ عدل اور احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی و بے حیائی اور ظلم وزیادتی سے روکتا ہے، وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تا کہ تم سبق لو۔

قرآن مجید:

اسلامی تعلیمات کا پہلا اور سب سے بڑا ماخذ قرآن مجید ہے جو قیامت تک مسلمانوں کے لیے کتابِ ہدایت ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو حضرت جبریلؑ کے ذریعہ اور وحی کی شکل میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل ہوا۔قرآن مجید کا اندازِ بیان رسولِ پاک ﷺ کے خطبوں اور احادیث سے بالکل مختلف ہے اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ قرآن مجید، رسولِ پاک ﷺ کا کلام نہیں جیسا کہ بعض غیر مسلم سمجھتے ہیں۔قرآن کریم کا اندازِ کلام اپنی مثال آپ ہے اور قرآن کریم میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ کوئی انسان ایک آیت بھی ایسی نہیں لکھ سکتا، جو قرآن کریم کے طرزِ بیان کا مقابلہ کر سکے(۵۷)۔

قرآن مجید کی پہلی آیت غارِ حرا میں اتری تھی اور آخری حجۃ الوداع کے بعد۔آج قرآن مجید جس شکل میں ہے، یہ ٹھیک وہی شکل ہے، جو رسولِ پاک ﷺ کے زمانے میں تھی۔اگر چہ قرآن کریم اس وقت کتابی شکل میں مرتب نہیں ہوا تھا، لیکن ان سورتوں کی ترتیب یہی تھی اور بے شمار مسلمانوں نے رسولِ پاک ﷺ کی زندگی ہی میں پورے قرآن مجید کو حفظ کر لیا تھا۔اسکی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے۔جس طرح پچھلے نبیوں کی کتابوں،توریت،زبور اور انجیل میں تحریف

کی گئی اور ان کی اصل تعلیم کو مسخ کیا گیا، قرآن مجید میں قیامت تک ایسی تحریف نہیں ہوسکتی۔ قرآن مجید کا یہ ایک ایسا معجزہ ہے، جس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ قرآن مجید کو نازل ہوئے آج تقریباً چودہ سو سال ہو چکے ہیں، لیکن اس میں ایک لفظ تو کیا ایک حرف کی بھی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔

سنتِ رسول ﷺ:

اسلامی تعلیمات اور اسلامی قانون کا دوسرا مآخذ سنتِ رسول ﷺ ہے یعنی رسولِ پاک ﷺ کی ہدایات اور عمل۔ آنحضرت ﷺ چونکہ قرآنی تعلیمات کا مکمل نمونہ تھے اور وہ دوسروں کو ہدایت کرنے سے پہلے خود قرآنی احکام پر عمل کر کے دکھاتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی ذات کو مسلمانوں کے لیے اسوہ حسنہ یعنی سب سے اچھا نمونہ قرار دیا ہے۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم مانیں اور اگر کسی بات پر اختلاف ہو تو وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کریں۔

رسولِ پاک ﷺ کی احادیث کا کوئی مکمل مجموعہ آپ ﷺ کی زندگی میں مرتب نہیں ہوا تھا۔ اس لیے کہ نہ تو اس زمانے میں کتابیں لکھنے کا رواج تھا اور نہ مسلمان اس کی ضرورت محسوس کرتے تھے۔ کیونکہ رسولِ پاک ﷺ کی ذات ہر وقت ان کے درمیان رہتی تھی۔ اس کے باوجود آپ ﷺ کی موجودگی ہی میں کئی صحابہؓ نے کئی مختصر مجموعے لکھ رکھے تھے۔ لیکن چونکہ احادیث قرآن کی تعلیمات اور احکام تشریح و توضیح کا سب سے مستند ذریعہ ہیں اور اسلامی تعلیمات کتاب و سنت کی روشنی ہی میں پوری طرح سمجھی جاسکتی ہیں اس لیے بعد میں احادیث کو کتابی شکل میں مرتب کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی اور ان کے کئی مستند مجموعے تیار کیے گئے۔

ارکان اسلام:

جن بنیادوں پر اسلام کی عمارت کھڑی ہے، ان کی تعداد پانچ ہے۔ حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ: شَهَادَةِ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ وَصِيَامِ رَمَضَانَ وَالْحَجِّ))(۵۸)۔

اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے: (۱) گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ (۲) نماز قائم کرنا۔ (۳) زکوٰۃ ادا کرنا۔ (۴) رمضان کے روزے رکھنا۔ (۵) حج کرنا

انہی بنیادوں پر امتِ اسلامیہ ایک پاکیزہ امت بن کر پروان چڑھ سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے دینِ حق کی پیروی کرے گی اور مخلوقِ خدا کے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ ٹھیک کرے گی۔ اس لئے دینِ اسلام کے دوسرے احکام بھی اس وقت ٹھیک

ٹھیک ادا ہو سکتے ہیں، جب یہ بنیادیں ٹھیک ہوں گی۔اور امت کے دوسرے حالات بھی دین کی اصلاح کے ساتھ ہی ٹھیک رہ سکتے ہیں۔اور جس قدر دین کا معاملہ بگڑ جائے گا اسی قدر دوسرے حالات بھی بگڑ جائیں گے(۵۹)۔

اور وہ آدمی گزشتہ لوگوں کی تاریخ بھی پڑھ کر دیکھ لے۔عقل و بصیرت والوں کے لئے تاریخ میں سبق ہوا کرتے ہیں، بشرطیکہ دل پر پردہ نہ پڑ چکا ہو۔

اسلامی عقیدے کی بنیادیں:

دین اسلام نام ہے عقیدے اور شریعت کا۔بعض شرعی احکام کی طرف ہم نے اشارہ کر دیا ہے اور ان بنیادی ارکان کا تذکرہ کر چکے ہیں، جن پر شریعت کی عمارت کھڑی ہے۔

اسلامی عقیدے کی بنیادیں یہ ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان ۲۔ رسولوں پر ایمان ۳۔کتابوں پر ایمان ۴۔فرشتوں پر ایمان

۵۔ قیامت کے دن پر ایمان ۶۔ اچھی اور بری تقدیر پر ایمان

ان بنیادی عقائد کی دلیل کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ، میں موجود ہے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَّيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّواْ وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَـكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَالْمَلآئِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ﴾(۶۰)۔

ترجمہ: نیکی یہی نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لئے یا مغرب کی طرف، بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کو،اور یوم آخر اور فرشتوں کو اور اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے۔

اور تقدیر کے بارے میں فرمایا:

﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ . وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ﴾(۶۱)۔

ترجمہ: ہم نے ہر چیز ایک تقدیر کے ساتھ پیدا کی ہے۔اور ہمارا حکم بس ایک ہی حکم ہوتا ہے اور پلک جھپکاتے ہی وہ عمل میں آ جاتا ہے

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب جبریل امینؑ نے حضور اکرم ﷺ سے ایمان کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ، وَمَلٰٓئِكَتِهٖ، وَكُتُبِهٖ، وَرُسُلِهٖ، وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ، وَتُؤْمِنُ بِالْقَدَرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ))(۶۲)۔

ترجمہ : اللہ تعالیٰ کو،اس کے فرشتوں کو،اس کی کتابوں کو،اس کے رسولوں کو اور اچھی بری تقدیر کو

دل سے مان لینے کا نام ایمان ہے۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان:

اللہ تعالیٰ پر ایمان میں چار باتیں شامل ہیں:

۱۔ اولاً : اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان:

فطرت، عقل، شریعت اور احساس وشعور اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلالت کرتے ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کے وجود پر فطرت کی راہنمائی:

بغیر کسی کی پیشگی سوچ بچار اور بغیر تعلیم کے ہر مخلوق اپنے خالق کو ماننے پر مجبور ہے۔ اس فطری تقاضے سے صرف وہی آدمی منہ موڑ سکتا ہے جس کے دل پر ایسی کوئی کیفیت طاری ہو جو اس حقیقت سے اس کا رخ موڑ دے، ورنہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

((مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ))(۶۳)۔

ترجمہ: یعنی ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے وجود پر عقلی کی راہنمائی:

یہ جس قدر مخلوق بھی کائنات میں پائی جاتی ہے، کیا پہلی اور کیا بعد والی، لازماً اس کا کوئی خالق ہے، جس نے اسے پیدا کیا ہے۔ کیونکہ ایسا تو ممکن ہی نہیں کہ کسی نے اپنے آپ کو خود پیدا کیا ہو اور ایسا بھی ممکن نہیں کہ کوئی چیز اچانک وجود میں آگئی ہو۔ کوئی چیز اپنے آپ کو اس لئے وجود نہیں بخش سکتی کہ کوئی چیز اپنے آپ کو پیدا نہیں کر سکتی، اس لئے کہ وجود میں آنے سے پہلے وہ خود ہی معدوم تھی۔ پس معدوم چیز کیسے خالق ہو سکتی ہے؟ اور یہ بھی ممکن نہیں کہ کوئی چیز اچانک وجود میں آجائے، اس لئے کہ ہر کام کے پیچھے کوئی کرنے والا تو ضرور ہوتا ہے۔ بالخصوص کائنات کا یہ انوکھا نظام، اور باہم ہر چیز کی دوسروں کے ساتھ مناسبت، اسباب ومسببات کے درمیان یہ گہرا ربط اور اسی طرح کائنات کے اندر کامل ہم آہنگی، ناممکن ہے کہ ایسا با کمال نظام اچانک وجود میں آجائے۔ جب یہ بات طے ہوگئی کہ یہ مخلوق اپنے آپ کو وجود نہیں بخش سکتی، اور نہ ہی ایسا اچانک ہو سکتا ہے تو ثابت ہو گیا کہ اس مخلوق کو وجود بخشنے والی کوئی اور ذات ہے، اور وہ ہے اللہ رب العالمین کی ذات۔ اللہ تعالیٰ نے اس دلیلِ عقلی اور ناقابلِ تردید برہان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ.﴾(۶۴)۔

ترجمہ: کیا یہ کسی خالق کے بغیر خود پیدا ہو گئے ہیں؟ یا یہ اپنے خالق خود ہیں؟

۳۔ اللہ تعالیٰ کے وجود پر شریعت کی راہنمائی:

تمام آسمانی کتابیں اللہ تعالیٰ کے وجود کی گواہی دے رہی ہیں اور ان کتابوں میں جتنے بھی احکام ہیں وہ سب مخلوق کے فائدے کیلئے ہیں اور ان کتابوں میں جس قدر کائنات کی خبریں ہیں امر واقعہ خود بول کر سچائی کی گواہی دے رہا ہے۔ یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کتابیں اس رب کی نازل کی ہیں۔وہ جس طرح کی خبر دیتا ہے اسی طرح کی چیز بنانے پر بھی قادر ہے۔

۴۔ **اللہ تعالیٰ کے وجود پر احساس وشعور کی راہنمائی دو طرح سے ہے:**

پہلی شکل: ہم سنتے ہیں اور مشاہدہ بھی کرتے ہیں کہ دعا مانگنے والوں کی دعا قبول ہوتی ہے، پریشان حال افراد کو امداد ملتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے وجود پر قطعی اور نا قابلِ انکار دلیل ہے۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَنُوحاً اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَہٗ﴾ (۲۵)۔

ترجمہ: اور وہ موقع یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، پس اس نے تمہاری فریاد قبول فرمالی۔

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں:

((ایک اعرابی جمعہ کے روز آیا جبکہ رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے۔اس نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ (خشک سالی سے) مال تباہ ہو گیا ہے، اہل وعیال بھوک سے مر رہے ہیں، اللہ سے ہمارے لئے دعا کیجئے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فوراً ہی ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی، تو اسی وقت پہاڑوں جیسے بادل چاروں طرف چھا گئے۔ میں نے دیکھا کہ منبر سے اترے سے پہلے بارش کے قطرے آپ ﷺ کی داڑھی سے ٹپک رہے تھے۔اور اگلے جمعے اسی اعرابی نے یا کسی اور نے کھڑے ہو کر عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ مکانات گر گئے ہیں، مال غرق ہو گیا ہے، اللہ سے ہمارے لئے دعا فرمائیں۔'' آپ ﷺ نے ہاتھ بلند فرما کر یوں دعا فرمائی: ''اے اللہ! اس بارش کو ہمارے اردگرد نازل فرما، ہم پر نہیں۔'' جس طرف بھی آپ ﷺ اشارہ فرماتے، ادھر سے بادل چھٹ جاتا))(۲۶)۔

آج تک اس بات کا مشاہدہ ہو رہا ہے کہ سچے دل سے رغبت سے کی گئی شرائط دعا پوری ہوں تو کرنے والوں کی دعا قبول ہوتی ہے، ۔ رسول اللہ ﷺ کی ایک اور مثال پیش ہے۔ جب قریش نے آپ ﷺ سے معجزے کا مطالبہ کیا اور آپ ﷺ نے چاند کی طرف اشارہ فرمایا تو وہ دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا۔اس معجزے کو لوگوں نے اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ اس معجزے کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کیا ہے(۲۷)۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کی تائید اور مدد کیلئے جو روشن اور محسوس ومشہود معجزے ظاہر فرماتا ہے، وجودِ باری تعالیٰ پر وہ روشن دلیل ہیں۔

۲۔ **ثانیاً: اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر ایمان**

یعنی اللہ ہی تمہارا رب کائنات ہے، اس میں نہ کوئی شریک ہے اور نہ ہی مددگار، اور رب وہ ہوتا ہے جس کی مخلوق ہو، اسی

کی بادشاہی ہو،اور اسی کا حکم چلے۔چنانچہ اللہ کے علاوہ نہ کوئی خالق ہے نہ کوئی مالک،اور نہ ہی کسی کا حکم ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ﴾(٦٨)۔

ترجمہ: واضح رہے کہ مخلوق اس کی ہے اور حکم بھی اسی کا۔

امورِ کائنات اور امورِ شریعت ہر طرح کے معاملات میں اللہ رب العالمین کا حکم لاگو ہے۔جس طرح تقاضائے حکمت کے تحت اللہ تعالیٰ کائنات کا انتظام چلانے والا ہے،اپنی مرضی کو نافذ کرنے والا ہے،عین اسی طرح وہ رب تقاضائے حکمت کے تحت عبادات و معاملات کا قانون بنانے والا ہے۔لہذا جس کسی نے عبادات یا معاملات میں کسی اور کو قانون سازی کا اختیار سونپا،اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا اور ایمان کا حق ادا نہیں کیا۔

۳۔ ثالثاً: اللہ تعالیٰ کی الوہیت پر ایمان

یعنی ایک اللہ کو بلا شرکت غیرے پوری محبت و تعظیم کے ساتھ حقیقی معبود تسلیم کرنا۔لفظ الٰہ،مالوہ کے معنی میں ہے، یعنی معبود۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَاحِدٌ لَّا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ﴾(٦٩)۔

ترجمہ: تمہارا خدا ایک ہے خدا ہے،اس رحمان و رحیم کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے۔

۴۔ رابعاً: اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات پر ایمان

یعنی وہ اسماء وصفات جو اللہ تعالیٰ کی اپنی کتاب میں یا سنتِ رسول ﷺ میں ثابت ہیں،انہیں اسی شکل میں تسلیم کرنا کہ نہ تو معنی بدلے،نہ اس لفظ کا مفہوم بے معنی رہے،نہ ہی کسی خاص کیفیت کے ساتھ مسلک ہو اور نہ مخلوق کے ساتھ تشبیہ ہو۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُونَ فِيْ أَسْمَآئِهِ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾(٧٠)۔

اللہ اچھے ناموں کا مستحق ہے،اس کو اچھے ہی ناموں سے پکارو،اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے نام رکھنے میں راستی سے منحرف ہو جاتے ہیں،جو کچھ وہ کرتے ہیں،اس کا بدلہ وہ پا کر رہیں گے۔

فرشتوں پر ایمان:

فرشتے عالم غیبی کی مخلوق ہیں۔ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت میں حاضر ہیں،خدائی اختیارات یا

عبادات میں ان کا کچھ حصہ نہیں، اللہ نے انہیں نور سے پیدا فرمایا، کامل اطاعت اور حکم نافذ کرنے کی بھر پور صلاحیت وقوت انہیں عطا کی۔ان فرشتوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ انہیں کوئی شمار نہیں کرسکتا۔صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے مروی حدیث ہے جو کہ واقعہ معراج کے ضمن میں بیان ہوا ہے کہ:

((نبی اکرمﷺ کے سامنے آسمان میں ''**البیت المعمور**'' پیش کیا گیا، جس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے نماز ادا کرتے ہیں، جو گروپ ایک دفعہ نماز ادا کرلیتا ہے اس کی دوبارہ باری نہیں آتی))(۷۱)

فرشتوں پر ایمان میں چار باتیں شامل ہیں:

اولاً : فرشتوں کے وجود پر ایمان لانا۔**ثانیاً** : جن فرشتوں کے نام معلوم ان پر انکے نام ساتھ ایمان، جیسے جبریلؑ، اور جن فرشتوں کے نام معلوم نہیں ان پر اجمالاً ایمان۔

ثالثاً : فرشتوں کی جن صفات یا کیفیات کا ہمیں علم ہو جائے، ان صفات و کیفیات پر ایمان۔

بسا اوقات فرشتہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے انسانی شکل بھی اختیار کرلیتا ہے۔جبریل امینؑ کو اللہ تعالیٰ نے جب حضرت مریمؑ کے پاس بھیجا تو آپؑ انسانی شکل میں ہی پہنچے تھے اور اسی طرح نبی کریمﷺ کے پاس بھی آدمی کی شکل میں تشریف لائے۔اور آپ سے چند سوال پوچھے۔ اُس کے واپس جانے کے بعد آپﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا:

((هٰذَا جِبْرِيْلُ، اَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِيْنَكُمْ))(۷۲)۔

ترجمہ: یہ جبرئیل تھے، تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔

جن فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت لوطؑ کے پاس روانہ کیا تھا، وہ بھی مردوں کی شکل پر تھے۔

رابعاً : فرشتوں کے جن جن کاموں کا ہمیں علم ہو جائے ان پر ایمان لانا۔یہ کام فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کرتے ہیں۔مثلاً اللہ تعالیٰ کی تسبیح، بغیر کسی اکتاہٹ یا وقفے کے، مسلسل دن رات اللہ تعالیٰ کی بندگی و عبادت۔علاوہ ازیں بعض فرشتوں کی مخصوص ذمہ داریاں بھی ہیں۔مثلاً:

حضرت جبریل علیہ السلام، انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرف اللہ تعالیٰ کی وحی لے جانے پر مامور تھے۔میکائیل علیہ السلام ، بارش اور کھیتی اگانے پر مامور ہیں۔اسرافیل علیہ السلام: قیامت کے دن صور پھونکنے اور لوگوں کو اٹھانے پر مامور ہیں۔مَلِک الموت یعنی عزرائیل، موت کے وقت روح قبض کرنے پر مامور ہیں۔ مالک، جہنم کے داروغہ ہیں، انہی کا دوسرا نام خازنُ النّار ہے۔چند فرشتوں کی ذمہ داری رحم میں موجود تمام بچوں سے متعلق ہے۔جب انسان کو ماں کے پیٹ میں چار ماہ گزر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس طرف ایک فرشتہ روانہ فرماتے ہیں اور اسے حکم دیتے ہیں کہ اس بچے کا رزق، عمر، عمل اور اور بد بخت ہے یا خوش قسمت، سب کچھ لکھ دے۔

کچھ فرشتوں کی ذمہ داری بنی آدم کے اعمال نامے کا ریکارڈ تیار کرنا ہے، چنانچہ ہر آدمی پر دو فرشتے مقرر ایک دائیں طرف دوسرا بائیں طرف، جو اعمال کو تحریر میں لاتے ہیں۔ کچھ کی ذمہ داری میت سے سوال جواب کی ہے، جب میت قبر میں رکھ دی جاتی ہے تو اسے کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو اس سے رب ، دین اور پیارے نبی ﷺ کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔

کتب پر ایمان:

کُتب : کتاب کی جمع ہے بمعنی مکتوب (تحریر شدہ)۔ ہماری مراد وہ کتابیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں پر نازل فرمایا۔ یہ کتابیں مخلوق کیلئے رحمت وہدایت کا ذریعہ ہیں تاکہ ان کتابوں پر عمل کر کے وہ دنیاوآخرت کی سعادت حاصل کر سکیں۔ کتابوں پر ایمان میں چار چیزیں شامل ہیں:

اولاً :اس بات پر ایمان کہ یہ باتیں واقعتاً اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہیں۔

ثانیاً : ☆۔قرآن کریم حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا۔☆۔انجیل حضرت عیسیٰ ؑ پر نازل ہوئی۔

☆ زبور حضرت داؤد ؑ پر نازل ہوئی۔☆ تورات حضرت موسیٰ ؑ پر نازل ہوئی۔

البتہ جن کتابوں کے نام ہمیں معلوم نہیں ہیں ان پر اجمالی ایمان۔

ثالثاً : ان کتابوں میں موجود جو خبریں یا باتیں صحیح طریقے سے ہمیں پہنچی ہیں ان پر ایمان۔جیسا کہ قرآن حکیم کی ہر ہر آیت اور سابقہ کتابوں میں سے جو آیات تحریف وتبدیل سے محفوظ ہورہی ہیں۔

رابعاً : جو احکام منسوخ نہیں ہوئے ان پر عمل کرنا چاہیے۔ چاہے ہمیں ان کی حکمت سمجھ آئے یا نہ آئے، ہر شکل میں انہیں دل سے تسلیم کرنا اور ان کی پابندی کرنا۔ تمام سابقہ کتابیں قرآن کریم کی آمد کے ساتھ ہی منسوخ ہو چکی ہیں۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقاً لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِناً عَلَيْهِ...﴾(۷۳)۔

ترجمہ: اے نبی ﷺ) ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب بھیجی ہے جو حق لے کر آئی ہے اور ''الکتاب''

میں سے جو کچھ اس کے آگے موجود ہے اس کی تصدیق کرنے والی اور اس کی محافظ ونگہبان۔

چنانچہ سابقہ کتابوں میں نازل شدہ احکام میں سے کسی حکم پر عمل کرنا جائز نہیں، سوائے اس حکم کے جو تحریف وتبدیل سے محفوظ اور قرآن کریم نے اسے برقرار رکھا ہو۔''

رسولوں پر ایمان:

رُسُل : رسول کی جمع ہے بمعنی مُرسَل، یعنی جسے کوئی ذمہ دے کر بھیجا جائے۔ ہماری مراد وہ بشر ہے جس پر وحی کی گئی ہو اور اسے تبلیغ کا حکم دیا گیا ہو۔ سب سے پہلے رسول حضرت نوحؑ اور سب سے آخری حضرت محمد ﷺ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ م بَعْدِهِ﴾ (۷۴)۔

ترجمہ: (اے نبی ﷺ) ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے، جس طرح نوحؑ اور اس کے بعد کے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی۔

حضرت محمد ﷺ کی رسالت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا﴾ (۷۵)۔

ترجمہ: (لوگو) محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہر امت کی طرف حاملِ شریعت رسول بھیجا ہے یا کم از کم سابقہ شریعت کی تجدید کی خاطر نبی ضرور مبعوث فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾ (۷۶)۔

ترجمہ: ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیج دیا اور اس کے ذریعے سے سب کو خبردار کر دیا کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو۔

انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی عام بشری حالات سے گزرنا پڑتا ہے، جیسے بیماری، موت، کھانے پینے کی ضرورت اور اسی طرح کی دوسری ضروریات۔ حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ کا جو مقام بیان کیا ہے، اسے قرآن مجید نے ذکر کیا ہے (۷۷)۔

رسولوں پر ایمان میں چار باتیں شامل ہیں:

اولاً : اس بات پر ایمان کہ ان کی رسالت اللہ تعالیٰ کی طرف سے برحق ہے۔ جس نے کسی ایک رسول کو ماننے سے بھی انکار کیا گویا اس نے سب رسولوں کو ماننے سے انکار کر دیا (۷۸)۔

جس وقت قومِ نوح نے نوحؑ کو جھٹلایا اس وقت آپؑ کے علاوہ کوئی دوسرا رسول تھا ہی نہیں۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں تمام رسولوں کا جھٹلانے کا مجرم قرار دیا۔ اس طرح جن عیسائیوں نے حضرت محمد ﷺ کو جھٹلایا اور آپ ﷺ کی

پیروی اختیار نہ کی، درحقیقت وہ حضرت عیسیٰ ؑ کو بھی جھٹلانے کے مجرم ہیں اور وہ ان کے پیرو کار نہیں۔ بالخصوص حضرت عیسیٰ ؑ نے تو آپ ﷺ کے آنے کی خوشخبری دی تھی۔ عیسائیوں کو آپ ﷺ کی آمد کی بشارت دینے کا واحد مقصد یہ تھا کہ انہیں مطلع کیا کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے ذریعے لوگوں کو گمراہی سے نجات دے کے صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی کرنے والے ہیں۔

ثانیاً : جن رسولوں کا نام ہمارے علم میں آجائے ان کے نام کے ساتھ ان پر ایمان لانا۔ مثلاً حضرت محمد ﷺ، حضرت ابراہیم ؑ، حضرت موسیٰ ؑ، حضرت عیسیٰ ؑ اور حضرت نوح ؑ۔ یہ پانچوں اولوالعزم رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر دو جگہ ان کا تذکرہ کیا ہے۔ فرمایا:

﴿ وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّيْنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنكَ وَمِن نُّوحٍ وَإِبْرَاهِيْمَ وَمُوسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ﴾ (۷۹)۔

ترجمہ: اور (اے نبی ﷺ) یاد رکھیں اس عہد و پیمان کو جو ہم نے سب پیغمبروں سے لیا ہے، تم سے بھی اور نوح ؑ اور ابراہیم ؑ اور موسیٰ ؑ اور عیسیٰ ؑ ابن مریم سے بھی۔

ثالثاً : ان انبیاء و رسل میں سے جس ذات کو ہماری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے اس کی لائی ہوئی شریعت پر عمل کرنا اور وہ خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ۔ آپ ﷺ کو تو تمام انسانوں کی طرف مبعوث فرمایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَلاَ وَرَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لاَ يَجِدُواْ فِيْ أَنفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُواْ تَسْلِيْمًا﴾ (۸۰)۔

ترجمہ: نہیں (اے محمد ﷺ) آپ کے رب کی قسم، یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ آپ ﷺ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ آپ فیصلہ کریں اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ بسر و چشم تسلیم کر لیں۔

آخرت کے دن پر ایمان:

آخرت کے دن سے مراد قیامت کا دن ہے۔ لوگوں کو اس دن حساب اور بدلے کے لئے اٹھایا جائے گا۔ اسے آخری دن اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے بعد کوئی دن نہیں۔ اس دن اہلِ جنت اپنی منزل پر پہنچ جائیں گے اور دوزخ والے اپنے ٹھکانے پر۔ یوم آخرت کے ایمان میں تین باتیں شامل ہیں:

اولاً : بعث پر ایمان سے مراد دوسری بار صور پھونکتے ہی مردوں کا زندہ ہونا ہے۔ اسی وقت تمام لوگ اللہ رب العالمین کے سامنے حاضر ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ وَعْداً عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ﴾(۸۱)۔

ترجمہ: جس طرح پہلے ہم نے تخلیق کی ابتدا کی تھی اسی طرح ہم پھر اس کا اعادہ کریں گے، یہ ایک وعدہ ہے ہمارے ذمے، اور یہ کام ہمیں بہر حال کرنا ہے۔

ثانیاً : حساب اور جزا پر ایمان لانا۔انسان کے ہر ہر عمل کا حساب ہوگا اور اس پر اسے بدلہ ملے گا۔قرآن کریم، سنتِ رسول ﷺ اور اجماع امت اس کی دلیل ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ .ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ﴾ (۸۲)۔

ترجمہ: ان لوگوں کو پلٹنا ہماری طرف ہی ہے۔پھر ان کا حساب لینا ہمارے ہی ذمہ ہے۔

نیز فرمایا:

﴿مَن جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا وَمَن جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلاَ يُجْزَىٰ إِلا مِثْلَهَا وَهُمْ لاَ يُظْلَمُونَ﴾(۸۳)۔

ترجمہ: جو اللہ کے حضور نیکی لے کر آئے گا اس کے لئے دس گنا اجر ہے اور جو بدی لے کر آئے گا اس کو اتنا ہی بدلہ دیا جائے گا جتنا اس نے قصور کیا ہے اور کسی پر ظلم نہ کیا جائے گا۔

نبی اکرم ﷺ نے قیامت کے روز حساب کا نقشہ پیش کرتے ہوئے فرمایا:

((ان اللّٰہ یدنی المومن فیضع علیہ کنفہ و یسترہ فیقول: أتعرف ذنباً کذا؟ فیقول: نعم أی ربّ، حتی قرّرہ بذنوبہ.........قال سترتھا علیک فی الدنیا، وأنا أغفرھا لک الیوم............))(۸۴)۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ مومن کو اپنے قریب کرے گا، پھر اس پر پردہ ڈال کر چھپا لے گا۔اس کے بعد دریافت کرے گا: کیا تو نے ایسے ایسے کام (گناہ) کیے تھے بندہ اقرار کرتے ہوئے کہے گا: جی ہاں، پروردگار! یہ سب میرے قصور ہیں۔یہاں تک کہ وہ اپنے ایک ایک گناہ کا اقرار کرے گا اور اسے یقین ہو جائے گا کہ اب وہ نہیں بچ سکتا۔اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: میں نے دنیا میں بھی ان گناہوں پر پردہ ڈال کر تیری پردہ پوشی کی، اور آج بھی تجھے معاف کرتا ہوں۔پھر اسے نیکیوں والا اعمال نامہ تھما دیا جائے گا۔البتہ کافروں اور منافقوں کو برسر خلائق پکار کر کہا جائے گا: یہی ہیں وہ جنہوں نے اپنے رب کو جھٹلایا۔ تمام لوگ سن لیں ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔

ثالثاً : جنت اور دوزخ پر ایمان مخلوق کا آخری ٹھکانہ یہی دو جگہ ہے۔

<u>جنت:</u> بے پایاں نعمتوں کا مقام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ایسے متقی اہلِ ایمان کے لئے تیار کیا ہے، جو تمام ضروری باتوں پر ایمان لائے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی، اللہ تعالیٰ کے ساتھ اخلاص اور رسول ﷺ کی اطاعت میں کوئی کسر نہ

چھوڑی۔اس جنت میں طرح طرح کی نعمتیں ہیں ''جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنااور نہ کسی کے دل میں ان کا خیال آیا۔''اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ أُوْلَئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ .جَزَآؤُهُمْ عِندَ رَبِّهِم جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا أَبَداً رَّضِيَ اللّٰه عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّه﴾(۸۵)۔

ترجمہ: جولوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے وہ یقیناً بہترین خلائق ہیں۔ان کی جزاان کے رب کے ہاں دائمی قیام کی جنتیں ہیں،جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی،وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوااور وہ اللہ سے راضی ہوئے،یہ کچھ ہے اس شخص کیلئے جس نے اپنے رب کا خوف کیا ہو۔

جہنم: یہ عذاب کا گھر ہے۔اللہ تعالیٰ نے ایسے ظالم کافروں کیلئے تیار کیا ہے،جنہوں نے اللہ کا انکار کیااور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی۔اس جہنم میں قسم قسم کے عذاب اور تکلیفیں ہیں۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِيْنَ﴾(۸۶)۔

ترجمہ: اس آگ سے بچو،جو کافروں کے لئے مہیا کی گئی ہے۔

دوسری جگہ ارشادفرمایا:

﴿إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِيْنَ نَاراً أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا وَإِن يَسْتَغِيْثُوا يُغَاثُوا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِيْ الْوُجُوهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقاً﴾(۸۷)۔

ترجمہ:ہم نے انکار کرنے والے ظالموں کے لئے ایک آگ تیار کر رکھی ہے،جس کی لپٹیں انہیں گھیرے میں لے چکی ہیں۔وہاں وہ اگر پانی مانگیں گےتو ایسے پانی سے ان کی تواضع کی جائے گی،جو تیل کی تلچھٹ جیسا ہوگا اور ان کا منہ بھون ڈالے گا،بدترین پینے کی چیز اور بہت بری آرام گاہ۔

موت کے بعد جو کچھ بندے کو پیش آتا ہے وہ سب ایمانِ آخرت میں شامل ہے۔

قبر میں امتحان: مردے سے دفن کے بعد رب، دین، اور نبی ﷺ کے بارے میں سوال ہوتا ہے۔اہلِ ایمان کواللہ تعالیٰ مستحکم قول کے ذریعے ثابت قدمی عطا فرماتا ہے۔چنانچہ مومن کا جواب ہوتا ہے: میرا رب اللہ تعالیٰ ہے،میرا دین اسلام ہے اور میرے نبی محمد ﷺ ہیں۔البتہ ظالموں کواللہ تعالیٰ صحیح راہ سے محروم کردیتا ہے۔

عذابِ قبر یا آسائش: عذابِ قبر منافقوں اور کافروں جیسے ظالموں کے لئے ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَوْ تَرٰى إِذِ الظَّالِمُونَ فِيْ غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلآئِكَةُ بَاسِطُوا أَيْدِيْهِمْ

أَخْرِجُوا أَنفُسَكُمُ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنتُمْ عَنْ آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ﴾(۸۸).

ترجمہ: کاش تم ظالموں کو اس حالت میں دیکھ سکو جبکہ وہ سکرات موت میں ڈبکیاں کھا رہے ہوتے اور فرشتے ہاتھ بڑھا کر کہہ رہے ہوتے ہیں کہ "لاؤ، نکالو اپنی جان، آج تمہیں ان باتوں کی پاداش میں ذلت کا عذاب دیا جائے گا جو تم اللہ تعالیٰ پر تہمت رکھ کر ناحق کہا کرتے تھے اور اس کی آیات کے مقابلے میں سرکشی دکھاتے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام مسلمانوں کو کتنی واضح تعلیمات قرآن وحدیث سے فراہم کرتا ہے۔ نیز اس باب میں تینوں الہامی مذاہب کی تاریخ اور ان کے انبیاء کے حالات زندگی اور ان کی لائی گئی تعلیمات اور ان کے دینی سرمائے کا اجمالاً تذکرہ کیا گیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء لوگوں کی اصلاح اور فلاح معاشرے میں امن اور عدل کے قیام کے لئے تشریف لائے سب نے ایک اللہ کی طرف بلایا اس لئے آج بھی الہامی مذاہب کے پیروکاروں کو چاہئے کہ ان باتوں پر عمل کرتے ہوئے اپنی زندگیوں کو بہتر کریں اور معاشرے کی فلاح کا بیڑہ اسی طرح اٹھائیں جیسے ان کے انبیاء نے اٹھایا۔ جب تک وہ اپنے دین سے دور رہیں گے ایک دوسرے پر ظلم کریں گے اور فساد برپا ہوگا جس سے بچنے کی انسان کو خود اور تمام دنیا کو ضرورت ہے۔

حواشی وحوالہ جات

باب اول/فصل سوم

۱۔ تفصیل کیلئے دیکھئے: ابن منظور' لسان العرب، ص:۲۸۹/۱۲ تا ۳۰۱ امام راغب، مفردات القرآن' ص:۱/ ۴۹۲۔۔المنجد فی اللغۃ' مادہ س' ل' م' ص: ۳۴۷۔فرہنگ آصفیہ' ص:۱/۱۶۷۔قومی انگریزی لغت' ص:۲۹۹۔الزبیدی' تاج العروس' ص:۱۰۴۲/۲' اردو دائرہ معارف اسلامیہ' ص:۲/ ۶۶۷۔ سید قاسم محمود' اسلامی انسائیکلوپیڈیا ' ص: ۱۵عبد الفتاح طیارہ' روح الدین الإسلامی، ص:۱۳۔اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، ص:۱۱۰۔مولوی نور الحسن، نور اللغات،، ص:۲۹۳ حافظ محمد ندیم قاسمی' اسلام ایک عالمگیر مذہب' ص:۶۵

صدرالدین اصلاحی' اسلام ایک نظر میں' ص:۲۔نیز دیکھئے: ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم' اسلام کی بنیادی حقیقتیں، ادریس کاندہلوی' اصول اسلام' ص:۲/۱۷۲' ۱۷۳۔

2.Encyclopedia of Islam, vol:iv, p:171

Encyclopedia of Social Sciences,7/202

3.Encyclopedia Americana , p:15/491.

Concise Encyclopedia of Islam, p:192.

Wikipedia the free Encyclopedia islam.htm

http://www.bragohuti,com/islam/meaning.

۴۔ أیضا۔

۵۔ المائدہ:۱۶۔

۶۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، دینیات، ص:۱۰ ترجمان القرآن لاہور۔

۷۔ البقرہ،:۱۳۱

۸۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری، تعلیماتِ اسلام، ص:۳۴' ادارہ منہاج القرآن۔دیکھئے، محمد، ۴۷:۳۵
البقرہ، ۲:۲۰۸۔

۹۔ پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری، تعلیماتِ اسلام، ص:۳۴۔

۱۰۔ أیضاً، نیز دیکھئے قدر آفاقی، اسلامی تعلیمات،ص:۲۷، پولیمر پبلیکیشنز لاہور

۱۱۔ أیضاً۔

۱۲۔البخاری، الجامع الصحیح البخاری، کتاب الایمان، باب:المسلم من سلم المسلمون. من لسانه ویده، رقم الحدیث:۱۰،۱۱۔

۱۳۔ سید امیر علی ٗروح اسلام مترجم ٗہادی حسین ٗص:۲۳۷ ٗادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور

۱۴۔ امام فخر الدین رازی تفسیر رازی،ص:۱/۸۵۰،فرمانبرداری واطاعت۔اطاعت وفرمانبرداری میں داخل ہونا۔دین اورعقیدے کا خالص کرنا بھی اسلام میں داخل ہے۔

۱۵۔ ابن کثیر،تفسیر القرآن العظیم،آل عمران:۱۹آیت کی تفصیل کے ضمن میں ۔

۱۶۔ سید شریف الجرجانی، کتاب التعریفات،ص:۲۱،مکتبہ رحمانیہ لاہور

۱۷۔ ابن منظورٗ لسان العرب،ص:۱۲/۲۸۹تا۳۰۱

۱۸۔ أیضاً۔

۱۹۔ مولانا مفتی محمد شفیع ٗمعارف القرآن ٗص:۳۲۱۲۔

۲۰۔ یونس:۷۲۔

۲۱۔ البقرہ:۱۲۸۔

۲۲۔اردو دائرہ معارف اسلامیہ،ص:۲/۲۶۷،۲۶۷۔پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری، تعلیماتِ اسلام،ص:۳۷۔انوار ہاشمی،عقائد ونظریات،ص:۶۔أبو حنیفہ ٗالفقہ الأ کبر مع شرح علی قاری ٗص:۹۰۔

۲۳۔البخاری،الجامع الصحیح البخاری، کتاب الایمان، باب: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده، رقم الحدیث:۱۰،۱۱۔

۲۴۔ الازہری، پیر محمد کرم شاہ،،ضیا القرآن،ص:۱/۲۳۷ ٗضیا القرآن پبلیشرز،لاہور

۲۵۔ مودودی، سید ابو الاعلیٰ، تفہیم القرآن،ص:۱/۳۳۹ ٗادارہ ترجمان القرآن لاہور

۲۶۔ البقرۃ:۱۳۱۔۲۹۔آل عمران:۴۴۔شوریٰ،۱۳۔ڈاکٹر محمد فاروق خان،اسلام کیا ہے،ص:۳۹۔۲۸ ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی، مطالعہ مذاہب،ص:۱۰۔۳۲ محمود رشید حدوٹی،مطالعہ مذاہب،ص:۱۰۴،۱۰۵۔

۲۷۔ مفتی محمد شفیع،معارف القرآن،ص:۲/۳۳،آل عمران:۸۵۔المسلم،صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان ان دین النصیحة، رقم الحدیث:۹۵۔

۲۸۔ المائدہ:۳۔

۲۹۔ یونس،۱۰:۶۳۔المسلم،صحیح مسلم،کتاب الجہاد والسیر ،باب فتح مکۃ،رقم الحدیث:[۴۶۲۴]۸۶

۳۰۔ سید مودودی،دینیات،ص:۱۔

۳۱۔ محمود رشید حدوئی،مطالعہ مذاہب،ص:۱۰۴،۱۰۵۔۱۰۸ مکتبہ آب حیات لاہور

۳۲۔ البقرہ:۳۸۔

۳۳۔ آل عمران:۶۷

۳۴۔ المائدہ:۳۔

۳۵۔ آل عمران:۱۹۔

۳۶۔ محمود رشید حدوئی،،مطالعہ مذاہب،ص:۱۰۶،۱۰۷۔

۳۷۔ صفی الرحمان مبارکپوری،الرحیق المختوم،ص:۲۶۳' مکتبہ سلفیہ لاہور نیز دیکھئے:شبلی نعمانی'
سیرت النبی،ص: ۱/۱۱۲۔

۳۸۔ ایضاً'قاضی سلیمان منصورپوری،رحمۃ للعلمین ص:۱/۳۵،شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور۲۰۰۰ء۔شبلی نعمانی،
سیرت النبی'ص: ۱/۱۱۲،۱۲۰،۱۲۱،ابن ہشام،سیرت ابن ہشام،ص/۱:۴۲

۴۰۔ ابن ہشام،سیرت ابن ہشام،ص:۱/ ۱۶۶،نفیس اکیڈمی کراچی،۲۰۰۰ءاس دستور کی تفصیل کیلئے دیکھئے:
ڈاکٹر حمید اللہ صدیقی،عہد نبوی ﷺ کا نظام حکمرانی،نیز دیکھئے:عہد رسالت ﷺ کی لڑائیوں کا فن کا
مطالعہ کرنے کے لیے ڈاکٹر حمید اللہ صدیقی،عہدِ نبوی ﷺ کے میدانِ جنگ۔

۴۱۔ شبلی نعمانی،سیرت النبی،ص:۱۳۰'المیزان ناشران وتاجران کتب اردو بازار لاہور۲۰۰۴ء۔ابن ہشام
سیرت ابن ہشام،ص:۱/۱۶۶۔سلیمان ندوی،خطبات مدارس،ص:۷۸،۷۹۔

۴۲۔ ابوالفدا،تاریخ ابوالفدا،ص:۱۱۷

۴۳۔ ایضاً

۴۴۔ رحمۃ للعالمین،ص:۵۰۔سیرت ابن ہشام،ص:۱/ ۲۰۷۔زادالمعاد،ص:۱/۲۴

۴۵۔ ایضاً

۴۶۔ صفی الرحمان مبارکپوری،الرحیق المختوم،ص:۲۶۳۔شوقی اُبوخلیل،اُطلس القرآن'ص:۲۶۰'۲۶۱۔

۴۷۔ ابن ہشام،سیرت ابن ہشام،ص:۱/۱۶۸

۴۸۔ أیضا۔

۴۹۔ المائدہ:۳۔

۵۰۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی ﷺ، ص:۲۴۴۔
۵۱۔ الاحزاب:۴۰
۵۲۔ المائدہ:۳ ،آل عمران:۱۹
۵۳۔ آل عمران:۸۵ ،الاعراف:۱۵۸
۵۴۔ المسلم، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب: وجوب الایمان برساله نبینا محمد ﷺ
الی جمیع الناس ونسخ الملل بملة، رقم الحدیث:[۳۸۶] ۲۴۰۔(۱۵۳)
۵۵۔ التوبۃ:۳۳ نیز دیکھئے، الصف:۹
۵۶۔ النحل:۹۰
۵۷۔ قرآن مجید کے انداز بیان کی خصوصیت کے لئے دیکھئے اُبو الاعلیٰ مودودی مقدمہ تفہیم القرآن۔
۵۸۔ البخاری، صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب دعاوکم ایمانکم، رقم الحدیث:۸، المسلم، صحیح مسلم،
کتاب الایمان، باب: بیان ارکان اسلام ودعائمة العظام، رقم الحدیث:۱۶
۵۹۔ الاعراف:۹۶ تا ۹۹
۶۰۔ البقرۃ:۱۷۷
۶۱۔ القمر:۴۹،۵۰
۶۲۔ المسلم، صحیح المسلم، کتاب الایمان، رقم الحدیث:[۹۳]۱۔(۸)
۶۳۔ البخاری، صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب: اذا اسلم الصبی حدیث نمبر:۱۲۹۲
۶۴۔ الطّور:۳۵
۶۵۔ الانبیاء:۲۶
۶۶۔ البخاری، صحیح البخاری، کتاب الجمعۃ، باب: الاستقاء فی الخطبہ یوم الجمعۃ، رقم الحدیث:۹۳۳
۶۷۔ القمر:۱،۲
۶۸۔ الاعراف:۵۴، فاطر:۵۴ ،المؤمنون:۸۴ تا ۸۹ الزخرف:۹
۶۹۔ البقرۃ:۱۶۳ ،آل عمران:۱۸
۷۰۔ الاعراف:۱۸۰
۷۱۔ البخاری، الصحیح بخاری، کتاب مناقب انصار، باب المعراج، رقم الحدیث:۳۸۸۷
۷۲۔ المسلم، صحیح مسلم، کتاب الایمان، حدیث جبرئیل، رقم الحدیث:[۹۳]۱۔(۸)
۷۳۔ المائدہ:۴۸

۷۴۔ النساء:۱۶۳

۷۵۔ الاحزاب:۴۰

۷۶۔ النحل:۳۶

۷۷۔ الشعراء:۱۷۹تا ۱۸۱،البخاری،صحیح البخاری،کتاب الصلاۃ،باب التوجہ نحو القبلۃ حیث کان،رقم الحدیث:۴۰۱

۷۸۔ الشعراء:۱۰۵

۷۹۔ الاحزاب:۷، الشوریٰ:۱۳

۸۰۔ النساء:۶۵

۸۱۔ الانبیاء:۱۰۴۔القصص:۸۵،البخاری،صحیح البخاری،کتاب الرقاق،باب الحشر،رقم الحدیث:۶۵۲۶

۔ المسلم،صحیح مسلم،کتاب الجنۃ وصفۃ،باب فناء الدنیا وبیان الحشر یوم القیامۃ، رقم الحدیث:۷۲۰۱،

۸۲۔ الغاشیہ:۲۵،۲۶

۸۳۔ الانعام:۱۶۰

۸۴۔ البخاری،صحیح البخاری،کتاب المظالم،باب قول اللہ: (الا لعنۃ اللّٰہ علی الظلمین)،رقم الحدیث:۲۴۴۱،۳۰۹

نیز دیکھئے،المسلم،صحیح مسلم،کتاب التوبۃ،باب :توبۃ القاتل وان کثر قتلہ،رقم الحدیث

:۲۷۶۸،البخاری،صحیح البخاری،کتاب الرقاق،باب من ھم بحسنۃ او بسیئۃ،رقم الحدیث:۶۱۲۶

۸۵۔ البینۃ: ۷،۸،نیز دیکھئے:السجدہ: ۱۷

۸۶۔ آل عمران:۱۳۱

۸۷۔ الکہف :۲۹ ،الاحزاب:۶۴ تا ۶۶

۸۸۔ الانعام:۹۳

باب دوم

الہامی مذاہب میں مشترکہ اقدار،قرآن اور کتاب مقدس کی روشنی میں

فصل اول: مشترکہ عقائد کا علمی جائزہ

مبحث اول: عقیدہ توحید باری تعالیٰ قرآن اور کتاب مقدس کی روشنی میں

فصل اول: مشترکہ عقائد کا علمی جائزہ

انسان کے تمام افعال، اعمال اور حرکات کا محور اس کے خیالات ہیں یہی اس کو بناتے اور بگاڑتے ہیں۔ یہ عام خیالات درحقیقت اس کے چند پختہ غیر متزلزل اور غیر مشکوک اصولی خیالات پر مبنی ہوتے ہیں۔ انہی اصولی خیالات کو عقائد کہتے ہیں۔ یہی وہ نقطہ ہے جس سے انسانی عمل کا ہر خط نکلتا ہے اور اس کے دائرہ حیات کا ہر خط اسی پر جا کر ختم ہوتا ہے۔ ہمارے تمام افعال اور حرکات ہمارے ارادے کے تابع ہیں۔ ہمارے ارادے کے محرک ہمارے خیالات اور جذبات ہیں اور ہمارے خیالات و جذبات پر ہمارے عقائد حکومت کرتے ہیں۔ اسی کو ہم عام زبان میں ''دل'' یا ''قلب'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ معلم اسلام نے اسی کے بارے میں بتایا کہ انسان کے تمام اعضاء میں اس کا دل ہی نیکی اور بدی کا گھر ہے۔

چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

((ألا وإن فی الجسد مضغة إذا صلحت صلح الجسد كلّه وإذا فسدت فسد الجسد كلّه ألا وهی القلب))(۱).

ترجمہ: انسان کے بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جو اگر درست ہے تو تمام بدن درست ہے اور اگر وہ بگڑ گیا تو تمام بدن بگڑ گیا۔ ہاں وہ ٹکڑا دل ہے۔

ہمارے اعمال کا ہر محرک، ہمارے اسی دل کا ارادہ اور نیت ہے۔ اس کے متعلق بھی نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے

((إنّما الاعمال با لنيّات))(۲).

ترجمہ: بیشک تمام اعمال (کاموں) کا دارومدار نیتوں پر ہے

انسان کی عملی اصلاح کے لئے اس کی قلبی اور دماغی اصلاح مقدم ہے اور انسان کے دل اور ارادے پر کوئی چیز حکمران ہے تو وہ اس کا عقیدہ ہے راست اور صالح عمل کے لئے ضروری ہے کہ چند صحیح اصولوں کا اس طرح تصور کریں کہ وہ دل کا غیر مشکوک یقین اور غیر متزلزل عقائد بن جائیں اسی مستحکم عقیدے کے تحت ہم تمام کام

انجام دیں۔ ایمان ہمارے تمام اعمال کی اساس ہے، جس کے بغیر ہر عمل بے بنیاد ہے اور ہماری سیرابی کا اصل سرچشمہ ہے۔ خدا کے وجود کا اقرار اور اس کی رضامندی کا حصول، ہمارے اعمال کی غرض و غایت ہیں اس کے بغیر ہمارے سب کام بے مقصد ہیں۔ تورات میں عقائد کا ذکر ہے لیکن ایمان کی حقیقت اور اہمیت ہمیں اس سے معلوم نہیں ہوتی انجیل مقدس میں ایمان کی ضرورت پر زور صرف خوارق عادت پر قدرت اور اختیار پانے کے لئے دیا گیا ہے۔

عقائد دراصل چند سیدھے سادے اصول ہیں جو تمام ذہنی سچائیوں اور واقعی حقیقتوں کا جوہر اور خلاصہ ہیں، ان کا عقیدہ، اور ان

پر یقین کرنے کا نام ایمان ہے اس کی مزید وضاحت ہم اس طرح کر سکتے ہیں کہ عقیدہ دراصل ان فیصلوں کا نام ہے جنہیں انسان اپنی عقل سے سوچ کر، کانوں سے سن کر، اور قوانین الٰہی کے ذریعے پرکھ کر صادر کرتا ہے۔ یہ فیصلے دوٹوک اور بے لاگ ہوتے ہیں، عقل و نقل کی کسوٹی پر قطعی پورا اترتے ہیں۔ اسی لئے ایک بار جب اس کا ذہن اس قسم کا کوئی فیصلہ صادر کرتا ہے، اور اپنے دل و دماغ میں وہ ٹھان لیتا ہے کہ جو اس نے سوچا وہی برحق اور درست ہے، تو اب کوئی طاقت اسے نہ اپنے فیصلے سے ہٹا سکتی ہے نہ کوئی شک شبہ کا احتمال اس کے دل میں پیدا کر سکتی ہے۔ اس قسم کا اولین فیصلہ بندہ اپنے بنانے والے کے بارے میں کرتا ہے وہ دل سے مانتا ہے اور زبان سے اقرار کرتا ہے کہ وہ ذات واحد ہے جس نے اسے وجود بخشا وہی خالق مالک رازق ہے۔ اس نے کل کائنات کو اس کے لئے اور اسے اپنی پرستش اور بندگی کے لئے پیدا کیا اسی غرض کے لئے اس نے تمام بے شمار انبیاء اور رسول ہر قوم اور ہر زمانے میں مبعوث ہوئے۔ ان پر الہامی کتب نازل کیں۔ صاحب ایمان سمجھتا ہے کہ اس کا رب بے نیاز ہے بندے اس کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں وہ زندگی اور موت پر قادر ہے وہی اس کا حساب لے گا اور لینے والا ہے اور یہ آخرت پر یقین ہی ہے جو انسان کو اچھے کام کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور برے کاموں سے دور رکھتا ہے اور رب سے تعلق کو مضبوط کرتا ہے۔ اس مبحث میں ہم انہی عقائد کا جو تینوں مذاہب میں مشترک ہیں کا تفصیلی اور جامع تذکرہ کریں گے۔

مبحث اول: عقیدہ توحید باری تعالیٰ قرآن اور کتاب مقدس کی روشنی میں

عقیدۂ توحید کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم

عقیدہ:

عقیدہ کا لغوی معنی:

لفظ "عقیدہ" "عقد" سے ہے۔

ابن فارس فرماتے ہیں:

" العین ، والقاف والدال اَصْلُ وَاحِدُ یَدُلّ علیٰ شدّ و شِدّ ۃِ وَثُوق(۳)۔"

ع۔ق۔د(عقد)اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ "کسی چیز کو مضبوط کرنا، باندھنا اور پختہ کرنے وغیرہ۔

☆ امام راغب اصفہانی کے بقول:

"العقد کے معنی کسی چیز کے اطراف کو جمع کر دینے یعنی گرہ باندھنے کے ہیں، سودے کو پختہ کرنا، محکم عہد باندھنا وغیرہ۔" مزید لکھتے ہیں کہ:

"العقد اصل میں مصدر ہے اور بطور اسم استعمال ہوتا ہے اسکی جمع عقود ہے اور اسکا معنی پختہ یقین ہے۔(۴)۔"

☆ صاحب منجد فرماتے ہیں:

"عقد کا معنی گرہ لگانا، بیع یا قسم کو پکارنا، کے ہیں۔جس پر پختہ یقین کیا جائے جس کو انسان دین بنائے اوراس پر اعتقاد رکھے(۵)۔"

یعنی عقد کا معنی جوڑنا اور مضبوط کرنا ہیں قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر یہ لفظ مختلف معنی میں استعمال ہوا ہے(۶)۔

معجم الوسیط میں عقیدہ کے لغوی معنی کے متعلق لکھا ہے کہ:

" الحکم الذی لا یقبل الشک فیه لدی معتقده وفی الدین مایقصد به الاعتقاد دون عملک عقیدة وجوداللہتعالی وبعثة الرسل(۷)۔"

ترجمہ: عقیدہ ایسے حکم کو کہتے ہیں جس میں اعتقاد رکھنے والے کو کوئی شک نہیں ہوتا اور دین میں عقیدہ کا معنی دل میں ایسی گرہ باندھنا جو عمل کے سوا ہو مثلاً اللہ تعالیٰ کے وجود اور انبیاء علیہا السلام کی بعثت کے متعلق عقیدہ"۔

☆ وحیدالزمان قاسمی کیرانوی کے بقول:

"ایسا فیصلہ یا نظریہ جس کے ماننے والوں کے لئے اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہ ہو۔اعتقاد، پختہ خیال، یقین کامل، نا قابل تردید نظریہ، مذہباً کسی بات کا پختہ یقین واعتقاد جس کا عمل سے کوئی تعلق نہ ہو

جیسے خدا کے وجوداور پیغمبروں کی بعثت کاعقیدہ، ج؛عقائد(۸)۔"

☆ فیروزالدین کے بقول:

"عقیدہ (ع۔ق۔دہ) دل میں جمایا ہوایقین، ایمان، اعتقاد، اعتبار(۹)۔"

☆ عبدالحمید کے بقول:

" عقیدہ وہ نظریہ یا خیال ہے جس کی صداقت پر صاحب عقیدہ کو پختہ یقین ہواور اس کی بابت وہ کسی شک وشبہ کو دل میں نہ آنے دے۔اردو میں اس کے معنی اعتقاد ٗایمان ٗمذہبی اصول کو ماننا ٗبھروسہ ٗاعتبار ٗعقد باندھنا(۱۰)۔"

☆ الیاس انطون کے بقول:

عقیدے کے لئے انگریزی میں Belief , Faith , creed کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں(۱۱)۔

"عقیدہ" "عقد" سے ہے، جس کے معنی "باندھنے" کے ہیں۔جیسے جو خیالات ذہن میں باندھ دیئے جائیں، وہ ذہن میں جم جاتے ہیں۔ایسے سب خیالات کو عقیدہ کہتے ہیں۔اور اصطلاحِ مذہب میں عقیدہ ان خیالات کا نام ہے، جو دین ومذہب کے نام پر دل میں راسخ ہوں(۱۲)۔"

عقیدہ کا اصطلاحی مفہوم:

عقیدہ کے معنی ہیں وہ قلبی تصدیق جو کسی تصور میں یقین کی کیفیت پیدا کرتی ہے۔

علامہ محمد امان بن علی الجامی فرماتے ہیں:

"تصميم القلب و الاعتقاد الجازم الذى لا يخالطه شك فى المطالب الالهية والنبوات و أمور المعاد و غيرها مما يجب الايمان به(۱۳)۔"

ترجمہ: دل کا مضبوط ارادہ اور پکا یقین کہ جن میں شک کی جھلک نہ ہو یعنی اللہ تعالیٰ کی مطلوبہ باتوں میں، نبوتوں اور معاد کے معاملات وغیرہ میں جو باتیں ایمان کو واجب کرتی ہیں"۔

علی بن محمد الجرجانی نے عقائد کے معنی یہ بیان کئے ہیں:

"ما يُقْصَدُ فيه نفس الاعتقاد دون العمل(۱۴)۔"

ترجمہ: اس سے صرف اعتقاد مقصود ہے، عمل اس میں شامل نہیں۔

شیخ محمد صالح فرماتے ہیں:

"فهو حكم الذهن الجازم يُقال: اعتقد ت كذا يعنى جزمت به فى قلبى فهو حكم الذهن الجازم فان طابق فصحيح و ان خالف ففساد (۱۵)۔"

ترجمہ: پس عقیدہ یہ ہے کہ عزم کرنے والے ذہن کا فیصلہ دینا جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ میں نے ایسا اعتقاد/ یقین کرلیا یعنی میرے دل نے پختہ ارادہ کرلیا پس وہ ایک ذہن کے پختہ فیصلے کا نام ہے اگر یہ حقیقت کے مطابق ہے تو درست اور پھر یہ حقیقت کے خلاف ہے تو خراب اور فاسد ہے۔

مولانا عبدالستار حماد فرماتے ہیں:

''عزم بالجزم اور پختہ ذہن پر عقیدہ کا اطلاق ہوتا ہے خواہ ذہن کی پختگی حق پر ہو یا باطل پر ہو۔ الغرض عقیدہ یہ ہے کہ انسان کسی چیز پر پختہ یقین رکھے اور اسے دین کے طور پر اپنائے قطع نظر کہ وہ چیز حق پر ہو یا باطل پر ہو(۱۶)۔''

ابوانس یحییٰ فرماتے ہیں:

''عقیدہ اس نظریہ کا نام ہے جو دین کے معاملہ میں عقیدہ رکھنے والے کے دل میں ایسا راسخ اور پختہ ہو کہ اس کے صحیح اور درست ہونے میں کسی قسم کا شک اور تردد نہ ہو(۱۷)۔''

مولانا محمد طاہر فرماتے ہیں:

''عقیدہ ان خیالات کا نام ہے جو دین ومذہب کے نام پر دل میں راسخ ہوں(۱۸)۔''

شیخ امین اللہ فرماتے ہیں:

''عقیدہ وہ گرہ ہے جو مضبوطی کے ساتھ دل پر لگی ہو اور اسلامی عقیدے کا معنی یہ ہے کہ دل سے اس بات کی تصدیق کی جائے کہ بے شک اللہ ہی رب العالمین، الہ برحق اور معبود برحق ہے، ہر چیز کی بادشاہت اسی کے ہاتھ میں ہے ،وہی پیدا کرنے والا عظیم خالق ہے جو وہ چاہتا ہے ہوجاتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا، اس بات کی تصدیق کہ تمام رسول برحق ہیں، فرشتے برحق ہیں، جنت اور جہنم حق ہیں، کتب سماوی برحق ہیں، قیامت بھی شک وشبہ سے بالاتر حقیقت ہے(۱۹)۔''

اردو دائرہ معارف الاسلامیہ میں لکھا ہے:

''عقیدے کے معنی ہیں وہ قلبی تصدیق جو کسی تصور میں یقین کی کیفیت پیدا کرتی ہے'' ۔عقیدے سے مراد وہ بات ہے جسے انسان اپنے دل سے اس طرح تسلیم کرے کہ اس بات پر اسے سکون وثبات مل جائے اور وہ اس کے دل سے پورا مربط ہوجائے کہ طلب وتردد کا مزید سلسلہ منقطع ہوجائے(۲۰)۔''

جو علم عقیدے سے بحث کرتا ہے اسے علم العقائد کہا جاتا ہے اور اس کا موضوع اللہ جل شانہ کی ذات، اس کی حقیقی، اضافی اور فعلی صفات کی اصل کا بیان ہے ۔اس علم کی تعریف یہ ہے:

''علم العقائد ایک ایسا علم ہے جس کا تعلق ان اصولی معتقدات سے ہے جو مبدا (ذات باری)

اوراس کی صفات سے بحث کرتے ہیں۔ان اصولی معتقدات سے صحیح واقفیت حاصل کیے بغیر
دین اسلام کا حقیقی علم حاصل ہونا ناممکن ہے(۲۱)۔"

علم العقائد کا مقصد یا غرض و غایت یہ ہے کہ دنیا اور آخرت کی انتہائی سعادت وفلاح فرد انسانی کو نصیب ہو سکے۔اس علم کی اہمیت یہ ہے کہ یہ اصول اسلام کی بنیاد ہے کیونکہ جب تک دینی عقیدہ درست نہ ہو اس وقت تک اس کے نیک اعمال بھی درست اور قابل اجر قرار نہیں پاتے۔عقیدے سے مراد وہ بات ہے جسے انسان اپنے دل سے اس طرح تسلیم کرے کہ اس بات پر اسے سکون وثبات مل جائے اور وہ اس کے دل سے یوں مرتبط ہو جائے کہ طلب وتردد کا مزید سلسلہ منقطع ہو جائے خواہ گمان غالب ہو جس پر دل کو ثبات حاصل ہو چکا ہو یا قطعیت کی صورت ہو۔عقیدے کی انواع میں سے ایک نوع وہ ہے جس سے ایمان کا قوام وابستہ ہے اور جس پر ہمیشہ کے عذاب دوزخ سے نجات موقوف ہے۔عقائد کی دوسری نوع ایمان کامل کا ایک خاص رنگ ہے اس کی مخالفت ایمان کی بنیاد اکھاڑنے کے درجے میں نہیں آتی۔پھران عقائد کی نوع اول چار اجزاء پر منقسم ہے:ایک جزو کا تعلق الٰہیات،مبداء(یعنی تخلیق کائنات کا بنیادی سبب بننے والی ہستی) اور اس کے اوصاف سے ہے؛ دوسرے جزو کا تعلق معاد،یعنی روز جزا سے ہے اور تیسرا نبوت و رسالت،چوتھا امامت سے تعلق رکھتا ہے یہ اجزا قرآن وحدیث سے ثابت ہیں(۲۲)۔

توحید کا لغوی معنی:

کسی چیز کو ایک سمجھنا'وحدت،وحدانیت،یکتائی،یگانگت،تفرید،یگانگی،لاشریک متحد یا مضبوط کرنا۔توحید کا مادہ''وحد'' ہے اور اس کے مصادر میں سے''وحد'' اور''وحدۃ'' زیادہ مشہور ہیں۔جس کا مطلب ہے اکیلا اور بے مثال ہونا۔''وحید'' یا''وحد'' اس ہستی کو کہتے ہیں جو اپنی ذات اور اپنی صفات میں اکیلی اور بے مثال ہو۔''وحد'' کا واؤ ہمزہ سے بدل کر''احد'' بنا ہے(۲۳)۔

ماہر لغت زبیدی فرماتے ہیں:

" قال اللیث:الوحد , المتفرد , رجل وحد و ثور وحد ،وتفسیر الرجل الوحد أن
لا یعرف لا أصل و التوحید : الایمان باللہ وحدہ لاشریک لہ و اللہ الواحد
الاوحد الاحد والمتوحد : ذو الوحدانیة و التوحید.قال ابو منصور : الواحد
منفرد بالذات فی عدم المثل و النظیرو الاحد منفرد بالمعنی و قیل : الواحد : ھو
الذی لایتجزأ و لا یثنی ولا یقبل الانقسام و لا نظیر لہ ولا مثل و لایجمع ھاذین
الوصفین الا اللہ عزوجل (۲۴)۔"

ترجمہ: لیث فرماتے ہیں: ایک،اکیلا،ایک آدمی ایک بیل،اور ایک آدمی کا بیان کرنا کہ جس کی اصل کی پہچان نہ ہو۔اور توحید:اس اکیلے اللہ پر ایمان جس کا کوئی شریک نہیں،اللہ ایک ہے تنہا ہے یکتا اور واحد، وحدانیت والا اور بے مثال ہے۔ابومنصور نے کہا: اکیلا ہے جس کی ذات کی کوئی مثال نہیں ملتی اور وہ بے نظیر اور بے مثال ہے۔اور احد اور متفرد ایک ہی معنی ہے۔اور کہا جاتا

ہے: وہ اکیلی ذات جس کا کوئی ہم پلہ اور ثانی نہیں اور جو تقسیم کو پسند نہیں کرتا اور جس کی کوئی نظیر اور مثال نہیں ملتی اور یہ دونوں صفات اللہ کے علاوہ کسی اور میں اکٹھی نہیں ہوتیں۔

☆ Edward william کے بقول:

A doctrine or the like upon which ones' mind is firmly setteled or determined , or to which hold , ageners or cleaves with the heart or mind a belief or firm belief or persuasion a creed , an article of belief a relegious tanent i.e.(25)

ترجمہ: وہ عقیدہ جس پر انسان کا دماغ پوری طرح سے مرکوز اور پرعزم ہو اور جس کو انسان دل و دماغ کی گہرائیوں سے مانے۔ ایک ایسا تصور جس پر انسان کا پختہ یقین ہو اور پوری طرح سے آمادہ ہو۔ سوچ، پختہ یقین، راہنما اصول۔

توحید کی اصطلاحی تعریف:

اسلام کے پانچ ارکان میں سے پہلا اور بنیادی رکن اللہ تعالیٰ کو واحد ماننا، جس کی خدائی میں کوئی اور شریک نہیں (۲۶)۔

اصطلاح شریعت میں اللہ کو صفت ربوبیت کے ساتھ جاننا، اس کی واحدانیت کا اقرار کرنا۔ اسے ہر قسم کے شرکاء سے بری سمجھنا۔ توحید کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک کو اس کی ذات اور صفات میں شریک سے پاک ماننا، یعنی جیسا اللہ تعالیٰ ہے، ویسا ہم کسی کو اللہ نہ مانیں۔ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کو اللہ تصور کرتا ہے تو وہ ذات میں شرک کرتا ہے (۲۷)۔

اسلام میں توحید کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کائنات کا خالق ایک ہے، اسی طرح اس کا مالک بھی ایک ہی ہے اور ٹھیک اسی طرح وہ ہستی بھی ایک ہے جس کے سامنے روزِ محشر انسان اپنے اعمال کا جواب دہ ہوگا (۲۸)۔

ایمان باللہ سے مراد عقیدہ توحید ہے۔ یعنی زبان سے اقرار کرنے اور دل سے تصدیق کرنے کا نام ہے۔

''اقرار باللسان و تصدیق بالقلب(۲۹)۔''

بنابریں ایمان باللہ کا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے واحد یکتا ہونے، اس کے خالق و مالک ہونے اس کے پروردگار اور حاجت روا ہونے کا زبان سے اعتراف کیا جائے اور دل کی گہرائیوں سے اس کی تصدیق کی جائے (۳۰)۔

کلمہ توحید پر ایمان رکھنے کا مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ وہی معبود

ہے۔اس کے علاوہ کوئی اور عبادت کے لائق نہیں ۔معبودیت صرف اسی کا حق ہے۔اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہوسکتا۔اللہ تعالیٰ واحد ہے،وہی واحد معبود ہے(۳۱)۔

توحید کی تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات،صفات اور حکم یا قانون میں کسی دوسرے کو شریک نہ سمجھا جائے یا خدا کو ایک ماننا وحدانیت یا توحید کہلاتا ہے(۳۲)۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ .اَللّٰهُ الصَّمَدُ . لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ .وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴾ (۳۳)۔

ترجمہ:اے پیغمبرﷺ !لوگوں سے فرمادیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے۔اللہ بے نیاز ہے۔نہ اس کی کوئی اولاد ہے،اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے۔

اس بات کی تصدیق کرنا کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہے، بے نیاز ہے، سارے جہان کا رب ہے۔آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔اس نے اپنی قدرت سے ساری مخلوق کو عدم سے وجود بخشا(۳۴)۔

توحید کا پس منظر:

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ﴾(۳۵)۔

ترجمہ: آؤاس بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے۔

اس آیت کے پس منظر میں نجران کے عیسائیوں کا واقعہ ہے اس کی تفسیر میں شیخ عبدالحق دہلویؒ رقمطراز ہیں:

''نصاریٰ بھی اس بات کو مانتے ہیں کہ عبادت خالص اللہ تعالیٰ ہی کی کرنی چاہیے اور اس میں کسی کو شریک نہیں کرنا چاہیے۔توحید پر قائم رہنا چاہیے۔اس کے سوا کسی کو منزلہ رب کے نہیں بنانا چاہیے کہ جو وہ حق کو نا حق کہے خواہ مخواہ مانا جائے(۳۶)۔''

توحید کی تین اقسام ہیں:

۱۔توحید ربوبیت،۲۔توحید الُوہیّت،۳۔توحید اسماء وصفات

۱۔توحید ربوبیت:

توحید کی یہ قسم اللہ تعالیٰ کی معرفت،اس کے وجود پر ایمان اور اس کے تنہا رب ہونے کے اقرار پر مشتمل ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات 'خالق و مالک ہے' رازق ہے،اسماء وصفات،افعال،قضاء وقدر اور حکمت کا اقرار کرنا اور اسی کو توحید علمی وخبری بھی کہتے ہیں۔کائنات کا ہر کام وہی چلاتا ہے،سب بھلائی اسی کے ہاتھ میں ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

۲۔توحیدِ اُلوہیّت یا توحیدِ عبادت:

توحید الوہیت کا مطلب ہے کہ عبادت کی تمام اصناف اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر لی جائیں اور اس میں کسی اور کو شریک نہ کیا جائے۔مثلاً یہ کہ محبت ہو تو صرف اللہ سے، خوف ہو تو صرف اسی سے، توکل ہو تو صرف اسی پر، امید و بیم ہو تو صرف اسی سے۔اس میں کسی غیر کو شریک نہ ہونے دیا جائے۔یعنی عبادات کی ساری قسمیں خواہ وہ ظاہری ہوں یا باطنی، بلا شرکت غیرے صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مختص کر لی جائیں۔ان میں کسی کو بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ کیا جائے۔خواہ وہ کوئی مقرب فرشتہ ہو، نبی مرسل یا اولیاء اللہ (۳۷)۔

یہی وہ توحید ہے، جس کا ذکر قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات میں کیا گیا ہے:

﴿اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن﴾ (۳۸)۔

ترجمہ: ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔

﴿فَاعْبُدْہُ وَتَوَکَّلْ عَلَیْہِ وَمَا رَبُّکَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْن﴾ (۳۹)۔

ترجمہ: تو آپ ﷺ اسی کی عبادت کیجیے اور اسی پر بھروسہ کیجیے اور آپ ﷺ کا رب ان باتوں سے بے خبر نہیں جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔

﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْم﴾ (۴۰)۔

ترجمہ: پھر اگر یہ روگردانی کریں تو آپ فرما دیجئے میرے لیے تو اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں میں نے اسی پر بھروسہ کر لیا اور وہ بڑے عرش عظیم کا مالک ہے۔

یہی توحید دین کی ابتداء بھی ہے اور انتہا بھی۔دین کا باطن بھی ہے اور ظاہر بھی۔یہی تمام انبیاء کی دعوت کا نقطہ آغاز بھی تھا اور نقطہ انجام بھی اور یہی مطلب 'لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ' کا۔اس لیے کہ اِلٰہ اسی معبود کو کہتے ہیں جس سے محبت بھی کی جائے اور ڈرا بھی جائے۔جس کا اجلال بھی ہو اور تعظیم بھی ہو اور تمام انواع عبادات جس کی خاص کر لی جائیں۔اسی توحید کے لیے تمام مخلوق کو پیدا کیا گیا۔انبیاء بھیجے گئے، کتابیں نازل کی گئیں اور اسی توحید کی وجہ سے لوگ آپس میں بٹ گئے۔کچھ مومن ہو گئے، کچھ کافر، کچھ اہل جنت اور کچھ بد بخت اہل جہنم (۴۱)۔

اس موضوع پر سب سے اہم بات یہ ہے کہ توحید ربوبیت اور توحید اسماء و صفات کے ہوتے ہوئے بھی انسان دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوتا، جب تک کہ اسے توحیدِ اُلوہیّت پر ایمان نہ نصیب ہو جائے۔ توحیدِ ربوبیت پر تو کفار مکہ بھی ایمان رکھتے تھے۔ہاں جو بات جھگڑے کا باعث بنی وہ توحیدِ اُلوہیّت تھی۔اور زمانہ ماضی میں بھی تمام انبیاء اور ان کے مخاطبین کے درمیان جو بات اصل محلِ نزاع رہی وہ توحید الوہیت ہی تھی۔اس لیے کہ اس توحید کا تعلق بندوں کے ان افعال سے ہے جو کہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص

ہوتے ہیں۔مثلاً دعا،نذر،قربانی،امید،خوف،توکل،رغبت،رجوع اور محبت۔یہ سب کے سب اعمال عبادت ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لیے خالص ہونے چاہئیں اور ان میں پیروی بھی صرف رسول اکرم ﷺ کی ہونی چاہیے۔یہی توحید الوہیت ہے۔

۳۔ توحید الأسماء والصفات:

یعنی یہ اقرار کہ تمام صفات اولیا اور اسمائے حسنٰی اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ہی ہیں۔کتاب اللہ اور سنت صحیح میں حق تعالیٰ کی جتنی صفات آئی ہیں ان میں جامع بات یہ ہے کہ اللہ کو انہی ناموں اور صفتوں سے پکارا جائے جن کے ساتھ اس نے خود کو متصف کیا ہے یا اس کے نبیوں نے بیان کیا ہے،جو درحقیقت اللہ کی عظمت وجلال اور اس کی کبریائی کے عین مطابق ہیں۔جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (۴۲)۔

ترجمہ: سو اچھے اچھے نام اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں۔سو ان ناموں سے اللہ تعالیٰ ہی کو موسوم کیا کرو اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو جو اس کے ناموں میں کجروی کرتے ہیں۔ان لوگوں کو ان کے کیے کی سزا ضرور ملے گی۔

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَّهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ (۴۳)۔

ترجمہ:کوئی چیز اس کے مثل نہیں ہے اور وہی ہر بات کا سننے والا دیکھنے والا ہے۔

عقیدۂ توحید کی اہمیت:

اسلامی عقائد میں سب سے زیادہ بنیادی عقیدہ توحید ہے اور اسی عقیدہ پر آخرت کی نجات ہے۔سیدنا آدمؑ سے لے کر جناب رسول اللہ ﷺ تک ہر نبی نے اسی عقیدہ کی تبلیغ واشاعت کی۔توحید خداوندی کو ماننے والا شخص ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور سرکار دو عالم ﷺ کی شفاعت کا مستحق ہو سکتا ہے۔

شریعت میں دو چیزیں ہیں۔ایک عقائد اور دوسرے اعمال صالحہ۔اصل دین اور اساس اسلام میں عقائد ہیں اور اعمال صالحہ دین کی فرع ہیں۔درخت کی بقاء شاخوں اور پتوں سے قائم نہیں ہوتی بلکہ جڑوں سے ہوتی ہے۔جڑیں کاٹ دی جائیں تو سارے کا سارا درخت دو روز میں سوکھ کر گر جائے گا۔جیسے دل انسان کی اصل ہے اور ہاتھ پاؤں اور کان ناک فروع ہیں۔ہاتھ کٹ جائے،کان کٹ جائے،آنکھ بے نور ہو جائے،زبان مفلوج ہو کر گنگ ہو جائے تو انسان مرتا نہیں بلکہ زندہ ہی رہتا ہے۔لیکن اگر دل فیل ہو جائے تو ایک چلتا پھرتا اور جیتا جاگتا انسان منٹوں میں نہیں بلکہ سیکنڈوں میں موت کی آغوش کی چلا جاتا ہے۔معلوم ہوا کہ تمام اعضاء کی زندگی اور قوت دل کی حیات اور زندگی سے ہے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے وجود باری پرغور کریں تو اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان پیش نظر رہنا چاہیے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ))(۴۴).

ترجمہ: ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔

اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کا اعتراف روزِ ازل سے عہد و پیمان ہے جو خالق اور مخلوق کے درمیان ہوا تھا۔ عہد و پیمان کا یہ احساس انسان کے رگ و پے میں پیوست ہو کر رہ گیا ہے۔ خواہ لاکھ انکار کرے لیکن پھر بھی کسی نہ کسی صورت میں اسے اقرار کرنا ہی پڑتا ہے۔

اسلام نے ہمیں بتایا کہ ایک واحد لاشریک ذات ہے جسے ''اللہ'' کہا جاتا ہے۔ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے جو مالک الملک ہے جو تمام کائنات کا نظام چلا رہا ہے۔ موت اور حیات اسی کے اختیار میں ہے۔ وہی سب کی مدد کرتا ہے وہی زندگی کے اسباب مہیا کرتا ہے۔ اسی کی عبادت کی جانی چاہیے۔ قرآن کریم اس سلسلے میں نسلِ انسانی سے مخاطب ہے:

﴿اَفِی اللّٰہِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (۴۵)۔

ترجمہ: کیا آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے اللہ میں شک ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا ہے:

﴿اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ ھُمُ الْخَالِقُوْنَ. اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَّا یُوْقِنُوْنَ.﴾ (۴۶)۔

ترجمہ: کیا وہ آپ ہی آپ بن گئے ہیں؟ یا وہی اپنے خالق ہیں یا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے بلکہ ان کو یقین نہیں ہے۔

یہ آسمان و زمین، یہ چاند، یہ ستارے، یہ سمندر، یہ پہاڑ، موت و حیات، ہمیں خالق و صانع کے وجود کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ﴾ (۴۷)۔

''بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات دن کے بدلنے میں عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔''

دن رات کا نور و ظلمت، سورج اور چاند کی روشنی، ان کی مقررہ رفتار، باقاعدہ طلوع و غروب، ہمیں ایک باتدبیر علیم و خبیر کا پتہ دیتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ﴿وَمِنْ اٰیٰتِہِ الَّیْلُ وَالنَّھَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ﴾ (۴۸)۔

ترجمہ: اور اس کی نشانیوں میں سے رات، دن اور سورج اور چاند ہیں۔

آسمان اور زمین کی خلقت تو عجیب و غریب ہے ہی لیکن ذرا انسان کی خلقت پر غور کیجئے۔

﴿إِنَّ فِيْ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ. وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِن دَابَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُوْنَ﴾ (۴۹)۔

ترجمہ: بلاشبہ آسمانوں اورزمین (کی تخلیق میں) ایمان والوں کیلئے نشانیاں ہیں اور خود تمہارے اور حیوانات کے پیدا کرنے میں بھی جن کوزمین میں ایمان والوں کیلئے پھیلا رکھا ہے۔ یقین کرنے والوں کیلئے نشانیاں ہیں۔

اسلام بھی الہامی مذہب ہے جس کے پیروکاروں کی تعداد دنیا میں ایک تہائی سے زیادہ ہے۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو محمد ﷺ پر نازل کیا گیا' اسلام کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف اوقات میں مختلف پیغمبر اور رسول مبعوث فرمائے جنہوں نے اللہ کی وحدانیت کا پیغام دیا اور یہ کہ آخرت میں دنیا میں کیے جانے والے تمام اچھے اور برے کاموں کا حساب لیا جائے گا۔

اسلام سابقہ انبیاء یعنی آدم' نوح' ابراہیم' اسماعیل' اسحاق' موسیٰ' داؤد' یحییٰ' عیسیٰ علیہم السلام سمیت دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام کو ماننا ایمان کا حصہ قرار دیتا ہے نیز تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کا سب سے بنیادی اور مشترکہ نکتہ عقیدہ ء توحید پر ایمان اور شرک سے بیزاری ہے۔

1۔ سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی توحید باری تعالیٰ اور صرف اسی کی عبادت کرنے کی وحی کی گئی:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِيْ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ﴾ (۵۰)۔

ترجمہ: ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھیجا ہے اس کو یہی وحی کی ہے کہ میرے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے، پس تم لوگ میری ہی بندگی کرو۔

2۔ تمام امتوں کے انبیاء کرام علیہم السلام نے لوگوں کو اللہ کی بندگی کرنے اور طاغوت کی پرستش سے بچنے کا پیغام دیا:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُواْ اللّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ فَمِنْهُم مَّنْ هَدَى اللّهُ وَمِنْهُم مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلاَلَةُ فَسِيْرُواْ فِيْ الأَرْضِ فَانظُرُواْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ﴾ (۵۱)۔

ترجمہ: ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیج دیا اور اس کے ذریعہ سب کو خبردار کر دیا کہ "اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو۔ اس کے بعد ان میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت بخشی اور کسی پر ضلالت مسلط ہوگئی۔ پھر ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہو چکا ہے۔"

3۔ رسول اکرم ﷺ سے پہلے جتنے بھی انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے، ان میں سے کسی سے بھی پوچھا جائے تو وہ یہی بتائے گا کہ خدائے رحمٰن کے سوا اللہ تعالیٰ نے کوئی معبود مقرر نہیں فرمایا:

﴿وَسْئَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رُّسُلِنَا أَجَعَلْنَا مِن دُونِ الرَّحْمَنِ آلِهَةً يُعْبَدُونَ﴾ (۵۲)۔

ترجمہ: تم سے پہلے جتنے رسول بھیجے تھے ان سب سے پوچھ کر دیکھو، کیا ہم نے خدائے رحمٰن کے سوا کچھ

دوسرے معبود بھی مقرر کیے تھے کہ ان کی بندگی کی جائے؟''

4۔ عیسائی قیصر روم ہرقل کی طرف رسول اکرم ﷺ کے نامہ مبارک میں بھی سورۃ آل عمران، آیت نمبر ۶۴ کے حوالے سے ہی دعوت اسلام دی گئی اور اسے توحید پر ایمان اور ترک شرک کی طرف بلایا:

((عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبُوسُفْیَانَ مِنْ فِیْهِ اِلٰی فِیَّ قَالَ اِنْطَلَقْتُ فِی الْمُدَّةِ الَّتِیْ کَانَتْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فَبَیْنَا اَنَا بِالشَّامِ اِذْ جِئَیَ بِکِتٰبٍ مِّنَ النَّبِیِّ ﷺ اِلٰی هِرَقْلَ..... فَاِذَا فِیْهِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِلٰی هِرَقْلَ عَظِیْمِ الرُّوْمِ سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ اَدْعُوْکَ بِدَعَایَةِ الْاِسْلَامِ اَسْلِمْ تَسْلَمْ. اَسْلِمْ یُؤْتِکَ اللّٰهُ اَجْرَکَ مَرَّتَیْنِ فَاِنْ تَوَلَّیْتَ فَاِنَّ عَلَیْکَ اِثْمَ الْاَرِیْسِیِّیْنَ و ﴿یٰاَهْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِکَ بِهٖ شَیْئًا......))(۵۳)۔

ترجمہ: عبداللہ بن عباسؓ نے کہا مجھ سے سفیان نے منہ درمنہ بیان کیا وہ کہتے تھے جس زمانہ میں مجھ میں اور آنحضرت ﷺ میں صلح تھی (یعنی صلح حدیبیہ کے زمانے میں) میں شام کے ملک میں تھا، اتنے میں معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کا ایک خط ہرقل (بادشاہ روم) کے نام آیا ہے۔ اس میں یہ لکھا تھا، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ہرقل روم کے بادشاہ کو معلوم ہو، جو شخص سچے راستے کی پیروی کرے اس پر سلام امابعد: میں تجھ کو اسلام کے کلمے (لاالٰہ الااللہ) کی طرف بلاتا ہوں، مسلمان ہوجا، بچا رہے گا، مسلمان ہوجا، اللہ تجھ کو دوہرا ثواب دے گا۔ اگر تو نہ مانے تو یہ سمجھ رکھ تیری رعایا کا بھی وبال تجھ پر ہی پڑے گا۔ اس کے بعد یہ آیت تھی: (۵۴)۔'' کہہ دو اے اھل کتاب آؤ اس بات کی طرف جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے یہ کہ ہم اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہیں کریں گے اور ہم اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھرائیں گے اور ہم اللہ کے علاوہ کسی اور کو رب نہیں بنائیں گے پس اگر یہ پھر جائیں تو تم گواہ ہو کہ ہم اسی کے مطیع اور فرمانبردار رہیں۔

صحیح مسلم کی حدیث کے مطابق ایمان کی سب سے افضل شاخ ''لا الٰه الا اللّٰه'' کہنا ہے۔ ابو ہریرہؓ سے مروی حدیث میں درج ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْاِیْمَانُ بُضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ أوبضع وستون شُعْبَةً فَاَفْضَلُهَا :قَوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

وَاَدْنَا هَا: اِمَاطَةُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ و الْحَیَآءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِیْمَان))(۵۵)۔

ترجمہ :ایمان کی قریباً ساٹھ یا ستر شاخیں ہیں۔ سب سے افضل شاخ ''لا الٰه الا اللّٰه'' کہنا ہے اور سب سے ادنیٰ شاخ تکلیف دینے والی چیز کو راستے سے ہٹانا ہے۔ نیز شرم وحیا بھی ایمان کی شاخ ہے۔

حدیث مذکورہ کا مفہوم ''توحید سب سے بڑی نیکی ہے'' شاہ ولی اللہؒ اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں اس ذیلی عنوان کے تحت فرماتے ہیں:

''سب سے بڑی نیکیوں کی جڑ توحید ہے۔ اللہ کے ہاں نیاز اور انکسار کا حاصل ہونا اس کی توحید پر منحصر ہے۔ یہی نیاز

سعادت جاذب اخلاق میں ایک بڑی چیز ہے یہ تدبیر علمی کی بنیاد ہے۔اسی کی وجہ سے آدمی کو غیب کی جانب کامل توجہ ہوتی ہے۔آنحضرت ﷺ نے اس کی اہمیت بیان کی ہے۔اوراس کوتمام اقسام نیکی میں بمنزلہ دل قرار دیا ہے۔اگروہ درست تو سب نیکیاں درست اور اگروہ فاسدتو سب نیکیاں فاسد(۵۶)۔"

علامہ اقبال کہتے ہیں:ایک اللہ کی طرف رجوع کروصرف اسی کے آگے جھکو کسی اور کسی کے آگے جھکنے کی حاجت نہیں رہے گی۔

" وہ اک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کونجات (۵۷)۔"

یہودیت میں عقیدہ توحید:

مذاہب میں عموماً یہ بات پائی جاتی ہے کہ تمام دیوی دیوتاؤں میں ایک کا مرتبہ زیادہ بلند ہوتا ہے مثلاً یونانیوں میں زیوس،رومیوں میں جوپیٹر اسی طرح بنی اسرائیل میں ایک زمانہ سے یہووا(۵۸)۔

یہاں تک کہ بالآخر یہووا ہی بنی اسرائیل کاواحد معبود تھا وہ یہودیوں کامخصوص خدا تھااور وہ اس کی منتخب قوم تھی۔اگر ہم فلسطین میں یہودیوں کی حالت پرغور کریں تو معلوم ہوگا کہ ابتدائی صدیوں میں وہ اپنے چاروں طرف پھیلے ہوئے دشمنوں سے جنگ کر رہے تھے' لیکن کامیابی کی اسی صورت توقع کرسکتے تھے جب ان کی تعداد تیزی سے بڑھتی رہے اور باہمی اختلافات دور ہوجائیں۔چونکہ ماں بننا عبرانی عورت کی سب سے بڑی آرزو تھی اس لئے یہ فطری بات تھی کہ تولید کاخدا مقامی معبودوں میں سب سے زیادہ اہم سمجھا جائے۔

اور یہ یہواہ جس کی پرستش رفتہ رفتہ توحید کی طرف مائل ہوئی۔چنانچہ بعد میں وہ ایک غیور خدا مانا جانے لگا۔جو اپنے ساتھ کسی دوسرے کی عبادت کو روا نہیں رکھ سکتا تھا۔اسی طرح تدریجی طور پر یہواہ کی پرستش میں گہرائی پیدا ہونے لگی لیکن باوجود اس کے دوسرے معبود بھی موجود تھے اور اس طرح پرستاران یہواہ اور پرستاران الوہم کے درمیان اندرونی جنگ شروع ہوگئی جس میں پرستاران یہواہ کو کامیابی حاصل ہوئی اور دوسرے معبودوں کو محض بے جان بت سمجھا جانے لگا۔اس کے بعد خالص توحید پرستی پیدا کرنے کے لئے جس چیز کی ضرورت تھی وہ قومی جوش وخروش جو بیرونی حملوں سے پیدا ہوا سب سے پہلے آشوریوں نے حملہ کیا پھر بابل والوں نے اوراسی طرح یہودی عرصہ دراز تک مصر اور عراق کی زیراثر رہے۔

ٹھیک اسی زمانے میں پیغمبروں کا عہد شروع ہوا جنہوں نے یقین دلایا کہ اگر وہ مصر کی امداد کا خیال چھوڑ دے اور آشوریہ سے معاہدہ نہ کرے بلکہ صرف یہواہ پر بھروسہ رکھے تو یہواہ آشوریہ کی طاقت توڑ دے گا۔اسی کے ساتھ پیغمبروں نے مذہبی اصلاح شروع کی۔یہواہ نے متعصب لوگوں کو یقین دلایا کہ خالص یہواہ پرستی بنی اسرائیل کے ہر مرض کی دوا ہے۔اس طرح سے یہودیت میں توحید کا تصور نشو ونما پانے لگا یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے اور آپ پر تورات نازل ہوئی۔آپ نے

توحید کی دعوت دی۔آپ کا فرمان عہد نامہ قدیم کی پانچویں کتاب استثنا میں موجود ہے جس کا مفہوم یہ ہے:

☆ ''سنو اے بنی اسرائیل ہمارا خدا ایک ہے(۵۹)۔''

عہد نامہ قدیم سے چند فرامین ملاحظہ فرمائیں:

☆ یہودیت میں بت پرستی کی مذمت کی جاتی ہے۔

☆ ''تم میرے سامنے کسی اور کو معبود نہیں بناؤ گے۔نہ ہی تم پتھر سے بت بناؤ گے۔نہ ہی جو چیزیں اوپر آسمانوں میں ہیں یا نیچے زمین میں ہیں ان کے سامنے جھکو گے نہ ہی انہیں اس نظر سے دیکھو گے کیونکہ میں جو تمہارا معبود ہوں بڑا اسخت آقا ہوں (۶۰)۔''

☆ عہد نامہ قدیم کی کتاب استثناء میں لکھا ہے:

''تم میرے سامنے کسی اور کو معبود نہیں بناؤ گے نہ ہی تم پتھر سے بت بناؤ گے یا کندہ کرو گے۔نہ ہی جو چیزیں اوپر آسمانوں میں ہیں یا نیچے زمین میں ہیں یا پانی کے اندر ہیں ان میں مجھ جیسے اوصاف تلاش کرو گے اور ان کے سامنے جھکو گے کیونکہ میں تمہارا معبود ہوں بڑا اسخت آقا ہوں(۶۱)۔''

ابن اللہ کا لفظ عہد نامہ قدیم میں نہایت وسیع معنی میں استعمال ہوا ہے۔

''شیثؑ، اسرائیلؑ،افرائیمؑ ،داؤدؑ ،سلیمان،قاضی مفتی،سب یتیم، اشراف،فرشتے ،ملائک کے لئے ''خدا کے بیٹے'' کا لفظ استعمال ہوا ہے(۶۲)۔''

عیسائیت میں عقیدہ توحید:

عیسائیت یا مسیحیت سامی مذہب ہے اور کہا جاتا ہے کہ دنیا میں اس کے ماننے والوں کی تعداد ۲ارب سے زیادہ ہے (۶۳)۔مسیحیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دین تھا۔مسلمان بھی حضرت عیسیٰؑ کو مانتے اور انہیں درجہ پیغمبری پر فائز ہونے کے باعث اسلام میں بڑا مقام حاصل ہے۔یہ امر قابل ذکر ہے اسلام واحد غیر مسیحی مذہب ہے جو مسیحیت کو مانتا ہے یعنی کہ وہ (اپنے وقت میں) سچا دین تھا(۶۴)۔

اسلام اور عیسائیت کے درمیان بڑا فرق عیسائیوں کا حضرت عیسیٰؑ کو خدائی صفات کا حامل قرار دینا ہے۔عیسائیوں کی مذہبی کتب کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی بھی خدائی صفات کا حامل ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔اور بائبل میں حضرت عیسیٰؑ سے منسوب ایک بھی بیان ایسا نہیں ڈھونڈا جا سکتا جس میں آپ نے یہ کہا ہو کہ ''میں خدا ہوں''۔یا یہ کہا ہو کہ ''میرے سامنے سجدہ کرو''۔جبکہ اس کے برعکس بیانات عہد نامہ جدید میں جگہ جگہ ملتے ہیں مثلاً:

۱۔ ''آسمانی باپ سب سے عظیم ہے(۶۵)۔''

۲۔ ''میں شیطانی قوتوں کو خدا کی مدد سے نا کام بنا دیتا ہوں (۶۶)۔''

۳۔ ''خدائی انگلی کے اشارے سے شیطان بھاگ نکلتے ہیں (۶۷)۔''

میں خود سے کچھ بھی نہیں کر سکتا' میں جو کچھ سنتا ہوں اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں' اور میرا فیصلہ انصاف کا فیصلہ ہوتا ہے کیونکہ میں فیصلہ اپنی مرضی سے نہیں کرتا بلکہ جو آسمانی باپ کی مرضی ہوتی وہی فیصلہ ہوتا ہے جو وہ مجھے بھیج دیتا ہے''۔تثلیث کی بجائے توحید کی مثالیں ہمیں موجودہ عہدنامہ جدید میں بھی ملتی ہیں چنانچہ انجیل مرقس میں لکھا ہے:

''یسوع نے جواب دیا کہ اول یہ ہے اے اسرائیل سن۔خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے(۶۸)۔''

انجیل یوحنا سے تردید تثلیث ہوتی ہے اور واضح طور پر خدا عام لوگوں کو کہا گیا ہے(۶۹)۔

جبکہ موجودہ عیسائیت عقیدہ تثلیث اور عقیدہ کفارہ پر کاربند ہے عیسیٰؑ نے جبکہ خدا کی وحدانیت کی تعلیم دی نہ کے انہوں نے خود کو خدا کا بیٹا کہا ہو، ایک بات قابل ذکر ہے عہدنامہ قدیم اور جدید میں 'خدا' کا لقب بندوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔مثلاً:

''اور اسکے سارے گھر کا خداوند اور مصر کا حاکم کیا(۷۰)۔''

نیز لکھا ہے کہ: ''میں نے کہا تھا کہ تم الہ ہو اور تم سب حق تعالی کے فرزند ہو(۷۱)۔''

ایک جگہ یسوع فرماتے ہیں کہ:

''یسوع نے انہیں جواب دیا کیا تمہاری شریعت میں یہ نہیں لکھا تھا کہ میں نے کہا تم خدا ہو(۷۲)۔''

عقیدۂ توحید کا اجتماعی زندگی پر بھی بڑا اہم اثر مرتب ہوتا ہے اس سے معاشرت کی بنیاد عدل وانصاف پر استوار ہوتی ہے۔کامل عدل اور صحیح مساوات اسی عقیدۂ توحید کی مرہون منت ہے۔توحید سے تمام اقوام کے اتحاد کیلئے ایک مشترکہ رشتے کی بنیاد پڑتی ہے جب تک اقوام عالم کا خدا الگ، آدم الگ اور تمام نسلیں الگ رہیں گی، ان کے اتحاد کا کوئی مرکزی نقطہ نہ ہوگا تو مساوات انسانی اور عدل کی مضبوط معاشرتی بنیاد بھی نہ استوار ہو سکیں گی۔توحید بنیاد پر ایک عالمگیر سیاسی تنظیم کی عمارت قائم ہو سکتی ہے اور اسی مرکزیت سے اقوامِ عالم کا انتشار ختم کیا جا سکتا ہے کہ سب ایک مرکزی نقطہ یعنی عقیدہ توحید پر جمع ہو جائیں۔

عقیدۂ توحید اور ''ابن اللہ'' کی حقیقت عہدنامہ جدید کی روشنی میں

حضرت عیسیٰؑ نے کبھی خدائی کا دعویٰ نہیں کیا ان کا یہ بیان ابن اللہ ہونے کی حقیقت واضح کر دیتا ہے کہ وہ تمام لوگ جن کے پاس خدا کا کلام آیا یعنی یہود خدا ہیں۔ابن اللہ کا لفظ عہدنامہ قدیم اور جدید میں نہایت ہی وسیع معنی میں استعمال ہوا ہے عہدنامہ جدید کی رو سے خدا کے بیٹے کا لفظ کئی قسم کے لوگوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔مثلاً لکھا ہے۔

۱۔آدم خدا کے بیٹے"، تمام بنی اسرائیل، تمام حواری خدا کے بیٹے، سب عیسائی، سب خاص عام(۷۳)۔ ''

ان تمام مقامات میں ابن اللہ کا کلمہ نیک اور صلحا لوگوں کے لئے بولا گیا ہے۔ان میں نہ کوئی خدا ہے اور نہ اس کا بیٹا لہذا ان محاورات کی رو سے مسیح ابن اللہ بھی صرف انسان ہیں اور اللہ کے رسول ہیں۔

عہدنامہ جدید میں ابن اللہ کا کلمہ صرف ان لوگوں کے لئے استعمال ہوا ہے جو اللہ کے رنگ میں رنگین ہوتے ہیں جیسا کہ متی میں لکھا ہے:

''مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے (۷۴)۔''

لوقا میں لکھا ہے

''مگر تم اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور بھلا کرو اور بغیر ناامید ہوئے قرض دو تو تمھارا اجر بڑا ہوگا اور تم خدا کے بیٹے ٹھہرو گے (۷۵)۔''

یوحنا میں مذکور ہے

''لیکن جنہوں نے اسے قبول کیا اس نے انہیں خدا کے فرزند کا حق بخشا (۷۶)۔''

یوحنا کے پہلے خط میں لکھا ہے کہ

''دیکھو کیسی محبت باپ نے ہم سے کی ہے کہ ہم خدا کے فرزند کہلائیں۔اے پیارو ہم خدا کے فرزند ہیں --------- جب وہ ظاہر ہوگا تو ہم اس کی مانند ہوں گے (۷۷)۔''

اور یوحنا ہی میں لکھا ہے کہ

''ہر ایک جو باپ سے محبت کرتا ہے سو خدا سے پیدا ہوا ہے (۷۸)۔''

اور ایک جگہ تحریر ہے کہ

''ہر ایک جو خدا سے پیدا ہوا ہے گناہ نہیں کرتا کیونکہ اس کا تخم اسی میں رہتا ہے اور وہ گناہ نہیں کر سکتا کیونکہ وہ خدا سے پیدا ہوا ہے اسی سے خدا کے فرزند اور شیطان کے فرزند ظاہر ہیں (۷۹)۔''

متی میں عیسیٰ کی بشریت کا واضح اشارہ یوں موجود ہے

''لیکن ابن آدم کے لئے کوئی جگہ نہیں جہاں وہ اپنا سر رکھ سکے (۸۰)۔''

حضرت عیسیٰ نے چاروں اناجیل میں ۷۰ مرتبہ اپنے آپ کو ابن آدم کہا ہے (۸۱)۔

ان سب کی وضاحت کے باوجود موجودہ عیسائیت میں تثلیث کا عقیدہ پایا جاتا ہے اور موجودہ کتاب مقدس میں واضح اشارات کے باوجود بھی موجودہ عیسائی اسی عقیدہ کو ماننے پر مصر ہیں یہاں اس کا مختصر تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

تثلیث کی حقیقت:

عیسائی مذہب میں خدا تین اقانیم سے مرکب ہے باپ، بیٹا، روح القدس۔اس عقیدے کو عقیدہ تثلیث کہاجاتا ہے اس عقیدے کی تشریح میں عیسائی علماء کا اختلاف ہے بعض کے مطابق باپ بیٹے اور روح القدس کے مجموعے کا نام خدا ہے(۸۲)۔

تثلیث (Trinty) عام عیسائیوں کا یہی عقیدہ ہے بعض کے مطابق باپ بیٹا اور کنواری مریم وہ تین اقنوم ہیں جن کا مجموعہ خدا ہے(۸۳)۔

ان اقانیم کی انفرادی حیثیت کے متعلق بھی عیسائیوں کا اختلاف ہے بعض کے مطابق ان میں سے ہر ایک بذات خود بھی ویسا ہی خدا ہے جیسا مجموعہ خدا ہے(۸۴)۔

ایک گروہ کے مطابق ان تینوں میں سے ہر ایک الگ الگ خدا تو ہیں مگر مجموعہ خدا سے کمتر اور ان پر ہر لفظ خدا کا اطلاق ذرا وسیع معنی میں کیا گیا ہے(۸۵)۔

انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا میں لکھا ہے:

''تثلیث کے عیسائی نظریے کو ان الفاظ میں اچھی طرح تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ باپ خدا ہے۔بیٹا خدا ہے اور روح القدس خدا ہے لیکن یہ مل کر تین خدا نہیں بلکہ ایک ہی خدا ہیں اس لئے عیسائی نظریے کے مطابق ہم جس طرح ان تینوں میں سے ہر ایک اقنوم کو خدا اور آقا سمجھنے پر مجبور ہیں اسی طرح کیتھولک مذہب نے بھی اس بات کی ممانعت کردی ہے کہ ہم ان کو تین خدا سمجھیں(۸۶)۔''

روح القدس سے مراد باپ اور بیٹے کی صفت حیات اور صفت محبت ہے یعنی اس صفت کے ذریعہ خدا کی ذات (باپ) اپنی صفت علم (بیٹے) سے محبت کرتی ہے اور بیٹا باپ سے محبت کرتا ہے۔یہ صفت بھی جوہری وجود رکھتی ہے اور باپ بیٹے کی طرح قدیم ہے، اسی وجہ سے اسے مستقل اقنوم کی حیثیت حاصل ہے۔

عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ جب تک حضرت مسیح علیہ السلام کو بپتسمہ دیا جارہا تھا تو یہی صفت ایک کبوتر کے جسم میں حلول کرکے حضرت مسیح علیہ السلام پر نازل ہوئی(۸۷)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق خدا تین اقانیم پر مشتمل ہے۔خدا کی ذات جسے باپ کہتے ہیں۔خدا کی صفت کلام جسے بیٹا کہاجاتا ہے اور خدا کی صفت حیات ومحبت جسے روح القدس کہاجاتا ہے۔ان تین میں سے ہر ایک خدا اور تینوں مل کر تین خدا نہیں بلکہ ایک ہی خدا ہے یعنی تین ایک اور ایک تین ہیں۔اعمال میں ہے:

''خداوند اسرائیل کا بادشاہ اور اس کا فدیہ دینے والا رب الافواج یوں فرماتا ہے، میں ہی اول اور میں ہی آخر ہوں۔اور میرے سوا کوئی خدا نہیں۔پس جس کو تم بغیر معلوم کئے پوجتے ہوں میں تم

کواسی کی خبر دیتا ہوں (۸۸)۔"

تم دوسروں سے عزت چاہتے ہو اور وہ عزت جو خدائے واحد سے ہوتی ہے کیونکر ایمان لا سکتے ہو (۸۹)۔

"اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے
تو نے بھیجا ہے، جانیں (۹۰)۔"

مبحث دوم: عقیدۂ رسالت قرآن کریم اور کتاب مقدس کی روشنی میں

اسلام کا عقیدہ رسالت

رسالت کا معنی ومفہوم:

ابن منظور رسالت کے معنی الرسول کے تحت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

" الرسول:معناہ فی اللغه الذی یتابع اخبار الذی بعثه(۹۱)۔"

ترجمہ: رسول اسے کہتے ہیں جو اس اللہ تعالی کی باتوں کی پیروی کرے جس نے اسے مبعوث فرمایا۔

مفردات القرآن میں ہے:

''رسول رسل سے مشتق ہے۔رسول کا لفظ کبھی پیغام پر بھی بولا جاتا ہے(۹۲)۔''

جرجانی فرماتے ہیں:

''الرسول فی اللغة :ھو الذی امرہ المرسل باداء الرسالة بالتسلیم او القبض۔
انسان بعثه الله الی الخلق لتبلیغ الاحکام(۹۳)۔''

ترجمہ: لغت میں رسول وہ ہوتا ہے جو اللہ کی طرف سے پیغام بر ہوتا ہے جو اللہ کے پیغام کو قبول کرنے والا یا پختگی ومضبوطی سے پکڑنے والا۔یعنی وہ انسان جو اللہ کی طرف سے مخلوق کی طرف احکام پہنچانے کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔

قرآن میں رسول اور رسل اللہ سے مراد کبھی فرشتے ہوتے ہیں اور کبھی انبیاء روزمرہ کی زبان میں یہ لفظ قاصد ایلچی یا پیغامبر کے لئے استعمال ہوتا ہے۔القاموس العصری میں ہے:

رسول:مرسال Messenger, courier (۹۴)۔اردو لغت میں ہے:

''رسالت پیغام لے جانے اور پہنچانے کا کام ایلچی گری سفارت،خدا تعالی کے احکام بندوں تک پہنچانے کا عمل نیز رسول یا نبی کا منصب،پیغمبر حضرت محمد ﷺ کے خاتم الرسل ہونے کا اعتقاد (۹۵)۔''

سید مودودی کے مطابق:

''رسالت کے لغوی معنی پیغامبری کے ہیں جو شخص کسی کا پیغام کسی دوسرے شخص کے پاس لے جائے وہ ''رسول'' ہے(۹۶)۔''

اصطلاحاً رسالت کے معنی اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مطابق:

''شریعت اسلامی کی اصطلاح میں رسول سے مراد اللہ کا وہ برگزیدہ بندہ ہے جسے اللہ انسانوں تک اپنا

پیغام پہنچانے کے لئے مبعوث فرماتا ہے(۹۷)۔"

صدرالدین اصلاحی کے مطابق:

"شریعت کی اصطلاح میں رسالت اس سفارت کو کہتے ہیں جسے اللہ نے انسانوں تک اپنے تشریعی احکام پہنچانے اور انہیں مرضی کی راہ بتانے کے لئے قائم کیا ہے اس کا دوسرا نام نبوت ہے(۹۸)۔"

لسان العرب کے مطابق:

والنبوة:الجفوة،الاقامة، الارتفاع ،والنباوة والنبی :ما ارتفع من الارض

ابن السکیت :النبی هو الذی انبا عن الله فترک همزه ....قال:وان اخذت النبی من النبوة والنباوة،و هی الارتفاع قدرة ولانه شرف علی سائر الخلق ،واصله غیر الهمزه ،وهو فصیل بمعنی مفعول ،وتصغیره نبی و الجمع انبیاء(۹۹)۔

ترجمہ:لفظ نبی نبوۃ اورنباوۃ کے مصادر سے مشتق ہے اس کا معنی ہے "زمین کا بلند ہونا" کیونکہ نبی کا مقام اور مرتبہ تمام مخلوقات پر شرف وبزرگی کا حامل و بلند ہوتا ہے پس لفظ نبی کے مادے میں همزہ۔

یہ لفظ دراصل نبی ہے جس کے معنی طریق اور راستہ کے ہیں اورانبیاء کو نبی اس لئے کہا گیا ہے کی وہ اللہ کی طرف جانے کا راستہ ہے ۔چنانچہ کسی برگزیدہ شخص کو رسول نبی کہنے کا مطلب یا تو عالی مقام پیغمبر ہے یا اللہ کی طرف سے خبریں دینے والا پیغمبر یا پھر وہ جو اللہ کا راستہ بتانے والا ہے۔قرآن میں یہ الفاظ بالعموم ہم معنی استعمال ہوئے ہیں۔ توحید بلاشبہ اصل ایمان ہے،لیکن اس کی تکمیل رسالت کرتی ہے کیونکہ ایمان درحقیقت توحید ورسالت کو زبان و دل سے تسلیم کرنے سے عبارت ہے ایمان کا اعتبار توحید اور توحید کا اعتبار رسالت ہے اس لحاظ سے تینوں کا آپس میں ایک زنجیر اور کڑی کی طرح گہرا تعلق ہے اسلام میں رسالت مطلق حیثیت رکھتی ہے(مطلق حیثیت سے مراد نبی کریم ﷺ کو آخری نبی یعنی آپ کے بعد کوئی نبی نہیں اور آپ سلسلہ نبوت کو ختم کرنے والے ہیں آپ کے بعد نہ کوئی نبی آیا ہے نہ آئے گا،ایک مطلب یہ بھی ہے کہ نبوت نہ کبھی اضافی یعنی ظلی ،بروزی مختوم ہوئی ہے نہ ہو ہی سکتی ہے اس بات کے قائل شخص کا ایمان نہ معتبر ہے نہ ہی وہ مسلمان اور مومن ہے یہ ایسے ہی ہے کہ کوئی توحید کی مطلق حیثیت تسلیم نہ کرے تو موحد کی بجائے مشرک کہلاتا ہے)لہذا مومن وہ ہے جو محمد ﷺ سمیت تمام جملہ انبیاء ورسل پر ایمان لاتا ہے اوران میں قطعاً کوئی تفریق نہیں کرتا اور محمد ﷺ کو خاتم النبیین تسلیم کرتا ہے مختصراً توحید آئینہ ایمان ہے اور رسالت آئینہ توحید دونوں لازم وملزوم ہیں چنانچہ مومن وہ ہے جو توحید خالص اور رسالت کلی پر ایمان رکھتا ہے(۱۰۰)۔

اسلام نے دیگر مذاہب کے برعکس "رسالت" کا ایک ٹھوس اور جامع تصور پیش کیا،جس نے نہ تو رسالت کو بڑھا کر خدا یا خدا کی

اولاد کے درجے پر پہنچایا اور نہ گھٹا کر عام انسانوں کے برابر قرار دیا۔ دینِ مبین نے رسالت ونبوت کا ایسا جامع، کامل اور بے مثل نظریہ پیش کیا جس میں نورِ حق کی صداقت و چمک دمک واضح طور پر دکھائی دیتی ہے۔ قرآن حکیم ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے ہر خطے اور نسلِ انسانی کے ہر طبقے کی طرف اپنے رسول اور پیغمبر بھیجے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ﴾. (۱۰۱)۔

ترجمہ: اور کوئی امت نہیں مگر اس میں کوئی نہ کوئی آگاہ کرنے والا ضرور گزر چکا ہے۔

رسول اور رسالت کا معنی بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالرشید لکھتے ہیں:

''اسلام نے انسان کی دنیاوی اور اخروی کامیابی اللہ تبارک وتعالی کی اطاعت اور بندگی کو قرار دیا ہے اور یہ اطاعت اور بندگی اللہ کی فرمانبرداری اور اس کے احکام پر عمل کرنے میں مضمر ومنحصر ہے اور اس کے احکام ہر شخص کو براہ راست معلوم نہیں ہو سکتے رسالت پر ایمان لانا بہت ضروری ہے ٹھیک اسی طرح جسطرح آنکھوں کی پتلی میں بینائی ضروری ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جو چیز کسی منزل تک پہنچنے کا واحد ذریعہ ہو جب تک اسے اپنا نہ لیا جائے منزل تک پہنچنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کے لئے اللہ نے اپنے برگزیدہ بندوں کو اپنے احکام عام لوگوں تک پہنچانے پر وقتاً فوقتاً مقرر کیا یہ برگزیدہ ہستیاں اللہ کے رسول اور ان کا یہ عمل رسالت کہلاتا ہے (۱۰۲)۔''

یہ برگزیدہ ہستیاں باعصمت ہوتی ہیں اور ان کی تمام تر تعلیمات من جانب اللہ ہوتی ہیں اور ہر قوم کے لئے اس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ تمام رسل اپنے اپنے دور میں اپنی قوموں کے سامنے اخلاق عالیہ اور صفات کاملہ کا کوئی نہ کوئی بلند ترین معجزہ پیش کیا اور انسانوں کی رہنمائی کے لئے روشنی کا مینار قائم کر دیا یہ شارع کتاب اللہ ہوتی ہیں اور ان کی اطاعت جزو ایمان، دنیا کا پہلا انسان اسی صفت سے متصف تھا اور یہ سلسلہ محمد ﷺ پر اختتام پذیر ہوا اور آپ تمام جہان والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے۔

قرآن کریم کی یہ آیت رسالت کے عام ہونے کو بیان کرتی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ کرہ ارض کا ہر وہ خطہ جہاں چند انسانوں نے مل کر کوئی معاشرہ تشکیل دیا ہے، کسی دور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے انبیاء کے فیضان سے خالی نہیں رہا۔ بالآخر قیامت تک کے تمام ادوار کے لیے خاتم الانبیاء سرورِ کون و مکان، فخرِ موجودات ﷺ کو مبعوث فرما دیا گیا۔ اور وہ دنیا کے سب سے عظیم انقلاب اور سب سے بڑے دین کے بانی قرار پائے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿تَبَارَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا﴾ (۱۰۳)۔

ترجمہ: وہ (خدائے عزوجل) بہت ہی بابرکت ہے جس نے اپنے برگزیدہ بندے پر قرآنِ پاک نازل فرمایا تاکہ وہ اہل علم کو ڈرسنائے۔

انبیاء کومبعوث کرنے کا مقصد:

اللہ کی مرضی ہے کہ انسان دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرے اسی لئے اس نے رسولوں کو بھیجا تا کہ لوگ ان کے اسوہ اور احکامات پر اللہ کی بتائی شریعت کے مطابق عمل کر سکیں اور انبیاء کے بتائے سیدھے راستے پر چل کر دنیوی و اخروی فلاح حاصل کر سکیں۔

رسالت کے بغیر اللہ کے احکام کو نہیں جانا جا سکتا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس کے بغیر خود اللہ اور آخرت کو بھی نہیں جانا جا سکتا۔ رسالت ہی وہ ذریعہ ہے جو اللہ کی صحیح معرفت اور آخرت کا صحیح علم عطا کرتا ہے۔ اس لئے رسالت کے بغیر اللہ اور آخرت پر ایمان بھی' جیسا کہ چاہیے' نہیں لایا جا سکتا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا۔ رسالت کچھ منتخب انبیائے کرام کو عطا کی گئی اور نبوت کے متعلق تاریخی کتب میں آتا ہے کہ تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے گئے۔

رسالت اور نبوت میں فرق و مشابہت:

رسول کو نبی بھی کہتے ہیں کیا نبی بھی رسول ہوتا ہے اس کے کیا معنی ماہرین اور اہل اللغۃ نے بیان کئے ہیں نبی اور نبوت کیا ہے رسالت سے اس کا کیا تعلق ہے بعض کے مطابق نبوت بمعنی رفعت سے مشتق ہے اور نبی اس لئے کہا گیا کہ وہ معزز اور بلند اقدار کا حامل ہوتا ہے۔ نبوت اور رسالت میں کیا فرق ہے اس بارے میں سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

''رسالت کا منصب خاص ہے اور نبوت کا منصب عام، ہر رسول نبی ہوتا ہے مگر ہر نبی رسول نہیں ہوتا (۱۰۴)۔''

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر لکھتے ہیں

''نبی اور رسول کا منصب فرض منصبی محض وحی الٰہی اور تنزیل کو لوگوں تک پہنچا دینا ہی نہیں تھا، بلکہ اس پر عمل کر کے ان کو دکھانا بھی تھا۔(۱۰۵)۔''

خدا تعالیٰ نے آپ ﷺ کے دامن کو عالمین کی ہدایت کے سامان کے ساتھ ساتھ تمام جہانوں کی رحمتوں سے بھی بھر دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾ (۱۰۶)۔

ترجمہ: اور (اے محبوب ﷺ) ہم نے آپ کو تمام عالمین کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اب جس طرح تمام جہانوں کا پروردگار ایک ہی ہے، اسی طرح کل کائنات ایک نبی و رسول خاتم النبیین ﷺ کے پرچمِ رحمت تلے جمع کر دی گئی۔ اور یوں توحیدِ باری کے ساتھ ساتھ توحیدِ رسالت کا تصور بھی اپنے کمال کو پہنچ گیا۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ نظامِ رسالت ونبوت کی ضرورت واہمیت کیا ہے؟اس مسئلے کے چار پہلو ہیں:

۱۔ انسان کا مقصد تخلیق ۲۔ نسل انسانی کی جوابدہی کا تصور

۳۔ انسانی علم کی کم مائیگی ۴۔ انسانی علم کی تکمیل

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا خدا نے انسان تک اس کا مقصد تخلیق پہنچانے کا کوئی انتظام بھی کیا یا نہیں؟ عقل اس بات کو نہیں مانتی کہ انسان کا کوئی مقصد تخلیق تو ہو مگر اسے اس کے مقصد تخلیق سے آگاہ کرنے کا کوئی بندوبست نہ کیا گیا ہو۔ اس سے تو (معاذ اللہ) خدا کی ذات والاصفات پر الزام آتا ہے کہ اس نے اتنی وسیع وعریض کائنات پیدا تو فرمادی، مگر انسان کو یہ بتانے کا کوئی انتظام نہیں فرمایا کہ اس کا اس کائنات میں اور خود اس کائنات کا اس کے دل ودماغ میں مقام اور درجہ کیا ہونا چاہیے؟ آیا انسان کائنات اور اس کے موجودات کی خدامت وپرستش کے لیے ہے یا کائنات خود اس کی خدمت واطاعت کے لیے ہے؟ اور یہ کہ یہاں اسے کیسے شب وروز گزارا وقات کرنی ہے؟ کس کا حکم ماننا ہے؟ کس کا نہیں ماننا؟ اس مضمون کو سورۃ الانعام میں کس خوبی سے بیان کردیا گیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ اِذْ قَالُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ﴾ (۱۰۷)۔

ترجمہ: اور ان لوگوں نے خدا کی قدر شناسی کا حق ادا نہ کیا۔ جب انہوں نے یہ کہہ دیا کہ خدا نے کسی انسان پر وحی (اور کتاب وغیرہ) کچھ بھی نازل نہیں کیا۔

گویا یہ کہہ دینا کہ خدا نے اس دنیا کی مادی وجسمانی ضروریات کی تکمیل تو کی ہے، مگر روحانی وباطنی ضروریات کو تشنہ چھوڑ دیا ہے، اس طرح تو نہ صرف ذاتِ خداوندی کی سخت ناقدری اور ناشکری ہوگی، بلکہ مقام واحکاماتِ الٰہیہ سے ناآشنائی بھی ہوگی۔ (۱۰۸)۔

قرآن کریم کی رو سے نبی کی مکمل اطاعت اور پیروی شرط ایمان ہے۔ اسے بلاچوں وچرا تسلیم کرنا فرض ہے۔ کیونکہ یہ ہر صورت میں خیر ہی خیر ہے اور سراپا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ (۱۰۹)۔

ترجمہ: اور ہم نے جس رسول کو بھی بھیجا اس لئے بھیجا کہ اذن خداوندی کے مطابق اس کی اطاعت کی جائے۔

رسول خدا کی معرفت کا مظہر کامل ہوتا ہے اور اس کی ہر ہر ادا معرفت الٰہی کا نشان ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے جو لوگ خدا سے محبت رکھتے ہیں وہ رسول کی ایک ایک ادا سے محبت رکھتے ہیں' اتباع کرتے ہیں' یہاں تک کہ خدا کے محبوب بن جاتے ہیں۔ اس حقیقت کو قرآن کریم کی اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ

وَ اللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْم﴾(۱۱۰)۔

ترجمہ: اے نبی کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ أحْیَا سُنَّتِی فَقَدْ اَحَبَّنِی وَمَن أحَبَّنِیْ کَانَ مَعِی فِی الجَنَّۃ)) (۱۱۱)۔

ترجمہ: جس نے میری سنت کو زندہ کیا اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

نبی کریم ﷺ سے محبت کا یہی تقاضا ہے کہ آپ ﷺ کی تعلیمات پر عمل کیا جائے اور اگر آپ ﷺ کی تعلیمات پر عمل نہ ہو تو محبت کا دعوی کھوکھلا اور بے بنیاد ہے۔لہٰذا آپ ﷺ سے محبت آپ ﷺ کی اطاعت کے بغیر ممکن نہیں بعینہ اسی طرح آپ ﷺ کی اطاعت آپ ﷺ کے ساتھ محبت کے بغیر ممکن نہیں بلکہ یہ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم اور ملزوم ہے۔

ماحاصل یہ کہ، دنیوی واخروی حسنہ اور کامیابی حاصل کرنے کے لئے انبیاء کرام کی راہ راست ہی سکون اور اصل فتح دے سکتی ہے اس لئے بنی نوع انسان کے لئے ضروری ہے کہ رسالت کی جو حاجت اللہ نے اپنے بندوں کو نارِ جہنم سے دور کرنے کے لئے پوری کی اور مختلف زمانوں میں وقتاً فوقتاً انبیاء بھیجے وہ اپنی اپنی قوموں میں مبعوث ہوئے اور آخری نبی محمد ﷺ جو سلسلہ نبوت کی آخری کڑی ہیں کو تمام بنی نوع کی ہدایت کے لئے بھیجا تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ جنت میں جاسکیں اور دوزخ سے بچیں۔انبیاء کا راستہ ایک ہی تھا کیونکہ سب نے ایک رب تعالی کی عبادت کی طرف بلایا اسی لئے یہی صراط مستقیم ہے یعنی سیدھا راستہ۔اسی صراط مستقیم کی طرف محمد ﷺ نے بلایا جو خاتم النبین ہیں۔اللہ کی بندگی اور رسل کی پیروی ہی ضمانت ہے رب کی رضا کی، یہی چیز اطمینان اور راحت اور سرور بخشے گی، حزن وغم کو دور کردے گی اور کرب آتش سے محفوظ اور مصئون۔محمد ﷺ چونکہ آخری رسول ہیں اس لئے ان کے اسوہ و پیروی پر عمل میں دنیا وآخرت کی کامرانی ہے کیونکہ تمام انبیاء کی جملہ تعلیمات نبی ﷺ کے اسوہ میں جمع ہیں۔علامہ اقبال فرماتے ہیں

''کی محمد (ﷺ) سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں(۱۱۲)۔''

یہودیت میں عقیدۂ رسالت:

کسی بھی مذہب یا نظریہ حیات کے لئے ضروری ہے کہ اس کے پیچھے ایک ایسی ہستی کارفرما ہو جو اپنی عملی زندگی سے ان نظریات کو پیش کرسکے جب اس معیار پر ہم مذاہب کا جائزہ لیتے ہیں تو اسلام کے علاوہ ہمیں ہر طرف سے مایوسی ہوتی ہے۔یہودیت میں بھی رسالت کا تصور پایا جاتا ہے۔اسی لئے وہ انبیائے کرام کی لائی ہوئی کتب اور مذہب پر ایمان رکھتے ہیں

۔اور یہی وجہ ہے کہ یہود حضرت ابراہیمؑ اسحاقؑ یعقوبؑ اور حضرت موسیٰ کو اپنا پیغمبر مانتے ہیں ۔ان انبیاء کی رسالت کے متعلق ہمیں عہد نامہ عتیق کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے ۔کتاب پیدائش میں حضرت آدمؑ کے متعلق ہے:

''خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا(۱۱۳) ۔''

اسی طرح ادریس علیہ السلام کے متعلق ہے:

''حنوک ۳۰۰ برس تک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا تھا اور حنوک کی ساری برس ۳۶۵ برس کی ہوئی ۔۔۔۔۔اور اس لئے کہ خدا نے اسے لے لیا(۱۱۴) ۔''

نوح علیہ السلام کے متعلق ہے:

''نوح اپنے قرنوں میں صادق اور کامل تھا ۔اور نوح خدا کے ساتھ چلتا تھا(۱۱۵) ۔''

خدا نے اسے خطاب کرکے فرمایا:

''میں نے تجھی کو اپنے حضور میں اس زمانے کے اندر صادق دیکھا(۱۱۶) ۔''

ابراہیمؑ کے متعلق ہے:

''میں خدائے قادر ہوں تو میرے حضور میں چل اور کامل ہو(۱۱۷) ۔''

خداوند فرماتا ہے:

''اس لئے کہ تو نے ایسا کام کیا اور اپنا اکلوتا ہی بیٹا دریغ نہ رکھا ۔میں نے اپنی قسم کھائی کہ میں برکت دیتے ہیں تجھے برکت دوں گا ۔۔۔۔تیری نسل سے زمین کی ساری قومیں برکت پائینگی(۱۱۸) ۔''

موسیٰؑ کے متعلق ہے:

''عہد نامہ عتیق میں موسیٰؑ کی بزرگی کا ذکر کئی جگہ آیا ہے ۔''میں خداوند تمہارا خدا ہوں سو تم میرے قانون اور حکم پر عمل کرو(۱۱۹) ۔''

خداوند نے موسیٰؑ سے کہا:

''خداوند نے موسیٰ سے کہا میں یہ کام بھی جس کا تو نے ذکر کیا ہے کروں گا کیونکہ تجھ پر میری کرم کی نظر ہے ۔اور میں تجھ کو بنام پہچانتا ہوں(۱۲۰) ۔''

ایوبؑ کے متعلق ہے:

''وہ شخص کامل اور صادق تھا اور خدا سے ڈرتا اور بدی سے دور رہتا(۱۲۱) ۔''

اسی لئے مسلمان تمام انبیائے کرام پر ایمان رکھتے ہیں اس کا تذکرہ اسلام کے عقیدہ رسالت

میں کیا جائے گا۔ بنی اسرائیل کے تمام انبیاء خصوصاً موسیٰؑ کہ جن پر تورات نازل ہوئی یا داؤدؑ ہوں یا دیگر جملہ انبیاء سب اپنے وقت میں نیکوں میں جانے جاتے تھے لیکن اگر ہم یہودی مذہب کی موجودہ کتب مقدسہ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ دیگر عقائد کی طرح عقیدہ رسالت کے بارے میں بھی تصور موجود ہے اور وہ تصور یہ ہے کہ انہوں نے ان برگزیدہ ہستیوں کو اپنی کتب میں کچھ اچھے الفاظ میں یاد نہیں کیا عہدنامہ قدیم کا مطالعہ کریں تو بعض الفاظ ایسے ہیں کہ انبیاء کے متعلق زیب نہیں دیتے کجا کہ کسی مذہب کی کتب مقدسہ کا حصہ ہوں اس لئے کہ وہ تمام ہستیاں اللہ کے ہاں تمام لوگوں سے زیادہ اعلیٰ وارفع تھیں مگر اتنی تحریف کے باوجود بھی کچھ نہ کچھ ہمیں ڈھونڈنے سے مل ہی جاتا ہے۔اور یہ عقیدہ بھی ایک قدر مشترک ہے کہ ان کے ہاں بھی رسولوں کو اللہ نے اقوام کی رہنمائی کیلئے بھیجا اور ہمارے ہاں بھی، وہ صرف عیسیٰؑ اور محمد ﷺ پر ایمان نہیں رکھتے بقیہ انبیاء پر رکھتے ہیں۔

عیسائیت میں عقیدۂ رسالت کا تصور:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی خدائی صفات سے متصف ہونے کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ اعلان کیا کہ وہ کس مقصد کے لئے مبعوث ہوئے۔اللہ نے آپ کو ان سے پہلے آنے والی شریعت یعنی یہودی دین کی تصدیق اور اسے مزید مستحکم کرنے کے لئے بھیجا۔متی کی انجیل میں حضرت عیسیٰؑ سے منسوب اس بیان سے آپ کے مکمل تائید ہوتی ہے۔

> ''یہ گمان مت کرو کہ میں (سابقہ) دین اور پیغمبروں (کی تعلیمات) کو ختم کرنے آیا ہوں' میں انہیں ختم کرنے نہیں بلکہ ان کی تکمیل کرنے آیا ہوں۔مجھے آپ لوگوں سے یہ کہنا ہے کہ چاہے آسمان و زمین ٹوٹ پڑیں میں اللہ کے دین سے ذرہ برابر بھی نہیں ہلوں گا' یہاں تک کہ اس کو مکمل کردوں (۱۲۲)۔''

نیز فرمایا:

''جو کوئی ان چند خدائی احکامات میں سے ایک بھی توڑے گا اور لوگوں کو بھی ایسا ہی سکھائے گا وہ خدا کے ہاں رذیل اور ٹھکرایا ہوا قرار پائے گا۔مگر جو ان تمام احکامات پر خود بھی عمل کرے گا اور دوسروں کو بھی سکھائے گا تو وہ خدا کے ہاں بلند درجات پائے گا (۱۲۳)۔''

عہدنامہ جدید میں متعدد مقامات پر عیسیٰؑ کے مشن کی پیغمبرانہ نوعیت کا تذکرہ ملتا ہے۔

> ''جو الفاظ تم سن رہے ہو وہ میرے نہیں ہیں بلکہ آسمانی باپ کے ہیں جس نے مجھے بھیجا ہے (۱۲۴)۔''

اور ایک جگہ آپ کے مشن کے بارے میں فرمایا گیا:

> ''اور یہ زندگی ہمیشہ باقی رہنے والی ہے تا کہ وہ جان لیں کہ تم ہی سچے خدا ہو اور عیسیٰ مسیح

جسے تو نے بھیجا ہے(۱۲۵)۔"

حضرت عیسیٰ نے اپنے میں خدائی صفات کے معمولی تاثر کی بھی تردید کی۔

"اور سنو ایک شخص آیا اور اس نے (عیسی علیہ السلام) سے کہا میرے عظیم آقا! مجھے کونسی نیکی کرنی چاہیے کہ میں اس کے عوض ابدی زندگی پاؤں؟ تو آپ نے جواب دیا تم مجھے عظیم آقا کیوں کہتے ہو؟ عظیم تو بس ایک ہے اور وہ خدا ہے۔ لیکن تمہیں اگر ابدی زندگی مل جائے تو تم خدا کے احکامات پر عمل کرنا (۱۲۶)۔"

حضرت عیسیٰ بنی اسرائیل کیطرف اللہ کے آخری رسول تھے۔ آپ نے اپنی قوم سے کہا کہ وہ ایمان لائیں کہ تو (خدا) ہی نے مجھے بھیجا ہے(۱۲۷)۔

آپ اللہ کے مقرب بندے اور رسول تھے جنہیں اللہ نے شرف قبولیت بخشا:

"یسوع نے پکار کر کہا جو مجھ پر ایمان لاتا وہ مجھ پر نہیں بلکہ میرے بھیجنے والے پر ایمان لاتا ہے(۱۲۸)۔"

اسی طرح آپ نے کہا:

"جسطرح باپ نے مجھے حکم دیا میں ویسا ہی کرتا ہوں(۱۲۹)۔"

ایک جگہ واضح الفاظ میں آپ نے اعلان کیا کہ وہ اللہ کے فرستادہ ہیں:

"پھر میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں جو میرے بھیجنے والے کو قبول کرتا ہے وہ مجھے قبول کرتا ہے۔۔

۔۔جو مجھے قبول کرتا ہے وہ میرے بھیجنے والے کو قبول کرتا ہے(۱۳۰)۔"

حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق عبرانیوں کے نام خط میں ہے:

"نوح علیہ السلام اس راست بازی کا جو ایمان سے ملتی وارث ہوا(۱۳۱)۔"

اس سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے بھیجے ہوئے رسل پر ایمان عیسائی قوم بھی رکھتی ہے چونکہ عیسائی عہدنامہ قدیم کو مانتے ہیں اور اس کو منسوخ سمجھتے ہیں لیکن اس کی کچھ باتوں پر آج بھی ایمان رکھتے ہیں اور یہودی انبیاء پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور ان کے مذہب پر بھی۔ اسی لئے مثال کے طور پر عبرانیوں کے خط کا حوالہ بھی دیا گیا ہے جس میں نوحؑ کا تذکرہ ہے اسی طرح موسیٰؑ، اور اسی طرح انہوں نے اپنی رسالت کا واضح اقرار بھی کیا جس کا ذکر مقالہ نگار نے پیچھے کیا ہے۔

مبحث سوم: عقیدۂ آخرت قرآن کریم اور کتاب مقدس کی روشنی میں

عقیدۂ آخرت قرآن کریم کی روشنی میں:

مذہب جن حقیقتوں کو ماننے کی ہمیں دعوت دیتا ہے، ان میں سے ایک اہم ترین حقیقت آخرت ہے آخرت کے لفظی معنی پچھلی کے ہیں یہ اسلام کے سلسلہ ایمانیات کی آخری کڑی ہے الآخر یا آخرت کا مفہوم الیوم الآخر والحیوۃ الآخرۃ والدار الآخرۃ (پچھلا دن اور پچھلی زندگی اور پچھلا آنے والا گھر) یعنی موجودہ زندگی کے بعد آنے والی دوسری دنیا کی زندگی اور گھر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ دنیا کے بعد ایک اور دنیا ہے جہاں ہمیں ہمیشہ رہنا ہے۔ موجودہ دنیا انسان کی امتحان گاہ ہے۔ یہاں ایک خاص عرصہ کیلئے انسان کو رکھا گیا ہے۔ اس کے بعد ایک وقت ایسا آنے والا ہے جب اس کا مالک اسے توڑ کر دوسری دنیا بنائے گا۔ وہاں تمام انسان دوبارہ زندہ کیے جائیں گے۔ ہر ایک نے موجودہ دنیا میں جو اچھے یا برے عمل کیے ہیں، وہ تمام وہاں خدا کی عدالت میں پیش ہوں گے، اور ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق انعام یا سزا دی جائے گی۔

﴿ وَ هُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰكُمْ بِالَّیْلِ وَ یَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبْعَثُكُمْ فِیْهِ لِیُقْضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّى ثُمَّ اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ یُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾ (۱۳۲)۔

ترجمہ: اور وہی تو ہے جو رات میں تم پر موت طاری کر دیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو وہ اس کو جانتا ہے پھر دن کے وقت تمہیں اٹھا کھڑا کرتا ہے تا کہ مقررہ مدت پوری کر دی جائے پھر اس وقت کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے پھر اس وقت وہ تم کو تمہارے اعمال جو کچھ دنیا میں کرتے رہے ایک ایک کر کے بتا دے گا۔

یہ نظریہ صحیح ہے یا غلط، اس کو جانچنے کیلئے چند پہلوؤں پر غور کریں گے۔

﴿ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ﴾(۱۳۳)۔

ترجمہ: ہر شخص ایک دن موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور قیامت کے دن پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

عقیدہ آخرت کا اسلامی تصور:

امام طبری اپنی تفسیر میں ﴿وبالآخرة هم يوقنون﴾ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

آخرت کو آخرت اس لئے کہتے ہیں کہ یہ پیدائش کے بعد ہے جیسا کہ دنیا کو دنیا اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ پیدائش کے قریب ہے۔ اس تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ یوم آخرت سے مراد روز قیامت اور اس روز پیش آنے والے عجیب وغریب قسم کے حالات اور واقعات ہیں۔ ابن عباسؓ اپنی تفسیر میں اسی آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اس سے مراد، دوبارہ اٹھنے' قیامت' جنت' دوزخ' حساب اور میزان وغیرہ ایمان لانا ہے (۱۳۴)۔

آسان الفاظ میں یوم آخرت کے متعلق اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ایمان باللہ کے بعد یوم آخرت یا حیات آخرت

پر ایمان کی بڑی اہمیت ہے۔کیونکہ موجودہ دنیا کے تمام اعمال اوران کے نتائج کی اصلی اور دائمی بنیاد اسی آئندہ دنیا کے گھر کی بنیاد پر قائم ہے اگر یہ بنیاد متزلزل ہو جائے تو اعمال انسانی کے نتائج کا ریشہ ریشہ بیخ و بن اکھڑ جائے اسی لئے تمام مذاہب نے کسی نہ کسی رنگ میں اور کسی نہ کسی اصطلاح میں دوسری زندگی یعنی آخرت کو تسلیم کیا ہے۔

آنحضرت ﷺ کی تعلیم نے اس آئندہ آنے والی زندگی کو دو ادوار میں تقسیم کیا ہے۔

ا۔ایک موت سے لے کر قیامت تک (برزخ، نبی کریم ﷺ نے فرمایا قبر یعنی برزخ آخرت کی منزلوں میں سے سب سے پہلی منزل ہے،قرآن میں برزخ لفظ تین مرتبہ آیا ہے(۱۳۵)۔

برزخ کا معنی ہے دو چیزوں کے درمیان آڑ۔اصطلاح میں اس سے مراد مرنے کے بعد سے لیکر روز قیامت دوبارہ اٹھنے کے وقت تک ہے(۱۳۶)۔

اور برزخ کا یہی مفہوم قرآن کریم میں ذکر ہوا ہے۔ارشاد خداوندی ہے:

﴿حَتّٰٓی اِذَا جَآءَ اَحَدَھُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَکْتُ

کَلَّا اِنَّھَا کَلِمَۃٌ ھُوَ قَآئِلُھَا وَ مِنْ وَّرَآئِھِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴾(۱۳۷).

ترجمہ: یہ لوگ اسی غفلت میں رہیں گے جب ان میں سے کسی کے پاس موت آجائے گی تو کہے گا اے پروردگار مجھے پھر اس دنیا میں واپس بھیج دے تا کہ میں اس میں جسے میں چھوڑ آیا ہوں میں نیک کام کیا کروں یہ ایک ایسی بات ہے کہ وہ اسے زبان سے کہہ رہا ہوگا اور اس کے پیچھے برزخ ہے جہاں وہ اس دن تک دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔

قیامت سے لے کر ابد (ہمیشہ) تک جس میں پھر موت اور فنا نہیں (بعث،حشر و نشر، قیامت)

ان سب کے معنی جی اٹھنے اکٹھے کئے جانے اور کھڑے ہونے کے ہیں لیکن ان سب کا مقصود ایک ہی حقیقت کی طرف اشارہ ہے اور وہ موجودہ دنیا کے خاتمے کے بعد کی زندگی ہے اور اسی لئے دوسری زندگی یا اس کے عالم کا نام قرآن میں الدار الاخرۃ اور عقبی الدار یعنی دوسرے یا پچھلے گھر کے ہیں(۱۳۸)۔

قیامت اور جزائے اعمال:

موت تو افراد کا معاملہ ہے ایک مرتا ہے اور دوسرا اس کی جگہ پیدا ہوتا ہے۔قومیں بھی باری باری اس بازی گاہ کے تختے پر آتی ہیں اور ایک قوم اپنا کھیل ختم کر کے کسی دوسری کے لئے جگہ خالی کر جاتی ہے۔یہ سلسلہ ازل سے قائم ہے اور اب تک چل رہا ہے۔کائنات جس نظام پیدا ہوئی تھی وہ بعینہ قائم ہے اور اس محفل کی جو رونق اول روز تھی وہ اب تک اسی طرح باقی ہے۔

ایک ایسا دن بھی آئے گا جب یہ ساری بساط ہستی الٹ جائیگی' کائنات کی یہ مجلس درہم برہم ہو جائیگی آسمان اور زمین کے کرے ٹکرا کر چور چور ہو جائیں گے اور پھر وہ اخلاق عالم اپنے صفت خلق و احسان و جزا کے نئے منظر دکھائے گا اور نئی زمین

اور نیا آسمان پیدا ہو کر ایک اور عالم کسی نئے نظام پر وجود پذیر ہوگا۔

عالم غیب (Metaphysics):

غیب سے مراد وہ حقیقتیں جو انسان کے حواس سے پوشیدہ ہیں اور کبھی عام انسانوں کے مشاہدے اور تجربے میں نہیں آتیں مثلاً اللہ کی ذات صفات، ملائکہ، وحی، جنت، دوزخ، ان حقیقتوں کو دیکھے بغیر ماننا اور اس اعتماد پر ماننا کہ نبی ان کی خبر دے رہا ہے یہی ایمان بالغیب ہے اور یہ متقین کی خوبی ہے کہ وہ غیب پر، رسولوں پر اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں اس عقیدے کا اہم جزو آخرت ہے جو پوری انسانیت پر محیط ہے اور جس کے ماتحت ساری انسانیت اپنے اپنے ضابطہ حیات کے ساتھ اور اپنے اپنے شعور و عمل اور ایمان کے ساتھ زندگی گزارتی ہے(۱۳۹)۔

بعث بعد الموت وہ غیب ہے جو اللہ کے مخصوص ترین رازوں میں سے ایک ہے اسی طرح قیامت بھی ان پوشیدہ مستور غیبوں میں سے ہے اگر لوگوں کو قیام قیامت کی ساعت کا علم ہو جائے تو زندگی کی گاڑی یکدم رک جائے اور اس میں عظیم خلل پڑ جائے (۱۴۰)۔

محمد غوری صدیقی لکھتے ہیں

''ایمان بالآخرت، مرنے کے بعد عالم برزخ پر دوبارہ زندہ ہونے پر اور یوم قیامت یا یوم حشر پر ایمان جس میں اعمال کی جزا سزا اور جنت دوزخ پر ایمان شامل ہے(۱۴۱)۔''

اس طرح اسلام نے آخرت کے عقیدے کو اپنے اخلاقی ضابطے اور نظام شرعی کے لئے ایک زبردست پشت پناہ بنا دیا ہے' جس میں ایک طرف خیر و صلاح پر عمل کرنے اور شر و فساد سے بچنے کے لئے عقلی ترغیب بھی موجود ہے اور دوسری طرف نیکی پر یقینی جزا اور بدی پر یقینی سزا کا خوف بھی ہے۔ اس کا ضابطہ اور نظام اپنی بقا و استحکام کے لئے مادی طاقت اور حاکمانہ اقتدار کا محتاج نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایمان بالیوم الآخر کے ذریعے سے انسان کے نفس میں ایک ایسے طاقتور ضمیر کی تشکیل کرتا ہے جو کسی بیرونی لالچ اور خوف کے بغیر انسان کو آپ سے آپ ان نیکیوں کی طرف راغب کرتا ہے جن کو اسلام نے آخری نتائج کے اعتبار سے نیکی قرار دیا ہے اور ان گناہوں سے بچنے کی تائید کرتا ہے جن کو اس نے آخری نتائج کا لحاظ کرتے ہوئے گناہ ٹھہرایا ہے۔

قرآن کریم میں جگہ جگہ اس عقیدے کو مکارم اخلاق کی تعلیم کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ تقوی اور پرہیزگاری کا حکم دیا جاتا ہے تو ساتھ ہی ارشاد ہوتا ہے کہ:

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ﴾(۱۴۲)۔

ترجمہ: اللہ سے ڈرو اور جان رکھو کہ تم کو اس کے پاس حاضر ہونا ہے۔

سخت سے سخت مشکلات کے مقابلے میں ڈٹ جانے کی قوت یہ کہہ کر پیدا کی جاتی ہے کہ:

﴿نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا﴾ (۱۴۳)۔

ترجمہ: جہنم کی آگ دنیا کی گرمیوں سے زیادہ سخت ہے۔

متاعِ دنیا سے بے نیازی اور بدکاروں سے خوش حالی پر رشک نہ کرنے کی تعلیم اس طرح دی جاتی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿ لا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَاد . مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَاد. لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلاً مِّنْ عِنْدِ اللهِ وَ مَا عِنْدَ اللهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴾ (۱۴۴)۔

ترجمہ: دنیا کے ملکوں میں کفر کی روش اختیار کرنے والے لوگوں کی چلت پھرت تمہیں کسی دھوکہ میں نہ ڈالے یہ محض چندروزہ زندگی کا تھوڑا سا لطف ہے' پھر یہ سب جہنم میں جائیں گے جو بدترین جائے قرار ہے۔ لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہوئے اپنی زندگی بسر کرتے ہیں ان کے لئے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں' ان باغوں میں وہ ہمیشہ رہیں گے' ان کے لئے اللہ کی طرف سے یہ سامان ضیافت ہے' اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے نیک لوگوں کے لئے وہی سب سے بہتر ہے۔

اسلام میں ایمان باللہ کو ایمان بالآخرت مستلزم ہے اور اسے بھی اساسی حیثیت حاصل ہے۔ آخرت سے متعلق اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ انسان کو صرف ایک دفعہ دنیا میں پیدا کرتا اور مارتا ہے۔ پھر قیامت کے دن اُسے دوبارہ زندہ کرے گا۔ اس عقیدے سے مختلف یا متضاد و متناقض جملہ عقائد غیر اسلامی ہیں۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتاً فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ (۱۴۵)۔

ترجمہ: تم اللہ کا انکار کیسے کرتے ہو' حالانکہ تم بے جان تھے؟ اُس نے تمہیں زندہ کیا' یعنی زندگی بخشی' پھر تمہیں مارے گا' بعد ازاں تمہیں زندہ کرے گا' پھر اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

یہی حقیقت اُس نے دوسری جگہ اس طرح بیان کی ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ﴾ (۱۴۶)۔

ترجمہ: اور وہی (اللہ) ہے جس نے تمہیں زندہ کیا (یعنی زندگی عطا کی)' پھر وہی تمہیں موت دیتا ہے' پھر وہی تمہیں زندہ کرے گا۔ بے شک انسان بڑا ہی منکرِ حقیقت ہے۔

اِن دونوں آیاتِ جلیلہ میں غیر مبہم الفاظ اور واضح انداز میں انسان کے دوبارہ زندہ اور ایک بار مرنے کا ذکر ہے' لہٰذا جو شخص اپنے آپ کو مؤمن کہنے کے باوجود اس عقیدے کے خلاف کوئی نظریہ پیش کرتا ہے' وہ صریحاً قرآن مجید کو جھٹلاتا اور حقیقت کا انکار کرتا ہے۔ موضوع روایات اور دوسرے ادیان و مذاہب کے اثرات کی وجہ سے مسلمانوں کے دل و دماغ میں کئی

ایک باطل اور مشرکانہ عقائد راسخ ہو گئے ہیں ۔مثلاً انسان مرنے کے بعد قبر میں دوبارہ زندہ ہوگا اور منکرین اس سے سوال وجواب کریں گے ۔بعض برگزیدہ ہستیاں فوت ہو جانے کے باجود زندہ ہی نہیں' بلکہ کاروبار خدائی میں شریک ہیں' ہزاروں' لاکھوں لوگوں کی دعاؤں کو بیک وقت سنتی' ان کی حاجات پورا کرتی اوران کی مدد کرتی ہیں'نیز وہ اللہ تعالیٰ کی محتاج وسائل ہونے کے باوجود مستجاب الدعوات' حاضر وناظر' الحیّ القیوم' کارساز ومشکل کشا اور رزاق و پروردگار ہیں ۔اگر یہ شرک نہیں' اگر یہ تکذیب قرآن ودین نہیں تو پھر شرک وتکذیب قرآن ودین کسے کہتے ہیں؟ مرنے کے بعد جملہ بنی نوع اسنان صرف قیامت کے دن اللہ جل شانہ کے حکم سے زندہ ہوں گے:

﴿قُلِ اللّٰهُ یُحۡیِیۡکُمۡ ثُمَّ یُمِیۡتُکُمۡ ثُمَّ یَجۡمَعُکُمۡ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ لَا رَیۡبَ فِیۡهِ وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ﴾(۱۴۷)۔

ترجمہ: (اے نبیؐ) کہہ دیجئے !اللہ ہی تمہیں زندہ کرتا پھر مارتا ہے' پھر وہی قیامت کے دن تمہیں (زندہ کرکے) جمع کرے گا اور اس میں کوئی شک نہیں' لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کا) علم نہیں رکھتے ۔

دنیا میں مرنے کے بعد جب افرادِ نسل انسانی قیامت کے دن زندہ اٹھیں گے تو انہیں ایسا محسوس ہوگا جیسے وہ ابھی مرے تھے اور پھر زندہ ہو گئے ۔اس حقیقت زمانی کو قرآن حکیم نے اس طرح بیان کیا ہے:

﴿وَیَوۡمَ یَحۡشُرُهُمۡ کَاَنۡ لَّمۡ یَلۡبَثُوۡۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ یَتَعَارَفُوۡنَ بَیۡنَهُمۡ قَدۡ خَسِرَ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا کَانُوۡا مُهۡتَدِیۡنَ﴾(۱۴۸)۔

ترجمہ: اور جس دن بنی نوع انسان کا حشر ہوگا (یعنی نشأۃ ثانیہ ہوگی تو وہ ایسا محسوس کریں گے جیسے) وہ (موت کے بعد) دن کی ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے تھے ۔وہ ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے ۔ان لوگوں نے نقصان اٹھایا جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا اور وہ ہدایت یافتہ نہ ہوئے ۔

درجہ بالا نصوص قرآنی سے مستنبط ہوا کہ ہر انسان کی تقدیر میں دو بار زندہ ہونا اور ایک بار مرنا ہے ۔ایک بار انسان دنیا میں پیدا ہونا اور صرف ایک ہی بار لذت موت سے آشنا ہونا ہے ۔دوسری بار وہ قیامت کے دن جملہ بنی نوع انسان کے ساتھ دوبارہ زندہ ہوگا اور وہ پھر الحیوان میں چلا جائے گا' جو موت نا آشنا جہان ہے' جسے دار الآخرت سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے ۔اسلام کے عقیدۂ آخرت کو اس کے صحیح تناظر میں سمجھنے کے لئے اس کے فلسفۂ حیاتِ انسانی سے آگہی حاصل کر لینا بھی ضروری ہے ۔رب العالمین نے ہر چیز کا زوج بنایا ہے ۔یہ اس کی سنت ہے اور اس کی سنت نا قابل تغیر وتبدل ہے ارشاد ربانی ہے:

﴿سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلُ وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبۡدِیۡلًا﴾(۱۴۹)۔

ترجمہ: اللہ کے اس قاعدے کے مطابق جو پہلے سے چلا آیا ہے' تو کبھی بھی اللہ کے قاعدے کو بدلتا ہوا نہ پائے گا۔

چنانچہ اس نے دنیا کا بھی زوج بنایا ہے' جسے دارالآخرت سے تعبیر کیا ہے۔ الحیوان کا مطلب ہے جہان حیات' یعنی موت نا آشنا جہان۔ اس کے دو حصے ہیں' جو وسعت میں یکساں ہیں۔ ایک حصے یا جہاں کے لئے قرآن مجید عموماً جنت کی تعبیر اختیار کرتا ہے۔ یہ اس قدر حسین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے ''قرۃ اعین'' سے تعبیر کیا ہے۔ اور ساتھ ہی اس نے ہمیں اس حقیقت سے بھی آگاہ کر دیا کہ

﴿فَلا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ جَزَآءً م بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ (۱۵۰)۔

ترجمہ: کوئی متنفس نہیں جانتا کہ کون سی چیز جو قرۃ العین یا آنکھوں کی ٹھنڈک ہے' چھپا کر رکھی ہوئی ہے (یعنی جنت)۔ یہ جزا ہے ان (اعمالِ حسنہ) کی' جو وہ (دنیا میں) کرتے تھے۔

الحیوان یا دارالآخرت کا دوسرا حصہ جہنم ہے جو جنت کی ضد یا زوج ہے۔ جنت حسین و قرۃ العین ہے تو جہنم قبیح والنار ہے۔ اہل جنت زندہ و آزاد اور خوشحال و مسرور ہوں گے۔ وہ جو چاہیں گے ان کو فوراً ملے گا۔ وہ اپنے الٰہ و رب سے خوش ہوں گے اور وہ اپنے ان اہل حسن و مسرور بندوں سے خوش ہوگا۔ بخلاف اس کے' جہنم کا عذاب اس قدر شدید ہوگا کہ اہل نار نہ زندوں میں ہوں گے نہ مردوں میں۔

﴿ اِنَّهٗ مَنْ یَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیٰی﴾ (۱۵۱)۔

ترجمہ: جو شخص اپنے پروردگار کے پاس گنہگار ہو کر آئے گا تو اس کے لئے جہنم ہے جس میں نہ مرے گا اور نہ جئے گا۔

یعنی لذات حیات و موت سے نا آشنا ہوں گے۔ ان کی سب سے بڑی محرومی اور اذیت حسرت یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کی لذت دید و کلام کی نعمت عظمیٰ سے محروم ہوں گے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ چونکہ رب رحمٰن و رحیم ہے اور اس نے رحمت کو اپنے اوپر لازم کر رکھا ہے لہٰذا وہ چاہتا ہے کہ اس کے سارے حسین تخلیقی شاہکار اور بندے دوڑ کر اس کی مغفرت اور جنت کی طرف آئیں جو ان کا حسن المآب ہے۔ یہ ہے اس کی مشیت' دین کی غایت اور زندگی کی غایت الغایات۔ اسے اگر فلسفہ آخرت کا لب لُباب کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔

عقیدہ آخرت اور اس کی اس اہمیت و افادیت کے پیش نظر اس عقیدے پر ایمان و ایقان رکھنا ایک مسلمان کے لئے ناگزیر ہے۔ اور جب تک اس پر ایمان نہ لائے کوئی انسان مسلمان نہیں ہو سکتا۔ بلکہ مسلمان تو خیر بڑی چیز ہے' سچ یہ ہے کہ آخرت کا انکار انسان کو انسانیت سے گرا کر حیوانیت سے بھی بدتر درجے میں لے جاتا ہے۔

یہودیت میں عقیدہ آخرت کا تصور:

یہود کے نزدیک آخرت کا تصور:

یہود کے نزدیک آخرت کا کیا تصور ہے یہ ایک پیچیدہ مسئلہ اور سوال طلب امر ہے۔ کیونکہ اس بارے میں مختلف قسم

کے اقوال آئے ہوئے ہیں۔بعض اس کو حساب اور جزا کا دن شمار کرتے ہیں جبکہ بعض اس کو جنگوں اور تمام طرح کے مصائب وآلام سے چھٹکارا پانے کا دن۔موجودہ تورات میں اس کی طرف اشارہ واضح الفاظ میں نہیں کیا گیا ہے۔حبیب سعد لکھتے ہیں کہ:

''یہ عجیب بات ہے کہ عقیدہ آخرت جس کا اہتمام تمام ادیان نے کیا یہود یوں کے ہاں اس کی کوئی قیمت نہیں(۱۵۲)

زمانہ قدیم میں یہودی قیامت اور جزا وسزا کے قائل تھے۔جنت اور جہنم کا اعتقاد بھی موجود تھا۔خود قرآن کریم میں یہود کے ان نظریات کو بیان کیا گیا ہے۔گو کہ دورحاضر میں یہودی عقیدہ آخرت کو بھلا چکے ہیں لیکن اس کا تصور ان کے ہاں ان کی کتب میں پایا جاتا ہے۔

اسلام کی طرح عقیدۂ آخرت کا تصور اگر چہ یہودیت میں بھی ہے اور مرنے کے بعد زندہ ہونے پر وہ بھی یقین رکھتے ہیں لیکن چونکہ وہ اس بات کے دعوی دار ہیں کہ ہم اللہ کی پسندیدہ قوم ہیں اس لئے عذاب سے محفوظ رہیں گے چاہے نیک اعمال کریں یا نہ کریں۔قیامت کا تصور ان کے یہاں اس طرح پایا جاتا ہے۔

''جس دن گھر کے مالک تھرتھرانے لگیں گے' طاقت ورلوگ کمزوری کے باعث جھک جائیں گے' جب چکی کی آواز دھیمی ہوجائے گی'انسان چڑیا کی آواز سے چونک جائے گا' قبل اس کے کہ خاک' خاک میں مل جائے تو سمجھنا قیامت ہے'(۱۵۳)

اللہ کے انصاف کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ:

''اللہ نے انصاف کے لئے اپنا تخت تیار کر رکھا ہے'اور وہ سچا ہے پورے جہان کی عدالت کرے گا(۱۵۴)۔''

قیامت(اٹھ کھڑا ہونا):

خداوند یسعیاہ نبی کی معرفت بنی اسرائیل کو خطاب کرکے فرماتا ہے:

''تیرے مردے جی اٹھیں گے''ان کی لاشیں اٹھ کھڑی ہوں گی تم جو خاک جا بسے ہو جاگو اور گاؤ کیونکہ تیری اوس اس اوس کی مانند ہے جو نباتات پر پڑتی ہے۔زمین مردوں کو جن ڈالے گی(۱۵۵)۔''

آ ہم خداوند کی طرف پھیریں کیونکہ اس نے ہمیں پھاڑا ہے وہی ہمیں چنگا کرے گا اس نے مارا ہے وہی ہمارا زخم باندھے گا۔ وہ ہم کو اٹھا کھڑا کرے گا اور ہم اس کے حضور میں زندہ رہیں گے(۱۵٦)۔''

قبروں سے نکالنا اور سوکھی ہڈیوں میں جان:

عہدنامہ قدیم میں قبروں سے نکالے جانے کا تصور اور خدا کا سوکھی ہڈیوں میں جان ڈالنے کا تصور بھی ملتا ہے۔

خداوند تعالیٰ حزقی ایل نبی کی معرفت فرماتا ہے۔

''اور میں تم کو قبروں سے باہر نکالوں گا۔ بنی اسرائیل کی سرزمین میں لاؤں گا(۱۵۷)۔''

''خداوند کا ہاتھ مجھ پر تھا اور اس نے مجھے خداوند کی روح میں اٹھا لیا اور اس وادی میں جو ہڈیوں سے بھرپور تھی مجھے اتار دیا۔ دیکھو وہ نہایت سوکھی تھی۔ اور اس نے مجھے کہا اے آدم زاد! کیا یہ ہڈیاں جی سکتی ہیں؟۔۔۔ان سے کہہ دو کہ اے سوکھی ہڈیوں! خداوند کا کلام سنو۔۔۔۔دیکھو میں تمہارے اندر روح ڈالوں گا اور تم جیو گے۔۔۔سو میں نے حکم کے بموجب نبوت کی اور جب میں نبوت کرتا تھا تو ایک شور ہوا اور دیکھ جنبش ہوئی اور ہڈیاں آپس میں مل گئیں۔۔۔نسیں اور گوشت ان پر چڑھ آئے۔۔۔ان میں روح آئی اور وہ جی اٹھے اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہوئے(۱۵۸)۔''

''۔۔۔خداوند یہواہ یوں کہتا ہے کہ دیکھ اے میرے لوگو! میں تمہاری قبروں کو کھولوں گا اور تمہیں تمہاری قبروں سے باہر نکالوں گا اور اسرائیل کی سرزمین میں لاؤں گا۔ میں اپنی روح تم میں ڈالوں گا اور تم جیو گے اور میں تم کو تمہاری سرزمین میں بساؤں گا تب تم جانو گے کہ مجھ خداوند نے کہا اور پورا کیا۔(۱۵۹)۔''

قوموں کی عدالت:

کتاب مقدس میں لوگوں کی عدالت کرنے کے متعلق لکھا ہے:

''اے خدا تو راستی سے لوگوں کی عدالت کرے گا(۱۶۰)۔''

''وہ آتا ہے وہ زمین کی عدالت کرنے آتا ہے وہ صداقت سے جہاں کی اور اپنی سچائی سے لوگوں کی عدالت کرے گا(۱۶۱)۔''

زبور میں ایک اور جگہ لکھا ہے

''وہ زمین کی عدالت کرنے آتا ہے وہ صداقت سے دنیا کی اور راستی سے امتوں کی عدالت کرے گا(۱۶۲)۔''

آسمان، چاند اور سورج:

کتاب مقدس میں یسعیاہ نبی کی معرفت کہا گیا:

''آسمان کاغذ/طومار کی ناؤ کی مانند لپیٹے جائیں گے بلکہ ان کا سارا جھتا یوں جھڑ جائے گا جیسے کہ طاق سے انگور اور انجیر کے درخت سے کملایا ہوا پات جھڑ جاتا ہے کہ میری تلوار آسمان میں مست ہوگئی ہے۔ دیکھو وہ عدوم پر اور ان لوگوں پر جن کو میں نے ملعون کیا ہے سزا دینے کو نازل ہوگی(۱۶۳)۔''

قرآن میں بھی آسمان کے لپیٹے جانے کا ذکر آیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ﴾(۱۶۴)۔

ترجمہ: یوم موعود میں ہم آسمان لپیٹ لیں گے جس طرح کاغذ لپیٹ لئے جاتے ہیں۔

ایک اور جگہ یسعیاہ نبی کی معرفت کہا گیا:

''میری طرف متوجہ ہو، اے میرے لوگو! میری طرف کان لگا اے میری امت! کیونکہ شریعت مجھ سے صادر ہوگی اور میں اپنے عدل کو قوموں کی روشنی کے لئے قائم کروں گا۔۔۔اپنی آنکھیں آسمان کی طرف اٹھاؤ اور نیچے زمین پر نگاہ کرو کیونکہ آسمان دھوئیں کی مانند غائب ہو جائیں گے اور زمین کپڑے کی طرح پرانی ہوگی۔۔۔لیکن میری نجات ابد تک رہیگی اور میری صداقت موقوف نہ کی ہوگی(۱۶۵)۔''

نیز دیکھئے قرآن پاک میں اسی حوالے سے

﴿ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ﴾(۱۶۶)۔

ترجمہ: آسمان اس دن سراسر دھواں ہو جائے گا۔

''یوئیل نبی فرماتا ہے سورج اندھیرا اور چاند لہو ہو جائے گا بیشتر اس کے کہ خداوند کا خوف ناک روز عظیم آئے آفتاب تاریک اور مہتاب خون ہو جائے گا اور جو کوئی خداوند کا نام لےگا وہ نجات پائیگا۔۔۔۔۔(۱۶۷)۔''

''ان ایام میں اسی وقت جب میں یہوداہ اور یروشلم کے اسیروں کو واپس لاؤں گا تو سب قوموں کو جمع کروں گا اور ان کو یہوسفط کی وادی میں اتارلاؤں گا اور وہاں ان پر اپنی قوم اور میراث اسرائیل کے لئے جنکو انہوں نے قوموں کے درمیان پراگندہ کیا اور میرے ملک کو بانٹ لیا حجت ثابت کروں گا(۱۶۸)۔''

''۔۔۔۔۔گروہ درگروہ انفصال کی وادی میں ہے کیونکہ خداوند کا دن انفصال کی وادی میں آپہنچا۔سورج اور چاند تاریک ہو جائیں گے اور ستاروں کا چمکنا بند ہو جائے گا کیونکہ خداوند صیون سے نعرہ مارے گا اور یروشلم سے آواز بلند کرے گا اور آسمان اور زمین کانپیں گے لیکن خداوند اپنے لوگوں کی پناہ گاہ اور بنی اسرائیل کا قلعہ ہے۔بس تم جانو گے کہ میں خداوند تمہارا خدا ہوں جو صیون میں اپنے کوہ مقدس پر رہتا ہوں(۱۶۹)۔''

دوبارہ زندہ ہونے کا عقیدہ:

انسان کے دوبارہ زندہ ہونے کے متعلق یہودیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ:

''میں جانتا ہوں کہ مجھے زندہ کرنے والا موجود ہے۔میں بالکل نیست و نابود ہونے کے بعد بھی اپنے جسم سے خدا کو دیکھ سکوں گا(۱۷۰)۔''

انسانی اعمال کے بارے میں جوابدہی کا تصور کچھ اس طرح سے ہے کہ:

''اے جوانو! اپنی جوانی کے ایام میں خوش رہو اپنے دل اور آنکھوں کو صحیح راستے پر چلاؤ۔

یاد رکھو سب باتوں کے لئے تم کو خدا کے یہاں اس کی عدالت میں پیش ہونا پڑے گا(۱۷۱)۔"

مردوں کے دوبارہ زندہ ہونے اور حیات ابدی پانے کے لئے یا رسوائی اور ذلت ابدی کا ذکر بھی عہدنامہ قدیم میں موجود ہے۔ چنانچہ دانی ایل میں لکھا ہے

"اور جو خاک میں سو رہے ہیں ان میں سے بہتیرے جاگ اٹھیں گے۔ بعض حیات ابدی کے لئے اور بعض رسوائی اور ذلت ابدی کے لئے(۱۷۲)۔"

اسی طرح یہودیوں کے قیامت کے دن سزا اور جزا کے قائل ہونے کے متعلق زبور میں لکھا ہے:

"خداوند ابد تک نشین ہے۔اس نے عدالت کے لئے اپنی مسند تیار کی ہے اور وہ صداقت سے جہاں کا انصاف کرے گا اور راسی سے قوموں کی عدالت کرے گا(۱۷۳)۔"

عیسائیت میں عقیدہ آخرت کا تصور:

عیسائیت میں بھی عقیدہ آخرت کا واضح تصور پایا جاتا ہے عیسائی یوم آخرت کو"اسخاتولجیا" کہتے ہیں جو دو یونانی لفظوں سے مرکب ہے۔اس کا معنی ہے:"آخرت میں کلام کرنا"یعنی وہ امور جو نفس کے مستقبل اور کائنات کے خاتمے کے ساتھ مخصوص ہیں۔چونکہ عیسائی عہدنامہ قدیم کو بھی مانتے ہیں اس لئے عہدنامہ قدیم سے بھی کچھ آیت درج کی جا رہی ہیں عقیدہ آخرت سے متعلق چند واضح آیات کچھ اس طرح سے ہیں۔

اہل مذاہب میں یہ عقیدہ کسی نہ کسی نوع سے ہر جگہ موجود ہے اور اس کا مجمل تذکرہ تمام آسمانی کتابوں میں ہے۔تورات میں اس کے اشارے پائے جاتے ہیں، زبور میں اس کی تصریحات ہیں اور اس میں اسے"عدالت" کا دن کہا گیا ہے(زبور) حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانے میں یہود کے دو فرقے تھے۔ایک صدوقی جو یونانیوں کے اثر سے آزاد خیال ہو گیا تھا اور قیامت کا منکر تھا لیکن دوسرا فرقہ جو فریسی کہلاتا تھا جو بدستور اپنے پرانے عقیدے پر قائم تھا کہ جب قیامت آئیگی تو اللہ تعالیٰ ایک انگلی پر آسمانوں کو دوسری پر زمینوں کو اور تیسری پر درختوں کو چوتھی پر پانی کو اور اندر کی نرم مٹی کو اور پانچویں پر تمام مخلوقات کو رکھے گا۔اور ندا آئے گی کہ"میں ہوں بادشاہ"انجیل میں یہ عقیدہ پوری صراحت کے ساتھ موجود ہے حضرت عیسیٰ نے صدوقیوں کے مقابلے میں کتاب مقدس عہدنامہ قدیم کی ایک آیت سے حیات اخروی کا تصور پیش کیا اور یوحنا میں اس کی تفصیل مذکور ہے(۱۷۴)۔

"اور موت کو ہمیشہ کے لئے نابود کر دے گا اور خداوند خدا سب کے چہروں پر سے آنسو پونچھ ڈالے گا اور روئے زمین سے لوگوں کی رسوائی مٹا دے گا(۱۷۵)۔"

تھسلنیکیوں میں لکھا ہے کہ

''کیونکہ خداوند نے خود آسمان سے للکارا اور مقرب فرشتہ کی آواز اور خدا کے نرسنگے کے ساتھ اتر آئے گا اور پہلے تو وہ جو مسیح میں موئے جی اٹھے گے(۱۷۶)۔''

دانی ایل میں حیات ابدی لکھا ہے

''اور کثیر تعدا دلوگ جو خاک میں سو رہے ہیں جاگ اٹھیں گے بعض حیات ابدی کے لئے اور بعض ذلت و رسوائی ۔۔۔۔۔۔۔ (۱۷۷)۔''

موت کے بعد زندگی کے وجود کے تصور کے متعلق متی میں لکھا ہے

''قیامت پر ایمان کی جڑ اس اعتماد میں ہے کہ چونکہ خدا زندہ خدا ہے اس لئے وہ اپنے لوگوں کو موت کی حالت میں نہیں رہنے دے گا(۱۷۸)۔''

جب نیا عہدنامہ اس حقیقت کو بیان کرتا ہے کہ

''تمام لوگ جی اٹھیں گے (۱۷۹)۔''

عہدنامہ جدید میں جی اٹھنے کے متعلق زور اس بات پر ہے۔چنانچہ کلسیوں میں لکھا ہے

''یہ قیامت ملخصی کا پھل ہے۔جی اٹھی زندگی آخری زمانے کی برکت ہے۔جس سے نجات یافتہ لوگ اب بھی لطف اندوز ہو رہے ہیں(۱۸۰)۔''

اپنی قیامت کے وسیلے سے مسیح نے موت کو ختم کردیا اور زندگی اور بقا کو جلا بخشی(۱۸۱) مسیحی عقیدہ کے مطابق مسیح کا جی اٹھنا یوم آخرت کی قیامت کا پہلا مرحلہ تھا(۱۸۲)(قیامت مسیح محض یہ نہیں تھی کہ ایک مردہ جسم کو زندگی ملی بلکہ یوم الآخرت کی قیامت کا یہ پہلا مرحلہ تھا۔مسیح کا جی اٹھنا' معادی یعنی آخرت کی فصل کا ''پہلا پھل'' یعنی شروع تھا)۔

افسیوں میں لکھا ہے کہ

''چونکہ قیامت شروع ہو چکی ہے اس لئے ایمان دار مسیح کی جی اٹھی زندگی میں شریک ہیں(۱۸۳)۔''

کرنتھیوں میں تحریر قیامت کو مسیح سے منسوب کیا گیا ہے چنانچہ لکھا ہے کہ

''پس جو مسیح ہیں ان کی قیامت کی ضمانت مسیح کی قیامت ہے(۱۸۴)۔''

آخرت کا دوسرا مرحلہ:

کرنتھیوں میں لکھا ہے کہ

''اور وہ آخرت کی فصل کا دوسرا مرحلہ ہوگی(۱۸۵)۔''

مزید لکھا ہے کہ

''جی اٹھے جسم کی فطرت موجودہ تجربہ سے بڑھ کر ہے(۱۸٦)۔''

قیامت میں بدن کی حقیقت کیا ہوگی اس کے متعلق بنیادی خیال یہ ہے کہ یہ ایک حقیقی بدن ہوگا (۱۸۷)۔''

''جونفسانی بدن کا ایک تسلسل یا توسیع ہوگی (۱۸۸)۔''

''لیکن اس کے باوجود بھی وہ اس سے مختلف ہوگا وہ گوشت اور خون کا جسم نہیں ہوگا(۱۸۹)۔''

پولوس رسول اسے بقا جلال اور قوت کا حامل جسم بیان کرتا ہے روحانی بدن (۱۹۰) کا مطلب روح سے بنا ہوا جسم نہیں ہے بلکہ ایسا جسم جو مکمل طور پر زندگی کی روح سے تبدیل اور زندہ ہوگیا ہو۔جی اٹھا جسم مکمل طور پر زندگی کے کسی اور نظام سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ یہ موجودہ جسم ہی ہوتا ہے جواب مخلصی یافتہ ہے (۱۹۱)۔

پولس رسول کا موت کا مزہ چکھے بغیر نئے مخلصی یافتہ نظامِ زندگی میں داخل ہونے کے تجربے کو بیان کرنے کا ایک طریقہ ہے۔

مردوں کی حالت:

انسان کے بارے میں بائبل کا نظریہ جسم کے جی اٹھنے کا تقاضا کرتا ہے۔انسان جسم' جان اور روح کا مرکب نہیں بلکہ یہ اصطلاحات زندہ انسان کے مختلف پہلوؤں کو بیان کرتی ہیں۔لہٰذا آنے والے زمانے کی زندگی جسم کی قیامت اور مخلصی کا تقاضا کرتی ہے۔زندگی اور موت کا تعلق پورے انسان سے ہے اسے بقا کی تعلیم میں بیان کیا گیا ہے۔اور بقا کا مطلب لا متناہی زندگی نہیں بلکہ موت سے رہائی ہے۔

''کیونکہ ہمارے فانی جسم کو بقا کے لباس کی ضرورت ہے تا کہ اس مرنے والے جسم کو حیات ابدی جائے (۱۹۲)۔''صرف خدا ہی موت سے آزاد ہے(۱۹۳)۔

پرانے عہدنامے کی تعلیم کے مطابق آدمی موت کے بعد ختم نہیں ہوتا بلکہ عالم ارواح میں اتر جاتا ہے عالم ارواح کو''پاتال 'گہری تاریکی کی سرزمین' فراموشی کی سرزمین' عالم خاموشی'' کہا گیا ہے۔مردے گروہ کی صورت میں جمع ہیں۔عالم ارواح مردوں کے رہنے کی جگہ نسبت زیادہ تر ان کی حالت کو ظاہر کرتا ہے۔انسان مرکر ختم نہیں ہوتا تو بھی پاتال میں اس کے پاس حقیقی زندگی نہیں ہے کیونکہ زندگی صرف خدا کے حضوری ہی میں ہے۔مطلب یہ کہ جہاں خدا وہاں زندگی ہے اور جہاں خدا نہیں وہاں زندگی نہیں۔حنوک اور ایلیا عالم ارواح میں اترے بغیر خدا کی حضوری میں پہنچ گئے (۱۹۴)۔

آدمیوں کے لئے ایک بار مرنا اور اس کے بعد عدالت کا ہونا مقرر ہے۔بائبل خدا کو انسان کا حاکم' شریعت دینے والا اور آخری منصف بیان کرتے ہیں(۱۹۵)۔اس نے ایک دن ٹھہرایا ہے جس میں وہ راستی سے دنیا کی عدالت اس آدمی کی معرفت کرے گا جسے اس نے مقرر کیا ہے(۱۹٦)۔جس کے پاس موسوی شریعت نہیں اس کی عدالت بغیر شریعت کی ہوگی(۱۹۷)۔

ان کے پاس عام مکاشفے کی روشنی اور دلوں پر لکھی ہوئی شریعت ہے جو نیکوکاری میں ثابت قدم رہ کر جلال اور عزت اور بقا کے طالب ہوتے ہیں ان کو ہمیشہ کی زندگی ملی گی مگر جو حق کے نہ ماننے والے بلکہ ناراستی کے ماننے والے ہیں ان پر غضب اور قہر ہوگا۔ پھر جن کے پاس موسوی شریعت ہے ان کی عدالت شریعت کے مطابق ہوگی۔عدالت کا بنیادی اصول خدا کا عدل ہے (۱۹۸)۔

بائبل کے بیان کردہ علم آخرت کا ایک پہلو اس بات میں دیکھا جا سکتا ہے کہ یہ عدالت جس کا تعلق روز آخرت سے ہے بنیادی طور پر تاریخ میں پہلے ہی ہو چکی ہے۔

اگر چہ سزا ابھی نہیں دی گئی ہے تو بھی ایمان نہ لانے والے پہلے ہی مجرم ٹھہرائے جا چکے ہیں (۱۹۹)۔

جتنے قبروں میں ہیں اس کی آواز سنیں گے جنہوں نے نیکی کی ہے۔زندگی کی قیامت کے واسطے اور جنہوں بدی کی ہے سزا کی قیامت کے واسطے (۲۰۰)۔

راست باز ٹھہرایا جانا ایک ایسی سچائی ہے جس کا تعلق آخرت سے ہے۔اس کا مطلب ہے کہ روزِ آخر منصف گناہ سے بری قرار دیا جائیگا (۲۰۱)۔

متی میں لکھا ہے

''جو نکمی بات لوگ کہیں گے عدالت کے دن اس کا حساب دیں گے (۲۰۲)۔''

''ابن آدم اپنے فرشتوں کو بھیجے گا اور وہ ٹھوکر کھلانے والی چیزوں اور بدکاروں کو اس کی بادشاہی میں سے جمع کریں گے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس وقت استباز اپنے باپ کی بادشاہی میں آفتاب کی مانند چمکینگے۔۔۔(۲۰۳)۔''

''کیونکہ اس وقت ایسی بڑی مصیبت ہوگی کہ دنیا کے شروع سے اب تک نہ تک ہوئی نہ کبھی ہوگی (۲۰۴)۔''

''جیسے بجلی پورب سے کوند کر پچھم تک دکھائی دیتی ہے ایسے ہی ابن آدم کا آنا ہوگا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور فوراً ان دنوں کی مصیبت کے بعد تاریک ہو جائے گا اور چاند اپنی روشنی نہ دے گا اور ستارے اپنے آسمان سے گریں گے۔۔۔۔۔اور وہ نرسنگھے کی بڑی آواز کے ساتھ اپنے فرشتوں کو بھیجے گا اور وہ اس کے برگزیدوں کو چاروں طرف سے آسمان کے اس کنارے سے اس کنارے تک جمع کرے گے (۲۰۵)۔''

پھر میں نے چھوٹے بڑے سب مردوں کو اس تخت کے سامنے کھڑے ہوئے دیکھا اور کتابیں کھولی گئی پھر ایک اور کتاب کھولی گئی یعنی کتاب حیات اور جس طرح ان کتابوں میں لکھا ہوا تھا انکے اعمال کے مطابق مردوں کا انصاف کیا گیا اور سمندر نے اپنے اندر کے مردوں کو دے دیا اور موت اور عالم ارواح نے اپنے اندر کے مردوں کو دے دیا اور ان میں سے ہر ایک کے

مردوں کے موافق انصاف کیا گیا۔۔۔۔(۲۰۶)

اور اگر ہم موجودہ عیسائیت کو دیکھیں تو بھی ہمیں عیسیٰؑ کی تعلیمات کی جھلک مل ہی جاتی ہے موجودہ کتاب مقدس کے عہد نامہ جدید کی ان سب آیات کی روشنی میں سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی یہی تعلیم تھی کہ قیامت آئے گی اللہ آخرت میں حساب لیں گے۔

''جب پولس نے یہ معلوم کیا کہ بعض صدوقی ہیں اور بعض فریسی تو عدالت میں پکار کر کہا اے بھائیو! میں فریسی اور فریسیوں کی اولاد ہوں۔مردوں کی امید اور قیامت کے بارے میں مجھ پر مقدمہ ہورہا ہے۔جب اس نے یہ کہا تو فریسیوں اور صدوقیوں میں تکرار ہوئی۔صدوقی تو کہتے ہیں کہ نہ قیامت ہوگی نہ کوئی فرشتہ نہ کوئی روح، لیکن فریسی دونوں کا اقرار کرتے ہیں(۲۰۷)۔''

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک فرقہ عقیدہ آخرت کا قائل ہے اور دوسرا منکر۔

قیامت کے متعلق کتاب اعمال ہی میں ہے:

''اور خدا سے اسی بات کا امید رکھتا ہوں جس کے وہ خود بھی منتظر ہیں کہ راست بازوں اور ناراستوں دونوں کی قیامت ہوگی(۲۰۸)۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت پر ایمان عقیدہ آخرت پر ایمان کا لازمی حصہ اور جزو ہے اور یہ عقیدہ آخرت کم وبیش کسی نہ کسی صورت میں تمام الہامی مذاہب میں پایا جاتا ہے کیونکہ آخرت پر ایمان ہی سے انسان اپنے اعمال بہتر کر سکتا ہے اور یہی عقیدہ بنیاد زندگی ہے ۔

اسلام میں موت کا تصور

موت ایک حقیقت ہے جسے ہر کوئی عیاں دیکھتا ہے اسباب تو اس کے متعدد ہیں لیکن حقیقت ایک ہی ہے۔ علمائے کرام نے اس کی مختلف تعریفات کی ہیں علامہ جرجانی کے نزدیک:

''موت ایک ایسی حالت ہے جس کی تخلیق زندگی کی ضد کے طور پر کی گئی ہے(۲۰۹)۔''

﴿ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا ﴾ (۲۱۰)۔

ترجمہ:اللہ ہی جانوں کو نکالتا ہے جب اس کی موت واقع ہوتی ہے۔

اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا نفوس کو ان کی نیند کی حالت میں وفات دینا ہے اور جس کے بارے میں مرنا ابھی مقدر نہیں ان کو چھوڑنا

ہے۔ امام فخر الرازیؒ موت اور نیند کے درمیان فرق کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''نفس وہ روحانی روشنی ہے جو اعضاء جسمانی پر پڑتی ہے اور یہی زندگی ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں نیند کی حالت میں ظاہری بدن سے کسی حد تک اس روشنی کا انقطاع ہو جاتا ہے لیکن باطن سے اس کا انقطاع نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ موت اور نیند ایک ہی جنس سے ہیں فرق یہ ہے کہ موت انقطاع تام ہے اور نیند انقطاع ناقص (۲۱۱)۔

اللہ تعالیٰ نے نفس اور بدن کے درمیان تعلق کو تین طرح سے ترتیب دیا ہے:

۱۔ یہ کہ نفس کی روشنی ظاہری اور باطنی بدن پر دونوں اعتبار سے پڑتی رہے اور یہ حالت بیداری ہے۔

۲۔ یہ کہ نفس کی روشنی باطن پر پڑے اور ظاہر پر نہ پڑے یہ عالم خواب ہے۔

۳۔ یہ کہ نفس کی روشنی نہ ظاہر پر پڑے اور نہ باطن پر اور یہ موت ہے۔

اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ ایک علیم اور قادر ذات ہی کر سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

یہودیت میں تصور موت:

عہد نامہ قدیم میں موت کے متعلق جو احکام درج ہیں وہ درج ذیل ہیں:

ایوب میں لکھا ہے سب نے مرنا ہے اور مٹی کی طرف لوٹنا ہے (۲۱۲)۔

دکتور فرج اللہ عبد الباری لکھتے ہیں کہ

''اگر اللہ رب العزت کی عنایت انسان کو ایک لمحہ کے لئے چھوڑ دے تو اس کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ اور اسی سے ثابت ہوا کہ انسان کی زندگی کی بقاء اللہ تعالیٰ کی عنایت اور کرم کی مرہون منت ہے (۲۱۳)۔''

عیسائیت میں موت کا تصور:

نصاریٰ کے ہاں موت دو قسم کی ہے۔ ایک جسمانی اور دوسری روحانی۔

قاموس الکتاب میں لکھا ہے:

''موت کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس میں جسم تو مر جاتا ہے لیکن روح نہیں مرتی۔ جیسا کہ انجیل متی میں لکھا ہے۔ اور دوسری وہ جو روح اور جسد دونوں کو شامل ہوتی ہے (۲۱۴)۔''

موت کے متعلق آخری رسوم جو یہود نصاریٰ اور مسلمانوں میں مشترک ہیں ان میں سے میت کو غسل دینا اسے کفن پہنانا اور دفن کرنا ہے۔ اگر ہم غور مطالعہ کریں تو یہودیت، عیسائیت اور اسلام تینوں الہامی مذاہب کی بہت سی اقدار مشترک ہیں اس سلسلے میں سب سے پہلے ہم جب جامع عقائد کی طرف نظر دوڑائیں تو معلوم ہوتا کہ موسیٰ داؤدؑ جن پر تورات اور زبور نازل ہوئی ہے اور عیسیٰ جن پر انجیل۔ عقیدہ توحید اور آخرت کی

تعلیم دی اور تمام بنی اسرائیل کے انبیاء کی عصمت اور عزت کی تلقین بھی کی اور ان پر ایمان لانے کا سبق دیا آج بھی عزت کی تلقین بھی کی اور ان پر ایمان لانے کا سبق دیا آج بھی ہم جب کتاب مقدس کا مطالعہ کرتے ہیں تو تحریف شدہ ہونے کے باوجود اس میں توحید کا درس کا دیا گیا اور اس سے ثابت ہوتا کہ اللہ کے قانون میں ہم کسی طرح تبدیلی نہیں کر سکتے اسلئے ضروری ہے کہ آل عمران:٦٤ کی آیۃ کے مطابق تمام مسلمان اور اہل کتاب متحد ہو کر دنیا کی فلاح اور لوگوں کی بھلائی کیلئے کام کرنا چاہیے تا کہ دنیا میں امن قائم ہو اور ایک اللہ کی عبادت کیطرف سب کو بلانے کی تلقین کی جائے آخرت کا عقیدہ ایسا عقیدہ ہے جسکے کئی مراحل ہیں مثلاً موت کا آنا، بعث بعد الموت، حساب کتاب ان ہی کی وجہ سے انسان اپنے رب سے ڈر کر اس پر ایمان لا کر اپنے اعمال بہتر کر سکتا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

باب دوم/فصل اول

۱۔ البخاری، الجامع الصحیح البخاری، کتاب الایمان، باب فضل من استبرألدینہ، حدیث :۵۲
۲۔ البخاری ، الجامع الصحیح البخاری، کتاب بدء الوحی ،باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ ،حدیث:۱
۳۔ ابن فارس، معجم مقاییس اللغۃ، ۴/ ۸۶
۴۔ امام راغب اصفہانی' مفردات القرآن، ص:۲/ ۱۲۷
۵۔ لوئیس معلوف، المنجد عربی اردو، ص:۱۷۵، ۸۲۴،
۶۔ دیکھئے زبان کی گرہ کیلئے طہٰ: ۲۷، عقد نکاح کیلئے البقرۃ:۲۳۵، دھاگے میں گرہ لگانے کیلئے الفلق :۴، مضبوط قسم کیلئے المائدہ :۸۹، عہدو پیان کیلئے المائدہ:۱۔
۷۔ جماعۃ من العلماء، المعجم الوسیط :۲/ ۶۱۴
۸۔ وحیدالزمان قاسمی کیرانوی، القاموس الوحید، ص:۱۱۰۴
۹۔ فیروزالدین، فیروزاللغات، ص: ۹۰۰، فیروز سنز اردو بازار لاہور
۱۰۔ عبدالحمید' جامع اللغات' ۳' ص:۵۹۹، دارالاشاعت کراچی
۱۱۔ الیاس انطون الیاس' القاموس العصری ص: ۴۴۹، المطبعۃ المصریۃ قاہرہ، ۱۹۰۴۔
۱۲۔ محمد یامین قریشی، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ص: ۱۲۵
۱۳۔ علامہ محمد امان بن علی، العقیدہ الاسلامیہ وتاریخھا، ص:۴۴
۱۴۔ علی بن محمد الجرجانی، کتاب التعریفات، ص:۱۲۵
۱۵۔ محمد بن صالح العثیمین، شرح العقیدۃ الوسطیۃ :۱/ ۵۰
۱۶۔ مولانا عبدالستار حماد، مسئلہ ایمان وکفر، ص:۱۸۳۔۱۸۴
۱۷۔ الشیخ ابوانس محمد یحیٰ، عقیدہ مسلم، ص:۶۳، دارالحسنی، گوجرانوالہ
۱۸۔ مولانا محمد طاہر، عقائد اسلام، ص:۱۴، ادارہ اسلامیات، لاہور۱۹۸۸ء
۱۹۔ شیخ امین اللہ پشاوری، الفوائد :۱/ ۲۶۳، مکتبہ محمدیہ پشاور
۲۰۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ص:۱/ ۱۴، ص:۴۲

۲۱۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ،ص:۱/۱۴،ص:۵۱

۲۲۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ،ص:۱/۱۴،ص:۵۱تا۵۴

۲۳۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے،سعیدا ے شیخ ، رابعہ اردو لغت جامع،ص: ۳۵۹ ،وارث سرہندی، قاموس مترادفات ،ص: ۶۲۴،مولوی محبوب عالم،اسلامی انسائیکلوپیڈیا،ص:۲۱۰۔مولانا محمد مصطفٰی ،توحیداور عدل،ص:۱۵ڈاکٹر محمد میاں صدیقی،مردِمومن،ص: ۳۷۔وارث سرہندی، علمی اردو لغت جامع ،ص:۴۷۴۔محمد اقبال کیلانی،توحید کے مسائل،ص:۱۴۔ڈاکٹر ابوامینہ بلال فلپس ،توحید کے بنیادی اصول،ص:۱۵۔عبدالمجید سالک، مسلم ثقافت ہندوستان میں،ص:۵۱۔

۲۴۔ زبیدی،تاج العروس ،ص:۹/۲۶۸تا۲۶۹

۲۵۔ Edward william , lexicon lane Arabic , English , p:213

۲۶۔ اردو جامع انسائیکلوپیڈیا،ص:۱/۳۹۷

۲۷۔ مولوی محبوب عالم،اسلامی انسائیکلوپیڈیا،ص:۲۱۰ ،سیداحمد سعید کاظمیؒ،خطبات کاظمی،ص:۴۸

۲۸۔ انور علی، رہبر کامل ﷺ،ص:۱۵۸،ادارہ اسلامیات لاہور

۲۹۔ حدیث جبرئیل کی تفصیل دیکھئے منظور نعمانی،معارف الحدیث ص:۱/ ۵۵تا۵۸

۳۰۔ ڈاکٹر محمد وسیم انجم،قرآن اور قانونِ جدید،ص:۳۴،انجم پبلشرز راولپنڈی،۲۰۰۶ء

۳۱۔ محمد شریف اشرف ،اللہ کے احکام،ص:۱/۵ ،الفیصل ناشران وتاجران کتب اردو بازار لاہور

۳۲۔ ڈاکٹر سہیل بخاری،تصورِ الوہیت،ص:۸۷،،مکتبہ دانیال لاہو،ر۲۰۰۴مولانا عبدالرحمٰن کیلانی،آئینہ پرویزیت،ص:۸۱۹

۳۳۔ الاخلاص:۱۔۴

۳۴۔ الشیخ عبداللہ بن زید المحمود، اسلامی عقائد،ص:۲۳،دار الکتب السّلفیہ لاہور،۲۰۰۷ء

۳۵۔ آل عمران:۶۴

۳۶۔ ابومحمد عبدالحقانی،تفسیر حقانی،ص:۱/۱۴۲،دار الکتب السّلفیہ لاہور،۲۰۰۷ء

۳۷۔ شیخ سلیمان،تفسیر العزیز الحمید،ص:۲۰، مکتبہ رحمانیہ لاہور

۳۸۔ الفاتحہ:۴

۳۹۔ ہود:۱۲۳

۴۰۔ التوبہ:۱۲۹،نیز دیکھے مریم:۶۵، ہود:۸۸، الفرقان: ۵۸، الحجر:۹۹

۴۱۔ شیخ سلیمان،تفسیر العزیز الحمید،ص:۲۰

۴۲۔ الاعراف:۱۸۰

۴۳۔ الشوریٰ:۱۱

۴۴۔ البخاری، الجامع الصحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب ما قیل فی اولاد المشرکین، رقم الحدیث:۱۳۸۵۔

۴۵۔ ابراھیم:۱۰

۴۶۔ الطّور:۳۵،۳۶۔

۴۷۔ آل عمران:۱۹۰

۴۸۔ حم السجدہ:۳۷

۴۹۔ الجاثیۃ:۳،۴

۵۰۔ الانبیاء:۲۵

۵۱۔ النحل:۳۶

۵۲۔ الزخرف:۴۵

۵۳۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، باب: یٰاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہ، حدیث نمبر:۴۵۵۳

۵۴۔ آل عمران:۶۴

۵۵۔ امام مسلم، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان عدد شعب الایمان، رقم الحدیث:۱۵۳

۵۶۔ شاہ ولی اللہؒ، حجۃ اللہ البالغہ، مترجم: خلیل احمد بن مولانا سراج احمد، ص:۱۱۰

۵۷۔ اقبال، کلیاتِ اقبال، ضربِ کلیم، نماز، ص:۵۵۰ ۵۰

۵۸۔ **زیوس یا زوس**: یونانی دیومالا میں سب سے بڑا دیوتا، زوس کا مطلب آسمان۔ اسے کائنات کی تقسیم میں آسمان اور زمین ملی۔ موسم کے دیوتا کی حیثیت سے اسکی صفات رعد و برق تھیں۔ اسی زور سے اپنا اقتدار قائم رکھتا تھا، وہ دیوتاؤں کا باپ تھا اور رومن دیوتا جوپیٹر کا ہم پلہ۔

جوپیٹر/جوپیٹر: رومی دیوتاؤں میں سب سے بڑا دیوتا جسے جووبھی کہتے ہیں **یہواہ/یہوواہ**: عہدنامہ عتیق میں اللہ تعالیٰ کا توصیفی نام لفظ کے متعلق ماہرین نے مختلف خیالات کا اظہار کیا ہے۔ غالباً اس کا مادہ سنسکرت کا لفظ ''اہ'' ہے جس کے معنی ''ہونے'' کے ہیں۔ اس لحاظ سے یہوواہ اور زرتشیوں کا ''اہوار'' ہم معنی الفاظ ہیں یعنی ''وہ جو ہے''

''یہوواہ'' یا یہواہ یہودیوں کا سب سے اعلیٰ خدا اور معبود ہے۔ یہوواہ کا نام ہر کوئی نہیں لیتا۔ کیونکہ یہود اس میں خدا کی ہتک اور بے ادبی سمجھتے تھے۔ جو یہ لفظ لیتا تھا انہیں سنگسار کر دیا جاتا ہے صرف سال میں ایک مقدس دن میں سب سے مقدس انسان سب سے مقدس جگہ ایک دفعہ اس کا نام لیتا اور دوسرے لوگ خاموشی سے سنتے تھے۔ عدم تلاوت کی وجہ سے لوگ یہوواہ کا لفظ بھول گئے اور اس کا تلفظ بھی بھول گئے۔ اسکا صحیح تلفظ یہو بتایا

گیا ہے ۔ایک مفکر کے نزدیک یہ یاہو کی مختصر ہے ۔جسکا مطلب ،اے وہ جو ہے، یہ لفظ انجیل میں ۶۸۲۳ مرتبہ آیا ہے ۔اسی طرح لکھا گیا کہ یہوداعبرانی کالفظ اور یہ عبرانی کا قومی دیوتا تھا ۔جس کا مطلب اللہ کی تعریف ۔یہودیوں کے مطابق یہ لفظ پہلی مرتبہ حضرت ابراہیمؑ نے استعمال کیا اور مصر میں ابراہیمؑ سے ملاقات کی تھی اور ایک عبادت خانہ بنایا تھا ۔بعض کیمطابق یہوداسے ۔انسان پہلے سے واقف ہے (نیز دیکھئے عہدنامہ قدیم ،خروج ،۳:۱۴ ـ اردو جامع انسائیکلوپیڈیا ،۲/۱۹۲۲ ـ سید قاسم محمود ،شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا ،ص:۲/۱۵۸۸ ـ

۵۹ ـ عہدنامہ قدیم ،استثنا ،۶:۴ ـ

۶۰ ـ عہدنامہ قدیم ،خروج ۲۰:۳،۵

۶۱ ـ عہدنامہ قدیم ،استثناء ،۵:۷ ـ۹

۶۲ ـ عہدنامہ قدیم ، پیدائش ،۶:۲ ،۴ ،۹:۲ ، ـخروج ،۴:۲۲ ،یرمیاہ ،۳:۹ ـزبور ،۲۹:۲۶ ،۲۷ ـ ۸۲:۶ ـ۶۸:۵ ـ۳۴:۷ ـتواریخ ،۲۲:۹ ،۱۰ ـ۲۸:۲۶ ـ ،ایوب ،۱:۶ ـ ،۳۸:۷ ،ـ

۶۳ ـ پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم رانا ، بین الاقوامی مذاہب ،ص: ۶۰ الپورب اکیڈمی اسلام آباد

۶۴ ـ ایضاً:

۶۵ ـ عہدنامہ جدید ،انجیل یوحنا ـ۱۰:۲۹

۶۶ ـ عہدنامہ جدید ،انجیل متی ۱۲:۲۸۸

۶۷ ـ عہدنامہ جدید ،انجیل لوقا ۱۱:۲۰

۶۸ ـ عہدنامہ جدید ،مرقس ،۱۲:۲۹

۶۹ ـ یوحنا ۱۰:۳۴

۷۰ ـ عہدنامہ قدیم ، پیدائش ۴۵:۸

۷۱ ـ عہدنامہ قدیم ،زبور ۸۲:۶ ،

۷۲ ـ عہدنامہ جدید ، یوحنا ،۱۰:۳۴

۷۳ ـ عہدنامہ جدید لوقا ،۳:۳۸ ،عہدنامہ جدید ، رومیوں ،۹:۴ ،عہدنامہ جدید ، یوحنا ،۳:۲ ،۹ ،عہدنامہ قدیم ،متی ،۶:۱۸ ـ۱۱ ،

۷۴ ـ عہدنامہ جدید ، متی ،۵:۹

۷۵ ـ عہدنامہ جدید ،لوقا ،۶:۳۵

۷۶۔ عہدنامہ جدید، یوحنا، ۱:۱۲

۷۷۔ عہدنامہ جدید، یوحنا کا پہلا خط، ۳:۱

۷۸۔ عہدنامہ جدید، یوحنا کا پہلا خط، ۴:۷

۷۹۔ عہدنامہ جدید، یوحنا کا پہلا خط، ۳:۹

۸۰۔ عہدنامہ قدیم، متی، ۸:۲۰

۸۱۔ عہدنامہ قدیم، متی باب، ۸، ۱۱، ۱۶

۸۲۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ص:۲۲/ ۴۹۷، مقالہ تثلیث،

۸۳۔ نوید جاوید، پادری سیل، ص:۳۵۶

۸۴۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ص:۲۲/ ۴۱۹

۸۵۔ پروفیسر غلام رسول، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، ص:۴۹۵

۸۶۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ص:۲۲/ ۴۱۹

۸۷۔ عہدنامہ قدیم، متی، ۳:۱۶

۸۸۔ اعمال: ۱۷:۲۴

۸۹۔ عہدنامہ جدید، یوحنا ۵:۴۴

۹۰۔ عہدنامہ جدید، یوحنا ۳:۱۷

۹۱۔ ابن منظور: لسان العرب، ص:۱۱/۲۸۴

۹۲۔ امام راغب اصفہانی، مفردات القرآن، ص:۱/۱۹۵

۹۳۔ شریف جرجانی، کتاب التعریفات، ص:۸۱

۹۴۔ الیاس انطون الیاس، القاموس العصری، ص:۲۴۹

۹۵۔ مجموعہ اردو بورڈ، اردو لغت، ص:۱۰/ ۵۸۶' کراچی پاکستان

۹۶۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی، ص:۱۸۰' اسلامک پبلیکیشنز لاہور

۹۷۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ص:۱۰/۲۵۲

۹۸۔ صدرالدین اصلاحی، اسلام ایک نظر میں، ص:۵۱' مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند دہلی۔

۹۹۔ ابن منظور، لسان العرب، ص:۱۵/۳۰۲

۱۰۰۔ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، فلسفہ رسالت، ص:۳' فیروزسنز کراچی ۱۹۸۸ء

۱۰۱۔ الفاطر: ۲۴

۱۰۲۔ ڈاکٹر عبدالرشید، ادیان و مذاہب کا تقابلی مطالعہ، ص:۱۴۵ طاہر سنز کراچی، ۱۹۸۶

۱۰۳۔ الفرقان:۱

۱۰۴۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، ص:۴/۱۴۹

۱۰۵۔ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، فلسفہ رسالت، ص:۶۹

۱۰۶۔ الانبیاء:۱۰۷

۱۰۷۔ الانعام:۹۱

۱۰۸۔ ڈاکٹر طاہر القادری، تعلیمات اسلام، ص:۶۱ تا ۶۳، ادارہ منہاج القرآن، لاہور، ۲۰۰۱ء

۱۰۹۔ النساء:۶۴

۱۱۰۔ آل عمران:۳۱

۱۱۱۔ الطبرانی، ابوالقاسم، سلیمان بن احمد، المعجم الاوسط، ص:۹/۱۶۹

۱۱۲۔ علامہ محمد اقبال، بانگ درا، نظم جواب شکوہ، ص:۲۳۷/۲۲۱

۱۱۳۔ عہدنامہ قدیم، پیدائش ۲۶:۲۷، ۵:۱

۱۱۴۔ ایضا، ۵:۲۲ تا ۲۴

۱۱۵۔ ایضا، ۶:۹

۱۱۶۔ ایضا، ۷:۱

۱۱۷۔ ایضا، ۱۷:۱

۱۱۸۔ ایضا، ۲۲:۱۶ تا ۱۸، ایضا، ۲۴:۱۔۲۶:۵

۱۱۹۔ عہدنامہ قدیم، احبار، ۱۸:۲، ۴، ۵، ۲۵

۱۲۰۔ عہدنامہ قدیم خروج، ۳۳:۱۷

۱۲۱۔ عہدنامہ قدیم، ایوب، ۱:۱، ۸۔۲:۳

۱۲۲۔ عہدنامہ جدید، متی، ۵:۱۸

۱۲۳۔ عہدنامہ جدید، متی، ۵:۱۷ تا ۲۰

۱۲۴۔ عہدنامہ جدید، انجیل یوحنا ۱۴:۲۴

۱۲۵۔ عہدنامہ جدید، انجیل یوحنا ۱۷:۳

۱۲۶۔ عہدنامہ جدید، انجیل متھیو ۵:۱۷ تا ۲۰

۱۲۷۔ عہدنامہ جدید، یوحنا ۱۱:۴۱،۴۲۔
۱۲۸۔ عہدنامہ جدید، یوحنا ۱۲:۴۳ ۴ ۹
۱۲۹۔ عہدنامہ جدید، یوحنا ۱۴:۳۱۔
۱۳۰۔ عہدنامہ جدید، یوحنا ۱۳:۲۰۔
۱۳۱۔ عہدنامہ جدید، عبرانیوں کے نام خط ۱۱:۷
۱۳۲۔ الانعام:۶۰
۱۳۳۔ آل عمران:۱۸۵
۱۳۴۔ البقرہ:۴، تفسیر طبری ص:۱/۸۰۔الدکتور فرج اللّٰہ عبد الباری أبو عطاء اللّٰہ، الیوم الآخر بین الیہودیۃ والمسیحیہ والإسلام، ص:۱۳۷، ۱۱۸
۱۳۵۔ الرحمٰن:۲۰، الفرقان:۵۳، المومنون:۱۰۰
۱۳۶۔ سید جرجانی، کتاب التعریفات، ص:۳۸
۱۳۷۔ المومنون:۹۹،۱۰۰
۱۳۸۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی، ص:۴/۷۷۶ تا ۷۷۸
۱۳۹۔ مودودی، تفہیم القران ۱:۵۰۔سید قطب شہید، تفسیر فی ظلال القرآن، مترجم ساجد الرحمٰن، ۱:۴۶
۱۴۰۔ سید قطب شہید، عالم الغیب، در ماہنامہ ایشیا، ۵۸:۴ شمارہ ۲۴ جون ۲۰۰۹ نیز دیکھئے حافظ مبشر حسین، قیامت کی نشانیاں، ص:۱۵
۱۴۱۔ محمد غوری صدیقی، آخرت پر ایمان ماہنامہ ''میثاق'' ۳۷:۱۷ شمارہ ۹ ستمبر ۱۹۸۸
۱۴۲۔ البقرۃ:۲۲۳
۱۴۳۔ التوبہ:۸۱
۱۴۴۔ آل عمران:۱۹۶ تا ۱۹۸
۱۴۵۔ البقرۃ:۲:۲۸
۱۴۶۔ الحج:۲۲:۶۶
۱۴۷۔ الجاثیہ:۲۶
۱۴۸۔ یونس:۱۰:۴۵
۱۴۹۔ الأحزاب:۶۲
۱۵۰۔ السجدۃ:۱۷

۱۵۱۔ طہٰ:۴۷

۱۵۲۔ الدکتور فرج اللہ عبدالباری أبو عطاء اللہ، الیوم الآخر بین الیہودیۃ والمسیحیہ والإسلام، ص:۱۳۷، ۱۱۸ دار الوفاء الطباعۃ والنشر والتوضیع، المنصورہ۔

۱۵۳۔ عہدنامہ قدیم، واعظ ۱۲:۳ تا ۸

۱۵۴۔ عہدنامہ قدیم، زبور ۹:۷

۱۵۵۔ عہدنامہ قدیم، یسعیاہ، ۳۶

۱۵۶۔ عہدنامہ قدیم، ہوسیع:۶:۳، ۲

۱۵۷۔ عہدنامہ قدیم، حزقی ایل، ۳۷

۱۵۸۔ حزقیل ۲۷ نیز دیکھئے کتاب قیامت، سید محفوظ الحق، ص:۲۳۶ /۲۳۷

۱۵۹۔ ایضاً

۱۶۰۔ عہدنامہ قدیم، زبور ۲

۱۶۱۔ عہدنامہ قدیم، زبور ۹۶

۱۶۲۔ عہدنامہ قدیم، زبور ۹۸

۱۶۳۔ عہدنامہ قدیم، یسعیاہ باب ۳۴:۴، ۵

۱۶۴۔ الانبیاء:۱۰۴

۱۶۵۔ عہدنامہ قدیم، یسعیاہ باب ۵۱:۴، ۵، ۶

۱۶۶۔ الدخان:۱۰

۱۶۷۔ عہدنامہ قدیم، یوایل ۲، ۳۰ تا ۳۲

۱۶۸۔ عہدنامہ قدیم، یوایل باب ۳:۱، ۲، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷

۱۶۹۔ ایضاً

۱۷۰۔ عہدنامہ قدیم، زبور:۱۹، ۲۵، ۲۶

۱۷۱۔ عہدنامہ قدیم، واعظ ۱۱:۹

۱۷۲۔ عہدنامہ قدیم، دانی ایل ۱۲:۲

۱۷۳۔ عہدنامہ قدیم، زبور:۹:۷، ۸

۱۷۴۔ بخاری، الجامع الصحیح البخاری تفسیر سورہ زمر، کتاب التفسیر، باب: (قولہ والارض جمیعا قبضتہ) نیز دیکھئے

متی، باب،۲۲ـ۳۱،لوقا،۲۰،مرقس،۱۲ـ۱۸،نیز دیکھئے،شبلی نعمانی سیرت النبی،ص:۴/۸۰۱،۸۰۲

۱۷۵۔ عہدنامہ قدیم،یسعیاہ،۸:۲۵‘

۱۷۶۔ عہدنامہ جدید، تھسلنیکیوں ا‘ ۱۶:۴

۱۷۷۔ عہدنامہ قدیم، دانی ایل‘۲:۱۲‘حزقی ایل باب ۳۷ سے بھی قیامت پر ایمان کی جھلک نظر آتی ہے

۱۷۸۔ عہدنامہ جدید، متی۲۲:۳۲۔

۱۷۹۔ عہدنامہ جدید، یوحنا۵:۲۸،۲۹؛اعمال۲۴:۱۵

۱۸۰۔ عہدنامہ جدید،کلسیوں‘۲:۱۲‘۱۳

۱۸۱۔ عہدنامہ جدید، تیمتھیس ‘۱:۱۰

۱۸۲۔ تفصیل کے لئے دیکھئے (ا۔کرنتھیوں‘۱۵:۲۳

۱۸۳۔ افسیوں۲:۵‘۶۔رومیوں‘۶:۴غلپیوں‘۳:۱۰۔کلیسیوں‘۳:۱تا ۳

۱۸۴۔ عہدنامہ جدید، کرنتھیوں اول،۱۵:۱۲‘۱۲تا ۲۰،۲۳

۱۸۵۔ عہدنامہ جدید،کرنتھیوں اول،۱۵:۲۳

۱۸۶۔ عہدنامہ جدید،کرنتھیوں اول،۱۵:۳۵۔۳۷

۱۸۷۔ عہدنامہ جدید،کرنتھیوں اول،۳۸ تا ۴۲

۱۸۸۔ ایضاً:۳۶‘۳۷

۱۸۹۔ ایضاً:۵۰

۱۹۰۔ ایضاً:۴۴

۱۹۱۔ عہدنامہ جدید، رومیوں کے نام خط‘۸:۲۳

۱۹۲۔ عہدنامہ جدید،کرنتھیوں اول،۱۵:۵۳نیز دیکھئے تیمتھیس‘۱:۱۰

۱۹۳۔ ایضاً:۶:۱۶

۱۹۴۔ عہدنامہ قدیم، زبور‘۸۶:۱۳‘امثال‘۱۵:۲۴‘حزقی ایل‘۲۶:۲۰‘ایوب‘۱۰:۲۲‘زبور‘۸۸:۱۲‘
حوالہ سابقہ‘۹۴:۱۷‘۱۱۵:۱۷حزقی ایل‘۳۲:۱۷تا ۳۲۔یسعیاہ‘۱۴:۹‘۱۰۔زبور‘۱۶:۹ تا ۱۱۔
حوالہ سابقہ‘۴۹:۱۵؛۷۳:۲۴۔ایوب‘۱۹:۲۵‘۲۶۔پیدائش‘۵:۲۴۔۲۔سلاطین‘۲:۱۱

۱۹۵۔ عہدنامہ جدید،یعقوب‘۴:۱۲‘عبرانیوں‘۱۲:۲۳

۱۹۶۔ عہدنامہ جدید، اعمال ۱۷:۳۱

۱۹۷۔ عہدنامہ جدید، رومیوں ۲:۱۲

۱۹۸۔ عہدنامہ جدید، رومیوں ۱:۲۰؛ ۲:۱۵؛ ۲:۶ تا ۸؛ ۲:۱۲۔ پیدائش ۱۸:۲۵۔ رومیوں ۳:۳، ۴

۱۹۹۔ عہدنامہ جدید، یوحنا ۳:۱۸

۲۰۰۔ عہدنامہ جدید، یوحنا ۵:

۲۰۱۔ عہدنامہ جدید، متی ۱۲:۳۷ ؛ رومیوں ۸:۲۳

۲۰۲۔ عہدنامہ جدید، متی ۱۲: ۳۶

۲۰۳۔ عہدنامہ جدید، متی ۱۳:۴۱ تا ۴۳

۲۰۴۔ عہدنامہ جدید، متی ۲۴:۲۱

۲۰۵۔ عہدنامہ جدید، متی ۲۴:۲۷ تا ۳۱ نیز دیکھئے متی ۲۵:۳۱ تا ۳۵، مکاشفہ، دیکھئے باب ۷، ۸، ۹

۲۰۶۔ عہدنامہ جدید، مکاشفہ ۲۰:۱۱ تا ۱۵

۲۰۷۔ عہدنامہ جدید، رسولوں کے اعمال ۲۳:۶ تا ۸۔ ۲۴:۱۵

۲۰۸۔ ایضاً:

۲۰۹۔ علامہ جرجانی، کتاب التعریفات، ص:۱۶۴

۲۱۰۔ الزمر:۴۲

۲۱۱۔ امام فخر الدین رازی، تفسیر الکبیر، ص: ۲۶/۲۸۴

۲۱۲۔ عہدنامہ قدیم، ایوب ۳۴:۱۵

۲۱۳۔ دکتور فرج اللہ عبدالباری أبو عطاء اللہ، الیوم الآخر بین الیہودیۃ والمسیحیہ والاسلام، ص:۷۱

۲۱۴۔ متی ۱۰:۲۸، ۲۲۰۔ دکتور فرج اللہ عبدالباری أبو عطاء اللہ، الیوم الآخر بین الیہودیۃ والمسیحیہ والاسلام، ص:۷۱

فصل دوم: معاشرتی مشترکہ معاملات کا علمی جائزہ

مبحث اول: اخلاقیات

اخلاق کالغوی معنی:

لغت میں اخلاق خلق کی جمع ہے اور خلق کے معنی طبیعت،مروت اور عادت کے ہیں

ابوبکرالازدی اور ازہری لکھتے ہیں:

"خلق . الخلق . مصدر خلق الله الخلق يخلقهم خلقا ثم سموا بالمصدر والخلق.خلق الإنسان الذی طبع عليه وفلان حسن الخلق والخلق الكريم والجمع الخلائق(۱)۔"

ترجمہ:خلق یہ مصدر ہے اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا وہ مخلوق کا خالق ہے پھر اس کا نام مصدر رکھا اور خلق سے مراد اللہ نے انسان کو فطرتا پیدا کیا اور فلاں اچھے اخلاق والا اور عمدہ اخلاق والا ہے اور اس کی جمع خلائق ہے۔

ابن منظور لسان العرب میں اخلاق کے معنی یوں بیا ن کرتے ہیں:

"الخلق وهو الدين والطبع والسجية والحقيقة انه لصورة الانسان الباطنة،وهى نفسه واوصافها ومعانيها المختصة بمنزلة الخلق لصورته الظاهرة واوصافها ومعانيها(۲)۔"

ترجمہ:خلق کا معنی ہے فطرت اور طبیعت اور یہ انسان کی اندرونی کیفیت ہے اور اسکو اسکے اوصاف اور مخصوص معنی کو خلق کہتے ہیں جس طرح کہ اسکی ظاہری شکل وصورت کو خلق کہا جاتا ہے۔

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

"خلق اور خلق اصلا میں ایک ہی ہیں جیسے شرب وشرب وصوم وصوم مگران میں اتنا فرق ہے کہ خلق بمعنی خلقت بولا جاتا ہے جس کا تعلق ادراک بصر سے ہوتا ہے اور خلق کالفظ قوی باطنہ اور عادات و خصائل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جن کا تعلق بصیرت سے ہوتا ہے(۳)۔"

تاج العروس میں ہے:

"خليقه جمع خلائق . الطبيعة يُخلق بها الإنسان(۴)۔"

ترجمہ:خلیقہ کی جمع خلائق ہے اس کا معنی طبیعت ہے جو انسان کی کیفیت ہوتی ہے۔

المنجد کے مطابق:

"خلق کے معنی مزاج،طبعیت مروت،عادت کے ہیں(۵)۔"

وارث سرہندی کے بقول:

"اخلاق خلق کی جمع ہے اس سے مراد عادتیں،خصلتیں،خوش خوئی،ملنساری،کشادہ پیشانی سے ملنا،خاطر مدارت،آؤ بھگت،اور علم الاخلاق سے مراد وہ علم جس میں معاد ومعاش تہذیب نفس سیاست مدن وغیرہ کی بحث ہو(۶)۔"

اخلاق کے لئے انگریزی میں لفظ "Ethics" مستعمل ہے اور اخلاقیات مجموعی طور پر عادات و اطوار کا مطالعہ ہے
ایتھکس Ethics کی جمع ایتھکس یعنی ضابطہ اخلاق؛ اخلاقیات اصول اخلاق، علم اخلاق کا کوئی شعبہ کوئی خاص اخلاقی نظام، کسی خصوصی شعبے سے متعلق مسلمہ ضابطہ اخلاق، مثلاً طبی ضابطہ اخلاق؛ اخلاقی اصول جیسے کسی فرد کے(۷)۔

اصطلاحی تعریف

شاہ ولی اللہ اخلاق کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں

"خلق انسان کی اس کیفیت کا نام ہے جو اس کی طبیعت کے مختلف اوصاف و حالات کو جد وجہد کرکے اپنی جانب راجع کرے"(۸)

لفظ "ایتھکس" فلسفہ اخلاق سے بالعموم تین قسم کے مفہوم مراد لیے گئے ہیں:

۱۔ زندگی کا ایک عمومی ضابطہ یا "طرز حیات"۔
۲۔ کرادر وافعال کے احکام یا "ضابطہ اخلاق"۔
۳۔ طرز حیات یا ضابطہ اخلاق کے بارے میں علمی تحقیق وجستجو(۹)۔

اگر ہم پہلے مفہوم کو مدِنظر رکھیں تو اس صورت میں "بدھ اخلاقیات"، "عیسائی اخلاقیات" یا "اسلامی اخلاقیات" جیسے الفاظ کی معنویت بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ یعنی جب ہم یہ اصطلاحات استعمال کرتے ہیں تو اس سے ہماری مراد ایک مخصوص طرز حیات، قاعدہ قرینہ اور وضع بود وباش ہوتی ہے۔

اخلاقیات کے موضوعات میں سے اہم ترین موضوع یہ ہیں:

ایک اچھی اور اعلیٰ زندگی سے کیا مراد ہے؟
مثبت اور منفی اقدار کیا ہیں؟
خیر اور شر میں تمیز کا معیار۔

اسلام نے بتایا ہے کہ اخلاق کا مبدا او مخزن انسان کی اپنی طبیعت اور اس کی فطری حالتیں ہیں اور انسان کی ذات میں اخلاقی قوتوں کا ہجوم اسی وجہ سے ہے کہ وہ خلقی قوی کے تابع ہیں اور اس کے فیضان طبیعیہ میں اس کی تحریک پائی جاتی ہے۔

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں خلق کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی ہے:

"خلق نفس کی اس راسخ کیفیت (ہیئت راسخہ) کا نام ہے جس سے تمام اخلاق (اعمال) بلا تکلف (بڑی سہولت اور آسانی سے) صادر ہوں (ان کے کرنے کے لئے سوچ و بچار کے تکلف کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی)۔ اگر افعال عقلاً و شرعاً عمدہ اور قابل تعریف ہوں تو اس ہیئت کو خلق نیک اور اگر برے اور قابل مذمت ہوں تو خلق بد کہتے ہیں(۱۰)۔"

اردو جامع انسائیکلوپیڈیا میں اخلاقیات کے بارے میں یوں بحث کی گئی ہے۔

"فلسفے میں اخلاقی اصولوں کی روشنی میں انسانی کردار کا مطالعہ اور اس کی اقدار کا اندازہ اخلاقی اصولوں پر یا تو ایسے معیار کردار کے طور پر بحث کی جاسکتی ہے۔ جسے فرد نے اپنے لئے بنایا ہو یا پھر ایسے واجبات اور فرائض کے مجموعے کے طور پر جنہیں کوئی خاص معاشرہ اپنے افراد کے لئے لازمی قرار دیتا ہے(۱۱)۔"

جو علم بھلائی اور برائی کی حقیقت کو ظاہر، انسانوں کو آپس میں کس طرح معاملہ کرنا چاہیےاس کو بیان، لوگوں کو اپنے اعمال میں کس منتہائے غرض اور مقصد عظمیٰ کو پیش نظر رکھنا چاہیےاس کو واضح کرے اور مفید و کارآمد باتوں کے لیے دلیل راہ بنے، علم اخلاق کہلاتا ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں:

"الخلق ملكة نفسانية يسهل على المتصف بها الاتيان بالافعال الجميلة(۱۲)۔"

ترجمہ: خلق ایسی باطنی کیفیت اور ملکہ کو کہتے ہیں جس سے پاکیزہ اعمال صادر ہوتے ہیں۔

ماوردی فرماتے ہیں :

"اخلاق وہ چھپی ہوئی خصلتیں ہیں جو اختیار کرنے سے ظاہر ہوتی ہیں اور اضطراری کیفیت میں وہ مغلوب ہوتی ہیں(۱۳)۔"

شیخ جرجانی فرماتے ہیں:

"الخُلق عبارة عن هيئة النفس راسخة تصدر عنها الافعال بسهولة و يسر من غير حاجة إلى فكر و روية فان كانت الهيئة بحيث تصدر عنها الافعال الجميلة عقلا و شرعا بسهولة سُميت الهيئة خلقا حسنا فان كانت الهيئة بحيث تصدر عنها الافعال القبيحة سُميت الهيئة التى هى مصدر ذلك خُلُقا سيّئا (۱۴)۔"

ترجمہ: خلق نفس کی اس راسخ کیفیت کا نام ہے جس سے بغیر سوچے سمجھے بڑی آسانی سے افعال صادر ہوتے ہیں اور اگر یہ کیفیت ایسی ہے کہ اس سے عقلی اور شرعی لحاظ سے آسانی کے ساتھ خوبصورت اعمال صادر ہوں تو ایسی کیفیت "اچھا خلق" کہلاتی ہے اور اگر اس سے اعمال برے صادر ہوں تو ایسی کیفیت "بُرا خلق" کہلاتی ہے۔

جاحظ فرماتے ہیں :

"الخُلُق هو حال النفس بها يفعل الانسان أفعاله بلا رؤية و لا إختيار(۱۵)۔"

ترجمہ: خلق نفس کی وہ حالت ہے جس کی وجہ سے انسان بغیر سوچے سمجھے اور بغیر اختیار کے کام کرے۔

خلیفہ عبدالحکیم کے بقول:

''یہ علم عادات واطوار کی اچھائی و برائی کا مطالعہ کرتا ہے یا خیر وشر کی تحقیق کرتا ہے اسی کے ذریعے سے نیک بد کا تعین ہوتا ہے (۱۶) ۔''

نیز جو علم بھلائی اور برائی کی حقیقت کو ظاہر، انسانوں کو آپس میں کس طرح معاملہ کرنا چاہیے اس کو بیان، لوگوں کو اپنے اعمال میں کس منتہائے غرض اور مقصد عظمیٰ کو پیش نظر رکھنا چاہیے اس کو واضح کرے اور مفید و کارآمد باتوں کے لیے دلیل راہ بنے، علم اخلاق کہلاتا ہے۔

اسلام کا نظام اخلاق

انسان اپنے وہ اعمال جو وہ ارادہ سے کرتا ہے اور ان کے نتائج پر غور وفکر کرنے کے بعد کرتا ہے۔ مثلاً ایک شخص یہ سوچتا ہے کہ اس کے شہر میں شفاخانہ کی تعمیر قوم کے لیے نافع اور ان کے مصائب میں تخفیف کا باعث ہوگی۔ یہ سوچنے کے بعد وہ اسے قائم کر دیتا ہے۔ یا ایک شخص اپنے دشمن کے قتل کا ارادہ کرتا ہے اور پھر اپنی تیزفہمی اور ذکاوت فکر سے اس کے اسباب پر غور کرتا ہے اور ارادہ کو کامیاب بنالیتا ہے۔ سو یہ اعمال، اعمال ارادی کہلاتے ہیں اور ان ہی پر یہ حکم لگایا جاتا ہے کہ یہ اچھے ہیں یا برے اور ان ہی کے متعلق انسان سے بازپرس کی جاتی ہے اور وہ ان ہی امور میں جوابدہ ہوتا ہے (۱۷)۔

اصطلاحاً اخلاق کا اطلاق تین چیزوں پر ہوتا ہے۔

۱۔ ......حقوق...... یعنی انسانوں سے اور کائنات کی دیگر اشیاء کے ساتھ تعلقات کے حوالے سے جو فرائض ہیں، انہیں اسلامی ہدایت کے مطابق اور حدود میں رہ کے باحسن طریق انجام دینا اسی کا نام اخلاق ہے۔

۲۔ ......زندگی کی وہ قدریں اور وہ معنوی زریں اصول جن پر انسان کی عمومی اور اجتماعی زندگی کا دارومدار ہے۔ مثلاً سچ، عفو درگزر، عدل و احسان، صبر وغیرہ۔ ان کو فضائل اخلاق کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور اس کے مقابلے میں جن چیزوں سے روکا جاتا ہے، مثلاً جھوٹ، خودغرضی، دھوکا، ملاوٹ وغیرہ۔ ان کو رزائل اخلاق کا نام دیا گیا ہے۔

۳۔ انفرادی طور و اطوار کو باحسن طریق انجام دینا، مثلاً کھانا پینا سونا جاگنا چلنا پھرنا ہنسنا بولنا انہیں آداب کہا جاتا ہے (۱۸)۔

جس پر فضائل اخلاق کی چھاپ لگی ہوئی ہو اور اس کی تکمیل انفرادی زندگی میں اسلامی آداب سے کی گئی ہو مختصراً یہ کہ خلق اصل میں انسانی سیرت و کردار اور اس پر مبنی رویے کے نام ہے لیکن یہ رویہ ایسا ہونا چاہیے جس پر فضائل اخلاق کی چھاپ لگی ہوئی ہو اور اس کی تکمیل انفرادی زندگی میں اسلامی آداب سے کی گئی ہو کیونکہ اسی سے ایک فرد کی زندگی مکمل ہوتی ہے اور اسی طرح کے افراد سے مل کر معاشرہ بنتا ہے جس میں ہمیں معاشرتی اخلاق چلتے پھرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اب صرف ایک بات باقی رہ جاتی ہے۔ اگرچہ مذکورہ بالا تصورات انسانی رویے کی تبدیلی کے لیے کافی ہے، لیکن پھر بھی یہ سوال اپنی جگہ باقی رہتا ہے کہ اس

رویے کی تبدیلی اوراس کے حسن اخلاق میں ڈھل جانے کا حقیقی محرک کیا ہے؟ اہل مغرب نے یہاں بھی بہت ٹھوکریں کھائی ہیں اورانسان کی حقیقت سے بے خبری اور اقتدارِاعلیٰ کے غلط تصور نے یہاں بھی انہیں الجھا کر رکھ دیا ہے۔یہاں بھی وہ فطری داعیات میں الجھ کر رہ گئے ہیں اوراس پر دراز کا بحثیں کی گئی ہیں۔

مختصر یہ کہ ان کے نزدیک حسن اخلاق کا محرک آدمی کی اپنی خوشی ہے کیونکہ آدمی جب کسی فرض کوانجام دیتا ہےتو اسے خوشی نصیب ہوتی ہے۔یہی خوشی اسے اس بات پر اکساتی ہےاور کبھی یہ محرک اس کے اپنے جذبات ہوتے ہیں اور کبھی یہ محرک اس کے اپنے تجربات ہوتے ہیں۔کبھی یہ محرک وجدان ہوتا ہےاور کبھی عقل ہوتی ہےاور بعض دفعہ اس کا محرک اس کا ضمیر ہوتا ہے جس اسے اس بات پر اکساتا ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ فطری داعیات ہیں۔اور جہاں تک خوشی کا تعلق ہے،وہ تو ایک اضافی چیز ہے۔کسی کو کچھ چھین کرخوشی ہوتی ہے کسی کو کچھ کھو کرخوشی ہوتی ہے،اسی لیے یہ بھی مستقل محرک نہیں ہے۔اس لیے اصل محرک اگر کوئی ہوسکتا ہےتو وہ صرف اللہ کی رضا کا حصول ہے۔قرآن کریم اوراحادیث مبارکہ میں اس کی بے شمار مثالیں ہیں۔اسلام نے جس عمل کو نیکی قرار دیا ہے۔اس کے لیے دل کی خوشی کو بھی لازم ٹھہرایا۔

نواس بن سمعان انصاریؓ ایک سال تک اسی مقصد کے لیے مدینہ منورہ ٹھہرے رہے کہ آنحضرت ﷺ سے نیکی اور گناہ کی حقیقت سمجھیں۔آخر ایک دن انہیں موقع مل گیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے نیکی اور گناہ کے متعلق دریافت کیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((البرُ حُسنُ الخُلقِ و الإِثمُ ما حاک فی صدرک و کرهت ان یطلع علیه الناس))(١٩)۔

ترجمہ: نیکی حسن اخلاق کا نام ہےاور گناہ وہ ہے جوتمہارے دل میں کھٹک جائے اور تجھ کو پسند نہ ہو کہ تمہارے اس کام کولوگ جانیں۔

آنحضرت ﷺ کاارشاد ہے کہ:

((إِنَّ العَبدَ إِذَا أخطَأَ خطیئَةً نُکِتَتْ نُکتَةٌ سَوْدَاءُ فإِذَا هُوَ نَزَعَ وَ اسْتَغْفَرَ وَ تَابَ سُقِلَ قَلْبُهُ وَ إِنْ عَادَ زِیدَ فِیهَا حَتَّی تَعلُوَ قَلْبَهُ وَ هُوَ الرَّانُ الَّذی ذَکَرَ اللّهُ))(٢٠)۔

ترجمہ: بندہ جب غلطی کرتا ہےتو اس کے دل میں ایک سیاہ نکتہ پڑ جاتا ہے۔اگر وہ استغفار اور توبہ کرلیتا ہےتو اس کا دل صاف ہو جاتا ہےاور اگر غلطی دہراتا ہےتو نکتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے،حتیٰ کہ پورا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔

ایک اور جگہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

((قال إِذا سرتک حسنتک ساءتک سیئتک فأنت مؤمن))(٢١)۔

ترجمہ: جب نیکی تجھے خوشی دے اور برائی تجھے بری لگے تو تو مومن ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ظاہر ہے کسی ایسے عمل سے ممکن نہیں جس کے عمل کے پس منظر، پیش منظر میں کہیں بھی کھوٹ شامل ہو۔اس لیے اس کے حصول کے لیے بے غرضی، حسن نیت اور اخلاق بھی ضروری ہے اور یہی درحقیقت اعمال کی جان ہے جسے آنحضرت ﷺ نے حدیث میں یوں بیان فرمایا ہے:

((إنما الأعمال بالنيات ، وإنما لكل امرئ ما نوى ، فمن كانت هجرته إلى دنيا يصيبها أو إمراة ينكحها فهجرته إلى ما هاجر إليه)) (۲۲)۔

ترجمہ: انسان کے اعمال اس کی نیت پر موقوف ہیں اور ہر شخص کے لیے وہی ہے جس کی وہ نیت کرے تو جس کی ہجرت خدا اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہے تو اس کی ہجرت خدا اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہے، اور جس کی ہجرت دنیا کمانا ہو یا کسی عورت کو پانا ہو کہ اس سے نکاح کرے تو اس کی ہجرت اس کی طرف ہے جس کی غرض سے اس نے ہجرت کی، جو دنیا کا بدلہ چاہے گا اس کو وہ دیں گے اور جو آخرت کا بدلہ چاہے گا، اس کو وہ دیں گے۔

اخلاق کی قسمیں:

انسان جو کام بھی کرتا ہے، یا جو بات بھی کہتا ہے اس کی کوئی نہ کوئی غرض ضرور ہوتی ہے۔خواہ یہ غرض دنیاوی مفاد، نمود و نمائش یا کسی جذبہ کی تسکین و تکمیل کے لیے ہو یا آخرت میں اپنے رب سے اجر و ثواب کے لیے ہو۔بہر حال غرض کوئی نہ کوئی ضرور رہتی ہے۔خواہ دنیاوی ہو یا اخروی۔اس لحاظ سے اخلاق کی بھی قسمیں ہیں۔مثلاً:

۱۔کاروباری ۲۔نمائشی ۳۔اسلامی اخلاق

۱۔ کاروباری اخلاق:

حسن سلوک، آؤ بھگت اور عزت و احترام جو کسی ذاتی مفاد اور دنیاوی فائدے کے لیے کیا جائے کاروباری اخلاق کہلاتا ہے۔

۲۔ نمائشی اخلاق:

حسن اخلاق اور محبت و مروت جو محض لوگوں سے تعریف اور داد وصول کرنے کے لیے اختیار کیا جائے اور دنیا میں ناموری و شہرت کا ذریعہ ہو، نمائشی اخلاق کہلاتا ہے۔

۳۔ اسلامی اخلاق:

نیکی، شرافت، خدمت خلق، خوش اخلاقی و خوش مزاجی، اور دیانت داری و انصاف پروری کے وہ کام جن کے پیچھے صرف اور صرف نیکی کا جذبہ اور اپنے خالق و مالک رب العالمین کو خوش کرنا ہو۔اسلامی اخلاق کہلاتا ہے۔ایسے اخلاق کے

حامل شخص کے ذریعہ بنی نوع انسان کو بے لوث اور بے ریا مفادات وآرام میسر آتا ہے۔ اور کسی کی دل آزاری اور مال کا نقصان وغیرہ کا کوئی احتمال نہیں ہوتا۔ دراصل یہی اخلاق، اخلاق ہوتا ہے جو انسانیت کا شرف اور اعزاز ہے اور یہی خالق ارض و سماں کو مطلوب و محبوب ہے۔ اسی اخلاق کے بدلے انسان کو قیامت کے دن اجر و ثواب اور انعام واکرام ملے گا۔ یہ وہ وقت ہوگا، جب کہ ہر شخص "نفسی نفسی" پکار رہا ہوگا۔ اور کوئی کسی کا پرسان حال اور معاون و مددگار نہ ہوگا (۲۳)۔"

خوش خلقی کی حقیقت

خَلق سے مراد ظاہری صورت ہے اور خُلق سے مراد باطنی صورت ہے اور یہ اس لیے کہ انسان جسم و روح سے مرکب ہے، جسم کا مشاہدہ آنکھ سے ہوتا ہے اور روح کا ادراک بصیرت سے ہوتا ہے، جسم و روح دونوں ہی کی ایک ہیئت اور صورت ہے، یہ صورت بری بھی ہوتی ہے اور اچھی بھی۔ بصیرت کے ذریعہ ادراک کی جانے والی روح آنکھ کے ذریعہ ادراک کیے جانے والے جسم کے مقابلے میں افضل و اعلیٰ ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی روح کی نسبت اپنی طرف کرکے اس کی عظمت کا اظہار فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ. فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ﴾ (۲۴)۔

ترجمہ: میں ایک بشر کو بجتی ہوئی مٹی سے جو کہ سڑے ہوئے گارے سے بنی ہوگی پیدا کرنے والا ہوں سو جب میں اس کو بنا چکوں اور اس میں اپنی طرف سے جان ڈال دوں تو تم اس کے روبرو سجدہ میں گر پڑنا۔

اس آیت میں جسم مٹی کی طرف اور روح باری تعالیٰ کی طرف منسوب ہے۔ یہاں روح اور نفس دونوں سے ایک ہی چیز مراد ہے۔

باطنی اخلاق کے چار ارکان:

باطنی حسن کے چار ارکان ہیں۔ ان چاروں ارکان میں بھی حسن کا پایا جانا ضروری ہے، یہ سب ارکان معتدل اور موزوں رہیں گے تو آدمی حسن باطن کے اعتبار سے مکمل کہلائے گا۔

وہ چار ارکان ہیں قوت علم، قوت غضب، قوت شہوت اور قوت عدل یعنی پہلی تینوں قوتوں کو اعتدال پر رکھنے کی قوت۔

قوت علم کا اعتدال حکمت کہلاتا ہے حکمت کو غلط اغراض میں استعمال کرنا اسے حد اعتدال باہر کرنا ہے، اگر یہ استعمال زیادتی کی صورت میں ہے تو اسے خبث اور فریب کہتے ہیں اور کمی کی صورت میں ہے تو بے وقوفی کہتے ہیں، علم کا درجہ اوسط حکمت کہلاتا ہے اس تفصیل سے ظاہر ہوا کہ اخلاق کے بنیادی اصول اور ارکان چار ہیں، حکمت، شجاعت، عفت اور عدل۔ حکمت سے نفس کی وہ حالت مراد ہے جس سے آدمی تمام اختیاری افعال میں صحیح کو غلط سے ممتاز کرلے، اور عدل سے نفس کی وہ حالت

اور قوت مراد ہے جس کے ذریعہ وہ غضب اور شہوت پر حکومت کرے اور انہیں حکمت کے تابع بنائے۔عفت سے مراد وہ قوت ہے جس کے ذریعہ شہوت کو عقل وشرع کا پابند بنایا جا سکے۔تمام اچھے اخلاق کا منبع اور سرچشمہ یہی چاروں اصول ہیں مثلاً قوت عقل کے اعتدال سے یہ محاسن پیدا ہوتے ہیں۔حسن تدبیر، جودت ذہن، اصابت رائے، نفس کے مخفی آفات اور اعمال کی باریکیوں پر انتباہ۔شجاعت کے اعتدال سے یہ اوصاف پیدا ہوتے ہیں، کرم، دلیری، شہامت، کسر نفسی، حلم استقامت، غصہ پینا، وقار، اور سنجیدگی وغیرہ۔

محاسن اخلاق کے چار اصول ہیں: حکمت، شجاعت، عفت اور عدالت، باقی اخلاق ان ہی چاروں اصولوں کی فروع ہیں، ان چاروں اصولوں میں کمال اعتدال آنحضرت ﷺ کے علاوہ کسی کو نصیب نہیں ہوا، بعد کے لوگوں میں تفاوت ہے، جو شخص ان اخلاق میں آپ ﷺ سے جس قدر زیادہ قریب ہے، وہ اللہ تعالیٰ سے اسی قدر قریب ہے اور جو بعید ہے وہ خداوند قدوس سے اسی قدر بعید ہے۔جو شخص ان تمام اخلاق کا جامع ہے وہ اس بات کا مستحق ہے کہ لوگ اس کی اطاعت کریں، اس کی طرف رجوع کریں اور تمام افعال میں اس کی اقتداء کریں اور جو شخص ان اخلاق سے محروم ہو بلکہ ان کی اضداد کا جامع ہو وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اسے شہر بدر کر دیا جائے اور لوگ اس سے قطع تعلق کر لیں، کیونکہ وہ انسان نہیں شیطان کا نمائندہ ہے، جس طرح شیطان سے دوری اختیار کی جاتی ہے اسی طرح اس سے بھی دور رہنا چاہیے جس طرح جامع اخلاق شخص ملکوتی صفات سے اپنی قرابت کی بناء پر اقتدار اور اطاعت کا مستحق ہوتا ہے، اسی طرح یہ شخص شیطانی اوصاف سے اپنی وابستگی کی بنا پر لعنت اور اعراض کا مستحق ہوتا ہے۔سرکار دو عالم ﷺ مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث ہوئے ہیں۔جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے، یہ اخلاق وہ ہیں جنہیں قرآن کریم نے مومنین کے اوصاف میں ذکر کر دیا ہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ ثُمَّ لَمۡ يَرۡتَابُوۡا وَجَاهَدُوۡا بِاَمۡوَالِهِمۡ وَاَنۡفُسِهِمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓـئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوۡنَ﴾ (۲۵)۔"

ترجمہ: پورے مومن وہ ہیں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے پھر شک نہیں کیا اور اپنے مال اور جان سے خدا کے راستے میں محنت اٹھائی یہ لوگ سچے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر کسی تردد کے بغیر ایمان لانا یقین کی قوت کا عمل ہے اور قوت یقین وثمرہ عقل اور منتہائے حکمت ہے، مال کے ذریعہ مجاہدہ کرنا سخاوت ہے، اور یہ مجاہدہ شہوت کو قابو رکھنے سے ہوتا ہے، اور نفس کے ذریعہ مجاہدہ کرنا شجاعت ہے۔یہ مجاہدہ عقل کی شرط کے مطابق اور اعتدال کی حدود کے اندر رہ کر قوت غضب کے استعمال سے ہوتا ہے، صحابہ کرامؓ کی تعریف میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ اَشِدَّآءُ عَلَى الۡكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيۡنَهُمۡ﴾ (۲۶)۔

ترجمہ: وہ کافروں کے مقابلے میں تیز ہیں اور آپس میں مہربان ہیں

اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شدت اور رحمت کے الگ الگ مقامات ہیں نہ ہر حال میں شدت کمال ہے اور نہ رحمت قابل تعریف۔

اسلام کی اخلاقی تعلیم کا بنیادی نکتہ ہے کہ طبعی جذبات کو کچلنا خوبی نہیں گویا اسلام نے انسانی قوتوں کے استیصال کی تعلیم نہیں دی بلکہ بتایا ہے کہ کوئی قوت فی نفسہ بری نہیں بلکہ وہ موقع ومحل کے خلاف استعمال کی وجہ سے بری کہلاتی ہے۔اس نے غصے کو ضبط کرنے والے کی تعریف کی ہے۔غصے کے مٹا دینے والے کی نہیں۔دراصل دنیا میں نشاط کار،ولولہ وانبساط اور رونق وترقی انسانی قوتوں کو کچل ڈالنے میں نہیں بلکہ ان کے صحیح استعمال میں ہے۔یہ جولوگ کہتے ہیں کہ جب تک انسان کی طبیعت میں سے شہوت وغضب وغیرہ طبعی جذبات کو ختم نہ کردیا جائے تب تک بداخلاقیوں کا استیصال ہو ہی نہیں سکتا۔یہ ایک ایسی رائے ہے جس پر کاربند ہونے سے ہم ان راہوں سے بہت دور جاپڑتے ہیں جنہیں خود فطرت نے ہمارے لیے تجویز کیا ہے۔اسلام کہتا ہے کہ کوئی جذبہ فی نفسہ برا نہیں بلکہ اس کا بے محل استعمال برا ہے۔اسلام نے جو قانون اخلاق پیش کیا ہے اس کا کبھی یہ منشا نہیں ہوا کہ اس قسم کے جذبات کو نابود ہی کردیا جائے بلکہ اس نے فطری قویٰ کی تعدیل وتربیت پر زور دیا ہے۔دوم یہ کہ طبعی قویٰ اس وقت اخلاق کا رنگ اختیار کرتے ہیں۔

مختصراً یہ کہ یہ وہ علم ہے جو فضائل ورزائل کا علم بخشے اور یہ بتائے کہ انسان کس طرح فضائل سے مزین اور رزائل سے محفوظ رہ سکتا ہے اللہ نے انسانی طبعیت کو دوسرے انسانوں سے برتاؤ کی خواہش ودیعت کی جس سے نہ انسان کو خود نقصان پہنچے نہ دوسروں کو،اسی خواہش کو ہم اخلاق کا نام دیتے ہیں۔

اسلام نے اخلاق حسنہ پر بہت زور دیا ہے اس کے مبانی اور ارکان ہی میں اخلاق فاضلہ کا راز مضمر ہے۔سارا قرآن مجید اخلاقی تعلیمات سے بھرپور ہے اور ایک مکمل ضابطہ اخلاق ہے،جس کی نظر انسانی ہستی کے پورے نظام پر ہے۔اسلام کا قانون اخلاق ان لوگوں کے لیے جو نیک اور بااخلاق ہیں۔ایک سہارا،روحانی منازل تک پہنچنے کے لیے مدارج ارتقاء کا رہنما اور ان لوگوں کے لیے جو بااخلاق بننا چاہتے ہیں،ایک صادق دوست اور مشفق راہبر ہے۔یہ قانون اپنے احکام نہ سرسری طور پر منواتا ہے،نہ بطور تحکم بلکہ ان کے ساتھ مصلحتیں اور حکمتیں بھی بتاتا ہے اور دلائل بھی دیتا ہے۔خوش خلقی اللہ تعالیٰ کا خلق عظیم ہے۔قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:﴿صِبۡغَةَ اللّٰهِ وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبۡغَةً﴾ (۲۷)۔

ترجمہ:اللہ تعالیٰ کے رنگ سے بہتر کوئی رنگ نہیں

جو اخلاق اخلاق الٰہیہ سے مطابقت رکھیں،وہ اچھے ہیں اور جو ان کے منافی ہوں،وہی برے انسان کے اندر۔اخلاقی حسن ایک فطری حسن ہے،جو بعض صفات کو پسند اور بعض دوسری صفات کو ناپسند کرتی ہے۔یہ حسن انفرادی طور پر اشخاص میں کم وبیش ہو،

مگر مجموعی طور پر انسانیت کے شعور نے اخلاق کے بعض اوصاف پر خوبی کا کردار اور بعض پر برائی کا ہمیشہ یکساں حکم لگایا ہے"۔(۲۸)

اسلام ہمیں اخلاق کا ایک مستقل ذریعہ بتاتا ہے۔اس نے ہمارے اخلاق کو محض عقل یا خواہشات یا تجربے یا علوم انسانی پر منحصر نہیں کر دیا، کہ ہمیشہ ان کے بدلتے ہوئے فیصلوں سے ہمارے اخلاقی احکام بھی بدلتے رہیں اور انہیں کوئی پائیداری نصیب نہ ہو سکے، بلکہ وہ ہمیں ایک متعین ماخذ دیتا ہے یعنی خدا کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت جس سے ہم کو ہر حال اور ہر زمانے میں اخلاقی ہدایات ملتی ہیں اور یہ ہدایات ایسی ہیں جو زندگی کے ہر معاملے میں ہماری رہنمائی کرتی ہیں، جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الأَخْلَاقِ)) (۲۹)۔

ترجمہ: میں تو اس لیے بھیجا گیا کہ اخلاق حسنہ کی تکمیل کروں

نبی کریم ﷺ نے انفرادی و اجتماعی زندگی کے ہر شعبے میں بے مثال حسن خلق کا مظاہرہ کیا ہے اور یہی آپ ﷺ کی سنت حسنہ ہے۔اہل ایمان تو آپ ﷺ کے گرویدہ اور جانثار تھے وہ تو آپ ﷺ کے حسن اخلاق کی تعریف میں رطب للسان تھے۔(۳۰)۔

اسلام اخلاقی تعلیم صرف نمائش و نمود کے طور پر ہی نہیں دیتا، بلکہ روح و اعضاء کے ساتھ وہ دل و دماغ کو بھی اس تعلیم کا پابند فرماتا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحاً إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ. وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِن صَوْتِكَ إِنَّ أَنكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ﴾(۳۱)۔

ترجمہ: اور غرور میں آکر لوگوں کی طرف سے اپنا منہ کج نہ کر لیا کرو اور زمین پر اکڑ کر نہ چل بے شک اللہ تعالیٰ ہر چالباز فخر کرنے والے کو پسند نہیں فرماتا۔اپنی رفتار میں میانہ روی رکھ، اپنی آواز کو پست و نرم رکھ، دیکھ آوازوں میں سخت و درشت آواز گدھے کی ہے۔

اسلام نے اس پر بھی زور دیا ہے کہ انسان کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنی اخلاقی طاقتوں کا ایسے طریقے پر اظہار کرے، جس سے ان کی چمک دمک بھی بڑھ جائے، اور لوگ شوق سے اس کے گرویدہ ہوں۔ہر حسن خلق اگر چہ اپنی جگہ درست ہے۔ لیکن انسان کے طرز عمل سے بھی اس میں بعض اوقات کمی آجاتی ہے اور اس کی قیمت گھٹ جاتی ہے۔جو شخص صدقہ و خیرات سے کام لیتا ہے، وہ ایک بڑی نیکی کی توفیق پاتا ہے۔لیکن اگر وہ صدقہ دیتے وقت احسان جتاتا، مغلظات سے کام لیتا اور

سائلوں کو برا بھلا کہتا ہے تو وہ اپنی نیکی کی بے وقوفی کرتا ہے اور اسے باطل کرتا ہے۔(۳۲)۔

ارشاد ہوتا ہے:﴿لا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى﴾ (۳۳)۔

ترجمہ: اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دوسروں کو تکلیف دے کر ضائع نہ کرو۔

پس خلیق ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ صاحب خلق کا طرز عمل اور طریق ادب آمیز ہو۔حسن خلق اللہ تعالیٰ کی صفات کے مظاہر ہیں اور چونکہ اس کی ذات کی طرح صفات واخلاق کا علم بواسطہ پیغمبر ﷺ سے ملا ہے، اس لیے حسن اخلاق پیغمبر ﷺ اور اس کی تعلیمات سے ربط و تعلق کے بغیر نہ قابل اعتماد ہے، نہ قابل اعتبار۔(۳۴)۔

فضائل اخلاق:

اخلاق حسنہ کی جزئیات کثرت سے ہیں کی ان کا احاطہ کرنا بھی مشکل ہے۔قدیم حکماء اخلاق کے مطابق اخلاق کی دو قسمیں ہیں، ۱۔امہات اخلاق، ۲۔فروع اخلاق

۱۔امہات اخلاق ۔اس سے مراد اخلاق کے وہ جوہری ارکان جو دوسرے کی اصل اور مرجع ہیں۔جن کی کمی بیشی سے اخلاق کی مختلف قسمیں پیدا ہوتی ہیں ان کی کمی بیشی سے اخلاق کی مختلف قسمیں پیدا ہوتی ہیں۔انہی کے اعتدال سے فضائل اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔

اسلام کے پیش نظر اخلاق کی عملی حیثیت ہے نہ کے علمی اور نظری، کیونکہ اسلام کا منشا اخلاق کا علم بخشنا نہیں بلکہ فضائل اخلاق کا عامل بنانا ہے اور رزائل اخلاق سے بچانا ہے۔اسلام کی ہر شے خواہ وہ عقیدہ سے متعلق ہو یا عبادت سے یا اخلاق و معاملات سے، مرکزی چیز اللہ کی خوشنودی ہے۔ہر وہ کام اچھا ہے جو اللہ کو پسند ہے اس میں عقلی خوبیاں اور خلق خدا کا فائدہ ہوتا ہے فضائل اخلاق کہلاتا ہے اور ہر وہ کام برا جسے اللہ ناپسند فرمائے کیونکہ اس میں عقلی برائیاں اور خلق خدا کا نقصان ہے، رزائل اخلاق کہلاتا ہے(۳۵)۔

اسلامی نظام اخلاق انسان کو تقوی، اخلاص، صدق، عفت دیانت داری، عدل وانصاف اور احسان کا درس دیتا ہے اور یہ وہ بنیادی قدریں ہیں جو کسی بھی معاشرہ کی اصلاح کا سبب بنتی ہیں۔اسلامی نظام اخلاق کی بنیاد جن قدروں پر ہے وہ بھی عالمگیر ہیں لہذا پوری دنیا کی فلاح بھی اسی میں مضمر ہے کہ ان قدروں کو انسانی زندگی کا مقصد بنایا جائے اسلام میں عبادات کا مقصد ہی اخلاقی درستگی قرار دیا گیا ہے۔

۱۔تقوی:

اسلامی اخلاق کا ایک بلند درجہ تقوی ہے۔یہ اس قلبی کیفیت کا نام ہے جس کے زیر اثر انسان خدا کی ہر نافرمانی سے بچنے اور اس کے احکامات کو بجالانے کی کوشش کرتا ہے۔زندگی کے سفر میں نافرمانیوں کے جھاڑ

جھنگاڑ سے بچ کر چلنا تقوی ہے ۔ایک متقی شخص صرف کبیرہ گناہوں اور نافرمانیوں سے کنارہ کش نہیں ہوتا بلکہ صغیرہ گناہوں سے بھی بچنے کی کوشش کرتا ہے ۔اس کی حد درجہ احتیاط اس کے احساس فرمانبرداری کو روز بروز بڑھاتی چلی جاتی ہے ۔

متقی شخص کی مثال اُس سمجھدار کسان کی ہے جو اچھی فصل حاصل کرنے کی خاطر ایک طرف زمین کو اس کی خرابیوں سے پاک کرتا ہے اس کو جھاڑ جھنگاڑ سے صاف کرتا ہے اس کی ناہمواریوں کو ہموار کرتا ہے اور ہل چلا کر اس کی سختی کو نرمی میں تبدیل کرتا ہے ۔دوسری طرف وہ اس کی آبیاری اور اچھے بیج کا بندوبست کرتا ہے ۔صرف یہی نہیں بلکہ فصل کے مکمل تیار ہونے تک وہ مسلسل اس کی نگہداشت کرتا ہے ۔یہ نفی واثبات کا عمل

اس کو کھلیان گھر لے جانے کے قابل بناتا ہے ۔

متقی شخص کی دوسری مثال اس شخص کی سی ہے جو اچھی صحت کی خاطر حفظان صحت کے اصولوں پر عمل پیرا ہوتا ہے ۔ ایک طرف وہ بد پرہیزی اور ان تمام ممانعات سے دور رہتا ہے جو اس کی صحت کے لئے نقصان دہ ثابت ہوسکتی ہیں اور دوسری طرف اچھی خوراک ورزش اور صاف ستھرا رہنے کی کوشش کرتا ہے جو اسے چاک وچوبند بناسکتے ہیں ۔

ایمان اور اسلام کے حوالے سے نیک شخص کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ خدا کی ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے بچنے کی کوشش کرے اور اس کے ہر چھوٹے بڑے حکم کی دل وجان سے بجا آوری کرے اور عمر بھر کرتا رہے ۔وقتی طور پر نیکی وبھلائی کو اختیار کرلینا اور نافرمانی وبرائی سے دور ہوجانا اصل تقوی نہیں ہے ۔اس پر مستقل کاربند رہنا اصل تقوی ہے ۔اسی کے نتیجے میں وہ مثالی اور پائیدار اخلاق پیدا ہوتا ہے جو انسان کو انسانیت کا قابل قدر نا شہ بنا دیتا ہے ۔(۳۶) ۔"

۲۔احسان:

اسلامی اخلاق کی بلندترین منزل احسان ہے جو ایک مسلمان سے اسلام کے لئے والہانہ محبت کا تقاضا کرتا ہے ۔ایسی محبت جس میں ایک انسان تن' من' دھن قربان کرکے بھی یہ سمجھتا ہے کہ اس سے بندگی ءرب کا حق ادا نہیں ہوا ۔وہ صرف فرائض کی بجا آوری ہی نہیں کرتا بلکہ اس سے بڑھ کر ذکر واذکار اور تلاوت ونوافل کا اہتمام کرتا ہے ۔وہ صرف زکوۃ ادا کرکے ہی نہیں رہ جاتا بلکہ وہ اپنا مال زیادہ سے زیادہ حاجتمندوں میں خرچ کرتا ہے اور اس کی خوبی یہ ہوتی ہے کہ وہ نیکی کے مواقع تلاش کرنے میں لگا رہتا ہے ۔وہ ایسا خریدار ہوتا ہے جو سارا دن نفع بخش مال خریدنے میں مصروف رہتا ہے ۔اس کی مثال اس ملازم کی سی بھی ہے جو صرف عائد شدہ فرائض کی بجا آوری تک محدود نہیں رہتا بلکہ اس سے بھی زیادہ خدمت بجالانے کی کوشش کرتا ہے اور برضا ورغبت کرتا ہے ۔ایسا ملازم سلطنت اور آقا کے حق میں انتہائی مفید ہوتا ہے اور زیادہ سے زیادہ انعام کا مستحق قرار پاتا ہے ۔

احسان کی بلندترین منزل پر فائز انسان وہ ہوتا ہے جس کا جینا مرنا' رضامندی اور ناراضگی' محبت وعداوت' پسند اور

ناپسند سب کچھ احکام الٰہی کے تابع ہوتا ہے۔وہ خدائی احکامات کی عملی تفسیر ہوتا ہے۔اس کے ہاتھ اللہ کے ہاتھ اُس کی زبان اللہ کی زبان اور اس کی آنکھیں اللہ کی آنکھیں ہوتی ہیں۔حضرات انبیاء کرام اس کی بہترین مثال ہیں۔اس کے بعد درجے بدرجے ہر وہ شخص جو اطاعت الٰہی کے راستے کا مسافر ہے اور اس کی رضامندی کا طالب ہے وہ احسان کا اصلی نمونہ ہے۔احسان عشق و محبت کی وادی میں داخل ہونے کا نام ہے۔جس میں "آگے بڑھو" کی صدا تو سنائی دیتی ہے لیکن وادی کی انتہاء معلوم نہیں۔جوں جوں پیش قدمی جاری رہتی ہے دل کی بے تابی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔بندہ اپنے خالق کی محبت میں ڈوبتا چلا جاتا ہے۔بقول اقبال اس کے دل سے پکار اٹھتی ہے کہ

"تیرے عشق کی انتہا چاہتا ہوں میری سادگی دیکھ میں کیا چاہتا ہوں (۳۷)۔"

اسے معلوم نہیں کہ وہ کتنی بڑی چاہت کی آرزو کر رہا ہے۔جس کی انتہا تک پہنچنا ذرے کا آفتاب سے ہمکنار ہونے کے برابر ہے۔اس طرح اسلام نے جن اخلاقیات کی تعمیر "ایمان" سے شروع کی تھی اس کو اسلام اور تقویٰ کے مراحل سے گزار کر "احسان" کے ایسے بلند مقام پر پہنچا دیا کہ اس کے بعد کوئی بلندی نہیں رہتی۔

مکارم اخلاق میں سے کسی بھی خلق کو پیدا کرنے کے لیے اسلام نے ریاضت و مشق پر بہت زور دیا ہے۔احیاء العلوم میں امام غزالیؒ نے اس پر بھی روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ جو صفت بھی قلب میں پیدا ہوگی لامحالہ اس کا اثر اعضاء و جوارح پر ہوگا۔گویا تمام اعضاء اپنی حرکت میں قلب کے فیصلے کے منتظر رہتے ہیں۔اسی طرح جو فعل اعضاء سے سرزد ہوگا اس کا کچھ نہ کچھ اثر قلب پر ضرور پڑے گا۔غذاؤں کا بھی انسان کے اخلاق پر اثر پڑتا ہے۔قرآن مجید میں جو بعض غذاؤں کی حرمت کا ذکر ہے اس کے پیچھے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ ان کے استعمال سے انسان بعض اعلیٰ اخلاق سے محروم رہ جاتا ہے اور بعض برے اخلاق اس میں پیدا ہو جاتے ہیں(۳۸)۔

۴۔اعتدال پسندی

اعتدال کا مفہوم:اعتدال کے معنی ہیں برابر ہونا، یہ لفظ عدل سے مشتق ہے۔(۳۹)۔عدل کا مفہوم بہت وسیع ہے۔اس کا مطلب توازن، مساوات، افراط و تفریط سے اجتناب، انصاف تناسب اور لوگوں کے تعلقات ان بنیادوں پر قائم کرنا، جس سے ہر شخص کو اس کا جائز حق مل جائے۔قرآن حکیم میں عدل کے مترادف الفاظ قسط، وسط اعتدال، میزان، مستقیم اور تقدیر وغیرہ وارد ہوئے ہیں۔عدل ظلم کی ضد ہے۔آلوسی نے عدل کو ہر نیکی کی اساس قرار دیا ہے۔

اسلام دراصل اعتدال کی راہ کا نام ہے یعنی صراط مستقیم ہے۔جو دو منزلوں کے درمیان سب سے مختصر اور درمیانی راہ ہے۔اسلامی قانون کی مجموعی تشریح فکر اپنے تمام دائروں میں وسعت و جامعیت اور توازن و اعتدال کا حسین امتزاج ہے۔کشادگی، آسانی، تخفیف، دفع ضرر، اعتدال اور مصلحت کا اطلاق اسلامی احکام کے تمام دائروں عبادات مناکحات، عقود، تصرفات، عقوبات اور قضا دو

افتاد کے سب گوشوں تک وسیع ہے(۴۰)۔

عقائد میں اعتدال:

اسلام نے پچھلی امتوں کے برخلاف عقائد میں بھی اعتدال کو ملحوظ رکھا ہے اور ذات وصفات کے اعتبار سے خالق و مخلوق میں جو بنیادی فرق روا رکھا ہے۔خالق صرف اور صرف ایک ہستی ہے۔اس کے ساتھ ذات یا صفات میں کسی کو شریک ٹھہرانا ظلم ہے۔قرآن میں حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (۴۱)۔

ترجمہ: نہ تھا ابراہیم یہودی اور نہ تھا نصرانی لیکن تھا حنیف یعنی سب سے چھوٹے مذہبوں سے بیزار حکم بردار اور نہ تھا مشرک۔

عبادت میں اعتدال:

شریعت اسلامیہ نے عبادت میں بھی اعتدال اور میانہ روی کی روش اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔دعا یا نماز میں ایک مسلمان کی آواز معتدل ہونی چاہیے۔فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا﴾ (۴۲)۔

ترجمہ:اور نہ تو پکار اپنی دعا(یا نماز) میں اور نہ چپکے پڑھ اور ڈھونڈ اس کے بیچ میں راہ۔

دنیا کو ترک کردے اور رہبانیت اختیار کرلے۔دن رات عبادت میں مشغول رہنا اور دینوی تقاضوں کو نظر انداز کرنا شریعت اسلامیہ کے مزاج اور اس کی روح کے خلاف ہے۔حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ ھادی صراط مستقیم ﷺ کا ارشاد پاک ہے:

((و اللّٰه إني لأخشاكم للّٰه وأتقاكم له لكنّي أصومَ وأفطر وأصلّي وأرقد و تزوَّجتُ النساء فمن رغب عن سُنَّتِي فليس مني))(۴۳)۔

ترجمہ: خدا کی قسم میں تم میں سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور سب سے بڑھ کر تقویٰ کی پاسداری کرتا ہوں۔لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں،افطار بھی کرتا ہوں۔رات میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور نکاح بھی میری سنت ہے۔پس جو میری سنت سے گریز کرے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔

خرچ میں اعتدال:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا﴾ (۴۴)۔

ترجمہ:اور نہ تو اپنا ہاتھ گردن میں باندھ لے اور نہ اس کو بالکل کھول دے کہ تو بیٹھ جائے ملامت کا نشان بن کر تھکا ہارا۔
مسلمان نہ تو اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں، بلکہ درمیانی راہ اختیار کرتے ہیں۔
جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:
﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا﴾(۴۵)۔
ترجمہ:اور جو خرچ کریں تو فضول خرچی نہ کریں اور نہ بہت تنگی کریں اور ہے اس کے بیچ ایک سیدھی گزران۔
حدیث نبوی ہے:((الاقتصاد فی النفقة نصف المعیشة))(۴۶)۔
ترجمہ: خرچ میں اعتدال آدھی معیشت ہے۔
دوسروں کی محتاجی سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان میانہ روی اختیار کرے۔
ارشاد نبوی ہے:((ما عال من اقتصد))(۴۷)۔
ترجمہ: وہ محتاج نہیں ہوگا جس نے میانہ روی اختیار کی۔

چال ڈھال میں اعتدال:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ ﴾(۴۸)۔
ترجمہ:اور چل بیچ کی چال۔
اسلام میں اسراف کی ممانعت کا مقصد انسان کو ایک معتدل اور متوازن روش پر قائم رکھنا ہے۔

عدل وانصاف:

جن اخلاقی اور معاشرتی امور پر اسلام نے سب سے زیادہ زور دیا ہے ان میں سے ایک عدل وانصاف ہے۔یہ دراصل سچائی اور راست بازی کی ایک شکل ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کے ساتھ بلا رو رعایت وہ معاملہ کیا جائے اور اس کے بارے میں وہ خدا لگتی بات کہی جائے جس کا وہ مستحق ہے۔اس عدل وانصاف پر دنیا کا نظام قائم ہے۔جس قوم اور جس سماج میں عدل وانصاف نہ ہو وہ خدا کی رحمت سے محروم رہے گا اور دنیا میں اس کا انجام بہت ہی برا ہوگا۔قرآن پاک کتاب ونبوت کا یہ مقصد بتاتا ہے کہ لوگوں کے درمیان میزان قائم ہو۔اور میزان سے مراد عدل وانصاف کے قوانین ہیں۔چنانچہ قرآن کریم میں ہدایت کی گئی ہے کہ معاملات میں عدل وانصاف اور سچی خدا لگتی بات کہنے کو اپنا اصول اور نصب العین بنالو۔
اسلام کی خصوصیت ہے کہ وہ دشمنوں کے ساتھ بھی عدل وانصاف کی تاکید کرتا ہے(۴۹)۔
عدل وانصاف کا مفہوم:احمد بن علی الجصاص کی نظر میں عدل سے مراد ہے:
"قد انتظم العدل فی العمل والقول قال اللّٰہ تعالیٰ "واذا قلتم فاعدلوا(۵۰)۔"

ترجمہ: قول وفعل دونوں میں عدل سے کام لینا شامل ہیں اور جب تم بات کرو تو عدل سے کام لو۔
عدلیہ کی آزادی سے مراد یہ ہے کہ قضاۃ اپنے فرائض کی ادائیگی میں کسی دوسری اتھارٹی کے مطیع نہ ہوں اور یہ کہ ان کا کام حق کی ادائیگی اور عدل کے ان اصولوں کے مطابق فراہمی ہو جوان کو قانون کے عطا کیے ہیں اور وہ اپنے ضمیر کے مطابق فیصلہ کرنے والے ہوں (۵۱)۔

قانونی فیصلے کے اس اصول کی وضاحت یہ ہے کہ قاضی کے امور میں کسی بھی طرف سے کوئی مداخلت نہ ہو اور اس کو قانون و انصاف کے برخلاف فیصلہ کرنے پر مجبور نہ کیا جائے۔ قاضی کو خود بھی ایسی تعریفات سے بچنا چاہیے جو قانون کے اصولوں کے خلاف ہوں (۵۲)۔

عدل و انصاف کی ضرورت واہمیت:

عدل و انصاف کی فراہمی عدلیہ کی بنیادی ذمہ داری ہے اور قاضی اپنے اس عظیم کام کے ذریعے معاشرے کو امن فراہم کرتا ہے۔ اسی کی وجہ سے معاشرے کا ہر فرد مسلم اور غیر مسلم دارالاسلام میں اپنی جان، مال اور عزت و آبرو کے متعلق مطمئن ہوتا ہے اور اسی کے ذریعے سے حقوق کی ادائیگی ہوتی ہے۔

عدل و انصاف کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ انبیاء اور رسل کے ذمے تبلیغ کے ساتھ ساتھ لوگوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرنے کا کام بھی سونپا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (۵۳)۔

ترجمہ: ہم نے اپنے رسول نشانیوں کے ساتھ بھیجے اور ان کے ہمراہ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ وہ لوگوں کے درمیان عدل کر سکیں۔

قرآن و سنت کے احکامات کی بناء پر صحابہ کرامؓ نے قضاۃ کی اہمیت اور معاشرے کے لیے اس کی عظیم ضرورت کا ادراک کیا۔ حضرت عمر بن الخطابؓ نے جب عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کر دیا تو اس کے ساتھ ہی عدالتی طریقہ کار سے متعلق ہدایات بھی جاری فرمائی۔ یہ ہدایت ابوموسیٰ الاشعریؓ گورنر کوفہ کے نام خط میں تھیں۔ ان ہدایات کا پہلا حصہ عدل و انصاف کی اہمیت اور عدلیہ کی آزادی کے متعلق ہے اس میں حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"فان القضاء فريضة محكمة وسنة متبعة سواء بين الناس في وجهك و مجلسك وعدلك حتى لا ييئس الضعيف (۵۴)۔"

ترجمہ: قضا ایک ضروری فرض ہے لوگوں کو اپنے حضور میں انصاف میں برابر رکھو تا کہ کمزور انصاف سے مایوس نہ ہوں۔

سیاست الملوک میں عدل کی بڑی اہمیت ہے۔موسیٰ بن یوسف نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

عدل کسی بھی ریاست کا روشن چراغ ہے۔عدل کے چراغ کو ظلم کی آندھی سے نہ بجھاؤ۔ظلم کی آندھی سب کچھ تباہ کر دیتی ہے۔جبکہ عدل کی ہوا ثمر آور ہوتی ہے احکام میں عدل حکومت کی بنیادی صفات میں سے ہے(۵۵)۔

عدل کی یہی اہمیت اس کی آزادی اور استقلال کی دلیل ہے۔تاریخ کے مختلف ادوار میں خلفاء نے اس اصول کی آبیاری کی اور اس پر عمل کیا اور قضا کے معاملات میں مکمل آزادی اور استقلال کو شعار بنایا(۵۶)۔

عدل کی وجہ سے مملکت کی قدر و منزلت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔عدلی قلبی طاقت کا شاہکار ہے۔اس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہوتے ہیں، جانوں کو امان ملتا ہے، استحکام آتا ہے اور دشمن سے پناہ مل جاتی ہے۔حضرت عمرؓ کے دور میں استحکام کا سبب عدلیہ کی آزادی اور عدل ہی تھا۔ایرانی سردار ہرمنان حضرت عمرؓ کے پاس آیا تو آپؓ مسجد میں سوئے ہوئے تھے۔اس پر اس نے کہا:

''تم نے عدل کیا، امان پائی اور سکون سے سوئے(۵۷)۔''

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں اہل سمرقند نے قتیبہ بن مسلم کے خلاف شکایت کی کہ وہ عذر کرتے ہوئے بغیر خبردار کیے شہر میں داخل ہو گئے ہیں۔عراق کے خلیفہ نے گورنر کو خط لکھا کہ وہ اس معاملہ کی تفتیش کے لیے قاضی مقرر کریں۔چنانچہ قاضی جمیع بن حاضر الباجی کو اس مقدمہ کی سماعت سونپی گئی۔انہوں نے اہل سمرقند کے شکوے کو سنا اور اس کے بعد یہ فیصلہ دیا کہ فتح کے موقع پر اسلامی قوانین کی پابندی نہیں کی گئی اس لیے مسلمانوں کا لشکر شہر سے نکل جائے(۵۸)۔

مسلمانوں کے عروج میں آزاد عدلیہ نے ہمیشہ اہم کردار ادا کیا۔بلکہ عدلیہ کی آزادی دور عروج کا طرہ امتیاز ہوتا ہے۔چنانچہ چوتھی صدی ہجری میں عدلیہ کو انتظامیہ پر واضح برتری حاصل تھی اور قضاۃ کے فیصلوں کی بنیاد پر کئی وزراء جیل گئے۔اس دور کی اسلامی تہذیب وتمدن کی ترقی اس عدل وانصاف کی بدولت ہی تھی، جو آزاد عدلیہ نے فراہم کی اس دور میں جب کہ دنیا کی دوسری تہذیبوں میں بادشاہ یا حاکم وقت تمام قسم کے احتساب سے بالاتر تھا، مسلمان خلفاء معمولی معاملات میں بھی عام رعایا کی طرح قضاۃ کے ہاں پیش ہوتے تھے۔اور قضاۃ عدل وانصاف کے مطابق ان کے خلاف بغیر کسی خوف سے فیصلہ کرتے تھے(۵۹)۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر

معروف کے معنی:

''ہر وہ اچھی چیز، جسے نفس جانتا ہے، اور اسے پسند کرتا ہے اور اس سے اطمینان ہوتا ہے(۶۰)۔''

اوراس کی جو چیز ضد ہوگی وہ منکر ہے۔عربی لغت میں معروف کی اس طرح تشریح کی گئی ہے۔معروف دلالت کرتا ہےفراخ دلی یافیاضی پراگروپ اعتدال کے اندر ہے یاوہ صحیح منصفانہ مقصد کے لیے ہوں نیز پرخلوص اورایمان دارانہ نصیحت رائے اورعمل پر اوراپنے خاندان اورنوعِ انسانی میں دوسروں کے ساتھ حسن سلوک پراور ہرعمل اورکام پر جس کی اچھائی کی دلیل قانون سےمعلوم وثابت ہے۔

منکر کے معنی:

منکر کے معنی یہ دیئے گئے ہیں:

''معروف کے برعکس ہروہ فعل جسے صحت مند دماغ ناپسند کریں یااس کی اجازت نہ دیں،یاوہ فعل برا،خراب،قابلِ نفرت،مکروہ،فاسد،نامناسب،گندایاوحشت ناک سمجھا جائے یااسے قراردیا جائے کیونکہ اس کے بارے دماغ یہی سوچتا ہے(۶۱)۔''

امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے مرادایسی جماعت ہے جوخیروشراورنیکی وبدی کی پہچان رکھتی ہے۔اوریہ مرادنیکی سے رغبت رکھنے والے اور برائی سے نفرت کرنے والے ہوتے ہیں۔اس امر بالمعروف ونہی عن المنکر کافریضہ انجام دینے والی ایک جماعت اس معاشرے میں موجودرہتی ہے۔جیسا کہ قرآن مجید میں ارشادہوتا ہے:

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْم بَعْدِ مَاجَآءَ هُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْم﴾(۶۲)۔

ترجمہ:اورتم میں ایک جماعت ایسی ضرورہونی چاہیے جوخیر کی طرف بلایا کرے اور نیک کام کرنے کوکہا کریں اور برے کاموں سے روکا کرے اورایسے لوگ پورے کامیاب ہوں گےاورتم لوگ ان لوگوں کی طرح مت ہوجانا،جنہوں نے باہم تفریق کر دی اورباہم اختلاف کرلیاان کے پاس واضح احکام پہنچنے کے بعد۔

چنانچہ قرآن مجید میں ارشادہوتا ہے:

﴿كُنْتُم خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾(۶۳)۔

ترجمہ: تم لوگ بہترامت ہوکہ وہ لوگوں کے لیےظاہر کی گئی ہےتم لوگ نیک کاموں کاحکم دیتے ہواور بری باتوں سے روکتے ہواوراللہ تعالیٰ پرایمان رکھتے ہو۔

اس ضمن میں امام رازی نے بھی یہی فرمایا ہے:

''معروف باتوں میں سے سب سے بہتر دین حق ہےاورتوحیدونبوت پرایمان ہےاور

منکرات میں سے سب سے بری بات اللہ سے کفر کرنا ہے(۶۴)۔"
انفرادی طور پر ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ جہاں بھی برائی دیکھے اسے دور کرنے کی کوشش کرے جیسا ارشادِ نبوی ﷺ ہے:
((والذی نفسی بیَدِہ لَتأمرن بالمعروف و لتنهون عن المنكر أولَيُوشِكَنَّ الله
أن یبعث علیکم عذابا منه تَدعون فلا یُسْتَجَابُ لَکم)) (۶۵)۔
ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے تم ضرور معروف کا حکم دو اور منکر سے روکو ورنہ وہ وقت دور نہیں کہ خدائے تعالیٰ تم پر اپنا عذاب نازل فرمادے اس وقت، اس سے دعا کروگے لیکن تمہاری دعا نہیں سنی جائے گی۔
ڈاکٹر اسمٰعیل فاروقی نے حضور ﷺ کی شخصیت میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی تعریف اس طرح سے کی ہے:

"Muhammad (SAW) was not therefore merely the messenger who conveyed the message of his Lord verbatin. He concretized, particularized and specified the divine message. God had prepared Him for the task, and His people never knew a single flow in his character, hence it says in the Quran that Muhammad (SAW)'s conduct stands exellence as the example for Muslims emulation,...... ".(66)

ترجمہ: چنانچہ محمد ﷺ صرف پیغام رساں ہی نہ تھے بلکہ وآپ ﷺ نے آفاقی پیغام کو جامعیت وخصوصیت (اپنے عمل سے) دی۔ اللہ نے انہیں نبوت کی ذمہ داری کے لئے تیار کیا تھا اور آپ ﷺ کے اردگرد کے لوگوں کو بھی ۔آپ ﷺ کے کردار میں معمولی سی خامی بھی نہ ملی اس لئے قرآن کریم فرماتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ مسلمانوں کے لئے اطاعت کا بہترین نمونہ ہیں۔
جس کی دعوت دی جائے اس پر پہلے خود عمل کر کے دکھایا جائے ۔ یہ اصلاح معاشرہ کا مؤثر اور بہترین طریقہ ہے ۔فرد و معاشرہ کے لیے روشن خیالی اور سیرت سازی تشکیل معاشرہ کا نبوی ﷺ انداز بہترین نمونہ اور مثال ہے ۔

صبر و تحمل اور رواداری

صبر کے لغوی معنی روکنے اور سہارنے کے ہیں ۔اسلام نے صبر وتحمل اور رواداری پر بڑا زور دیا ہے اور یہ مومنین کی اعلیٰ صفات اور خوبیوں میں سے ایک ہے انبیاء کرامؑ نے بھی اس کا درس دیا ہے (۶۷)۔
صبر کے معنی یہ بھی ہیں ارادے میں مضبوطی دکھانا اور گھبراہٹ و پریشانی کا اظہار نہ کرنا اور سکون واطمینان کے ساتھ انتظار کرنا کہا جاتا ہے کہ فلاں نے اس معاملے میں صبر کیا، یعنی اسے برداشت کیا اور گھبراہٹ و پریشانی کا اظہار نہیں کیا ۔اصطبر کا معنی بھی صبر کرنا ہے ۔قرآن پاک میں ہے: ﴿فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ﴾ (۶۸)۔
ترجمہ: اس کی عبادت کرو اور اس کی عبادت کے سلسلے میں صبر کرو۔

مختصر الفاظ میں کسی نیک کام کے لئے صدموں، تکلیفوں اور ناگواریوں کو برداشت کرنا اور ناموافق حالات میں بھی حق اور سچائی پر مضبوطی سے جمے رہنا اور نیکی کے راستے پر چلتے رہنا صبر ہے۔قرآن کریم نے صبر کو ایک ذریعہ قوت قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد پاک ہے:﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ﴾(۶۹)۔

ترجمہ: اور صبر اور نماز کے ذریعے مدد حاصل کرو۔

تحمل کے لے فارسی میں برداشت کا لفظ ہے۔یہ لفظ ''بر'' اور ''داشت'' کا مرکب ہے۔''بر'' امور کا مطلب ہے ''بوجھ'' اور ''داشت'' کا مطلب ہے ''رکھنا'' برداشت کا لغوی مفہوم کسی بوجھ کو سنبھالنا ہوگا(۷۰)۔''

عربی میں ''تحمل'' اور ''تسامح'' بھی مشتمل ہے اور انگلش میں "Tolerence" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔اصطلاح میں اس سے مراد لوگوں کے آزادیٔ عقیدہ کے حق کا عقلی اور عملی اعتراف ہے(۷۱)۔''

رواداری کا مفہوم:

رواداری کے معنی صبر و برداشت کے ہیں۔اور مذہبی رواداری کا مطلب یہ ہے کہ مذہب سے متعلق جو افکار اور نظریات ہیں ان کا احترام کریں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿ لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ ﴾(۷۲)۔

ترجمہ: دین میں کوئی جبر نہیں۔

صبر و تحمل اور رواداری کی تعلیم:

اسلام چونکہ انسانیت کا دین ہے لہٰذا وہ انسانی معاشرے کے اندر تمام انسانوں کو اجتماعیت میں پرونا چاہتا ہے۔اور اس تناظر میں اجتماعی عدل کو اسلام کی روح قرار دیا ہے۔وہ اپنے پیروکاروں کے اندر صبر و برداشت پیدا کرنا چاہتا ہے۔قرآن حکیم نے اپنے پیروکاروں کے سب سے پہلے صبر و برداشت، رواداری اور بلند حوصلے کے حوالے سے تربیت کرتا ہے تا کہ وہ آپس میں متحد اور بھائی چارے کی فضا میں رہ کر اس خلق کو اپنے اندر اتنی وسعت دیں تا کہ آگے چل کر پورے معاشرے کے اندر اخوت کی فضا قائم کر سکیں۔یہ فطری پہلو

ہے کہ اگر کسی جماعت کے اندر رواداری، ہمدردی اور برداشت اور بھائی چارے کا ماحول قائم ہو سکے(۷۳)

اسلامی اصولوں کے مطابق تحمل، برداشت اور حلم و بردباری کی تعلیم عام ہو کیونکہ یہی اسلامی تعلیمات کا امتیازی پہلو ہے۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾(۷۴)۔

ترجمہ:اور البتہ جس نے برداشت کیا اور معاف کیا تو بے شک ہمت کے کام ہیں

انسانی تاریخ میں فتح مکہ کی رواداری، وسعت نظری، انسانی دوستی کا وہ عظیم واقعہ ہے جس کی مثال کہیں اور نہیں دکھائی

دیتی۔اسے روشن خیال اور انصاف پسند غیر مسلم مفکرین نے بھی تسلیم کیا ہے۔اور آپﷺ کی رواداری اور صلح جوئی کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے۔ایک ہندوادیب ودانشور رانا بھگوان داس اس واقعے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سرزمین مکہ دارامن اور دارالسلام قرار پائی۔ بلا شک اگر دنیا کے حکمران فاتح مکہ کے مقدس درد عالی پر عمل پیرا ہوتے تو آدم کی اولاد کے لیے یہ دنیائے ارضی بہشت بریں ہوجاتی(۷۵)۔''

حضور سید المرسلینﷺ نے فتح مکہ میں فاتحین عالم کو نیکی کا درس دے کر نوع انسان پر احسان عظیم فرمائے اور آج بھی صرف یہی طریق محمدﷺ امن عالم کا ضامن ہے(۷۶)۔

ایک مشہور سکھ دانشور اپنے جذبات کا اظہار یوں کرتے ہیں:

سبحان اللہ کیا ٹھکانہ دریائے رحمت کی اس طغیانی کا، یہ دریا امڈ آیا اور ہر غلاظت و گناہ کو بہا کر لے گیا۔رسول اللہﷺ اپنے قتل کا قصد کرنے والوں، اپنے نورچشم کے قاتلوں، اپنے چچا کو کلیجہ کھانے والوں سب ہی کو معاف کر دیا۔اور قطع معافی قتل عام دنیا کی تاریخوں میں اکثر سنتے تھے مگر قاتلوں کی معافی نہ سنی تھی(۷۷)۔

پیغمبر رحمتﷺ کی سیرت طیبہ رواداری، صبر و برداشت اور عفو درگزر سے عبارت ہے۔پیکر عفو درگزر نے اپنی زندگی کے نازک لمحات میں حجراسود کی تنصیب، سفر طائف، شعب ابو طالب، عام الحزن (غم کا سال) واقعہ ہجرت، میثاق مدینہ، غزوات النبیﷺ، صلح حدیبیہ، فتح مکہ کے مواقع پر جس عظیم رواداری کا مظاہرہ کیا، تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے غزوہ احد میں ہندہ نے حضرت حمزہؓ کو بے دردی سے شہید کروایا، لیکن رحمت عالمﷺ نے اسے بھی معاف فرما دیا۔ بقول شبلی نعمانی:

''حضرت حمزہؓ کو شہید کیا گیا اور ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور چبایا گیا لیکن گلے سے اتر نہ سکا اس لیے اگل دینا پڑا، تاریخوں میں ہندہ کا لقب جو جگر خوار لکھا جاتا ہے اسی بنا پر لکھا جاتا ہے(۷۸)۔''

ایفائے عہد:

ایفائے عہد سے مراد ہے قول وقرار کا پورا کرنا۔یعنی اگر کسی سے کوئی وعدہ کیا ہے تو اس پر مکمل طور پر عمل کرنا اور اپنی زبان کا پاس کرنا۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴾ (۷۹)۔

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ اپنے وعدوں کی خلاف ورزی نہیں کرتا

یعنی اپنے اندر خدا کے اخلاق پیدا کرنے چاہئیں چونکہ اللہ تعالیٰ خود عہد شکنی نہیں کرتا، اس لیے یہ لازم ہے کہ وعدہ کرنے کے بعد اس پر قائم رہیں(۸۰)۔

صدق:

انسان کے ہر قول اور عمل کی درستی کی بنیاد ہے کہ اس کے لئے اس کا دل اور اس کی زبان باہم ایک دوسرے کے مطابق ہوں اور ہم آہنگ ہوں اسی کا نام صدق یا سچائی ہے جو سچا نہیں اس کا دل ہر برائی کا گھر ہوسکتا ہے جو سچا ہے اس کے لئے ہر نیکی کے حصول کا راستہ آسان ہے۔ سچائی کی عادت انسان کو بہت سی برائیوں سے بچاتی ہے سچا انسان ہر برائی سے بچنے کی کوشش کرے گا، راست باز ہونے کی وجہ سے ایمان

باعمل ہوگا غرض سچائی یعنی صدق بہت سی اخلاقی خوبیوں کی اصلی بنیاد ہے قرآن مجید سے جن اخلاقی صفات کی بہت زیادہ اہمیت اور فضیلت معلوم ہوتی ہے ان میں ایک سچائی راست بازی بھی ہے۔ صدق صفات ربانی میں سے بھی سب سے بڑی صفت ہے اور یہ انبیاء کی صفت ہے (۸۱)۔

صدق کے معنی سچ بولنا۔ صادق سچے کو اور صدیق ہمیشہ سچ بولنے والے کو کہتے ہیں۔ صدق ہر قسم کی سچائی کو کہتے ہیں، خواہ اس کا تعلق زبان سے ہو، قلب سے ہو، یا عمل سے ہو۔ اسلام میں صفتِ صدق کو اخلاقیات کے اصول اور اساس میں شمار کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ سچے ہونے کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے: ﴿ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴾ (۸۲)۔

ترجمہ: اور بات میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچا کون ہے۔

حضور اکرم ﷺ صدق کے پیکر تھے۔ دعویٰ نبوت سے پہلے ہی کفار قریش میں آپ ﷺ کی صداقت مسلم تھی، ہمیں چاہیے کہ ہم صداقت کا پیکر بنیں اور اپنے قول وعمل سے یہ ثابت کر کے دکھائیں کہ کامیابی کا راز آج بھی صداقت ہی میں پوشیدہ ہے۔ بعض غیر مسلم اقوام نے چند دنیاوی امور میں سچائی کو اپنا رکھا ہے۔ اس کی بنیاد پر ہی معاشی میدان میں آگے نکل رہے ہیں۔ لہٰذا ہمیں اس بات پر یقین کرنا چاہیے کہ آخر کامیابی سچائی میں ہی ہے۔ (۸۳)۔

وہ امانتدار ہوگا۔ وعدہ ایفا کرے گا، دلیر کرے گا، دل کا صاف ہوگا، ریا کار نہیں ہوگا نہ دل میں نفاق ہوگا، دورخا (diplomatic) نہ ہوگا، بھروسہ کے قابل ہوگا لوگوں کو اس کے قول وفعل کا اعتبار ہوگا جو کہے گا اس پر عمل کرے گا۔ سچائی کا مطلب یہ نہیں کہ ہم زبان سے کچھ غلط الفاظ نہ بولیں بلکہ اس دائرہ وسیع ہے اس میں دل اور عمل کی سچائی بھی شامل ہے۔ دل کی سچائی کا مطلب کسی قسم کا نفاق، دھوکہ اور فریب کا نہ ہونا ہے یعنی سچائی اس کا نام ہے کہ زبان سے دل کی صحیح ترجمانی کی جائے اگر ایسا نہ ہو تو اسی کا نام نفاق ہے اور عمل کی سچائی کا مطلب عقیدہ، قول جو بھی ہو اس پر ظاہر و باطن میں عمل بھی ہو یعنی ظاہری اعمال باطنی اوصاف کے مطابق ہوں۔ قرآن وسنت میں صدق کو مومن اور منافق کے درمیان وجہ امتیاز قرار دیا ہے (۸۴)۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((إنّ الصدق يهدى إلى البر وان البر يهدى إلى الجنة وان الرجل ليصدق حتى

یکتب عند اللّٰہ صدیقا وإن الکذب یھدی الی الفجور ' وإن الفجوریھدی إلی النار وإن الرجل لیکذب حتی یکتب عند اللّٰہ کذابا))(۸۵)۔

ترجمہ: سچ بولنا نیکی کا راستہ بتاتا ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور آدمی سچ بولتا جاتا ہے یہاں تک کہ خدا کے ہاں صدیق لکھا جاتا ہے اور جھوٹ برائی کا راستہ بتاتا ہے اور برائی دوزخ کی طرف لے جاتی ہے۔اور ایک آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ خدا کے ہاں جھوٹا لکھا جاتا ہے۔

صدقِ عملی کی اعلیٰ قسم یہ ہے کی انسان کے ظاہر باطن یعنی اس کی زبان کا ہر حرف، دل کا ہر ارادہ، اور عمل کی ہر جنبش حق وصداقت کا پورا مظہر ہو جائے اس سے معلوم ہوتا ہے کی رسول کریم ﷺ کی تعلیم نے سچائی کی تلقین کس وسعت اور گہرائی کے ساتھ کی ہے جب زبان عمل دل میں کوئی مسلمان کامل ہوتو وہ کامل راست باز اور صادق ہے۔

رذائل اخلاق

ضرر رساں، بے حد نقصان دہ چند رزائل کو بیان کیا جار ہا ہے:

جھوٹ:

عربی میں اس رزیلت کو کذب کہا جاتا ہے اور کذب جھوٹے یا جھوٹ بولنے والے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ جھوٹ صدق یعنی سچائی کے مقابلہ پر رزیلت اور برائی ہے اس وجہ سے اسلام نے جس طرح سچائی کو تمام اچھائیوں کی بنیاد بتایا ،اسی طرح جھوٹ کو تمام برائیوں کی جڑ سمجھا ہے(۸۶)۔

سب سے بڑھ کر جھوٹ:

جھوٹ کی ایک قسم ہے کہ انسان جو کچھ سنے، بلاتحقیق اسے دوسروں تک پہنچائے۔اس لیے کہ حضور ﷺ کا ارشاد پاک ہے:((کفی بالمرء إثما أن یحدث بکل ما سمع))(۸۷)۔

ترجمہ: آدمی کے لیے یہ جھوٹ کافی ہے کہ جو سنے اسے کہتا پھرے

ظلم:

ظلم ایک سنگین جرم ہے، جس کی سزا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ہے۔قرآن مجید میں آتا ہے:

﴿فَإِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ﴾ (۸۸)۔

ترجمہ: اگر ایک جماعت دوسری جماعت پر ظلم وزیادتی کرے تو باغی اور ظالم جماعت سے لڑو اور قتل کر ڈالو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔

ایک حدیث میں آیا ہے:((اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کرلیا ہے اور تمہارے درمیان بھی اس ظلم کو

حرام کردیا ہے۔لہٰذا تم آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو))(۸۹)۔
جو شخص ظالم کی مدد کرے گا، خدا اس پر اسی ظالم کو مسلط کرے گا، قیامت کے روز تاریکی بن جائے گا۔ظلم دل کو خراب کر دیتا ہے۔مظلوم کو اس بات کی بھی اجازت ہے کہ وہ ظالمانہ کاروائیوں کا اعلانیہ بیان کرے۔اس کے دو فائدے ہیں۔ایک تو ظالم بدنامی کے ڈر سے ظلم سے رکے گا۔دوسرا اس طرح مظلوم کے ساتھ لوگوں کے دلوں میں ہمدردی پیدا ہوگی۔

تکبر:

سلف صالحین کے اخلاق میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنے اعمال پر فخر اور تکبر بالکل نہ کرے، بلکہ وہ اپنے آپ کو اعمال صالحہ پر ہی مستحق عذاب خیال کرتے جائیں کہ برائیوں کے بارے میں فرمان ہے کہ کتنے چراغ ہیں کہ جن کو ہوا گل کرتی ہے اور کتنی عبادت ہے، جس کو تکبر خراب کرتا ہے۔

ابوعبداللہ انطاکیؒ فرماتے تھے کہ

انسان کو عبادات میں سخت نقصان دینے والی وہ چیز ہے، جو بداعمالیوں کو بھلاوے اور صالحات کی یاد دلائے، جس سے وہ شخص تکبر اور غرور میں پڑ جائے گا اور آخرت میں نیکی اور ثواب سے بالکل محروم رہے گا۔حالانکہ وہ اپنے آپ کو صالحین میں شمار کرتا ہے۔حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لا یدخل الجنة من کان فی قلبه مثقال ذرة من کبر))(۹۰)۔

ترجمہ: جس شخص کے دل میں رائی برابر بھی تکبر ہوگا، وہ جنت میں نہیں جائے گا۔

اور اللہ تعالیٰ اس کی طرف دیکھے گا بھی نہیں۔تکبر سے بچنا چاہیے کیونکہ تکبر کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔

بہتان:

بہتان یہ ہے کہ جان بوجھ کر کسی بے گناہ کو مجرم ٹھہرایا جائے، یا اس کی طرف کوئی نا کردہ گناہ یا برائی منسوب کی جائے۔ یہ بھی ایک طرح کا جھوٹ ہے، بلکہ قرآن کریم نے اس کو بھی خیانت کہا ہے۔بعض بہتان ایسے ہوتے ہیں جن کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہوتا، لیکن شرارت کی راہ سے کسی بے گناہ کے سر اس لیے تھوپا جاتا ہے کہ اس کی بدنامی ہو قرآن کریم نے اس کا نام ''افک'' رکھا ہے۔

یہ دونوں باتیں جھوٹ ہونے کے علاوہ حد درجہ شرافت کے خلاف ہیں۔اور اسی لیے جو لوگ جان بوجھ کر یا بے جانے بوجھے اس بہتان باندھنے میں شریک ہو جاتے ہیں وہ بھی گناہ گار اور خیانت کار ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی نافرمانی:

ہر امتی پر یہ لازم ہے کہ وہ نیکیوں و طاعات میں اپنے نبی ﷺ کی نافرمانی نہ کرے، اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ تو اچھائیوں

کا ہی حکم دیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے سلسلہ میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں کی جائے گی، اور انبیاء علیہم السلام نافرمانی سے معصوم ومحفوظ ہوتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے امت کو یہ بتلایا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بموجب آپ ﷺ کی اطاعت مخلوق پر فرض ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس کا اجمالاً بھی حکم دیا ہے اور تفصیلاً بھی، اور آپ ﷺ نے تمام خلفاء وامراء کی اطاعت کا بھی حکم دیا ہے چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور فرمانبرداری اور بات سننے اور اطاعت کرنے کا حکم دیتا ہوں خواہ تم پر ایک حبشی غلام کو امیر کیوں نہ بنا دیا جائے))(۹۱)۔

قرآن میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِىْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِى الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَىَّ﴾(۹۲)۔

ترجمہ: اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائے جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہیں تو تُو ان کا کہنا نہ ماننا اور دنیا میں ان کے ساتھ خوبی سے بسر کیے جانا۔

گناہوں سے دور رہوئے، یا اگر ان میں سے کسی میں مبتلا بھی ہوئے تو سچی توبہ اور گزرے ہوئے کل پر ندامت کے ذریعے اپنے آپ کو پاک صاف کرلیا اور اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرتے رہے۔ارشادِ پاک ہے کہ:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾(۹۳)۔

ترجمہ: بے شک جولوگ آپ سے بیعت کررہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ ہی سے بیعت کررہے ہیں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے، سو جو کوئی عہد توڑے گا تو اس کے عہد توڑنے کا وبال اس پر پڑے گا، اور جو کوئی اس چیز کو پورا کرلے گا جس کا اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے عہد کیا تو اللہ عزوجل اسے عنقریب بڑا اجر دے گا۔

زنا:

زنا یہ بڑی برائی ہے اور اس برائی کا مشہور عربی نام "زنا" ہے، جس سے مسلمانوں کو روکا گیا ہے۔وہ باتیں جو زنا کی طرف راغب کرتی ہیں، اسلام میں ممنوع قرار دی گئی ہیں۔مثلاً کسی غیرمحرم کی طرف للچائی نظروں سے دیکھنا، تنہائی میں ملنا جلنا نامحرم عورتوں سے بے تکلف ہونا وغیرہ کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔(۹۴)۔

غصہ:

یوں تو اللہ تعالیٰ نے غصہ انسان کی فطرت میں رکھا ہے۔کوئی انسان ایسا نہیں جس کے اندر غصے کا مادہ نہ ہو۔یہی مادہ انسان کو بے شمار بلاؤں سے محفوظ رکھنے کا ایک ذریعہ ہے لہٰذا اپنے جائز دفاع کے لیے غصہ کا استعمال کرنا جائز ہے۔شریعت نے اس پر کوئی پابندی نہیں لگائی ۔غصہ اس لیے ہے کہ انسان اپنی جان،مال کا دفاع کر سکے اگر یہی غصہ قابو میں نہ ہو اس کے نتیجے میں گناہ پیدا ہوتے ہیں چنانچہ غصہ سے ہی تکبر اور عداوت پیدا ہوتی ہے۔حضور ﷺ سے کسی نے عرض کیا : یارسول اللہ ﷺ مجھے نصیحت فرمائیے۔آپ ﷺ نے فرمایا:

((لا تغضب ،فردد مراراً ،قال: لا تغضب)) (۹۵)۔

غصہ نہ کیا کر تو اس شخص نے بار بار دہرائی، آپ ﷺ نے فرمایا : غصہ نہ کیا کر۔

﴿ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ﴾ (۹۶)۔

ترجمہ:اور جب ان کو غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔

﴿وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاس﴾ (۹۷).

ترجمہ: وہ غصہ کو پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں۔

غرض کہ اگر اخلاق حسنہ پر عمل کیا جائے تو اور رزائل اخلاق سے بچا جائے تو دنیا میں امن وسکون کا راج ہو۔

یہودیت میں اخلاقیات کا تصور

اخلاقی قوانین کے سلسلے میں یہودی مذہب دو باتوں پر زور دیتا ہے یہ کہ انسان ہمیشہ اس بات کو یاد رکھے کی وہ خدا کی مخلوق ہے اور دوسری چیز کہ اس کی پیدائش وافزائش کا مقصد اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری ہے ۔اس طرح یہودیت خدا کے احکامات کا مذہب ہے جس کی بنیاد اخلاق پر قائم ہے ۔اس مذہب کی رو سے انسان مجبور نہیں خود مختار ہے چاہے نیکی کرے یا برائی۔

یہودیوں کی مقدس کتاب ''تورات'' ہے جسے بعد میں انہوں نے اپنی مرضی کے مطابق بدل ڈالا یوم سبت یعنی ہفتہ کا دن یہودیوں کے لیے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔حضرت موسیٰؑ کے احکام عشرہ Ten commandments کوہ سینا پر عطا ہوئے۔یہ یہودی مذہب کی بنیاد ہیں یہ احکام عشرہ درج ہیں:

۱۔ خدا کے سوا کسی کو معبود نہ بنانا۔

۲۔ کسی جاندار کی صورت نہ بنانا اور نہ اسے سجدہ کرنا۔

۳۔ خدا کے نام کی تعظیم کرنا بے فائدہ اس کا نام نہ لینا۔

۴۔ سبت کے دن کی تعظیم کرنا، چھ دن کام اور ساتویں دن کوئی کام نہ کرنا۔

۵۔ خون نہ بہانا۔

۶۔ ماں باپ کی عزت کرنا۔

۷۔ زنا نہ کرنا۔

۸۔ چوری نہ کرنا۔

۹۔ اپنے پڑوسی کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دینا۔

۱۰۔ اپنے پڑوسی کے مکان، بیوی، خادم، خادم، مویشی اور چیز کی طرف لالچ کی نگاہ نہ ڈالنا۔

یہ احکام عشرہ سادہ تھے اور ان پر عمل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ خدا کی وحدانیت کو قائم کیا جائے اور ایسے معاشرے کی تشکیل کی جائے جس میں انسان کی عزت اور پڑوسی کے حقوق کی حفاظت ہوتی ہو(۹۸)۔

فضائل اخلاق

☆۔ والدین کی عزت وتکریم:

اس مذہب میں اولادو والدین کے باہمی تعلقات پر مثبت زور دیا گیا ہے اولاد کے لئے ماں باپ کی فرمانبرداری لازمی قرار دی گئی۔

خروج میں لکھا ہے:

''تو اپنے باپ اور ماں کی عزت کرنا تا کہ تیری عمر اس ملک میں جو خداوند تیرا خدا تجھے دیتا ہے دراز ہو(۹۹)۔''

اسی طرح احبار میں ہے

''اور جو کوئی اپنے ماں باپ پر لعنت کرے وہ ضرور جان سے مارا جائے اس نے اپنے ماں یا باپ پر لعنت کی ہے سو اس کا خون اسی کی گردن پر ہوگا(۱۰۰)۔''

☆۔ عدل وانصاف:

''تو اپنے کنگال لوگوں کے مقدمے میں انصاف کا خون نہ کرنا' جھوٹے معاملے سے دور رہنا اور بے گناہوں اور صادقوں کو قتل نہ کرنا۔ کیونکہ میں شریر کو راست نہیں ٹھہراؤں گا(۱۰۱)۔''

''بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ' صادق کی صداقت اسی کی کے لئے ہوگی اور شریر کی شرارت شریر کے لئے (۱۰۲)۔''

''بادشاہ عدل سے اپنی مملکت کو قیام بخشتا ہے(۱۰۳)۔''

☆۔ حلم وہمدردی:

''اور تم مسافر نہ تو ستانا نہ اس پر ستم کرنا اس لئے کہ تم بھی ملک مصر میں مسافر تھے۔تم کسی بیوہ یا یتیم لڑکے کو دکھ نہ دینا اگر تم ان کو کسی طرح سے دکھ دے اور وہ مجھ سے فریاد کرے تو میں ضرور ان کی فریاد سنوں گا (۱۰۴)۔''

''اور تم خداوند اپنے خدا کی عبادت کرنا تب وہ تیری روٹی اور پانی پر برکت دینا۔اور میں تیرے بیچ سے بیماری کو دور کردوں گا اور تیرے ملک میں نہ کسی کے اسقاط ہوگا اور نہ کوئی بانجھ رہیگی اور میں تیری عمر پوری کروں گا اور میں اپنی ہیبت کو تیرے آگے آگے بھیجوں گا اور میں ان سب لوگوں کو جن کے پاس تو جائیگا شکست دوں گا اور میں ایسا کروں گا کہ تیرے سب دشمن تیرے آگے اپنی پشت پھیر دیں گے (۱۰۵)۔''

☆۔ دشمن سے حسن سلوک:

''اگر تیرے دشمن کا بیل یا گدھا تجھے بھٹکتا ہوا ملے تو ضرور اسے اس کے پاس پھیر کرلے آنا'اگر تو اپنے دشمن کے گدھے کو بوجھ کے نیچے دبا ہوا دیکھے اور اس کی مدد کرنے کو جی بھی نہ چاہتا ہو تو بھی اسے ضرور مدد دینا (۱۰۶)۔''

☆۔ احسان کرنا:

''اگر راہ چلتے اتفاقاً کسی پرندہ کا گھونسلا درخت یا زمین پر بچوں یا انڈوں سمیت تجھ کو مل جائے اور ماں بچوں یا انڈوں پر بیٹھی ہوئی ہو تو بچوں کو ماں سمیت نہ پکڑ لینا۔بچوں کو تو لے لے پر ماں کو ضرور چھوڑ دینا تا کہ تیرا بھلا ہو اور تیری عمر دراز ہو۔جب تو کوئی نیا گھر بنائے تو اپنی چھت پر منڈیر ضرور لگانا تا کہ یہ نہ ہو کہ کوئی آدمی وہاں سے گرے اور تیرے سبب سے وہ خون تیرے ہی گھر والوں پر ہو (۱۰۷)۔''

☆۔ پڑوسی سے حسن سلوک:

''تو اپنے پڑوسی کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دینا'تو اپنے پڑوسی کے گھر کا لالچ نہ کرنا۔تو اپنے پڑوسی کی بیوی کا لالچ نہ کرنا۔اور نہ اس کے غلام اور اس کے لونڈی اور اسکے بیل اس کے گدھے کا اور نہ اپنے پڑوسی کی کسی اور چیز کا لالچ کرنا (۱۰۸)۔''

☆۔ بیوی سے سلوک:

''اس واسطے مرد اپنے ماں باپ کو چھوڑے گا اور اپنی بیوی سے ملا رہے گا اور وہ ایک تن ہوں گے (۱۰۹)۔''

''خدا فرماتا ہے میں طلاق سے بیزار ہوں اور اس سے بھی جو اپنی بیوی پر ظلم کرتا ہے اسلئے رب الافواج فرماتا ہے تم اپنے نفس سے خبردار رہو تا کہ بیوفائی نہ کرو (۱۱۰)۔''

☆۔ صدقہ وخیرات کی تعلیم:

''جب تم خداوند کے شکرانے کا ذبیحہ قربانی کرو تو اسے اس طرح قربانی کرنا کہ تم مقبول ٹھہرو(۱۱۱)۔''

رذائل اخلاق

☆۔ جھوٹ:

احبار میں لکھا ہے کہ: ''نہ ایک دوسرے سے جھوٹ بولنا(۱۱۲)۔''

امثال میں جھوٹ سے نفرت کا اظہار ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ: ''صادق کو جھوٹ سے نفرت ہے(۱۱۳)۔''

ایک جگہ درج ہے کہ: ''دیانتدار گواہ جھوٹ نہیں بولتا(۱۱۴)۔''

ایک جگہ تو یہ بھی لکھا ہے کہ خدا کا نام بے فائدہ نہیں لینا چاہیے چنانچہ لکھا ہے کہ:

''تو خداوند اپنے خداوند کا نام بے فائدہ نہ لینا کیونکہ جو اس کا نام بے فائدہ لیتا ہے خداوند اسے بے فائدہ نہ ٹھہرائے گا(۱۱۵)۔''

☆۔ شراب نوشی کی ممانعت:

''تو یا تیرے بیٹے مے یا شراب پی کر کبھی خیمہ اجتماع کے اندر داخل نہ ہونا تاکہ تم مر نہ جاؤ اور یہ تمہارے لئے نسل در نسل ہمیشہ تک ایک قانون رہے گا(۱۱۶)۔''

☆۔ سود کی ممانعت:

''تو اپنے بھائی کو سود پر قرض نہ دینا خواہ وہ روپے کا سود ہو یا اناج کا سود یا کسی ایسی چیز کا سود ہو جو بیاج پر دی جاتی ہے(۱۱۷)۔''

☆۔ قتل کی ممانعت:

قتل کی ممانعت کرتے ہوئے کہا: ''تو خون نہ کرنا(۱۱۸)۔''

☆۔ چوری:

چوری جیسی بری عادت سے رکنے کی تاکید کی گئی لکھا ہے کہ: ''تو چوری نہ کرنا(۱۱۹)۔''

''اگر کوئی اپنے ہمسائے کو نقد یا جنس رکھنے کو دے اور وہ اس شخص کے گھر سے چوری ہو جائے تو اگر چور پکڑا جائے تو دونا اس کو بھرنا پڑے گا(۱۲۰)۔''

☆۔ خیانت:

''ہر قسم کی خیانت کے معاملے میں خواہ بیل کا' گدھے کا یا بھیڑ یا کپڑے یا کسی اور کھوئی ہوئی چیز کا ہو جس کی نسبت کوئی بول اٹھے کہ وہ چیز یہ ہے تو فریقین کا مقدمہ خدا کے حضور لایا جائے جسے خدا مجرم ٹھہرائے وہ اپنے ہمسایے کو دونا بھر کردے (۱۲۱)۔''

☆۔ **رشوت:**

رشوت کے بہت سے نقصانات کے متعلق ہمیں عہدنامہ قدیم سے پتہ چلتا ہے

''رشوت نہ لینا کیونکہ رشوت بیناؤں کو اندھا کر دیتی ہے (۱۲۲)۔''

''تو نہ کسی کی رو رعایت کرنا اور نہ رشوت لینا کیونکہ رشوت دانشمند کی آنکھوں کو اندھا کر دیتی ہے (۱۲۳)۔''

''پس خداوند کا خوف تم میں رہے سوخبرداری سے کام کرنا کیونکہ خداوند ہمارے خدا میں بے انصافی نہیں ہے اور نہ کسی کی رو دادی نہ رشوت خوری ہے (۱۲۴)۔''

رشوت راست بازی کے مخالف ہے جسکا ذکر ہمیں عہدنامہ قدیم سے بکثرت ملتا ہے اور یہ بہت بری خصلت ہے اسے موسوی مذہب میں ناپسندیدہ کہا گیا ہے

☆۔ **زنا کی ممانعت:**

زنا سے رکنے کا کہا گیا تو کہا: ''تو زنا نہ کرنا (۱۲۵)۔''

☆۔ **ظلم:**

ظلم انتہائی بری عادت ہے اس کی مذمت ہر مذہب میں کی گئی ہے

''پردیسی پر ظلم نہ کرنا (۱۲۶)۔''

''تا کہ تیرے ملک کے بیچ جسے خداوند تیرا خدا تجھ کو میراث میں دیتا ہے بے گناہ کا خون نہ بہایا جائے اور وہ خون یوں تیری گردن پر ہو۔لیکن اگر کوئی شخص اپنے ہمسایہ سے عداوت رکھتا ہو اس کی گھات میں لگے اور اس پر حملہ کر کے اسے ایسا مارے کہ وہ مر جائے اور وہ خود ان کے شہروں میں سے کسی میں بھاگ جائے تو اس کے شہر کے بزرگ لوگوں کو بھیج کر اسے وہاں سے پکڑ وامنگوالیں اور اس کے خون کے انتقام لینے والے کے ہاتھ میں حوالہ کریں تا کہ وہ قتل ہو تجھ کو اس پر ذرا ترس نہ آئے بلکہ تو اس طرح بے گناہ کے خون کو اسرائیل سے دفع کرنا تا کہ تیرا بھلا ہو (۱۲۷)۔''

''محتاج خادم پر ظلم نہ کرنا (۱۲۸)۔''

نیز لکھا ہے کہ:

"اپنے پڑوسی پر ظلم نہ کرنا (۱۲۹)۔"

"سنو! بنی اسرائیل کہ ہمارا خداوند ایک ہی ہے۔ "الوہیت" کے بارے میں فرمایا کہ ہم ایک باپ نہیں رکھتے؟ ہم کو صرف ایک خدا نے پیدا نہیں کیا۔ "اخوت انسانی" کے بارے میں فرمایا اور نہیں اپنے پڑوسی سے اسی طرح محبت کرنی چاہیے جس طرح تم اپنی ذات سے پیار کرتے ہو (۱۳۰)۔"

یہودیت میں دیگر اخلاقیات:

تالمود میں ربیوں کی تعلیم میں لکھا گیا ہے۔

"ایک شخص کے ساتھ کسی امید یا واپسی کی خواہش کے بغیر ہمدردی کرنا احسان اور فیض رسانی کا ایک عمل ہے اور اسے دو صورتوں میں عمل میں لایا جاسکتا ہے۔ کسی شخص پر احسان کرنا جس کی ہم مدد کرنے پر مجبور نہیں ہیں اور اپنی مشکل میں کسی شخص پر احسان کرنا اور اسے فائدہ پہنچانا جس کا وہ مستحق ہے، رحم جس کا بائبل مقدس میں ذکر کیا گیا ہے اسے آزادانہ اور خود غرضی کے بغیر کیا جاتا ہے مثال کے طور پر خدا کی فیض رسانی رحم کہلاتی ہے کیونکہ ہم خدا کے قرضدار ہیں اور وہ ہمارا مقروض نہیں۔ (۱۳۱)

خیرات فیض رسانی کی ایک قسم ہے لیکن یہ صرف غریب اور محتاج کے لئے ہوتی ہے جبکہ فیض رسانی غریب امیر اور بلند و پست مرتبے والے کے لئے لاگو ہوتی ہے۔ ہم مردے کی تجہیز و تکفین کی آخری رسومات میں شریک ہو کر فیض رسانی کر سکتے ہیں اور یہ رحم اور سچائی کہلاتی ہے۔ تین طرح سے فیض رسانی خیرات سے بہتر ہے خیرات پیسوں کے ذریعے کی جاسکتی ہے لیکن فیض رسانی پیسوں کے بغیر بھی ہوسکتی ہے۔ خیرات سے غربت کے لئے ہے لیکن فیض رسانی امیر اور غریب دونوں کے لئے ہے۔ خیرات زندوں کے لئے جبکہ فیض رسانی زندوں اور مردوں دونوں کے لئے ہے۔ تم خداوند خدا کی پیروی کروگے ہمارے لئے خدا کی پیروی کرنا کیسے ممکن ہے اس کے کردار اور تعلیمات کی پیروی کرنے سے۔ خداوند نے ننگے کو کپڑے پہنائے جیسا کہ یہ لکھا ہے:

"اور خداوند خدا نے آدم اور اس کی بیوی واسطے چمڑے کے کرتے بنا کر ان کو کپڑے پہنائے پس ہمیں اسی طرح کرنا چاہیے۔ خداوند نے بیمار کی تیمارداری کی خداوند ممرے کے بلوتوں میں نظر آیا۔۔۔ اس لئے ہمیں اسی طرح کرنا چاہیے۔ خداوند ماتم کرنے والے کو تسلی دیتا ہے اور ابراہیم کی وفات کے بعد خدا نے اس کے بیٹے اسحاق کو برکت بخشی اس لئے ہمیں اسی طرح کرنا چاہیے۔ ہمیں اپنے ساتھی کے موت کی رسومات میں شریک ہونا چاہیے۔ یہ زندوں اور مردوں کے لئے فیض رسانی کا ایک عمل ہے کیونکہ موت ماتم کرنے والوں کو آتی ہے (۱۳۲)۔"

ایک اور ربی نے کہا:

"جو اپنی استطاعت کے مطابق خیرات نہیں کرتا سزا پائے گا (۱۳۳)۔"

ربی یہوداہ نے کہا:

اگر ایک شخص اپنے مردہ رشتہ دار کے لئے بہت رونا اور ماتم کرنا ہے تو اس کا غم خدا کی مرضی کے خلاف بڑبڑاہٹ (گستاخی/ ناراضگی) کا باعث بنتا ہے۔اور جلد ہی اسے دوسری موت کے لئے بھی رونا پڑسکتا ہے۔ہمیں خدا کے کاموں میں راست ہونا چاہیے اور پورے دل سے پکارنا چاہیے کہ خداوند نے دیا اور خداوند نے لے لیا خداوند کا نام مبارک ہو۔

☆۔ مہمان نوازی اور شکرگزاری:

مہمان نوازی فیض رسانی کا دوسرا وصف ہے۔ابراہیم کے بارے میں کہا گیا کہ 'اور اس نے ایک باغ لگایا' یہ ایک باغ نہیں تھا جیسا کہ لفظ سے ہم سمجھتے ہیں بلکہ یہ ایک سرائے تھا (۱۳۴)۔

ابراہیم نے اپنے گھر کو مسافروں کے لئے کھولا اور ان کی مہمان نوازی کی۔جب اس کے مہمان ان کا شکریہ ادا کرتے تو ابراہیم انہیں جواب دیتا کہ میرا شکریہ ادا نہ کرو کیونکہ میں اس جگہ کا مالک نہیں ہوں بلکہ خدا کا شکر ادا کرو جس نے زمین اور آسمان بنائے ۔اس طرح ابراہیم نے ملحدوں کے درمیان خدا کے نام کو مشہور کیا اس لئے اس نے ہمیں مہمان نوازی کی مثال دی جس کی ہمیں پیروی کرنی چاہیے (۱۳۵)۔

ایک اور ربی نے کہا:

یہ خدا کی نظر میں بھلا ہے اگر ہم مسافروں کے ساتھ مہمان نوازی اور مہربانی سے پیش آئیں جیسے ہم صبح سویرے اس کی شریعت کا مطالعہ کرتے ہیں کیونکہ حقیقت میں قدیم زمانے سے ہی اس کی شریعت پر عمل کیا جاتا ہے۔اس نے یہ بھی کہا جو اپنے ساتھیوں سے مہربانی سے پیش آتا ہے اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

☆۔ حلم:

ہم خالق کی حلم و عاجزی کو اس کی مخلوق میں دیکھتے ہیں یعنی ہمارے آباؤ اجداد کے پاکباز شخص جو فخر سے آزاد تھے۔ ابراہیم جو پاکباز شخص تھا اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ زمین کی خاک ہے۔جب حت کے بیٹوں نے اسے "خدا کا شہزادہ" کہہ کر مخاطب کیا تو وہ ان کے سامنے نیچے تک جھک گیا۔

اسرائیل کے راہنماؤں موسیٰ اور ہارون نے پکار کر کہا کہ "ہم کیا ہیں"؟ اور حسد سے موسیٰ کو بتایا گیا کہ لشکر گاہ میں اس کے دو پیرو کار نبوت کر رہے ہیں اور اس نے حلیمی سے کہا کہ "۔۔۔کاش کہ خداوند کے سب لوگ نبی ہوتے (۱۳۶)۔"

جب داؤد نے ہیکل کی تعمیر کے لئے قیمتی سامان دیا تو اس نے حلیمی سے کہا کہ تیری ہی چیزوں میں سے ہم نے تجھے دیا ہے۔

''ہم قادر مطلق ابدی خدا سے حلم سیکھتے ہیں۔اس نے اپنے احکامات دینے کے لئے کوہ سینا چنا جو بلند پہاڑوں میں سے نہیں تھا۔اس نے موسیٰ کو بہت اونچے درخت سے نہیں بلکہ ایک جھاڑی سے پکار جب وہ ایلیا سے ہم کلام ہوا تو اس نے آندھی بھیجی' زمین لرز گئی اور اس کے بعد آگ آئی لیکن خدا نے ان کے درمیان ''ایک دبی ہوئی آواز'' میں بات کی (۱۳۷)۔''

☆۔ خدا کا خوف:

ربی حنا کے بیٹے نے کہا کہ ''وہ جو خدا کے خوف کے بغیر اس کی شریعت پر عمل کرتا ہے وہ اس کی مانند ہے جس کے پاس خزانے تھے' اندرونی دروازے کی کنجی تو ہو لیکن ان دروازوں کی کنجیاں نہ ہوں جو اس دروازے تک پہنچاتے ہیں۔

''ربی سکندر نے کہا کہ ''وہ جو دنیاوی حکمت رکھتا ہے اور خداوند کا خوف نہیں رکھتا وہ اس کی مانند ہے جو ایک گھر کی تعمیر کا منصوبہ رکھتا ہے اور صرف اس کے دروازے مکمل کرتا ہے کیونکہ جیسے داؤد' مزامیر ۱۱۱:۱۰ میں کہتا ہے کہ ''خداوند کا خوف حکمت کا آغاز ہے (۱۳۸)۔''

ربی نیکوماہ نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ خدا نے میری زندگی میں تین اصولوں کو منظم کیا۔

پہلا اصول:

میں نے کبھی اپنے سے نچلے طبقے کے لوگوں کے سامنے اپنے اعلیٰ مرتبے یا سرفرازی کا مقابلہ نہیں کیا۔

دوسرا اصول:

میں اپنے ساتھیوں کے خلاف اپنے دل میں کوئی بات رکھے ہوئے رات کو کبھی نہیں سوتا تھا بلکہ

-----یہ دعا کرتا تھا اے خداوند' ان سب کو معاف کر جنہوں نے مجھے دکھ دیا ہے۔

تیسرا اصول:

کہ میں کنجوس آدمی نہیں تھا بلکہ راست بازایوب کی مثال کے مطابق جسے دانا پیش کرتے ہیں کہ وہ خریداری کرنے کے بعد اس میں تبدیلی کرنے سے انکار کر دیتا تھا (۱۳۹)۔

☆۔ والدین کی عزت:

بائبل مقدس کے مطابق آدمی کے والدین قادر مطلق خدا کے ساتھ برابر کی عزت و تعظیم کے مستحق ہیں جیسا کہ احکام عشرہ میں ذکر ہے۔جیسا کہ ایک جگہ پر لکھا ہے:

جو کوئی اپنے باپ یا اپنی ماں پر لعنت کرے وہ ضرور جان سے مارا جائے ربیون نے کہا:

''آدمی کے تین دوست ہوتے ہیں خدا' اس کا باپ اس کی ماں۔'' خدا کہتا ہے:

''وہ جو اپنے والدین کی عزت کرتا ہے وہ میری عزت کرتا ہے جیسے میں ان کے

درمیان رہتا ہوں(۱۴۰)۔"

☆۔ خوش اخلاقی:

اباباہ نے درج ذیل اپنی بہترین نصیحت کو پیش کیا:

"۔۔۔اسے خوش اخلاق بھی ہونا چاہیےاور سب لوگوں کے درمیان شفیق باتوں کو سرانجام دینا چاہیےاسطرح کہ وہ خود بھی اپنے کاموں سے خدااور اس کی مخلوق سے محبت حاصل کرے(۱۴۱)۔"

☆۔ طہارت:

طہارت کو اسلام میں بے حد اہمیت حاصل ہے۔اگر ہم یہودی مذہب کی موجودہ تعلیمات پر بھی غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ گو کہ موسوی شریعت اپنی اصلی حالت میں موجود نہیں لیکن جس انداز میں بھی موجود ہے اس میں بھی طہارت پر زور دیا گیا ہے۔

کتاب احبار میں ہے:

"تم بنی اسرائیل کو ناپاک کرنے والی چیزوں سے ہمیشہ دور رکھنا تا کہ وہ میرے مقدس کو جوان کے درمیان ہے ناپاک کرنے کی وجہ اپنی نجاست میں ہلاک نہ ہوں(۱۴۲)۔"

عیسائیت میں اخلاقیات کا تصور

عیسائیت کی تعلیمات:

عیسائیت میں دوطرح کی تعلیمات ملتی ہیں۔ایک حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات اور دوسرے خود عیسائیت کی تعلیمات جو کہ حضرت عیسیٰؑ کی وفات کے بعد مرتب ہوئی ہیں۔

تعلیماتِ مسیح:

۱۔ توحید کی تعلیمات:

حضرت مسیحؑ نے اللہ تعالیٰ کی نسبت بیان کی ہے کہ وہ واحد یگانہ ہے۔جس کی عبادت کرنا فرض ہے۔کتاب مقدس میں لکھا ہے:

"پھر ابلیس یسوع کو اونچے پہاڑ پر لے گیا دنیا کی سب سلطنتیں، شان وشوکت اسے دکھائی اور کہا اگر تو جھک کر مجھے سجدہ کردے تو میں یہ سب کچھ تجھے دے دوں گا یسوعؑ نے اسے کہا اے شیطان دور رہ کیونکہ لکھا ہے کہ تو اپنے خداوند کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر(۱۴۳)۔"

انجیل کی یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہ لاشریک ہے اس کا کوئی ہمسر نہیں اور وہ معبودِ حقیقی ہے۔اس کے سامنے سر جھکایا ہے۔

۲۔ خدا کی تعلیمات:

حضرت عیسیٰ نے ایک ازلی بادشاہ یعنی غیر مرئی واحد خدا کی تعلیم دی ہے۔ جو اول و آخر ہے۔ جس کی ان ۔۔۔۔ سلطنتیں اس کی ازلی قدرت اور الوہیت دنیا کی چیزوں کے ذریعہ سے صاف نظر آتی ہیں۔ اس سے مخلوقات کی کوئی چیز بھی چھپی نہیں وہ قادر مطلق ہے۔ اس کے کام بڑے اور عجیب ہیں۔ وہی تمجید اور عزت اور قدرت کے لائق ہے کیونکہ اسی نے ساری چیزیں پیدا کیں۔ وہ انسانوں کا روز قیامت میں حساب لے گا خدا رحم دل ہے۔

۳۔ توبہ کی تلقین:

حضرت مسیح نے یہود کو توبہ اور استغفار کرنے کی بہت تلقین فرمائی اور کہا کہ انسان توبہ کے ذریعہ ہی اپنے گناہوں کو دھو سکتا ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر نبی اور انسان کی روحانی اور اخلاقی اصلاح کا کیمیا نسخہ توبہ ہی بتایا جاتا ہے۔ توبہ سے خدا تعالیٰ خوش ہوتا ہے توبہ سے جنت حاصل ہوتی ہے۔

۴۔ نجات اعمال پر ہے:

ہر نبی نے نجات حاصل کرنے کے لیے ایمان اور خدا اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت پر زور دیا ہے اسی اصول کی تبلیغ حضرت عیسیٰ اعمال صالح پر زور دیتے ہوئے فرمایا:

''جب تم میرے کہنے پر عمل نہیں کرتے تو کیوں مجھے خداوند کہتے ہو جو کوئی میرے پاس آتا ہے اور میری باتیں سن کر اس پر عمل کرتا ہے میں تمہیں بتاتا ہوں وہ کس مانند ہے وہ اس آدمی کی مانند ہے جس نے گھر بناتے وقت زمین گہری کھود کر چٹان پر بنیاد ڈالی جب دھار آئی تو اس کے گھر پر زور ست گری مگر اسے ہلا نہ سکی لیکن جو سن کر عمل نہیں کرتا تو وہ اس آدمی کی مانند ہے جس نے زمین پر گھر کو بے بنیاد بنا دیا جب دھار اس زور سے گری تو وہ فی الفور گر پڑا اور گھر بالکل برباد ہو گیا (۱۴۴)۔''

۵۔ راست بازی کی تعلیم:

آپ نے گناہ کو جہنم کا وسیلہ قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''اے ریاکارو اور فریسیوں تم نبیوں کے قاتلوں کے فرزند ہو اے افعی بچو، تم جہنم کی آگ سے کیونکر بچو گے۔ فرشتے بدکاروں کو اس کی بادشاہی میں سے جمع کریں گے اور ان کو آگ کی بھٹی میں ڈال دیں گے وہاں رونا اور دانت پیسنا ہوگا اس وقت راست باز لوگ اپنے باپ کی بادشاہی میں آفتاب کی مانند چمکیں گے (۱۴۵)۔''

آپ کے مطابق نجات کا دارومدار صرف ایمان، راست بازی اور احکام الٰہی کی پیروی اور گناہوں سے اجتناب پر ہے۔

۶۔ عیسائیت میں اخلاقیات:

حضرت مسیحؑ نے خدا کی محبت پر بہت زور دیا اسے بنی آدم کا باپ کہا خدا کی محبت کو بعض اچھوتی تمثیلوں کا ذریعہ بیان کیا اور یہود کو عفو درگزر کرنے کی تعلیم دی، فرماتے ہیں:

''مبارک ہیں جو دل کے قریب ہیں جو حلم ہیں، راست بازی کے بھوکے اور پیاسے ہیں جو رحم دل ہیں۔ جو پاک دل ہیں۔ جو صلح کراتے ہیں جو راست بازی کے سبب ستائے گئے(۱۴۶)۔''

حضرت عیسیٰؑ اس خلق حسنہ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول قرار دیتے ہیں جو ریا کاری اور دکھاوے سے پاک فرماتے ہیں:

''خبردار اپنی راست بازی کے کام آدمی کے سامنے دکھانے کے لیے نہ کریں نہیں تو تمہارے باپ کے پاس جو آسماں میں ہے تمہارے لیے کچھ اجر نہیں ہے۔ پس جب تو خیرات کرے تو اس کی بڑائی کریں میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ اپنا اجر پا چکے ہیں بلکہ جب تو خیرات کرے۔ تو جو تیرا دایاں ہاتھ کرتا ہے اسے تیرا بایاں ہاتھ نہ جانے تا کہ تیری خیرات پوشیدہ رہے اس صورت میں تیرا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے تجھے بدلہ دے گا(۱۴۷)۔''

مسیح علیہ السلام کی تعلیم برحق تھی انھوں نے مادہ پرستی اور شکم پروری کا رد کر کے خدا پرستی کا تصور لوگوں کے ذہنوں میں راسخ کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے توکل کی تعلیم بھی دی۔

''اور تم سن چکے ہو کہ اگلوں نے کہا کہ خون نہ کرنا اور جو کوئی خون کرے گا وہ عدالت کی سزا کے لائق ہوگا اور جو کوئی اپنے بھائی کو پاگل کہے گا وہ صدر عدالت کی اور جو کوئی احمق کہے گا، وہ آتش جہنم کا سزاوار ہوگا تم سن چکے ہو کہ تم سے کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ دانت کے بدلے دانت لیکن میں کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے دائیں گال پر طمانچہ مارے تو دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے اگر کوئی تیرا کرتہ لینا چاہے تو چوغہ بھی اسے لینے دے جو تجھ سے قرض مانگے اسے دے دے اور جو قرض چاہے اس سے منہ نہ موڑ(۱۴۸)۔''

پڑوسی کی عزت کرنے کی تعلیم:

تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ اپنے پڑوسی سے محبت رکھو اور اپنی دشمنوں سے عداوت۔ لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور ستانے والوں کے لئے دعا کرو تا کہ تم اپنے باپ کے جو آسمان میں ہے بیٹے ٹھہرو(۱۴۹)۔

غیر محرم عورت کے متعلق تعلیم:

آپ اگلے لوگوں سے سن چکے ہو کہ زنا بہت پاک ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ جو شخص پرائی عورت کی طرف بری نظر سے دیکھتا وہ دل میں زنا کا مرتکب ہو چکا اس لئے تمہاری آنکھ یا ہاتھ ایسی حرکت کرے تو اسے کاٹ کر پھینک دیں(۱۵۰)۔

بری خواہش نہ کرنا:

''جس کسی نے بری خواہش سے کسی عورت پر نگاہ کی وہ دل میں اس کے ساتھ زنا کر چکا۔ پس اگر تیری دہنی آنکھ تجھے

ٹھوکر کھلائے تو اسے نکال کر اپنے پاس سے پھینک دے کیونکہ تیرے لئے یہی بہتر ہے کہ تیرے اعضاء میں سے ایک جاتا رہے اور تیرا سارا بدن جہنم میں نہ ڈالا جائے (۱۵۱)۔"

خیرات وصدقہ کی تعلیم:

ایک دولت مند شخص حضرت مسیح علیہ السلام کے پاس آیا اور پوچھا کہ اے نیک استاد میں کون سا نیک کام کروں کہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں۔ آپ علیہ السلام نے جواب دیا "اگر تو کامل ہونا چاہے تو جا کر سب کچھ جو تیرا ہے بیچ ڈال اور محتاجوں کو دے۔ تجھے آسمان پر خزانہ ملے گا تب آ کر میرے پیچھے ہو لے (۱۵۲)۔

"مال اپنے واسطے زمین پر جمع نہ کرو۔ جہاں کیڑا خراب کرتا ہے اور جہاں چور لے جاتے ہیں بلکہ اپنا مال آسمان پر جمع کرو جہاں نہ کیڑا خراب کرتا ہے اور نہ چور چرا تا ہے (۱۵۳)۔"

رذائل اخلاق

ظلم سے پرہیز

ظلم ناپسندیدہ اخلاق میں سے ایک ہے اس سے بچنے سے موجودہ عیسائیت میں بھی منع کیا گیا ہے جیسے کے لوقا میں ہے: "نہ کسی پر ظلم کرو (۱۵۴)۔"

رحم اپنانا چاہیئے تا کہ اللہ آپ پر بھی رحم کرے اور بے انصافی سے بچنا چاہیئے جیسے کے یعقوب میں لکھا ہے۔

"جس نے رحم نہیں کیا اس کا انصاف بغیر رحم کے ہوگا رحم انصاف پر غالب آتا ہے (۱۵۵)۔"

جھوٹ

جھوٹ بہت بری عادت ہے اور جھوٹی قسم بھی نہیں کھانی چاہیے جیسا کہ ایک جگہ لکھا ہے کہ:

"ایک دوسرے سے جھوٹ نہ بولو (۱۵۶)۔ ایک جگہ نصیحت کی گئی ہے کہ: "نہ شیخی مارو نہ جھوٹ بولو (۱۵۷)۔"

جھوٹی قسم کھانے کی ممانعت کرتے تا کید کی کہ: "جھوٹی قسم نہ کھانا (۱۵۸)۔"

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تینوں الہامی مذاہب کی اخلاقی تعلیمات کتنی ملتی جلتی ہیں کاش تینوں مذاہب کے ماننے والے ان فضائل اخلاق پر عمل کریں اور رزائل سے بچیں تو معاشرے سے بہت سی بنیادی برائیوں کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔

مبحث دوم: معاملات (نکاح، طلاق، تہوار، تجارت)

معاملات

معاملات معاملہ کی جمع ہے اور عامل سے مصدر ہے۔

کاروبار، باہم مل کر کوئی کام کرنا، کام کاج، خرید و فروخت، بیع و شراء، لین دین، قول و قرار، فیصلہ، عہد و پیمان (۱۵۹)۔

مولانا وحید الزمان قاسمی لکھتے ہیں

''معاملہ سلوک اور برتاؤ کے معنی میں مستعمل ہے اور امور دنیا سے متعلق شرعی احکام ہیں جیسے بیع و شراء وغیرہ (۱۶۰)۔''

اردو دائرہ معارف اسلامیہ کا مقالہ نگار معاملات سے متعلق یوں رقمطراز ہے

''اسلام کا نظام احکام تین بنیادوں ،عقائد،عبادات،اور معاملات پر قائم ہے،معاملات میں اشیا(مال)احکام ،مناکحات،امانت ،وراثت ،عقوبات اور کفارات شامل ہیں(۱۶۱)۔''

مہذب لکھنوی معاملات کے یہ معنی بیان کرتے ہیں:

''کاروبار،کام کاج،لین دین،خرید و فروخت،سوداگری،تجارت اور بیع و شرا کے معنوں میں آتا ہے(۱۶۲)۔''

منظور نعمانی لکھتے ہیں:

''معاملات اور معاشرت کا تعلق دراصل ہماری زندگی کی ضرورتوں اور خواہشوں سے ہے اور اللہ نے یہ بڑا فضل فرمایا ہے کہ ان چیزوں کے بارے میں احکام دے کر ہمارے لئے ان کو بھی ثواب کا اور اپنی رضا اور اپنا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ بتایا ہے۔معاملات سے مراد مالی لین دین کے معاملات ہیں۔جیسے،قرض،امانت،خرید و فروخت،نوکری،اور مزدوری وغیرہ اور معاشرت سے مراد رہن سہن کا وہ برتاؤ ہے جو ان لوگوں کے ساتھ کیا جاتا ہے جن سے کسی قسم کا تعلق اور واسطہ پڑتا ہے خواہ مستقل اور دائمی واسطہ ہو یعنی ماں باپ،اولاد،میاں بیوی کا،یا پڑوسی کا،عارضی،وقتی ہو،مثلاً رفیق سفر(۱۶۳)۔''

عمومی تناظر میں معاملات کو دیکھا جائے تو اس کا دائرہ بیحد وسیع ہے اور اس سے مراد انسانوں کا آپس میں تعامل اور افراد معاشرہ کے آپس کے تعلقات ہیں۔اس سے مراد معاشرتی معاملات بھی ہیں مثلاً نکاح (جو خاندان کی بنیاد ہے) طلاق، اور تہوار (یہ بھی معاشرے کے لوگ ہی مناتے ہیں اس لئے تہوار بھی اس میں شامل ہیں) اور لین دین کے بھی جیسے تجارت

کاروبار بیع وشرا۔اسلام معاملات کے ضمن میں مکمل دین ہے اور معاملہ نکاح کا ہو یا طلاق کا،تجارت کا یا لین دین کا ان سب میں تین باتوں کا خاص خیال رکھنا از حد ضروری ہے اور وہ راست گوئی،ایفائے عہد اور امانت و دیانت۔

نکاح:

نکاح کا مادہ ن۔ک۔ح ہے (نَکَحَ یَنکِحُ) سے مصدر ،یعنی عقد از دواج، شادی بیاہ، معاملہ تزویج النکاح (۱۶۴)۔

سید قاسم محمود لکھتے ہیں:

''عربی زبان میں نکاح کے معنی میں اختلاف ہے ایک گروہ کے مطابق وطی اور عقد کے درمیان لفظاً مشترک ہے اصل معنی تزویج کے ہیں وطی مجازاً ہیں راغب اصفہانی کی اصل رائے میں عقد ہیں (۱۶۵)۔''

نکاح کی تعریف:

اصطلاحاً نکاح مرد و عورت کے درمیان شرعی اصولوں پر کیا گیا معاہدہ ہے جس کے نتیجے میں ایک دوسرے کے ساتھ جنسی تعلق جائز اور پیدا ہونے والی اولاد کا نسب شرعاً صحیح ثابت ہوتا ہے اور زوجین کے درمیان باہم دیوانی حقوق وفرائض عائد ہوجاتے ہیں (۱۶۶)۔

یہ وہ مسنون رسم جس کے منعقد ہونے پر مرد و عورت ازدواجی زندگی میں بندھ جاتے ہیں بموقع نکاح دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں علاوہ نکاح پڑھانے والے کے بطور گواہ موجود ہونا لازمی ہیں (۱۶۷)۔

نکاح کا حکم:

نکاح کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی اہلیت اور زنا میں مبتلا ہونے نہ ہونے کے اندیشوں کے اعتبار سے جو مختلف حالات پیدا ہوتے ہیں ان میں نکاح کے احکام بھی مختلف ہوجاتے ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

ا: اگر عورت کے نان ونفقہ اور دوسرے حقوق کے ادا کرنے پر مرد قادر ہے اور اسے یقین ہے کہ اگر وہ نکاح نہ کرے تو بدکاری میں مبتلا ہوجائے گا تو ایسی حالت میں نکاح کرنا فرض ہے۔

ب: اگر عورت کے نان ونفقہ اور دوسرے حقوق کے ادا کرنے پر قادر ہے اور اسے یقین تو نہیں ظن غالب ہے کہ اگر وہ نکاح نہ کرے تو بدکاری میں مبتلا ہوجائے گا تو ایسی صورت میں نکاح کرنا واجب ہوگا (۱۶۸)۔

پیغام نکاح:

نکاح کا پیغام ایسی خاتون کو دینا جائز ہے جس کے ساتھ اس شخص کا نکاح ہونا فی الحال جائز ہو۔اس لئے مرد وعورت میں دائمی یا عارضی حرمت ہو اس کو نکاح کا پیغام دینا جائز نہیں(۱۶۹)۔

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان فرمایا۔زمانہ جاہلیت میں نکاح (یعنی مرد وعورت کے جوڑ ملاپ اور اس سے پیدا ہونے والی اولاد سے متعلق) چار طریقے رائج تھے۔

ان میں سے ایک طریقہ تو وہ تھا جو (اصولی طور پر) آج بھی رواج میں ہے کہ ایک آدمی کیطرف سے دوسرے آدمی کو اس کی بیٹی یا اس کی زیرِ ولایت لڑکی کے لئے نکاح کا پیام دیا جاتا ہے۔پھر وہ مناسب مہر مقرر کرکے اس لڑکی کا نکاح اس آدمی سے کر دیتا ہے۔

دوسرا طریقہ یہ تھا کہ کسی آدمی کی بیوی جب حیض سے پاک ہوتی تو وہ (کسی بڑی شان والے آدمی کے بارے میں) خود اپنی بیوی سے کہہ دیتا کہ تو اس آدمی کو بلا کر اس سے نیوگ کرے۔اور پھر وہ شوہر اپنی بیوی سے خود اس وقت تک الگ رہتا جب تک کہ اس دوسرے آدمی سے حمل قرار پائے۔پھر جب اس حمل کے آثار ظاہر ہو جائے تو اس کے بعد یہ شوہر حسبِ خواہش اپنی بیوی سے صحبت کرتا۔اور یہ سب کچھ اس غرض سے کرتا کہ لڑکا نجیب پیدا ہو۔اور اس طریقہ کو نکاح استبضاع کہا جاتا تھا(۱۷۰)۔

تیسرا طریقہ یہ تھا کہ چند آدمیوں کی ٹولی ایک عورت کے پاس پہنچتی اور ان میں سے ہر ایک اس سے باہمی رضامندی سے صحبت کرتا پھر اگر وہ عورت حاملہ ہو جاتی اور بچہ پیدا ہوتا تو وہ ان سب آدمیوں کو بلواتی اور کسی کیلئے بھی اس کی گنجائش نہ ہوتی کہ وہ نہ آئے اس لئے سب ہی پہنچ جاتے اور پھر وہ ان میں سے جس کو چاہتی نامزد کرکے کہتی اے فلاں یہ تیرا لڑکا ہے۔پھر وہ لڑکا اس کا مان لیا جاتا۔وہ آدمی انکار نہیں کر سکتا تھا(۱۷۱)۔

چوتھا طریقہ یہ تھا کہ ایک عورت سے بہت سے لوگوں کا جنسی تعلق ہوتا۔یہ پیشہ ور ہوتی تھیں۔ان کے گھروں کے دروازوں پر بطور علامت ایک نشان نصب ہوتا تھا جو کوئی بھی چاہتا اس کے پاس پہنچ جاتا۔تو جب ان سے کسی کو حمل رہ جاتا۔پھر بچہ پیدا ہوتا تو اس سے تعلق رکھنے والے یہ سب لوگ جمع ہو جاتے۔اور قیافہ شناسی کے ماہرین بلائے جاتے پھر وہ (اپنی قیافہ شناسی سے) اس بچہ کو جس کے نطفہ سے سمجھتے اس کا لڑکا قرار دیتے۔اور وہ اس سے چپک جاتا اور اسی کا بیٹا کہا جاتا وہ اس سے انکار نہیں کر سکتا تھا(۱۷۲)۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے زمانہ جاہلیت کے یہ سب طریقے بیان کرنے کے بعد فرمایا پھر جب حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دینِ حق کے ساتھ مبعوث ہوئے تو آپ ﷺ نے جاہلیت کے ان سب شرمناک اور حیا سوز مروج طریقوں کو یکسر مٹا دیا اور نکاح اور شادی کا بس وہی (پاکیزہ) طریقہ رہ گیا جو اب تک جاری ہے(۱۷۳)۔

قرآن وحدیث کی رو سے نکاح کی مذہبی وسماجی اہمیت:

نکاح کے اغراض ومقاصد:

عقدِ نکاح کا مقصد نسلِ انسانی کی بقاء عفت وعصمت باہمی الفت وموانست اور سکون کا حصول ہے۔

نکاح کی حیثیت:

نکاح کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں دیئے گئے حکم کی تعمیل ہے نیز بقاء نسل انسانی اور حصول عفت وعصمت کا ذریعہ ہے۔جس کی وجہ سے انسان حرام کے ارتکاب سے محفوظ رہتا ہے۔اس لئے شرعاً نکاح محض ''دیوانی معاہدہ'' نہیں بلکہ عبادت بھی ہے۔

قرآن مجید اور احادیث مبارکہ دونوں میں نکاح کی مذہبی اور سماجی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے اور اسے نسل انسانی کی بقا' ترقی اور مدنی زندگی کے استحکام کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے۔مرد وعورت کے اس فطری' قانونی اور جائز ملاپ سے دنیا میں انسانوں کی نسل کا آغاز ہوا۔

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّ نِسَآءً﴾ (۱۷۴)۔

ترجمہ: لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا۔اس سے اس کا جوڑا بنایا۔پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد وعورت پیدا کرکے روئے زمین پر پھیلا دیئے۔

قرآن مجید میں مرد کے لئے بیوی کا ہونا اور بیوی کے لئے مرد کا ہونا اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں شمار کیا گیا ہے۔

﴿ وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَ جَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴾(۱۷۵).

ترجمہ:اور اسی کی نشانات میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس عورتیں پیدا کیں تا کہ ان کی طرف مائل ہوکر آرام حاصل کرو۔اور تم میں محبت اور مہربانی پیدا کردی۔جولوگ غور کرتے ہیں ان کے لئے ان باتوں میں بہت سی نشانیاں ہیں

-

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا جوڑا پیدا کیا ہے۔

﴿ سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ مِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ ﴾(۱۷۶)۔

ترجمہ: وہ خدا پاک ہے جس نے زمین کی نباتات کے اور خود ان کے اور جن چیزوں کی ان کو خبر نہیں سب

کے جوڑے بنائے۔

گویا نکاح کا عمل ''قانون فطرت'' کے عین مطابق اور فطری تقاضوں کو ملحوظ رکھنے کا بہترین ذریعہ ہے۔قرآن مجید میں نکاح کا مقصد معاشرے اور افرادِ معاشرہ میں تسکین جذبات کے ساتھ ذہنی اور فکری پاکیزگی پیدا کرنا ہے، محض شہوت رانی نہیں۔

قرآن مجید میں نکاح کا حکم بصیغہ امر مذکور ہے۔ارشاد ہے:

﴿ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ ﴾ (۱۷۷)۔

ترجمہ: یعنی پس تم نکاح کروان عورتوں سے جو تمہیں پسند ہوں۔

خاندانوں کے استحکام اور معاشرے کی بقا کا بنیادی ذریعہ قرار دیتے ہوئے ہر مسلمان کو اس کے ذریعے اپنا گھر آباد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے نکاح کی اہمیت واضح کرتے ہوئے اسے اپنی سنت قرار دیا اور اس کے تارک کو وعید سنائی کہ وہ ہم میں سے نہیں۔

((مَنْ رَغَبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ))(۱۷۸)۔

ترجمہ: جس نے میرے طریق سے کنارہ کشی کی وہ مجھ سے نہیں۔

انہی روایات کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ جذبات میں ہیجانی کیفیت اور نکاح کی قدرت ہونے پر نکاح فرض، بدکاری میں ہونے کے اندیشے پر واجب اور حالت اعتدال میں نکاح سنت مؤکدہ ہے (۱۷۹)۔

نکاح کا مسنون طریقہ:

نکاح کا پیغام بھیجنے سے پہلے فریقین یا ان کے اعزہ کو ایک دوسرے کے حالات، عادات اور حسب ونسب وغیرہ کی خوب تحقیق کر لینا چاہیے۔احادیث میں عورت کے دینی رجحان کو بالخصوص زیادہ ملحوظ رکھنے کی ہدایت ملتی ہے۔اس موقع پر مرد وعورت کا ایک دوسرے کو دیکھنا بھی جائز قرار دیا گیا ہے۔مزید اطمینان کرنے کے لئے استخارہ کرنا بھی مسنون ہے (۱۸۰)۔

جب کوئی مرد کسی عورت کو پیغام نکاح بھیجے یا برعکس صورت ہو تو اس پیغام کا جواب ملنے تک کسی تیسرے شخص کا اس گھر میں پیغام بھیجنا منع ہے۔پیغام قبول ہونے کی صورت میں دونوں کی رضامندی سے نکاح کے لئے دن کی تعیین کی جانی چاہیے۔مستحب یہ ہے کہ نکاح جمعہ کے دن مسجد میں (سادگی کے ساتھ) کیا جائے۔

مجلس نکاح میں اگر غیر لوگ ہوں تو دلہن کو شریک مجلس نہ کیا جائے، بلکہ اس کا ولی یا عاقلہ بالغہ ہونے کی صورت میں اس کا بااختیار وکیل اس کی نیابت کے فرائض انجام دے۔اس موقع پر بالغ دلہن کی رضامندی بھی ضروری ہے۔دلہن کا ولی یا

وکیل یا اس کی اجازت سے کوئی تیسرا شخص نکاح کا خطبہ مسنونہ پڑھے، جس کا سننا ہر سامع پر واجب ہے۔

بعد ازاں وہ دو نامزد کردہ گواہوں کی موجودگی میں دولہا سے ایجاب وقبول کرائے۔ یہ ایجاب وقبول بصیغہ ماضی ہونا چاہیے یا ایک ماضی اور دوسرا مستقبل یا ایک امر اور دوسرا مستقبل۔ ایجاب وقبول کے موقع پر دلہا کے سامنے دلہن کا اور اس کے والد کا نام اس طرح لیا جائے کہ تمام حاضرین سمجھ جائیں کہ کس خاتون سے دلہا کا نکاح ہورہا ہے۔ اس موقع پر مہر کی تعیین بھی ضروری ہے جو ہر شخص کی اپنی اپنی استطاعت کے مطابق ہونا چاہیے۔ بعد ازاں دعا کی جائے اور کوئی میٹھی چیز حاضرین میں تقسیم کی جائے اور پھر عاقدین کے اعزہ کو مبارکباد دی جائے۔ شب زفاف گزارنے کے بعد مستحب ہے کہ دولہا اپنے دوست احباب اور اعزہ واقارب کو دعوت ولیمہ کھلائے۔ اس کا کھانا اور کھلانا دونوں باعث ثواب ہیں (۱۸۱)۔

مہر:

نکاح کے ساتھ سب سے پہلی چیز جو وابستہ ہے وہ مہر ہے۔ مہر وہ رقم یا چیز ہے، جو مرد اپنی منکوحہ کو بلاوجہ کسی معاوضہ کے بطور ہدیہ دیتا ہے۔ فرمایا:

﴿وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً﴾ (۱۸۲)۔

ترجمہ: اور عورتوں کے مہر خوش دلی سے بلا کسی معاوضہ کے انہیں دے دو۔

قرآن کریم نے مہر کے لیے لفظ نحلۃ استعمال کر کے اس کی حقیقت واضح کر دی کہ یہ خاوند کی طرف سے بیوی کو تحفہ بے بدل ہے۔ یہ عورت کی قیمت نہیں کہ اس کا باپ وصول کر لے جیسا کہ جاہلیت میں رواج تھا۔ ولی اس رقم کو بالواسطہ یا بلا واسطہ کسی شکل میں بھی اپنے لیے وصول نہیں کرسکتا۔ مثلاً اسلامی شریعت میں نکاح شغار کی اجازت نہیں۔

یہ ضروری نہیں کہ مہر نقد روپیہ ہی کی صورت میں ہو۔ شارع نے اس پر اصرار فرمایا ہے کہ مہر ضرور ہونا چاہیے تاکہ عورت کو اپنی اہمیت اور برتری کا احساس ہو اور مرد کو بھی بیوی کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو لیکن اگر مرد کے پاس مال نہیں تو وہ کسی اور صورت میں عورت کو فائدہ پہنچا کر اس کی کمی پوری کرسکتا ہے۔ مثلاً لونڈی کو آزاد کر کے اس کے ساتھ نکاح کیا جائے تو اس کی آزادی ہی گویا اس کا مہر ہے۔

آپ ﷺ نے ایک صحابی کا نکاح ایک عورت سے اس شرط پر فرما دیا کہ وہ شخص اپنی بیوی کو قرآن کریم کی چند سورتیں یاد کرائے جو خود اسے حفظ تھیں اور یہ تعلیم اس کا مہر تصور کی گئی۔ چنانچہ ارشاد رسول ﷺ ہے

((....قال: هل عندک من شيء؟ قال: لا، قال: اذهب فاطلب ولو خاتماً من حديد، ....ثمّ جاءَ فقال: ما وجدت شيئاً ...قال: هل معک من القرآن شيء؟ قال: معي سورة کذا و سورة کذا، قال: اذهب فقد

انکحتکها بما معک من القرآن))(۱۸۳)۔

ترجمہ: آپ ﷺ نے فرمایا کیا تمہارے پاس (اس کو دینے کے لئے) کچھ ہے؟ عرض کیا نہیں۔ فرمایا جاؤ اور اگر ایک لوہے کا انگوٹھا بھی ملے تو لے آؤ۔ پھر آکر عرض کیا کہ یہ بھی نہیں۔ فرمایا کیا تمہیں قرآن سے کچھ یاد ہے؟ عرض کیا ہاں فلاں فلاں سورۃ یاد ہے فرمایا جاؤ تمہارے پاس جو قرآن ہے میں نے اس کا نکاح تیرے ساتھ قرآن کے ان سورتوں کے بدلے میں کیا۔

مہر کی عدم ادائیگی کے گناہ سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے کہ مہر کی رقم اتنی ہی مقرر ہو جسے خاوند آسانی سے ادا کر سکے۔ رسول کریم ﷺ کا طریق اس سے واضح ہوتا ہے اس سلسلے میں عمر بن خطاب ؓ کہتے ہیں کہ:

''ألا لا تغالوا صدقة النساء، فانها لو کانت مکرمةً فی الدنیا او تقوی عند اللّٰه، لکان أولا کم بها نبیّ اللّٰه ﷺ. ما علمت رسول اللّٰه ﷺ نکح شیئاً من نسائه، ولا أنکح شیئاً من بناته علی اکثر من ثنتی عشرة أوقیه(۱۸۴)۔''

ترجمہ: خبردار: عورتوں کا مہر زیادہ نہ باندھو، اگر زیادہ مہر باندھنا دنیا میں عظمت کا سبب اور اللہ کے ہاں تقوی کا باعث ہوتا تو اللہ کے نبی ﷺ اسکے زیادہ حقدار تھے۔ اور مجھے معلوم نہیں کہ رسول ﷺ نے اپنی کسی بیوی اور بیٹی کا مہر بارہ اوقیہ سے زیادہ رکھا ہو۔

لیکن اس سے یہ نہ خیال کیا جائے کہ جب تک مہر کی رقم ادا نہ کی جائے رخصتی نہیں ہوسکتی یا خلوت صحیحہ کی اجازت نہیں بلکہ شریعت نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ اگر خاوند کے لیے یک مشت یا عین نکاح کے وقت مہر کی ادائیگی ممکن نہ ہو تو اس رقم کو بعد میں بالاقساط اپنی زندگی میں ادا کر سکتا ہے یہ ایک قرض ہے جو بہر حال مرد کو ادا کرنا پڑے گا اور اگر وہ اسے ادا کرنے سے پہلے وفات پا جائے تو تقسیم جائیداد سے پہلے دوسرے قرضوں کی طرح یہ بھی ادا کرنا پڑے گا۔

مہر، عورت کی ملکیت ہے اور اس پر کسی دوسرے کا حق نہیں، وہ اسے اپنی مرضی کے مطابق خرچ کر سکتی ہے اور اس سے متعلق وہ جس طرح چاہے وصیت کردے۔ قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے کہ مہر مقرر کیے بغیر نکاح ہوسکتا ہے اور اس کا عدم تقرر نکاح کو باطل نہیں کر دیتا البتہ خلوت صحیحہ سے پہلے اس کی ادائیگی یا کم از کم تقرر لازمی ہے۔

﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَالَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً.﴾(۱۸۵)۔

ترجمہ: اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں، اگر تم عورتوں کو طلاق دے دو بحالیکہ نہ تم نے انہیں ہاتھ لگایا ہو نہ ان کے لیے جو کچھ مہر مقرر کرنا تھا مقرر کیا ہو۔

پس معلوم ہوا کہ نکاح، مہر مقرر کرنے کے بغیر بھی ہوسکتا ہے ورنہ طلاق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ طلاق تو اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب شرعی طور پر مرد اور عورت رشتہ نکاح میں منسلک ہو چکے ہوں۔ لیکن اس سے اگلی آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ

خلوت سے پہلے کم از کم مہر مقرر ہونا چاہیے۔

﴿وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً﴾(۱۸۶)۔

ترجمہ: اور اگر ایسی صورت پیش آئے کہ تم انہیں چھونے سے پہلے طلاق دے دو اور جو کچھ مہر مقرر کرنا تھا، وہ کر چکے ہو۔

پہلے یہ کہہ کر نہ تم نے انہیں ہاتھ لگایا ہو اور نہ ان کا مہر ہی مقرر کیا ہو، بتا دیا کہ جب تک تم نے انہیں چھوا نہیں، طلاق میں کوئی حرج نہیں، اگر مہر بھی مقرر نہیں کیا گیا لیکن معاہدہ میں یہ کہہ کر اگر چھونے سے قبل مہر مقرر ہو چکا ہو، ظاہر کیا کہ مباشرت سے پہلے تو مہر ضرور مقرر ہوگا۔ البتہ مہر کے بعد کوئی ایسی بات ہو جائے کہ تم اسے طلاق دینا چاہو تو ایسا کر سکتے ہو۔

مہر کی مقدار خاوند کی حیثیت کے مطابق ہوگی۔ یہ قنطار یعنی سونے کا ڈھیر بھی ہو سکتا ہے(۱۸۷)۔ لیکن یہ نہیں ہونا چاہیے کہ محض دکھاوے کے لیے ایک بڑی رقم مقرر کر دی جائے، جو خاوند کی طاقت سے زیادہ ہو اور جس کی ادئیگی سے وہ قاصر ہو۔ ہاں اسے اتنا کم بھی نہیں ہونا چاہیے کہ اس کی کوئی وقعت بھی نہ رہے یہ بہر حال خاوند کی دنیوی اور مالی حالت کے مطابق مقرر کیا جائے گا اور اس پر کوئی حد مقرر نہیں کی جا سکتی۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپؓ نے خطبہ میں فرمایا:

"اے لوگو! حضرت رسول کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب نے اپنے نکاحوں میں کبھی چالیس اوقیہ چار سو درہم سے زیادہ مقرر نہیں کیا بلکہ یہ اس سے کم ہی ہوتا تھا اس لیے اگر تم میں سے کوئی شخص اس سے زیادہ مہر مقرر کرے گا تو میں اسے تسلیم نہیں کروں گا اور زائد رقم بیت المال میں داخل کر دوں گا۔" اس پر حاضرین میں سے ایک عورت نے آپؓ کو ٹوکا اور کہا:

"اے امیر المؤمنین! آپؓ ہمیں وہ چیز دینے سے انکار کرتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ ہمیں دیتا ہے" اور یہ آیت پڑھی:

﴿وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا﴾ (۱۸۸)۔

ترجمہ: اور اگر تم ان میں سے کسی کو سونے کا ڈھیر مہر میں دے چکے ہو۔

اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ:

"مدینہ کی عورتیں بھی عمر سے زیادہ فقیہہ ہیں (۱۸۹)۔"

مہر کی جو رقم نکاح کے وقت مقرر کی جائے اس میں باہمی رضامندی سے بعد میں کمی کی جا سکتی ہے۔

﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ﴾ (۱۹۰)۔

ترجمہ: اگر عورتیں اپنی خوشی سے مہر کا کچھ حصہ تمہیں دے دیں تو تم اسے بے فکر ہو کر مزے سے کھاؤ۔

چونکہ مہر کی رقم، عورت کی خود اس کی ذاتی ملکیت ہے، جس میں اس کا کوئی شریک نہیں، اس لیے اسے پورا پورا اختیار حاصل ہے کہ اسے جس طرح چاہے خرچ کرے۔ چاہے تو وہ یہ پورے کا پورا یا اس کا کچھ حصہ خاوند کو واپس دے دے اور اس

امر سے کوئی اسے منع نہیں کرسکتا۔

جب وہ خلع یعنی مرد سے علیحدگی کی خواہش مند ہو۔طلاق کا بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿لا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَأْخُذُواْ مِمَّا اٰتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئاً إِلاَّ أَن يَخَافَا أَلاَّ يُقِيمَا حُدُودَ اللّهِ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلاَّ يُقِيمَا حُدُودَ اللّهِ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ﴾ (۱۹۱)۔

ترجمہ: تمہارے لیے جائز نہیں کہ جو کچھ تم اپنی بیویوں کو دے چکے ہو (طلاق دیتے وقت) اس میں سے کچھ واپس لو۔ہاں،اگر شوہر اور بیوی کواندیشہ ہو کہ ان سے اللہ تعالیٰ کے ٹھہرائے ہوئے حقوق ادا نہیں ہوسکیں گے،تو اگر تم دیکھو کہ واقعی ایسی صورت ہے کہ اندیشہ ہے کہ خدا کے ٹھہرائے ہوئے واجبات وحقوق ادا نہ ہوسکیں گے تو پھر دونوں پر کوئی گناہ نہیں اگر بیوی (آزادی حاصل کرنے کیلئے) بطور معاوضہ (اپنے مہر میں سے) کچھ دے دے۔

محرمات نکاح:

چند موانع کی بنا پر بعض عورتوں سے نکاح حرام اور قطعی نا جائز ہے۔چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَ اَخَوَاتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَ خَالٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَ خِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوَاتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَ حَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُم وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّ اللهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾ (۱۹۲)۔

ترجمہ: تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور وہ مائیں جنھوں نے تم کو دودھ پلایا ہو اور رضاعی بہنیں اور ساسیں حرام کردی گئی ہیں اور جن عورتوں سے تم مباشرت کرچکے ہو ان کی لڑکیاں جنہیں تم پرورش کرتے ہو ہاں اگر ان کے ساتھ تم نے مباشرت نہ کی ہو تو تم پر کچھ گناہ نہیں اور تمہارے صلبی بیٹوں کی عورتیں بھی اور دو بہنوں کا اکٹھا کرنا بھی حرام ہے مگر جو ہو چکا سو ہو چکا۔

ایسی عورتوں کو فقہ میں ''محرمات'' کہا جاتا ہے۔ان موانع میں

☆۔ پہلی قسم موانع نسبیہ ہے۔جس کے مطابق ماؤں،بیٹیوں،پھوپھیوں،خالاؤں،بھتیجیوں اور بھانجیوں وغیرہ سے خواہ وہ کتنی ہی پشت پہلے کی یا بعد کی ہوں،نکاح حرام اور نا جائز ہے۔

☆۔ دوسری قسم موانع رضاعیہ ہے،جس کے تحت رضاعی ماں،بہن،بیٹی وغیرہ سے نکاح نا جائز ہے۔

☆۔ تیسری قسم موانع ازدواجی کی ہے، جس سے بیوی (مدخولہ) کی بیٹی یا باپ کی منکوحہ وغیرہ سے نکاح کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔

☆۔ موانع کی ایک اور قسم موانع سببیہ کی ہے، جس سے دوران عدت میں یا کسی کی منکوحہ یا پانچویں شادی، ایک ساتھ دو بہنوں یا کوئی ایسی دو رشتے دار خواتین کو کہ اگر ان میں ایک کو مرد اور دوسری کو عورت فرض کیا جائے تو ان کا باہم نکاح ناجائز ہو، نکاح میں جمع کرنے کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔(۱۹۳)

نکاح کے ارکان اور شرائط:

نکاح کے دو ارکان ہیں: ایک ایجاب اور دوسرا قبول۔ تاہم ان کا باہم مربوط ہونا کہ ایک ہی مجلس میں پایا جائے ضروری ہے۔اس کے علاوہ بعض اشیا صحت نکاح کے لئے ضروری ہیں۔جنہیں نکاح کی شرائط کہا جاتا ہے۔شرائط نکاح میں دو گواہوں کی موجودگی، عورت کا نامحرم ہونا، نابالغ اور دیوانہ ہونے کی صورت میں اس کے ولی کی اجازت، کفو سے باہر نکاح کرنے کی صورت میں کنواری لڑکی کے ولی کی اجازت، اگر نکاح ولی کر رہا تو اس کا عاقل بالغ ہونا، مہر کی تعیین اور نکاح کو کسی مدت کے ساتھ محدود نہ کرنا (۱۹۴)۔

تعدد ازدواج:

اسلام میں مرد کو چار شادیوں کی اجازت ہے، مگر یہ اجازت ''عدل'' کے ساتھ مشروط ہے۔اگر آدمی کو یہ خطرہ لاحق ہو کہ ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کی صورت میں وہ ازواج کے حقوق کی ادائیگی میں تقصیر کا مرتکب ہوگا تو ایسی صورت میں اس کے لئے ایک پر اکتفا کرنا مستحسن ہے۔

﴿ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُم ﴾(۱۹۵)۔

ترجمہ: جو عورتیں تم کو پسند ہوں دو دو، تین تین، چار چار ان سے نکاح کر لو اور اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ یکساں سلوک نہ کر سکو تو ایک عورت یا لونڈی جس کے تم مالک ہو اس سے تم بے انصافی سے بچ سکو گے۔

اسلام میں ایک صحیح نکاح کے ذریعے مرد و عورت کے درمیان دائمی رشتہ زوجیت قائم ہو جاتا ہے اور مرد عورت کو اپنے گھر میں رہنے کا پابند کر سکتا ہے۔علاوہ ازیں وہ اس سے جسمانی مقاربت کا اور شریعت کے احکام کے تحت اس سے دیگر قسم کے فوائد کے حصول کا حق رکھتا ہے۔دوسری طرف بیوی اپنے خاوند سے اپنے لباس، کھانے پینے اور قیام و رہائش (بقدر استطاعت) کے حقوق کا حق رکھتی ہے نیز وہ اپنے مہر اپنے مہر کی فوری یا مؤخر وصولی کی بھی حقدار ہو جاتی ہے۔نیز نکاح سے حرمت مصاہرت، تولید نسل، ثبوت نسب اولاد اور اولاد کا حق وراثت فیما بین الزوجین بھی ثابت ہو جاتا ہے۔(۱۹۶)۔

نکاح کے ذریعے عورت مرد کی اور مرد عورت کی تمام جائیداد کا مالک نہیں بن جاتا' بلکہ ان کی مملوکہ اشیا نکاح کے باوجود الگ الگ رہ سکتی ہیں' تاہم عورت مرد کی ملکیت میں سے بقدر استطاعت نان ونفقہ کا مطالبہ کر سکتی ہے اور اگر مرد اس پر قادر نہ ہوتو یہ عدم قدرت فسخ نکاح بذریعہ عدالت کا ایک قابل قبول محرک ثابت ہوسکتی ہے۔

حسن معاشرت:

مرد وعورت نکاح کے ذریعے دائمی رفاقت کا عہد کر کے زندگی کا ایک نیا سفر شروع کرتے ہیں۔اسی لئے اس سفر میں انہیں ایک دوسرے کی مدد' تعاون اور سہارے کی ضرورت ہوتی ہے' چنانچہ قرآن وحدیث میں انہیں ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک اور خوش اسلوبی سے گزر بسر کرنے کی تاکید گئی ہے۔سورۃ النساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾(۱۹۷)۔

ترجمہ: اورتم ان (بیویوں) کے ساتھ اچھی طرح سے رہو' اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس میں کوئی بڑی بھلائی پیدا کردے''۔

نیز فرمایا:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًااِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا﴾(۱۹۸)

ترجمہ: مرد عورتوں پر حاکم ہیں' اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس لئے بھی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں تو جو نیک بیبیاں ہیں وہ اطاعت کرنے والی ہیں اور پیٹھ پیچھے اللہ کی حفاظت کرتی ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے بھی متعدد موقعوں پر عورتوں سے حسن سلوک کی تاکید فرمائی۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((خیر کم خیر کم لأهله وأنا خیر کم لأهلی))(۱۹۹)۔

ترجمہ: تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی کے حق میں اچھا ہے اور میں تم میں سے سب سے زیادہ اپنے اہل کے لئے بہتر ہوں

ارشاد نبوی ہے:

((یا معشر الشباب من استطاع منکم الباء ۃ فلیتزوج فانه اغض للبصر

واحصن للفرج)) (۲۰۰)۔

ترجمہ: نوجوانو! تم میں جو نکاح اور اس کے حقوق ادا کرنے پر قادر ہو اسے نکاح کر لینا چاہیے کہ اس سے نگاہ حیا مند اور شرمگاہ محفوظ ہو جاتی ہے۔

نکاح اور اخوت:

قدرت نے ازدواج کو نہ صرف توالد و تناسل اور انساب کی حفاظت کا ذریعہ بنایا ہے بلکہ اس تعلق سے جو اتحاد و اتفاق اور الفت و محبت پیدا ہوتی ہے، اس کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ لڑکا کہیں کا ہوتا ہے اور لڑکی کہیں کی ہوتی ہیں۔ اس قدر اجنبیت کے باوجود نکاح کا رشتہ ان دونوں میں قائم ہوتے ہی ساری اجنبیت اور ان کا بغض ختم ہو جاتا ہے۔ ان دونوں کے دلوں میں قدرت طور پر الفت و محبت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ انس و محبت کچھ وقتی نہیں ہوتی بلکہ جوں جوں زندگی کے ایام گزرتے جاتے ہیں اس میں کمی کی بجائے برابر اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں اسی الفت و محبت کی تعبیر اس طرح ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ﴾ (۲۰۱)۔

ترجمہ: اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے جی سے تمہارا جوڑا بنایا کہ تم ان سے جی ٹھنڈا کرو اور تمہارے درمیان پیار و دلداری کے جوت جگا دیئے۔

قرآن و حدیث کی تشریحات سے اس بات کا واضح طور پر اندازہ ہوتا ہے کہ دنیا میں کوئی بھی ایسا ذریعہ اور نہ ہی نکاح کے علاوہ کوئی ایسا طریقہ ہے، جس کی وجہ سے طویل مدت کی اجنبیت ختم ہو کر الفت و محبت کا اٹوٹ سلسلہ قائم ہو جائے۔ بلکہ اگر وسعت نظر سے کام لیا جائے تو نکاح کے اندر پورے نظام کائنات کو چلانے اور انسانی زندگی میں اتحاد و اتفاق، اخوت و بھائی چارگی، دوستی و صلہ رحمی کا بہت بڑا فلسفہ نظر آتا ہے، نکاح کے حقائق پر غور کرنے کے بعد ہر انسان اس بات کو سوچنے پر مجبور ہوتا ہے کہ قدرت نے ہر انسان کے دل میں ایک دوسرے کی محبت و انسیت کی بھرپور صلاحیت رکھی ہے۔

نکاح کی حکمتیں:

حقیقت یہ ہے کہ اگر عورت اور مرد کو ایک رشتہ میں منسلک نہ کیا جاتا اور ان کی فطری خواہشات کی تکمیل کے لیے قدرت کی طرف سے اصول و قوانین، حدود و ضوابط کا کوئی جائز اور معقول انتظام نہ ہوتا، تو
حیوان و انسان کا امتیاز کبھی کا ختم ہو چکا ہوتا اور سوسائٹی اور معاشرہ کیا پوری کائنات ناپاک ہو کر رہ جاتی۔ لیکن قدرت نے انسان کی تخلیق فرمائی اور اس کے ہر فرد کے لیے جوڑا بھی تجویز فرما دیا اور متعینہ حدود میں رہ کر زندگی گزارنے کے طریقے اور اس کے قوانین بھی اپنے محبوب محمد ﷺ کے ذریعہ ہمیں بتا دیئے۔ قرآن و حدیث میں نکاح کے اسرار و حکم اور اس کی تعلیم و

ترغیب کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے، ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا وَّكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا﴾ (۲۰۲)۔

ترجمہ: وہ خدا ہی کی ذات ہے جس نے پانی کے قطرے سے جیتا جاگتا انسان پیدا فرمایا اور اس کو خاندان وسسرال والا بنایا اور تمہارا پروردگار بڑی قدرت والا ہے۔

دوسری جگہ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ.﴾ (۲۰۳)۔

ترجمہ: اور تم میں جو بے نکاح لوگ ہوں، ان کا نکاح کر دو، اور اسی طرح اپنے غلاموں اور لونڈیوں میں جو (نکاح) کے لائق ہوں ان کا بھی۔ اگر وہ لوگ مفلس ہوں گے تو خدا ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔

اب حضور اکرم ﷺ کے چند ارشادات پیش ہیں:

((تزوّجوا الودود الولود فانیّ مکاثر بکم الامم)) (۲۰۴)۔

ترجمہ: نکاح کرو نسل بڑھاؤ اور اپنی تعداد میں اضافہ کرو کیونکہ میں تمہاری کثرت پر دوسری قوموں کے مقابلہ میں قیامت کے دن فخر کروں گا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

((تنکح المرء اۃ لأربع لمالِها ولحسبِها ولجمالِها ولدِينِها فاظفر بذاتِ الدين تربتْ يَداک)) (۲۰۵)۔

ترجمہ: ازدواجی تعلق کی چار وجوہات ہیں: عورت کی دولت، اس کی خاندانی وجاہت، اس کی خوبصورتی اور اس کی دینداری، تم دین داری کو اختیار کرو۔

بیوی کے حقوق:

دینِ اسلام نے زوجین پر چند فرض عائد کیے ہیں اور ساتھ ہی دونوں کے کچھ حقوق بھی بیان کیے ہیں تا کہ گھریلو زندگی خوش وخرم گزرے اور تمام جھگڑوں سے پاک رہے۔ اور اولاد کی تربیت خوشگوار ماحول میں ہو۔ اسلام تاکید کرتا ہے کہ ہر فرد اپنا فرض ادا کرے تو اسے اپنے حقوق خود بخود حاصل ہو جائیں گے۔ کیونکہ ایک کے فرائض دوسرے کے حقوق ہیں۔

حسنِ سلوک:

اسلام نے خاوند کو تاکید کی ہے کہ وہ امکانی حد تک بیوی کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئے تا کہ گھر جنت کا نمونہ بن

جائے ۔ارشادِ خداوندی ہے:﴿عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾(۲۰۶)۔

ترجمہ: تمہیں اپنی بیویوں کے ساتھ حسن سلوک سے زندگی بسر کرنی چاہیے۔

اور اگر کسی وجہ سے تم اپنی بیویوں کو ناپسند کرتے ہو تو کیا پتہ کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو مگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اس میں بے شمار خیر و برکت رکھی ہو۔

نان ونفقہ:

بیوی کی جائز ضروریات کا پورا کرنا بھی خاوند کا فرض ہے۔ اس میں خورد و نوش ، لباس اور رہائش کی ضروریات شامل ہیں۔اس ضمن میں اسلام نے کوئی حد مقرر نہیں کی، بلکہ خاوند کی حیثیت کے مطابق ہے۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ﴾(۲۰۷)۔

ترجمہ: مالدار پر اس کی طاقت کے مطابق ذمہ داری ہے اور مفلس پر اس کی حیثیت کے مطابق۔

ظلم سے اجتناب:

اسلام نے خاوند کو اپنی رفیقہ حیات پر ظلم وتعدی سے منع کیا ہے اور ظلم کی ہر شکل سے روکا ہے،جس کی مختلف صورتیں ہیں۔مثلاً: متعدد بیویوں کی صورت میں ایک طرف زیادہ رغبت اور دوسری کو بالکل معلق چھوڑ دینا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ﴾ (۲۰۸)۔

ترجمہ: تمہارے لیے یہ جائز نہیں کہ ایک بیوی کی طرف کہ میلان ہو اور دوسری کو معلق کردو۔

اسی طرح ایذا رسانی، جسمانی سزا،تذلیل کرنا ،روحانی اذیت ،گالی گلوچ ،ظلم وتعدی کی مثالیں ہیں جن سے منع کیا گیا ہے۔

راز داری: شوہر کا فرض ہے کہ وہ بیوی کے راز کو پوشیدہ رکھے۔زوجین کے کئی راز ہوتے ہیں،جن کی کسی کو خبر نہیں ہوتی۔ان کا افشاء بداخلاقی ہے۔قرآن پاک میں ارشاد ہے:

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ (۲۰۹)۔

ترجمہ: عورتیں تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔

آیت مبارکہ دلالت کرتی ہے کہ مرد عورت ایک دوسرے کے راز دان اور پردہ پوش ہوتے ہیں۔جیسا کہ لباس پردہ پوشی کرتا ہے۔

خلع:

اسلام نے جس طرح مرد کو طلاق کا حق دیا ہے،اسی طرح عورت کو خلع کا حق دیا ہے۔اگر خاوند بیوی کے معاشی اور

ازدواجی حقوق ادا کرنے سے قاصر ہو،تو ناگزیر حالات میں،عورت شوہر سے چھٹکارا پانے کے لیےخلع لے سکتی ہے۔جس کی شکل یہ ہے کہ بیوی کچھ معاوضہ دے کریا حق مہر معاف کر کے،شوہر سے چھٹکارا
حاصل کرسکتی ہے۔یہ حق اسلام سے قبل عورت کوحاصل نہیں تھا۔

یہودیت میں نکاح:

نکاح کا قانون یہودیت میں بھی پایا جاتا ہے اوراس کا تذکرہ ہمیں مختلف کتب میں ملتا ہے۔اور جو الفاظ استعمال ہوے ہیں مثلاً بیاہ،نکاح،شادی یہ الفاظ دلالت ہیں کہ نکاح اور شادی کا تصوران کے ہاں واضح طور پر موجود ہے یہودی عقیدے کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حوا علیہا السلام کوزوجین کےطور پر پیدا کر کے پہلے خاندان کی بنیاد رکھی۔ کتاب پیدائش میں اس بارے میں یوں بیان ہوا ہے۔

''خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا خدا کی صورت پر اس کو پیدا کیا گیا اور خدا نے انکو برکت دی اور کہا کہ پھلو اور بڑھو اور زمین کو معمور اور محکوم کرو''(۲۱۰)

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آدم اور حوا علیہا السلام نے جنت میں قیام کے وقت ایک ایسے درخت کا پھل کھالیا جس سے انہیں منع کیا گیا تھا اس کی وجہ حضرت حوا علیہا السلام ہے۔اسی گناہ کی وجہ سے سزا کےطور پر وہ مرد سے کم تر ہے اور مرد ان پر حکمرانی کرے گا۔کتاب پیدائش میں اس کے متعلق یوں لکھا ہے:

''اور تیری رغبت اپنی شوہر کی طرف ہوگی اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا(۲۱۱)۔''

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہودی مذہب میں عورت کوعزت دی گئی۔زوجین کی حیثیت کے بارے میں اوپر درج آیت میں لفظ(انسان)سے مراد آدم اور حوا علیہم السلام دونوں ہیں وہ دونوں خدا کی صورت پرخلق ہوئے چنانچہ خدا کی صورت پر ہوئے۔ اورانسان ہونے کی بناء پر دونوں برابر ہیں۔ان میں نہ کوئی برتر ہے نہ کم تر۔خداوند خدا نے کہا کہ آدم کا اکیلا رہنا اچھا نہیں میں اس کے لئے ایک مددگار اس کی مانند بناؤں گا(۲۱۲)۔''

تا کہ مرد اپنی بیوی سے ملا رہے اور وہ ایک تن ہوں اور خاندانی معاملات میں ان کی ہم آہنگی ہو۔

یہودیت میں نکاح کا طریقہ:

شادیوں کا طریقہ بھی یہودیوں میں بہت سادہ اور دلچسپ ہے۔منگنی کا اعلان شادی سے بہت پہلے کر دیا جاتا ہے۔شادی کے دن روزہ رکھنے کو بہت مستحسن سمجھا جاتا ہے۔شادی کی رسم سہ پہر کومجلس میں ادا کی جاتی ہے،جس میں کم از کم دس بالغوں کی موجودگی ضروری سمجھی جاتی ہےمجلس کی عمارت میں ایک ریشمی کپڑے کا شامیانہ تیار کیا جاتا ہے،جس میں دلہا دلہن اپنے دوستوں کی ہمراہی میں لائے جاتے ہیں ربی ایک گلاس میں شراب لیتا ہےاور زوجین کے حق میں دعا کرتا ہے پھر اس گلاس کو

دلہا دلہن کو دے دیتا ہے یہ لوگ اس شراب کو چکھتے ہیں پھر دلہا دلہن کی انگلی میں انگوٹھی پہناتے ہوئے عبرانی زبان میں کہتا ہے دیکھو تم اس انگوٹھی کے ذریعہ حضرت موسیٰ اور اسرائیل کی رسم کے مطابق میرے ساتھ منسوب ہو چکی ہو پھر شادی کے عہدنامے کو آرامی زبان میں ربی با آواز بلند پڑھتا ہے اس کے بعد شراب کا ایک گلاس لیتا ہے اور دعا کرکے پھر زوجین کو دے دیتا ہے جسے وہ دونوں چکھ لیتے ہیں خالی گلاس فرش پر رکھ دیا جاتا ہے جسے نوشتو ڑ دیتا ہے اور حاضرین میزل تا ء(MEZALTON) یعنی خوش قسمت چلاتے ہیں شادی کی یہ تمام رسمیں غیر مذہبی ہیں یہودی مذہب میں اسلام کے طرز کا لعان بھی تجویز کیا گیا ہے جو لوگ اپنی بیوی کے چال چلن میں شبہ کرتے ہیں انہیں یہ حق ہے کہ وہ اپنی بیوی کو معبد میں لے جائیں تاکہ پادری ان کو بھیانک جسمانی تکالیف دے کر اقرار جرم کرائے اور اسے ایسا مشروب پلائے جس کے پینے سے بدکار عورت کے تباہ ہو جانے کا عقیدہ عام تھا۔ایک سے زیادہ شادی کرنے کی اجازت دی گئی ہے صرف بادشاہ کے لئے کثرت ازواج ممنوع قرار دیا ہے لیکن اس پر عمل بہت ہی کم ہوا ہے۔آگے چل کر یہودیوں میں ایک ہی شادی کرنے کا رواج عام ہو گیا(۲۱۳)۔

یہودیت میں نکاح کی مختلف صورتیں:

یہودیوں کے ہاں نکاح کی درج ذیل صورتیں تھیں۔

۱۔ خاندان میں شادی KinShip and Marriage

یہودی مذہب میں مرد اور عورت کے لئے لازم تھا کہ وہ خاندان کے اندر ہی شادی کرے تاکہ جائیداد خاندان کے اندر رہے علاوہ ازیں خاندان میں شادی کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ غیر معبودوں کی طرف مائل نہ ہو جائیں۔ہمیں عبرانی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسحاق اور یعقوب علیہم السلام نے اپنے اپنے قبیلے میں شادیاں کیں(۲۱۴)۔

in the earliest hebrew history endogamy prevails particular care is taken that IsaceJacobshallcontractmarriageonlywiththeirOwnkin(215)

ترجمہ:ابتدائی عبرانی تاریخ میں آتا ہے کہ اسحٰق اور یعقوبؑ نے اپنے خاندان میں شادیاں کیں۔

'یہودیوں میں عورت دوسرے خاندان میں نکاح نہیں کر سکتی تھی البتہ مرد کو یہ آزادی حاصل تھی کہ وہ دوسرے خاندان میں شادی کرے۔

Moses Married outside his own people , but he was a fugitive and became an adopted member of his wife's tribe.(216)

ترجمہ:حضرت موسیٰ نے اپنے خاندان سے باہر شادی کی لیکن وہ مہاجر تھے اور اپنی زوجہ کے خاندان یا قبیلہ کے ممبر بنے تھے۔

عورت بھی نکاح کے معاملے میں اگر چہ آزاد تھی لیکن خاندان کے اندر شادی کرنے کے حکم سے اس کی شخصی آزادی متاثر ہوتی تھی۔ یہی سلسلہ باپ کے گھر سے شوہر کے گھر میں بھی نظر آتا ہے کہ ایک بیوہ کے لئے یہ قوانین تھے کہ وہ اپنے خاوند کے خاندان میں اس کی وفات کے بعد شادی کرے۔

دیور سے شادی: Levirate Marriage

اس سے مراد یہودیوں کا رواج کہ اگر شوہر اولادِ نرینہ کے بغیر مرجائے تو مرحوم کا بھائی اس کی بیوہ سے شادی کرے(۲۱۷)۔

It was an obligation resting upon a man to take in marriage the childless wiodow of a deceased brother and to raise up seed to his brother.(218)

ترجمہ: اس قسم کے نکاح کا مقصد یہ تھا کہ فوت شدہ بھائی کا نام زندہ رہے یہی وجہ تھی کہ سب سے پہلے پیدا ہونے والے بچے کو مرحوم شوہر کے نام سے منسوب کیا جاتا تھا۔

کتاب استثناء میں لکھا ہے:

"اگر کوئی بھائی مل کر ساتھ رہتے ہوں اور ایک ان میں سے بے اولاد مر جائے تو اس مرحوم کی بیوی کسی اجنبی سے بیاہ نہ کرے۔ بلکہ اس کے شوہر کا بھائی اس کے پاس جا کر اسے اپنی بیوی بنالے اور شوہر کے بھائی کا جو حق ہے وہ اس کے ساتھ ادا کرے اور اس عورت کا جو پہلا بچہ ہو وہ اس آدمی کے مرحوم بھائی کے نام کہلائے گا تا کہ اس کا نام اسرائیل میں سے مٹ نہ جائے(۲۱۹)۔"

تعدد ازدواج (Polygamy)

یہودیوں کے ہاں کثرت ازدواج بھی عام نظر آتی ہے اور نکاح کی اس قسم میں بیویوں کے ساتھ طوائفوں کو بھی رکھتے تھے۔

Polygamy or , more correctly , polygamy was the prevalent form of the marriage relation in old testamant times, There seems to have been no limit to the number of wives or concubines a man might have , except his ability to maintain them and their children.(220)

ترجمہ: عہد نامہ قدیم کے نزول کے وقت ایک سے زائد شادی کا رواج تھا۔ ایک مرد کوئی عورتوں اور لونڈیوں کی تعداد رکھنے میں کوئی قید نہیں تھی سوائے اس کے کہ وہ انکی اور انکے بچوں کی کفالت کر سکتا۔ ایک مرد پر یہ فرض تھا کہ وہ اپنے فوت شدہ بھائی کی بے اولاد بیوہ سے شادی کرتا اور اپنے بھائی کے لئے بچے پیدا کرتا۔

سلاطین دوم میں مرقوم ہے:

''سلیمان بادشاہ فرعون کی بیٹی کے علاوہ بہت سی اجنبی عورتوں سے یعنی موآبی، اموئی، عدومی، صیدانی اور حتی کہ عورتوں سے محبت کرنے لگا اور حبرون سے چلے آنے کے بعد داؤد علیہ السلام نے یروشلم سے اور حرم میں رکھ لیں اور بیویاں کیں اور داؤد کے ہاں اور بیٹے اور بیٹیاں پیدا ہوئیں اور حدون کے ستر بیٹے تھے جو اس ہی کے صلب سے پیدا ہوئے تھے کیونکہ اس کی بہت سی بیویاں تھی (۲۲۱)۔

عہدنامہ عتیق کی رو سے ایک سے زیادہ بیویاں رکھنا جائز ہے۔کئی اسرائیلی انبیاءؑ نے ایک سے زیادہ شادیاں کیں۔ مثلا ابراہیم علیہ السلام نے تین نکاح کیے یعقوبؑ کی چار ازواج تھیں۔سموئیل نبی کے والد کی دو، موسیٰ کی دو، داؤد علیہ السلام کی ۱۰۰ بیویاں اور سلیمانؑ کی ۷۰۰ تک بیویاں تھیں (۲۲۲)۔

عیسائیت میں نکاح:

عیسائیت میں بھی نکاح کا قانون یہودیت کی طرح پایا جاتا ہے مسیحی خاندان کے تصور کی بنیاد بائبل مقدس کی تعلیمات ہیں ۔کلام مقدس کے مطابق مسیح خاندان کا سربراہ خود خدا ہے۔پولس رسول کا کہنا ہے:

''میں تمہیں آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ ہر مرد کا سر مسیح اور عورت کا سر مرد اور مسیح کا سر خدا ہے (۲۲۳)۔"

عیسائیوں کے نئے قوانین میں نکاح کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

canon law is the term applied to all the rules which determine the disciplinary function of the curch.In respect of Marriage, this law tells us the conditions under which the authority of the catholic church recognizes marriage as authentic and what it believes that the character of marriage should be , so it defines the essentials for real acdcord, the , consent of the partners to become a couple and the recognition of this by the community.(224)

ترجمہ: گرجا کے انتظام کے تمام امور سے متعلق قانون کو گرجائی قانون کہتے ہیں۔عائلی زندگی سے متعلق یہ قانون ہمیں وہ تمام شریعت بتاتا ہے جن کے پورا کرنے پر گرجا ایک شادی کو مستند مانتا ہے یا جو ایک شادی کے لئے ضروری ہیں۔یہ قانون لڑکا لڑکی دونوں کی شادی کے بندھن میں بندھنے کے لئے رضامندی اور معاشرے کی بھی اس میں رضامندی کا شامل ہونا ضروری قرار دیتا ہے۔

عیسائی نکاح کا تصور اکثر یہودیوں سے ملتا جلتا ہے بعض معاملات میں عیسائی نکاح کی صورتیں مختلف ہیں (۲۲۵)۔

عیسائیوں میں شادی اور اس کی رسومات

عیسائیت میں نکاح اور شادی کا تصور ہمیں عہدنامہ جدید سے کچھ یوں ملتا ہے۔

"جس نے اپنے بیٹے کی شادی کی۔۔بلائے ہوؤں کو شادی میں بلالائیں۔۔سب کچھ تیار ہے شادی میں آؤ۔۔کہ شادی کی ضیافت تو تیار ہے۔۔۔۔(۲۲۶)۔"

شادی کے دن کی شام کو دولہا اور اس کے ساتھی جلوس کی صورت میں دلہن کے گھر جاتے تھے۔وہاں کھانے کا انتظام ہوتا تھا پھر براتی دولہا دولہن کو لے کر جلوس میں باجا بجاتے اور ناچتے گاتے ہوئے واپس گھر آتے تھے اکثر رات کو ان کے ہاتھ میں مشعلیں ہوتی تھیں(۲۲۷)۔

نیز لکھا ہے:"شادی کی محفل مہمانوں سے بھر گئی (۲۲۸)۔"

شادی کی ضیافت کا رواج:

شادی کی ضیافت اکثر دولہے کے گھر میں عموماً رات کو ہوتی تھی ☆۔"

متی میں لکھا ہے کہ: "جتنے تمہیں ملیں شادی میں بلالاؤ ☆۔"

یک زوجگی:

موجودہ عہدنامہ جدید اور عیسائی عقیدے کے مطابق ایک سے زیادہ شادیاں جائز نہیں۔ایک مرد ایک ہی بیوی سے جائز نکاح کر سکتا ہے۔اور ایک عورت ایک ہی خاوند کی جائز بیوی بن سکتی ہے۔

"لیکن حرام کاری کے اندیشہ سے ہر مرد اپنی بیوی اور ہر عورت اپنا شوہر رکھے(۲۲۹)۔"

مسیحی ازدواجی رشتہ پایہ دار ہے اور یہ زندگی بھر ٹوٹ نہیں سکتا کیونکہ جب خدا نے اس چھوٹی تنظیم کی بنیاد ڈالی تو فرمایا کہ مرد اپنے ماں باپ کو چھوڑے گا اور اپنی بیوی سے ملا رہے گا۔مسیحی عقیدے کے تحت نکاح شدہ میاں بیوی ایک دوسرے سے علیحدہ ہو کر دوسرا نکاح نہیں کر سکتے اور علیحدگی ہو بھی جائے تو دوبارہ ایک دوسرے کے زوجین ہونگے۔کرنتھیوں میں تحریر ہے کہ:

"مگر جن کا بیاہ ہو گیا ہے ان کو میں نہیں بلکہ خداوند حکم دیتا ہے کہ بیوی اپنے شوہر سے جدا نہ ہو نہ شوہر بیوی کو چھوڑے(۲۳۰)۔"

کیتھولک عقیدہ کے مطابق کثرت ازدواج اتحاد کے لئے نقصان دہ ہے جنہیں خدا نے جوڑا ہے انہیں طلاق الگ کر دیتی ہے۔صرف واحد صورت موت ہی تھی جس کی وجہ سے زوجین کسی دوسرے فرد سے شادی کر سکتی ہے۔رومیوں میں لکھا ہے:

"جس عورت کا شوہر موجود ہے وہ شریعت کے موافق اپنے شوہر کی زندگی تک اس کے بند میں ہے (۲۳۱)۔"

اگر شوہر مر گیا تو وہ شوہر کی شریعت سے چھوٹ گئی۔اگر شوہر کے جیتے جی کسی دوسرے مرد کی ہو جائے تو زانیہ کہلائے گی لیکن اگر

شوہر مر جائے تو اس شریعت سے آزاد ہے ۔یہاں تک کہ اگر دوسرے مرد کی ہوبھی جائے تو زانیہ نہیں ٹھہرے گی ۔عیسائیت میں غیر مسیحی عورت یا غیر مسیحی مرد سے شادی کی ممانعت ہے(۲۳۲)۔''

تینوں مذاہب کے قوانین کا جائزہ لینے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ عورت کا حقوق کا تحفظ یہودیت اور عیسائیت میں بہت کم ملتا ہے موجودہ ان دونوں مذاہب میں افراط اور تفریط کا عنصر زیادہ ہے جبکہ اسلام نے عورت کو زیادہ تحفظ دیا ہے اگر ہم بغور مشاہدہ کریں تو تینوں میں ہی موجود ہے لیکن یہودیت وعیسائیت میں بوجہ تحریف نئے قوانین وقتاً فوقتاً آتے رہے اس سے عورت کی عزت میں کمی واقع ہوئی ورنہ کسی بھی نبی رسول نے عورت کے احترام میں کمی نہ آنے دی کیونکہ وہ صرف مردوں کی اصلاح کیلئے نہیں آئے تھے بلکہ اپنی اقوام کی عورتوں کے لئے بھی آئے اور نبی رحمت ﷺ سب کیلئے آئے ،بہرحال تینوں الہامی مذاہب میں نکاح کے متعلق مشترک چیز یہ ہے کہ قانون نکاح ان میں بھی تھا اور اسلام میں بھی ہے ۔

طلاق:

طلاق کا لغوی معنی:

طلاق کے لغوی معنی ہیں ترک اور مفارقت، آزاد کرنا بندھن کھولنا، چھوڑنا ۔بقول ابن فارس

''طاء، لام، قاف کا مادہ (root) چھوڑنے اور علیحدہ کرنے پر دلالت کرتا ہے(۲۳۳)۔''

امام سرخسی کے مطابق:

''طلاق کے لغوی معنی ازالۃ القید کے ہیں یعنی قید سے رہائی ۔اس کا مادہ ۔
طلق ہے جس سے لفظ اطلاق ماخوذ ہے جس کے معنی رہائی کے ہیں(۲۳۴)۔''

صاحب لسان العرب بیان کرتے ہیں:

''لفظ طلاق چھوڑنے'' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔''

اسی مادہ سے منقول ہے:

''طلق الرجل امرأته(۲۳۵)۔''

آدمی نے اپنی عورت کو طلاق دی۔

امام راغب کے مطابق

''اس کے بنیادی معنی کسی بندھن سے آزاد کرنا اور نجات دینا کے ہیں اور استعارۃً یہ
شوہر کا بیوی کو نکاح کے بندھن سے آزاد کرنے کو بولا جاتا ہے(۲۳۶)۔''

نکاح کے شرعی معاہدے کو قرآن نے میثاق غلیظ قرار دیا ہے اور طلاق اسی معاہدے اور بندھن اور گرہ کو کھول دینے کو اور سخت عہد

کوتوڑ دینے کا نام ہے ۔مصباح اللغات کے مطابق:

''لفظ طلاق جدائی کے معنی میں آتا ہے مثلاً ''طلق المرأة زوجھا(۲۳۷)۔''

ترجمہ: عورت کا شوہر سے جدا ہونا اور اس کو چھوڑ دینا۔

المورد میں لفظ طلاق کا لغوی معنی اس طرح بیان کیا گیا ہے:

طلق یدہ بخیر۔ (۲۳۸)۔''

طلقت المرأة (من زوجھا) to be divorced, get a divorce

طلق زوجتہ، طلقت زوجھا

طلقھما القاضی حل عقد الزوج بینھما to divorce, repudiate

طلق: ترک، فارق to divorce, seperate by divorce

to leave, quit part with, seperate (oneself) from, break (up) with, desert, forsake, walk out on.(239)

ڈاکٹر عبداللہ لکھتے ہیں:

"Divorce in the Islamic Shari'ah is that separation between husband and wife, the right of which is given to the husband. He is absolutely free in the use of this right and no authority has any power to take it away from him unless he is unjust and aggressive in the use of this right against hiswife(240). "

ترجمہ طلاق اسلامی شریعت میں وہ علیحدگی ہے جو میاں اور بیوی کے درمیان ہوتی ہے اور یہ وہ حق ہے جو خاوند کو دیا گیا ہے وہ اس معاملے میں مکمل آزادی کے ساتھ استعمال کر سکتا ہے کسی کو کوئی ایسا اختیار نہیں اور نہ ہی کوئی ایسی طاقت جو اسے اس سے روک سکے اور وہ ناانصافی اور غصہ میں بھی اپنے اس حق کو اپنی بیوی کے خلاف استعمال کر سکتا ہے۔

مختصراً تمام لغات ومعاجم کے مطابق لفظ طلاق کا مطلب جدائی اور چھوڑ دینا ہے۔

اصطلاحی مفہوم:

ابن ہمام نے فتح القدیر میں مخصوص الفاظ یا کنایہ یا کسی دوسرے ذریعہ مثلاً قاضی کے حکم سے قید نکاح اٹھا دینے کو طلاق کہا ہے(۲۴۱)۔ یہاں اشارہ کرنا بے محل نہ ہوگا کہ قاضی کے حکم سے جو نکاح ختم ہوتا ہے وہ بعض اوقات فسخ کے زمرے میں داخل ہوتا ہے۔

کنزالدقائق میں طلاق کی تعریف اس طرح بیان کی گئی ہے۔

"طلاق عبارت ہے رفع قید نکاح سے جو شرعاً ثابت ہو(۲۴۲)۔"

اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مطابق:

"طلاق بمعنی خاوند کا اپنی بیوی کو پابندی نکاح سے آزاد کردینا، طلاق یا اسکے ہم معنی الفاظ کہہ کر خاوند کا بیوی سے قطع تعلق کرنا یہ اسلام کے عائلی قوانین کا ایک اہم حصہ ہے خاوند کا اپنی منکوحہ بیوی سے انت طالق کہنا(۲۴۳)۔"

شرع میں طلاق مخصوص الفاظ کے ساتھ اس قید کے اٹھا دینے کو کہتے ہیں جو طلاق کے وقت نکاح سے قائم ہو بعض فقہاء کے خیال میں مخصوص الفاظ کے ذریعے نکاح کی قید کو ختم کرنے یا نکاح کی اس گرہ کو کمزور کردینے کے ہیں کیونکہ بائن طلاق کے نتیجے میں نکاح فوری ختم ہوجاتا ہے۔ جبکہ رجعی طلاق کی صورت میں نکاح عدت گزرجانے تک ختم نہیں ہوتا بلکہ کمزور ہوجاتا ہے(۲۴۴)۔مندرجہ بالا بحث سے طلاق کا جو مفہوم ثابت ہوتا ہے وہ اس طرح ہے:

"شوہر کی جانب سے اصالتاً یا وکالتاً نیابتاً یا تفویضاً مخصوص الفاظ کے ساتھ یا بالکنایۃ، فی الفور یا بالنتیجہ، رشتہ ازدواج ختم کرنے کا نام طلاق ہے(۲۴۵)۔"

اسلام سے قبل دنیا میں بہت سے مذاہب ترویج پذیر تھے لیکن کسی کے بھی قواعد وضوابط حیات انسانی کے لیے موزوں نہ تھے۔ الہامی مذاہب میں سے کوئی بھی مذہب ایسا نہ تھا جو اپنی اصل شکل میں موجود ہو۔ الہامی مذاہب کے ماننے والوں نے تحریفات اور ترامیم کر کے باقی قوانین کی طرح طلاق کے متعلق بھی قوانین کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لیا تھا۔ باوجود تبدیلی کے آج بھی ہمیں موجودہ کتاب مقدس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی مذہب میں طلاق کا تصور اسلام سے کتنا مشترک ہے اور کتنا سخت قانون۔

یہودیت میں تصور طلاق:

یہودیوں کے قانون طلاق کے تحت مرد کو یہ حق حاصل تھا' کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے لیکن قانون کے تحت ایک یہودی خاوند کے لئے لازم تھا کا ایک تحریری دستاویز بیوی کو دے جس کے تحت اس کے حقوق محفوظ ہو سکیں اور وہ کہیں دوسری جگہ شادی کر سکے کتاب استثناء میں اس بارے میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

"عورت خاوند کی مملوکہ ہے جب اس میں کوئی بری (اور پلید) بات دیکھے تو اس کو طلاق نامہ لکھ کر اسکے ہاتھ میں دے دے اور اسے گھر سے باہر کردے(۲۴۶)۔"

Fornication was the only ground for divorce under Mosic Law.(247)

ترجمہ : موسوی قانون میں صرف زنا سرزد ہونے کی صورت میں طلاق ہوسکتی تھی۔

یہودیت میں مرد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی بیوی کو جب چاہے طلاق دے دے لیکن ایسی صورت میں اسے تحریری دستاویز دینا ہوتی تھی جس کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہوتا تھا کہ اب اس مرد کا اس عورت پر کوئی حق نہیں ہے اس تحریری دستاویز نے کسی حد تک عورت کو تحفظ فراہم کیا جس کی وجہ سے اگر وہ دوسری شادی کرنا چاہتی ہے تو اسے زانیہ نہ کہا جائے "(۲۴۸)۔

جب ایک یہودی خاوند بیوی کو طلاق دیتا تو اسے ان الفاظ کے ساتھ طلاق نامہ لکھ دیتا تھا:

When a man divorce his wife he wrote her a "bill of divorce" a Certificate of Divorce and sent her away. A simple form of such a decree may be found.She is not my wife and i am not her husband. (249)

ترجمہ: جب ایک آدمی اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے تو اس کے لئے طلاق نامہ تحریر کرکے اسے الگ کر دیتا ہے۔اسکی ایک سادہ سی صورت یہ ہے کہ شوہر صرف یہ لکھے کہ یہ (اب) میری بیوی نہیں اور میں اسکا شوہر نہیں ہوں۔

اس طلاق نامہ کے تحریری شکل میں موجود ہونے کی وجہ سے عورت کو قانونی تحفظ حاصل ہوتا ہے۔یہودیوں میں تحریری مسودہ رومی تہذیب کا اثر ہے۔

طلاق کے بعد تجدید نکاح:

یہودی قانون طلاق کے مطابق عورت کو طلاق کے بعد دوسری شادی کرنے کی اجازت تھی لیکن ایک دفعہ جب عورت طلاق لے لیتی تو دوسرے مرد سے شادی کے بعد اگر اس سے بھی طلاق ہوجاتی یا وہ دوسرا شوہر وفات پاجاتا تو ایسی عورت کو پہلے شوہر سے دوبارہ شادی کرنے کی کوئی قانونی صورت باقی نہ رہتی تھی۔کتاب استثنا میں مذکور ہے کہ

"اگر دوسرا شوہر بھی اس سے ناخوش رہے تو اس کا طلاق نامہ لکھ کر اس کے حوالہ کرے اور اسے اپنے گھر سے نکال دے یا اگر وہ دوسرا شوہر جس نے اسے بیاہ کیا ہو مر جائے تو اس کا پہلا شوہر جس نے اسے نکال دیا تھا اس عورت کے ناپاک ہوجانے کے بعد پھر اس سے بیاہ نہ کرنے پائے کیونکہ ایسا کام خداوند کے نزدیک مکروہ ہے(۲۵۰)۔"

she may Remarry,but if she is again divorced or is left a widow her former husband may not receive her again. (251)

ترجمہ: وہ دوبارہ شادی کرسکتی لیکن اگر پھر دوبارہ طلاق یا بیوگی کی صورت میں اس کا سابقہ شوہر

دوبارہ اس سے نکاح یا شادی نہیں کر سکتا تھا ۔

یہودیوں کے قانون طلاق میں زوجین کو طلاق کے بعد دوسری شادی کرنے کی اجازت تھی لیکن آپس میں دوبارہ نکاح کرنا جائز نہ تھا اور بائیبل کے قانون کے تحت وہ ایسا نہیں کر سکتے تھے ۔اس کے علاوہ یہودیوں کی قانون کی کتاب مشناء میں بھی پانچ وجوہات کی بنا پر زوجین کا آپس میں دوبارہ نکاح کرنا جائز نہ تھا جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

Themishnahaddsfiveothercases.theycannotremarryaftera divorce,

1-If the women has been divorced upon suspicion of adultry .

2-If she was divorced because she had objected herself to obligation of certian vows .

3-If she was divorced because of her barrennes .

4-If a third person had guaranted the payment of her ketubah.

5-If the husband has conseerated all his property to religious uses subjected to his wife's ketubah.(252)

ترجمہ:۱۔اگر عورت کو زنا یا بدکاری کے شبہ میں طلاق دی گئی ہو،

۲۔اگر اس کی طلاق اسکے خود پر کچھ قسمیں کھانے سے واقع ہوئی ہو۔

۳۔بانجھ ہونے کی صورت میں

۴۔اگر کسی تیسرے فرد نے اس کے Ketubah کی ادائیگی کا ذمہ لیا ہو۔

۵۔اگر شوہر نے اپنی بیوی کے Ketubah کی صورت میں اپنی تمام جائداد مذہبی مقصد کے لئے وقف کر دی ہو

اس کے علاوہ عدالت بھی بعض اوقات میاں بیوی میں علیحدگی کرا سکتی تھی جسکی بنیادی طور پر تین وجوہات تھیں:

۱۔یہودی کی غیر یہودی سے شادی کی صورت میں۔

۲۔بالغ اور نابالغ کی شادی۔

۳۔اگر ان کی شادی کو دس برس بیت گئے اور کوئی اولاد نہیں ۔

ایسی صورت میں زوجین نہ بھی الگ ہونا چاہیں عدالت انہیں الگ کرا دے گی ۔

عورت کے مجرم ہونے کی صورت میں طلاق

عورت اگر کوئی جرم یا برا فعل کر بیٹھتی ،تو مرد شرعی طور پر اس کو طلاق دینے پر مجبور کیا جاتا ۔اگر چہ وہ اس کے جرم کو درگزر کرنا چاہے ۔اسی طرح یہ قانون بھی تھا کہ اگر کوئی عورت مرد کے پاس بیس سال تک رہی اور اس سے کوئی اولاد پیدا نہ ہوئی تو مرد کو

طلاق دینے پر مجبور کیا جاتا ۔خواہ وہ اس کو چھوڑنا پسند بھی کرے یا نہ کرے ۔

عورت کو طلاق لینے کا حق

جس طرح یہودی خاوند اپنی بیوی کو اپنی مرضی سے طلاق دے سکتا تھا اس طرح یہودیوں کے بعض قوانین کے تحت عورت کو طلاق لینے اور دینے کا حق حاصل ہوتا تھا اگر چہ یہ بائبل کی تعلیمات کے خلاف تھا

Moses gave no right of divorce to wemen . The wife was not able to divorce her husband ,no law court pronounced divorce.(253)

ترجمہ:موسیٰ نے عورت کو طلاق کا کوئی حق نہیں دیا۔عورت اس قابل نہیں کہ اپنے خاوند کو طلاق دے ۔اور نہ ہی عدالت نے طلاق کے قانون کا اعلان کیا

اورجن لوگوں کی رائے عورت کے حق طلاق یعنی طلاق کی دستاویز دینے سے تھا انکی دلیل یہ آیت ہے

''اگر وہ دوسری عورت کرے تو بھی وہ اس کے کھانے کپڑے اور شادی کے فرض میں حاضر نہ ہو اگر وہ اس سے یہ تینوں باتیں نہ کرے تو وہ مفت بے روپے دیئے چلی جائے''(۲۵۴)۔

اگر چہ اس قسم کے قانون کو مثنا نظریہ کے حامی قبول نہیں کرتے البتہ عدالت اگر فیصلہ دے دے تو بیوی کو یہ حق حاصل ہوجاتا تھا چنانچہ A Manual of Law for Christian میں لکھا ہے کہ:

Later however a women was permitted to apply to court ,who could order her husband to give her a bill of divorce.(255)

ترجمہ: تاہم بعد میں عورت کو اجازت دی گئی کہ وہ طلاق کے لئے عدالت سے رجوع کرے اور شوہر سے طلاق نامہ حاصل کرے۔

اس قسم کے قوانین پر اثرات Herodians کے دور میں رومی قانون میں تھے جو کہ یہودی قوانین پر مرتب اور رائج ہوئے اسی بنا پر بیوی خاوند سے درج ذیل وجوہات کی بنا پر طلاق طلب کر سکتی تھی ۔

۱۔ یہ کہ شوہر کو کوئی بیماری لاحق ہو۔

۲۔ یہ کہ شوہر بیوی کے نان ونفقہ دینے سے قاصر ہو۔اور اسکے ساتھ اس کا سلوک ظالمانہ ہو۔

۳۔ یہ کہ بیوی کو کوئی آزادی حاصل نہ ہو(۲۵۶)۔

عورت کے اسی تحفظ کی فراہمی کے لئے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طلاق کا حق دیا تھا کہ مرد اتنا مختارکل نہ بن بیٹھے کہ عورت کے ساتھ جس طرح چاہے رویہ رکھے اور اپنے ظلم کا نشانہ بنائے ۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طلاق کی اجازت دینے کی مصلحت ہی یہ تھی ۔

موسیٰ علیہ السلام نے تمہاری سخت دلی کے سبب سے تم کو اپنی بیویوں کو چھوڑ دینے کی اجازت دی (۲۵۷)۔

اس میں شک نہیں کہ یہودیوں میں طلاق دینے کا رواج ہے لیکن اس کے باوجود ان کے ہاں طلاق کی شرح ان اقوام کی نسبت کم نظر آتی ہے جن میں طلاق کی اجازت نہیں ہے (۲۵۸)۔

یہودیوں میں عورت کو طلاق دینے کا حق مصر اور رومیوں کے تہذیبی اثر کی وجہ سے تھا۔ طلاق کی صورت میں تحریری مسودہ کا اجراء یہودیوں میں رومی تہذیب سے آیا تھا۔ جبکہ بائبل میں عورت کا حق طلاق موجود نہیں۔ چونکہ یہودیوں کے نکاح اور طلاق کے معاملات قوانین کا حصہ تھے یہی وجہ ہے کہ عہد نامہ قدیم میں خاندانی قوانین تفصیل سے موجود نہیں ہیں۔ اس وجہ سے یہودیوں کے خاندانی قوانین کو بعض تہذیبوں کے رواج سے بھی لیا گی جن میں یونانی اور رومی تہذیبیں زیادہ اہم ہیں۔ ان قوانین کو یہودی خاندانی قوانین بنا کر ثابت کیا گیا ہے اس کے علاوہ یہ بات بھی ثابت شدہ ہے کہ یہودیوں پر رومیوں کے نظام نکاح وطلاق کے تہذیبی اثرات موجود ہیں جیسے یک زوجگی اور اسی طرح عورت کا حق طلاق وغیرہ۔

اسلام نے طلاق کو حلال امور میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ قرار دیا ہے لیکن یہودیت میں ایسا نہیں۔ بہر حال یہاں بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ موجودہ کتاب مقدس کے حصہ عہد نامہ قدیم میں ''یہودیت'' میں آج بھی اتنی تحریفات کے باوجود طلاق کا واضح تصور پایا جاتا ہے۔ اگر ہم موجودہ عہد نامہ قدیم کا مطالعہ کریں تو ہم طلاق سے متعلقہ آیات درج ذیل کتب میں پاتے ہیں:

''جیسے اس کے شوہر نے طلاق دی (۲۶۰)۔''

ایک اور جگہ طلاق کے متعلق ہے کہ:

''اس کو طلاق نہ دینے پائے (۲۶۱)۔''

طلاق کے الفاظ یوں بھی استعمال ہوئے ہیں

''اگر کوئی مرد اپنی بیوی کو طلاق دے دے، میں نے اس کو طلاق دے دی (۲۶۲)۔''

طلاق کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا اور کہا گیا کہ:

''میں طلاق سے بیزار رہوں (۲۶۳)۔''

فرق واضح ہے کہ موسوی شریعت میں جو احکام دیے گئے تھے ان میں تبدیلی ہوئی اور یہودی مذہب تفریط کا شکار ہو گیا، ورنہ تمام انبیاء ایک اللہ کے دیے قانون کی پیروی کی اپنی اپنی امتوں کو تلقین کرتے رہے صرف محمد ﷺ تمام عالم کیلئے تشریف لائے اور اب ان کی دی ہوئی شریعت کی پیروی لازم ہے۔

عیسائیت میں طلاق کا تصور:

مسیحیوں کے ازدواجی رشتہ کا تصور یہ ہے کہ یہ پاک اور پائیدار رشتہ ہونے کی وجہ سے کبھی بھی ٹوٹ نہیں سکتا۔اور عیسائیوں کے اس نظریہ کے مطابق یسوع مسیح نے اس مقدس بندھن کو بے حد مضبوط قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ:

''جسے خدا نے جوڑا اسے آدمی جدا نہ کرے(۲۶۴)۔''

کیتھولک فرقہ کے مطابق نکاح کا بندھن موت کے علاوہ کسی صورت میں نہیں ٹوٹ سکتا۔مسیحی نکاح کے اس خوبی کے فیصلہ کن اثرات،نسل انسانی،تعلیم وتربیت،زوجین کی اپنی ذاتی نشوونما،دائمی زندگی،خاندانی وقار،مضبوطی سکون اور خوشحالی کا دارومدار اس پائیدار بندھن پر ہے(۲۶۵)۔

رومیوں میں لکھا ہے:

''پس اگر شوہر کے جیتے جی دوسرے مرد کی ہو جائے تو زانیہ کہلائے گی لیکن اگر شوہر مر جائے تو وہ اس شریعت سے آزاد ہے۔یہاں تک کہ اگر دوسرے مرد کی ہو بھی جائے تو زانیہ نہ ٹھہر ےگی(۲۶۶)۔''

کیتھولک فرقے کے نزدیک طلاق کی دوسری وجہ عقیدہ کا اختلاف ہوسکتا ہے۔عیسائیوں کے پروٹسٹنٹ فرقے کے مطابق طلاق ہوسکتی ہے۔کتاب متی میں لکھا ہے:

''جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑے اسے طلاق نامہ لکھ دے(۲۶۷)۔''

کیتھولک اور پروٹسٹنٹ میں یہ بات مشترک ہے کہ خدا نے مرد اور عورت کو ایک دوسرے کے لئے بنایا ہے۔اس لئے جنہیں خدا نے جوڑا انہیں علیحدہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔البتہ موت کے مسئلہ پر دونوں فرقوں کی آراء میں فرق نظر آتا ہے۔

بوجوہ زنا طلاق:

عہد نامہ جدید عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق اس بات پر زور دیتا ہے کہ شادی ایک پاکیزہ اور وفاداری کا بندھن ہے اگر خاوند بیوی میں سے کوئی بھی زنا کاری کرے ایک دوسرے سے بے وفائی کر کے اس بندھن کو ناپاک کرتا ہے تو دوسرے فریق کو حق حاصل ہے کہ وہ اس سے جدائی اختیار کرے تاہم اگر اس کے علاوہ کسی اور وجہ سے زوجین ایک دوسرے کو چھوڑتے ہیں تو وہ خدا کے حضور مجرم ہیں۔کیونکہ اپنے اس عمل سے انہوں نے خاندان کے سربراہ(خدا) کی توہین کی ہے۔

کتاب متی میں تحریر ہے:

''جو کوئی اپنی بیوی کو حرامکاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے وہ اس سے زنا کراتا ہے۔جو کوئی اس چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے(۲۶۸)۔''

مطلقہ کا نکاح:

پروٹسٹنٹ عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق اگر دونوں میاں بیوی میں طلاق ہو جاتی ہے تو دوبارہ وہی زوجین آپس میں شادی کریں گے' لیکن پہلے حتی الامکان کوشش کریں کہ طلاق تک نوبت نہ آئے لیکن اگر ایسا ہو بھی جائے تو کتاب مقدس اس بارے میں بتلاتی ہے:

''جن کا بیاہ ہو گیا ان کو میں نہیں بلکہ خداوند حکم دیتا ہے کہ بیوی اپنے شوہر سے جدا نہ ہو (اور اگر جدا ہو تو یا بے نکاح رہے یا اپنے شوہر سے ملاپ کرے) نہ شوہر بیوی کو چھوڑے (۲۶۹)۔''

اس طرح عیسائی عقیدہ کے مطابق اگر طلاق ہو جائے تو دوبارہ فریقین آپس میں شادی کریں گے' اگر طلاق کے بعد وہ کسی دوسرے فریق سے شادی کرتے ہیں تو ایسی صورت میں زنا کے مرتکب ہوتے ہیں (۲۷۰)۔

بیوہ کو نکاح کا حق:

مسیحی عقیدہ کے مطابق ایک عورت کو صرف اپنے خاوند کی وفات کے بعد ہی دوسری شادی کرنے کی اجازت ہے۔ جس طرح طلاق خاوند کی وفات سے ممکن ہے۔اس وجہ سے طلاق کی صورت میں عورت زانیہ یا مرد زانی نہیں کہلائیں گے: ''جب تک کہ عورت کا شوہر جیتا ہے وہ اس کی پابند ہے پر جب اس کا شوہر مر جائے تو جس سے چاہے بیاہ کر سکتی ہے (۲۷۱)۔''

A second marriage after the death of the partner is not forbidden , either by Christ, or the Apostles, or the church(272)

ترجمہ: دوسری شادی ایک ساتھی (میاں یا بیوی) کی موت کے بعد دوسرے ساتھی کیلئے منع نہیں چاہے وہ عیسی سے، انا جیل سے یا چرچ سے۔

اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ عیسائی عقیدہ کے مطابق زیادہ یہی دو (وفات، زنا) وہ صورتیں ہیں جن کی وجہ سے زوجین میں تفریق ممکن ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ عیسائی خاندانی قوانین چاہے ان کا تعلق نکاح سے ہو یا طلاق سے ان کے بنیاد یہودیوں کے تہذیبی پختہ قوانین اور رائج دساتیر سے لئے گئے تھے یوں عیسائی خاندانی قوانین پر رائج یہودی رومی اور یونانی تہذیبی اثر تھا۔ عیسائی قوانین اکثر یہودیوں سے لئے گئے ہیں خود عیسی علیہ السلام کے الفاظ ہیں کہ یہ نہ سمجھو کہ میں تورات یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہے۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔ عیسائی عقیدے سے تعلق رکھنے والوں پر رومیوں کی طرح یک زوجگی اور طلاق بوجہ زنا یا موت بھی رومی تہذیب سے مماثلت کی وجہ سے عیسائی خاندانی قوانین پر رومیوں کے تہذیبی اثر کا نتیجہ ہے۔

مسیحی مذہب نے سوائے ان صورتوں کے جن میں کوئی جرم یا گناہ ثابت ہو جائے،عورت پر طلاق کو حرام قرار دیا ہے۔یا یہ کہ عورت بانجھ ثابت ہوئی ہے تو نسل کی برآمد کے لیے اس کو طلاق دی جاسکتی ہے۔عیسائی مذہب بھی نکاح کو ناقابل فسخ قرار دیتا ہے لیکن حالات سے مجبور ہو کر کسی ایک فریق کے مرتکب زنا ہونے کی صورت میں یہ علیحدگی صرف جسمانی ہوگی اور رشتہ بدستور قائم رہے گا اور اس طرح فریقین میں سے کسی ایک کو بھی نکاح ثانی کی اجازت نہیں ہے۔اس کالازمی نتیجہ یہ ہوا کہ بداخلاقی کو کھلی چھٹی مل گئی۔اس موضوع پر چرچ میں بہت بحث ہوئی اور عیسائی چرچ دو گروہوں میں بٹ گیا۔ایک وہ جو ازدواجی تعلق کو ناقابل انقطاع تصور کرتا ہے اور دوسرا وہ جو قابل انقطاع تسلیم کرتا ہے(۲۷۳)۔

اسلام کا نظامِ طلاق:

تجربات اور مشاہدات سے معلوم ہوا ہے کہ طلاق کشیدگی پیدا کرنے اور زندگی کو تلخ بنانے والے اسباب سے نجات پانے کے لیے ایک بہترین ذریعہ ہے۔اس پر واضح دلیل اور برہان قائم ہو چکی ہے کہ شریعت اسلامیہ نے طلاق کے باب میں جو اصول واحکام پیش کیے ہیں،وہ دیگر ادیان وشرائع کی نسبت انسانیت سے قریب تر اور عدل وانصاف کے معیار پر پورے اترتے ہیں۔گزشتہ قوموں نے عورت پر کسی صورت میں بھی طلاق لینے کو حرام کر دیا تھا۔طلاق کا رواج قدیم زمانے سے چلا آتا ہے۔جب کوئی شخص اپنی عورت سے ناراض ہو جاتا تو اس کو گھر واپس بھیج دیتا تاکہ یہ جہاں چاہے چلی جائے،عورت کا کوئی حق نہیں تھا۔جب یہ گھر سے نکال دی جاتی تو تمام حقوق سے محروم رہ جاتی۔جب یونانی قوم برسر اقتدار ہوئی اور اس کی تہذیب وتمدن میں ترقی ہوئی تو طلاق بھی بغیر کسی قید اور شرط کے عام ہوگئی۔

شرعی عذر کی بناپر طلاق کی ضرورت واہمیت:

اسلام ایک جامع نظام حیات کا احاطہ کرتا ہے۔زندگی سے تعلق رکھنے والا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس کو اسلام نے تشنہ چھوڑا ہو۔اسی طرح اسلام نے عائلی اور ازدواجی زندگی کے بارے میں بھی پورے پورے احکامات نازل کیے۔اس سلسلے میں نکاح وطلاق کے بارے میں ایک جامع اور واضح قانون شریعت اسلامیہ میں موجود ہے۔نکاح کے ساتھ ساتھ اگر اس معاہدے کی شرائط سے عدم صحبت والفت پیدا ہو جائے تو پھر اس معاہدے کو طلاق کے ذریعے ختم کیا جاسکتا ہے۔اس طرح اسلامی شریعہ میں طلاق کی اہمیت بھی مسلّم ہے۔

قرآن کریم کی روشنی میں:

اگر مرد شرعی عذر کی بناپر عورت کو طلاق دیتا ہے تو اس کا حکم قرآن کریم کی ان درج ذیل آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے:

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ﴾(۲۷۴)۔

ترجمہ: طلاق اصل صرف دو ہیں پھر ان کے بعد خوبی کے ساتھ روک رکھنا یا خوبی کے ساتھ چھوڑ دیا ہے۔

مذکورہ آیت مبارکہ میں ایک معاشرتی خرابی کا ذکر کیا گیا ہے جو اس وقت عربوں میں رائج تھی۔ عرب میں قاعدہ یہ تھا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو بے حد وحساب طلاق دینے کا مجاز تھا اسی طرح وہ اس کو بار بار طلاق دے کر رجوع کر جاتا تھا تا کہ نہ تو اس کے ساتھ بس سکے اور نہ اس سے آزاد ہو کر کسی کے ساتھ نکاح کر سکے۔ چنانچہ قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ اسی ظلم کا دروازہ بند کرتے ہوئے اس رسم بد کا انسداد کرنے کے ساتھ ساتھ نہایت ہی حکیمانہ قانون وضع کرتے ہوئے یہ حکم عائد کرتی ہے کہ ایک مرد عورت کو اپنے رشتہ ء نکاح میں حد سے حد صرف دو مرتبہ ہی طلاق رجعی کا حق استعمال کر سکتا ہے۔ جو شخص اپنی منکوحہ کو دو مرتبہ طلاق دے کر اس سے رجوع کر چکا ہو وہ اپنی عمر میں جب بھی تیسری طلاق دے گا، عورت اس سے مستقل طور پر جدا ہو جائے گی (۲۷۵)۔

﴿ وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَ لَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ وَ لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ مَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَ الْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴾ (۲۷۶)۔

ترجمہ: اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو پھر وہ اپنی عدت کی میعاد کو پہنچ جائیں تو انہیں خوبی کے ساتھ چھوڑ دو اور ان کو نقصان پہنچانے کے لیے نہ روکو تا کہ تم زیادتی کرو اور جو کوئی یہ کرے اس نے اپنی جان پر ظلم کیا اور اللہ تعالیٰ کی آیت کو مذاق نہ بناؤ اور اللہ تعالیٰ کی نعمت جو تم پر ہے یاد کرو اور جو کتاب اور حکمت تم پر اتاری گئی ہے اس کے ساتھ تم کو اللہ نصیحت فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر شے کو جانتا ہے۔

مذکورہ آیت مبارکہ میں بھی عربوں کی اس رسم بد کا انسداد کیا جا رہا ہے کہ وہ عورتوں کو طلاق دینے اور پھر عدت کی میعاد کے قریب پہنچ کر دوبارہ رجوع کر لیتے اور اسی طرح کرتے جاتے۔ چنانچہ فرمایا جا رہا ہے کہ جب مطلقہ رجعی عورتیں عدت گزرنے کے قریب آئیں تو شوہر کو دو اختیار حاصل ہیں۔ ایک یہ کہ رجعت کر کے اس کو نکاح میں رہنے دے اور دوسرے یہ کہ رجعت نہ کرے اور تعلق نکاح ختم کر کے اس کو آزاد کر دے۔ لیکن دونوں اختیارات کے ساتھ قرآن کریم نے یہ قید لگائی۔ رکھنا ہو تو قاعدہ کے مطابق رکھا جائے اور چھوڑنا ہو تب بھی شرعی قاعدے کے مطابق چھوڑا جائے۔ اس میں بالمعروف کا لفظ دونوں جگہ علیحدہ علیحدہ لا کر اس طرف اشارہ فرما دیا ہے کہ رجعت کرے یا آزاد کرے دونوں حالتوں میں شرعی قاعدوں کے موافق عمل کرے اور جذبات سے کام نہ لے اور اگر رجعت ہی کرنا ہے تو پھر سابقہ ناچاقیوں کو دل سے نکال کر حسن سلوک سے کام لے اور عورتوں کو محض تکلیف پہنچانے کے لیے ایسا نہ کرے اور پھر یہ فرمایا کہ جو کوئی ایسا کرے گا تو اپنا نقصان کرے گا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو ہنسی مذاق نہ بناؤ۔ ''جو کچھ'' اللہ تعالیٰ نے تم پر انعام کیا اس کو یاد کرو اور اس سے ڈرتے رہو کیونکہ وہ سب جانتا

ہے(۲۷۷)۔

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ﴾(۲۷۸)۔

ترجمہ: اے نبی ﷺ! جب آپ عورتوں کوطلاق دیں توان کی عدت کے دنوں (یعنی پاکی کے دنوں) میں دیں اورعدت کو گنتے رہیں۔

طلاق کوضرورت کے وقت جائز قراردینے کے بعد اب قرآن کریم یہ حکم دے رہا ہے کہ طلاق دینے میں بھی احتیاط سے کام لواورخلاف سنت طریقہ پرعمل کرنے سے گریز کرو۔چنانچہ اس آیت مبارکہ میں بڑی صراحت کے ساتھ یہ بیان کیا گیا ہے کہ طلاق دینے کے وقت مدت عدت کا حساب رکھواورعدت کو بلاوجہ طول دے کرعورت کے نکاح ثانی میں رکاوٹ نہ بنو۔اللہ تعالٰی سے ڈرتے رہو کیونکہ اللہ تعالٰی ظلم کرنے والوں کوسخت ناپسند فرماتا ہے(۲۷۹)۔حالت حیض میں طلاق دینے سے کلیتًا اجتناب برتنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ اس حالت میں عورت کی طرف دل راغب نہیں ہوتا۔شاید اس نفرتِ طبعی نے کسی رنجش کوطلاق دینے پر ایماء دیا ہوعدت کا شمار کرتے رہو کہیں عدت میں میعاد نہ گزرجائے رجوع کا موقع ہاتھ سے جاتا رہے۔جاہلیت میں عورت پر ظلم کیاجاتا

تھا۔طلاق دے کرعدت میں جھگڑا ڈال دیتے اورعدت کو بڑھادیتے تھے۔علاوہ ازیں عدت میں نفقہ مکان بھی نہ دیتے تھے ان امورکواسلام نے منع کردیا(۲۸۰)۔

پس یہ حکم دوباتوں کا مقتضی ہے ایک یہ کہ حالت حیض میں طلاق نہ دی جائے کیونکہ جس حیض میں طلاق دی جائے وہ عدت میں شمار نہیں ہوتا اوراس طرح خواہ مخواہ عورت کوطویل انتظار کی زحمت اٹھانا پڑتی ہے اوردوسرا یہ کہ نہ اس طہر میں طلاق دی جائے جس میں مباشرت ہوچکی ہو کیونکہ اس صورت میں حمل کا کچھ پتہ نہیں چلتا کہ ہے یا نہیں اوراس طرح بھی عورت کوطویل مدت عدت گزارنا پڑتی ہے(۲۸۱) چنانچہ اگرغور کیا جائے تو اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالٰی انسان کے لیے بڑی مصلحت بیان کررہا ہے۔اگراس پرعمل کیاجائے تو بہت سے معاملے خوش اسلوبی سے طے ہوسکتے ہیں۔

حقِ خلع:

جس طرح قرآن پاک نے مردوں کوطلاق کا اختیار دیا ہے تو اسی طرح عورتوں کوبھی اس حق سے محروم نہیں رکھا اور اس بات کا اختیار دیا ہے کہ اگروہ اپنے شوہر سے کسی بات پرنا خوش ہوں تو وہ اپنا مہر معاف کرکے ان سے خلع لے سکتی ہیں۔مرد کے لیے طلاق کے اختیارات کے احکامات نازل کرنے کے بعد اب قرآن نے عورتوں کوبھی یہ حق فراہم کررہا ہے کہ اگروہ مرد کے ساتھ نہ رہ سکیں تو اپنا حق مہر جومردوں نے ان کوعطا کیا ہے۔ان کے حوالے کرکے خلع حاصل کرسکتی ہے۔چنانچہ اس آیت کریمہ میں دوحکم ہیں۔شروع آیت میں تو بغیر مرضی عورت کے مرد کے اس مال کوکھانے اورتصرف میں لانے کی ممانعت ہے جو مال

مہر کے طور پر ایک دفعہ مرد عورت کو دے چکا ہے اور دوسرے اس کی مالک بن چکی ہے۔اور آخری آیت میں عورت کے خلع کا حکم (۲۸۲)۔

تفسیر القرآن میں لکھا ہے۔

If the wife claims the dissolution of marraige, she must be prepared to sacrifice the dower that was otherwise her to agree herself there by.(283)

ترجمہ: اگر عورت شادی ختم کرنے کا دعویٰ کرے اور وہ اس بات کے لئے تیار ہو کہ وہ اپنا مال قربان کر دے گی تو وہ خلع لے سکتی ہے۔

جب تیسری طلاق کا ارادہ کر لے تو عورت کو تنگ کرنا اس پر سختی کرنا تا کہ وہ اپنا حق چھوڑ کر طلاق پر آمادگی ظاہر کرے، یہ مردوں پر حرام ہے۔جیسے فرمایا:

﴿وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ﴾(۲۸۴)۔

ترجمہ: عورتوں کو تنگ نہ کرو تا کہ انہیں دیئے ہوئے میں سے کچھ لے لو۔

ہاں یہ اور بات ہے کہ عورت اپنی خوشی کچھ دے کر طلاق طلب کر لے، جیسے فرمایا:

﴿فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْساً فَكُلُوْهُ هَنِيْئًا مَّرِيْئًا﴾. (۲۸۵)۔

ترجمہ: عورتیں اپنی راضی خوشی سے کچھ چھوڑ دیں تو بے شک وہ تمہارے لیے حلال اور طیب ہے۔

اور جب میاں بیوی میں نا اتفاقی بڑھ جائے عورت اس سے خوش نہ ہو اور اس کے حق کو نہ بجا لاتی ہو ایسی صورت میں وہ کچھ لے دے کر اپنے خاوند سے طلاق حاصل کر لے تو اسے دینے اور اسے لینے میں کوئی گناہ نہیں، یہ بھی یاد رہے کہ عورت بلا وجہ اپنے خاوند سے خلع طلب کر لے تو وہ سخت گناہ گار ہو گی (۲۸٦)۔

احادیث نبویہ کی روشنی میں:

احادیث مبارکہ قرآن مجید کی مکمل و مفصل تشریح پیش کرتی ہے۔انہی احادیث میں سے کئی احادیث میں آپ ﷺ نے طلاق کے قرآنی قانون کی تفسیر فرمائی ہے اور یہ بیان فرمایا ہے کہ ضرورت کے وقت طلاق جو کہ اللہ کے نزدیک حلال کاموں میں سے ناپسندیدہ کام ہے اس کو عمل میں لایا جا سکتا ہے۔صحاح ستہ میں سے کتاب الطلاق کے حوالے سے چند احادیث مبارکہ حسب ذیل ہیں چنانچہ صحیح بخاری میں ہے

((طلّق ابن عمر امراته وهي حائض، فذكر عمر للنبي ﷺ فقال: ((ليراجعها))، قلت : اتحتسب؟ قال فمه؟. وعن قتادة، عن يونس بن جبير، عن ابن عمرؓ قال:

((مره فليراجعها))، قلت: تحتسب؟ قال: أرأيته ان عجز و استحمق))(۲۸۷)۔

ترجمہ: ابن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی۔ پھر حضرت عمرؓ نے اس کا ذکر نبی کریم ﷺ سے کیا۔ آپ ﷺ نے اس پر فرمایا کہ چاہیے کہ رجوع کرلیں ۔ (انسؓ نے بیان کیا) میں نے ابن عمرؓ سے پوچھا کہ کیا یہ طلاق، طلاق سمجھی جائے؟ انہوں نے کہا کہ چپ رہ، اور قتادہ نے بیان کیا۔ان سے یونس بن جبیر نے اور ان سے ابن عمرؓ نے بیان کیا (ہ آپ ﷺ نے ابن عمرؓ سے) فرمایا، اسے حکم دو کہ رجوع کرلے (یونس بن جبیر نے بیان کیا کہ) میں نے پوچھا کہ، کیا طلاق طلاق سمجھی جائے گی؟ ابن عمرؓ نے کہا! تو کیا سمجھتا ہے اگر کوئی کسی فرض کے ادا کرنے سے عاجز بن جائے یا احمق ہو جائے تو وہ فرض اس کے ذمہ ساقط ہوگا؟ ہرگز نہیں، مطلب یہ کہ اس طلاق کا شمار ہوگا۔

مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ جن کا شمار حضور ﷺ کے جلیل القدر اصحاب کرامؓ میں ہوتا ہے، وہ بھی اس فعل طلاق کے مرتکب ہوئے ۔ چنانچہ یہ ثابت ہوا کہ طلاق ناگزیر حالات میں جائز ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت دی ہے اور رسول کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحابؓ نے بھی اس کو استعمال کیا ہے۔

آپ ﷺ چونکہ حکیم الامت تھے اور آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں صحابہ کرامؓ کو یہ فائدہ تھا کہ کوئی بھی مسئلہ ہونے کی صورت میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس مسئلہ کا حل دریافت کرتے جیسا کہ صحیح مسلم میں شعبی نے حضرت فاطمہ بنت قیسؓ سے ان کے معاملے میں حضرت محمد ﷺ کا فیصلہ دریافت فرمایا تو حضرت فاطمہؓ نے فرمایا:

((طلقها زوجها البتة، فقالت: فخاصمته الى رسول الله ﷺ فى السكنىٰ و النفقة، قالت: فلم يجعل لى سكنىٰ ولا نفقةً، وامر نى أن عتدّ فى بيت ابن ام مكتوم))(٢٨٨).

ترجمہ: مجھ کو تین طلاقیں دیں میرے شوہر نے اور میں رسول کریم ﷺ کے پاس اپنا جھگڑا لے گئی مکان اور نفقہ کیلئے تو انہوں نے مجھے نہ مکان دلوایا اور نہ نفقہ اور حکم دیا کہ ابن مکتومؓ کے گھر کی عدت پوری کرو۔

طلاق دینا خود آنحضور ﷺ کے اپنے فعل سے بھی ثابت ہے، جیسا کہ ابن ماجہ میں حضرت عمرؓ سے روایت ہے:

((أنَّ رسول ﷺ طلّق حفصه، ثُمَّ راجعها))(٢٨٩)۔

ترجمہ: کہ آنحضور ﷺ نے ام المؤمنین حضرت حفصہؓ کو طلاق دی پھر ان سے رجعت فرمائی۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اپنے نبی ﷺ کو ام المؤمنین حضرت حفصہؓ سے رجعت کر لینے کا اشارہ ہوا کہ وہ روزہ رکھنے والی ہے عبادت کرنے والی ہے اور تیری بی بی ہے جنت میں بھی۔ چنانچہ اس بات سے حضرت حفصہؓ کا مرتبہ ومقام ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں احکام حضور ﷺ کو بتائے ۔احادیث مبارکہ میں طلاق دینے کا مسنون طریقہ بھی بتایا گیا ہے۔ چنانچہ سنن نسائی میں ہے:

((عن عبد اللّٰہؓ انّه قال: طلاق السنة تطليقةٌ وهى طاهر فى غير جماع، فاذا حاضت و طهرت طلقها اخرىٰ، فاذا حاضت وطهرت طلّقها اخرىٰ ،ثم تعتدّ بعد ذلك بحيضة.

قال الاعمش: سألت ابراهيم فقال مثل ذلک))(۲۹۰)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہؓ سے روایت ہے کہ طلاق سنت اس طریقہ سے ہے کہ انسان بغیر جماع کیے عورت کو پاکی کی حالت میں طلاق دے دے پھر جس وقت حیض آجائے اور وہ عورت پاک ہو جائے تو اس وقت اس کو ایک دوسری طلاق دے دے پھر جس وقت اس کو حیض آجائے اور وہ پاک ہو جائے جب اس کو ایک اور طلاق دے پھر اس کے بعد عورت، ایک حیض عدت گزارے۔ حضرت اعمشؒ فرماتے ہیں میں نے ابراہیم سے دریافت کیا انہوں نے بھی اسی طریقہ سے بیان فرمایا۔

یعنی کہ عورت کو پاکی کی حالت میں ایک طلاق دی جائے یہ طریقہ سنت کے موافق ہے اور عورت کو تینوں طلاق یعنی طلاق مغلظہ دینا منع ہے اگر چہ تین طلاق دینے سے تینوں طلاقیں واقع ہو کر حرمت مغلظہ ہو جاتی ہیں اور حلالہ کیے بغیر عورت شوہر کے لیے حلال نہیں ہوتی۔ طلاق کے لیے کچھ شرائط کا ہونا لازمی قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ترمذی شریف میں حضرت عمرو بن شعیبؓ کی روایت کو اس طرح بیان کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((لا نذر لابن آدم فيما لا يملک ولا عتق له فيما لا يملک ولا طلاق له فيما لا يملک))(۲۹۱)۔

ترجمہ: انسان جس چیز کا مالک نہیں اس کے لیے اس میں نہ نذر ہے نہ آزاد کرنا ہے اور نہ طلاق ہے۔

مذکورہ بالا حدیث مبارکہ میں واضح طور پر فرمادیا گیا کہ اگر کوئی نکاح سے قبل کہہ دیتا ہے کہ میرے ہونے والی بیوی کو طلاق ہے تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ نکاح سے قبل وہ طلاق دینے کا اختیار نہیں رکھتا۔ طلاق کا معاملہ ہو یا غلام آزاد کرنے کا یا نذر کا یا کسی چیز کی بیع کا معاملہ ہو، جب تک انسان کسی چیز کا مالک نہ ہو اس کا تصرف جائز نہیں یہی وجہ ہے کہ غیر شخص کی منکوحہ پر طلاق واقع نہیں ہوتی اسکے متعلق ارشاد رسول ﷺ ہے کہ

((لا طلاق الا فيما تملک، ولا عتق الا فيما تملک......))(۲۹۲)۔

ترجمہ: جو آپکے نکاح میں نہیں اس پر طلاق نہیں اور نہ وہ غلام یا باندی جو آپ کے تصرف میں نہیں، نہ اسکی آزادی کی کوئی حقیقت

طلاق ایک ایسا سنجیدہ فعل ہے کہ اس کو ہنسی مذاق بنانے سے سخت منع فرمایا گیا ہے اس بارے میں قرآن وحدیث میں واضح احکامات موجود ہیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں ابو داؤد شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

((ثلاث جدّهن جدّ وهزلهنّ جدّ: النكاح والطلاق والرجعة.))(۲۹۳)۔

ترجمہ: تین اشیاء ایسی ہیں کہ اگر ان کو جان بوجھ کر یا ہنسی مذاق میں کر لے (تو بھی) وہ درست ہو جائیں گی۔ (۱) نکاح، (۲) طلاق، (۳) رجعت۔

اس حدیث سے واضح ہے کہ طلاق کہنے سے ہرصورت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے خواہ وہ طنز یا استہزاء کی صورت میں کہی گئی ہو، یا ارادہ سے اور یہ کہ طلاق میں نیت کا نہیں بلکہ الفاظ کا اعتبار ہے ۔(۲۹۴) ۔
لیکن بعض صورتوں میں یعنی طلاق کنایہ میں نیت کا اعتبار کیا جاتا ہے(۲۹۵) ۔

قرآن وسنت کے ارشادات اور تعامل صحابہ کرامؓ و تابعین سے عدد طلاق کے متعلق جو کچھ ثابت ہوتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب طلاق دینے کے سوا کوئی چارہ نہ رہے تو طلاق کا احسن طریقہ یہ ہے کہ صرف ایک طلاق حالت طہر میں دے دے جس میں مباشرت نہ کی ہو اور یہ ایک طلاق دے کر چھوڑ دے عدت ختم ہونے کے ساتھ رشتہ نکاح خود ٹوٹ جائے گا ۔اس کو فقہاء نے طلاق احسن کہا ہے اور حضرات صحابہ کرامؓ نے اسی طلاق کو بہترین طریق قرار دیا ہے(۲۹۶) ۔

الغرض شریعت اسلامیہ کے ہر عملی پہلو کی فرضیت کا تعلق قرآن واحادیث سے ہے ۔اسی حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے طلاق کو بااعتبار ضرورت قرآن وحدیث اور اجماع سے ثابت کیا گیا ہے ۔ جہاں تک قرآن کریم کا تعلق ہے تو اس سے طلاق کا مکمل طریقہ کار ہمیں معلوم ہوتا ہے ۔لیکن جہاں تک احادیث مبارکہ کا تعلق ہے تو حدیث ہمیں ہر چیز کا عملی وقولی نمونہ پیش کرتی ہے ۔ چنانچہ طلاق کے سلسلے میں بھی ہمیں احادیث مبارکہ میں بہت سی روایات ملتی ہیں جن کا ذکر سابقہ سطور میں ہو چکا ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ناگزیر حالات میں اور نبھا نہ ہونے کی صورت میں آنحضورﷺ نے بھی اپنی ایک زوجہ حضرت حفصہؓ کو طلاق دی اور پھر ان سے رجوع فرمایا ۔ اسی طرح آثار صحابہ کرامؓ سے متعلق روایات بھی ہمیں احادیث مبارکہ سے ملتی ہیں جن سے ناچاقی کی صورت میں طلاق دینا ثابت ہوتا ہے ۔اسی طرح اجماع کے حوالے سے فقہائے کرام نے بھی اس فعل کو نہایت ہی مدلل انداز میں قرآن وسنت سے ثابت کیا ہے ۔ چنانچہ ان تمام دلائل یعنی قرآن ،حدیث ،آثار صحابہ کرامؓ اور اجماع سے ہم یہ استدلال کرتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ طلاق ایک ایسا فعل ہے جس کو اللہ تعالیٰ حلال چیزوں میں ناپسندیدہ قرار دیتا ہے ۔حضرت محاربؓ سے روایت ہے کہ حضورﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:((مـــا احل اللّٰه شيئا أبغض اليه من الطلاق)) (۲۹۷) ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز اشیاء میں طلاق سے بڑھ کر کوئی مبغوض چیز نہیں ہے ۔

کیونکہ عائلی قوانین بھی اس کی ضرورت مسلمہ ہے ۔جبکہ مرد وزن آپس میں نبھا نہ کرسکیں تو شریعت نے ان کو زبردستی اور مارے بندھے ایک دوسرے کے ساتھ رہنے پر مجبور نہیں کیا بلکہ طلاق، خلع اور فسخ نکاح جیسے قوانین نافذ کرکے انسانیت کو یہ رخصت عنایت کی ہے کہ وہ ایک پرسکون زندگی گزار سکے ۔اور ہم پر اللہ تعالیٰ کا یہ فضل ہے کہ اس نے ہر کام میں ہمارے لیے آسانی پیدا کی ہے تا کہ ہم معاشرت زندگی کے مقاصد کو اس کے احکامات کے مطابق پورا کرسکیں ۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾(۲۹۸) ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تمہارے ساتھ آسانی اور وہ نہیں چاہتا تمہارے ساتھ تنگی ۔

طلاق کے الفاظ

جو الفاظ واضح مفہوم رکھتے ہوں اور ان سے طلاق کے ارادے کی نشاندہی ہوتی ہو ان سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ جس طرح دیگر علمی حقیقتوں پر دلالت کے لیے جدا اور مستقل الفاظ استعمال ہوتے ہیں، اسی طرح طلاق کے بھی کچھ الفاظ ہیں جو اپنی وضع اور ساخت کے لحاظ سے طلاق کے مفہوم پر دلالت کرتے ہیں یا یہ کہ ان کا طلاق مفہوم میں استعمال عام ہو گیا ہے۔ اس لیے قرائن کی موجودگی کے بغیر ہی ذہن اس طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

طلاق کی اقسام :

طلاق کی بنیادی طور پر دو اقسام ہیں:

(۱) احسن، (۲) حسن،

☆ احسن یہ ہے کہ خاوند بیوی کو ایک مرتبہ طلاق دے اور اس کے بعد تین طُہر تک اس کے نزدیک نہ جائے اور رجوع نہ کرے، اس طرح عدت کی میعاد گزر جانے پر طلاق مکمل ہو جائے۔

☆ حسن یعنی خاوند ہر ایک طُہر میں ایک بار طلاق کہے۔ دو بار طلاق کہنے کے بعد تک وہ رجوع کر سکتا ہے۔ لیکن تیسرے طُہر میں تیسری مرتبہ طلاق دینے کے بعد وہ رجوع نہیں کر سکتا۔ اب بیوی کو لازماً کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنا پڑے گا اور اگر وہ پہلے خاوند سے دوبارہ شادی کرنا چاہتی ہے تو اسے دوسرے خاوند سے طلاق لینا پڑے گی۔ (۳۰۰)۔

یعنی اسلامی طریقہ میں ہر بات کا خیال رکھا گیا ہے اور عورت کے حقوق اور عزت نفس کا دھیان کیا گیا ہے اور سنت طریق بتایا گیا کہ کون سا طریقہ اسلام کے مطابق ہے اور کونسا احسن اور درست ہے

تہوار: اسلامی تہوار

عید:

عید کا لغوی معنیٰ:

عید کا لفظ عود سے ہے جس کے معنیٰ لوٹنا کے ہیں۔ یہ آرامی زبان کا لفظ ہے۔ یعنی خوشی کا وہ دن جو بار بار آئے۔ عربی میں تہوار کے لئے عید کا لفظ مستعمل ہے:

"إنما العيد ما عاد اليك من شوق (۳۰۱)۔"

ترجمہ: عید وہ ہے جو شوق سے تیرے پاس (بار بار) لوٹ آئے۔

عید کا نام اس لئے عید رکھا گیا ہے کہ اس میں خدا کیطرف سے اس کے بندوں پر طرح طرح کے عوائد احسان او رفوائد امتنان ہوتے

ہیں یا اس لئے کہ وہ ہر برس ایک تازہ اور نئی مسرت وخوشی کے ساتھ عود کرتی تھی ۔بعض علماء کہتے ہیں کہ عید کو عید اس لئے عید کہتے ہیں کہ اس میں ایماندار خدا کی محبت اور اطاعت کا اظہار کرتے ہیں اور اس کے عادی ہوتے ہیں ۔خوشی کے دن ہر ملک اور ملت میں پائے جاتے ہیں جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

((إنّ لکلّ قومٍ عیداً، وَ ھذا عیدُنا))(۳۰۲)۔

ترجمہ: ہر قوم کے لئے عید اور خوشی کے دن ہیں اور آج مسلمان کی عید ہے (ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے بیشک ہماری عید آج ہے)۔

قرآن کریم سے بھی عید کا ثبوت ملتا ہے سورہ المائدہ میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے وہ حقیقتاً دعا ہے جو عیسیٰؑ نے مانگی تھی کہ:

﴿اللّٰھُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآئِدَۃً مِّنَ السَّمَآءِ تَکُوْنُ لَنَا عِیْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰیَۃً مِّنْکَ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْن﴾(۳۰۳)۔

ترجمہ: اے پروردگار! تو آسمان سے ہمارے لئے خوان نازل فرما۔جو ہمارے پچھلوں اور اگلوں کے لئے عید ہو اور ایک نشانی اور تو سب دینے والوں میں اچھا دینے والا ہے۔

ہر قوم میں مذہبی تہوار ہوتے ہیں جس کے پس منظر میں کچھ مقصد ضرور ہوتا ہے ۔اسلام ایسا مذہب ہے جس میں دین و دنیا دونوں کی خاطر مذہبی اور قومی شعائر میں مابہ الامتیاز خصوصیات رکھی ہیں دوسرے لوگ اپنے تہواروں کو انسانیت کے دائرے سے باہر ہو کر شراب، جوا اور دوسرے لہوولعب میں دن گزار دیتے ہیں ۔لیکن اسلامی تہواروں میں نہ شراب و جوا ہے نہ لہوولعب نہ انسانیت سوز نظارے ۔بلکہ تواضع اور انکساری، خاکساری اور ملنساری خشیت الٰہی کے جلوے ہمدردی اور غم خواری ہے۔ اتحاد وا تفاق ہے ۔حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو مدینہ کے مسلمانوں کو خوشی کا دن مناتے اور لہوولعب کرتے دیکھا تو فرمایا کہ یہ کیسا دن ہے؟ تو لوگوں نے کہا کہ ہم قدیم زمانے سے ان دنوں میں لعوولعب کے ذریعے خوشیاں مناتے آیا ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((إنّ اللّٰہ قد أبدلکم بھما خیراً منھما: یوم الاضحیٰ، و یوم الفطر))(۳۰۴)۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ان دنوں سے بہتر دو دن مقرر فرما دیئے ہیں تم ان میں خوشیاں منایا کرو ایک عید الفطر اور دوسرا عید الاضحیٰ۔

عیدالفطر:

یعنی روزے کھلنے کا سالانہ جو ختم رمضان پر بڑے شوق و ذوق سے منایا جاتا ہے ۔رمضان شریف کے اختتام پر نماز عید سے پہلے مساکین اور غرباء کو صدقہ فطر دیا جاتا ہے اور یہ ہر مسلمان پر فرض ہے ۔یکم شوال کو علی الصباح نہا دھو کر اچھے کپڑے

پہنتے اور عیدگاہ یا شہر کی بڑی مسجد میں چاشت کیوقت جمع ہوکر دوگانہ نماز باجماعت ادا کرتے ہیں۔ پھر آپس میں گلے ملتے ہیں اور عزیزواحباب سے ملاقاتوں سوغاتوں اور ضیافتوں میں دن گزارتے ہیں۔ میٹھی چیزیں کھانے کھلانے کا عام دستور ہے۔ اس وجہ سے اس عید کو میٹھی عید بھی کہتے ہیں۔ معمولی حیثیت کے لوگ بھی اس روز خیرات' عمدہ کھانے کھانے اور اچھا لباس پہننے کا اہتمام کرتے ہیں۔ بچوں کو عیدیاں' کھلونے اور مٹھائیاں دی جاتی ہیں۔ اس وجہ سے اس کو چھوٹی یا چھوٹوں کی عید بھی کہا جاتا ہے۔

مسلمانوں کی عید میں عبادت الٰہی اور ذکر تسبیح وتہلیل ہے۔ عیدین کے دنوں میں شب بیداری کرنے والے کے ساتھ بہترین اجر کا وعدہ ہے۔ جس کا ذکر ایک حدیث میں یوں آیا ہے:

> ((عیدالفطر کی رات کو فرشتوں میں بوجہ خوشی دھوم مچ جاتی ہے' اور اللہ تبارک وتعالیٰ دریافت فرماتے ہیں کہ اے فرشتو بتاؤ جب مزدور اپنی مزدوری پوری کر چکے تو اس کی جزا کیا ہے؟ عرض کرتے ہیں کہ اسے پوری اجرت ملنی چاہیے۔ فرماتے ہیں فرشتو گواہ رہو میں نے امت محمدﷺ کے روزہ داروں کو بخش دیا۔ اور ان کے لئے جنت واجب کر دیا))(۳۰۵)۔
>
> اس لئے اس رات کا نام فرشتوں میں لیلۃ الجائزہ یعنی انعام واکرام کی رات مشہور ہے۔

اسی طرح عید کے دن ابلیس لعین نہایت دردناک آواز سے روتا ہے۔ اس کے رونے سے تمام شیاطین جمع ہوکر کہتے ہیں کہ اے ہمارے سردار تجھے کس چیز نے دکھ پہنچایا ہے اور کس نے غصہ میں ڈالا۔ شیطان کہتا ہے آج میری جان پر بڑا غضب یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ نے امت محمدیﷺ کو بخش دیا۔ لہٰذا تم سے جہاں تک بن پڑے انہیں ناجائز لذات' بے جا خواہشات' لہوولعب اور شراب نوشی میں مشغول کردو۔ یہاں تک کہ خدا کے غصے کی آگ بھڑک اُٹھے۔

عیدالاضحیٰ:

لفظی معنٰی قربانیوں کا تہوار۔ مسلمانوں میں اسے بڑی عید یا بقرعید بھی کہتے ہیں۔ ہر سال دس ذی الحجہ کو دراصل حج کی خوشی میں مناتے ہیں۔ صاحب استطاعت حاجیوں پر اس روز میدان عرفات میں نو ذی الحج گزار کر ۱۰ ذی الحج کو منیٰ آ کر رمی جمرات کے بعد قربانی کرنا واجب ہے۔ اسی طرح مقدرت والے لوگ اپنے گھروں پر قربانی ادا کرتے ہیں۔ یہ قربانی دسویں تاریخ دن نکلے دو رکعت عید کی نماز پڑھنے کے بعد سے لیکر عید کے تیسرے دن مغرب سے پہلے تک ادا کی جاسکتی ہے۔ قربانی کا گوشت اور کھالیں خیرات کی جاتی ہیں۔ تہائی گوشت خود کھایا جاتا ہے یا عزیزوں میں بانٹا جاتا ہے۔ عید کے تین دن (ایام تشریق) میں عموماً دعوتیں' ملاقاتیں اور خوشیاں منانے کا اہتمام ہوتا ہے(۳۰۶)۔

یہودیوں کے تہوار:

یہودیوں کے یہاں مختلف قسم کے تہوار پائے جاتے ہیں جن کو وہ بڑے اہتمام سے مناتے ہیں ان کا مختصر تذکرہ ذیل میں کیاجاتا ہے۔

۱۔ قربانی:

قدیم ایام سے ہی یہودی قربانی دیا کرتے تھے۔ یہ ان کی عبادت کا اہم جزو سمجھی جاتی تھی۔ چوپایوں میں بھیڑ بکریاں اور پرندوں میں فاختہ اور کبوتر کو ترجیح دی جاتی تھی۔اسرائیلی معابد میں آگ ہر وقت جلتی رہتی
اور میں قربانی کے جانور پورے ڈال دیے جاتے تھے۔لیکن اجناس کی قربانی کی صورت میں ان کا کچھ حصہ جلا دیا جاتا اور باقی ماندہ حصہ پروہتوں کو دے دیا جاتا۔

سوختنی قربانی ایسے موقعوں پر دی جاتی جب کوئی شخص کسی کا مرتکب ہونے کے بعد اس کی تلافی کرنا چاہتا۔خاص مواقع پر بھی قربانیاں دی جاتیں۔مثلاً جب نیا چاند نمودار ہوتا تو پورے خاندان کی طرف سے قربانی پیش کی جاتی۔قربانی کے دوران باجے بجائے جاتے اور بگل بجایا جاتا۔فصل کی کٹائی کا آغاز کرنے سے پہلے قربانی دی جاتی اور کٹائی کی تکمیل پر قربانی دی جاتی
۔

اسرائیلیوں میں سب سے اہم دن ساتویں مہینے کی دسویں تاریخ تھی۔اس دن قربانی کا خاص اہتمام کیا جاتا'پروہت اعلیٰ معابد کے اندرونی حصے میں داخل ہوتے اور اپنے خاندان کی طرف سے دو بکرے قربانی کرتے'ایک یہوواہ کے لئے مخصوص کردیا جاتا اور دوسرا اعزرا کے لئے وقف ہوتا۔یہووا کا بکرا گناہوں کے کفارے کے طور پر پیش کیا جاتا دوسرے بکرے پر پروہت اعلیٰ بنی اسرائیل کے گناہوں کو منتقل کر کے اسے جنگل کی طرف ہنکار دیتا تھا۔(۳۰۷)

۲۔ عیدِفصح/فسح:

یہودیوں کی سب سے بڑی عید،خداوند یسوع مسیح کے زمانہ میں اس عید پر برہ ذبح کیا جاتا تھا جو اُس برے کی یاد دلاتا تھا جسے بنی اسرائیل کے باپ دادا کے ملک مصر میں اپنی پہلی فسح (Pass over) کے موقع پر قربان کیا جاتا تھا اور اس کا خون اپنے دروازوں کی چوکھٹوں پر لگایا تھا جب خداوند کا فرشتہ پہلوٹھوں کو مارنے کے لئے آیا تو بنی اسرائیل کے نشان زدہ گھروں کو چھوڑتا ہوا آگے بڑھ گیا۔یہ وہ مذہبی تہوار ہے جسے یہودی خروج کی یاد میں جبکہ وہ مصر سے بھاگے تھے مناتے ہیں۔یہ عید اپریل کی ۱۴ تاریخ کی شام کو شروع ہوتی ہے۔اس کے منانے کی تاریخیں ۱۵ اور ۱۶ اپریل ہیں(۳۰۸)

۳۔ پوریم/فوریم:

یہ دن یہود ہامان کے ہاتھ سے بچنے کی خوشی میں مناتے ہیں یہ ۱۱ فروری کو منایا جاتا ہے۔

۴۔ چونوکاہ:

یہ دن اس فتح کی یاد میں منایا جاتا ہے جب یہود کے سالار یہودا مکابیں نے شامیوں کے
لشکر پر حاصل کی تھی۔

۵۔ یوم ہائزموت:

یہ ایک نیا تہوار ہے جو اس دن کی یاد میں منایا جاتا ہے جب موجودہ اسرائیل کی
سلطنت فلسطین میں قائم ہوئی۔

۶۔ یوم السبت:

یہودیوں کے نزدیک یوم السبت یعنی ہفتہ کا دن مبارک خیال کیا جاتا ہے۔اس
دن سارے کام چھوڑ کر عبادت کی جاتی ہے(۳۰۹)۔

۷۔ یوم خمیس:(Rentecost)

یہ یونانی لفظ ہے جس کے معنی ہیں پچاسواں' یہ عید فصح کے بعد پچاسویں دن منایا جاتا ہے۔اس لئے یہ تہوار اس نام سے موسوم ہے۔اس موقع پر یہ رسم ادا کی جاتی ہے کہ پروہت نئے گیہوں کی دو خمیری روٹیاں یہوداہ کے سامنے ۔۔۔۔۔ہے پھر اس کے بعد اسے کھالیتا ہے۔اس وقت سات بھیڑیں یا بیل اور دو دنبے ذبح کیے جاتے ہیں اس دعوت میں غرباء مساکین بیواؤں یتامی اور مسافروں کو مدعو کیا جاتا ہے۔

۸۔ عید خیام/سکوت:

عید خیام یعنی خیموں کی عید ہے، یہ یہودیوں کی تین بڑی اور سالانہ عیدوں میں سے ایک تھی اور ساتویں عبرانی مہینے تشری (اکتوبر) کی پندرہ تاریخ کومنائی جاتی تھی ۔لوگ فصل کاٹے اور جمع کرنے کے بعد درختوں کی شاخوں سے جھونپڑیاں بناتے اور سات دن تک جشن مناتے ۔یہ عید اس وقت کی یادگار تھی جب بنی اسرائیل مصر کی غلامی سے آزادی کے بعد یہاں کے خیموں میں رہتے (۳۱۰)۔

۹۔ عید فطیر:

اس عید پر جس آٹے سے روٹی تیار کرتے ہیں اس میں خمیر نہیں ملاتے اس لئے اس عید کو بے خمیری روٹی کی عید بھی کہتے ہیں جب بنی اسرائیل ملک مصر سے نکلے تھے تو اتنی جلدی میں تھے کہ روٹی پکانے کے لئے آٹے میں خمیر نہ ملا سکے جو روٹیاں انہوں نے ساتھ لئے وہ بغیر خمیر کے تھیں(۳۱۱)۔

۱۰۔ عید تجدید (حنوکا):

یہ عید دسمبر کے مہینے کے دوران آٹھ دن کے لئے منائی جاتی تھی ۔اس کے بعد ہیکل کی تجدید کی یادگار منائی جاتی تھی ۔(۳۱۲)۔

۱۱۔ عید فوریم:

یہ عید مارچ کے مہینے کی ۱۴ویں تاریخ کو اللہ کی مدد سے ہامان کے پرفریب منصوبے سے عبرانیوں کی رہائی کی یاد میں منائی جاتی ہے (۳۱۳)۔

۱۲۔ یہود میں سات کا عدد مقدس سمجھا جاتا ہے جس طرح ہفتہ کا ساتواں دن ان کے نزدیک بہت مقدس ہے اسیطرح ساتواں مہینہ بھی مقدس خیال کیا جاتا ہے ۔جب ساتواں مہینہ شروع ہوتا ہے تو قربانی دوگنی کردی جاتی ہے ۔دن بھر بگل بجتا رہتا ہے ۔ہر ساتویں سال زمینیں بلا کاشت چھوڑ دی جاتی ہیں ۔دعوتوں میں غرباء کو مدعو کیا جاتا ہے ۔جو غرباء سے بچ جائے وہ جانوروں کے آگے ڈال دیا جاتا ہے ۔اس سال تمام قرض معاف کردیے جاتے ہیں یا کم از کم ادائیگی کی میعاد میں توسیع ضرور کی جاتی ہے ۔یہ سال کنعان میں آباد ہونے کے بعد ہر سات سال بعد منایا جاتا ہے ۔اس کے بعد ہر انچاسویں یا پچاسویں سال کو بڑی اہمیت حاصل ہے ۔اس دن زمینیں ان کے اصل مالکوں کو لوٹا دی جاتی ہیں ۔غلام کی غلامی ختم ہو جاتی ہے اس کا مقصد صرف اقتصادی ہے کہ یہ سرمایہ صرف ایک شخص کا اجارہ نہ بن جائے ۔

۱۳۔ یوم کفارہ (سب سے اہم تہوار)

یہودی اپنے سال نو کے آغاز میں ایک دس روزہ تہوار مناتے ہیں جسے یوم کفارہ کہا جاتا ہے ۔اس تہوار کے اختتام پر یہ اپنی گناہوں کی معافی، سال نو کے لئے خصوصی دعائیں اور صدقہ وخیرات کا عمومی اہتمام کرتے ہیں ۔اس موقعے پر کھانے پینے کی چیزوں کی طرف توجہ کی بجائے روایتی اعمال کی طرف زیادہ توجہ دی جاتی ہے ۔اور اسے یہودی یوم کفارہ کے نام سے یاد کرتے ہیں (۳۱۴)۔

عیسائیوں کے تہوار:

عیسائیوں کے ہاں مختلف قسم کے تہوار منانے کا اہتمام ہوتا ہے جن کا مختصر تعارف ذیل پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ عشائے ربانی:

اس رسم کی حقیقت یہ ہے کہ روٹی اور شراب جو مسیح کی یاد میں اتوار کے دن گرجے کی عبادت کے بعد کھائی جاتی ہے وہ مقدس ہو جاتی ہے ۔کھانے والے میں پاکیزگی وطہارت پیدا ہو جاتی ہے اور اس کا الوہیت کے ساتھ اتصال ہو جاتا ہے ۔یہی تصور مشرقی ممالک میں قربانی یا چڑھاوے کے متعلق ہے
کہ اس کے کھانے سے کھانے والے کے اندر پاکیزگی وطہارت پیدا ہو جاتی ہے اسی تصور نے عشائے ربانی

کی شکل اختیار کر لی۔

۲۔ ایسٹر کا تہوار:

عیسائی عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ کے مرنے کے تیسرے دن ۲۱ مارچ بروز اتوار زندہ ہوئے۔احیائے ثانیہ کی خوشی میں عیسائی ۲۱ مارچ یا اس کے بعد پہلے اتوار کو ایسٹر کا تہوار مناتے ہیں۔اس کو ایرانیوں نے ''نوروز'' کرکے منایا۔ ہندوؤں نے بسنت کا دن، مصر و آئر لینڈ والوں نے ایسٹر کے دن بہار کے دن آسٹر کی پرستش کے لئے مخصوص کرتے ہیں۔یہ تقریب دراصل بہار کی دیوی کی تقریب ہے۔

۳۔ کرسمس:

کرسمس ۲۵ دسمبر کو منایا جاتا ہے۔عیسائی اس تاریخ کو عیسیٰ کی ولادت کی تاریخ کہتے ہیں لیکن عیسیٰ سے پہلے یہ دن متعدد مر کر زندہ ہونے والے دیوتاؤں کی ولادت بھی اسی تاریخ میں ظاہر کی جاتی تھی۔راہبوں نے عیسائیت کو دوسری اقوام میں مقبول بنانے کے لئے ان کے نظریات کو اپنے مذہب میں داخل کرلیا (۳۱۴)۔

۴۔ اتوار کا دن:

انگریزی میں اتوار کو سنڈے کہتے ہیں اور سن کا مطلب ہے سورج تو سنڈے کا معنی ہوا سورج کا دن۔اصل میں یونانی مشرکوں کے ہاں یہ دن سورج کی پوجا کے لئے مقرر تھا اسی طرح ہندو اتوار کو سورج کی پوجا کے لئے مخصوص رکھتے تھے۔ان کی دیکھا دیکھی عیسائیوں نے بھی اسے مقدس سمجھنا شروع کیا۔اب یہ ان کے یہاں ایک مقدس دن اور تہوار کا موقع ہوتا ہے (۳۱۵)۔

گڈ فرائی ڈے (Good Friday):

حضرت عیسیٰ کے زندگی کے آخری آٹھ دن بڑے اہم ہیں۔لہٰذا عیسائی نقطہ نظر سے مسیح کی زندگی کے آخری ہفتے کا ہر دن یادگار اور متبرک ہے۔گڈ فرائی ڈے سوگ کا دن ہے اسی دن حضرت عیسیٰ کو (بقول عیسائیت) مصلوب کیا گیا تھا۔کیتھولک گرجوں میں اس دن گھنٹیاں نہیں بجائی جاتیں۔چونکہ ایک عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ جمعہ کو سہ پہر تین بجے مصلوب کیے گئے تھے۔لہٰذا اس وقت گرجوں میں تعزیتی اجتماعات ہوتے ہیں جن میں سب سے پہلے پادری ان اذیتوں کا بیان کرتا ہے جو حضرت عیسیٰ نے اپنی زندگی میں اٹھائیں پھر صلیب کی تعظیم کا ذکر ہوتا ہے اس کے بعد تین گھنٹے تک عبادت ہوتی ہے اور آخر میں سوگ منانے والے عیسائی حضرات سیاہ لباس میں ملبوس تعزیتی خاموش جلوس نکالتے ہیں جس کے آگے آگے چند عیسائی ایک تابوت اپنے کندھے پر اٹھاتے چلتے ہیں۔جسے حضرت عیسیٰ کے جنازے کی علامت تصور کیا جاتا ہے۔اس موقع پر اکثر عیسائی حضرات روزہ بھی رکھتے ہیں۔مشرقی چرچ گڈ فرائی ڈے کی اصطلاح کے بجائے Great Friday استعمال کرتے ہیں۔

عیسائیوں میں قربانی:

عیسائی مذہب کا دارومدار اسی قربانی پر ہے عہد نامہ جدید یعنی مروجہ اناجیل سے قربانی کا ثبوت ملتا ہے چنانچہ انجیل متی میں ہے: کہ ''اگر تو قربان گاہ پر اپنی نظر گزرانتا ہو اور وہاں تجھے یاد آئے کہ میرے بھائی کو مجھ سے کچھ شکایت ہے تو وہیں قربان گاہ کے آگے اپنی نذر چھوڑ دے اور جا کر پہلے اپنے بھائی سے ملاپ کر تب آ کر اپنی نذر گزران۔(۳۱۶)۔''

ایف ایس خیر اللہ قاموس الکتاب میں لکھتے ہیں قربانیوں کی کئی قسمیں تھیں مگر پانچ قربانیاں اہم تھیں۔

سوختنی قربانی	نذر کی قربانی	سلامتی کا ذبیحہ
خطا کی قربانی	جرم کی قربانی	

یعنی یہ قربانیاں خدا تک رسائی کا وسیلہ ہیں اور مسیح خدا کی طرف سے آدمیوں کی نجات کے لئے آئے (۳۱۷)۔

تجارت:

اسلام میں تجارت:

تجارت کے لغوی معنی

تجارۃ: مادہ''ت ۔ج ۔ر '' تجر یتجر تجراً و تجارۃً، التاجر الذی یبیع ویشتری(۳۱۸)۔

التجارۃ فی التصرف فی رأس المال طلبا للربح ۔۔۔(۳۱۹)۔

سوداگری،بیوپار،فعل تَـــجَـــرَ سے مصدر،بمعنی ''بیوپار کرنا''،فعل مذکورخود'' تاجر سے''جس کے معنی ''بیوپاری'' یا ''سوداگر'' ہیں۔عرب کی تجارتی زبان کی بہت سی مصطلحات کی طرح تاجر بھی آرامی زبان سے مستعار لیا ہوالفظ ہے جو عربی زبان میں زمانہ جاہلیت سے پایا جاتا ہے۔

تجارت کے لئے انگریزی زبان میں عمومی طور پر''Trade '' کالفظ مستعمل ہے اصطلاحاً اردو زبان میں تجارت کے معنی حرفہ، بیوپار، کاروبار، پیشہ، دھندا، کام، شغل جو کاروبار کے طور پر کیا جائے خصوصاً کوئی پیشہ جس میں تربیت حاصل کر رکھی ہو۔داخلی یا خارجی کاروبار یا درآمدی و برآمدی تجارت، لین دین، کوئی خاص سودا،خرید وفروخت یا تبادلہ،سودایا معاملہ۔خریدنا ،بیچنا،تبادلہ یا کاروبار،(۳۲۰)۔

تجارت میں اگر شریعت کا لحاظ رکھا جائے تو اس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی چیز نہیں۔اس کی شرافت کا ثبوت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿رَبُّكُمُ الَّذِىْ يُزْجِىْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِى الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴾ (۳۲۱)۔

ترجمہ: تمہارا پروردگار وہ ہے جو تمہارے لئے سمندروں میں جہازوں کو چلاتا ہے تا کہ تم آسانی سے

اس کا فضل تلاش کرو اس میں شک نہیں کہ خدا تم پر بڑا مہربان ہے۔

اس آیت میں جہاں تجارت کو اللہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے وہاں تجارت کرنے کی ترغیب بھی دی گئی ہے تا کہ لوگ اس پر عمل پیرا ہو کر پیشہ تجارت کے ذریعے دنیا میں خوشحالی پیدا کرے۔تجارت وہ بابرکت پیشہ ہے جس میں نبی ﷺ نے خود بھی حصہ لیا۔زمانہ خشک سالی میں حضور اکرم ﷺ اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ تجارت کے لئے تشریف لے گئے تھے اور پھر حضرت خدیجۃ الکبری کی طرف قافلہ سالار مقرر ہو کر تجارت کو گئے تھے۔حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ بڑے مشہور تاجر تھے اور صحابہ بھی اکثر تجارت کیا کرتے تھے۔سلف کرام میں بھی تجارت کی رسم عام تھے۔(۳۲۲)۔

آنحضرت ﷺ خود تاجر تھے اس لئے مدینے کی تجارتی جمہوریت کی فضا میں ان کا حامی تجارت ہونا ایک قدرتی بات تھی' کیونکہ اس جمہوریت کی خوشحالی کا تمام و کمال انحصار تجارت ہی پر تھا۔کم سے کم دور مکی اول کی سب سے پرانی سورتوں میں سے ایک' (یعنی سورۃ قریش) کی تاویل' جس کا زمانہ اشراف مکہ اور اسلام کا تصادم شروع ہونے سے کچھ پہلے کا ہے' اسی بات کو سامنے رکھ کر کرنا پڑے گی۔

﴿لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ۔ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ۔ فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ۔ الَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ﴾(۳۲۳)۔

ترجمہ: قریش کے مانوس کرنے کے سبب' (یعنی) ان کو جاڑے اور گرمی کے سفروں سے مانوس کرنے کے سبب' (لوگوں کو) چاہیے کہ (اس نعمت کے شکر میں) اس گھر کے مالک کی عبادت کریں جس نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا اور خوف سے امن بخشا۔

لیکن اس زمانے میں بھی ان برائیوں کے خلاف آواز بلند کی گئی' جو تجارت کو ملوث کرنے لگی تھیں اور اس پر زور دیا کہ تجارت قانون اور انصاف کے مطابق ہونی چاہیے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ۔ الَّذِیْنَ اِذَا اکْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ۔ وَاِذَا کَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ یُخْسِرُوْنَ۔﴾ (۳۲۴)۔

ترجمہ: خرابی ہے گھٹانے والوں کی وہ لوگ کہ جب لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا بھر لیں اور جب ان کو ناپ کر دیں تو گھٹا کر دیں۔

وہ لوگ جنکو خرید و فروخت یعنی تجارت کرنا ذکر الٰہی سے نہیں روکتا ان کے بارے میں سورۃ نور میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءِ الزَّکٰوةِ

يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴾ (۳۲۵)۔

ترجمہ: وہ لوگ جنہیں تجارت اور خرید وفروخت اللہ کی یاد نماز قائم رکھنے اور زکوۃ دینے سے غافل نہیں کرنے پاتی اور وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی۔

بہر حال ان آیات سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ مذہبی زندگی پر تجارت کے نقصان دہ اثرات کے متعلق زور دیا گیا ہے۔اس قسم کے افکار کے تسلسل کا نتیجہ مدنی دور میں یوں نظر آتا ہے کہ جمعے کی نماز کے وقت تجارت کو تھوڑی دیر کے لئے چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا۔

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَ ابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. ﴾(۳۲۶)۔

ترجمہ: اے ایمان والو! جب جمعے کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو یادِ الٰہی کی طرف لپکو اور خرید وفروخت چھوڑ دو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم کو سمجھ ہو پھر جب نماز ہو جائے تو زمین میں پھیل پڑو اور خدا کے فضل (یعنی معاش) کو تلاش کرو اور کثرت سے خدا کی یاد کرتے رہو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

دوسری جانب مدنی دور کے آواخر میں اثنائے حج تک میں تجارت کی صریح اجازت موجود ہے (۳۲۷)

لیکن اس پر بھی زور دیا گیا ہے کہ کنبہ قبیلہ مال ومتاع اور اسباب تجارت اللہ اور رسول کے مقابلے میں کوئی چیز نہیں جنہیں ترجیح دی جائے (۳۲۸)۔اسی آخری دور سے متعلق وہ مشہور احکام ہیں جو معاہدوں کو تحریری صورت میں دینے کے بارے میں ہیں (۳۲۹)۔

تجارت از روئے حدیث:

احادیث مبارکہ میں بھی تجارت کے متعلق یہی موقف اختیار کیا گیا ہے۔تجارت کو معزز اور نفع بخش پیشہ خیال کیا گیا ہے اور مویشی پالنے اور دستکاری سے زیادہ آمدنی کا شغل سمجھا گیا ہے (۳۳۰)۔

شریف سوداگر کو بہت عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے ایک حدیث میں ہے:

((التاجر الأمين الصدوق المسلم مع الشهداء يوم القيامة))(۳۳۱)۔

ترجمہ: سچا اور امین تاجر قیامت کے دن انبیاء شہداء اور صالحین کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

اس کے برعکس بد دیانت (فاجر) تاجر کو سزا کی توقع رکھنا چاہیے؛ چنانچہ ایک اور حدیث میں ہے۔

((یا معشر التجّار')) فلما رفعوا أبصارهم ،و مدوا اعناقهم قال :((ان التجّار

يبعثون يوم القيامة فجاّرا إلاّ من اتّقى اللّه و برّ و صدق))(۳۳۲)۔

ترجمہ: اے گروہ تجار! قیامت کے دن سوداگروں کو فاجروں کے ساتھ اٹھایا جائے گا سوائے اس کے جو خدا سے ڈرتا ہے اور نیکوکار اور راست باز ہے۔

یہودیت میں تجارت:

یہودیوں کے ہاں تجارت جائز اور درست ہے اور اس کے متعلق ہمیں ان کی مختلف کتب میں تذکرہ ملتا ہے ۔

کتاب پیدائش میں ہے:

''تو تم ہمارے ساتھ بسے رہو گے اور یہ ملک تمہارے سامنے ہے اس میں بود و باش اور تجارت کرنا اور اپنی جائیدادیں کھڑی کر لینا(۳۳۳)۔''

ربی میر نے کہا کہ:

''جب ایک آدمی اپنے بیٹے کو تجارت سکھاتا ہے تو اسے دنیا کے مالک سے دعا کرنی چاہیے جو دولت اور غربت کا دوا ساز ہے۔ کیونکہ غریب اور امیر دونوں ہر تجارت میں ہوتے ہیں یہ کسی سے کہنا بیوقوفی ہے کہ ''یہ برا کاروبار ہے اس سے زندگی کی ضروریات پوری نہیں ہونگی' کیونکہ وہ اس پیشے میں بہت سے لوگوں کو خوشحال پائے گا اور نہ ہی ایک کامیاب آدمی کو فخر کرنا اور کہنا چاہیے کہ یہ ایک وسیع اور شاندار کاروبار ہے کیونکہ اس نے مجھے دولت مند بنایا ہے' لیکن اس پیشے میں موجود کئی افراد غربت کا شکار ہیں سب لوگ یاد رکھیں کہ ہر چیز خدا کے لامحدود رحم اور حکمت سے ملتی ہے(۳۳۴)۔''

سلاطین اول میں ہے:

''علاوہ اس کے بیو پاریوں اور سوداگروں کی تجارت اور ملی جلی قوموں کے سب سلاطین اور ملک کے صوبہ داروں کی طرف سے بھی سونا آتا تھا(۳۳۵)۔''

ایوب میں لکھا ہے:

''کیا لوگ اس کی تجارت کریں گے؟ کیا وہ اسے سوداگروں میں تقسیم کریں گے(۳۳۶)۔''

یسعیاہ میں لکھا ہے:

''لیکن اس کی تجارت اور اس کی اجرت خداوند کے لئے مقدس ہوگی اور اس کا مال نہ ذخیرہ کیا جائے گا اور نہ جمع رہے گا بلکہ اس کی تجارت کا حاصل ان کے لئے ہوگا جو خدا کے حضور

رہتے ہیں کہ کھا کر سیر ہوں اور نفیس پوشاک پہنیں (۳۳۷)۔"

ایک اور جگہ یوں آیا ہے:

"خداوند یوں فرماتا ہے کہ مصر کی دولت اور کوش کی تجارت اور سبا کے قد آور لوگ تیرے پاس آئینگے اور تیرے ہونگے وہ تیری پیروی کرینگے وہ بیڑیاں پہنے ہوئے اپنا ملک چھوڑ آئیں گیا ور تیرے حضور سجدہ کرینگے وہ تیری منت کریں گے اور کہیں گے کہ یقیناً خدا تجھ میں ہے اور کوئی دوسرا نہیں اور اس کے سوا کوئی خدا نہیں (۳۳۸)۔"

یسعیاہ میں لکھا ہے کہ

"جن کے لئے تو نے محنت کی تیرے لئے ایسے ہی ہونگے۔ جن کے ساتھ تو نے اپنی جوانی ہی سے تجارت کی اُن میں سے ہر ایک اپنی راہ لے گا تجھ کو بچانے والا کوئی نہ رہے گا (۳۳۹)۔"

حزقی ایل میں ہے:

"سمندر کے سب جہاز اور ان کے ملاح تجھ میں حاضر تھے کہ تیرے لئے تجارت کا کام کرے۔۔۔ ترسیس نے ہر طرح کے مال کی کثرت کے سبب تیرے ساتھ تجارت کی۔۔۔ ۔اہل تجرمہ نے۔۔جنگی گھوڑوں اور خچروں کی تجارت کی۔۔۔ بہت سے بحری مما لک تجارت کے لئے تیرے اختیار میں تھے۔۔ارامی تیری دستکاری کی کثرت کے سبب سے تیرے ساتھ تجارت کرتے تھے۔۔۔وہ۔۔اور شہد۔۔بلسان لا کر تیرے ساتھ تجارت کرتے تھے۔۔۔ وہ بڑے اور مینڈھے اور بکریاں لا کر تیرے ساتھ تجارت کرتے تھے سبا اور۔۔سوداگر تیرے ساتھ سوداگری کرتے تھے (۳۴۰)۔"

عیسائیت میں تجارت:

عیسائیت میں بھی تجارت حلال ہے اور عیسائی اس سلسلے میں عہدنامہ قدیم کو ہی مانتے ہیں اور اکثر قانونی معاملات اور احکامات میں ان کی ہی کی پیروی کرتے ہیں۔ نیز اس کی تائید عہدنامہ جدید سے بھی ہوتی ہے۔

متی میں لکھا ہے:

"جو ہیکل میں خرید و فروخت کر رہے تھے (۳۴۱)۔"

متی میں تحریر ہے:

"فوراً جا کر ان سے لین دین کیا (۳۴۲)۔"

لوقا میں لکھا ہے:

"کھاتے پیتے اور خرید وفروخت کرتے (۳۴۳)۔"

کرنتھیوں میں تحریر ہے:

"خریدنے والے ایسے ہوں گویا مال (۳۴۴)۔"

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تینوں الہامی مذاہب میں تجارت کا تصور پایا جاتا ہے اور موجودہ دور میں پائی جانے والا کتاب مقدس کے نسخہ میں بھی تجارت کے جائز اور درست ہونے دوسرے علاقوں ملکوں لوگوں سے تجارت کرنا درست اور پسندیدہ ہے۔

مبحث سوم: محرمات: سود، خمر (شراب)، زنا، چوری، قتل

محرمات:

محرمات کا معنٰی ہے حرام کیا گیا، حرام رکھا گیا، حرمت کیا گیا، تعظیم کیا گیا، یعنی جن چیزوں سے روکا گیا محرمات کے ضمن میں ہم ذیل میں ان پانچ کا تذکرہ کریں گے۔

سود:

اسلام میں سود کی حرمت:

سود یعنی ربا کا مفہوم:

سود کو عربی میں ربا یا ربٰو کہتے ہیں، ربوا کا مادہ رب و ہے، از روئے لغت اس کے معنی زیادتی، بڑھوتری اور بلندی کے ہیں۔ چنانچہ ابو بکر رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"اصل الربا فی اللغة هو الزيادة ومنه الرابية لزيادتها على ما حواليها من الأرض (۳۴۵)۔"

ترجمہ: لغت میں ربا کے معنی زیادتی ہیں۔ اور اسی سے لفظ رابیہ ہے، کیونکہ یہ اپنے اردگرد کی زمین سے اونچا (ٹیلہ) ہوتا ہے۔

مفردات القرآن میں ہے:

"الربا: الزيادة على رأس المال لكن خصّ في الشرع بالزيادة على وجه دون وجه باعتبار (۳۴۶)۔"

ترجمہ: ربٰو لغت میں راس المال پر زیادتی کا نام ہے اور شریعت میں ایک مخصوص زیادتی کو ربٰو کہا جاتا ہے جس کا تعلق زیادتی مال سے ہو۔

امام رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ:

"لفظ ربا کے معنی زیادتی کے ہیں لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ ہر طرح کی زیادتی وصول کرنا حرام ہے بلکہ ربا کی حرمت سے وہ خاص قسم کا معاہدہ ہے جو ان عربوں کے ہاں ربا سے موسوم ہے(۳۴۷)۔"

ہدایہ کے مصنف لکھتے ہیں کہ:

"ربا ہر وہ زیادتی کہلائے گی جو دو آدمیوں کے باہمی لین دین کے معاملہ میں بغیر کسی مالی عوض کے کسی سے مشروط طریقے پر حاصل کی ہو(۳۴۸)۔"

Concise Encyclopeadia میں سود کی یہ تعریف بیان ہوئی ہے کہ:

Riba-from the root raba"to grow,increase,exceed"Usuary or profit-interest- from the loan of money or goods,which is prohibited in any degree.(349)

ترجمہ: سود: اس کی جڑ ربا ہے جس کے معنی بڑھنے، پھولنے اور زیادہ ہونے کے ہیں۔قرض یا ادھار دی گئی اشیاء پر منافع یا سود لینا جو کسی بھی حیثیت میں مانع ہو۔

ابن العربی لکھتے ہیں:

"الربا فی اللغة الزيادة والمراد فی الآية كل زيادة لا يقابلها عوض(۳۵۰)۔"

"لغوی اعتبار سے ربا زیادتی کو کہتے ہیں اور آیت میں اس سے مراد وہ تمام زیادتیاں ہیں جو کسی چیز کا عوض نہ ہوں۔"

مثلاً ایک آدمی اپنا مال یا رقم کسی دوسرے آدمی کو اس شرط پر دے کہ وہ اسے اتنی مدت (مثلا سال یا دو سال) کے بعد اتنا مال یا اتنی رقم زائد علی رأس المال دے گا۔ چنانچہ اس معاملہ میں مال کے عوض مال ہوگا۔اور یہ زائد رقم یا مال، سال یا دو سال مدت کی مہلت کے عوض نہیں ہے بلکہ مہلت کا معاوضہ ہے۔

سید مودودی نے اس کی وضاحت یوں کی ہے:

"راس المال پر اضافہ کی تعیین مدت کے لحاظ سے کیے جانا اور معاملہ میں اس کا مشروط ہونا، یہ تین اجزائے ترکیبی ہیں۔جن سے سود بنتا ہے۔اور معاملہ قرض جس میں یہ تینوں اجزاء پائے جاتے ہوں ایک سودی معاملہ ہے۔قطع نظر اس سے کہ کسی بارآور کام میں لگانے کے لیے لیا گیا ہو۔یا کسی شخصی ضرورت کو پوری کرنے کے لیے اور اس قرض کے لینے والا آدمی غریب یا امیر ہو(۳۵۱)۔"

سود دولت آفرینی کا ایک ایسا ذریعہ ہے جس میں ایک آدمی محنت کے بغیر دولت سے براہ راست دولت پیدا کرنے کا طریقہ اختیار کر لیتا ہے اور یہ طریقہ انجام کار ہزار بندگانِ خدا کو شدید افلاس میں مبتلا کر دینے والا اور ایک فرد کو بے اندازہ دولت کا مالک بنا دینے والا ثابت ہوتا ہے۔

مختصراً یہ کہ سود سے مراد ایسے قرض پر روپیہ دینا جس پر نفع کے نام سے کچھ زیادتی وصول کی جائے۔

سود (ربا) کی اقسام اور مختلف شکلیں

ربا کی اقسام:

ربٰو کی کئی اقسام بیان کی گئی ہیں۔مثلاً سودی قرض کے لین دین پر، دست بدست ہم جنس کی زیادتی پر، خرید وفروخت کے ناجائز معاملے پر، جوابی تحفہ کے لالچ میں کسی کو تحفہ دینے پر ربٰو کا اطلاق کیا گیا ہے۔بعض دفعہ کسی بھی جائز اور حرام کام کے لیے بھی ربٰو کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

جیسا کہ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے:

((انّ اربی الرّبا استطالة الرجل فی عرضِ أخیه))(۳۵۲)۔

ترجمہ: سب سے بڑا ربا یہ ہے کہ ایک شخص اپنے بھائی کی آبرو پر دست درازی کرے۔

مگر ان تمام صورتوں میں زیادہ مشہور ربا کی پہلی دو صورتیں ہیں یعنی سودی قرض کا لین دین۔جسے ربا النسیئہ اور ہم جنس اشیاء کی زیادتی جب معاملہ دست بدست ہو۔جسے ربا الفضل کہتے ہیں۔ان دو کی حرمت پر اجماع منقول ہے۔

سود دراصل رقم یا اصل زر سے ''کچھ زیادہ'' لینے کا نام ہے اور یہ زائد رقم مقروض یا مدیون کو صرف مدت کے عوض ادا کرنا پڑتی ہے۔سود خوار اپنی رقم ایک مقررہ شرح سے اور مقررہ مدت تک ضرورت مند کو دیتا ہے۔یہ شرح سود ضرورت مند کی ضرورت کے مطابق کم وبیش کر لی جاتی ہے۔مدت گزرنے پر اپنی اصل رقم مع مقروض سے وصول کر لیتا ہے۔گویا سود خوار کا سرمایہ ضرورت مند کی بھی کچھ رقم اپنے ساتھ کھینچ لاتا ہے۔اسے عام زبان میں سود مفرد کہتے ہیں۔اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَا فِیْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ﴾(۳۵۳)۔

ترجمہ: جو رقم تم سود پر دیتے ہو تا کہ لوگوں کے اموال میں بڑھ جائے تو ایسا مال اللہ تعالیٰ کے ہاں بالکل نہیں بڑھتا۔

اب اگر مقروض مقررہ مدت پر اصل رقم اور سود ادا نہیں کر سکا تو سود خوار اصل رقم اور سود مجموعی رقم کو اصل زر شمار کر لے گا۔اور اسی طے شدہ شرح پر سود پر مزید مہلت دے دے گا۔اسے عام زبان میں سود مرکب یا سود در سود کہتے ہیں۔سود در سود کی مدت ایک سال بھی ہو سکتی ہے۔چھ ماہ بھی اور تین ماہ بھی۔حتیٰ کہ اگر ضرورت مند سخت مجبور ہو تو ایک ماہ بھی ہو سکتی ہے۔اس طرح سود مرکب کی رقم سود مفرد سے بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً﴾(۳۵۴)۔

ترجمہ: اے ایمان والو! اضافہ در اضافہ والا سود نہ کھاؤ۔

سود کی تیسری قسم کی کٹوتی یا ڈس کاؤنٹ (Discount) ہے۔اس میں معاملہ برعکس ہوتا ہے۔اس کی مثال یوں سمجھئے کہ مثلاً (الف) نے کوئی چیز (ب) سے ایک ہزار روپے میں تین ماہ کے وعدہ پر خریدی اور تحریر لکھ کر دے دی۔اب (الف) کوئی قابلِ اعتماد فرم یا شخص یا گورنمنٹ بذاتِ خود ہے۔تمسک یا پوسٹ ڈیٹ چیک کی صورت میں ہے، جسے لینے سے کوئی انکار نہیں کرتا۔اور (الف) کو سردست رقم کی ضرورت ہے۔وہ یہ دستاویز لے کر کسی بنک یا کسی شخص مثلاً (ج) کے پاس جاتا ہےتو (ج) کہتا ہے کہ میں یہ رقم دستاویز ادا کر دیتا ہوں، مگر پانچ فیصد کے حساب سے کاٹ لوں گا۔اور آج ساڑھے نوسو روپےادا کروں گا،تو یہ بھی خالصتاً سود ہےاور تجارتی حلقوں میں اس قسم کا سود بھی مروج ہے۔

الربا النسیئۃ:: سود کی یہ تینوں صورتیں بالعموم معروف اور مروج ہیں۔ان تمام صورتوں میں زائد رقم چونکہ مدت یا مہلت شرط یا تعین کے عوض لی یا دی جاتی ہے۔لہٰذا ایسے سود کو شرعی اصطلاح میں ربا النسیئۃ کہا جاتا ہے یعنی مدت یا ادھار کا سود۔ ''نسیئۃ'' کے معنی مہلت یا تاخیر کے ہیں، اس کا مادہ نساء ہے۔نساء کے معنی چوپایہ کو ڈانٹنا، حوض سے ہٹانا یا کسی چیز کو مؤخر کرنا ہے۔(۳۵۵)

چونکہ اس میں قرض دار کو قرض کی ادائیگی میں مہلت دی جاتی ہےاور اس مہلت کی وجہ سے سود وصول کیا جاتا ہے۔لہٰذا اسے ربا النسیئہ کہتے ہیں۔جاہلیت میں بالعموم اسی کا رواج تھا۔اس وجہ سے اسے ربا الجاہلیۃ بھی کہتے ہیں۔قرآن مجید میں اسکی ممانعت وارد ہونے کی وجہ سے اسے رباءالقرآن بھی کہہ دیا جاتا ہے۔اور ربا حقیقی بھی۔ اور رباءجلی بھی۔آج کل کامروجہ سود رباء کے اسی زمرے میں داخل ہے۔

۲۔ربا الفضل:

سود کی اقسام کے علاوہ سود کی ایک اور قسم بھی ہے، جس سے صرف اسلام ہی نے متعارف کرایا ہےاور وہ ہے ربا الفضل۔

اس سے مراد وہ رباء ہے جونقد لین دین میں ہم جنس اشیاء کی خرید وفروخت کے وقت زیادتی یا کمی کی صورت میں کی جاتی ہے، ربا الفضل یہ ہے مثلاً (الف) کے پاس ناقص گندم ہےاور (ب) کے پاس اعلیٰ قسم کی۔(الف) (ب) سے کہتا ہے کہ تم مجھ سے چار کلو گندم لے لواور اس کے عوض اپنی گندم تین کلو دے دو۔اور وہ دونوں آپس میں لین دین کر لیتے ہیں۔ایسا لین دین نہ بظاہر سود معلوم ہوتا ہے نہ ہی اسے دنیا سود شمار کرتی ہے۔لیکن اسلامی نقطۂ نظر سے (ب) نے (الف) سے جو زائد ایک سیر گندم لی ہے، وہ سود ہےاور (الف) اور (ب) دونوں سودی لین دین کے مجرم ہیں۔اس کی حرمت درج ذیل حدیث پاک سے ثابت ہے عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا::

((الذھب بالذھب و الفضۃ بالفضۃ والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح مثلاً بمثل سواء بسواء یداً بید فاذا اختلفت ھذہ الاصناف

فبیعوا کیف شئتم اذا کان یدا بید.)) (۳۵۶)۔

ترجمہ: بیچو سونے کو بدلے میں سونے کے اور چاندی کو بدلے میں چاندی کے اور گیہوں کو بدلے میں گیہوں کے اور جو کو بدلے میں جو کے اور کھجور کو بدلے میں کھجور کے اور نمک کو بدلے میں نمک کے برابر برابر ٹھیک ٹھیک نقدا نقد پھر جب قسم بدل جائے (مثلاً گیہوں جو کے بدلے) تو جس طرح چاہے بیچو (کم وبیش) پر نقد ضروری ہے۔

چونکہ ربا کی اس قسم کی حرمت حدیث پاک سے ثابت ہے، لہٰذا اسے رباء السنہ بھی کہا جاتا ہے۔ نیز اسے رباء مجازی (۳۵۷) اور مبہم یا خفی بھی کہتے ہیں۔ اس کے حرمت کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ رباء جلی میں مبتلا ہونے کا وسیلہ بنتا ہے (۳۵۸)۔

مزید ارشادات نبوی ملاحظہ کیجئے:

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ : قَالَ جَاْءَ بَلَالٌ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ بِتَمَرٍ بَرَنِی((فَقَالَ لَهُ النَّبِیُّ ﷺ مِنْ اَیْنَ هٰذَا قَالَ عِنْدَنَا تَمَرٌ رَدِیٌّ فَبِعْتُ مِنْهُ صَاعَیْنِ بِصَاعٍ . قَالَ اَوَّهْ عَیْنَ الرِّبٰوا، عَیْنَ الرِّبٰوا: لَا تَفْعَلُ وَلٰکِنْ اِذَا اَرَدْتَّ اَنْ تَشْتَرِیَ فَبِعِ التَّمَرِ بِبَیْعٍ اٰخَرَ ثُمَّ اشْتَرِهٖ .))(۳۵۹)۔

ترجمہ: حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ بلالؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس برنی کھجور (عمدہ قسم کی) لائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کہاں سے لائے'' عرض کیا ''ہمارے پاس ناکارہ کھجوریں تھیں تو میں نے ایک صاع کے بدلے دو صاع کے حساب سے بیچ دیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا ''اوہ خالص سود خالص سود! ایسا مت کرو۔ ہاں جب ایسا ارادہ ہو تو اپنی کھجورا لگ بیچو اور دوسرے سودے سے خود خریدلو۔ یعنی ان کو پہلے قیمتاً فروخت کرو، پھر اس رقم سے عمدہ کھجوریں خریدلو۔

دوسرا ارشاد ملاحظہ فرمائیے:

سَمِعْتُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سُئِلَ عَنْ شَرَی التَّمَرِ بِالرَّطْبِ ((فَقَالَ اَیَنْتَقِصُ الرَّطَبُ اِذَا یَبِسَ؟ فَقَالَ نَعَمْ فَنَهَاهُ عَنْ ذٰلِکَ.))(۳۶۰)۔

ترجمہ: حضرت سعد ابن ابی وقاص سے روایت ہے کہ میں نے سنا رسول اللہ ﷺ سے تازہ کھجور کے عوض خشک کھجور خریدنے کے بارے متعلق پوچھا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تازہ کھجور خشک ہوکر وزن کم ہو جاتی ہے۔ حضرت سعد فرمانے لگے ہاں۔ تو آپ ﷺ نے ایسے سودے سے منع فرمایا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلام نے براہِ راست تبادلہ سے کیوں منع کیا۔ جبکہ نتیجہ پھر بھی (یعنی جنس فروخت کرکے اس رقم سے اچھی جنس خریدنے پر بھی) اس کے لگ بھگ ہی نکلتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک تو اسلام اس ''لگ بھگ'' والی بات کو ختم کرنا چاہتا ہے کہ فریقین میں کسی کو تھوڑا بہت بھی نقصان نہ ہو اور دوسرے یہ کہ ایسے براہِ راست لین دین میں

"زیادہ ستانی" کی ہوس کو فروغ ہوتا ہے اور بالعموم اچھی جنس والا ہی فائدہ میں رہتا ہے۔

ربا النسیہ اور ربا الفضل کی مرکب شکلیں:

اب اگر ایک ہی جنس کے لین دین میں ادھار اور کمی بیشی دونوں باتوں کو جائز قرار دے لیا جائے تو لین دین کی بیسیوں شکلیں پیدا ہوسکتی ہیں۔ اور ان سب میں کسی نہ کسی طرح سود کا عنصر بھی شامل ہوگا۔ لہٰذا آپ ﷺ نے ایک نہایت جامع قسم کا ارشاد فرمایا:

((الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ، وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مَثَلاً بِمَثَلٍ يَدًا بِيَدٍ فَمَنْ زَادَ اَوِ سْتَزَادَ فَقَدْ اَرْبٰى اَلْاٰخِذُ وَالْمُعْطِىُ فِيْهِ سَوَآءٌ))(۳۶۱)۔

ترجمہ: سونا، سونے کے بدلے، چاندی، چاندی کے عوض، گندم، گندم کے جو جو کے کھجور کھجور کے بدلے اور نمک نمک کے بدلے، ایک ہی جیسے (وزن میں) اور دست بدست خرید و فروخت جائز ہے۔ پس جس نے زیادہ کا مطالبہ کیا۔ اس نے سود کھایا۔ لینے والا اور دینے والا دونوں (گناہ میں) برابر کے شریک ہیں۔

اس حدیث میں چھ اجناس شمار کی گئی ہیں۔ سونا، چاندی، گندم، کھجور۔ اگر ان کی برابر برابر دست بدست سودا بازی کی جائے تو ٹھیک ہے، ورنہ بیع درست نہ ہوگی۔ اس حدیث میں **مَثَلاً بِمَثَلٍ** کے الفاظ ربا الفضل کی نہی کے لیے اور **يَدًا بِيَدٍ** کے الفاظ ربا النسیہ کی نہی کے لیے آئے ہیں۔ اور ان میں جو چھ اجناس شمار کی گئی ہیں، ان میں سے سونا، چاندی تو زرمبادلہ ہیں اور باقی چار خوردنی اجناس۔ بخاری کی ایک دوسری روایت میں منقہ کا بھی ذکر ہے، کیونکہ وہاں انگور بھی کثرت سے ملتا تھا۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل دو باتوں کو بغور سمجھ لینا چاہیے:

۱۔ اگر جنس بدل جائے تو لین دین درست ہوگا۔ مثلاً تین کلو گندم کا تبادلہ چار کلو جو کے یا چار کلو نمک کے عوض۔ اس میں برابر کی قید ختم ہو جائے گی۔ لیکن نقد بہ نقد بحال رہے گی۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ ۳ کلو گندم تو آج لے اور ۴ کلو جو ۳ ماہ بعد دے۔ حدیث کے اصل الفاظ یہ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((فَاِذَا اخْتَلَفَ هٰذِهِ الْاَصْنَافُ فَبِيْعُوْهُ كَيْفَ شِئْتُمْ اِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ.))(۳۶۲)۔

ترجمہ: پھر اگر جنس مختلف ہو جائے تو جیسے چاہو، لین دین کرلو، بشرطیکہ یہ تبادلہ دست بدست ہو یعنی نقد بہ نقد ہو۔

۲۔ اور اگر تین کلو گندم کی جو سے تین ماہ کے ادھار پر بیع کرنا چاہیے، تو یہ اس صورت میں جائز ہوگی کہ بیع کے دن گندم کا نرخ دریافت کر کے قیمت لگائی جائے اور تین ماہ بعد اس کے جتنے جو مارکیٹ ریٹ کے حساب سے آتے ہوں، اتنے ہی لیے جائیں۔

سود کی حرمت:

موجودہ دور میں تجارت اور سود کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔تاجر لوگ بسااوقات بنکوں سے قرضے لے کر اپنا کاروبار چلاتے ہیں۔اس طرح حلال کی کمائی میں حرام کی آمیزش کر لیتے ہیں۔لہٰذا سود کے متعلق معلومات حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام جو ہمارے ہاں فی الوقت رائج ہے،اس میں سود ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔یہ طبقاتی تقسیم کو فروغ دیتا ہے۔امیر وغریب کے درمیان جو خلیج پہلے سے حائل ہوتی ہے،اس کو وسیع سے وسیع تر کرتا چلا جاتا ہے۔انسان میں خودغرضی،تنگ دلی اور شقاوت جیسے اخلاق رذیلہ کی پرورش کرتا ہے اور

غریب عوام کے استحصال کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔حکومت بنکوں کی سرپرست ہونے کی بنا پر انہی کے مفادات کا تحفظ کرتی ہے۔جس سے بنکوں کو ضرورت مند اور غریب عوام کے خون چوسنے کا پورا پورا موقع میسر آجاتا ہے۔اس ربا میں ضررعظیم مضمر ہونے کی وجہ سے اسے حرام قرار دیا گیا ہے۔(۳۶۳)

آیت بالا میں الفاظ لِّيَرْبُوَ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ کس وضاحت سے اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔انہی خرابیوں کی بنا پر سود کو قطعاً حرام قرار دیا گیا ہے۔اور اس جرم کا شمار بڑے بڑے (کبائر) گناہوں میں شامل ہوتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ الرِّبَا لاَ يَقُوْمُوْنَ إِلاَّ كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوْاْ إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾(۳۶۴)۔ترجمہ: وہ لوگ جو سود کھاتے ہیں ایسے کھڑے ہوتے ہیں جیسے کسی کو شیطان نے چھو کر باؤلا کر دیا ہو۔اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے کہا کہ تجارت بھی تو سود ہی کی طرح ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام۔

یہاں سود خور کی مثال ایک ایسے دیوانے سے دی گئی ہے،جسے خودغرضی اور شقاوت قلبی نے اندھا کر دیا ہو۔اور وہ ایسے دلائل کی تلاش کرنے لگے،جن سے تجارت اور سود کو یکساں ثابت کیا جا سکے حالانکہ اگر اس کی عقل صحیح کام نہیں کرتی،تب بھی اس کے لیے سود کی حرمت سمجھنے کے لیے یہی فرق کافی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو جائز قرار دیا ہے اور سود کو حرام۔ایک اور مقام پر اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿ يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُواْ اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِيْنَ ۔ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُواْ فَأْذَنُواْ بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُؤُوْسُ أَمْوَالِكُمْ لاَ تَظْلِمُوْنَ وَلاَ تُظْلَمُوْنَ﴾(۳۶۵)

ترجمہ: اے ایمان والو!اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جو کچھ سود باقی رہ گیا ہے،چھوڑ دو اگر تم مومن ہو۔سو اگر ایسا نہ کرو تو اللہ تعالیٰ اور

رسول ﷺ کے ساتھ اعلان جنگ کر دو۔اور اگر توبہ کرو تو پھر راس المال تو تمہارے لیے ہے ہی (یعنی اصل رقم کے حقدار تم ہو) نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم ہو۔

آیت بالا کے آخری الفاظ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُون سودی معاملات کو ختم کرنے کی نہایت احسن صورت ہے کہ سود خوار مقروض سے سود لے کر اس پر ظلم نہ کرے اور مقروض اس کا راس المال ہی نہ دبا بیٹھے۔اور اس طرح وہ ظلم کا مرتکب نہ ہو۔فریقین کو چاہیے کہ وہ اس راس المال کو قرض ہی تصور کریں اور مقروض بھی اصل رقم کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے۔

سود کے مفاسد:

یہاں ایک سوال از خود ذہن میں ابھرتا ہے، جو یہ ہے کہ شرعی نقطۂ نظر سے کئی ایسے گناہ ہیں جو سود سے بھی بڑے ہیں۔ مثلاً شرک، قتل ناحق اور زنا وغیرہ۔لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کی وعید اللہ تعالیٰ نے صرف سود کے متعلق سنائی ہے اور خود رسول اللہ ﷺ نے بھی ایسے سخت الفاظ استعمال فرمائے ہیں جو اور کسی جرم کے متعلق استعمال نہیں فرمائے۔تو آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ سود اسلامی تعلیمات کا نقیض اور اس سے براہ راست متصادم ہے اور اس کا حملہ بالخصوص اسلام کے معاشرتی اور معاشی نظام پر ہوتا ہے۔اسلام ہمیں ایک دوسرے کا بھائی بن کر رہنے کی تلقین کرتا ہے۔وہ آپس میں مروت، ہمدردی، ایک دوسرے پر رحم اور ایک دوسرے سے ایثار کا سبق سکھاتا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے زندگی بھر اخوت و ہمدردی کا سبق دیا اور ایک دوسرے کے جانی دشمن معاشرے کی وحی الٰہی کے تحت اس طرح تربیت کی کہ وہ فی الواقع ایک دوسرے کے بھائی بھائی اور مونس و غمخوار بن گئے۔اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم احسان شمار کرتے ہوئے اس کا تذکرہ یوں فرمایا ہے کہ:

﴿وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا﴾(۳۲۶)۔

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے اور تم تو آگ کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سے بچا لیا۔"

اور دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے یوں خطاب فرمایا:

﴿ وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾(۳۲۷)۔

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے ہی ان صحابہ کرامؓ کے درمیان الفت پیدا کردی۔اگر آپ (اس طریق کار کے علاوہ) دنیا بھر کی دولت بھی خرچ کرتے تو ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کرسکتے۔مگر اللہ تعالیٰ ہی نے ان دلوں میں الفت ڈال دی بیشک وہ زبردست حکمت والا ہے۔

اور یہ چیز رسول اکرم ﷺ کی زندگی بھر کی تربیت کا ماحصل تھا۔جبکہ سود انسان سے بالکل متضاد رذیلہ صفات یعنی بخل، حرص، لالچ اور شقاوتِ قلبی پیدا کردیتا ہے جو اسلامی روح کی عین ضد ہے۔

دوسرے یہ کہ اسلام کے معاشی نظام کا تمام تر ماحصل یہ ہے کہ دولت گردش میں رہے اور اس گردش کا بہاؤ امیر سے غریب کی طرف ہو۔اسلام کے نظامِ زکوٰۃ وصدقات کو اسی لیے فرض قرار دیا گیا ہے اور قانون میراث اور حقوق باہمی اسی بات کی تائید کرتے ہیں۔جبکہ سودی معاشرہ میں دولت کا بہاؤ ہمیشہ غریب سے امیر ہوتا ہے۔اس لحاظ سے بھی سود اسلام کے پورے معاشی نظام کی عین ضد ہے۔

تجارتی سود کی حرمت قرآن کریم سے:

اسلام نے تجارت اور شخصی قرضوں میں کوئی فرق روا نہیں رکھا۔اگر ایسی بات ہوتی تو ضرور اس کی وضاحت کردی جاتی۔اس کی نگاہ میں اصل سے ایک مقررہ شرح کے مطابق جو کچھ بھی زائد لیا جائے اور جس طرح بھی لیا جائے، وہ ''ربا'' ہی ہے۔ربا کے لغوی معنی بھی اس مخصوص اضافہ کے ہیں، جو اصل سے زائد لیا جاتا ہے اور شخصی اور تجارتی قرض میں فرق کرنا گویا:

﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ﴾(۳۶۸)۔

ترجمہ: کیا تم کتاب کے حصے پر تو ایمان لاتے ہو اور کچھ کا انکار کردیتے ہو۔

ربا کو مہاجنی قرض سے مختص کرنا اور سود کا الگ الگ مفہوم مقرر کرنا تو یہ موجودہ دور کی اختراع ہے۔جس کا مسلمانوں کی طویل تاریخ میں کہیں سراغ نہیں ملتا۔تجارتی سود کے متعلق الگ احکام یا الگ لغت کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ اسلام تجارتی قرضوں اور سود کی الگ نوعیت کو تسلیم ہے نہیں کرتا۔سود کے احکام ہر قسم کے قرضوں پر منطبق ہوتے ہیں۔ان احکامات میں جہاں شخصی حاجات کے سود کی حرمت کا پتہ چلتا ہے، وہاں تجارتی سود کی حرمت پر بھی واضح دلائل موجود ہیں۔مثلاً:

پہلی دلیل: خدا تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾(۳۶۹)۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

یہاں خرید وفروخت یا تجارت کے مقابلے میں لفظ ''ربا'' کا استعمال سود کی طرف واضح اشارہ کرتا ہے۔کیونکہ جہاں

شخصی حاجات کے قرضوں کا ذکر مقصود تھا، وہاں قرآن کریم نے "ربا" کے مقابلے میں صدقہ کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِى الصَّدَقَاتِ﴾ (۳۷۰)۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سود کو ختم کرتا ہے اور صدقات کی پرورش کرتا ہے۔

دوسری دلیل: قرآن کریم کے اس ارشاد ﴿وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ﴾ (۳۷۱)۔

ترجمہ: پھر اگر تم توبہ کرو تو تمہارے لیے تمہارے راس المال ہیں۔

میں بھی تجارتی قرضوں کے متعلق واضح اشارہ ہے۔ کیونکہ راس المال (جس کا معنی سرمایہ ہے) کا اطلاق عموماً تجارت پر لگائی ہوئی رقم کے لیے ہوتا ہے۔

تیسری دلیل: قرض کے لیے عربی لغت میں دو الفاظ ملتے ہیں۔ قرض اور دین، قرض کا مفہوم عام فہم ہے اور عام طور پر شخصی قرضوں کے لیے آتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

((اِذَا اَقْرَضَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فَلَا يَاْخُذْ هَدِيَّةً۔)) (۳۷۲)

ترجمہ: جب کوئی شخص کسی دوسرے آدمی کو قرض دے تو پھر اس سے ہدیہ قبول نہ کرے۔

جبکہ دَین لفظ ہر قسم کے لین دین پر محیط ہے۔ اس کا صحیح ترجمہ انگریزی میں (Liability) (ادائیگی کی ذمہ داری) ہوگا، جس میں کاروباری قرضے بھی شامل ہوتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ﴾ (۳۷۳)۔

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک مقررہ وقت کے لیے ادھار کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔

حاصل کلام یہ کہ اسلام نے سود کو حرام قرار دیا ہے۔ سود چاہے مہاجنی ہو یا تجارتی، ربا النسیئہ ہو یا رباء الفضل، اسلامی نقطۂ نظر سے سب حرام ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کی تاکید کی رو سے سود کے معمولی سے معمولی شائبہ سے بھی پرہیز لازم ہے۔ الغرض سود کی حرمت ادلہ اربعہ شرعیہ۔ قرآن (۳۷۴)، حدیث (۳۷۵)، اجماع (۳۷۶) اور قیاس (۳۷۷) سے ثابت ہے۔

یہودیت میں سود کی حرمت:

یہودیت میں بھی سود حرام ہے جیسا کہ ان کی موجودہ کتب میں اس کا ذکر پایا جاتا ہے۔ جب ہم یہودیت کے مذہبی سرمایے کی طرف نظر دوڑائیں تو اس میں بھی سود کی ممانعت نظر آتی ہے۔ یہود کے قدیم معاشرتی قانون کی رو سے سود قطعاً ممنوع تھا۔ توارت کی کتاب الخروج میں لکھا ہوا ہے کہ

''اگر اپنے سے غریب کو قرض دیں تو آپ اس کی مجبوری سے فائدہ نہ اٹھائیں۔علماء یہود ان احکامات کا اطلاق تجارتی سود پر بھی کرتے ہیں(۳۷۸)۔''

کتاب خروج میں ہے:

''اگر تم میرے لوگوں میں سے کسی محتاج کو جو تیرے پاس رہتا ہو کچھ قرض دے تو اس سے قرض خواہ کیطرح سلوک نہ کرنا اور نہ اس سے سود لینا(۳۷۹)۔''

کتاب احبار میں ہے:

''اور اگر اس آدمی کا کوئی نہ ہو جو اسے چھڑائے اور وہ خود مالدار ہو جائے اور اس کے چھڑانے کے لئے اس کے پاس کافی ہو تو وہ فروخت کے بعد یہ برسوں کو گن کر باقی دام اس کو جس کے ہاتھ زمین بیچی ہے پھیر دے تب وہ پھر اپنی ملکیت کا مالک ہو جائے(۳۸۰)۔''

''تو اس سے سود یا نفع مت لینا ۔۔۔۔۔۔اپنا روپیا اسے سود پر مت دینا(۳۸۱)۔''

کتاب استثنا میں سود کے متعلق اسطرح سے لکھا ہے:

''تو اپنے بھائی کو سود پر قرض نہ دینا خواہ وہ روپے کا سود ہو یا اناج کا سود یا کسی ایسی چیز کا سود ہو جو بیاج پر دی جایا کرتی ہے(۳۸۲)۔''

زبور میں ہے:

''وہ جو اپنا روپیہ سود پر نہیں دیتا اور بے گناہ کے خلاف رشوت نہیں لیتا ایسے کام کرنے والا کبھی جنبش نہ کھائے گا(۳۸۳)۔''

کتاب امثال میں بھی سود کی ممانعت آئی ہے:

''جو ناجائز سود اور نفع سے اپنی دولت بڑھاتا ہے وہ مسکینوں پر رحم کرنے والوں کے لئے جمع کرتا ہے(۳۸۴)۔''

نیز لکھا ہے کہ:

''سود پر لین دین نہ کرے(۳۸۵)۔''

حزقی ایل میں لکھا ہے:

''سود پر لین دین نہیں کیا بدکرداری سے دست بردار ہوا اور لوگوں میں سچا انصاف کیا۔۔۔۔۔وہ صادق ہے(۳۸۶)۔''

یرمیاہ میں لکھا ہے:

''اے میری ماں مجھ پر افسوس کہ میں تجھ سے تمام دنیا کے لئے لڑا کا آدمی اور جھگڑالو شخص پیدا ہوا میں نے تو نہ سود پر قرض دیا اور نہ قرض لیا۔تو بھی ان میں سے ہر ایک مجھ پر لعنت کرتا ہے(۳۸۷)۔''

یعنی کہ میں سود جیسی انتہائی بری عادت سے بچا ہوا ہوں پھر بھی لوگ مجھ پر لعنت بھیج رہے ہیں۔

عیسائیت میں سود کی ممانعت

موجودہ عیسائیت میں بھی سود کو پسندیدہ قرار نہیں دیا گیا اور اس کی چند صورتوں کو جائز قرار دیا گیا لیکن سخت قسم کے سود اور ناجائز نفع کو آج بھی عیسائی بری نگاہ سے دیکھتے ہیں اور قرض دار کو مہلت دینا یا معاف کرنا پسند کیا گیا نہ کے سود کی مد میں ناجائز نفع۔مثلاً متی میں یسوع کی پطرس سے گفتگو کچھ یوں درج ہے کہ:

''پس آسمان کی بادشاہی اس بادشاہ کی مانند جس نے اپنے نوکروں سے حساب لینا چاہا اور جب حساب لینے لگا تو اس کے سامنے ایک قرضدار کو حاضر کیا گیا جس پر اسکے دس ہزار توڑے آتے تھے۔مگر چونکہ اسکے پاس ادا کرنے کو کچھ نہ تھا اسلئے اسکے مالک نے حکم دیا یہ اور ۔۔جو کچھ اسکا ہے سب بیچا جائے اور قرض وصول کیا جائے پس نوکر۔۔اے خداوند مجھے مہلت دے میں تیرا سارا قرض ادا کروں گا اس۔۔اسے چھوڑ دیا اور قرض بخش دیا(۳۸۸)۔''

پولوس نے تیمتھیُس کے نام پہلے خط میں لکھا ہے:

''اسی طرح خادموں کو بھی سنجیدہ ہونا چاہیے دو زبان اور شرابی اور ناجائز نفع کے لالچی نہ ہوں(۳۸۹)۔''

ططس میں لکھا ہے کہ:

''کیونکہ نگہبان کو خدا کا مختار ہونے کی وجہ سے بے الزام ہونا چاہیے۔۔۔اور نہ ناجائز نفع کا لالچی۔۔،یہ لوگ ناجائز نفع کی خاطر ناشائستہ باتیں سکھا کر گھر کے گھر تباہ کر دیتے ہیں(۳۹۰)۔''

یعنی ناجائز نفع یا سود سے اتنی بری چیز ہے کہ اس سے گھر برباد ہو جاتے ہیں کیونکہ حرام کھا کر بری عادات پیدا ہوتی ہیں۔

پطرس کے نام پہلے خط میں یوں لکھا گیا ہے کہ:

''لاچاری سے نگہبانی نہ کرو بلکہ خدا کی مرضی کی موافق خوشی سے اور ناجائز نفع کے لئے نہیں(۳۹۱)۔''

لوقا میں لکھا ہے کہ:

''اس نے اپنے مالک کے ایک ایک قرضدار کو بلا کر پہلے سے پوچھا تجھ پر میرے مالک کا کیا آتا ہے؟اس نے کہا تیل کے ۱۰۰ من تیل۔اس نے اس سے کہا اپنی دستاویز لے اور جلد بیٹھ کر پچاس لکھ دے۔پھر دوسرے سے کہا تجھ پر کیا آتا ہے؟اس نے کہا سو من گیہوں۔اس نے اس سے کہا اپنی دستاویز لیکر اسّی لکھ دے۔اور مالک نے بے ایمان مختار کی تعریف کی۔۔میں تم سے کہتا ہوں کہ ناراستی کی دولت سے اپنے لئے دوست پیدا کر(۳۹۲)۔''

لوقا کی یہ آیت دلیل ہے کہ کچھ مقامات پر عیسائیت سود یا ناجائز نفع درست قرار دیتی ہے موجودہ انجیل میں چونکہ چند نصائح کے سوا احکام گویا بالکل نہیں ہیں اس لئے سود کی حرمت کے متعلق اس میں کوئی فقرہ درج نہیں ہے بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک تمثیل سے جس میں سود کا بیان آ گیا ہے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد میں بھی سود رائج ہو گیا تھا۔ تورات' زبور اور بائبل کے اس حکم کی بناء پر عیسائی بھی سود کو ناجائز سمجھتے ہیں۔ عیسائیوں کے لاہوت ادبی (فقہ) نے سود کی حلت اور حرمت کی حسب ذیل تشریح کی ہے۔ فقراء سے سود لینا یا اس قسم کے مال پر سود لینا جو بعینہ استعمال کیا جاتا ہو اور وہ پہلے استعمال سے صرف ہوتا ہے مثلاً ''آٹا'' قطعاً حرام ہے نیز ارباب ثروت سے اگر حدانصاف سے زیادہ سود لیا جائے تو وہ بھی حرام ہے۔ لیکن مندرجہ ذیل پانچ صورتیں حرمت ربا سے مستثنیٰ ہیں وہ ان مستثنیٰ صورتوں کا بیان علماء لاہوت کے اجتہاد کے سوا کتب مقدسہ میں کہیں مذکور نہیں۔

۱۔ قرض دینے سے قرض خواہ پر کسی خطرے کا خوف ہو۔

۲۔ قرض میں جو مال دیا گیا ہو وہ اس قسم کا ہو کہ قرض خواہ اس کو اپنے پاس رکھ کر اپنے فائدے میں لگا سکتا تھا۔

۳۔ اصل رأس المال (قرض) کے ڈوب جانے کا خوف ہو۔

۴۔ وقت معین پر قرضدار روپیہ نہ ادا کرے۔

۵۔ ملکی قانون کی بناپر سود کی کوئی ایسی مقدار مقرر کر دی جائے جو حدانصاف سے خارج نہ ہو۔

تین پہلی مستثنیٰ صورتوں پر تمام علماء لاہوت کا اتفاق ہے لیکن چوتھی اور پانچویں صورت میں علماء لاہوت نے اختلاف کیا ہے۔ مقالہ نگارہ کی تحقیق کے مطابق موجودہ ماہرین سود کی حرمت عیسائی مذہب میں مانتے ہیں اور اس سلسلے میں وہ عہد نامہ قدیم کی حزقی ایل میں لکھی ہوئی آیات کی پیروی کرتے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ وہ کچھ معاملات میں جن کا تعلق قانون سے ہے عہد نامہ قدیم کی مختلف آیات سے اخذ کرتے ہیں جنکا ذکر یہودیت میں سود کی حرمت کے عنوان کے تحت آ چکا ہے۔ مثلاً

''سود کا لین دین نہیں کیا بدکرداری سے دست بردار ہوا اور لوگوں میں سچا انصاف کیا (۳۹۳)۔''

حزقی ایل میں لکھا ہے کہ:

''سود پر لین دین کرے تو کیا وہ زندہ رہے گا؟ وہ زندہ نہ رہے گا اس نے یہ سب
نفرتی کام کیے ہیں وہ یقیناً مرے گا اس کا خون اسی پر ہوگا (۳۹۴)۔''

نیز لکھا ہے

''غریب سے دست بردار ہوا اور سود پر لین دین نہ کرے پر میرے احکام پر عمل کرے اور
میرے آئین پر چلے وہ اپنے باپ کے گناہوں کیلئے نہ مرے گا وہ یقیناً زندہ رہے گا (۳۹۵)۔''

حزقی ایل ہی میں لکھا ہے کہ:

''تیرے اندر انہوں نے خون ریزی کے لئے رشوت خواری کی ۔تو نے بیاج اور سود لیا اور ظلم کر کے اپنے پڑوسی کو لوٹا اور مجھے فراموش کیا خداوند خدا فرماتا ہے: دیکھ تیرے ناروا نفع کے سبب سے جو تو نے لیا اور تیری خون ریزی کے باعث جو تیرے اندر ہوئی میں نے تالی بجائی ۔۔۔۔۔ میں تجھ کو قوموں میں پراگندہ اور ملکوں میں تتر بتر کروں گا اور تیری گندگی کو تجھ میں سے نابود کروں گا(۳۹۶)۔''

شراب(خمر)

اسلام میں شراب کی ممانعت

خمر (شراب):

''اصل الخمر ستر الشیئی ویقال لما یستر به خمار لکن الخمار صار فی التعارف اسما لما تغطی به المرا ۃ راسها ،و جمعها خمر (۳۹۷)۔''

ترجمہ: خمر کا معنی ہے کسی چیز کو ڈھانپنا اور جس چیز سے ڈھانپا جاتا ہے اسے خمار کہتے ہیں لیکن عرف میں خمار سے مراد وہ کپڑا ہے جس سے ایک عورت اپنے سر کے بالوں کو چھپاتی ہے اور اس کی جمع خُمُرٌ ہے۔

اور معلوم ہوا کہ خمر میں ڈھانپ دینے' چھپا دینے اور کسی چیز میں خلط ملط ہو کر خلل کا باعث ہونے کے معنی پائے جاتے ہیں۔ اسی مناسبت سے ''شراب'' کو خمر کہا گیا ہے کیونکہ یہ عقل پر چھا جاتی ہے اور خلل کا باعث بنتی ہے۔لیکن عربی زبان میں خمر کا لفظی اطلاق صرف ''شراب'' پر ہوتا ہے جو انگور سے کشید کی گئی ہو اور نشہ آور ہو۔

محیط المحیط میں ہے کہ:

''لغت میں خمر اس چیز کو کہتے ہیں جو عقل پر پردہ ڈال دے(۳۹۸)۔''

منشی محبوب عالم لکھتے ہیں:

''ہر رقیق شے جو پی جاتی ہے شراب کہلاتی ہے۔اکثر یہ لفظ خمر کے معنی میں مستعمل ہے۔(۳۹۹)۔''

شراب پینا حرام ہے اسے پینے والا ہی مجرم نہیں بلکہ اس کے کاروبار سے کسی نہ کسی طرح تعلق رکھنے والا ہر شخص گنا ہگار اور ملعون ہے شراب کی لعنت کے مضر اثرات پورے معاشرے کو تباہ کر کے رکھ دیتے ہیں شراب عموماً انگور، گنا، کھجور، گڑ، گندم، جو اور پانی کی خاص ترکیب کی آمیزش سے تیار کی جاتی ہے جبکہ یہ سب اشیا بذات خود حلال ہیں لیکن جب ایک خاص ترکیب سے ان میں سکر پیدا ہو جاتا ہے تو یہ حرام ہے اس کی کمائی حرام ہے۔

اصطلاح میں خمر سے کیا مراد ہے؟ اس میں مختلف آراء ہیں۔انگور سے کشید کردہ ''شراب'' تو بالاجماع ''خمر'' ہے۔

اور مطلقاً حرام ہے جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ ''خمر'' عام ہے اور اس کا اطلاق ہر اس شے کی کشید پر ہوگا جو نشہ آور ہو اور عقل میں خلل اور فتور کا باعث ہو (۴۰۰)۔

ہر وہ چیز جو نشہ آور ہو خواہ وہ انگور کا رس ہو یا کھجور یا گندم، جو، چاول اور کشمش کا رس شراب کے حکم میں داخل ہے۔ اس کا قلیل اور کثیر دونوں حرام ہیں۔ نشہ پیدا کرے یا نہ کرے۔ لیکن جمہور کے ہاں مشروبات خمر کے حکم میں یہ چیزیں داخل ہیں۔ انگور کا شیرہ جب وہ پک کر تیز ہو جائے اور یا اس کا دو تہائی حصہ جل جائے اور نشہ آور ہو جائے۔ کچی یا نیم پختہ کھجوروں کا شیرہ جب وہ پک کر تیز ہو جائے اور اس پر جھاگ آ جائے۔ ان کے علاوہ گندم، چاول اور جو کے مشروبات اگر نشہ آور نہیں ہیں تو ان کا پینا درست ہے۔

ظہور اسلام کے وقت بھی عرب کے لوگ شراب پیتے تھے اور اسلام کے زمانے میں شراب کی قطعی تحریم کے نزول تک کچھ لوگ شراب نوشی کرتے رہے لیکن قرآن مجید نے شراب کو شروع ہی سے قابل نفرت اور ناپسندیدہ قرار دیا، چنانچہ مکے میں نازل ہونے والی سورۃ نحل میں اللہ تعالیٰ نے انگور اور کھجور کے پھلوں کو اپنی نعمتوں میں سے شمار کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ تم ان پھلوں سے کبھی تو نشہ والی چیزیں بناتے ہو اور کبھی پاکیزہ رزق ﴿وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا﴾ (۴۰۱)۔

ترجمہ: اور کھجور اور انگور کے درختوں کے پھلوں سے تم شراب بنا لیتے ہو اور عمدہ روزی بھی

گویا اللہ تعالیٰ کے نزدیک نشہ آور اشیا رزق حسن (پاکیزہ و عمدہ خوراک) نہیں، بلکہ رزق غیر حسن (ناپسندیدہ اور ناپاک خوراک) ہے۔ مگر عربوں کی زندگی میں شراب کو چونکہ بڑی اہمیت حاصل تھی اور یکلخت قرار دینے کے نتائج اچھے نہ ہوتے، اس لئے شریعت اسلامی کی مستحسن حکمت عملی اختیار کی گئی شراب کو درجہ بدرجہ حرام قرار دیا گیا (۴۰۲)۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ وغیرہ نے یہ دیکھ کر کہ شراب جہاں ضیاع دولت کا سبب ہے وہاں عقل میں فتور ڈالنے کا باعث بھی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فتویٰ دریافت کیا تو مدنی آیات میں سے پہلی آیت نازل ہوئی:

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا﴾ (۴۰۳)۔

ترجمہ: لوگ آپ سے شراب اور قمار بازی کے بارے میں سوال کرتے ہیں، سو ان کو بتا دیجئے کہ ان میں بڑا گناہ ہے، اور بظاہر کچھ فائدہ بھی ہے، مگر ان (یعنی جوئے اور شراب) کے نقصانات ان کے فائدے کے مقابلے میں شدید ہیں۔

شراب بڑی عقلی اور نفسیاتی مصلحتوں کی بنا پر بتدریج حرام ہوئی۔جب اس آیت کے نزول کے بعد صحابہؓ میں شراب کے نقصانات اور گناہ کا احساس پیدا ہو گیا تو مزید نفرت دلانے کی خاطر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿یَاَیُّهَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُواالصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَاتَقُوْلُوْنَ ﴾(۴۰۴)۔

ترجمہ: اے ایمان والو جب تم نشے میں ہو نماز کے قریب بھی نہ جاؤ جب تک اپنی بات کو سمجھنے نہ لگو۔

اس آیت میں اکثر صحابہ نے یہ محسوس کر لیا کہ یہ ایک قبیح امر ہے۔لہٰذا انہوں نے اسے ترک کر دیا اور جب شراب کی قباحت، نقصان اور گناہ اچھی طرح ذہن نشین ہو گئے اور نفسیاتی طور پر کامل آمادگی پیدا ہو گئی تو قطعی تحریم کی آیت نازل ہوئی:

﴿یَآاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾(۴۰۵)۔

ترجمہ: اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے سب محض ناپاک شیطانی کام ہیں سو ان سے بچتے رہو تا کہ تمہارا بھلا ہو۔شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے باعث تم میں عداوت و نفرت ڈال دے اور تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روکے رکھے، پس کیا تم باز آنے والے ہو؟۔

احادیث نبوی ﷺ اور اسلامی تعلیمات میں شراب کی مذمت کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے، حتی کہ اسے ام الخبائث قرار دیا گیا ہے اور اس کی خرید و فروخت کی تحریم پر امت اسلامیہ کا اجماع ہے(۴۰۶)۔

ایمان اور شراب دو متضاد چیزیں ہیں آنحضرت ﷺ نے ایک موقع پر حدود کا ذکر کرتے فرمایا:

((----،ولا یشرب الخمر حین یشرب وهو مومن،----))(۴۰۷)۔

ترجمہ:---اور جب وہ شراب پیتا ہے تو شراب کی حالت میں ہوتے ہوئے انسان مومن نہیں رہتا--

یعنی ایمان اس وقت انسان سے کچھ دیر کیلئے دور ہو جاتا جب انسان کسی بھی حد کا مرتکب ہوتا ہے

ایک اور موقع پر فرمایا:

((لعن الله الخمر و شاربها و ساقیهاو بائعها ومبتاعها و عاصرها و معتصرها وحاملها و المحمولة الیه))(۴۰۸)۔

ترجمہ: ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے جو شراب پیتے ہیں اور پلاتے ہیں اور جو اسے بیچتے ہیں اور جو اسے خریدتے ہیں اور جو اسے نچوڑتے ہیں اور جن کے لئے نچوڑا جاتا ہے۔اور جو اسے اٹھاتے ہیں اور جن کے لئے یہ اٹھایا جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے شراب کو بطور دوا استعمال کرنے سے بھی روکا اور کہا((أنه لیس بدوأ ولكنه داء))(۴۰۹)۔

ترجمہ : بیشک یہ دوا نہیں بلکہ بیماری ہے

یعنی کہ شراب خود ایک بیماری ہے مردار، خون اور خنزیر کو حرام قرار دینے کے بعد انتہائی اضطراری حالت میں کھانے کی اجازت قرآن مجید میں موجود ہے لیکن شراب کے لئے ایسی کوئی رعایت موجود نہیں۔

حد خمر :(شراب کی حد)

حد خمر کے متعلق بھی ہمیں رسول کریم ﷺ کی زندگی سے راہنمائی یوں ملتی ہے چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:

((أن النبی ﷺ ضرب فی الخمر بالجرید والنعال، وجلد ابوبکر أربعین))(۴۱۰)۔

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے شراب پینے والے کو کھجور کی چھڑیوں اور جوتیوں سے حد ماری اور حضرت ابوبکر صدیق نے چالیس درے مارے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں شراب نوشی بڑھ رہی تھی تو آپ نے صحابہ کرام کو جمع کرکے ان سے مشورہ کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے فرمایا کہ سب سے کم حد، حد قذف (یعنی اسی کوڑے) ہے اس لئے آپ اسی کو مقرر فرمادیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انسان جب نشے میں ہوتا ہے تو اکثر تہمتیں لگاتا ہے لہٰذا شراب نوشی کی حد بھی وہی ہونی چاہیے جو قذف کی ہے، چنانچہ اس پر تمام صحابہ کرام کا اتفاق ہے کہ شراب نوشی کی حد اسی کوڑے ہیں(۴۱۱)۔

عیسائیت میں شراب کی ممانعت:

شراب کی ممانعت تمام الہامی مذاہب میں ہے۔عیسائیت کی تعلیمات کا ہم جب مطالعہ کریں تو ہمیں اس کا ذکر موجودہ عہد نامہ جدید میں واضح طور پر ملتا ہے جیسا کہ موجودہ عہد نامہ جدید میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ:

''پس خبردار رہو ایسا نہ ہو کہ تمہارے دل (شراب کے) خمار اور نشے اور زندگی کے فکروں سے سست ہو جائیں اور وہ دن تم پر پھندے کی طرح ناگہاں آ پڑے(۴۱۲)۔''

لوقا میں لکھا ہے کہ:

''نہ مے نہ کوئی شراب پئے گا(۴۱۳)۔''

نیز افسیوں میں لکھا ہے:

''شراب میں متوالے نہ بنو(۴۱۴)۔''

کرنتھیوں میں جہاں دیگر معاشرتی برائیوں سے منع کیا گیا اور ناپسندیدہ کہا گیا ان میں سے ایک شراب بھی ہے۔مثلاً

''کیا تم نہیں جانتے کہ بدکار خدا کی بادشاہی کے وارث نہ ہونگے نہ بت پرست۔۔نہ چور نہ لالچی نہ شرابی(۴۱۵)۔''

یہودیت میں شراب کی ممانعت:

یہودی مذہب میں شراب کی سختی سے ممانعت ہے اس کا ذکر ہمیں عہد نامہ قدیم میں صراحت سے ملتا ہے اور کتاب

احبار میں شراب کو قطعاً حرام قرار دیا گیا ہے۔

''تو یا تیرے بیٹے مے یا شراب پی کر کبھی خیمہ اجتماع کے اندر داخل نہ ہوں تا کہ تم مر نہ جاؤ یہ تمہارے لئے نسل در نسل ہمیشہ تک ایک قانون رہے گا(۴۱۶)۔''

کتاب گنتی میں شراب سے پرہیز کا کہا گیا جیسا کی لکھا ہے کہ:

''مے اور شراب سے پرھیز کرے (۴۱۷)۔''

نیز امثال میں تحریر ہے کہ:

''اور شراب ہنگامہ کرنے والی ہے(۴۱۸)۔''

یسعیاہ میں شراب کے متعلق یوں لکھا ہے کہ:

''پینے والوں کو شراب تلخ معلوم ہوگی (۴۱۹)۔''

عاموس میں شرابی کی سزا کا بیان یوں کیا گیا ہے :

''اسرائیل کے چار گناہوں کے سبب میں اسے بے سزا نہ چھوڑوں گا کیونکہ انہوں نے خدا کے گھر میں شراب پی(۴۲۰)۔''

امثال میں واضح طور پر منع کرتے کہا گیا کہ:

''تو شرابیوں میں شامل نہ ہو (۴۲۱)۔''

زنا:

زنا کا شمار قتل اور شرک کے بعد کبیرہ گناہوں میں ہوتا ہے۔ زنی۔ بدکاری اور زنی یزنی کا مصدر ہے۔ بغیر عقد شرعی کسی عورت سے وطی کرنے کا نام زنا ہے یہ رذالت کا فعل ہے جو انسان کو اس نفسی اطمینان سے محروم کر دیتا ہے(۴۲۲)۔

ایک جگہ انسائیکلو پیڈیا میں لکھا ہے کہ:

Zinah,- means Fornication or adultery ,a grave sin and socially considered a crime for which the koran(Quran) mensions different degrees of punishment ,from mild to serve.(423)

ترجمہ: زنا: اس کے معنی ہیں بلا نکاح وشرعی قواعد واجازت وطی کا قائم کرنا جس کو معاشرے میں سخت ناپسندیدہ اور قرآن میں مختلف درجات کی سزا کا مستحق ٹھہرا دیا گیا ہے جو کم سے زیادہ کی طرف ہیں۔

شریعت اسلامی میں زنا سے مراد ایسی عورت کے ساتھ صحیح اور مکمل قسم کے جنسی تعلقات ہیں جو(الف) شرعاً صحیح نکاح کے ذریعے مرد کی زوجیت میں نہ ہو؛ (ب) اپنی مطلقہ بائنہ ہو؛ (ج) عقد فاسد سے نکاح میں لایا ہو مثلاً بغیر گواہوں کے عقد ہوا ہو؛ (د) محرمات میں سے ہو، حتی کہ نکاح کے بعد بھی محرمات سے مجامعت یا جنسی تعلقات زنا میں شامل ہیں۔ تمام شرائع سماویہ اور ملت اسلامیہ کے تمام فرقوں کے نزدیک زنا حرام ہے۔ اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں۔ علمائے اسلام نے زنا کو افحش الکبائر (سب سے گھناؤنا گناہ کبیرہ) اور کبائر العظام

قرار دیا ہے۔زنا چونکہ دیگر معاشرتی خرابیوں کے علاوہ عصمت اور انسانی حسب ونسب پر دست درازی ہے اس لئے اس کی حد بھی اشد الحدود ہے۔یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین گناہوں کو سب سے بڑے گناہ قرار دیے جن میں شرک اور قتل اولاد کے علاوہ زنا بھی ہے (۴۲۴)۔

اس قبیح فعل کے تین دنیاوی نقصانات ہیں بے آبروئی،غربت اور عمر کی کمی۔اور اخروی میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی، قیامت کے دن سوء حساب اور عذاب جہنم۔قرآن مجید میں اس فعل قبیح سے شدید نفرت کا اظہار ہوا ہے اور اس کے لئے تین مختلف الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان میں سے ایک زنا (۴۲۵) دوسرا فاحشہ (۴۲۶) اور تیسرا البغاء (۴۲۷) ہے۔ان آیات قرآنی میں اس مسئلے کے مختلف پہلو واضح کر دیے گئے ہیں۔

حدِ زنا:

زنا کی حد یا سزا کے سلسلے میں بھی قرآن مجید کی حکمت تدریج پوری طرح کارفرما ہے۔سب سے پہلے تو یہ حکم ہوا کہ زانی اور زانیہ کو اذیت اور تنگی دی جائے اور اگر وہ تائب ہو کر نیک بن جائیں تو ان سے تعرض نہ کیا جائے۔ساتھ ہی ان عورتوں کو موت تک گھروں میں مقید رکھنے کا حکم ہوا جن کے بدکار ہونے پر چار گواہ شہادت دے چکے ہوں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِکُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْکُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِکُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْیَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا﴾ (۴۲۸)۔

ترجمہ: تمہاری عورتوں میں سے جو عورت بدکاری کی مرتکب ہو تو تم ان عورتوں کے خلاف اپنے میں سے چار مردوں کی گواہی لاؤ پھر اگر وہ چاروں گواہی دے دے تو تم ان بدکار عورتوں کو اس وقت تک قید رکھو جب تک ان کو موت نہ آ جائے۔یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی اور راستہ مقرر کرے۔

لیکن اس مسئلے پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ سورۃ النور کی درج ذیل آیت سے پچھلی آیت منسوخ ہو گئی۔

﴿اَلزَّانِیَةُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ (۴۲۹)۔

ترجمہ: زنا کار عورت اور زنا کار مرد ہر ایک کو ان دونوں میں سے سو سو کوڑے مارو۔

اس مسئلے کے بارے میں نبی اکرم ﷺ سے بھی بہت سی احادیث مروی ہیں جو اس کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہیں۔سورۃ النساء کی آیت ۱۵ میں اللہ تعالیٰ نے بدکاری کی مرتکب عورتوں کو اس وقت تک محبوس رکھنے کا حکم دیا تھا جب تک انہیں موت نہ آ جائے یا اللہ ان کے لئے کوئی صورت پیدا کر دے۔اس کے بعد ایک دن آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا:

((خذوا عنی خذوا عنی، قد جعل اللّٰہ لھن سبیلاً، البکر بالبکر جلد مئة

و نفی سنة و الثیب بالثیب جلد مئة و الرجم))(۴۳۰)۔

ترجمہ: یعنی مجھ سے لو، مجھ سے لو، اللہ نے ان کے لئے صورت پیدا کر دی، کنوارمرد اور کنواری عورت زنا کریں تو سو سو درے اور ایک سال کی جلاوطنی سزا ہے اور اگر شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت زنا کریں تو سو سو درے اور سنگساری یا رجم سزا ہے۔

ایک موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

"فرجم رسول الله ﷺ و رجمنا بعده،فأخشیٰ ان طال بالناس زمان،أن یقول قائلٌ:ما نجد الرّجم فی کتاب اللّٰہ تعالیٰ ،فیضّلوا بترک فریضۃٍ أنزلھا اللہ،وأنّ الرجم فی کتاب اللّٰہ حق علی من زنیٰ اذا أحصن،من الرجال والنساء،أذا قامت البینة،أو کان الحبل أوالاعتراف. (۴۳۱)۔"

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے رجم کیا۔ہم نے بھی آپ ﷺ کے بعد رجم کیا۔ مجھے ڈر ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بعض لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ رجم تو کتاب میں ہے ہی نہیں اور یوں وہ اللہ کے نازل کردہ فریضے کو ترک کر کے گمراہ ہو جائیں؛اس لئے اگر مرد اور عورت شادی شدہ ہوں اور زنا کریں تو رجم کرنا حق ہے بشرطیکہ گواہ ہوں، یا حمل ہو یا اقرار ہو۔

شاہ ولی اللہ دہلوی نے بھی لکھا ہے کہ:

"قتل میں قصاص، زنا میں رجم اور سرقے میں قطع ید ہماری طرح ہم سے پہلے کی سماوی شریعتوں میں معمول تھا؛ تمام انبیائے کرام اور تمام امتوں نے اس پر عمل کیا(۴۳۲)۔"

حد لواطت:

زنا کی طرح قرآن کریم میں لواطت کو بھی "فاحشہ" کہا گیا ہے اس کا ذکر سورۃ اعراف میں یوں آیا ہے:

﴿وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَاسَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ . اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ﴾ (۴۳۳)۔

ترجمہ: اور ہم نے لوط کو بھیجا جب اس نے اپنی قوم سے کہا کیا تم لوگ ایسی بے حیائی کرتے ہو کہ تم سے پہلے اقوام عالم میں سے کسی نے نہیں کیا۔تم لوگ عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس شہوت رانی کے لئے جاتے ہو۔حقیقت یہ ہے کہ تم لوگ حد سے نکل جانے والے لوگ ہو۔

سورۃ الحجر میں ان کی اس نازیبا حرکت پر اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل کیا اور پتھر برسائے کا ذکر ہے ۔اور نبی کریم ﷺ نے فعل کی سزا قتل بتائی ہے۔ابن عباس سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

((من وجدتموہ یعمل عمل قوم لوط فاقتلوا الفاعل والمفعول))(۴۳۴).

ترجمہ: جس شخص کو تم قوم لوط کا عمل کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔

بیہقی میں حضرت ابوموسیٰ سے یہ روایت منقول ہے کہ:

((قال اذا اتی الرجل ُالرجل فهما زانیان وإذا اتت المرأة ُالمرأة فهما زانیتان)) (۴۳۵)۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر مرد مرد سے ہم جنسی کرے تو دونوں زانی ہیں اور اگر عورت عورت سے ہم جنسی کرے تو دونوں زانیہ ہیں۔

عیسائیت میں حرمت زنا:

عیسائی مذہب میں بھی زنا کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ کتاب مقدس کے عہدنامہ جدید میں اس کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے جس کی تفصیل کچھ یوں ہے

انجیل مرقس میں ہے:

''جسے خدا نے جوڑا اسے آدمی جدا نہ کرے جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑ دے اور دوسری بیوی کو کرے وہ اس پہلی کے خلاف زنا کرتا ہے اور اگر عورت اپنے شوہر کو چھوڑ دے اور دوسرے سے بیاہ کرے تو زنا کرتی ہے (۴۳۶)۔''

متی میں لکھا ہے:

''میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے وہ اسے زنا کراتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے (۴۳۷)۔''

متی میں لکھا ہے:

''تم اگلے لوگوں سے سن چکے ہو کہ زنا بہت پاپ ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ جو شخص پرائی عورت کی طرف بری نظر سے دیکھتا ہے وہ دل میں زنا کا مرتکب ہو چکا اس لئے اگر تمہاری آنکھ یا ہاتھ ایسی حرکت کرے تو اسے کاٹ کر پھینک دیں (۴۳۸)۔''

یوحنا میں لکھا ہے:

''اور فقیہ اور فریسی ایک عورت کو لائے جو زنا میں پکڑی گئی تھی اور بیچ میں کھڑا کر کے یسوع سے کہا اے استاد یہ عورت زنا میں عین فعل کے وقت پکڑی گئی ہے۔ توریت میں موسیٰ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ایسی عورتوں کو سنگسار کریں (۴۳۹)۔''

''میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے تو وہ زنا کرتا ہے اور جو کوئی چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے وہ بھی زنا کرتا ہے (۴۴۰)۔''

عہدنامہ جدید میں متعدد جگہ آیا ہے کہ:

''زنا نہ کرو(۴۴۱)۔''

نیز مرقس میں لکھا ہے کہ:

''اس نے ان سے کہا جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے تو وہ اس پہلی کے برخلاف زنا کرتا ہے اور اگر عورت اپنی شوہر کو چھوڑ دے اور دوسرے سے بیاہ کرے تو وہ زنا کرتی ہے(۴۴۲)۔''

رومیوں میں ہے:

''تو جو کہتا ہے کہ زنا نہ کرنا آپ خود کیوں زنا کرتا ہے(۴۴۳)۔''

یعقوب میں لکھا ہے:

''زنا نہ کر اس لئے کہ جس نے یہ فرمایا کہ زنا نہ کر اسی نے یہ بھی فرمایا کہ خون نہ کر''(۴۴۴)۔

ایک اور جگہ لکھا ہے:

''اے زنا کرنے والیو کیا تمہیں نہیں معلوم کہ دنیا سے دوستی رکھنا خدا سے دشمنی کرنا ہے پس جو کوئی دنیا کا دوست بننا چاہتا ہے وہ اپنے آپ کو خدا کا دشمن بناتا ہے''(۴۴۵)۔

''میں نے اس کو توبہ کرنے کی مہلت دی مگر وہ اپنی حرام کاری سے توبہ کرنا نہیں چاہتی دیکھ میں اس کو بستر پر ڈالتا ہوں اور جو اس کے ساتھ زنا کرتے ہیں اگر اس کے سے کاموں سے توبہ نہ کریں تو ان کو بڑی مصیبت میں پھنساتا ہوں''(۴۴۶)۔

کتاب اعمال میں لکھا ہے:

''تم بتوں کی قربانیوں کے گوشت سے لہو اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں اور حرامکاری سے پرہیز کرو اگر تم ان چیزوں سے اپنے آپ کو بچائے رکھو گے تو سلامت رہو گے۔''(۴۴۷)۔

موجودہ کتاب مقدس کے دوسرے حصے عہدنامہ جدید کی ان سب آیات سے واضح ہوتا ہے کہ زنا کتنا بڑا گناہ اور برائی ہے اس سے بچنے میں ہی عافیت اور بھلائی ہے اور اللہ کی رضامندی ہے۔اسی سے بچنے کی تاکید اسلام بھی صریحاً کرتا ہے

یہودیت میں حرمت زنا:

یہودی مذہب میں بھی زنا کی حرمت کا واضح حکم موجود ہے اور کتاب مقدس کے عہدنامہ قدیم میں جابجا ہمیں اس کے حوالے ملتے ہیں جن کا ذکر ذیل میں دیا جا رہا ہے۔

موجودہ تورات میں ہے:

''اگر کوئی مرد کوئی عورت لے کر اس سے بیاہ کرے اور بعد میں اس کے کہ وہ اس کی نگاہ میں عزیز نہ ہوں اس سبب کہ

اس نے اس میں کوئی پلید بات پائی تو وہ اس کا طلاق نامہ لکھ کراس کے ہاتھ میں دے دے اور اسے گھر سے باہر نکال دے اور جب وہ گھر سے باہر نکل گئی تو جا کر دوسرے مرد کی ہوئے (۴۴۸)۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو احکام عشرہ نازل ہوئے ان میں سے ایک زنا کی ممانعت بھی ہے۔

"اور تو زنا مت کر (۴۴۹)۔"

احبار میں لکھا ہے:

"تو میں خود اس شخص کا اور اس کے گھرانے کا مخالف ہوکر اس کو اور ان سبوں کو جو اس کی پیروی میں زنا کار بنے اور مالک کے ساتھ زنا کرے ان کی قوم میں سے کاٹ ڈالوں گا۔ اور جو شخص جنات کے یاروں اور جادوگروں کے پاس جائے ان کی پیروی میں زنا کرے میں اس کا مخالف ہوں گا اسے اس کی قوم میں سے کاٹ ڈالوں گا (۴۵۰)۔"

اسی طرح مزید لکھا ہے:

"اور جو شخص دوسرے کی بیوی سے یعنی اپنے ہمسائے کی بیوی سے زنا کرے وہ زانی اور زانیہ ضرور جان سے مارڈالے جائیں گے (۴۵۱)۔"

نیز لکھا ہے کہ:

"اگر کوئی مرد کسی شوہر والی عورت سے زنا کرتے پکڑا گیا تو وہ دونوں مارڈالے جائیں۔ یعنی وہ مرد بھی جس نے اس عورت سے صحبت کی اور وہ عورت بھی۔ یوں تو اسرائیل میں سے ایسی برائی کو دفع کرنا (۴۵۲)۔"

ایک جگہ لکھا ہے کہ:

"لیکن انہوں نے اپنے قاضیوں کی بھی نہ سنی بلکہ اور معبودوں کی پیروی میں زنا کرتے اور ان کو سجدہ کرتے اور وہ اس راہ سے جس پر ان کے باپ دادا چلتے اور خداوند کی فرمانبرداری کرتے تھے بہت جلد پھر گئے اور انہوں ان کے سے کام نہ کیے (۴۵۳)۔"

امثال میں لکھا ہے:

"جو کسی عورت سے زنا کرتا ہے وہ بے عقل ہے وہی ایسا کرتا ہے جو اپنی جان کو ہلاک کرنا چاہتا (۴۵۴)۔" **چوری:**

اسلام میں چوری کی ممانعت:

چوری یہ ہے کہ کسی محفوظ جگہ سے چپکے سے کسی کا مال لینا۔ سرق سرقۃ سے ہے جس کے معنی چوری، چرائی ہوئی چیز کے

ہیں ۔سرقہ :چوری،چور کوسارق اور جو مال چرایا جائے اس کومسروقہ کہتے ہیں ۔

امام راغب لکھتے ہیں کہ:

''سرق کے معنی ہیں پوشیدہ طور پراس چیز کالینا جس چیز کو لینے کا حق نہ ہو۔اور شرع میں یہ کسی مخصوص شے کومخصوص جگہ سے مخصوص مقدار میں مخصوص طریقے (چپکے) سے لے لینے کے لئے مستعمل ہے(۴۵۵)۔''

منشی محبوب عالم کے مطابق

''اصطلاحاً چوری عاقل بالغ شخص کا کسی کا وہ مال جو دس درہم یا اس سے زیادہ قیمت کا ہومحفوظ جگہ میں رکھا ہوا ہو پوشیدہ لے لے(۴۵۶)۔''

حد سرقہ (چوری کی سزا)

قرآن کریم میں چوری کرنے والے مرد اور عورت پر حد جاری کرنے کا حکم دیا گیا ہے سورۃ مائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾(۴۵۷)۔

ترجمہ: چور مرد اور چور عورت کے ہاتھ کاٹ ڈالو یہ سزا ان کی کمائی کی ہے اور یہ سزا اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے چوری کی مذمت فرما کر اس کی سزا بیان فرمائی ہے ۔یعنی کسی محفوظ جگہ رکھی ہوئی چیز کو مالک کی رضا کے بغیر چھپا کر لے جانے کو چوری کہتے ہیں اور یہ نہایت ہی نازیبا حرکت ہے اس کے ذریعے جو مال حاصل کیا جاتا ہے وہ حرام ہے اور اس کی دنیا اور آخرت میں بے حد سزا ہے ۔دنیا میں اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور قیامت کے دن جہنم میں جلے گا ۔نبی کریم ﷺ جب کسی سے بیعت لیتے تو بہت سی نازیبا باتوں سے منع کرنے کے ساتھ ساتھ چوری سے بھی منع فرماتے

-

حد سرقہ حدیث کی روشنی میں:

عن عائشه رضی الله عنها قالت :((قال رسول الله ﷺ لا تقطع يد سارق إلا فی رُبع دینار فصاعدا))(۴۵۸)۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے مگر بسبب چوتھائی دینار یا اس سے کچھ زیادہ چوری کرنے پر(کاٹا جائے)۔

((اُتی رسول الله ﷺ بسارق فقطعت یدُہُ ثُمّ أمر بھا فعلّقت فی عنقہ))(۴۵۹)۔

ترجمہ: رسول ﷺ کے پاس ایک چور لایا گیا اس کا ہاتھ کاٹا گیا اور چور کے گلے میں اس کا ہاتھ (لوگوں کی عبرت کے لیے) لٹکایا گیا۔

چوری کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ایک تو وہ جس پر حد جاری ہوتی ہے ۔یہ چوری شریعت کی اصطلاح میں ''کسی شخص کی چیز کو خفیہ طور پر لے لینے کو کہتے ہیں جس میں نہ اس شخص کی رضامندی شامل ہو اور نہ اسے اس کا علم ہو(۴۶۰)۔

۲۔چوری کی دوسری قسم وہ ہے جس پر حد کی بجائے تعزیر ہوتی ہے ۔اس کی دو قسمیں ہیں۔

الف: پہلی قسم وہ ہے جو اگر چہ حد کے ضمن میں تو آتی ہو لیکن اجرائے حد کی شرائط پوری طور پر نہ پائے جانے کی وجہ سے یا شبہ پیدا ہو جانے کے باعث حد کی گرفت سے نکل کر تعزیر کے تحت آجائے ۔مثلاً خفیہ طور پر اپنے شریک کا مال لے لینا۔

ب۔ دوسری قسم وہ ہے جس میں غیر کا مال لینا تو ثابت ہو لیکن خفیہ طور پر مال نہ لیا جائے مثلاً کسی شخص کے علم میں اس کا مال غضب کر لینا یا کسی ہاتھ سے روپے کے نوٹ چھین کو لے بھاگنا وغیرہ وغیرہ۔ان صورتوں میں حد نہیں جاری ہوگی بلکہ تعزیر کی جائے گی(۴۶۱)۔

موجب حد:

۱۔ سونے چاندی اور جواہرات کی چوری پر حد جاری ہوگی۔

۲۔ اگر مسجد میں کسی نے اپنا مال رکھا اور وہاں صاحب مال موجود ہو تو اس کی چوری پر بھی قطع ید ہوگا۔

چوری کے زمرے میں رہزنی بھی آتی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ چوری میں مال خفیہ طور پر لیا جاتا ہے جب کہ رہزنی میں صاحب مال سے اس کا مال زبردستی لیا جاتا ہے ۔اسے حرابہ بھی کہتے ہیں ۔سورۃ المائدہ میں اس کا ذکر یوں آیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ﴾(۴۶۲)۔

ترجمہ: جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد برپا کرنے کے لئے دوڑتے پھرتے ہیں ایسے لوگوں کی بس یہی سزا ہے کہ وہ قتل کیے جائیں یا سولی پر چڑھائے جائیں یا ان میں سے ہر ایک کا ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کاٹ دیا جائے یا شہر بدر کر دیئے جائیں یہ سزا ان کے لئے دنیا میں سخت رسوائی ہے اور آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

رہزنوں کی سزا:

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ

"أن اناسا أغاروا علی إبل النبی واستاقوها وارتدوا عن الاسلام وقتلوا راعی نبی الله موماً فبعث فی آثارهم فاخذوا فقطع ایدیهم وارجلهم وسمل اعینهم مال و نُزلت فیهم آیت محا ربه" (۴٦۳)۔

ترجمہ: چندلوگوں نے حضور کے اونٹوں کولوٹ لیا اور ھنکا کر لے گئے اور مرتد ہو گئے اور حضورﷺ کے مسلمان چرواہے کو مار ڈالا رسولﷺ نے خبر پا کر لوگوں کو ان کے تعاقب میں بھیجا وہ گرفتار کر لئے گئے حضور نے ان کے ہاتھ پاؤں کو کاٹا اور آنکھیں پھوڑیں ان ہی کے متعلق آیت محاربہ نازل ہوئی۔

رہزنی کے ضمن میں چار صورتیں ہیں ان میں سے ہرایک کے لئے شریعت میں سزا مقرر ہے۔

۱۔ نہ مال لوٹا اور نہ قتل کیا صرف دہشت پھیلائی۔

اس شخص کی سزا یہ ہے کہ اس کو اس وقت تک قید میں رکھا جائے جب تک توبہ نہ کرے۔

۲۔ مال لوٹا لیکن قتل نہیں کیا۔

اس کی سزا یہ ہے کہ مال کی مقدار اگر دس درہم سے زیادہ ہے تو ہر رہزن کا ایک ہاتھ اور ایک پیر کاٹ دیا جائے گا۔

۳۔ مال نہیں لوٹا لیکن قتل کیا۔

اس کی سزا تمام رہزنوں کو قتل کیا جائے گا۔

۴۔ مال بھی لوٹا اور قتل بھی کیا۔

اس صورت میں حاکم کو اختیار ہے کہ وہ اس کو سولی پر چڑھائے یا قتل کرائے یا اس کے ہاتھ پھیر کٹوائے یا پھانسی دیں۔ پھانسی پانے والے رہزن کی لاش تین دن تک پھانسی کے تختے پر چھوڑ دینی چاہیے تا کہ لوگ عبرت حاصل کریں (۴٦۴)۔

یہودیت میں چوری کی ممانعت:

احکام عشرہ میں چوری کی ممانعت کا ذکر یوں آیا ہے:

"تو چوری نہ کر (۴٦۵)۔"

ایک اور جگہ یوں آیا ہے

”اگر چور سیندھ مارتے ہوئے پکڑا جائے تو اس پر ایسی مار پڑے کہ وہ مر جائے۔تو اس کے خون کا کوئی جرم نہیں ۔اگر سورج نکل چکے تو اس کا خون جرم ہوگا بلکہ اس سے نقصان دوگنا پڑے گا اگر اس کے پاس کچھ نہ ہو تو وہ چوری کے لئے بیچا جائے ۔اگر چوری کا مال اس کے پاس جیتا ملے خواہ وہ بیل ہو یا گدھا یا بھیڑ تو وہ اس کا دونا بھر دے۔۔۔اگر کوئی اپنے ہمسائے کو نقد یا جنس رکھنے کو دے اور وہ اس شخص کے گھر سے چوری ہو جائے تو اگر چور پکڑا جائے تو دونا اس کو بھرنا پڑے گا۔۔۔پر اگر وہ اس کے پاس سے چوری ہو جائے تو وہ اسکے مالک کو معاوضہ دے۔۔۔۔(۴۶۶)۔“

احبار میں لکھا ہے:

”تم چوری نہ کرنا اور نہ دغا دینا اور نہ ایک دوسرے پر جھوٹ بولنا(۴۶۷)۔“

یشوع میں لکھا ہے:

”اسرائیلیوں نے گناہ کیا اور انہوں نے اس عہد کو جنکا میں نے ان کو حکم دیا توڑا ہے انہوں نے مخصوص کی ہوئی چیزوں میں سے کچھ لے بھی لیا اور چوری بھی کی ۔۔۔۔۔۔۔اس لئے بنی اسرائیل اپنے دشمن کے آگے ٹھہر نہیں سکتے پھر وہ اپنے دشمنوں کے آگے پیٹھ پھیرتے ہیں کیونکہ وہ ملعون ہو گئے(۴۶۸)۔“

امثال میں لکھا ہے:

”چور اگر بھوک کے مارے اپنا پیٹ بھرنے کو چوری کرے تو لوگ اس کو حقیر نہیں جانتے پر اگر وہ پکڑا جائے تو سات گنا بھرے گا(۴۶۹)۔“

ایک اور جگہ لکھا ہے

”دیکھو تم جھوٹی باتوں پر جو بے فائدہ ہیں بھروسہ کرتے ہو کیا تم چوری کرو گے خون کرو گے‘ زنا کاری کرو گے ‘جھوٹی قسم کھاؤ گے اور بعل کے لئے بخور جلاؤ گے اور غیر معبودوں کی جن کو تم نہیں جانتے تھے پیروی کرو گے(۴۷۰)۔“

ہوسیع میں لکھا ہے:

”اے بنی اسرائیل خداوند کا کلام سنو کیونکہ اس ملک کے رہنے والوں سے خداوند کا جھگڑا ہے کیونکہ یہ ملک راستی اور شفقت اور خدا شناسی سے خالی ہے ۔ بدزبانی ‘عہد شکنی اور خون ریزی اور چوری اور حرام کاری کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا (۴۷۱)۔“

اس سے اگلی آیات میں ان اعمال پر اللہ کی ناراضگی اور غصے کا اظہار ہے اور ان میں انکے گناہوں کی سزا کا تذکرہ ملتا ہے۔

عیسائیت میں چوری کی ممانعت:

عیسائیت میں بھی چوری کو ناپسندیدہ فعل کہا گیا ہے اور اس سے منع کیا گیا ہے۔

متی میں ہے:

''مگر جو باتیں منہ سے نکلتی ہیں وہ دل سے نکلتی ہیں اور وہی آدمی کو ناپاک کرتی ہیں کیونکہ برے خیال، خون ریزیاں، زناکاریاں، حرام کاریاں، چوریاں، جھوٹی گواہیاں، بدگوہیاں دل ہی سے نکلتی ہیں۔ یہی باتیں ہیں جو آدمی کو ناپاک کرتی ہیں۔(۴۷۲)۔''

مرقس میں لکھا ہے:

''یسوع نے اس سے کہا تم مجھے کیوں نیک کہتا ہے کوئی نیک نہیں مگر ایک یعنی خدا، تو حکموں کو تو جانتا ہے خون نہ کر، زنا نہ کر، چوری نہ کر(۴۷۳)۔''

لوقا میں لکھا ہے:

''چوری نہ کر(۴۷۴)۔''

قتل:

اسلام میں قتل کی ممانعت:

قتل کا مصدر "قتل" ہے اور اس کا حقیقی معنی ہے فطری موت کے علاوہ کسی اور طریقے سے روح کو جسم سے جدا کر دینا۔ خواہ ذبح کی صورت میں ہو یا کسی اور طریقے سے ہو اور اس کا مجازی معنی ہیں غالب آنا۔

القتل (ن)۔ موت اور قتل میں یہ فرق ہے کہ اگر اس فعل کو سرانجام دینے والے کا اعتبار کیا جائے تو اسے قتل کہا جاتا ہے اور اگر صرف روح کے فوت ہونے کا اعتبار کیا جائے تو اسے موت کہا جاتا ہے(۴۷۵)۔

قرآن میں ہے:

﴿اَفَائِن مَّاتَ اَوْ قُتِلَ﴾(۴۷۶)۔ ترجمہ: کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا شہید ہو جائیں

قتل: مار ڈالنا، موت کے گھاٹ اتارنا،

یہ دو بڑے معنوں میں استعمال ہوتا ہے یعنی جرم قتل کا ارتکاب اور کسی جرم کی پاداش میں موت کی سزا۔

قتل بحیثیت جرم:

قرآن مجید کی متعدد آیات میں قتل ناحق کو حرام قرار دیا گیا ہے یہ آیات مکی دور کے دوسرے حصے سے لے کر مدنی دور کے تقریباً آخر تک نازل ہوتی رہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۔ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰی

اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِيْلًا ۔ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا۔ ﴾ (۴۷۷)۔

ترجمہ: اور نہ مارڈالو اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے؛ ہم ہی روزی دیتے ہیں ان کو بھی اور تمہیں بھی۔ بیشک ان کا مارڈالنا سخت جرم ہے۔ اور نہ مارو اس جان کو جس کا مارنا اللہ نے حرام کیا ہے، مگر حق کے ساتھ؛ اور جو مارا گیا ظلم سے تو جحت دی ہے ہم نے اس کے (ولی) وارث کو؛ لیکن وہ قتل کرنے میں حد سے تجاوز نہ کرے کیونکہ اسے مدد دی جائے گی۔

اسلام قبول کرنے کے بعد ایک آدمی کی جان اور مال دونوں محفوظ ہو جاتے ہیں۔ مسلمان کی جان اور اس کا مال ایسے ہی حرام ہیں جیسے ذوالحجہ میں حدودِ حرم کے اندر قربانی کا دن (۴۷۸)۔

اسی طرح قتل کا ہر وہ جرم جو پہلے زمانے میں آدمی پر عائد ہوتا ہو وہ اسلام قبول کرنے پر ڈھل جاتا ہے، خواہ اس جرم کا ارتکاب قبول اسلام سے کچھ ہی پہلے کیوں نہ کیا گیا ہو۔

کسی مسلمان کو قتل کرنے کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ اس نے کسی دوسرے مسلمان کو قتل کر دیا ہو، یا ایسے جرم کا ارتکاب کیا ہو جو اسے واجب القتل بنا دے۔ پہلا قتل جس سے دنیا میں قتل کی ابتدا ہوئی اس کی خاص انداز میں مذمت کی گئی ہے، یعنی قابیل ہر اس قتل میں شریک ہے جو اس کے بعد ہوا۔ قتل کی سزا دنیا میں بھی ہے اور عقبیٰ میں بھی۔ قیامت کے دن سب سے پہلے بے گناہوں کے قتل کے مقدمات پیش ہوں گے۔ رہی اس کی سزا، تو اس کے بارے میں قرآن واحادیث سے اسی خیال کی توثیق ہوتی ہے جو حضرت ابن عباسؓ اور دوسرے حضرات نے ظاہر کیا ہے کہ جس نے عمداً قتل کیا وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ اسی طرح جو کسی مسلمان کے قتل کی حمایت میں ایک لفظ بھی کہتا ہے اسے رحمت خداوندی سے مایوس ہو جانا چاہیے۔ (۴۷۹) قتل ایک ایسا فعل ہے جس سے ایک آدمی کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ قرآن قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَ

مَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا﴾ (۴۸۰)۔

ترجمہ: جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین فساد مچانے والا ہو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا اور جو شخص کسی ایک کی جان بچائے اس نے گویا تمام لوگوں کو زندہ کیا۔

سید مودودی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

''دنیا میں نوع انسانی کی زندگی کی بقا منحصر ہے اس پر کہ ہر انسان کے دل میں دوسرے انسانوں کی جان کا احترام موجود ہو اور ہر ایک دوسرے کی زندگی کے بقا و تحفظ میں مددگار بننے کا جذبہ رکھتا ہو (۴۸۱)۔''

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَ الَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَر ولاَ یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَق ولا یَزْنُوْنَ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ یَلْقَ اَثَامًا﴾ (۴۸۲)۔

ترجمہ: اور وہ خدا کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے۔ اور کسی ایسے شخص کو جسے قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہو وہ بجز حق کے قتل نہیں کرتا نہ وہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں اور جو کوئی یہ کام کرے وہ اپنے اوپر سخت وبال لائے گا۔

قتل کی بنیادی طور پر درج ذیل اقسام ہیں

اَ: قتل عمد:

یعنی ایک شخص بُری نیت سے کسی کو نشانہ بنائے اور ایسا طریق کار کسی کی ہلاکت کا باعث ہو سکتا ہو اور اس طرح آدمی مر جائے۔ یہ ایسا ہی مجرم ہے جیسا کہ کوئی شخص اس قسم کے آلے سے کسی کی گردن مار دے اور بری نیت سے اس کو قتل کر ڈالے۔ اس قتل کی سزا قصاص ہی ہے۔ یا پھر یہ ہوتا ہے کہ قاتل زیادہ بھاری دیت اور خون بہا ادا کرے اور اگر مقتول سے قاتل کو کوئی ورثہ ملنے والا ہو تو اس سے بھی محروم کر دیا جائے (۴۸۳)۔

ب۔ قتل خطأ:

یعنی دوسرے کے خلاف کسی ناجائز فعل کے ارتکاب کی نیت نہ تھی، لیکن فعل کا بجائے خود پہلے سے ارادہ تھا۔ اس سلسلے میں دو قسم کے امتیاز پیدا کئے گئے ہیں یعنی ایک یہ کہ مقتول کے قتل کی نیت تو نہ تھی، لیکن مارنے والے کے ارادے میں خطأ ہوئی۔ دوسری صورت خطأ فی الفعل کی ہے، یعنی عمل انجام کو غلط طرح پہنچا۔ اور اس سے اس کی موت واقع ہوگئی۔ اس قسم کا قتل گناہ تو نہیں، لیکن (قصاص کے بغیر) اس کے عاقلہ پر دیت ادا کرنا فرض ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں قاتل کو کم درجے کی دیت دینی پڑتی ہے اور اگر مقتول سے اسے کوئی ورثہ پہنچنے والا ہو تو صورت (اُ) کی طرح وہ اس سے محروم ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ قاتل پر کفارہ بھی واجب ہو جاتا ہے (۴۸۴)۔

ج: شبہ عمد:

یہ قتل عمد کے برابر ہے، یعنی یہ کہ ایک آدمی دوسرے کے خلاف بلا ارادہ کسی ایسے فعل کا مرتکب ہو جو ہمیشہ تو نہیں، لیکن کبھی کبھی مہلک بھی ہو سکتا ہو اور اس طرح موت واقع ہو جائے۔

ھ۔ قتل بسبب (قتل بالواسطہ):

مثلاً ایک شخص کسی دوسرے شخص کے خلاف براہِ راست تو کوئی فعل نہیں کرتا، لیکن اس کی موت کا سبب بن جاتا ہے، مثلاً اس نے کنواں کھودا اور کوئی شخص اس میں گر کر مر گیا (۴۸۵)۔

قتل بطور سزا:

موت کی سزا کو بھی قتل کی عمومی اصطلاح کے تحت لایا جا سکتا ہے ۔۴۸۳)۔ ناجائز قتل کی وہ تمام صورتیں جو اوپر بیان ہوئیں ان میں مقتول کے قریب ترین عزیز (ولی الدم) کو یہ حق پہنچتا ہے کہ اگر خاص شرطیں پوری ہو جائیں تو وہ مجرم کو اپنے ہاتھ سے قتل کرے۔ اس سزا کا نام قصاص یا قَوَد ہے (۴۸۶)۔

چند اور صورتیں ہیں جہاں اسلام کے مسلمہ عقائد و اعمال سے دشمنوں کے خلاف قتال تجویز کیا گیا ہے۔ چونکہ ان امور میں زیادہ تر دخل قتل ہی کا ہے ان سب کی تفصیل کے لئے حدود سے متعلقہ کتب کا مطالعہ ضروری ہے (۴۸۷)۔

یہودیوں میں قتل کی ممانعت:

احکام عشرہ میں ایک حکم یہ بھی تھا کہ ''تو خون نہ کر (۴۸۸)۔''

صادقین کو قتل نہ کرنے کا حکم ہے اور اس سے منع کیا گیا ہے۔ اس میں کہیں یہ نہیں لکھا گیا ہے کہ صرف یہودی ہی صادق ہیں اس لئے آج کے یہودیوں کو بھی خیال رکھنا چاہیے اور دوسرے مذاہب کے لوگوں سے رواداری سے پیش آنا چاہیے۔ چنانچہ خروج میں لکھا ہے: ''اور صادقوں کو قتل نہ کرنا (۴۸۹)۔''

بے گناہ کا خون بہانا پسند نہیں کیا گیا بلکہ واضح الفاظ میں اس کی ممانعت ہے۔ چنانچہ استثناء میں ہے:

''بے گناہ کا خون نہ بہایا جائے (۴۹۰)۔''

اور اگر کوئی بے گناہ کا خون کرے تو اس سے جواب دہی کرنے کا حکم ہے۔

''بے گناہ کے خون کی جوابدہی کر (۴۹۱)۔''

کتاب گنتی میں لکھا ہے کہ:

''خون ملک کو ناپاک کرتا ہے سوائے قاتل کے خون کا اور کسی چیز کا کفارہ نہیں لیا جا سکتا (۴۹۲)۔''

''وہ خون ان کو معاف کر دیا جائے گا (۴۹۳)۔''

با گناہ کے خون بہانے کی ممانعت کے متعلق یوں لکھا ہے

''اور بے گناہ کا خون نہ بہاؤ۔ بے گناہ کے خون کی جوابدہی کر (۴۹۴)۔''

نیز بیگناہ اور نادانستہ پر لعنت بھیجی گئی لکھا ہے:

''لعنت اس پر جو بے گناہ کو قتل کرے اور جو کوئی نادانستہ کسی کو قتل کرے (۴۹۵)۔''

عیسائیوں میں قتل کی ممانعت:

''تم سن چکے ہو اگلوں سے کہا گیا تھا کہ خون نہ کرنا اور جو کوئی خون کرے گا وہ عدالت کی سزا کے لائق ہوگا لیکن میں تم

سے یہ کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنے بھائی پر غصہ ہوگا وہ عدالت کی سزا کا باعث ہوگا اور جو کوئی اپنے بھائی کو پاگل کہے گا وہ صدر عدالت کی سزا کے لائق ہوگا اور جو اس کو احمق کہے گا وہ آتش جہنم کا سزاوار ہوگا (۴۹۶)۔"

متی میں لکھا ہے:

"جو بدن کو قتل کرتے ہیں اور روح کو قتل نہیں کر سکتے اُن سے نہ ڈرو بلکہ اُسی سے ڈرو جو روح اور بدن دونوں کو جہنم میں ہلاک کر سکتا ہے (۴۹۷)۔"

نیز لکھا ہے:

"تو خون نہ کرنا (۴۹۸)۔"

ایک اور جگہ لکھا ہے کہ زنا کے ساتھ ساتھ قتل کے جرم سے بچنا بھی ضروری ہے چنانچہ لکھا ہے کہ:

"اگر تو نے زنا تو نہ کیا مگر خون کیا (۴۹۹)۔"

عیسائیت جو کہ یہودیت کا پیش رو مذہب ہے اس میں بھی قتل کی ممانعت کی گئی ہے۔اور یہ حرام ہے۔

یہاں جب ہم مشاہدہ کرتے ہیں تو محرمات جو اسلام میں ہیں وہ یہودیت اور عیسائیت میں بھی ہیں۔اور اسلام جو عالمگیر مذہب ہے میں مشترک ہیں۔اس لئے سود ہو یا قتل وغارت،شراب ہو یا چوری،نکاح ہو یا طلاق،نسبی رشتے محرم ہیں اور انسان کا دینی تعلیمات پر عمل ہی دنیا میں امن کی طرف ایک قدم ہے۔

یہودی اور عیسائی مذہب میں قتل کی سختی سے اسی طرح ممانعت ہے جیسے اسلام میں ہے۔لیکن جب ہم موجودہ دور میں مسلم ممالک کے غیر مسلم ممالک سے تعلقات کا مشاہدہ کرتے ہیں تو بین الاقوامی طور پر کافی کشیدگی پائی جاتی ہے اور انسان دوسرے انسان کا قتل کرنے کا حق ایسے سمجھتا ہے جیسے وہ جائز اور درست کام کر رہا ہے اس لئے الہامی مذاہب کے ماننے والوں کا فرض بنتا ہے کہ اپنے مذاہب کی تعلیمات پر عمل کریں اس طرح دنیا امن سے بھر جائے گی کیونکہ عقائد معاملات اور اخلاقیات کسی بھی مذہب کی بنیاد ہیں اس پر عمل آشتی کا سبب ہے اس پر عمل پیرا ہو کر ہم اپنے رب کی رضا حاصل کر سکتے ہیں۔

حواشی وحوالہ جات

فصل دوم/ باب دوم

۱۔ الأزدی،جمہرۃ اللغۃ،ص:۱/۳۴۷،دارالکتب العلمیہ،۲۰۰۰ء۔ الأزہری،معجم تہذیب اللغۃ، ص:۱۰۹۳،جرجانی،کتاب التعریفات،ص:۷۳۔

۲۔ لسان العرب،۱۰/۸۵،۸۶

۳۔ اصفہانی،مفردات القران،ص:۱/۳۱۸

۴۔ زبیدی،تاج العروس،ص:۱۳/۱۲۰تا۱۲۴

۵۔ لوئیس معلوف،المنجد،ص:۱۹۴،دارالاشاعت کراچی

۶۔ حقی،الحق،شان،فرہنگ آصفیہ،ص:۱۲۷،۱۲۸،مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد وارث سرہندی، قومی اردولغت،ص:۸۷

۷۔ جمیل جالبی،قومی انگریزی اردولغت،ص:۶۸۹،مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد،۲۰۰۶

۸۔ شاہ ولی اللہ،حجۃ اللہ البالغہ،ص:۲:۴۰۱،مکتبہ رحمانیہ لاہور

۹۔ Encyclopedia of Philosophy,vol:3,p:81,82

۱۰۔ غزالی،احیاء العلوم۔۳:۵۲،پروگریسو بکس اردو بازار لاہور۔

۱۱۔ اردو جامع انسائیکلوپیڈیا،ص:۱/۷۹

۱۲۔ امام رازی،تفسیر الکبیر،ص:۱۵/۴۳۵

۱۳۔ ماوردی،تسہیل النظر وتعجیل الظفر،ص:۵،دارالنشر بیروت لبنان

۱۴۔ جرجانی،کتاب التعریفات،ص:۷۳

۱۵۔ الجاحظ،تہذیب الاخلاق،ص:۱۲،دارالصحابہ للتراث،ط:۱،۱۹۸۹

۱۶۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم،اسلام کا نظریہ حیات،ص:۱۴۱،ادارہ ثقافت اسلامیہ

۱۷۔ حفظ الرحمٰن سیوہاروی،اخلاق اور فلسفہ اخلاق،ص:۷۰،الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور ۲۰۰۰ء

۱۸۔ محمد ہارون یحییٰ،اسلامی اخلاق کے رہنما اصول،ص:۳۵،دارالاشاعت کراچی،۲۰۰۷ء

۱۹۔ امام مسلم،صحیح مسلم،باب تفسیر البر والاثم،رقم حدیث:۶۵۱۶

۲۰۔ امام ترمذی،سنن ترمذی،ابواب التفاسیر،تفسیر سورۃ المطففین،رقم الحدیث:۳۳۳۴

۲۱۔ امام حاکم،مستدرک حاکم،،کتاب الایمان،رقم الحدیث:۱/۳۳،دارالکتب العربی بیروت لبنان،۱۴۱۱ھ

۲۲۔ امام بخاری، الجامع الصحیح، کتاب بدأ الوحی، کیف کان بدأ الوحی، رقم حدیث:۱، ۵۴۔ امام مسلم، صحیح مسلم،
کتاب الامارۃ، باب قولہ ﷺ انما الاعمال بالنیات، رقم حدیث: ۴۹۲۷

۲۳۔ محمد ہارون یحییٰ، اسلامی اخلاق کے رہنما اصول، ص:۳۵

۲۴۔ الحجر:۲۸، ۲۹

۲۵۔ الحجرات:۱۵

۲۶۔ الفتح:۲۹

۲۷۔ البقرۃ:۱۳۸

۲۸۔ محمد موسیٰ خان جلالزئی، اسلامی فلسفہ حیات، ص:۵۶، ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۹۴ء

۲۹۔ متقی الہندی، کنز العمال، ۱/۵۔۱۳۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۸ء نیز دیکھئے امام احمد بن حنبل
مسند احمد، ۲/۳۸۱

۳۰۔ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، اسلامی معاشرے کی تعمیر نو، ص:۱۲۴، فیروز سنز لاہور

۳۱۔ لقمان:۳۱

۳۲۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین، ص:۳۴۴

۳۳۔ البقرۃ:۲۶۴

۳۴۔ دیکھئے اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ص:۱/۱۹۲

۳۵۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی، ص:۶/۴۱۷

۳۶۔ محمد ہارون یحییٰ، اسلامی اخلاق کے رہنما اصول، ص:۳۵

۳۷۔ علامہ اقبال، کلیات اقبال، بانگ درا ''عشق کی انتہا''، ص:۱۳۱/۱۱۵، اقبال اکیڈمی لاہور

۳۸۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ص:۱/۱۹۳

۳۹۔ مفتی محمد شفیع، معارف القرآن ص:۱/۳۶۶، ۱۹۸۱

۴۰۔ شہاب الدین السید محمد آلوسی، روح المعانی، ص:۱۸/۲۱۷، ادارۃ الطباعۃ المیزیۃ

۴۱۔ آل عمران:۲۷

۴۲۔ بنی اسرائیل:۱۱۰

۴۳۔ امام بخاری، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، ح:۱/۲۸

۴۴۔ بنی اسرائیل:۲۹

۴۵۔ الفرقان:۶۷

۴۶۔ ابن ہمام،فتح القدیر،۲/۱۴۵

۴۷۔ احمد بن حنبل،مسند احمد،۱/۲۴۷

۴۸۔ لقمان:۱۹

۴۹۔ خورشید احمد،اسلامی نظریہ حیات،ص:۳۹۵

۵۰۔ ابو بکر،احمد بن علی الرازی الجصاص،احکام القرآن،۳/۲۳۴،الاسلامیہ مطبعۃ الاوقاف

۵۱۔ عبدالمنعم،عبدالعظیم،جیزہ،امام القضاۃ فی المملکۃ السعودیۃ العربیۃ،ص:۵،۱۹۸۸،مطبعۃ معہد الادارۃ العامہ

۵۲۔ عمار بن بوضیاف بن التہامی،معالم استقلال القضاۃ فی الشریعۃ الاسلامیۃ،مجلۃ البحوث الفقھیۃ المعاصرۃ القانون،ص:۱۲۰

۵۳۔ الحدید:۲۶

۵۴۔ کنزالعمال،۳/۱۷۴

۵۵۔ محمد بن یوسف،واسطۃ السلوک فی سیاسۃ الملوک،ص:۲۳،پبلشرز،ندارد

۵۶۔ محمد الخضری،تاریخ التشریع الاسلامی،ص:۱۱۶،۱۹۱۸ء،دارالفکر بیروت

۵۷۔ ڈاکٹر محمد ضیاء الحق،معارف اسلامی،علمی و تحقیقی مجلّہ،ص:۹۳،جنوری تا جون ۲۰۰۷ء،علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

۵۸۔ ابوالعباس،احمد بن یحییٰ البلاذری،،فتوح البلدان،ص:۴۲۸،دارالنشر للجامعین،۱۹۷۵

۵۹۔ عبدالوہاب،السلطات الثلاث فی الاسلام،مجلۃ القانون والاقتصاد،السنۃ السادسۃ،۴/۸۵۵،اپریل ۱۹۳۲ء

۶۰۔ ساجد الرحمن،معارف اسلامی،علمی و تحقیقی مجلّہ،ص:۷۹،شمارہ:۲،جولائی تا ستمبر ۲۰۰۶ء،علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

۶۱۔ ایضاً

۶۲۔ آل عمران:۱۰۴،۱۰۵

۶۳۔ آل عمران:۱۱۰

۶۴۔ فخر الدین الرازی،مفاتیح الغیب (تفسیر الکبیر)،ص:۲۷،۱۹۹۰ء،دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان

۶۵۔ ترمذی،جامع الترمذی،باب ماجاء فی لزوم الامر بالمعروف ونھی عن المنکر،رقم الحدیث:۲۸۸۵

۶۶۔ مقالات سیرت،ص:۲۷۵،۲۰۰۵ء،وزارت مذہبی امور زکوٰۃ وعشر حکومت پاکستان

۶۷۔ ڈاکٹر خالد علوی، انسان کامل، ص:۲۳۴، اگست ۲۰۰۲ء، الفیصل ناشران وتاجران کتب خانہ لاہور

۶۸۔ المریم:۶۵

۶۹۔ البقرۃ:۴۵

۷۰۔ نسیم امروہی، نسیم اللغات، ص:۴۵، ۱۹۷۰ء، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور

۷۱۔ انٹرنیشنل انسائیکلوپیڈیا آف سوشل سائنس، میکملن کمپنی اینڈ دی فری پریس، ۱۹۶۸ء، ص:۱۲/ ۴۳۹

۷۲۔ البقرۃ:۲۵۴

۷۳۔ رئیس احمد جعفری، اسلام اور رواداری، ص:۹۴، ۱۹۵۵ء

۷۴۔ الشوریٰ:۴۰

۷۵۔ قاضی محمد سلیمان، رحمۃ للعالمین، ص:۳۱۵، ۲۰۰۰ء۔ مکتبہ عبدالرحمن لاہور

۷۶۔ محمد حافظ ثانی، رسول اکرم ﷺ اور رواداری، ص:۱۶۷، ۱۹۹۸ء، فضلی سنز کراچی

۷۷۔ سکھ داراجی، رسول عربی ﷺ، ص:۱۱۸، ۱۹۹۸ء، سیرت اکیڈمی لاہور

۷۸۔ شبلی نعمانی، غزوہ احد، ص؛۱۵، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد

۷۹۔ آل عمران:۹

۸۰۔ جاوید ریاض، اسلامی تعلیمات، ص:۱۸۲، مکتبہ دانیال لاہور

۸۱۔ دیکھئے النساء:۸۷، ۱۲۲، الانعام:۱۴۶، الزمر:۳۳، یس:۵۲، آل عمران:۱۷، التوبہ:۱۹،
الاحزاب:۲۴، ۳۵

۸۲۔ النساء:۸۷

۸۳۔ جاوید ریاض، اسلامی تعلیمات، ص:۱۸۲

۸۴۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی، ص:۶/ ۴۲۱ تا ۴۲۳ ۴۲۶، ۴۲۷، خورشید احمد، اسلامی نظریہ
حیات، ص:۳۹۵

۸۵۔ امام مسلم، صحیح مسلم، کتاب الادب، باب قبح الکذب، رقم الحدیث:۶۶۳۷

۸۶۔ عبدالقیوم ناطق، تعلیمات اسلام، ص:۱۴۳، ۱۴۴، مکتبہ اسلامیہ لاہور

۸۷۔ ابوداؤد، سنن ابوداؤد، باب التشدید فی الکذب، رقم الحدیث:۴۹۹۲، دارالسلام ریاض، ۱۴۲۷ھ

۸۸۔ الحجرات:۹

۸۹۔ امام مسلم، صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم، رقم الحدیث:۲۵۷۷

۹۰۔ امام مسلم، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب تحریم الکبر وبیانہ، رقم الحدیث:۱۴۷، ۱۴۹

۹۱۔ امام مسلم،صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب اطاعۃ الامر فی غیر معصیۃ وتحریمہا فی معصیۃ،رقم الحدیث:۴۷۶۳

۹۲۔ لقمان:۱۴

۹۳۔ الفتح:۱۰

۹۴۔ محمد فواد عبد الباقی، اللؤلؤ والمرجان، ص:۱۶۸، ۱۶۹دار الحدیث قاہرہ مصر

۹۵۔ امام بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب الحذر من الغضب، رقم الحدیث:۶۱۱۶

۹۶۔ الشوریٰ:۳۷

۹۷۔ آل عمران:۱۳۴

۹۸۔ جے سموئیل، عہدنامہ عتیق کا تاریخی سفر، ص:۱۵، ۱۹۹۴ء، خاطر پرنٹرز، لاہور

۹۹۔ عہدنامہ قدیم، خروج:۲۰:۱۲

۱۰۰۔ ایضاً:۲۰:۹

۱۰۱۔ ایضاً:۲۳:۶

۱۰۲۔ عہدنامہ قدیم، حزقی ایل:۱۸:۲۰

۱۰۳۔ عہدنامہ قدیم، امثال:۲۹:۴

۱۰۴۔ عہدنامہ قدیم، خروج، ۲۲:۲۱، ۲۲

۱۰۵۔ ایضاً:۲۳:۲۵ تا ۴۰

۱۰۶۔ ایضاً:۲۳:۴، ۵ص ۷۵

۱۰۷۔ عہدنامہ قدیم، استثنا،۲۲:۶، ۷، ۸

۱۰۸۔ عہدنامہ قدیم، خروج، ۲۰:۱۶، ۱۷

۱۰۹۔ عہدنامہ قدیم، پیدائش،۲:۲۴

۱۱۰۔ عہدنامہ قدیم، ملاکی،۲:۱۶

۱۱۱۔ عہدنامہ قدیم، احبار،۲۲:۲۹

۱۱۲۔ عہدنامہ قدیم، احبار،۱۹:۱۱

۱۱۳۔ عہدنامہ قدیم، امثال۱۳:۵،

۱۱۴۔ عہدنامہ قدیم، امثال۱۴:۵

۱۱۵۔ عہدنامہ قدیم، خروج، ۲۰:۷ص ۷۲، ۷۵

۱۱۶۔ ایضاً،احبار،۱۰:۹

۱۱۷۔ ایضاً،استثنا،۲۳:۱۹

۱۱۸۔ ایضاً،خروج،۲۰:۱۲

۱۱۹۔ ایضاً،خروج،۲۰:۱۵

۱۲۰۔ ایضاً،خروج ۲۳:۷

۱۲۱۔ ایضاً،خروج ۲۳:۹

۱۲۲۔ ایضاً،خروج ،۲۳:۸

۱۲۳۔ ایضاً،استثنا،۱۶:۱۹

۱۲۴۔ ایضاً،تواریخ ۲،۱۹:۷

۱۲۵۔ ایضاً،خروج،۲۰:۱۴

۱۲۶۔ ایضاً،خروج ۲۳:۹

۱۲۷۔ ایضاً،استثنا،۱۹:۱۳

۱۲۸۔ ایضاً،استثنا،۲۴:۱۴

۱۲۹۔ ایضاً،احبار،۱۹:۱۳

۱۳۰۔ کیرن آرم سٹرانگ/منصور طاہر،ص:۱۰،۲۰۰۳ء،تحقیقات لاہور

۱۳۱۔ تالمود:۱۵۱

۱۳۲۔ ایضاً

۱۳۳۔ تالمود:۱۵۱،

۱۳۴۔ ایضاً

۱۳۵۔ ایضاً، پیدائش،۱۸:۳

۱۳۶۔ ایضاً، کتاب گنتی،۱۱:۲۹

۱۳۷۔ تالمود،ص:۱۵۳

۱۳۸۔ ایضاً،ص:۱۵۴

۱۳۹۔ ایضاً،ص:۱۵۵

۱۴۰۔ ایضاً،ص:۱۵۶

۱۴۱۔ ایضاً،ص:۱۵۷

۱۴۲۔ عہدنامہ قدیم، احبار۱۵:، استثنا۲۳، سموئیل دوم۱۱، احبار باب ۹:۱۰، ۱۰

۱۴۳۔ متولی یوسف جلی/مولانا شمس تبریز خان، مسیحیت علمی اورتاریخی حقائق کی روشنی میں، ص:۱۳۱، ادارہ اسلامیات لاہور

۱۴۴۔ نویدعثمانی، اگراب بھی نہ جاگو گے، ص:۱۱۶، ۱۹۸۹، روشنی پبلشنگ ہاؤس، رامپور

۱۴۵۔ عہدنامہ جدید، متی:۱۳؛۴۳

۱۴۶۔ ایضاً، ۵؛۳، ۴، ۵، ۶، ۹

۱۴۷۔ ایضاً، ۶؛۳، ۴

۱۴۸۔ ایضاً، ۵؛۴۲

۱۴۹۔ ایضاً، ۱۵:۴۳، ۴۴

۱۵۰۔ ایضاً، باب ۵

۱۵۱۔ ایضاً، ۵:۲۷:۲۹

۱۵۲۔ ایضاً، ۱۸:۲

۱۵۳۔ ایضاً، ۶:۲۰

۱۵۴۔ ایضاً، لوقا، ۳:۱۴

۱۵۵۔ عہدنامہ جدید، یعقوب، ۲:۱۳

۱۵۶۔ ایضاً، کلسیوں، ۳:۹

۱۵۷۔ عہدنامہ جدید، یعقوب، ۳:۱۴

۱۵۸۔ ایضاً، متی، ۵:۳۳

۱۵۹۔ خلیل بن احمد فراہیدی، کتاب العین، ص:۳/۲۳۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت لبنان ۲۰۰۳، فرہنگ آصفیہ، ص:۴/۳۶۹

۱۶۰۔ وحیدالزمان قاسمی، قاموس الوحید، ص:۱۱۲۸، ادارہ اسلامیات، انارکلی، لاہور، ۱۹۹۰ء

۱۶۱۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ص:/۲۰/۷

۱۶۲۔ لکھنوی، مہذب، مہذب اللغات، ص، ۱۲:۲۴۰، اردو بک ڈپو نیا محل منصور نگر لکھنو یوپی انڈیا ۱۹۸۱ء

۱۶۳۔ ملک الرحمٰن، قرآن کا معاشرتی نظریہ ص:۱۱۴، مقالہ ایم فل اسلامیات نمل، ۲۰۰۶

۱۶۴۔ افریقی، ابن منظور، لسان العرب، ص، ۲:۶۲۵، تاج العروس، سید محمد مرتضیٰ زبیدی، ص:۴/۲۴۰، ۲۴۱۔ القاموس الوحید، ص:۱۷۰۴

۱۶۵۔ محمود، قاسم، سید، شاہکار انسائیکلوپیڈیا، ص: ۱۵۵۷، شاہکار بک فاؤنڈیشن اصفہانی، راغب، امام، مفردات القرآن، ص: ۲/ ۱۰۷۷

۱۶۶۔ تنزیل الرحمٰن: مجموعہ قوانین اسلام ۱: ۵۶، دفعہ ۴ وغیرہ، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد

۱۶۷۔ محمود، قاسم، سید، شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا ص: ۱۵۵۷

۱۶۸۔ ایضاً

۱۶۹۔ قاسمی مجاہد الاسلام، مولانا اسلام کے عائلی قوانین، ص: ۳۲ تا ۳۵، ادارہ القرآن گارڈن ایسٹ لسبیلہ کراچی۔ نیز دیکھئے الدر المختار مع رد المختار باب الحداد ص: ۸۵۲، ج: ۲۔ دیکھئے الہدایہ ص: ۴۰۸، ج ۲

۱۷۰۔ ایضاً

۱۷۱۔ ایضاً

۱۷۲۔ ایضاً

۱۷۳۔ اس کے علاوہ ایک طریقہ زمانہ جاہلیت میں عربوں کے بعض قبیلوں میں رائج تھا۔ اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ ایک پست نطفہ کا آدمی چاہتا تھا کہ اس کا بیٹا بہادر اور شہسوار ہو یا حسین وجمیل اور قد آور ہو تو وہ کسی ایسے آدمی کے متعلق جو ان صفات میں ممتاز ہوتا اپنی بیوی سے کہتا تو اس آدمی سے تعلق قائم کرے۔ تاکہ اسکا حمل قرار پائے۔ پھر بیٹا انہی صفات کا اسی طرح کا پیدا ہو۔ اور خود اس وقت تک بیوی سے الگ رہنا جب تک کہ اس دوسرے آدمی سے حمل قرار پاتا۔ عربی میں اس کو استبضاع کہا جاتا ہے۔

۱۷۴۔ النساء: ۱

۱۷۵۔ الروم: ۲۱

۱۷۶۔ سورۃ یٰس: ۳۶

۱۷۷۔ النساء: ۳

۱۷۸۔ امام بخاری، الجامع الصحیح، باب الترغیب فی النکاح، رقم الحدیث: ۵۰۶۳

۱۷۹۔ معجم الفقہ الحنبلی ۲: ۸۰۱ الامیریہ، بولاق مصر

۱۸۰۔ عبدالشکور، علم الفقہ، ص: ۶۸۱ تا ۶۸۲، مکتبہ رحمانیہ لاہور

۱۸۱۔ عبدالشکور، علم الفقہ، ص: ۶۸۰ تا ۶۸۶

۱۸۲۔ النساء: ۱۹

۱۸۳۔ صحیح بخاری کتاب النکاح، باب التزویج علی القرآن بغیر صداق، رقم الحدیث: ۵۱۴۹، ۵۱۳۸

۱۸۴۔ ترمذی، جامع الترمذی، کتاب النکاح، باب ماجاء فی مھور النساء، رقم الحدیث: ۱۱۱۴

۱۸۵۔ البقرۃ: ۲۳۶

۱۸۶۔ البقرۃ:۲۳۷

۱۸۷۔ دیکھئے حوالہ:۱۸۸

۱۸۸۔ النساء:۲۰

۱۸۹۔ امام ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، ص:۱/ ۵۷۷۔ نیز دیکھئے مجمع الزوائد، کتاب النکاح، باب الصداق، ص:۴/۲۸۳، رقم الحدیث:۴۵۱

۱۹۰۔ النساء:۲۴

۱۹۱۔ البقرۃ:۲۲۹

۱۹۲۔ البقرۃ:۲۳

۱۹۳۔ تنزیل الرحمٰن، مجموعہ قوانین الاسلام، ص:۱۵۵تا ۱۸۰

۱۹۴۔ ایضاً

۱۹۵۔ النساء:۳

۱۹۶۔ تنزیل الرحمٰن، مجموعہ قوانین الاسلام، ص:۱۸۰

۱۹۷۔ النساء:۱۹

۱۹۸۔ النساء:۳۴

۱۹۹۔ ترمذی، سنن الترمذی، کتاب المناقب، باب فضل ازواج النبی ﷺ، رقم الحدیث:۳۸۹۵' دارالسلام ریاض ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب حسن معاشرۃ النساء، رقم الحدیث:۱۹۷۷، نیز دیکھئے حدیث أکمل المومنین ایمانا احسنہم خلقا و خیارکم خیارکم لنسائہم خلقا' کو، ترمذی، سنن الترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء فی حق المرأۃ علی زوجہا، رقم الحدیث:۱۰۸۲

۲۰۰۔ مسلم: صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب استحباب النکاح لمن تاقت نفسہ الیہ۔۔ رقم الحدیث:۳۳۹۸۔ص:۵۸۵،

۲۰۱۔ الروم:۲۱

۲۰۲۔ الفرقان:۵۴

۲۰۳۔ النور:۳۲

۲۰۴۔ ابوداؤد، سنن ابی داود کتاب النکاح، باب النهي عن تزويج من لم يلد من النساء، رقم الحدیث:۲۰۵۰۔ نیز دیکھئے نسائی، سنن نسائی، کتاب النکاح، کراهية تزويج العقيم ، رقم الحدیث:۳۲۲۹؛ متقی الہندی، علی، علاءالدین، کنزالعمال' تناکحوا و تکثروا فانی مباه بکم

الامم یوم القیامة

۲۰۵۔ البخاری، الجامع الصحیح البخاری، کتاب النکاح، باب الاکفاء فی الدین ، رقم الحدیث: ۵۰۹۰

۲۰۶۔ البقرة:۲۹۹

۲۰۷۔ البقرة:۲۳۶

۲۰۸۔ البقرة:۲۲۹

۲۰۹۔ ایضا:۱۸۷

۲۱۰۔ عہدنامہ قدیم پیدائش ۱: ۲۷، ۲۸

۲۱۱۔ ایضاً، پیدائش ۳:۱۶

۲۱۲۔ ایضاً، پیدائش ۲:۱۸

۲۱۳۔ رشید احمد، تاریخ مذاہب، ص:۲۸۹، زمرد پبلشر زکوئٹہ

۲۱۴۔ عہدنامہ قدیم، پیدائش ۲:۲۴

۲۱۵۔ The Jewish Encyclopedia, v:8, p:336

۲۱۶۔ (ibid)

۲۱۷۔ Liberius Pieterse, english - Urdu dictionary of christian Terminology, A..Q CSC , Rawalpindi cantt, 2001, pg:59.

۲۱۸۔ The Jewish Encyclopedia, v:8, p:336

۲۱۹۔ کتاب استثناء ۲۵:۵، ۱۰

۲۲۰۔ Jewish Encyclopedia , V:8, p:335

۲۲۱۔ سلاطین ۱۱:۱ نیز دیکھئے: سموئیل ۵:۱۳، قضاۃ ۸:۳۰، تواریخ دوم ۲۴:۳ اور استثناء ۲۱:۱۵

۲۲۲۔ عہدنامہ قدیم، پیدائش ۱۶:۳، ۴۔ ایضاً ۲۵، ۱۔ ۳۵:۲۳ تا ۲۶۔ احبار ۱۸:۱۸۔ استثناء ۲۱، ۱۵۔ قاضیوں ۸:۳۰۔ سموئیل ۱:۱ تا ۳۔ ایضاً ۲۵، ۴۲، ۴۳۔ سموئیل ۲:۳، ۵) باب ۱۱:۲۷۔ ۱۲:۸۔ ۵:۱۶

۲۲۳۔ عہدنامہ جدید، کرنتھیوں۔ اکرنتھیوں ۱۱:۳

۲۲۴۔ (Jean , Pierre Bagot , How to understand marriage , Sem Press , ltd, Tottenham Road , London, p:55. For more detail : james . A Coriden, The Code of canon Law, Theological Publications India, Banglore, 1991, p:751

۲۲۵۔ تفصیل کے لئے دیکھئے (God's Blue Print for your marriage , p:11,12, Emmaus Bible College USA, 1998

۲۲۶۔ عہدنامہ جدید، متی ۲:۲۲،۲،۳،۴،۸،۱۲

۲۲۷۔ عہدنامہ قدیم، پیدائش ۲۹:۲۲: قضاۃ ۱۴' متی ۲۵:۷

۲۲۸۔ عہدنامہ جدید متی ۲۲:۱۰

☆۔ ایضاً، متی ۲۲:۱۳: ۲۵:۶۔ ایف ایس خیر اللہ' قاموس الکتاب' ص: ۵۵۹

☆۔ ایضاً، متی ۲۲:۹۔ نیز دیکھئے۔ متی ۲۴:۳۸۔ ۲۵:۱۰۔ لوقا ۱۲:۳۶۔ ۱۴:۸۔ ۳۴۲۰۔ یوحنا ۲:۲۔
مکاشفہ ۱۹:۷،۹

۲۲۹۔ ایضاً، ۱۔ کرنتھیوں' ۷:۲

۲۳۰۔ ایضاً، ۱۔ کرنتھیوں ۷:۱۰،۱۱

۲۳۱۔ ایضاً، رومیوں ۷:۲

۲۳۲۔ ایضاً، ۱۔ کرنتھیوں' ۱۴

۲۳۳۔ ابن فارس، مقاییس اللغۃ، ص: ۳/ ۴۲۰، ۴۲۵' دار احیاء الکتب العربیۃ' قاہرہ ۱۳۶۹ھ

۲۳۴۔ السرخسی، المبسوط، ص: ۲/۶' مطبعۃ السعادۃ، مصر، ۱۳۲۴ھ

۲۳۵۔ ابن منظور، لسان العرب، ص: ۲۲۶

۲۳۶۔ امام راغب' مفردات القرآن ص: ۳۰۶

۲۳۷۔ البلیاوی، مصباح اللغات، ص: ۵۱۵' دار الحدیث ملتان

۲۳۸۔ الدکتور روحی البعلبکی، المورد، ص: ۷۲۹، دار العلم للملایین، بیروت، ط: ۴، ۱۹۹۲

۲۳۹۔ F. Streingass, Arabic, English Dictionary, P:642
وحید الزمان، القاموس الوحید، ص: ۱۰۰۹۔ لوئس المعلوف، المنجد، ص: ۷۵۴، عبد الرشید نعمانی،
لغات القرآن، ص: ۴/ ۹۸

۲۴۰۔ Dr. Abdullah, Encyclopedia of Seerah, Vol:II,P:57

۲۴۱۔ ابن ہمام، فتح القدیر، ص: ۳/ ۲۱، طبع بولاق مصر ۱۳۱۶ھ

۲۴۲۔ نسفی، کنز الدقائق، ص: ۱۱۳، المطبعہ الکبریا الامیریہ، بولاق مصر ۱۳۱۶ھ

۲۴۳۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ص: ۱۲/ ۴۹۹

۲۴۴۔ تنزیل الرحمن، مجموعہ قوانین، ص: ۲/ ۳۵۸

۲۴۵۔ أیضا، ص: ۲/ ۳۰۸

۲۴۶۔ استثنا' ۲۴:۱

۲۴۷۔ P.N. Joshua, A Manual of law for Christians, The Punjab Religious Book Society Anarkali, Lahore, 1957, p:51,

۲۴۸۔ المشیر، نئے عہدنامے کی طلاق کی متعلق تعلیم اور عام زندگی پر اس کا اطلاق، کرسٹین امجد علی، (ایٹا سنبل جان) ج ۳۶، شمارہ نمبر ۲، کرسچین سٹڈی سنٹر راولپنڈی، ۱۹۹۴ء، ص:۹۹

۲۴۹۔ The Interpreter's Dictionary of the blible, Illustrated Encyclopedia , New York , Abingdon Press, Nashvile, 1962, p:859. For more detail New Catholic Encyclopedia , V : 8 , p : 3 3 7 .

۲۵۰۔ استثنا، ۲۴:۳،۴

۲۵۱۔ The Jewish Encyclopedia,vol:8,p:337,See more detail,Ibid,vol:4,p:626

۲۵۲۔ ibid,Vol:4,p:626

۲۵۳۔ A Manual of Law for Christians, p:51

New Catholic Encyclopedia, vol:4 , p:930

۲۵۴۔ کتاب خروج، ۲۱:۱۰،۱۱

۲۵۵۔ A Manual of law for Christians,p:51

۲۵۶۔ Jewsh Encyclopedia , Vol:4p:625,626,

۲۵۷۔ عہدنامہ جدید متی، ۱۹:۸

۲۵۸۔ Jewsh Encyclopedia , Vol:4, p:340

۲۵۹۔ The New Encyclopedia Britanica , vol:8, p:747

۲۶۰۔ عہدنامہ جدید، احبار، ۲۱:۷

۲۶۱۔ عہدنامہ جدید، استثنا، ۲۲:۱۹، یسعیاہ، ۵۰:۱

۲۶۲۔ عہدنامہ جدید، یرمیاہ، ۳:۱،۸

۲۶۳۔ عہدنامہ قدیم، ملاکی، ۲:۱۶

۲۶۴۔ عہدنامہ جدید، مرقس، ۱۰:۹۔ متی، ۱۹:۶

۲۶۵۔ ساکرامنٹ، ص:۱۰۷

۲۶۶۔ عہدنامہ جدید، رومیوں، ۷:۳

۲۶۷۔ عہدنامہ جدید، متی، ۵:۳۔ استثنا، ۲۴:۱

۲۶۸۔ عہدنامہ جدید، متی، ۵:۳۲۔ استثنا، ۲۴:۱تا۴

۲۶۹۔ عہدنامہ جدید، کرنتھیوں، ۷:۱۱،۱۰

۲۷۰۔ عہدنامہ جدید، متی ۵:۳۲۔رومیوں ۷:۳۔مرقس ۱۰:۱۱،۱۲
۲۷۱۔ ا۔کرنتھیوں ۷:۳۹
۲۷۲۔ Marriage is Ethic and Religion, p:45.
۲۷۳۔ تنزیل الرحمن، مجموعہ قوانین،ص:۲/۳۴۸
۲۷۴۔ البقرۃ:۲۲۹
۲۷۵۔ مودودی، تفہیم القرآن،ص:۱/۱۷۴
۲۷۶۔ البقرۃ:۲۳۱
۲۷۷۔ محمد شفیع، معارف القرآن،ص:۱/۵۷۱
۲۷۸۔ الطلاق:۱
۲۷۹۔ محمد عبدالحق حقانی، تفسیر حقانی،ص:۵/۱۳۱،۱۳۰
۲۸۰۔ حمید نسیم، تعارف الفرقان،ص:۱/۴۴۵، فضلی سنز کراچی
۲۸۱۔ سید مودودی، تفہیم القرآن،ص:۱/۵۵۳
۲۸۲۔ سید احمد احسن، احسن التفاسیر،ص:۱۸۰
۲۸۳۔ Maulana Abdul Majid, Tafsir-ul-Quran, p: 1/56
۲۸۴۔ النساء:۱۹
۲۸۵۔ النساء:۴
۲۸۶۔ ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر،ص:۵/۳۱۷
۲۸۷۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الطلاق، باب اذا طلقت الحائض تعتد بذلک الطالق، رقم الحدیث:۵۲۵۲۔
۲۸۸۔ مسلم، صحیح المسلم، کتاب الطلاق، باب المطلقة البائن لا نفقه لها، رقم الحدیث:[۳۷۰۵]۴۲۔
۲۸۹۔ ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، ابواب طلاق، باب حدثنا سوید بن سعید، رقم الحدیث:۲۰۱۶
۲۹۰۔ نسائی، سنن نسائی، کتاب الطلاق، باب طلاق السنۃ، ح:۳۴۲۳
۲۹۱۔ ترمذی، جامع الترمذی، ابواب الطلاق واللعان، باب ما جاء لا طلاق قبل النکاح، رقم الحدیث:۱۱۸۱
۲۹۲۔ ابوداؤد، سنن ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب فی الطلاق قبل النکاح، رقم الحدیث:۲۱۹۰
۲۹۳۔ ابوداؤد، سنن ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب:فی الطلاق علی الھزل، رقم الحدیث:۲۱۹۴
۲۹۴۔ ترمذی، جامع الترمذی، ابواب الطلاق واللعان، باب ما جاء فی جد والھزل فی الطلاق

رقم الحدیث:۱۱۸۴

۲۹۵۔ عبدالسلام بستوی، اسلامی تعلیم ص:۱۱۹، مکتبہ السّلفیہ شیش محل روڈ لاہور

۲۹۶۔ مفتی محمد شفیع، معارف القرآن ص:۵۵۹/۱

۲۹۷۔ ابوداؤد، سنن ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب فی کراھیة الطلاق، رقم الحدیث:۲۱۷۷، ۲۱۷۸

۲۹۸۔ البقرۃ:۱۸۵

۲۹۹۔ ابن نجیم، بحرالرائق ص:۲۰۶/۳، مطبہ مصطفٰی البابی الحلبی، مصر، ۱۳۵۵ھ

۳۰۰۔ تنزیل الرحمن، مجموعہ قوانین ص:۳۶۱/۲

۳۰۱۔ ابن منظور، لسان العرب، ص:۳۶۱/۳، شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا، سید قاسم محمود، ص:۸۱۶

۳۰۲۔ بخاری، الجامع الصحیح بخاری، کتاب العیدین، باب سنة العیدین لاهل الاسلام،
رقم الحدیث:۹۵۲، نیز دیکھئے کتاب مناقب الانصار، باب مقدم النبی ﷺ و
اصحاب المدینه رقم الحدیث:۳۹۳۱۔ مسلم، صحیح مسلم، کتاب العیدین، باب رخصته فی
اللعب الذی لا معصیته فیه فی ایام العید، ۱۶۔ ۱۷ :۸۹۲۔ نسائی، سنن النسائی، کتاب
صلوۃ العیدین، باب ضرب الدف یوم العید، ح:۱۵۹۴ امام احمد، مسند احمد، ۳۳/۶، ۱۲۷

۳۰۳۔ المائدہ:۱۱۴

۳۰۴۔ سنن أبي داؤد، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ العیدین، رقم الحدیث:۱۱۳۴

۳۰۵۔ اصفہانی۔ نیز دیکھئے: اسلامی خطبات، عبدالسلام بستوی، ص:۴۶۷

۳۰۶۔ اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، ص:۱۰۲۲/۲

۳۰۷۔ تالمود، مترجم: سٹیفن بشیر، ص:۲۱۲

۳۰۸۔ عہدنامہ قدیم خروج:۱۲، متی، ۲۶:۱۹۔ نیز دیکھئے، تالمود، مترجم: سٹیفن بشیر، ص:۲۱۲

۳۰۹۔ عہدنامہ قدیم خروج، ۲۰:۸، ۹

۳۱۰۔ عہدنامہ قدیم احبار، ۲۳:۳۴۔ عہدنامہ جدید یوحنا، ۷:۲۔ تالمود، ص:۲۲۳

۳۱۱۔ عہدنامہ جدید متی، ۲۶:۱۷۔ عہدنامہ جدید مرقس، ۱۴:۱۲

۳۱۲۔ تالمود، ص:۲۲۸

۳۱۳۔ Encycolopedia of Religon and Ethics , Vol:3 p:709, 713

۳۱۴۔ ڈاکٹر ذاکر نائیک، تقابل ادیان، ص:۴۷۶، ملت پبلی کیشنز، فیصل مسجد اسلام آباد

Encyclopedia of ReligionandEthics,V:iii,p:609,

۳۱۵۔ The Encyclopedia Americana International Edition, v.6, p.667

۳۱۶۔ عہدنامہ جدید متی ۵:۲۳

۳۱۷۔ قاموس الکتاب، ایف ایس خیر اللہ، ص:۴۴۷ مسیحی کتب خانہ فیروز پور روڈ لاہور

۳۱۸۔ زبیدی، تاج العروس، ص:۶/ ۱۲۷

۳۱۹۔ امام راغب، مفردات القرآن ص:۲/۳۷

۳۲۰۔ قومی انگریزی اردو لغت، ص:۲۱۱۸

۳۲۱۔ بنی اسرائیل:۱۲

۳۲۲۔ منشی محبوب عالم، اسلامی انسائیکلوپیڈیا، ص:۱۶۲

۳۲۳۔ قریش:۱ تا ۴

۳۲۴۔ المطففین:۱

۳۲۵۔ النور:۳۷

۳۲۶۔ الجمعہ:۹، ۱۰

۳۲۷۔ البقرۃ:۱۹۴

۳۲۸۔ التوبہ:۲۴

۳۲۹۔ البقرۃ:۲۸۲

۳۳۰۔ متقی الھندی، کنز العمال، رقم الحدیث، ص:۲/۴۲۱۱، ۴۲۲۷، ۴۴، ۴۷

۳۳۱۔ ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، ابواب التجارات، باب الحث علی المکاسب ، رقم الحدیث:۲۱۳۹،
دار السلام ریاض، ۲۰۰۴ء

۳۳۲۔ ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، ابواب التجارات، باب التوقي فی التجارۃ، رقم الحدیث:۲۱۴۶

۳۳۳۔ عہدنامہ قدیم، پیدائش:۳۴:۱۰

۳۳۴۔ تالمود، ۱۶۸

۳۳۵۔ عہدنامہ قدیم، سلاطین اول:۱۰:۱۵

۳۳۶۔ عہدنامہ قدیم، ایوب:۴۱:۶

۳۳۷۔ عہدنامہ قدیم، یسعیاہ، ۲۳:۱۸

۳۳۸۔ عہدنامہ قدیم، یسعیاہ، ۴۵:۱۴

۳۳۹۔ عہدنامہ قدیم، یسعیاہ، ۴۷:۱۵

۳۴۰۔ عہدنامہ قدیم ،حزقی ایل ۲۷:۹ ۱۲ ۱۶ ۱۷ ۲۱

۳۴۱۔ عہدنامہ جدید ،متی ۲۱:۱۲

۳۴۲۔ عہدنامہ جدید ،متی ۲۵:۱۶

۳۴۳۔ عہدنامہ جدید ،لوقا ۱۷:۲۸

۳۴۴۔ عہدنامہ جدید ،کرنتھیوں ۷:۳۰

۳۴۵۔ الجصاص ،الرازی ،اَحکام القرآن ،ص:۱/۴۶۴ ،مطبعہ البہیہ المصر ۱۳۴۷ھ

۳۴۶۔ اصفہانی ،راغب ،المفردات القرآن ،کتاب الراء ،ص:۱۸۷۔نیز دیکھئے ابن منظور ،لسان العرب ،ص:۱۴/۳۰۴،۳۰۵

۳۴۷۔ رازی فخرالدین ،محمد بن الحسین بن حسن ،مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر)دارالکتب العلمیہ ،بیروت ،ص ۷/۵۷

۳۴۸۔ تفصیل کیلئے دیکھئے ،مرغینانی ،الھدایہ ،۳/۷۷

۳۴۹۔ ConciseEncyclopeadiaofIslam,CyrilGlassep:355,staceyinternationalLondon.

۳۵۰۔ ابن العربی ،ابوبکر ،احکام القرآن ،ص:۱/۱۰۱ دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان

۳۵۱۔ مودودی ،ابوالاعلیٰ ،سود ،ص:۱۵۳ ادارہ ترجمان القرآن

۳۵۲۔ علی المتقی ،کنزالعمال ،کتاب البیوع ،رقم الحدیث:۲۳۳۶۴ ،ص:۲/۲۱۴ دائرۃ المعارف
دکن ۱۳۱۲ھ ۔اردودائرہ معارف اسلامیہ ،ج:۱۰ ،ص:۱۷۰،۱۷۱

۳۵۳۔ الروم:۳۹

۳۵۴۔ آل عمران:۱۳۰

۳۵۵۔ لوئس معلوف ۔المنجد ،تحت مادہ "نساء"

۳۵۶۔ مسلم ،ابوالحسن بن الحجاج ،القشیری ،،صحیح مسلم ،کتاب المساقاۃ ،باب
الصرف وبیع الذھب باورق نقدا ،۸۱ ،۱۵۸۷۔

۳۵۷۔ سہ ماہی رسالہ "فکرونظر" ،ص:۳۹ (اپریل تا جون ۱۹۸۳) ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد

۳۵۸۔ "ربٰو مضاربت" ،ص:۱۸۳ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد

۳۵۹۔ بخاری کتاب الوکالۃ ،باب:اذا باع الوکیل شیئافاسدا فبیعه مردود (۲۳۱۲)
نیز دیکھئے ، کتاب البیوع ،باب بیع الخلط من التمر (۲۰۸۰)

۳۶۰۔ نسائی ،کتاب البیوع ،باب :اشتراء التمر بالرطب رقم الحدیث:۴۵۵۹،۴۶۶۰ دارالسلام ریاض

۳۶۱۔ صحیح مسلم ۔کتاب المساقاۃ والمزارعۃ ،باب:الصرف وبیع الذھب بالوزن نقدا ،۱۵۸۴/۸۲

۳۶۲۔ ابوداؤد، کتاب البیوع، باب فی الصرف (۳۳۵۰)،التمھید، ۱۹/ ۱۸۰ ،

صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ ،باب الصرف وبیع الذھب باورق نقدا، ۱۵۸۷،۸۱ ۔

۳۶۳۔ ''ربوا ومضاربت''،ص:۱۸۳

۳۶۴۔ البقرۃ:۸۵۔

۳۶۵۔ البقرۃ:۲۷۹،۲۸۰

۳۶۶۔ آل عمران:۱۰۳

۳۶۷۔ المنافقون:۸

۳۶۸۔ البقرۃ:۸۵

۳۶۹۔ البقرۃ:۲۷۵

۳۷۰۔ البقرۃ:۲۷۶

۳۷۱۔ البقرۃ:۲۷۹

۳۷۲۔ ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، ابواب القرض، باب القرض، رقم الحدیث:۲۴۳۲۔۔

۳۷۳۔ البقرۃ:۲۸۲

۳۷۴۔ قرآن مجید کی کئی آیات میں سود کی مذمت اور ممانعت وارد ہوئی ہے۔مثلاً

(الف) سورہ البقرۃ آیت:۲۷۵ میں سود خوری کے متعلق کہا گیا ہے کہ سود خور قیامت کے دن مخبوط الحواس ہو کر قبروں سے اٹھیں گے اور دائماً جہنم میں رہیں گے۔

(ب) اسی سورہ کی آیت:۲۷۶ میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور زکوٰۃ جو سود کا ایک برعکس عمل ہے، اسے بڑھاتا ہے۔

(ج) اور آیت:۲۷۹ میں سودی کاروبار کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم ﷺ کی جانب سے اعلان جنگ کی دھمکی سنائی گئی ہے۔

۳۷۵۔ قرآن مجید کی طرح کئی حدیث میں بھی سود کی حرمت مذکور ہے۔مثلاً

(الف) صحیح البخاری، ج:۴ میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کردہ حدیث پاک ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو۔صحابہ کے استفسار پر حضور اکرم ﷺ نے جن سات چیزوں کا نام بتایا ان میں سے ایک سود کا ذکر فرمایا۔

(ب) صحیح البخاری، ج:۲ میں حضرت سمرہ بن جندبؓ کی تفصیلی روایت کے مطابق حضور اکرم ﷺ کو سود خور کی حقیقت خواب میں دکھائی گئی کہ وہ خون کی نہر میں کھڑا ہے۔جب بھی وہ اس سے نکلنے کی کوشش کرتا ہے تو فرشتے اسے مار مار کر واپس کر دیتے ہیں۔

(ج) سنن الدارمی، ج:۲ میں ابی حرہ رقاشیؓ کی روایت مذکور ہے کہ انہیں ان کے چچا نے بتایا کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر جب حضور اکرم ﷺ نے سود کی حرمت کا اعلان فرمایا تو فرمایا کہ میں سب سے پہلے اپنے چچا عباس ابن عبدالمطلب کا سود باطل کرتا ہوں۔

(د) صحیح مسلم ج:۲، جز۱۱ میں حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے، سود کھلانے والے، سود کی تحریر یا حساب لکھنے والے اور اس پر شہادت دینے والے پر لعنت فرمائی۔

۳۷۶۔ سود کی حرمت پر فقہاء امت کا اجماع رہا ہے۔دیکھیے "ربو ومضاربت" ص:۱۲۶
اہل سنت والجماعت کے چاروں مذاہب کی کتب فقہ مثلاً ھدایہ (حنفی فقہ) الشرح الصغیر (فقہ مالکی) المذہب (فقہ شافعی) اور المغنی واعلام الموقعین (فقہ حنبلی) وغیرہ میں رباء سے متعلق احکام ومسائل نہایت تفصیل سے منقول ہیں۔

۳۷۷۔ مزید تفصیل کے لیے مولانا مودودی کی کتاب "سود"، ص:۱۵۳ تا ۱۵۶ کا مطالعہ چاہیے۔

۳۷۸۔ International Encyclopedia of Social Sciences V:7,P:473

۳۷۹۔ عہدنامہ قدیم، خروج ۲۲:۲۵۔

۳۸۰۔ عہدنامہ قدیم، احبار ۲۵:۲۶، ۲۷

۳۸۱۔ عہدنامہ قدیم، احبار، ۲۵:۳۶، ۳۷

۳۸۲۔ عہدنامہ قدیم، استثنا ۲۳:۱۹

۳۸۳۔ عہدنامہ قدیم، زبور ۱۵:۵

۳۸۴۔ عہدنامہ قدیم، امثال ۲۸:۸

۳۸۵۔ عہدنامہ قدیم، حزقی ایل، ۱۸:۸

۳۸۶۔ عہدنامہ قدیم، حزقی ایل، ۱۸:۱۷

۳۸۷۔ عہدنامہ قدیم، یرمیاہ ۱۵:۱۰

۳۸۸۔ عہدنامہ جدید، متی، ۱۹:۲۴ تا ۲۸

۳۸۹۔ عہدنامہ جدید، تیمتھیُس کے نام پہلا خط، ۳:۸

۳۹۰۔ عہدنامہ جدید، ططس کے نام، ۱:۷ تا ۱۱

۳۹۱۔ عہدنامہ جدید، پطرس کے نام پہلا خط، ۵:۲

۳۹۲۔ عہدنامہ جدید، لوقا، ۱۶:۵ تا ۹

۳۹۳۔ عہدنامہ قدیم، حزقی ایل ۱۸:۸

۳۹۴۔ عہدنامہ قدیم، حزقی ایل ۱۸:۱۳

۳۹۵۔ عہدنامہ قدیم، حزقی ایل، ۱۸:۱۷

۳۹۶۔ عہدنامہ قدیم،حزقی ایل،۲۲:۱۲تا۱۵۔

۳۹۷۔ لسان العرب وتاج العروس ص:۶، ۳۶۳،۳ مادہ خمر، البیضاوی،۱: ۱۱۵؛ القرطبی ۳: ،۵۱،۵۲،مفردات القرآن ص:۱، ۱۵۹)۔

۳۹۸۔ معلم البستانی "محیط المحیط" ص:۱/۵۹۲" مکتبہ لبنان بیروت

۳۹۹۔ منشی محبوب عالم،اسلامی انسائیکلوپیڈیا ص: ۴۱۰۔

۴۰۰۔ البیضاوی تفسیر البیضاوی ص: ۱/۱۱۵، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، ط :۱، ۱۴۰۸ھ؛ روح المعانی ص:۲/۱۱۱بعد؛ تاج العروس بذیل مادہ خمر، فتاوی عالمگیری ۶: ۴۰۴بعد؛الشوکانی نیل الأوطار ۷: ۴۷ابعد

۴۰۱۔ النحل: ۶۷

۴۰۲۔ عبدالسلام ندوی: تاریخ فقہ اسلامی ص: ۲۱، شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، لاہور

۴۰۳۔ البقرۃ:۲۱۹

۴۰۴۔ النساء:۴۳

۴۰۵۔ المائدہ: ۹۰، ۹۱

۴۰۶۔ القرطبی، لأحکام القرآن، ص: ۶/ ۲۸۵، ۲۸۹، ناشر: دار احیاء التراث-بیروت؛ روح المعانی ۳: ۱۱۱، ۷: ۱۵؛ مسند أحمد ص: ۵/ ۲۳۸۔

۴۰۷۔ البخاری الجامع الصحیح البخاری کتاب الحدود ' باب ما یحذر من الحدود. باب الزنا و شرب الخمر رقم الحدیث: ۶۷۷۲ نیز دیکھئے کتاب الاشربہ، رقم الحدیث: ۵۵۷۸

۴۰۸۔ سنن ابوداؤد کتاب الأشربه ' باب العصیر للخمر، رقم الحدیث: ۳۶۷۴ ۔

۴۰۹۔ مسلم، صحیح المسلم کتاب الأشربه ' رقم الحدیث: [۵۱۴۱]۱۲(۱۹۸۴) امام احمد بن حنبل، مسند أحمد ص: ۵/۲۹۲؛

۴۱۰۔ الجامع الصحیح بخاری کتاب الحدود ' باب ما جاء فی ضرب شارب الخمر حدیث: ۶۷۷۳ صحیح مسلم ، کتاب الحدود ' باب حد الخمر حدیث: [۴۴۵۲]۳۵-۱۷۰۶- سنن أبی داؤد کتاب الحدود ' باب الحد فی الخمر حدیث: ۴۴۷۹

۴۱۱۔ ابن قدامہ المغنی ج ۱۰ ص: ۳۲۶ طبع مصر ۱۳۴۸ھ

۴۱۲۔ عہدنامہ جدید، لوقا ۲۱: ۳۴

۴۱۳۔ عہدنامہ جدید،لوقا،۱:۱۵

۴۱۴۔ عہدنامہ جدید،افسیوں،۵:۱۸

۴۱۵۔ عہدنامہ جدید،کرنتھیوں،۶:۹،۱۰

۴۱۶۔ عہدنامہ جدید،احبار،۱۰:۹'۱۰

۴۱۷۔ عہدنامہ قدیم،گنتی۶:۳

۴۱۸۔ عہدنامہ قدیم،امثال،۲۰:۱

۴۱۹۔ عہدنامہ قدیم،یسعیاہ،۲۴:۹

۴۲۰۔ عہدنامہ قدیم،عاموس'۲:۶

۴۲۱۔ عہدنامہ قدیم،امثال،۲۳:۲۰

۴۲۲۔ ابن قدامہ،المقدسی،محمد،ابی محمد عبداللہ'المغنی المحتاج'۴:۱۴۳'طبع مصر۱۳۴۸ھ۔لسان العرب بذیل مادہ؛ مفردات القرآن'۳:۱۱۵'النہایہ:۲:۱۴۳'الجامع لأ حکام القرآن'۲:۲۵۳۔تاج العروس من جواھرالقاموس۔

۴۲۳۔ Concise Encyclopedia of Islam ,p:433

۴۲۴۔ مغنی المحتاج'۴:۱۴۳تا۱۵۵؛مفردات القرآن'۳:۱۱۵؛کشاف اصطلاحات الفنون'ص:۲۶۴؛الجامع لأ حکام القرآن'۲:۲۵۳بعد؛حجۃ اللہ البالغۃ'۲:۱۱۸۔

۴۲۵۔ بنی اسرائیل:۳۲

۴۲۶۔ النساء:۱۵

۴۲۷۔ النور:۳۳

۴۲۸۔ النساء:۱۵تا۱۶

۴۲۹۔ نور:۲

۴۳۰۔ صحیح مسلم،ص:۱۳۱۶

۴۳۱۔ مسلم،ص:۱۳۱۷۔

۴۳۲۔ حجۃ اللہ البالغۃ'۳:۱۱۸۔

۴۳۳۔ الاعراف:۸۱'۸۲

۴۳۴۔ اُبوداوٗدج۴'سنن ترمذی'ابواب الحدود'باب ماجاءفی حداللوطی'حدیث:۱۴۵۶'سنن ابن ماجہ'کتاب الحدود'باب من عمل عمل قوم لوط'حدیث:۲۵۶۱۔سنن ترمذی'۲/۱۳۷'حدیث:۱۴۵۶'

صحیح سنن ابن ماجہ،۲/۳۲۴،حدیث:۲۰۹۱۔جامع الأصول،۴/۳۰۵

۴۳۵۔ امام شوکانی،نیل الأوطار،ج ۷،ص:۳۰،مصطفیٰ البابی الحلبی،مصر ۱۹۳۷ء

۴۳۶۔ عہد نامہ جدید،مرقس ۱۰:۷،۱۲

۴۳۷۔ عہد نامہ جدید،متی،۵:۳۲

۴۳۸۔ عہد نامہ جدید،متی،۵:۲۷،۲۸۔متی،۱۹:۹،۱۸

۴۳۹۔ عہد نامہ جدید،یوحنا،۸:۳،۴۔

۴۴۰۔ عہد نامہ جدید،متی،۱۹:۹۔

۴۴۱۔ عہد نامہ جدید،متی،۱۹:۱۸،نیز دیکھئے مرقس،۱۰:۱۹،لوقا،۱۸:۲۰،رومیوں،۱۳:۹،اور یعقوب،۲:۱۱

۴۴۲۔ عہد نامہ جدید،مرقس،۱۰:۱۱،۱۲۔

۴۴۳۔ عہد نامہ جدید،رومیوں،۲:۲۲۔

۴۴۴۔ عہد نامہ جدید،یعقوب،۲:۱۱۔

۴۴۵۔ عہد نامہ جدید،یعقوب،۴:۴

۴۴۶۔ عہد نامہ جدید،مکاشفہ،۲:۲۲

۴۴۷۔ اعمال:۲۹۔نوٹ:قدیم یونانی نسخوں میں یہاں حرام کاری کی جگہ کوئر یاس کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی سور کے گوشت کے ہیں جدید نسخوں میں پورنیاس لکھا ہے جس کے معنی زنا ہیں۔

۴۴۸۔ عہد نامہ قدیم،استثنا،۲۴:۱،۲

۴۴۹۔ عہد نامہ قدیم،استثنا،۵:۱۸۔نیز دیکھئے خروج،۲۰:۱۴

۴۵۰۔ عہد نامہ قدیم،احبار،۲۰:۵،۶

۴۵۱۔ عہد نامہ قدیم،احبار،۲۰:۱۰

۴۵۲۔ عہد نامہ قدیم،استثناء،۲۲:۲۲

۴۵۳۔ عہد نامہ قدیم،قضاۃ،۲:۱۷

۴۵۴۔ عہد نامہ قدیم،امثال،۶:۳۲

۴۵۵۔ امام راغب اصفہانی،مفردات القرآن ص:۱،۲۳۱

۴۵۶۔ منشی محبوب عالم،اسلامی انسائیکلوپیڈیا،ص:۳۸۹

۴۵۷۔ المائدہ:۳۸

۴۵۸۔ متفق علیہ' واللفظ للمسلم' ولفظ البخاری :تقطع یدُ سارق فی رُبع دینار فصاعد ،امام مسلم بن حجاج بن مسلم القشیری، صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب حد السرقہ ونصابھا،رقم الحدیث: ۴۴۰۲۔صحیح بخاری ' باب قول اللّٰہ تعالیٰ والسارق والسارقۃ فاقطعوا أیدیھما' رقم الحدیث:۶۷۸۹' ۶۷۹۰۔

۴۵۹۔ سنن ابو داؤد کتاب الحدود،باب فی السارق تعلق یدہ فی عنقہ حدیث، ۴۴۱۱، یہ حدیث ضعیف ہے

۴۶۰۔ ابن عابدین' ردالمختار' ص:۳/۱۹۸،الامیریہ،بولاق مصر ۱۳۱۶ھ

۴۶۱۔ ایضاً

۴۶۲۔ المائدہ:۳۳۔

۴۶۳۔ سنن ابو داؤد، کتاب الحدود،باب ماجاء فی المحاربہ،حدیث ۴۳۶۹،۴۳۷۳،۴۳۷۔

۴۶۴۔ سید محمد متین ہاشمی،اسلام کا نظام حدود وتعزیرات،ص:۲۳۰،مکتبہ دیال سنگھ لائبریری،۱۹۹۹ء

۴۶۵۔ عہدنامہ قدیم،استثنا'۵:۱۹)۔نیز دیکھئے خروج،۲۰:۱۵

۴۶۶۔ عہدنامہ قدیم،خروج،۲۲:۲'۳،۴،۷،۱۲،

۴۶۷۔ عہدنامہ قدیم،احبار،۱۹:۱۱۔

۴۶۸۔ عہدنامہ قدیم،یشوع،۷:۱۱'۱۲۔سموئیل ۲،۱۹:۴۱

۴۶۹۔ عہدنامہ قدیم،امثال،۶:۳۰

۴۷۰۔ عہدنامہ قدیم،یرمیاہ،۷:۹

۴۷۱۔ عہدنامہ قدیم،ہوسیع،۴:۲

۴۷۲۔ عہدنامہ جدید،متی'۱۵:۱۸'۱۹'۲۰

۴۷۳۔ عہدنامہ جدید،مرقس'۱۰:۱۸'۱۹

۴۷۴۔ عہدنامہ جدید، لوقا،۱۸:۲۰ متی،۱۹:۱۸،مرقس،،۱۰:۱۹،رومیوں،۲:۲۱،گلتیوں ۲:۴،افسیوں:۴:۲۸' طسطس،۲:۱۰،مکاشفہ،۹:۲۱

۴۷۵۔ عبدالرشید نعمانی 'لغات القرآن' ج ۳' ص:۱۴۵'،دارالاشاعت،کراچی،۱۹۹۴ء۔راغب اصفہانی' مفردات القرآن'۱/۳۲۴

۴۷۶۔ آل عمران:۱۴۴

۴۷۷۔ بنی اسرائیل:۳۱‘۳۲

۴۷۸۔ البخاری، کتاب الدیات، قول اللہ تعالیٰ ﴿ومن احیاھا﴾ رقم الحدیث:۶۸۶۹،
نیز دیکھئے ۶۸۶۱ تا ۶۸۶۳

۴۷۹۔ محمد میاں صدیقی ‘قصاص اور دیت ‘ص :۳۰۷، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد، طبع ششم ۲۰۰۲

۴۸۰۔ سورۃ المائدۃ:۳۲

۴۸۱۔ سید مودودی، تفہیم القرآن، ص:۱/۴۶۴

۴۸۲۔ سورۃ الفرقان:۶۸

۴۸۳۔ محمد میاں صدیقی ‘قصاص اور دیت ‘ص :۳۰۷

۴۸۴۔ أیضاً

۴۸۵۔ أیضاً۔ ابن حزم ‘معجم فقہ‘ بذیل مادہ قتل‘ قصاص ‘الامیریہ، بولاق مصر، ۱۳۲۰ھ

۴۸۶۔ Goldziher: Muhammednaische Studien ۲:۲۵ بعد
معجم الفقہ الحنبلی ‘بذیل زندقہ

۴۸۷۔ الحجرات:۹؛ سید محمد متین ہاشمی ‘اسلامی حدود اور ان کا فلسفہ ‘ص:۹۰

۴۸۸۔ عہدنامہ قدیم، استثناء ۵:۱۷)۔ نیز دیکھئے خروج ‘۲۰:۱۳۔ (پیدائش ۴:۸،۱۴،۱۵،۲۳، کہ خون نہ بہاؤ۔ پیدائش ‘
۲۲:۳۷ـ۲۶:۷ـ۲۵:۳۴‘۲۶‘۳۰ـ۱۸:۳۷ـ۴۲:۳۷ـ۴۹:۶ خروج ۲:۱۵ـ۵:۱۲ـ۲۲:۳

۴۸۹۔ عہدنامہ قدیم، ۔خروج ۲۳:۷۔خروج ۳۲:۲۷۔نیز دیکھئے اس کا خون اسی کے گردن پر ہوگا۔
خروج ‘۱۱‘۱۳ اور ۱۶۔احبار ۲۰:۱۔۲۰:۱۷۔گنتی ۱۴:۳، ۴۵۔۲۵:۵۔۳۱:۷، ۸

۴۹۰۔ عہدنامہ قدیم، استثنا، ۱۹:۱۰ (استثنا، ۱۳:۵، ۹، ۱۱۵استثنا، ۱۷:۷ استثنا، ۱۸:۱۲ استثنا، ۲۰:۵، ۱۳

۴۹۱۔ أیضاً ‘۲۱:۸

۴۹۲۔ عہدنامہ قدیم، گنتی، ۳۵:۳۳، ۹‘۱۱۔استثنا، ۱:۴

۴۹۳۔ عہدنامہ قدیم، استثنا ‘۲۱:۸، ۹۔۲۲، استثنا، ۲۳:۲۶

۴۹۴۔ عہدنامہ قدیم، یرمیاہ ‘۷:۶۔۲۲:۳

۴۹۵۔ عہدنامہ قدیم، استثناء ۲۷:۲۵۔نیز دیکھئے: استثناء ۲۱:۲۲۔۲۳:۲۶ ۔یشوع:۲۰:۹‘ زبور:۱۰:۸۔
اسے قتل نہ کر‘ سموئیل اول ‘۲۶:۹۔خداوند کے گھر کے اندر قتل نہ کیا جائے ‘سلاطین دوم ‘۱۱:۱۵۔نیز
دیکھئے، تواریخ دوم ۲۳:۱۴۔اور راست رو کو قتل کریں ۔زبور، ۳۷:۱۴۔ان کو قتل نہ کر۔زبور ‘۵۹:۱۱۔

خداوند خدا تم کو قتل کرے گا۔ یسعیاہ ۶۵:۱۵۔ تو نے قتل کیا اور رحم نہ کیا۔ نوحہ ۳:۴۳۔ تجھ سے اس کے خون کی باز پرس ہو گی۔ حزقی ایل ۳۳:۸۔ جس سے سہواً خون ہو جائے۔ گنتی ۳۵:۱۱۔ جو آدمی کا خون کرے یا اس کا خون۔ پیدائش ۹:۶۔ بے گناہ کا خون بہانے والے ہاتھ، امثال ۶:۱۷۔

۴۹۶۔ عہدنامہ جدید، متی ۵:۲۱، ۲۲۔

۴۹۷۔ عہدنامہ جدید، متی ۱۰:۲۸۔

۴۹۸۔ عہدنامہ جدید، متی، ۵:۲۱، متی، ۱۹:۱۸، مرقس، ۱۰:۱۹، لوقا، ۱۸:۲۰، رومیوں ۱۳:۹۔ یعقوب، ۲:۱۱

۴۹۹۔ عہدنامہ جدید، یعقوب، ۲:۱۱

باب سوم

الہامی مذاہب میں مشترکہ عبادات کا علمی جائزہ

فصل اول: الہامی مذاہب میں عبادات کا تصور

عبادت کے لغوی اور اصطلاحی معنی:

لسان العرب کے مطابق:

"اصل العبودية الخضوع والتذلل. والعبودية والعبادة : الطاعة (فرمانبرداری)

عبودية: کی اصل خضوع اور تذلل ہے۔اور عبودیۃ اور عبادت سے مراد اطاعت ہے۔کہا گیا ہے کہ تعبَّدَ

تذلل اور تعبید تذلیل ہے(۱)۔"

الصحاح کے مطابق بھی یہی معنی ہیں:

"عبودية کی اصل الخضوع اور التذلل ہے یعنی عاجزی انکساری اطاعت وفرمانبرداری اور ذلت

وپستی۔التعبيد: بمعنی تذلیل یعنی غلامی اور تابع داری ہے۔کہا جاتا ہے طریقٌ معبَّدٌ یعنی کثرت سے پامال

ہوکر ہموار شدہ راستہ۔اور البعير المعبَّد۔فرمانبردار اونٹ (۲)۔"

العبادۃ: الطاعة (فرمانبرداری) التعبد : التنسک (عبادت گزاری) معنی میں فرق اشتقاق کے مطابق

ہے۔"فادخلی فی عبادی": أی فی حزبی۔میں جدید معنی کا اضافہ کیا گیا ہے اور

وہ ہے الولاء یعنی وفاء نصرت اور محبت (۳)۔

امام راغب نے مفردات القرآن میں عبادت کے معنی یہ مراد لئے ہیں:

"العبودیۃ کے معنی کسی کے سامنے ذلت وانکساری کا اظہار کرنا مگر العبادۃ کا لفظ انتہائی درجہ کی ذلت وانکساری ظاہر کرنے کے لئے بولا جاتا ہے۔معنوی اعتبار سے العبادۃ کا لفظ العبودیۃ سے زیادہ بلیغ ہے لہٰذا عبادت کی مستحق وہی ذات ہو سکتی ہے جو بے حد صاحب فضل وانعام ہو اور ایسی ذات صرف ذات الٰہی ہے۔عبادت دو قسم کی ہے۔عبادت تسخیر۔عبادت بالاختیار۔اس کا تعلق صرف ذوی العقول کیساتھ ہے دوسری مخلوقات مکلّف نہیں۔انتہائی درجہ تذلل اور انکساری (۴)۔"

المخصص میں لکھا ہے:

عبادت کی اصل: تذلیل (غلامی، فرمانبرداری اور تحقیر) ہے۔اسی سے "العبد" اخذ کیا گیا ہے اس لئے کہ وہ اپنے آقا کا غلام اور چاکر ہوتا ہے۔اور عبادت خضوع تذلل اور استکانت بلحاظ معنی قریب قریب ہیں۔کہا جاتا ہے "تعبد فلان لفلان": فلاں نے فلاں کی تابعداری کی۔اور ہر وہ خضوع جس سے بڑھ کر کوئی خضوع نہ ہو، وہی تو عبادت ہے معبود کی فرمانبرداری کے ساتھ یا بغیر فرمانبرداری کے۔خضوع اور تذلل کے اسلوب سے اللہ کی ہر فرمانبرداری عبادت ہے۔اور عبادت خضوع کی ایک قسم ہے اور زندگی، فہم، سماعت اور بصارت جیسی بڑی بڑی نعمتوں کے عطا کرنے والے منعم کے سوا اس کا کوئی مستحق نہیں (۵)۔

وحید الزمان قاسمی نے عبادت کے معنی تحریر کئے ہیں کہ:

العبادة: ۱۔ بطور تعظیم معبود کے لئے انکساری واطاعت، بندگی، پرستش، پوجا۔

۲۔ مذہبی رسوم (۶)۔

٭ آکسفورڈ ڈکشنری میں عبادت کے معنی یوں تحریر کئے گئے ہیں

Worship ..., revere, reverence, extol, honour, exalt, praise,admire, adore, adulate, glorify,.. be devoted to,pay homage to, bow down before, kneel before, put on a pedestal.....the practice of showing respect for God or a God ,by saying prayers...etc.(7)

عبادت سے مراد تعظیم، احترام، تعریف، حمد، کسی کی عزت کرنا' کسی کی تعریف کرنا' ادب واحترام، اس سے محبت کرنا' اس کے سامنے ادب سے سر جھکانا۔ گھٹنوں کے بل اس کے سامنے جھکنا، اس سے مراد وہ مشق ہے جس میں خدا کے لئے نماز پڑھتے ہوئے دعا کرتے ہوئے اس کی تعظیم کا اظہار کیا جاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے:

((لَا يَقُلْ احدُكُمْ لِمَمْلُوكِه عَبْدِی وَ أَمَتِی وَلْيَقُل فَتَايی وَفَتَاتِی))(۸).

ترجمہ: تم میں سے کوئی اپنے مملوک سے یہ الفاظ نہ کہے! اے میرے بندے' اے میری بندی' بلکہ اے لڑکے اور اے لڑکی کہنا چاہیے۔"

یہ ان پر اپنی کبریائی کی خواہش کی نفی ہوگی اور اس بات کی بھی نفی کہ اس سے ان کی بندگی منسوب ہو کیوں کہ بندگی کا مستحق تو صرف اللہ ہے جو اپنے بندوں کا رب ہے اور وہ سب اس کے بندے ہیں۔ بعض لوگوں نے عبادت کو اللہ کے لئے اور عبدیت (فرمانبرداری) وغیرہ کو اللہ اور مخلوق کے لئے قرار دیا ہے۔

ازہری نے کہا:

"مت کہو کہ کوئی بندہ عبادت کرتا ہے مگر یہ کہ وہ اللہ کے لئے ہو اور جو کوئی اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت کرے گا وہ خسارہ پانے ولوں میں سے ہوگا۔ لیکن اگر کسی بندے نے اپنے آقا کی خدمت کی تو یہ نہ کہا جائے کہ اس نے اسکی عبادت کی ہے"۔(۹)

اللیث نے کہا:

"مشرکین کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ طاغوت کے بندے ہیں۔ مسلمانوں کے متعلق کہا جاتا ہے: کہ وہ اللہ کے بندے ہیں' اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ عابد سے مراد موحد ہے(۱۰)۔"

ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے ع۔ ب۔ د کے مادہ کے لغوی استعمال کو بنیاد بنا کر فرمایا ہے:

''عبادت کا اساسی مفہوم کسی کی بالادستی و برتری تسلیم کر کے اس کے مقابلے میں اپنی آزادی و خودمختاری سے دست بردار ہوجانا، سرتابی و مزاحمت چھوڑ دینا اور اس کے لئے رام ہوجانا ہے۔ یہی حقیقت بندگی اور غلامی کی ہے۔ اپنے آقا کی بندگی واطاعت میں اپنے آپ کو سپرد کرنا اور اس کی برتری کا قائل ہونا اس کی بلندی شان کا معترف ہو کر اس کی مہربانیوں پر شکر واحسان مندی کے جذبے سے سرشار ہونا اور اس کی تعظیم و تکریم میں مبالغہ کرنا وغیرہ۔ اسی کا نام پرستش ہے اور یہ تصور عبدیت کے مفہوم میں صرف اس وقت شامل ہوتا ہے جب کہ غلام کا صرف سر آقا ہی کے سامنے جھکا ہوا نہ ہو بلکہ اس کا دل بھی جھکا ہوا ہو(۱۱)۔''

شیخ محمد عبدہؒ ''المنار'' میں سورۃ فاتحہ کی آیت ﴿ إياك نعبد وإياك نستعين ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

''وہ انتہائی خضوع کے ساتھ اطاعت ہے۔ ہر عبادت جو پورے پورے معنی کو ظاہر کردے اور مفہوم کو بالکل روشن کردے تاویل کو قبول نہ کرے(۱۲)۔''

پھر مزید ''عبادت'' لفظ کے معنی سورہ فاتحہ کی اسی آیت کی تفسیر میں یوں بیان کرتے ہیں کہ:

''لفظ العباد' عبادت سے ماخوذ ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف بکثرت اس کی نسبت کی جاتی ہے اور لفظ ''العبید'' کی نسبت بکثرت غیر اللہ کی طرف کی جاتی ہے' اس لئے کہ وہ ''عبودیت'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی 'غلامی' ہیں اور عبادت اور عبودیت کے مابین فرق ان معانی کے ساتھ ہیں۔ اس لئے بعض علماء کہتے ہیں، کہ لغت کی رو سے عبادت اللہ کے سوا کسی اور کے لئے نہیں ہوتی۔ لیکن قرآن مجید کا استعمال اس کے برخلاف ہے۔

نیز لکھتے ہیں کہ:

''عاشق اپنے معشوق کی تعظیم میں بڑا مبالغہ کرتا ہے اور اس کے لئے بچھتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ اپنی خواہش کو اس کی خواہش میں فنا کردیتا ہے' اور اپنے ارادے کو اس کے ارادے میں ضم کردیتا ہے مگر اس کے باوجود اس کا یہ خضوع فی الحقیقت عبادت شمار نہیں ہوتا۔ اس طرح بہت سے لوگ امراء' رؤسا اور شاہوں کی تعظیم میں غلو سے کام لیتے ہیں کہ تم ان میں ان کے لئے خضوع اور ان کی مرضیات پر اس عمدگی سے عمل کرتے ہوئے دیکھو گے جو تمہیں جملہ عابدین تو کجا' تائب اور پاکباز عبادت گزاروں میں بھی نظر نہیں آئے گا مگر عرب اس اطاعت و فرمانبرداری کو کسی درجے میں بھی عبادت کا نام نہیں دیتے۔ پھر عبادت ہے کیا؟(۱۳)۔''

محمد عبدہ کے مطابق عبادت یہ ہے کہ:

''جو شخص خضوع، تذلل اور اطاعت کی نوعیت کے لحاظ سے عبادت کو غیر عبادت سے ممیز کرنا چاہیے اسے معلوم ہونا چاہیے کہ عبادت خضوع و اطاعت کا درجہ نہیں جیسا کہ اہل لغت کی رائے ہے کہ عبادت خضوع اور اطاعت کا آخری درجہ ہے۔ دیکھنا تو یہ چاہیے کہ اس اطاعت وخضوع کا منبع کیا ہے۔اگر اس کے اسباب اقتدار،قوت اور اسی طرح کے دیگر ظاہری محرکات ہوں تو اسے عبادت کا نام نہیں دیا جا سکتا اور اگر اس کا سرچشمہ یہ اعتقاد ہو کہ معبود کے لئے حس وادراک سے ماوراء عظمت وقدرت ہے تو وہ عبادت ہے(۱۴)۔''

درحقیقت عبادات افراد کی باطنی اور ظاہری اصلاح کا بہترین ذریعہ ہیں۔انسائیکلوپیڈیا آف امریکانا میں "prayer" عنوان کے تحت لکھا ہے کہ:

The act of addressing God or another divine being. The term is also used for the words of such an act. In the great world religions prayer is a channel of communication by which the individual may enjoy communion with God and by which, in turn , the way is opened for God to make fuller use of human means to achieve divine ends, poets, mystics , writers and theologians of many faiths have described the experience of prayerandelaborated on its significance .(15)

ترجمہ: عبادت،(دعا) خدا یا کسی خدائی مخلوق کو پکارنے کا نام ہے۔یہ لفظ کسی ایسے عمل کے الفاظ کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے ۔بڑے مذاہب میں عبادت یا دعا ایک ایسا طریقہ ہے جس کے ذریعے انسان خدا سے ہم کلام ہو سکتے ہیں اور جس کے ذریعے سے خدا انسان کے ذریعے اپنے مقاصد کو عملی روپ دیتا ہے۔بہت سے مذاہب کے شعراء،صوفیا،لکھاریوں اور پیشواؤں نے عبادت یا دعا کے تجربے کو بیان کیا ہے۔اور اس کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔

عبادات کیوں مقرر کی گئی ہیں اس کے متعلق علامہ شلتوت لکھتے ہیں:

''اسلام زندگی کی ابدی صداقتوں کا فہم حاصل کرنے اور ان کے مطابق زندگی ڈھالنے کا نام ہے اس لئے اسلام مکمل ضابطہ حیات اور دین فطرت ہے۔گو دوسرے مذہب نے بھی اپنے پیروکاروں کے لئے عبادات مقرر کی ہیں لیکن وہ ان کے جواز میں معقولیت کی کوئی سند بیان کرنا ضروری نہیں سمجھتے ان کے ہاں روحانی نجات کے لئے مختلف قسم کی عبادات ضروری ہیں ان کے ہاں عبادات کا جواز صرف نفس کشی کے لئے ہے جب کہ اسلام میں اس تصور کی چنداں اہمیت نہیں۔یہ عبادات مقرر اس لئے کی گئی کہ انسان پر اللہ کی نعمتیں مکمل ہوں۔انسان یہ عبادت اپنے فائدے کے لئے کرتا ہے قرآن کے مطابق اللہ کسی انسانی کوشش،محنت یا عبادت کا محتاج نہیں(۱۶)۔''

پروفیسر فضل احمد لکھتے ہیں:

''عبادت کا نام ایسے کام یا عمل کو دیا جاتا ہے جو دنیاوی فائدے کے لئے نہیں بلکہ کسی برتر ہستی کی رضا جوئی کے لئے انجام دیا جائے ۔مذہب وعبادات لازم وملزوم چیزیں ہیں ۔ ہر مذہب کے لئے ضروری ہے کہ اپنے ماننے والوں سے عبادات کا مطالبہ کرے ۔ کیونکہ ہر مذہب کی تعلیمات کسی برتر ہستی کے تصور کے گرد گھومتی ہیں اگر کسی مذہب سے عبادات خارج کردی جائیں تو وہ محض ایک اخلاقی فلسفہ بن کر رہ جائے عبادات کسی بھی مذہب کی اصل روح اور اس کا امتیازی نشان ہیں (۱۷)۔''

شرائط عبادت:

عبادت کی شرائط مختلف مذاہب میں کیا ہیں اس کے متعلق انسائیکلو پیڈیا امریکانا کا مقالہ نگار لکھتا ہے کہ:

The conditions of prayer vary greatly .Public prayer requires a specific time and place ,such as Friday noon in the mosque and sunday in church. Private prayer may be practiced anywhere, but many find it helpful to face an altar or icon. Prayer may be said standing sitting kneeling or prostrate aids for prayer include rosaries prayers shawls,prayer rugs scroll ,banners and prayer,wheels ,whatever the conditions, prayer generally requiresof spirit ofattention ,trust anddevotion. (18)

ترجمہ: عبادت کی شرائط مختلف مذاہب میں مختلف ہیں ۔جلوت کی عبادت کے لئے خاص وقت اور جگہیں ضروری ہیں جیسا کہ نماز جمعہ کے لئے مسجد اور دوپہر کا وقت یا اتوار کی عبادت دعا کے لئے اتوار اور گرجا،خلوت کی عبادت عملاً کہیں بھی ہوسکتی ہے مگر زیادہ تر لوگ عبادت کے لئے گرجا کے اتوار یا کسی نشان یا نشانی کی طرف رخ کرنا پسند کرتے ہیں ۔مسلمان مکہ کی طرف رخ کرتے ہیں جبکہ یہودی کچھ مخصوص عبادت کے لئے بیت المقدس کا رخ کرتے ہیں عبادت کھڑے ہوکر، بیٹھ کر، جھک کر گھٹنوں کے بل لیٹ کر بھی ہوسکتی ہے ۔عبادت کے لئے تسبیح عبادت کی چادریں جائے نماز بینرز اور عبادت بھی استعمال ہوتے ہیں ۔چاہے حالات جو بھی ہوں،عام طور پر عبادت کے لئے توجہ ایمان اور یکسوئی ضروری ہے ۔

عبادت کی اقسام:

عبادات کی مختلف اقسام کے متعلق انسائیکلو پیڈیا امریکانا میں لکھا ہے:

Prayer may be either formal and prescribed or free ….., and the book of Psalms, sacred to Jews and christians , are collection of formal prayer,
"Grant me to beautiful within , …. Prayer may be part of Public worship , it may be practiced in private. Judaism and Christianity stress Public Prayer. .. , the daily amidah

of orthodox Judaism ,or Muslim salat , or it may informal , For example .... and Islam daily private prayer.. public worship(19)

ترجمہ:دعا رسمی اور تجویز کردہ بھی ہوسکتی ہے اور بے ساختہ بھی ...یہودیوں اور عیسائیوں کی مقدس زبور کی کتاب رسمی دعاؤں کا مجموعہ ہے جبکہ افلاطون کی دعا "میرا اندر اور باہر خوبصورت کردے"۔بے ساختہ دعا ہے دعا خلوت میں بھی ہوسکتی ہے اور جلوت میں بھی ۔یہودیت اور عیسائیت جلوت کی عبادت پر زور دیتے ہیں ۔عبادت (دعا) کی یہ اقسام مختلف طرح کی ہیں ۔یعنی عبادت بہت طرح سے ایک دوسرے سے ملتی ہیں ۔خلوت کی عبادت رسمی بھی ہوسکتی ہے مثلاً عیسائیت میں تسبیح پلٹنا، یہودیوں کا روزانہ کا عمیداہ اور مسلمانوں کی نماز ۔اور یہ غیر رسمی بھی ہوسکتی ہے جیسے مشکل میں بے ساختہ دعا ۔تاہم زیادہ تر مذاہب عبادت یا دعا کی تمام اقسام کو مختلف صورتوں میں استعمال کرتے ہیں مثلاً قدیم یہودی گرجا میں سروس کا پہلا حصہ رسمی تھا جبکہ دوسرا حصہ اکثر کھلی آزاد دعا پر تھا ۔قدیم یہودیت اور اسلام میں روزانہ کی تنہا (خلوت) کی عبادت کے ساتھ ساتھ ہفتہ وار جلوت کی عبادت بھی ہے ۔

دنیا کے ہر مذہب میں عبادت(Worship) کا تصور موجود ہے لیکن یہ تصور نہ صرف بہت محدود مفہوم رکھتا ہے بلکہ ان میں کسی نہ کسی نوع کا شرک موجود ہے ۔اس کے برخلاف اسلام کا تصور عبادت زیادہ جامع اور ہمہ گیر ہے اور یہ ایک موحدانہ تصور ہے ۔اس فصل میں تینوں الہامی مذاہب اسلام یہودیت ٗعیسائیت کے تصورِ عبادت کا ذکر کیا گیا ہے تا کہ اسلامی عبادت کے امتیازات واضح ہوں اور مسلمانوں کو بھی معلوم ہو کہ ان کی موجودہ عبادتیں اسلام کے تصورِ عبادت سے کس حد تک موافقت رکھتی ہیں اور اللہ نے جو انبیاء بنی اسرائیل بھیجے ان کی تعلیمات اسلام سے کس حد تک مشابہت رکھتی ہیں ۔ابراہیم علیہ السلام کو دیکھیں تو وہ توحید کی طرف دعوت دیتے ہوئے نظر آتے ہیں اور ایک اللہ کی عبادت میں سب سے بڑھ کر بتوں کی پرستش سے منع کرتے ہیں ۔موسیٰؑ کو دیکھیں تو نماز سے ان کا شغف کتنا تھا ۔داؤدؑ کو دیکھتے ہیں تو روزہ کی عبادت میں ہم انہیں سب سے آگے پاتے ہیں ۔عیسیٰ کو دیکھو تو وہ بھی اللہ کی عبادت میں مشغول نظر آتے ہیں اسی طرح خاتم الانبیا محمد ﷺ بھی اپنے تمام معاملات میں ہمیں عبادت کرتے نظر آتے ہیں ۔یعنی تمام انبیاء اور اولوالعزم رسل علیہم السلام نے خود باعمل ہو کر دکھایا اور اپنے تمام دنیاوی کاموں کو بھی اللہ کی رضا کے لئے کیا اور یہی عبادت ہے اسی کی ہمیں تلقین کی گئی ہے ۔الہامی مذاہب میں عبادات کے مختلف طریقے اور اقسام ذکر کیے گئے ہیں ۔یہاں عبادت کے معنی اور مفہوم اور تینوں الہامی مذاہب میں عبادت کے تصور اور اقسام کا ذکر کیا جائے گا ۔الہامی مذاہب میں عبادات کے مختلف طریقے اور اقسام ذکر کیے گئے ہیں نیز ان میں مشترک عبادات کون کون سی ہیں ان کا تذکرہ بھی کیا جائے گا۔

عبادات چونکہ کسی بھی مذہب کی شان اور روح ہیں لہذا الہامی مذاہب میں سب سے پہلے یہودی مذہب میں عبادت کا تصور اہمیت اور مقاصد کو بیان کیا جائے گا۔

مبحث اول: یہودیت میں عبادت کا تصور، اہمیت و مقاصد

عبادت کا تصور:

قاموس الکتاب میں عبادت کے معنی یہ تحریر کئے گئے ہیں:

"خدا کی بندگی، پرستش، پوجا کرنا، نماز، دعا، صلوٰۃ (۲۰)۔"

عبادت کے لئے کتاب مقدس میں کئی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ بندگی۔
یہودی مذہب میں عبادت کا مفہوم بہت واضح ہے یعنی خدائے واحد کی پرستش (۲۱)۔
تورات میں فرمایا گیا ہے:

"تم اپنے لئے بت نہ بنانا اور نہ کوئی تراشی ہوئی مورت یا لاٹ کو کھڑی
کرنا، اور نہ اپنے ملک میں کوئی شبیہ دار پتھر رکھنا کہ اسے سجدہ کرو اس
لئے کہ میں خداوند تمہارا خدا ہوں (۲۲)۔"

یہودی عبادات زیادہ تر اجتماعی طور پر ادا کیجاتی ہیں جس کیلئے کم از کم دس آدمیوں کا ہونا ضروری ہے۔ انکی عبادات کی تفصیلات عبرانی زبان میں لکھی گئی ہیں اور آج بھی یہودی اصل عبرانی میں نماز ادا کرتے ہیں ۔

یہودیوں میں آداب عبادت:

سینا گاگ کے اصل معنی یہودی مجالس میں عبادت کے ہیں۔ اس سے مراد ان کی سپریم مذہبی کونسل بھی لی جاتی ہے۔ یہودیوں کے ہاں معبد میں جانے کے خاص آداب ہوتے ہیں۔ عبادت کے وقت سر پر ٹوپی جسے Sabbath کہتے، پہن کر جانا ضروری تھا لیکن جدید تحریفات کے نتیجے میں ننگے سر جانے کی اجازت ہے۔ اسی طرح مخصوص تہواروں کی عبادت کے موقع پر ایک خاص لباس Tillath، اور نیا وعمدہ لباس پہنتے ۔یہودیوں کے ہاں آداب عبادت بہت سخت اور شدید ہوتے تھے (۲۳)۔

یہود میں ظواہر عبادت:

یہودیوں میں ظواہر عبادت پر اصرار کا ایک بڑا سبب مذہبی احکام وشرائع کی کثرت ہے۔جس کی وجہ سے مقصود عبادت سے ان کی نظر ہٹ گئی ۔مثلاًان کے ہاں جانوروں کی قربانی ایک بڑی عبادت ہے۔
کتاب احبار کے بالکل شروع میں سوختنی قربانی کے متعلق فرمایا گیا ہے۔

''اگر اس کا چڑھاوا گائے بیل کی سوختنی قربانی ہوتو وہ بے عیب نر کولا کر خیمہ اجتماع کے دروازے پر چڑھائے تا کہ وہ خداوند کے حضور مقبول ٹھہرے۔اور وہ سوختنی قربانی کے سر پر اپنا ہاتھ رکھے تب وہ اس کی طرف سے مقبول ہوگا تا کہ اسکے لئے کفارہ ہو۔ اور وہ اس بچھڑے کو خداوند کے حضور ذبح کرے اور ہارون کے بیٹے جو کاہن ہیں جو خون کولا کر اسے اس مذبح پر گرداگرد چھڑکیں جو خیمہ اجتماع کے دروازہ پر ہے۔تب وہ اس سوختنی قربانی کی کھال کھینچے اور اس کے عضو عضو کو کاٹ کر جدا جدا کرے۔پھر ہارون کاہن کے بیٹے مذبح پر آگ رکھیں اور اس پر لکڑیاں ترتیب سے چنیں اور بنی ہارون جو کاہن ہیں اس کے اعضاءکو اور سر اور چربی کو ان لکڑیوں پر جو مذبح کی آگ پر ہونگی ترتیب سے رکھ دیں۔لیکن وہ اس کے اوجھ (انتڑیوں) اور پایوں کو پانی سے دھولیں تب کاہن سب کو مذبح پر جلائے کہ وہ سوختنی قربانی یعنی خداوند کے لئے راحت انگیز خوشبو کی آتشین قربانی ہو(۲۴)۔''

یہودی سمجھتے تھے کہ قربانی کا گوشت جلانے سے جو خوشبو نکلتی ہے اس سے خدا خوش ہوتا ہے جیسا کہ کتاب احبار کی مذکورہ بالا عبارت کے آخری جملہ سے بالکل ظاہر ہے۔یہ ایک بالکل سطحی اور طفلانہ تصور عبادت تھا۔بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود میں ظواہر عبادت پر زور زیادہ تھا۔
مثلاًنبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے جس کا ترجمہ کچھ یوں ہے کہ

- ((جب تم نماز پڑھوتو تہہ بند باندھ لیا کرو یا چادر اوڑھ لیا کرو،یہودیوں کی طرح (ننگے) نماز نہ پڑھو، نماز میں یہودیوں کی طرح نہ جھومو))(۲۵)۔
- ((تم یہودیوں کے برخلاف نماز میں موزے اور جوتے پہنے رہو))(۲۶)۔

((میری امت میں اس وقت تک دین کا کچھ نہ کچھ اثر رہے گا جب تک لوگ یہودیوں کی تقلید میں ۔مغرب کی نماز میں ستاروں کے نکلنے کا اور عیسائیوں کی تقلید میں صبح کی نماز

میں ستاروں کے ڈوبنے کا انتظار نہ کریں گے))(۲۷)۔

ظواہر عبادت پر زیادہ زور دینے کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی عبادت میں اخلاص وللّٰہیت کے بجائے ریاونمود داخل ہوگیا۔ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ یہودی علماعوام کو دکھانے کے لئے لمبی لمبی نمازیں پڑھتے تھے۔ان کے روزے بھی اس خرابی سے محفوظ نہ تھے۔

ایک بار ایک یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور ابدی زندگی کے حصول کی خواہش ظاہر کی۔آپ نے اس کو بعض دینی احکام پر عمل کی ہدایت کی۔اس نے کہا' میں تو ایک مدت سے ان حکموں پر عمل پیرا ہوں۔یسوع نے اس سے کہا کہ اگر تو کامل ہونا چاہتا ہے تو جا اپنا مال واسباب بیچ کر غریبوں کو دے۔مجھے آسمان پر خزانہ ملے گا اور آ کر میرے پیچھے ہولے مگر وہ جوان یہ بات سن کر غمگین ہو کر چلا گیا کیونکہ بڑا مالدار تھا(۲۸)۔

سید امیر علی لکھتے ہیں:

رفتہ رفتہ عوام اور معلمین دونوں کو ذہنوں میں خدا کا نسبتاً زیادہ روحانی تصور پیدا ہوگیا اور جسمانی تشبیہیت کی شدت میں کمی آ گئی تو لوگوں کی سمجھ میں آنے لگا کہ عبادت کی فی الحقیقت خدا اور انسان کے درمیان راہ ورسم کا ایک طریقہ ہے۔قانون موسوی میں عبادت سے متعلق قواعد وضوابط کی جو کمی تھی وہ روایت ورواج نے پوری کردی چنانچہ یہودی ڈولنگر کے مطابق یہود ایک عبادت گزار قوم بن گئی روزانہ تین گھنٹے (۹'۱۲'۱۳) گھنٹہ مذہبی اوراد واعمال کے لئے وقف تھے(۲۹)۔

یہودیوں کے تصورِ عبادت میں ترکِ دنیا اور نفس کشی کا کوئی عنصر نہیں ملتا اور یہ ظاہر میں ایک خوبی معلوم ہوتی ہے لیکن دراصل اس کی وجہ زر پرستی اور دنیا کی زندگی سے ان کا غیر معمولی لگاؤ ہے۔قرآن مجید میں ہے کہ ان کا ہر آدمی ہزار سال تک زندہ رہنا چاہتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْيُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴾(۳۰)۔

ترجمہ: ان میں سے تو ہر شخص ایک ایک ہزار سال کی عمر چاہتا ہے' گویا یہ عمر دیا جانا بھی انہیں عذاب سے نہیں چھڑا سکتا' اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کو بخوبی دیکھ رہا ہے۔

یہودی مذہب میں عبادات کی ادائیگی کے مختلف انداز اختیار کئے گئے ہیں یا کئے جاتے ہیں ہمیں یہودیت میں عبادات کی درج ذیل اقسام کا ذکر ملتا ہے جس کا ذیل میں تذکرہ کیا جارہا ہے۔

یہودیت میں عبادات کی مختلف اقسام:

یہودیت میں عبادات کے جن مختلف طریقوں کا ذکر ملتا ہے۔ان میں پوجا' دعا' پرستش اور شخصی عبادت کا تذکرہ بھی ہے اس کے علاوہ عبادت کے مختلف انداز اپنائے گئے ہیں جیسے رسمی عبادت میں نماز، روزہ، خیرات و زکوۃ، حج اور غیر رسمی میں انسان کا دوسروں سے تعلق اور خدمت خلق وغیرہ رسمی عبادت کے علاوہ عبادت کی مختلف اقسام یہ ہیں:

پوجا: یہ عام طور پر بتوں اور غیر معبودوں کی پرستش کے لئے آیا ہے(۳۱)۔

دعا: یہ خدا سے کسی انسان کی شخصی درخواست اور التجا کے لئے ہے۔

پرستش: حمد وثنا اور تمجید وغیرہ عبادت کا حصہ ہیں۔عبادت کے لئے عبرانی اور یونانی لفظ دونوں کا ابتدائی مفہوم ایک غلام کا اپنے آقا کی خدمت کرنا تھا۔عبرانی عابد کا مطلب ہے خدمت کرنا (عربی عبد) اور یونانی لفظ Latreia لطّوریا کا بھی یہی مفہوم ہے۔کچھ اور عبرانی لفظ خاص دلچسپی کے حامل ہیں مثلاً سجدہ (۳۲)۔

شخصی عبادت: پرانے عہدنامہ میں شخصی عبادت کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں(۳۳)۔

خیمہ اجتماع اور ہیکل کی عبادت میں رسومات کا اہم حصہ تھا۔صبح اور شام کی قربانی کے علاوہ عید فسح اور یوم کفارہ یہودی جنتری میں سعادت کے دن تھے۔قربانی کا خون بہانے کی رسم 'بخور جلانا' کاہن کا برکت دینا وغیرہ عبادت کے رسمی پہلو پر زور دیتے معلوم ہوتے ہیں اور عبادت کا روحانی پہلو نظر انداز ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔یہاں تک کہ ان دونوں میں ایک کھچاؤ سا دکھائی دیتا ہے۔تاہم بنی اسرائیل میں بہت سے لوگ خدا کی جماعتی تمجید میں حصہ لیتے ہوئے ان کو شخصی اور روحانی عبادت کے طور پر استعمال کر سکتے تھے اور سچے دل سے خدا کی شکرگزاری اور محبت کا اظہار کر سکتے تھے(۳۴)۔

خیمہ اجتماع اور ہیکل کی عبادتوں نے ایک بڑی باضابطہ اور پرتکلف شکل اختیار کر لی تھی۔یہ عبادت آبائے قدیم کی سادہ اور بے ساختہ ترتیب سے بالکل مختلف تھی۔جب بزرگوں کے مطابق جہاں بھی خدا اپنے آپ کو بندوں پر ظاہر کرتا وہیں سجدہ کر کے اس کی عبادت کی جا سکتی تھی۔لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہیکل کی عبادت میں ایک روحانی حقیقت تھی کیونکہ جب ہیکل تباہ ہوئی اور یہودیوں کو اسیر کر کے بابل لیجایا گیا تو عبادت کی ضرورت اس شدت سے محسوس ہوئی کہ عبادت خانوں کو قائم کیا گیا اور عبادت کی ترتیب کی تشکیل کی گئی جس کا نقشہ کچھ ایسا تھا۔

۱۔ شمع۔ ۲۔ دعائیں۔

۳۔ پاک کلام کی تلاوت اور ترجمہ۔ ۴۔ تفسیر و وعظ۔

جب دوسرے ہیکل کو تعمیر کیا گیا تو روزانہ عبادت' سب کی عبادت اور سالانہ عیدوں اور روزوں کو پھر سے بحال کیا گیا۔ اور زبور کی کتاب کے حمد و تمجید کے گیت کی کتاب کے طور پر استعمال سے اس بات سے پختگی دی گئی کہ عبادت یہودی قومی زندگی میں ایک جیتا جاگتا حصہ بنی رہی (۳۵)۔

اس کے علاوہ جس طرح اسلام میں نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج ارکان اسلام ہیں اسی طرح سے ان عبادات کا وجود کسی نہ کسی طرح یہودیت میں بھی ملتا ہے۔ ان سب کی یہودی مذہب میں کیا حیثیت اور حقیقت ہے اور یہ آج اور انبیاء کے ادوار میں کس شکل میں موجود تھیں۔ یہاں ان کا ترتیب اور تفصیل سے جامع طور پر ذکر کیا جائے گا

یہودیت میں ''نماز'' کی حقیقت:

نماز کے احکام و مسائل اور اس کی شکل و ہیئت کی تاریخ یہودی مذہب اور یہودی لٹریچر میں بہت مبہم اور الجھی ہوئی اور بہت تاریکی میں ہے اور اس میں کوئی ایسی یکساں شکل نہیں ملتی جو ہر دور اور ہر نسل میں مشترک ہو' اسلامی نماز کے برعکس اس کا تخیل اور احکام و قوانین زمانہ کے ساتھ بدلتے رہے اور اصلاح و تجدید کا ہاتھ آزادی کے ساتھ اس پر عمل کرتا رہا اور آج تک تغیر و تبدل اور تجدد کی لہریں اس پر اثر انداز ہیں' ایک مؤرخ اور مبصر کے لئے اس کی اصلی ہیئت اور ابتدائی شکل و صورت کا سراغ لگانا (جس پر انبیائے بنی اسرائیل اور علماء و فقہائے یہود عہد قدیم میں کاربند تھے) جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔

ایک بڑے یہودی فاضل (Samuel) کی نماز کے صریح حکم کے متعلق بحث کا خلاصہ کچھ یوں ہے۔

''اگرچہ تورات میں نماز کا صریح حکم نہیں ملتا ہے' اس لئے کہ عہد قدیم میں عبادات کی روایتی شکل صرف ذبیحوں اور قربانیوں تک محدود تھی۔ تاہم وہ نماز و دعا کو تقرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتے تھے' یہود کے احبار نے اکثر قربانیوں کے اس روایتی اور رسمی نظام پر سخت گرفت کی ہے اور دعا و انابت کی زندگی پر زور دیا ہے ''بنی ارمیا'' زندگی کی مشکلات' انہماک اور مشغولیتوں سے فرار اختیار کرتے ہوئے اکثر توبہ و استغفار اور خدا کے سامنے عبودیت اور تذلل کا سہارا لیتے تھے' انہوں نے بابل کی جلاوطن یہودیوں کو یہ نصیحت کی تھی کہ وہ اپنے نفوس کو دعا اور عبادات کے ذریعہ خدا کے استحضار اور تقرب کا عادی بنائیں' ''سفر مزامیر'' کے مؤلفین اس پر کاربند رہے اور ان کی دینداری اور تورع نے یہودی مذہب میں انفرادی اور جماعتی نماز کی تشکیل کی اور اس کو ایک خاص سانچہ میں ڈھالا (۳۶)۔''

یہودی علماء نے تورات میں نماز کی اساس کو تلاش کرتے ہوئے استثناء کی اس آیت سے استدلال کیا ہے جیسا کہ لکھا ہے:

''تو خداوند اپنے خدا کا خوف مانے اور اس کی سب راہوں پر چلے اور اپنے سارے دل اور اپنی

ساری جان سے خداوند اپنے خدا کی بندگی کرے۔"

ایک اور جگہ پر ہے:

"تو خداوند اپنے خدا کا خوف ماننا اور اسی کی عبادت کرنا (۳۷)۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نماز:

حضرت موسیٰ نے بہت سے موقعوں پر نماز ادا کی مثلاً فرعون کی قوم سے نجات کے وقت، صحرائے سینا میں پہنچنے کے بعد اور ہر تکلیف کے رفع ہونے پر شکرانے کے طور پر نماز ادا کی (۳۸)۔

تورات کی کتاب الخروج میں ہے کہ

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات لینے اور روحانی تجلی کا مظاہرہ دیکھنے کے لئے کوہ طور پر چڑھے اور تجلی نظر آئی تو فوراً خدا کا نام لیتے ہوئے سجدے میں گر پڑے اس وقت اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ دعا تعلیم کی کہ

"خداوند، خداوند، خدا رحیم اور مہربان، قہر میں دھیما اور ررب الفیض و وفا، ہزار پشتوں کے لئے فضل رکھنے والا، گناہ اور تقصیر اور خطا کا بخشنے والا، لیکن وہ ہر حال میں معاف نہ کرے گا بلکہ باپوں کے گناہ کا بدلہ ان کے فرزندوں سے اور فرزندوں کے فرزندوں سے تیسری اور چوتھی پشت سے لے گا (۳۹)۔"

زبور میں حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز کا تفصیلی ذکر ملتا ہے۔

"اے خداوند! اپنا کان جھکا اور میری سن کہ میں پریشان اور مسکین ہوں، میری جان کی حفاظت کر کہ میں دین دار ہوں، اے تو کہ میرا خدا ہے اپنے بندے کو کہ جس کا توکل تجھ پر ہے رہائی دے۔ اے خداوند مجھ پر رحم کر کہ میں تمام دن تیرے آگے نالہ کرتا ہوں، اپنے بندے کے جی کو خوش کر۔۔۔۔ تو اے خداوند بھلا ہے اور بخشنے والا ہے۔ اور تیری رحمت ان سب پر جو تجھ کو پکارتے ہیں وافر ہے۔ اے خداوند میری دعا سن اور میری مناجات کی آواز پر کان دھر میں اپنے مصیبت کے دن تجھے پکاروں گا کہ تو میری سنے گا کیونکہ تو مجھے جواب دے گا۔ اے خداوند معبودوں میں تجھ سا کوئی نہیں: اور۔۔۔۔ صرف تو ہی خدا ہے۔ اے خداوند مجھے اپنی راہ کی تعلیم دے اور میں تیری راہ راست پر چلوں گا، میرے دل کو یکسوئی عنایت فرما۔ تاکہ میں تیرے نام کا خوف مانوں۔ (۴۰)۔"

عبرانی الفاظ جو دعا و عبادات کے معنی میں آتے ہیں اور جو یہودیوں کی نماز پر روشنی ڈالتے ہیں ان میں سب سے زیادہ مشہور لفظ (Tephillan) ہے اور گولڈ زہر نے اس کا ترجمہ "خدا کو حاکم سمجھتے ہوئے اس کے سامنے تضرع و مناجات اور اس کے سامنے جھک جانا" کیا ہے۔ یہودیوں میں تین وقت کی نمازیں ہیں جن کو "تفلا" کہتے ہیں، دانی ایل میں لکھا ہے کہ

"جب دانیال کو معلوم ہوا کہ نوشتے پر دستخط ہو گئے تو وہ اپنے گھر آیا اور اپنی کوٹھڑی کا دروازہ جو بیت المقدس کی طرف تھا کھول کر اور دن میں بھی تین مرتبہ گھٹنے ٹیک کر

خدا کے حضور میں جس طرح سے پہلے کرتا تھا دعا اور شکر گزاری (حمد) کرتا رہا۔۔۔

پر ہر روز وہ تین بار دعا مانگتا ہے۔ (۴۱)"

حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور میں ان تینوں کی تعیین ان لفظوں میں ملتی ہے۔

"پر میں خدا کو پکاروں گا' تب خدا مجھے بچا لے گا۔ شام کو اور صبح کو اور دوپہر کو میں فریاد کروں

گا اور نالہ کروں گا سو وہ میری بات سن لے گا (۴۲)"

خود یہود کا کہنا ہے کہ تین نمازیں ہم تک تین پیغمبروں کے ذریعے پہنچی ہیں، ابراہیمؑ کے ذریعے Morning prayer

، اور اسحٰقؑ کے ذریعے Afternoon prayer اور یعقوبؑ کی وساطت سے Evening doctrine،

اسلامی اصطلاح میں ہم ان کو فجر' ظہر اور مغرب کی نمازیں کہہ سکتے ہیں۔ تین وقت کی نماز (فجر' ظہر اور غروب آفتاب) جو عہد ہیکل کے اہل دین واہل تقوی کا شعار تھا' عہد احبار میں نماز کا باقاعدہ دستور بن گئی' ان تینوں نماز کے اوقات' ان کے طریقے' یوم السبت کے طریقے، نئے چاند کی نماز' دوسرے اضافی مقدس ایام کی نماز' یوم کفارہ کی مخصوص نماز' عہد ہیکل میں ذبیحوں اور قربانیوں کے مساوی قرار دیئے گئے (۴۳)۔

عورتوں کی نماز کے متعلق حکم:

یہودیوں کے روایتی نظامِ عبادت میں عورتوں کو مردوں سے علیحدہ رکھنے کا حکم ہے۔ اور سر کو ڈھانکنا اور سر جھکانا اور خاص نمازوں میں کھڑا ہونا بھی فرض ہے۔ عورتوں کیلئے عبادتگاہوں میں بالکونی میں الگ انتظام ہوتا ہے۔ نمازی کو چاہیے کہ "تحمید اة" اور "سفر الحز قیل" کی تلاوت کے وقت تین قدم پیچھے ہٹ آئے۔ صبح کی نماز میں نمازی کو ایک خاص چادر اوڑھنی پڑتی ہے اور مخصوص تعویذات جن کو "فلنقیطر" کہا جاتا تھا دائیں بازو اور سر میں باندھنا پڑتا تھا۔ اور مردوں جن کی عمر ۱۳ برس سے متجاوز ہو گئی ہو ان کے لئے تعویذ باندھنا لازمی تھا' کفارہ کے دن وہ سفید طیلسان استعمال کرتے تھے (جس کو ان کے یہاں کفن میں استعمال کیا جاتا ہے) یہودی شریعت اماموں اور عام مقتدیوں میں کوئی فرق نہیں کرتی بلکہ یہ کہتی ہے کہ اللہ کے سامنے وہ سب برابر ہیں (۴۴)۔

یہودیت کے تجدد پسند طبقہ کی نماز:

یہود کے تجدد پسند طبقہ نے عبادت میں موسیقی کا خاص طور پر اہتمام کیا ہے اور ہر نماز کے لئے مخصوص ہم آہنگ نغمے وضع کئے ہیں تا کہ یہ عبادت دلوں میں اچھی طرح اتر سکے اور اپنا اثر کر سکے' تجدد پسند یہودیت نے حس ذوق و جمال پرستی کو بہت اہمیت دی ہے' جسمانی حرکات نماز سے کم سے کم کر دی ہیں۔ مردوں اور عورتوں کی علیحدہ صفوں کا نظام ختم کر دیا ہے' سر ڈھانکنے اور چادروں کے استعمال کو بھی ضروری قرار نہیں دیا۔ اور چونکہ یہ تجدد پسند جماعت سنیچر اور ایام مقدسہ کی نمازوں پر

قانع تھی اس لئے اب تعویذات کی رسم بھی منادی گئی اور قیام وسکوت اور سرخم کرنا بعض بعض موقعوں پر کافی سمجھا جانے لگا۔ یہودیوں کی نماز میں گانے اور موسیقی کی آمیزش نے نماز کے اہم اجزا اور اس کے مقاصد کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تجدد پسند اور قدامت پرست دونوں قسم کے افراد عبادت کی روح سے (جس کو خشوع قلب اور ظاہر و باطن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے) خالی اور محروم رہ گئے اور یہ سب ان نغموں اور سُروں کی وجہ سے ہے جس کو اس فن کے ماہرین نے جو خود یہودی نہیں تھے وضع کیا تھا اور جو یہودی ہیکلوں اور عبادات کی شکلوں پر ہولناک حد تک چھا گئے ہیں (۴۵)۔

جیوئش انسائیکلو پیڈیا میں ’’یہودیوں کی نماز‘‘ کے عنوان کے تحت درج ہے کہ:

’’اس حکم کے بموجب کہ اے اسرائیل اپنے خدا سے ملاقات کے لئے ضروری تیاری کرو۔’’نماز‘‘ سے قبل یہودی خاص تیاریاں کرتے تھے اور قدیم زمانے کے صالح لوگ تو ان تیاریوں میں ایک گھنٹہ صرف کر دیتے تھے‘ عزرا کے حکم کے بموجب نماز سے قبل جسم کو احتیاط سے دھونا ضروری تھا‘ نماز کے لئے مناسب کپڑوں کا پہننا بھی ضروری تھا۔ نماز کی دعا کو کھڑے ہو کر اور ارضِ مقدس کی طرف رُخ کر کے پڑھا جاتا تھا‘ اسی لئے لفظ (عمیداہ) رکھا گیا ہے (۴۶)۔‘‘

نماز کے لئے کسی چبوترے پر نہیں چڑھنا چاہیے بلکہ نیچی جگہ نماز پڑھنی چاہیے پیروں کو ملا کر اور سیدھا رکھا جائے جیسے فرشتے کرتے ہیں‘ نماز پڑھنے والے کو اپنے ہاتھ پھیلا کر ان کو اپنے پاک حاکم کی طرف بلند کرنا چاہیے۔اس کو اپنی نظر نیچی رکھنا چاہیے‘ تحمید و تمجید کے دوران اس کو جھک جانا چاہیے اور اللہ کے نام پر اٹھنا چاہیے۔’’عمیداہ‘‘ کے بعد نمازی تین قدم پیچھے ہٹتا ہے اور پھر داہنی اور بائیں طرف جھکتا ہے‘ یہ عمل زمانہ قدیم کے بادشاہوں سے رخصت طلبی کی رسم سے مشابہ ہے۔با قاعدہ نماز عام طور پر کم از کم دس بالغ افراد کی جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی ہے اور پبلک مقام پر نماز ادا کرنا انتہائی محمود تصور ہوتا ہے‘ نماز مردوں اور عورتوں کے لئے ضروری ہے۔لڑکیوں کو نماز ممنوع ہے۔(۴۷)

نماز کی دعاؤں کی تصنیف و تالیف (اور اس کی تحمید و تمجید) اسی نبیوں کے دور میں ایک سو بیس بزرگوں کی طرف منسوب ہے۔یہ معلوم نہیں کہ نماز کی دعائیں زبانی سکھلائی گئی ہیں یا با قاعدہ ضبط تحریر میں آئیں‘ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ مدت مدید تک لوگ ان کو حفظ کر کے دہراتے تھے‘ شاید (Geonic) کے دور تک یہی صورت رہی۔ یوحنا Johanna فرماتے ہیں کہ:

’’تین نمازیں‘ دن کے تین تغیرات سے متعلق ہیں طلوع آفتاب‘ دوپہر اور غروب آفتاب (۴۸)۔‘‘

یہودیت میں زکوۃ:

’’زکوۃ بھی ان عبادات میں سے ہے جو تمام آسمانی مذاہب کے صحیفوں میں فرض بتائی گئی ہے لیکن ان کے پیروؤں

نے اس فرض کو اس حد تک بھلا دیا تھا کہ ان کے مذہبی احکام کی فہرست میں اس کا نام بھی نظر نہیں آتا' حالانکہ قرآن پاک کا دعوی ہے اور اس کی تائید مختلف آسمانی صحیفوں سے ہوتی ہے کہ جس طرح نماز ہر مذہب کا جزو لاینفک تھی اسی طرح زکواۃ بھی تمام مذاہب کا ہمیشہ ضروری جز رہی ہے' بنی اسرائیل سے خدا کا جو عہد تھا اس میں نماز اور زکوۃ دونوں تھیں:

﴿اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃ واٰتوا الزَّکوٰۃ﴾ (۴۹)

ترجمہ: ہم نے بنی اسرائیل سے اقرار لیا تھا کہ کھڑی رکھیو نماز اور دیتے رہیو زکوۃ۔

﴿لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوۃ واٰتَیْتُمُ الزَّکوٰۃ﴾ (۵۰)۔

ترجمہ: اے بنی اسرائیل اگر تم کھڑی رکھتے نماز اور دیتے رہتے زکوۃ۔

یہودیت میں زکوۃ کے لئے زکوۃ کا متبادل لفظ خیرات مفہوم کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ خیرات خیر کی جمع ہے نیکیاں' بھلائیاں' دان' صدقہ' خدا کی راہ میں خرچ کرنا۔ خیرات انسانی رحم اور ترس کا مظہر ہے عہد نامہ قدیم میں خیرات کا تصور کتاب استثناء سے اخذ کیا گیا ہے

"اپنے بھائی یعنی کنگالوں اور محتاجوں کے لئے اپنی مٹھی کھلی رکھنا (۵۱)۔"

انبیائے بنی اسرائیل نے خیرات کو محتاجوں کا حق قرار دے دیا جسے طلب کرنا ان کے لئے جائز تھا۔ ان کے عقیدہ کے مطابق

"خدا روزہ سے زیادہ خیرات کو اہمیت دیتا ہے (۵۲)۔"

انبیاء کے صحیفوں میں بھی خیرات دینے کی ترغیب دی گئی ہے اور یہ ان کا اہم فریضہ بن گیا تھا۔ قرآن بھی اسی کی تائید کرتا ہے لہذا قرآن میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذکر میں ہے:

﴿وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ اِسْمٰعِیْلَ اِنَّہٗ کَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَکَانَ رَسُوْلًا نَّبِیًّا وَکَانَ یَاْمُرُ اَھْلَہٗ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ وَکَانَ عِنْدَ رَبِّہٖ مَرْضِیًّا﴾ (۵۳)۔

ترجمہ: اور قرآن میں اسماعیل کا ذکر کر' بیشک وہ وعدہ کا سچا تھا اور وہ خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر تھا اور وہ اپنے لوگوں کو نماز اور زکواۃ کی تاکید کرتا تھا اور وہ اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھا۔

آج کے عہد نامہ قدیم اور توراۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل پر زمین کی پیداوار اور جانوروں میں ایک عشر یعنی دسواں حصہ۔ نیز بیس برس یا اس سے زیادہ عمر والے پر خواہ امیر ہو یا غریب آدھا مثقال دینا واجب تھا۔ (۵۴)۔

ساتھ ہی غلہ کاٹتے وقت گرا پڑا اناج، کھلیان کی منتشر بالیں اور پھل والے درختوں میں کچھ پھل چھوڑ دیتے تھے جو مال کی زکوۃ تھی اور یہ عملاً ہر تیسرے سال واجب الادا ہوتی تھی' یہ رقم بیت المقدس کے خزانہ میں جمع کی جاتی تھی' اس کا ساٹھواں حصہ مذہبی عہدہ دار پاتے تھے' دسواں حصہ حضرت ہارون کی اولاد قومی خاندانی کاہن ہونے کی حیثیت سے لیتی تھی اور ہر تیسرے سال میں دسواں حصہ بیت المقدس کے حاجیوں

کی مہمانی کے لئے رکھا جاتا تھا(۵۵)۔

انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا میں لکھا ہے:

''اس مد سے عام مسافروں غریبوں بیواؤں اور یتیموں کو روزانہ کھانا پکا کر تقسیم کیا جاتا تھا(۵۶)۔''

خروج میں لکھا ہے کہ

''اور نقد آدھے مثقال والی زکوٰۃ کی رقم جماعت کے خیمہ (یا مسجد بیت المقدس) اور قربانی کے ظروف و آلات کی خریداری کے خرچ کے لئے رہتی تھی(۵۷)۔''

یہودی مذہب میں جو انبیا کی تعلیمات پر ہر دور میں کسی نہ کسی درجہ پر مبنی رہا ہے اور جس پر آرین نسل کے مقابلہ میں نبوت کا زیادہ عرصہ تک سایہ رہا ہے، خیرات و صدقات کے بارے میں اسلامی تعلیمات اور اقدار سے زیادہ مماثلت پائی جاتی ہے۔ یہودی مذہبی کتب میں مفت خوری اور خیرات پر گزارا کرنے کو بنظر استحسان نہیں دیکھا گیا ہے اور نہ اس کی ہمت افزائی کی گئی ہے، بلکہ اس کے برخلاف غرباء کے طبقہ میں خود اعتمادی اور خودداری پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

بنسرا (Bensira) کا کہنا ہے کہ ایک غریب انسان کا اپنی جھونپڑی میں رہنا دوسرے شخص کے مکان کے آرام و آسائش سے کہیں بہتر ہے، در بدر پھرنا ایک بڑی خرابی ہے۔ زکوٰۃ و خیرات کے فضائل اور اس کے دنیوی و اخروی منافع کے متعلق بھی جو کچھ کہا گیا ہے، وہ اسلامی تعلیمات سے زیادہ قریب ہے۔ خیرات کی انواع و اقسام کی کثرت، اس کے تصور میں وسعت، اور ہر اس چیز پر اس کے حاوی ہونے کا عقیدہ جو کسی دوسرے آدمی کے لئے راحت رساں اور مسرت بخش ہو اسلامی تعلیمات اور قرآن و حدیث کی ہدایات سے مشابہ نظر آتا ہے، ان تعلیمات میں انسانی جذبات کی رعایت اور نازک احساسات کی جھلک بھی نظر آتی ہے جن کا اعلیٰ و ارفع نمونہ اسلامی تعلیمات میں نظر آتا ہے۔ ابوتھ کے مطابق زکوٰۃ و خیرات کا فرض انسانی معاشرہ کے ارکان میں سے ایک ہے، نیز اس کی بھی تعلیم دی گئی ہے کہ غریب کو بھی خیرات دینی چاہیے(۵۸)۔

مختصراً یہودی تعلیمات کے مطابق خیرات دہندہ کو اپنی آمدنی کا دسواں حصہ (عشر) خیرات میں دینا لازمی ہے، لیکن پانچویں حصہ سے زیادہ خیرات نہ دینا چاہیئے مبادا خیرات کا دینے والا خود خیرات کا طالب ہونے پر مجبور ہو جائے۔ خیرات کے حصول میں بوقت ضرورت حکومت کی مداخلت کی بھی اجازت دی گئی ہے۔ بخیل لوگ جو کہ خیرات دینے سے انکار کریں یا جو اپنی حیثیت کے مطابق خیرات نہ دیتے ہوں ان کو حکام کی طرف سے مجبور کیا جائے اور اگر ضرورت ہو تو مجرم کو مارا جائے، یہاں تک کہ وہ حکم کی تعمیل کرے۔ اس طرح سے اسلام کی تعلیم کی طرح خیرات دینے والے کے خاندان کو اس سے مستفید ہونے کا حق دیا گیا ہے، ان کو اس کا زیادہ حقدار بنایا گیا ہے۔ حدیث نبوی ہے:

((إبدأ بمن تعول))(۵۹)۔

ترجمہ: خرچ میں ان سے آغاز کرو جو تمہاری پرورش میں ہیں۔

خیرات سے سب سے پہلے خاندان کو مستفید ہونا چاہیے اول والدین پھر بھائی بہن اس کے بعد اپنی بستی کے غریبوں کی باری آتی ہے اس کے بعد دوسری بستیوں کے رہنے والے۔خیرات یہودیوں اور غیر یہودیوں کو یکساں طور پر دی جا سکتی ہے ---قیدیوں کو فدیہ دے کر رہا کرانے کا فرض بخشش و خیرات کے دیگر اعمال سے افضل ہے --خیرات دیتے وقت خیرات پانے والے خودداری کا بھی لحاظ رکھا جائے ۔ترش روئی سے غریبوں کو فیاضی سے دینا ثواب عمل کو ضائع کر دیتا ہے(۶۰)۔

قرآن کریم میں ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰى﴾(۶۱)۔

ترجمہ: مومنو اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور ایذا پہنچا کر باطل نہ کرو۔

''انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس''میں ہے کہ:

''تلمودی دور میں غرباء کی امداد کا اعلیٰ نظم موجود تھا اس کی خصوصیات روزانہ کھانے کی تقسیم اور ہفتہ وار نقدی تقسیم تھی ۔دونوں کاموں کے لئے ایسے ہی دو تین آدمی جن پر کسی کو شک نہ ہو جماعت سے لازمی چندہ لیا کرتے تھے اور اس کا اہتمام تین اور افراد کے ہاتھ میں ہوتا تھا جو کہ سائلین کے استحقاق کی جانچ کرتے تھے ان کا فرض تھا کہ غریبوں اور مسکینوں کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے اپنے فرائض انجام دیں یہ دونوں تقسیمیں بہت بعد تک قائم رہیں(۶۲)۔

دور وسطیٰ میں دیندار یہودی اپنی شریعت کے مقرر کیے ہوئے عشر پر اختیار کے ساتھ پابند رہتے تھے دور وسطیٰ کے یہودی معاشرہ میں بھیک مانگنے کی رسم بہت شاذ تھی لیکن سترھویں صدی میں یہ رسم بے حد بڑھی اور نا قابل برداشت برائی بن گئی 'پیشہ ور بھکاری(Schnorrrer) ہر یہودی جماعت میں عام ہو گئے ۔

اسلامی تعلیمات سے اس جزئی مماثلت کے باوجود جس کے کچھ نمونے اوپر پیش کیے ہیں اسلام کے نظام زکوۃ و صدقات سے ایک بڑا فرق یہ ملتا ہے کہ یہودیوں میں بھی صدقات قبول کرنے اور اس کا انتظام کرنے والا ایک مذہبی گروہ پایا جاتا ہے جس کی بنیاد خاص نسل و نسب اور اکابر سے انتساب پر ہے اور یہ منصب موروثی اور نسلی ہے ۔اس تنظیم (مذہبی امور کے لئے ٹیکس کی وصولیابی) کا بنیادی اصول یہود کے بنیادی قانون میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ زرعی پیداوار کا عشر قوم لاوی (لاویئن) کو دیا جائے اور اس کا عشر دینی پیشواؤں کو دے(۶۳)۔

یہی مصنف مزید لکھتا ہے:

''سنہ ۶۶(یہودی) کی بغاوت سے پہلے بڑے بڑے او نچے یہودی علماء طاقتور آدمیوں کی جماعت بھیج کر عشر کو خرمن

ہی سے زبردستی وصول کرلیتے تھے اوران چھوٹے مذہبی پیشواؤں کو جو خاص طور پر اس کو اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے' زدوکوب کرتے تھے(٦٤)۔"

اس مذہبی فرض کی ادائیگی میں یہودیوں کی مستعدی اور سرگرمی اوراحساس ذمہ داری کا کیا حال تھا'اورکہاں تک اس مذہبی فریضہ پر یہودیوں کے مختلف ادوارحیات میں عمل درآمد ہوتا رہااس کا اندازہ مذکورہ اقتباس سے ہوگا:

"غالباًعشر کی ادائیگی اس مذہبی ٹیکس کے ادا کرنے والے کے ضمیر پر چھوڑ دی گئی ہے' تجربہ بتلاتا ہے کہ ٹیکس دہندہ پر ادائیگی کے فرض کا اعتماد بہت نا قابل اطمینان رہا ہے۔جوڈیا(Judea) کے اس چھوٹے سے علاقے میں بھی جو ایران کی حکومت میں تھا' ٹیکس کی ادائیگی کا یہ خودارادی طریقہ ناکام رہا'اس لئے۔۔۔ کے ضابطہ سے یہ انتظام کیا گیا کہ زراعت پیشہ جماعتوں سے عشر وصول کرنے کے لئے لادی قوم کے لوگ کسی مذہبی پیشوا کو لے کر جائیں) یہ تدبیر کامیاب نہ ہوئی' کیونکہ) میں لکھا ہے کہ عشر ادانہیں کیا جاتا تھا۔اس لئے قوم لاوی کو معبد چھوڑ کر علیحدہ جانا پڑاتا کہ وہ اپنی زمین جوت کر روزی حاصل کرسکیں(٦٥)۔"

آگے چل کر وہ لکھتا ہے:

"مذہبی رہنماؤں کو اس عام غفلت سے سخت فکر و پریشانی رونما ہوئی لیکن مذہبی قوانین پر عمل کرانے کی جملہ مساعی کم وبیش ناکام رہی ہیں'اس سلسلہ میں معمولاًافراد کی غفلت ولاپرواہی انفرادی ہی نہ تھی جس کا وہ خود خدا کے سامنے جوابدہ ہوتا' خدا کے حصہ کی یہ لوٹ ایک قومی جرم بن چکی تھی جس کی سزا کل قوم کو بھگتنا پڑی' اللہ کی مہربانی اور برکت دوبارہ حاصل کرنے کے لئے قوم کو مکمل طور پر اپنے عمل میں اصلاح کرنا تھی۔اسی عشر (مذہبی ٹیکس) سے غفلت یہود کی جلاوطنی کا ایک سبب بنی۔مزید یہ کہ اس میں شک نہیں کہ مذہبی پیشواؤں نے پرزور نصیحت اور ہدایات کے ذریعہ اپنی قوم کو بتلایا کہ خدا کو دھوکا دینا اور عشر ادا نہ کرنا کس قدر بڑا گناہ ہے لیکن ان کو اس اصلاح میں کامیابی نہ ہوسکی(٦٦)۔"

یہودی علماء اور مؤرخین کی ان شہادتوں کو سامنے رکھ کر نیز اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ یہودی اپنی تاریخ کے تقریباً ہر دور میں ایک دولتمند اور سرمایہ دار قوم رہی ہے جس نے عام طور پر ساہوکارہ' سودی لین دین اور دولت آفرینی کے دوسرے ذرائع سے بڑی فراخ دلی سے کام لیا ہے اور عام طور پر وہ اپنی ہنرمندی' صناعی اور کاروباری صلاحیت میں ممتاز رہے ہے۔قرآن مجید کی ان آیات پر غور کرنا چاہیے جن میں ان کے بخل' خست' مالی حقوق کی ادائیگی میں ان کی لیت ولعل' سخن پروری وحیلہ سازی اور ایسے مطالبوں کے موقعوں پر ان کے گستاخانہ کلمات کا ذکر کیا گیا ہے(٦٧)۔

قرآن مجید سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حجاز کے یہود نے جو ملک کی دولت کے سب سے بڑے حصہ پر قابض اور تجارت پر حاوی تھے زکوٰۃ کی ادائیگی اور صدقہ وخیرات کے کاموں میں ہمیشہ کوتاہی سے کام لیا' قرآن مجید کہتا ہے:

﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِ يْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ ذِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ (۶۸)۔

ترجمہ: اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ عبادت نہ کرنا (کسی کی) بجز اللہ کے اور حسن سلوک سے پیش آنا' (اپنے) ماں باپ سے اور قرابت داروں سے اور یتیموں اور محتاجوں (سے بھی) اور لوگوں سے (بالعموم) بھلی بات کہنا اور نماز قائم رکھنا اور زکوۃ دیتے رہنا۔ پھر تم (سب ان احکام سے) پھر گئے بجز تم میں سے (معدودے) چند کے' اور تم ہی ہو گردن کش۔

یہودیت میں روزہ :

عبرانی زبان میں بھی روزے کے لئے صوم کا لفظ استعمال ہوا ہے جیسا کہ عربی زبان میں۔ عہد بابل میں لفظ ''روزہ'' بابل کی اسیری سے پہلے نہیں آتا ۔اس سے پہلے اسے ''اپنی جان کو دکھ دینا'' (نفس کشی) کہا گیا ہے ۔موسیٰ نے صرف ایک سالانہ روزہ (اپنی جان کو دکھ دینا) یعنی ساتویں مہینے کی دسویں تاریخ کو کفارہ کے دن کا روزہ رکھنے کا حکم دیا (۶۹)۔

یہودی روزے کا طریقہ:

روزہ یہودیوں میں اشراق کے وقت سے شروع ہوتا ہے اور رات کے پہلے تارہ کے طلوع تک جاری رہتا ہے۔ سوائے اس روزہ کے جو کفارہ کے لئے ہو (۷۰)۔

اوقات، معمولات احکام روزہ:

اور مئی کی نویں کو روزہ رکھا جاتا ہے' یہ روزہ شام سے شام تک چلتا ہے' عام روزوں کے لئے کوئی خاص احکام وقوانین نہیں ہیں۔ روزہ میں صدقہ دینے اور مسکینوں کو کھانا کھلانے کی بھی ترغیب دی گئی ہے خصوصاً رات کے اس کھانے کی غرباء میں تقسیم پر جو معمولاً تیار کیا جاتا ہے زیادہ زور دیا گیا ہے ۔ماہ آب کے پہلے نو دن اور تموز کی سترھویں اور آب کی دسویں تاریخ کے درمیانی دن جزئی روزہ کے لئے مخصوص ہیں یعنی ان میں صرف گوشت کھانا اور شراب پینا منع ہے (۷۱)۔

یہودی روزے کی اقسام:

یہودیت میں روزے کی مختلف اقسام پائی جاتیں تھیں اور ان میں سے کچھ پر ابھی بھی عمل درآمد ہوتا ہے۔

اس زمانے کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں جب کسی خاص وجہ سے روزہ رکھا گیا' گناہ سرزد ہونے پر یا آنے والی بلا کو ٹالنے کے لئے ۔ سموئیل نے ایسا روزہ رکھنے کا حکم دیا (۷۲) ۔ایزبل نے جب نبوت کا تاکستان لینے کا غلط منصوبہ بنایا تو ریاکاری سے روزہ رکھنے کا حکم دیا (۷۳) ۔اسیری کے بعد چار اور سالانہ روزے مقرر کیے گئے (۷۴) ۔تالمود کے مطابق یہ یہودی تاریخ میں چار بڑے حادثوں کی

یاد میں تھے (۷۵)۔تلمود میں ایک اور روزے کے قائم کرنے کا اشارہ ملتا ہے۔اس کے علاوہ کچھ وقتی روزے اور بھی تھے ۔یہ بعض مرتبہ شخصی اور بعض مرتبہ جماعتی ہوتے (۷۶)۔اس کے علاوہ روزہ ماتم کا اظہار بھی تھا (۷۷)۔یہ توبہ کا نشان بھی ہے (۷۸)۔
اسکے علاوہ روزے فروتن ہونے کی علامت بھی ہیں ۔بعض اوقات اپنے آپ کو سزا دینے کا مترادف تھا۔اس کے علاوہ خدا کی مدد اور ہدایت حاصل کرنے کے لئے بھی روزہ رکھا جاتا تھا۔روزے دوسرے لوگوں کیلئے بھی رکھے جاتے تھے ۔بعض لوگ سمجھتے تھے کہ روزے کی وجہ سے فریاد یک دم سنی جائیگی اس کے برخلاف نبیوں کی تعلیم یہ تھی کہ صحیح عمل کے بغیر روزہ بیکار ہے ۔یہودیوں کیے یوم کفارہ کا ذکر نئے عہد نامہ میں آتا ہے ۔بعض کٹر فریسی ہفتے میں دو دن پیر اور جمعرات کو روزہ رکھتے تھے ۔دوسرے خدا پرست یہودی اس سے بھی زیادہ روزے رکھتے تھے (۷۹)۔

یہودیوں میں عہد بابل میں روزہ ان کے نزدیک ماتم اور سوگ کا رمز بن گیا تھا؛ اگر کوئی خطرہ درپیش ہوتا یا کوئی کاہن کسی الہام اور نبوت کے لے تیاری شروع کرتا تو اس وقت روزہ رکھا جاتا' یہودی اس وقت بھی عارضی طور پر روزہ رکھتے جب وہ سمجھتے کہ خدا ان سے ناراض ہے' ملک میں کوئی وبا آتی' مصیبت نازل ہوتی' قحط سالی کا سامنا ہوتا یا بادشاہ کسی بڑی مہم پر روانہ ہوتے تب بھی روزہ رکھا جاتا (۸۰)۔
یہودی تقویم میں روزہ کے دن محدود اور قدیم ہیں۔ یہ اس کفارہ کے علاوہ ہیں جو موسوی مذہب میں واحد روزہ ہے' اس کے علاوہ ان کے ہاں ''مسلسل روزہ'' کے بھی موسم ہیں جن کا تعلق قدیم حوادث اور واقعات سے ہے' مثلاً بابل کے عہد میں زمانہ اسیری' یہ چوتھے مہینہ (مئی) اور پانچویں مہینہ (جون) اور چھٹے مہینہ تشری (جولائی) اور دسویں مہینہ تبت میں پڑتے ہیں ۔تالمود'' کے بعض عالموں کا خیال ہے کہ ان دنوں کے روزے عہد غلامی میں لازمی اور آزادی وخوشحالی کے زمانہ میں اختیاری ہیں ۔ ان روزوں کے علاوہ کچھ روزے اور بھی ہیں جو ان مختلف المناک حوادث کی یاد میں رکھے جاتے ہیں جو یہودیوں کے ساتھ پیش آئے' یہ روزے بھی دوسرے روزوں کے ساتھ شامل کر لئے گئے ہیں ۔یہ لازمی اور جبری نہیں ہیں اور ان کو عوام میں زیادہ مقبولیت بھی حاصل نہیں ہوسکی ۔تھوڑے اختلاف کے ساتھ ان کی تعداد پچیس ہے۔
ان کے علاوہ کچھ روزے اور ہیں جو مقامی اور علاقائی کہے جاسکتے ہیں' ان کا تعلق بھی یہودیوں کے تاریخی مصائب سے ہے' بہت سے روزے مختلف طبقوں میں بٹے ہوئے ہیں ۔ہر طبقہ ایک مخصوص اور المناک تاریخی واقعہ کی یاد میں یہ روزہ رکھتا ہے یا غمی خوشی کی تقریبات کی یادگار کے طور پر اس کو مناتا ہے' سال کے پہلے دن کا روزہ یہودیوں کے بہت طبقوں میں رائج ہے ۔بہت سے روزے یہودی عالموں کے اختیار میں ہیں' جو قحط سالی' کسی خطرہ اور مصیبت یا حکومت وقت کے ظالمانہ قوانین' نیز مختلف اور بلاؤں سے حفاظت کے لئے اپنی صوابدید پر وقتاً فوقتاً یہ روزے عوام پر فرض کرتے رہتے ہیں (۸۱)۔
کچھ انفرادی روزے بھی ہیں جن کو ہر شخص اپنے حالات اور ضروریات کے پیش نظر رکھ سکتا ہے ۔یہ روزے بھی شخصی واقعات کی یاد میں گناہوں کے کفارہ کے لئے یا کسی مصیبت اور افتاد کے وقت رحمت خداوندی کے حصول کے لئے رکھے جاتے ہیں لیکن یہود کے علماء وفقہاء کے نزدیک یہ روزے اس شخص

کے لئے ہیں جو خود عالم یا معلم نہ ہو' تا کہ اس کی جمعیت خاطر میں کوئی فرق نہ آنے پائے اور اس کی صحت پر برُا اثر نہ پڑے' نیز ڈراؤنا خواب بھی دیکھ کر روزہ رکھا جاتا ہے' عید کے مواقع پر یہودی شریعت میں روزہ رکھنا ممنوع ہے لیکن "تالمود" نے ان دنوں میں روزہ رکھنے کی اجازت اس شرط پر دی ہے کہ عام دنوں میں اس کا کفارہ روزہ ہی کے ذریعہ ادا کیا جائے۔

الہامی مذاہب میں حج وزیارت :

دنیا کی کوئی قوم اور ملت ایسی نہیں جو کچھ نہ کچھ مقدس مقامات نہ رکھتی ہو اور اس کے متبعین اور پیرو کسی خاص مذہبی موقع پر ایک جگہ جمع نہ ہوتے ہوں' ان مذہبی مقامات کی زیارت یا مذہبی سفر کے لئے کچھ اصول اور طریقے اور رسوم وروایات ہیں' اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ عمل فطرتِ بشری کے عین مطابق اور ضمیر کی آواز کے ساتھ ہم آہنگ ہے' انسان جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں برابر کسی ایسی چیز کی جستجو اور آرزو میں رہتا ہے جس سے قریب ہو کر وہ اپنے جذبہ عقیدت ومحبت کی تسکین کر سکے۔ وہ ایک ایسا طویل اور بڑا عمل چاہتا ہے جس سے اس کے بڑے بڑے گناہوں اور مہلک غلطیوں کی تلافی ہو سکے اور وہ ضمیر کی چبھن' مذہبی حس کی کھٹک اور سوسائٹی کی ملامت سے چھٹکارا پا سکے' اس کے اندر ایک ایسے عظیم اور عام دینی اجتماع کی طلب پوشیدہ ہے جہاں صرف دینی اخوت اور روحانی رشتہ کارفرما ہو' کوئی دوسری اساس اور دوسرا جذبہ اس میں شامل نہ ہو' جب ہم تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی کوئی قوم اور تہذیب کا کوئی دوران مذہبی سفروں' زیارت گاہوں اور مقدس ومتبرک مقامات سے خالی نہیں جہاں لوگ جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور یا اپنے خود ساختہ معبودوں کے اور دیوی دیوتاؤں کے لئے قربانیاں کرتے ہیں' نذریں مانتے ہیں اور چڑھاوے چڑھاتے ہیں' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ
الْاَنْعَامِ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ﴾ (۸۲)۔

ترجمہ: اور ہم نے ہر ایک امت کے لئے قربانی رکھ دی تھی' تا کہ وہ لوگ اللہ کا نام ان چوپایوں
پر لیں جو اس نے انہیں عطا کر رکھے ہیں' سو تمہارا خدا تو خدائے واحد ہی ہے تم اسی کے
آگے جھکو اور آپ خوشخبری سنا دیجئے گردن جھکا دینے والوں کو۔

آثارِ قدیمہ کی دریافت اور تاریخی مقامات کی کھدائی سے دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں اور تہذیبی کھنڈرات میں بھی ایسے مذہبی مقامات کا پتہ چلا ہے' تاریخ نے اس طرح کی بہت سی چیزوں کی نشان دہی کی ہے' لیکن اس کی حقیقت تک رسائی اور اس کے قوانین واحکام' آداب وتعلیمات کا علم بہت مشکل ہے' ہمیں اس سلسلہ میں اب تک جو معلوم ہو سکا اس کی حیثیت چند قیاسات یا ان منتشر اور غیر مربوط کڑیوں سے زیادہ نہیں جن سے کوئی واضح تصویر بنانا ناممکن ہے۔

یہودیت میں حج کا تصور:

یہودی اور اس کے بعد مسیحی مذہب اس سلسلہ میں ہم سے سب سے زیادہ قریب ہیں' انہوں نے تاریخ اور علم کی روشنی کا ایک

طویل زمانہ پایا ہے' مؤرخین و مصنفین نے بھی ان کے ساتھ اپنی پوری دلچسپی کا ثبوت دیا ہے اور وہ اب بھی دو ایسی بڑی اور زندہ قوموں کا مذہب ہے جو تہذیب و تمدن' علم و ادب اور سیاسی قوت تینوں چیزوں میں بہت آگے ہے۔ "بیت المقدس" اور اس کے قرب و جوار کے آثار و مقامات اب بھی ان قوموں کی زیارت گاہ اور مرکز عقیدت ہیں' اس کا حج ان کے ہاں بہت قدیم زمانہ سے رائج اور معروف ہے۔

یہودیوں کے سب سے مستند ماخذ (Jewish Encyclopedia) میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا خلاصہ کچھ یوں ہے:

"بیت المقدس کا حج جس کو (Reyiah) یعنی حاضری کہا جاتا تھا تین تہواروں کے موقع پر ہوتا تھا جو عید الحصاد یعنی Harvest Festival عید الفصح (Easter) اور عید المظال (Feast of Tabernacles) کے نام سے موسوم تھے' یہودی ہدایات کے مجموعہ (Mishnah) میں ہے کہ نابالغوں' عورتوں' اندھوں اور ضعفاء اور جسمانی یا دماغی امراض میں مبتلا لوگوں کے علاوہ سب کا حاضر ہونا ضروری ہے۔ نابالغ سے مراد ایسا بچہ ہے جس کو اس کا باپ بیت المقدس نہ لے جا سکے۔ شریعت موسوی کے بموجب ہر شخص کو کچھ نہ کچھ چڑھاوا پیش کش بھی لے جانا چاہیے لیکن اس پیش کش کا تعین نہیں کیا گیا ہے اگرچہ عورتوں اور چھوٹے لڑکوں کی حاضری لازمی نہ تھی' تاہم وہ اپنے شوہروں اور والدوں کے ساتھ پہنچتے ہی تھے۔ جیسا کہ عام میلوں میں ہوتا ہو (۸۳)۔ (Gesius Florous) نے جو کہ ۶۳ تا ۶۶ میں وہاں رہا اس طرح کہا ہے کہ (Passover) کے ایک تیوہار (تہوار) کے موقع پر اس نے یہودی قربانی کے میمنوں کی تعداد ۲۵۶'۵۰۰ پائی' اگر ایک میمنہ کی قربانی دس افراد کی جانب سے ہوئی تو زائرین کی تعداد پچیس لاکھ پینسٹھ ہزار ہوئی (یعنی ۲۵'۶۵۰۰۰) (۸۴)۔ (Toseffa) کے ذکر کے مطابق ایک موقع پر بارہ لاکھ میمنوں کی ٹانگیں کاٹی گئیں جب کہ پجاری کو ہر میمنہ کی ایک پچھلی ٹانگ لینے کا حکم تھا' یہ تعداد غالباً ایک مبالغہ ہے۔ عبادت گاہ (Temple) کی بربادی کے بعد بھی حج کا سلسلہ بند نہیں ہوا' جب ترکوں نے صلاح الدین کی سرکردگی میں ۱۱۸۷ء میں بیت المقدس کا علاقہ فتح کر لیا تو مشرقی علاقہ کے یہودیوں کو بیت المقدس اور دوسرے متبرک مقامات (دمشق سے بابل اور مصر تک) کی زیارت کی سہولت حاصل ہو گئی' مشرق کے یہودیوں بالخصوص بابل اور کردستان کے یہودیوں میں چودھویں صدی سے یہ رسم رہا ہے کہ سال میں کم از کم ایک بار حج کو جایا جائے اور بہت سے تو یہ "حج" پاپیادہ کرتے تھے۔ صلیبی جنگوں کے زمانہ میں یورپ کے یہودیوں کو بھی حج کے لئے یورپ سے آنے کی حوصلہ افزائی ہوئی۔ ۱۴۹۲ء میں جب کہ یہودیوں کو اسپین سے نکال دیا گیا اور جلاوطن یہودی کثرت سے ترکوں کے علاقہ میں آ بسے تو یہودی زائرین کی تعداد بہت بڑھ گئی' اکثر اس کا اجتماع مقام رماہ (Ramah) پر' پیغمبر سموئیل کے مزار پر ہوتا تھا جہاں ان کے سالانہ عید کے میلے ہوتے اور مذہبی رسوم ادا کی جاتیں۔

حج معینہ تاریخوں میں ہوتے ہیں' شمالی افریقہ اور مشرق کے یہودی ان دنوں کو "ایام زیارت" کہتے ہیں۔ ان ایام میں ایسی عظیم ہستیوں کی قبروں یا ان کی یادگاروں کی زیارت کی رسم قائم ہو گئی ہے جو یا تو کوئی بڑے بادشاہ' یا نبی' یا ولی اللہ (درویش) کی حیثیت سے مشہور ہو۔ ان ایام حج و زیارت کو دعاؤں' خوشیوں اور عام تیوہاروں کی شکل میں مناتے ہیں' بیت المقدس میں ہر جمعہ کی شام کو نیز ہر روزے کے دن کی شام

کواور(تموز) کی سترہویں شام کو ماہ (آب) کی نویں تک متواتر ۲۳ روز تک ہر روز یہودیوں کے گروہ ہیکل سلیمانی کی مغربی دیوار کے سامنے جمع ہوتے ہیں'مؤخرالذکر کی تاریخ (یعنی آب کی نویں تاریخ کو) یہ عبادت نصف شب کے بعد ادا کی جاتی ہے۔اس کے علاوہ بھی کچھ مقامی قسم کی زیارت گاہیں اور تہوار ہیں جہاں تقریباً ہر ملک اور شہر میں یہودی جمع ہوتے ہیں(۸۵)۔

مبحث دوم: عیسائیت میں عبادات کا تصور'اہمیت'مقاصد اور اقسام

تصور عبادت'اہمیت اور مقصد:

موجودہ عیسائیت میں عبادت کے لئے اردو زبان میں لطّوریا کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔لطّوریا یونانی زبان کے لفظ لطّورجیا سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں ولوگوں کا کام یا عمل۔لطّوریا کلیسا کی اجتماعی اور با قاعدہ عبادت ہے(۸۶)۔

نئے عہدنامہ کے زمانہ میں ہم عبادت خانہ اور ہیکل دونوں کی پرستش کا ذکر پاتے ہیں۔خداوند مسیح نے ان دونوں قسم کی عبادتوں میں بہ نفس نفیس حصہ لیا لیکن انہوں نے اس عبادت کی تلقین کی جس میں ایک محبت بھرے دل سے اپنے آسمانی باپ کی پرستش کی جائے۔ان کی تعلیم میں خدا کے حضور آنے میں رسومات اور کاہن کا ہونا نہ صرف غیر اہم بلکہ غیر ضروری تھا۔اب عبادت صحیح معنوں میں عبادت اور خدا کی خدمت(عبادت) ہے(۸۷)۔

عیسائیوں کے تصورِ عبادت کی ایک نمایاں خصوصیت رہبانیت یعنی ترکِ دنیا اور نفس کشی ہے۔اس معاملے میں عیسائی راہب اور ہندو جوگی یکساں ہیں۔یورپ کی عہد تاریک (۴۰۰۔۱۰۰۰) میں اس تصور نے ناقابلِ بیان حد تک فروغ پایا(۸۸)۔

عیسائیت میں زہد وتقوی اور نفس کشی:

عیسائی مؤرخ ڈی سمرویل لکھتا ہے:

''عیسائیت نے زہد وتقوی کے لئے ترک دنیا کو لازمی قرار دیا۔عیسائی راہبوں کے نزدیک ازدواجی زندگی اور والدین جیسے دنیوی علائق سے زیادہ اہم چیز خود اپنی زندگی اور نفس کا تزکیہ تھا۔چنانچہ اس تصور کے تحت وہ انسانی آبادیوں سے نکل کر جنگلوں'پہاڑوں اور دوسرے مقامات پر جانے لگے۔ایک دو کی تعداد میں نہیں ہزاروں کی تعداد میں۔ان مقامات پر وہ نہایت فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرتے۔گندی حالت میں رہتے اور بیماروں کو دیدہ ودانستہ دعوت دیتے تھے۔سینٹ الیوبینس (St. Eusebinus) تین سال تک ایک خشک کنویں میں محوِ عبادت رہے۔سینٹ سبینوس St. Eusebinus صرف موٹے اناج پر جو مہینوں پانی بھیگ کر سڑ جاتے تھے'زندگی گزارتے تھے۔سینٹ بساریان (St. Basarion) نے چار دن اور چار راتیں کانٹوں کی جھاڑی کے درمیان گزاریں(۸۹)۔

اس نفس کشی کی سب سے بھیانک مثال سینٹ سمیان (St. Simeon) کی ہے۔انہوں نے اپنے جسم کو رسیوں سے اتنا

کس کر باندھ لیا تھا کہ یہ رسیاں ان کے گوشت میں پیوست ہو کر سڑ گئیں۔ان کے جسم سے اتنی سخت بد بو آتی تھی کہ کوئی شخص ان کے پاس کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔ جب وہ حرکت کرتے تو ان کے جسم سے کیڑے گرتے تھے۔انہوں نے ۶۰ فٹ اونچا ایک مینار بنوایا تھا جس کا محیط ایک گز تھا۔اس مینار پر وہ تیس سال تک ہر قسم کے موسم میں محو عبادت رہے۔یہی عیسائی ولی ایک سال تک ایک پیر پر کھڑے رہے اور دوسرے پیر کو جس میں قرحہ تھا ڈھانک رکھا تھا۔جب کوئی کیڑا اس زخم سے گر جاتا تو ان کا سوانح نگار جوان کے پاس ہی رہتا تھا اس کو اٹھا کر دوبارہ زخموں میں رکھ دیتا تھا اور یہ فقیر ان کیڑوں سے کہتا: کھاؤ جو خدا نے تم کو دیا ہے۔اس عیسائی ولی کا جب انتقال ہوا تو دین عیسوی کے ماننے والوں اور ان کے علما مجتہدین کا ایک ہجوم ان کے جنازے میں شریک ہوا اور ہر شخص کی زبان پر یہی صدا تھی وہ سب سے عظیم عیسائی درویش کا نمونہ تھے (۹۰)۔

چھٹی صدی عیسوی میں اس ترک دنیا بلکہ نفرت دنیا میں ہوئی اور عیسائی رہبان جنگلوں اور پہاڑوں کے بجائے ایک جگہ خانقاہ بنا کر رہنے لگے لیکن دنیا سے بے التفاتی ہنوز قائم رہی' اور یورپ میں نشاۃ ثانیہ کے آغاز تک کسی نہ کسی صورت میں اس کا سلسلہ جاری رہا۔

عیسائیوں کے تصورِ عبادت کی مذکورہ خرابیوں میں اب کافی کمی آگئی ہے۔رہبانیت کے اعمال و مظاہر تقریباً معدوم ہو چکے ہیں۔لیکن شرک آج بھی باقی ہے۔عیسائی قوم اپنی تمام سائنسی فتوحات اور روشن دماغی کے باوجود مذہبی معاملے بالخصوص عقیدہ توحید کے باب میں کل کی طرح آج بھی اپنی سابقہ طفلانہ روش پر قائم ہے۔یعنی یہ کہ حضرت عیسی علیہ السلام خدا کے بیٹے اور اس دنیا کے لارڈ ہیں۔

عیسائیت میں عبادات کی مختلف اقسام:

جن وجوہات سے مسیحیوں کو یہودیوں کے سبت' ان کی ہیکل کی عبادت میں شمولیت وغیرہ سے علیحدگی اختیار کرنی پڑی' ان میں کلیسا سے یہودیوں کی سخت دشمنی پیش پیش تھی۔تاہم ابتدائی مسیحی عبادت کے متعلق ہماری معلوم مبہم اور غیر واضح ہیں۔اگر چہ شروع شروع میں روزانہ عبادت کا ذکر بھی آتا ہے تاہم یہ بات صاف ہے کہ اب ہفتہ وار عبادت کا دن ''خداوند کا دن'' یعنی ہفتے کا پہلا دن (۹۱)۔

خداوند مسیح کے جی اٹھنے (ایسٹر) اور روح پاک کے نازل ہونے کے دنوں کی سالانہ یادگار عبادتوں کا ذکر بھی نہیں ملتا۔ عبادت مقدسوں کے گھروں میں ہوتی تھی اور ظاہر ہے کہ اسمیں کسی خاص خادم الدین کی ضرورت نہیں تھی۔گھر کی عبادت میں سادگی ایک خاص اہمیت رکھتی تھی جس میں بیشتر حصہ حمد و تمجید کے گیتوں پر مشتمل تھا۔پھر دعا' پاک کلام کی تلاوت اور اس کی تشریح۔کرنتھس کی کلیسا کے متعلق ہم پڑھتے ہیں کہ وہاں بیگانہ زبانوں میں لوگ بولتے تھے۔ضیافت محبت (اگاپے) اور عشائے ربانی بھی

عبادت کا عام حصہ تھے۔لیکن ان سب میں زور سچی محبت اور دل لگن سے روح میں عبادت کرنے پر تھا (۹۲)۔

دیگر مذاہب کی طرح عیسائی مذہب میں بھی غرباء ومساکین کی امداد واعانت کو ایک بڑی نیکی خیال کیا جاتا ہے ۔ابتدا میں رہبانیت کے فروغ کی وجہ سے اس طرف توجہ نہ ہو سکی لیکن رہبانیت کے خاتمہ کے ساتھ ہی اس تصور نے کافی ترقی کی اور آج اس پہلو سے عیسائی قوم جملہ اقوام عالم سے آگے ہے ۔آج دنیا کے جس ملک میں بھی طوفان' زلزلہ' قحط' وبائی امراض اور خانہ جنگی جیسے واقعات پیش آتے ہیں وہاں عیسائیوں کی مختلف تنظیمیں آفت رسیدوں کی مدد کے لئے پہنچ جاتی ہیں ۔اس کے علاوہ بہت سے ملکوں میں عیسائی مشنریوں نے شفا خانے قائم کیے ہیں جہاں پوری لگن کے ساتھ غریبوں او محتاجوں کو طبی امداد مہیا کی جاتی ہیں ۔مدر ٹریسا کی خدمات سے کون انسانیت نواز واقف نہ ہوگا۔

عیسائیوں کے اس طرزِ عمل کی تفہیم انجیل میں بیان کردہ ایک روایت سے ہوتی ہے ۔ایک بار یہودی علماء حضرت عیسی علیہ السلام کے پاس بغرض امتحان آئے اور پوچھا کہ اے استاد! تورات کی اولین اور اہم تعلیم کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ:

''اپنے پورے دل اور پوری جان سے خدا سے محبت رکھ اور اسی طرح پورے دل اور پوری جان سے اپنے پڑوسی سے محبت رکھ (۹۳)۔''

عیسائیوں نے اپنے پیغمبر کی اس سادہ تعلیم کو حرزِ جان بنالیا بالخصوص اس کے دوسرے جز یعنی خدمتِ خلق کو، آج یہی ایک چیز ان کے مذہب کا طغرائے امتیاز ہے ۔حضرت عیسی علیہ السلام جنہیں عیسائی مانتے ہیں حواریوں کو نماز اور دعا کے آداب بتا کر یہ تعلیم کرتے ہیں:

''اے ہمارے باپ جو آسمان پر ہے' تیرا نام مقدس ہو' تیری بادشاہت آوے' تیری مرضی جیسی آسمان پر ہے زمین پر بھی پوری ہو' ہمارے روز کی روٹی آج ہمیں دے ۔ہمارے قرض ہمیں معاف کر' جیسے ہم بھی اپنے قرض داروں کو معاف کرتے ہیں ۔اور ہمیں آزمائش میں مت ڈال بلکہ برائی سے بچا ۔کیونکہ بادشاہت' قدرت اور جلال ہمیشہ تیرا ہی ہے (۹۴)۔''

حضرت عیسیٰ نے نماز اور دعاؤں کی اہمیت بہت زیادہ بڑھائی چنانچہ لوقا کی انجیل میں ہے:

''حضرت عیسی علیہ السلام چاہتے تھے کہ ان کو ہمت ہارے بغیر ان کو ہمیشہ دعا میں لگے رہنا چاہیے (۹۵)۔''

حواریوں کے اعمال سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام کی شریعت میں بھی نماز کے کچھ اوقات وہی تھے جو یہودیوں میں تھے اور کچھ اور زیادہ تھے ۔ظہر کے نماز ان کے ہاں بھی تھی ۔چنانچہ کتاب اعمال میں ہے:

''پطرس دوپہر کے قریب کوٹھے پر دعا کرنے کو چڑھا (۹۶)۔''

لیکن ان کے علاوہ بعض اوقات بڑھائے بھی گئے ۔ایک جگہ ہے

''پس پطرس اور یوحنا دعا کے وقت یعنی تیسرے پہر ہیکل کو جا رہے تھے(۹۷)۔''

لوقا میں لکھا ہے کہ

''ایک دفعہ حضرت عیسی علیہ السلام کے کسی شاگرد نے نماز کی خاص دعا دریافت کی آپ نے بتائی اور فرمایا کہ دعا کا بہترین وقت آدھی رات ہے' اور ایسا ہوا کہ وہ ایک جگہ دعا مانگ رہا تھا' جب مانگ چکا ایک نے اس کے شاگردوں میں سے کہا کہ اے خداوند ہم کو دعا مانگنا سکھا' جیسا کہ یوحنا نے اپنے شاگردوں کو سکھایا۔ اس نے ان سے کہا جب تم دعا مانگو تو کہو اے باپ تیرا نام پاک مانا جائے' تیری بادشاہی آئے' ہماری روز کی روٹی ہمیں ہر روز عطا کر' ہمارے گناہ معاف کر(۹۸)۔''

صبح کی نماز کا ذکر بھی انجیل میں موجود ہے۔ چنانچہ مرقس میں مذکور ہے:

''اور صبح ہی دن نکلنے سے بہت پہلے وہ اٹھ کر نکلا اور ایک ویران جگہ میں گیا اور وہاں دعا کی(۹۹)۔''

اب ان اوقات جو یہودی اور عیسوی کتابوں میں مذکور ہیں اگر ہم جمع کر لیں تو وہی اسلامی نماز کی اوقات ہیں جن میں سے صبح (فجر)' دوپہر (ظہر) اور شام (مغرب) کا ذکر زبور میں صبح اور عصر کا مرقس میں' میں ہے اور عشا یعنی رات کی نماز کا لوقا میں ہے(۱۰۰)۔

رومن کیتھولک عیسائیوں میں نماز کی شکل:

کیتھولک عیسائی صبح کو طلوع آفتاب سے پہلے پھر شام کو اور پھر رات کو سوتے وقت دعا مانگتے ہیں۔

عیسائی نماز کی سب سے پہلی تشکیل چوتھی صدی میں ''نیقا'' کے جلسے میں ہوئی۔ ویٹیکن کی کمیٹی آج تک اس میں ترمیمیں کرتی رہتی ہے' اور کیتھولک دنیا کو اس سے برابر باخبر رکھتی ہے' کلیسا کے مرکزی نظام کو بھی اس کا حق حاصل ہے کہ وہ نماز میں حسب دلخواہ تبدیلیاں کر سکے۔

ذیل میں کیتھولک کلیسا کی ''سرکاری'' و روایتی نماز کا ایک نمونہ پیش کیا جاتا ہے جو ویٹیکن کمیٹی کے جاری کردہ تازہ ترین آخری بلیٹن (St. Paul Publicatios Series-"The Sacrifice of the Mass") کی روشنی میں مرتب کیا گیا ہے:

''پادری امام جب کلیسا میں داخل ہوتا ہے تو حاضرین اس کی تعظیم میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور وہ نماز کی نیت کرتے ہوئے کہتا ہے ''باپ' بیٹے روح القدس کے نام پر میں کلیسا کے مذبح کی طرف نماز پڑھتا ہوں''۔ اس موقع پر امام اور مقتدیوں کے درمیان ایک مکالمہ ہوتا ہے جو خدا کی تقدیس و ثنا سے متعلق ہے۔

پھر امام اپنے گناہوں اور خطاؤں کا اعتراف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میں قدرت رکھنے والے اللہ اور مبارک مریم عذرا اور معزز فرشتہ میکائیل اور بپتسمہ دینے والے یوحنا اور اللہ کے مبارک رسول پطرس و پولس اور تمام مقدس ہستیوں اور تمام عیسائی بزرگوں اور تم سب کو گواہ بنا کر یہ اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے اتنے فکری لسانی اور عملی گناہ کیے ہیں جن کا شمار و حساب

ناممکن ہے۔ یہ گناہ میں نے کئے ہیں اور تنہا میں ان کا ذمہ دار ہوں لہٰذا مبارک کنواری مریم، مبارک فرشتہ میکائیل اور مبارک بپتسمہ دینے والے یوحنا اور مبارک رسول پطرس و پولس اور تمام بزرگ ومقدس ہستیوں اور آپ سب سے اے بھائیو اس کا خواستگار ہوں آپ اللہ مالک الملک سے میرے لئے دعا کریں۔

پھر جماعت اس کے لئے دعا کرتی ہے اور امام امین کہتا ہے پھر پوری جماعت اعتراف کی یہی عبادت دہراتی ہے اور دعا کی طالب ہوتی ہے، امام دعا کرتا ہے اور جماعت آمین کہتی ہے پھر امام اور جماعت کے درمیان دعا و رحمت و بخشش اور سب کے لئے امن اور مغفرت کی طلب سے متعلق ایک مکالمہ ہوتا ہے۔

پھر امام مذبح پر چڑھتا ہے اور لاطینی زبان میں ایک دعا پڑھتا ہے جس میں خدا سے گناہوں کی معافی مانگی جاتی ہے اور حضرت مسیح اور ان مقدس ہستیوں کا توسُّل اختیار کیا جاتا ہے جن کے آثار کلیسا میں موجود ہیں، پھر امام کہتا ہے کہ اے اللہ ہم پر رحم فرما، اے عیسی مسیح ہم پر رحم فرما، یہ الفاظ وہ دو مرتبہ دہراتا ہے، واپس آ کر وہ اللہ تعالیٰ سے رحمت کا طلبگار ہوتا ہے، پھر جماعت واپس آتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے رحم کی التجا کرتی ہے۔

حمد و ثنا جو عبادت کے اوقات میں کلیسا میں پڑھے جاتے ہیں حمد و ثنا کے الفاظ پر مشتمل ہوتے ہیں اور اس میں باپ اور اکلوتے بیٹے کے الفاظ بار بار دہرائے جاتے ہیں اور مسیح علیہ السلام کو اللہ کا میمنہ کہا جاتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ وہ بندوں کے گناہ معاف کرتے ہیں اور اللہ کے داہنی طرف بیٹھے ہیں۔ ان سے بار بار رحم و عفو طلب کیا جاتا ہے اور اس کا اظہار کیا جاتا ہے کہ وہ ہر چیز کے مالک اور ہر چیز پر حاکم ہیں اور ہر چیز سے بالاتر ہیں۔ کتاب مقدس کا ایک اقتباس بھی جس کو پادری منتخب کرتا ہے اس موقع پر پڑھا جاتا ہے اور اس کی تلاوت کے وقت پوری جماعت تعظیماً کھڑی ہو جاتی ہے۔

کیتھولک کلیسا کی ہفتہ وار نماز جو اتوار کو ہوتی ہے، اس لحاظ سے عام نمازوں سے مختلف ہے کہ اس میں امام ضرورت و حالات کے مطابق ایک خطبہ بھی پڑھتا ہے اور کلمہ ایمان کی تجدید کرتا ہے، اس کلمہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ وہ اللہ کے اکلوتے بیٹے ہیں، اسی سے پیدا ہوئے ہیں اور تمام زمانوں سے ماوراء ہیں۔ رب الأرباب ہیں، نور النور ہیں، معبود برحق ہیں اور وجود میں اپنے باپ کے شریک ہیں، ان ہی سے تمام موجودات وجود میں آئے اور وہ آسمانوں سے ہماری نجات کے لئے اس دنیا میں تشریف لائے (اس موقع پر حاضرین گھٹنوں کے بل گر جاتے ہیں) اور مریم عذرا اور روح القدس کے واسطہ سے جو انسانی شکل میں ظاہر ہوئے، یہ کلمہ حضرت مسیح کی الوہیت کے الفاظ اور صلیب و کفارہ کے عقیدہ اور مقدس عالمی کلیسا کی وحدت کے بارے میں ہوتا ہے اور اس میں کلیسا کو مرکز ہدایت بپتسمہ کا مرکز، حشر اور حیات بعد الموت کا مرکز قرار دیا جاتا ہے۔

نماز کے بعد ''عشاء ربانی'' کا انتظام ہوتا ہے، اس کی اصل یہ ہے کہ عہد قدیم میں کلیسا میں آنے والے اپنے ساتھ

روٹی اور انگور کی شراب لاتے تھے اور مذبح پر چڑھاتے تھے پادری تھوڑی سی شراب لے کر روٹی میں مل دیتا تھا' ان کا عقیدہ تھا کہ یہ روٹی اور شراب حضرت مسیح کے گوشت اور خون میں تبدیل ہو جاتی ہے اور جو ان کو کھاتا ہے اس کے اندر حضرت مسیح کا گوشت و خون سرایت کر جاتا ہے۔ ''عشاء ربانی'' رات کے اس آخری کھانے کو بھی کہتے ہیں جو حضرت مسیح نے اپنی زندگی میں تناول فرمایا لیکن شراب اور روٹی کی جگہ اب پیسوں نے لے لی ہے۔ جو آنے والے پادری کو پیش کر دیتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود کلیسا کے امام اور پادری اس رسم کو جاری رکھتے ہوئے حاضرین میں روٹی ضرور تقسیم کرتے ہیں۔ ان سب چیزوں کا اختتام ایک مختصر دعا پر ہوتا ہے جس پر یہ نماز ختم ہوتی ہے اور جماعت منتشر ہوتی ہے'' (۱۰۱)۔

پروٹسٹنٹ فرقہ میں ''نماز'' کا طریقہ:

پروٹسٹنٹ گرجاؤں کی نماز بشمول میتھوڈسٹ اور اعتراف' توبہ و استغفار' تجدید ایمان' بنیادی عقائد کی توثیق' حمد و ثنا اور دعا و تلاوت انجیل میں کیتھولک نماز سے ملتی جلتی ہے ہے لیکن اس کا اسلوب اور صیغے اپنے مخصوص کلیسائی نظام کے ماتحت اور کئی وجوہ سے کیتھولک نماز سے مختلف ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اس میں لاطینی زبان استعمال نہیں کی جاتی ' دوسرے یہ کہ اس کی دعاؤں کے سارے صیغے ترانوں اور گانوں کی اشکال میں ہیں اور ہر دعا کی لے اور آہنگ جدا اور مقرر ہے۔ ایک خاص بات یہ ہے کہ خدا کے ذکر کے وقت خاموشی و سکون کا لحاظ رکھا جاتا ہے اور حضرت مسیح کی الوہیت کے سلسلہ میں صریح اور کھلی ہوئی عبارتیں حذف کر دی گئی ہیں۔ بعض ادعیہ میں سکوت و تدبر بھی ملتا ہے۔ اس اجتماعی روایتی دعا کا ایک نمونہ یہاں پیش یا جارہا ہے۔

''اے آسمانی باپ تو نے اپنی محبت سے ہم کو پیدا کیا اور اپنی محبت سے باقی رکھا تیری محبت و شفقت ہماری تکمیل کر سکتی ہے' ہم پورے عجز کے ساتھ اعتراف کرتے ہیں کہ ہم پورے دل و جان کیسا تھ تجھ سے محبت نہیں کر سکے' اور ایک دوسرے سے بھی محبت نہیں کر سکے جیسا کہ حضرت عیسیٰ مسیح نے ہم سے محبت کی' ہماری روحیں ضرور زندہ ہیں لیکن ہماری انانیت اور خودغرضی نے ہم کو تجھ سے دور کر دیا ہے اور ہم نے تیری نصرت و تائید سے غفلت برتی ' ہم سے جو کچھ سرزد ہوا، اس کو معاف فرما اور ہمارے موجودہ حال کو درست فرما' اور مستقبل میں اپنی روح سے ہماری رہنمائی فرما' یہاں تک کہ تیری خلقت کی عظمت ہمارے نفوس میں اور خلق کے نفوس میں عیسیٰ مسیح کے واسطہ سے جو ہمارے مولا اور ہمارے بادشاہ ہیں اچھی طرح روشن ہو جائے (۱۰۲)۔''

انجلیکانی کلیسا کی نماز میں عبادت سے پہلے گھنٹیاں بجائی جاتی ہیں' یہ نماز کا اعلان ہوتا ہے' انجیل کے ایک اقتباس کی تلاوت کی جاتی ہے اور ''ایمان کا کلمہ'' ترانے اور کورس کے انداز میں پڑھا جاتا ہے۔ خاص خاص موقعوں پر ''عشاء ربانی'' کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے اور اس کلیسا کے پیرو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یادگار منا کر وہ اپنے نفوس کا تزکیہ کر رہے ہیں اور اپنی ارواح کو قوت پہنچا رہے ہیں (۱۰۳)۔

زکوۃ(صدقہ وخیرات) عیسائی مذہب میں:

کتاب مقدس میں زکوۃ کا لفظ واضح طور پرنہیں ملتا بلکہ اس کے متبادل صدقہ اور خیرات کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔

خیرات خیر کی جمع 'نیکیاں، بھلائیاں' صدقہ۔اللہ کی راہ میں خرچ کرنا' چونکہ حضرت مسیح علیہ السلام اپنے پیروؤں کے لئے کوئی مستقل اور مفصل قانون اور شریعتِ موسویہ کے متوازی کوئی شریعت لے کرنہیں آئے ان کا کام چند ترمیمات اور اصلاحات تک محدود تھااور ان کی اصل تبلیغ ودعوت یہودیوں کی حد سے بڑھی ہوئی ظاہرداری اور رسم پرستی کے مقابلہ میں عبودیت واخلاص کی سچی روح' محبت الٰہی اور انسان دوستی کا زندہ جذبہ اور ظواہروا شکال میں حقیقت کا جلوہ پیدا کرنا تھا۔

اس لئے دوسرے ارکان مذہب اور زندگی کے شعبوں کی طرح خیرات وصدقات کے لئے بھی انہوں نے کوئی مستقل قانون ونظام پیش نہیں کیاجو یہودی شریعت اورتورات کے احکام کے بالمقابل مستقل ضوابط اور قوانین پر مشتمل ہو'انہوں نے اسی سابقہ نظام میں صرف حقیقت وروح' خلوص وصداقت' محبت الٰہی واخوت انسانی کا احساس زندہ کرنے کی کوشش کی'اسی لئے ہمیں عیسائیت کے مذہبی لٹریچر اور ''کلیسا کی رہنمائی اور ہدایات میں خیرات وصدقات کا کوئی مفصل اور واضح ضابطہ اور کوئی منضبط اور قانون نہیں ملتا' جو کچھ بھی ملتا ہے اس کی حیثیت محض اخلاقی ہدایات اور پند ونصائح کی ہے۔

پرانے اور نئے عہدنامے کے زمانے میں خیرات کوایک خداپرست دیندار شخص کے کردار کا اہم حصہ تصور کیاجانے لگا۔راست بازی کے لئے عبرانی لفظ صدق ہے۔اس زمانے میں راست بازی خیرات کے لئے ایک مترادف لفظ بن گیا۔اردو لفظ صدقہ کے معنی خیرات بھی ہیں اور نیک کام بھی صداقت کے لفظ سے مشتق ہے۔نئے اور پرانے عہدنامے کے درمیانی عرصہ میں خیرات کو جوخاص اہمیت دی گئی وہ اپاکرپا کی کتابوں سے صاف ظاہر ہوتی ہے۔ہوتے ہوتے یہ اہمیت اتنی زیادہ ہوگئی کہ خیرات کوگناہ کا کفارہ سمجھا جانے لگا۔ جب ہیکل میں قربانیوں کا سلسلہ بند ہوگیاتو خیرات نے پہلا درجہ لے لیااور وہ دعااور روزہ سے مقدم سمجھی جانے لگی(۱۰۴)۔

انجیل (عہدجدید) میں خیرات کا کیا درجہ ہے اس کے متعلق حضرت عیسی علیہ السلام کی بنیادی تعلیمات'ہدایات اور ذاتی جذبات کیا تھے' یہ تصور بعد کے کلیسائی عہد میں کس درجہ قائم رہا'اور اس پر مسیحی دنیا میں کہاں تک عمل درآمد کیا گیا؟ انسائیکلوپیڈیا آف ریلجن اینڈ ایتھکس کے مسیحی مقالہ نگار نے اس کا اجمالی جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے:

''حضرت عیسی علیہ السلام نے اپنے پہاڑی کے وعظ میں اور دوسرے موقعوں پرخیرات دہی کے فریضہ کواتنے ہی عزم وخلوص سے بیان کیا ہے' جیسا کہ علمائے یہود کیا کرتے تھے ان کے پیروؤں کے لئے بھی خیرات دیناضروری ہے لیکن ان کی خیرات خلوص قلب سے' محض کارخیر کے ارادہ سے ہونا چاہیئے(ہرعیسائی اپنی ذات کواتنا ہی کامل کرنا چاہتا ہے جتنا کہ''ان کا باپ''جوکہ آسمان پر ہے کامل تھا) اس کی نیت میں خودنمائی ستائش طلبی یاذاتی فروغ کا شائبہ مطلق نہیں ہونا چاہیے ایسے ہی اس

وعظ میں جولوقا کی انجیل میں درج ہے خیرات کے احکام زیادہ واضح ہیں:

''دو اور تم کو دیا جائیگا' جو تم سے سوال کرے اس کو دو اور جو تمہارا اسباب لے جائے
اس سے واپس نہ مانگو' اپنے دشمنوں سے بھی محبت کرو' ان کو قرض دو' اور نا امید نہ کرو'
تمہارا انعام بہت بڑا ہوگا' اور تم اس ارفع و اعلیٰ ذات کے فرزند بن جاؤ گے' کیونکہ وہ
ناشکر گزار اور بد آئین کے ساتھ بھی مہربانی کرتا ہے(۱۰۵)۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جس کی تعلیم دی اس پر عامل بھی ہوئے (بلکہ اس سے زائد کر دکھایا) انہوں نے اپنی ثبوت کا بہت سا وقت لوگوں کی تکالیف کے دور کرنے میں صرف کیا۔عوام کی خدمت کی' اور جن کو شیطان نے ستا رکھا تھا ان کو اچھا کیا' کیونکہ اللہ ان کے ساتھ تھا۔(۱۰۶)۔

تا ہم ہم کو یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ حضرت مسیح علیہ السلام ایک کمزور بہی خواہ انسانیت تھے' جیسا کہ انہوں نے کہا ہے کہ انسان کو پہلے ''خدا کی سلطنت'' اور راست روی کا خواہاں ہونا چاہیے اور دوسری چیزیں (یعنی دوسری صفات حمیدہ) اپنے آپ شامل ہوتی جائیں گی' دوسروں کی امداد کرتے وقت (حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا) کہ ان کی روحوں کی حفاظت کا خیال ان کے جسم کی حفاظت سے بالاتر ہونا چاہیے۔وہ خود بھی لوگوں کا علاج کرتے ہوئے' یا ان کو مدد دیتے ہوئے ان کی فوری امداد کے مقابلہ میں ان کی دائمی ترقی (روح) کا زیادہ خیال رکھتے تھے۔ایک دوسری بات بھی ہے جس کو ذہن نشین رکھنے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے آقا (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) نے امداد باہمی کی بنیاد اس کو گردانا ہے جو کہ تمام انسان اپنے پروردگار کے ساتھ رکھتے ہیں' یہی تعلق ان کو بھائی بھائی بنا دیتا ہے اور اس طرح چونکہ سب انسان اصلاً ایک ہی گروہ کے افراد ہیں' اس لئے سب کا فرض ہے کہ (ایک ہی اللہ کے بندے کی بنیاد پر) ایک دوسرے کی مدد کریں۔

سینٹ پال نے فرمایا ہے کہ تم عیسیٰؑ کی طرح ایک دوسرے کے بوجھ اٹھاؤ اور اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قانون پر عامل رہو۔لیکن یہ امر بالکل بین ہے کہ جہاں تک فیاضی اور خیرات وہی کا تعلق ان اعلیٰ مقاصد اور علوئے نیت سے ہے' وہاں خودنمائی اور فخر کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

اب ہم یہ دیکھیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم اور ان کی ذاتی مثال نے ان کے سب سے پہلے پیروؤں اور شاگردوں کو کہاں تک متاثر کیا' لیکن انہوں نے اس پر عمل نہ کیا اور ایسا اشترا کی نظام رونما ہوا جو لوگوں نے اپنی مرضی سے قائم کر لیا اور جس میں کہ جماعت کے مالدار افراد نے اپنا کل (یا قریب قریب کل) مال اپنے غریب پڑوسیوں کی ضرورت کی فراہمی میں صرف کر دیا۔ہر ایک نے تو اپنا کل مال فروخت نہیں کیا' جن کے پاس اپنی ضرورت سے زیادہ نہ تھا وہ تو اپنی ہی ضرورتوں کو پورا کرتے رہے' لیکن جن کے پاس ضرورت سے زائد تھا انہوں نے اس کو فروخت کر کے یا اسی طرح جماعت کی بہبود کے لئے صرف کر دیا۔ایسی عالی شان خیرات

ظاہر ہے کہ زیادہ دنوں قائم نہیں رہ سکتی تھی Anania اور Saphira کی مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جذبہ (خدمت) جو کہ ہونا چاہیے تھا' اکثر مصنوعی ہوتا تھا' اور شاید وہ تمام خرابیاں جو کہ سست لوگوں کی امداد کا نتیجہ ہوا کرتی ہیں' کلیسائے یروشلم میں بھی نمودار ہوگئیں' تاہم خیرات دینا قائم رہا اور وہ تمام عیسائی گرجوں اور کلیسا کی ایک مابہ الامتیاز خصوصیت بنی رہی۔

نئے عیسائی بھائیوں نے سینٹ پال کو اپنا دست راست برائے لیگا نگت پیش کیا تو یہ بات خاص طور پر طے ہوئی کہ غریبوں کا لحاظ رکھا جائے گا (خواہ وہ غیر عیسائی ہی کیوں نہ ہوں) یہ اصول وہ تھا جو کہ سینٹ پال خود بھی قائم رکھنا چاہتے تھے۔اسی مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے اور اس لئے یہودیوں اور غیر عیسائیوں کے لئے الگ الگ گرجاؤں کو منظم کیا اور خیرات کے چندوں کو جمع کیا گیا' اور اس یکجائی فنڈ کو یروشلم کے مذہبی خدام کے پاس پہونچانے کی خدمت خود سینٹ پال نے سنبھالی' اگر چہ اس کام میں دوسرے نمائندے بھی شامل رہے۔ہفتہ وار چندہ کا حکم جو کہ انہوں نے اس موقعہ پر نافذ فرمایا تھا' غالبًا ہفتہ وار چندے کی اس رسم کی بنیاد بن گیا جو کہ مختلف گرجاؤں میں آج بھی قائم ہے۔

خیرات دہی اور غریبوں پر رحم کرنے پر دوسرے عیسائی برگزیدہ رہبروں نے سینٹ پال سے کچھ کم زور نہیں دیا ہے' سینٹ جیمس نے پرزور الفاظ میں اس ظلم وتعدی کو بُرا کہا ہے جو کہ زوردار لوگ غریبوں پر کرتے رہتے ہیں' لیکن مذہبی خدمات کے قانون کو انہوں نے اس طرح اجمالی شکل دی ہے اصلی مذہب جس پر خدا اور باپ کی نظر میں کوئی دھبہ نہیں' وہ یہ ہے یتیموں اور بیواؤں کے پاس جانا' ہمدردی کرنا اور ان کے رنج وغم میں شریک ہونا اور اپنی ذات کو فخر ومباہات سے پاک رکھنا۔مکتوب بنام یہود کے مصنف نے اپنے مخاطبین کو مکتوب ختم کرتے ہوئے ایک عملی نصیحت ان الفاظ میں کی ہے
نیکی کرنا اور تقسیم (خیرات) کو فراموش نہ کرو' کیونکہ انہیں قربانیوں سے خدا بہت خوش ہوتا ہے۔نیز لکھا کہ:

سینٹ جان نے اس فرض (خیرات دہی) کو انتہائی روشن اور نمایاں طریقہ پر پیش کیا ہے' انہوں نے انسانی خدمت کو جذبہ حب اللہ پیدا ہوتا ہوا بتلایا ہے' وہ فرماتے ہیں جس کے پاس دنیا بھر کا سامان موجود ہے' لیکن وہ اپنے بھائی کو ضرورت مند دیکھتے ہوئے اس کے ساتھ رحم کرنے سے گریز کرتا ہے تو اللہ کی محبت اس میں کیسے قائم رہ سکتی ہے۔

اس طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ خود حضرت عیسی علیہ السلام کی تعلیم میں اور ان کے اولین پیروؤں کی تعلیم میں خیرات دہی اور غرباء کی امداد کو عیسائی زندگی کا بنیادی فرض سمجھا گیا ہے اور اس فرض کا فوری تعلق اس رشتہ سے ہے، جو کہ لوگ حضرت عیسی علیہ السلام کے واسطہ سے خدا کے ساتھ رکھتے ہیں اور اس رشتہ کے تسلیم کرنے کا فوری نتیجہ ہی (خیرات دہی اور نیکی) ہے (۱۰۷)۔متی میں لکھا ہے کہ:

''حضرت عیسیٰ نے خود اپنی طرف سے نیز اپنے رفیق کی طرف سے آدھے مثقال والی زکوٰۃ ادا کی (۱۰۸)۔''

خیرات کی اقسام:

بابل کی اسیری کے بعد خیرات جمع کرنے اور بانٹنے کا خاص انتظام کیا گیا۔ ہر شہر میں اس کام کے لئے تین اشخاص مقرر کئے گئے۔وہ دو قسم کی خیرات مستحق لوگوں میں بانٹتے تھے۔ا۔صندوق کی خیرات۔۲۔رکابی کی خیرات۔ ہر عبادت خانے میں ایک صندوق رکھا جاتا جس میں ہر سبت کو شہر کے غریب اور فقیروں کے لئے نقدی ڈالی جاتی۔ دوسری قسم کی خیرات میں ہر عبادت خانے میں ایک بڑی رکابی ہوتی تھی جس میں روزانہ کھانے کی مختلف اشیاء اور نقدی رکھدی جاتی (۱۰۹)۔

خداوند مسیح کے زمانے میں ہیکل میں عورتوں کے صحن میں تیرہ صندوقچے تھے اس میں محتاجوں کے لئے نقدی ڈالی جاتی تھی۔ خداوند مسیح نے خیرات کو دکھاوے سے پاک کیا۔ مسیح علیہ السلام کی تعلیم تھی کہ دینا لینے سے بہتر ہے اور مبارک ہے (۱۱۰)۔

پولس رسول نے بھی نصیحت کی کہ خدا خوشی سے دینے والے کو عزیز رکھتا ہے۔ خیرات نقدی وغیرہ کی مقدار پر نہیں بلکہ اس میں نیت جانچی جاتی ہے۔ سچے دل سے خیرات خدا کے حضور پہنچتی ہے اور یہ ضرورت کے مطابق بانٹی جاتی تھی۔ ابتداء کلیسا میں خیرات بانٹنے کا خاص انتظام کیا گیا اور عمر رسیدہ بیواؤں کی ایک جماعت کے سپرد یہ کام کیا گیا تھا۔ عیسائی مذہب میں خیرات کے احکام جاننے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ خیرات دینے کو پسندیدہ اور عیسی علیہ السلام کی تعلیمات کا بہترین جز قرار دیا جاسکتا ہے۔ نیز عیسی علیہ السلام کی تعلیم کے مطابق اس میں ریاکاری سے پرہیز ضروری ہے ورنہ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔

عیسائیت میں روزہ کی حقیقت

عیسائیوں میں روزہ کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی تفصیل اور تشریح کچھ دشوار طلب ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ مسیحی شریعت فقہ اور احکام کے لحاظ سے دوسرے مذاہب سے پیچھے ہے' اس کے احکام وقوانین زمانہ کے ساتھ اور سیاسی واجتماعی عوامل کے اثر سے اکثر بدلتے رہے ہیں' اس لئے اس پر شریعت الٰہیہ کے لفظ کا اطلاق بہت مشکل ہے' تاہم اس کا مختصر خاکہ یہاں پیش کیا جارہا ہے' اس سے ان تغیرات کا بھی اندازہ ہوگا جو مختلف اوقات میں اس پر برابر ہوتے رہے۔

حضرت مسیح نے اپنی نبوت کے آغاز سے قبل ۴۰ دن روزہ رکھا تھا' وہ کفارہ کا روزہ تھا جو موسوی شریعت میں فرض کے درجہ میں ہے' وہ اس کو اسی طرح پابندی یک ساتھ رکھتے تھے جو کوئی مخلص یہودی رکھ سکتا ہے' انہوں نے روزہ کے کچھ احکام اپنے پیچھے نہیں چھوڑے' انہوں نے صرف اس کے اصول وکلیات بیان کیے اور اس کی تشریح وتطبیق کلیسا پر چھوڑ دی' چنانچہ عیسائیت میں کوئی شخص یہ دعوی نہیں کرسکتا کہ روزہ کے احکام وقوانین خود اس کے نکالے ہوئے ہیں' مسیحی مصادر میں ''پولس'' کے روزہ کا ذکر ملتا ہے' اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ پہلے زمانہ کے وہ عیسائی جو یہودی النسل تھے کفارہ کا روزہ برابر رکھتے تھے' لوقا نے اس کا خاص اہمیت سے ذکر کیا ہے' لیکن وہ عیسائی جو دوسرے اصولوں کی طرف اپنا انتساب کرتے ہیں' اس پر زور نہیں دیتے۔ پولس کے انتقال کے ڈیڑھ سو سال بعد لوگوں میں روزہ کے قوانین کو ضبط میں لانے کی شدید خواہش پیدا

ہوئی۔بہت سے راہب اور کلیسا کے ذمہ دار جنسی ترغیبات کے مقابلہ کے لئے بھی روزہ کی تلقین کرتے تھے(۱۱۱)۔

اقسام روزہ:

عیسائیت میں روزے کی مختلف اقسام کا ذکر عہد نامہ جدید میں ملتا ہے جس کا مختصر تذکرہ ذیل میں کیا جارہا ہے۔
''ارینیس'' کا روزہ کے اقسام کے متعلق یہ بیان ہے کہ روزہ ایک دن کا بھی ہوتا تھا اور دو دن کا بھی اور مسلسل ۴۰ گھنٹے کا بھی۔یہ صورت حال مدتوں برقرار رہی''۔

'دکھوں اور صلیب کے جمعہ' کا روزہ

دکھوں اور صلیب کے جمعہ کا روزہ ایک عوامی اور مقبول روزہ تھا جو دوسری صدی مسیح میں بعض مما لک میں رائج تھا' اسی طرح جو لوگ بپتسمہ کے خواہشمند ہوتے تھے وہ بھی ایک دن یا دو دن کا روزہ رکھتے تھے اور اس میں بپتسمہ کرنے اور کرانے والے دونوں شریک ہوتے تھے۔

عیسائیت میں روزہ کے احکام:

یہودیوں کے یوم کفارہ کا ذکر نئے عہدنامے میں تھا۔بعض کٹر فریسی ہفتے میں دو دن پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتے تھے(۱۱۲)۔دوسرے خدا پرست یہودی اس سے بھی زیادہ روزے رکھتے تھے۔یسوع مسیح کے روزہ رکھنے کا ذکر صرف ان کے آزمائشوں کے سلسلے میں آتا ہے۔یہ روزہ ان کی بڑی خدمت کی تیاری میں تھا۔اسی طرح موسیٰ اور ایلیا نے بھی روزے رکھے(۱۱۳)۔

یسوع مسیح نے تسلیم کیا کہ ان کے پیرو کار روزہ رکھیں گے اور یہ تعلیم بھی دی کہ روزہ انسان کو دکھانے کے لئے نہیں بلکہ اللہ کے لئے رکھا جائے(۱۱۴)۔

جب ان سے پوچھا گیا کہ ان کے شاگرد روزہ کیوں نہیں رکھتے جبکہ یوحنا بپتسمہ دینے والے کے شاگرد اور فریسی روزہ رکھتے ہیں۔تو انہوں نے جواب دیا۔کہ کیا باراتی جب تک دلہا ان کے ساتھ ہیں روزہ رکھتے ہیں؟لیکن وہ وقت آئے گا جب وہ روزہ رکھیں گے(۱۱۵)۔

جب کتاب اعمال میں کلیسا کے ہادی برنباس اور ساول کو تبلیغ کی خدمت کے لئے الگ کر رہے تھے تو روزہ رکھا۔بزرگوں کو مقرر کرنے سے پہلے انہوں نے روزہ رکھا۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پولس رسول نے دو دفعہ روزہ رکھا۔لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ روزے فرض تھے یا اختیار ہے(۱۱۶)۔

عیسائیوں کے مختلف فرقوں میں روزہ کے طریقہ اور احکام کے معاملہ میں جزئی اختلافات بھی پائے جاتے ہیں۔روزہ کی تنظیم اور قانون سازی کا سب سے زیادہ کام دوسری اور پانچویں صدی (مسیح) کے درمیانی وقفہ میں انجام پایا' اس وقت کلیسا

نے بعض احکام اور ہدایات پر مشتمل ایک بیان شائع کیا، چوتھی صدی مسیحی میں روزہ میں تشدد اور سختی کا عنصر بہت بڑھ گیا اور اس سے توسع، نرمی اور لچک کی خاصیت جاتی رہی، ایسٹر (عید الفصح) سے قبل دو دن روزے کے لئے مخصوص کر دیئے گئے تھے، ان دنوں کا روزہ نصف شب کو ختم ہوتا تھا، بیماروں کو جوان دنوں میں روزہ رکھنے سے معذور تھے سنیچر کو روزہ رکھنے کی اجازت تھی۔ تیسری صدی مسیح میں روزے کے دن مقرر کئے گئے، روزہ کے اختتام پر بھی بہت اختلاف تھا، بعض لوگ مرغ کی بانگ پر روزہ افطار کرتے تھے اور بعض لوگ تاریکی اچھی طرح پھیل جانے پر۔

۴۰ دن کے روزہ کا کوئی سراغ چوتھی صدی مسیحی تک ہم کو نہیں ملتا۔ مختلف ممالک کی آب و ہوا، ماحول اور طرز زندگی بھی روزہ پر اثر انداز تھا، چنانچہ رومیوں کا روزہ ''اسکندریہ'' اور ''لامان'' کے روزہ سے مختلف ہوتا تھا، بعض لوگ جانوروں کے گوشت سے پرہیز کرتے تھے، بعض اس جائز سمجھتے تھے، کچھ لوگ صرف مچھلی اور پرندے کے گوشت پر اکتفا کرتے تھے، بعض لوگ انڈے اور پھلوں سے پرہیز کرتے تھے، کچھ صرف روکھی روٹی کھاتے تھے اور بعض لوگ ان سب چیزوں کو ناجائز سمجھتے تھے، بعد میں حضرت مسیح کی زندگی کے اہم واقعات اور مسیحی تاریخ کی روشنی میں مختلف روزے تجویز ہوئے جو مرورِ زمانہ کے ساتھ اپنی شکل بدلتے رہے اس کے علاوہ ملکوں کے اختلاف کے لحاظ سے روزے بھی زیادہ تر ایک دوسرے سے مختلف ہوتے تھے (۱۱۷)۔

عہد اصلاح کے بعد کلیسا نے روزے کے دن تو مقرر کئے لیکن روزہ کے آداب و احکام اور حدود وقوانین روزہ دار کے ضمیر اور احساس ذمہ داری پر چھوڑ دیئے گئے۔ البتہ ایڈورڈ ششم جیمس اول اور الزبتھ کے عہد میں انگلستان کی پارلیمنٹ نے روزہ کے دنوں میں گوشت خوری ممنوع قرار دیدی اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ مچھلیوں کے شکار اور بحری تجارت کی ہمت افزائی اور اس سے نفع اندوزی ضروری ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب اللہ تعالٰی نے روزہ کا حکم نازل فرمایا اور مسلمانوں پر اس کو فرض کیا تو یہ ارشاد فرمایا:

﴿يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (۱۱۸)۔

ترجمہ: اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسا کہ اُن لوگوں پر فرض کیے گئے تھے جو تم سے قبل ہوئے ہیں تا کہ تم متقی بن جاؤ۔

عیسائیت میں حج کا تصور:

عیسائیوں کے حج و زیارت کے متعلق Encyclopedia of Religion and Ethics میں درج ہے کہ:

حج ایسے سفر کو کہتے ہیں جو متبرک مقامات کی زیارت کے لئے کیا جائے، مثلاً ہمارے آقا (حضرت عیسٰی علیہ السلام) کی دنیوی زندگی کے مناظر فلسطین میں یا رہنمایان مذہب کے آستانے روما میں یا خدا رسیدہ درویشوں اور شہداء کے متبرک مقامات (آستانے) (۱۱۹)۔

عیسائیوں کی نسل اول نے متاخرین کے مقابلہ میں حضرت عیسی علیہ السلام (نجات دہندہ) کی زندگی کے راستوں پر چلنے (ان کی زندگی سے متعلق مقامات کو دیکھنے) کی ضرورت کو زیادہ محسوس نہیں کیا' تیسری صدی (عیسوی) سے یقیناً متبرک مقامات کی زیارت ہونے لگی' بہت سے عیسائیوں کو اپنے آقائے نامدار حضرت عیسی علیہ السلام کے بیتابانہ ذوق (حق جوئی) اور دفن کیے جانے کے بعد قبر سے نمودار ہونے سے متعلق مقامات سے کہیں زیادہ دلچسپی رہی ہے' بمقابلہ ان کی تعلیمات نبوی کے۔

تیرہویں صدی سے ارض مقدس کے مقابلہ میں روما کی زیارتیں زیادہ بڑھتی گئیں' اگر چہ ارض مقدس کی زیارت کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ بیت المقدس کے بعد روما (Rome) ہی وہ شہر تھا جہاں زیادہ سے زیادہ زائرین پہنچتے تھے' جن اسباب نے پاپائیت کو عروج بخشا انہیں نے روما کو ایک زیارت کا مقام بنادیا' بالخصوص سینٹ پیٹر اور سینٹ پال کی قبروں نے تو اس کو وہ عظمت بخشی کہ یہ رومن کیتھولک عیسائیوں کا مجمع بن گیا اور وہ وہاں بکثرت جمع ہونے لگے' (Catacost) جو کہ شہداء کی ہڈیوں کے باعث متبرک مقام بن گیا ہے' زائرین کی دلچسپی کا خصوصی مرکز ہے' زائرین نے روما کی زیارت کبھی ترک نہیں کی' گرجاؤں اور متبرک یادگاروں کی کثرت نے اس کو متواتر ایک خصوصی توجہ کا مرکز رکھا ہے۔ یہودیوں کے مقابلہ میں عیسائیوں کی زیادہ تعداد ارض مقدس کی زیارت کرتی ہے۔ یہ صرف چند زیارت گاہوں اور متبرک مقامات کا ذکر تھا' نہ صرف فلسطین بلکہ ان تمام جگہوں پر جہاں یہودی اور عیسائی آباد ہیں' ان قبروں' آستانوں کی اس قدر کثرت ہے کہ آدمی گھبرا جاتا ہے اور اس کی طبیعت اکتانے لگتی ہے (۱۲۰)۔

انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس اور جیوئش انسائیکلو پیڈیا میں لکھا ہے کہ

''حج وزیارت'' کے مقالہ نگاروں نے ان تمام درویشوں اور اولیاء کے آستانوں اور قبروں کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے یورپ و ایشیا میں ایسی جتنی درسگاہیں ہیں ان کی فہرست پیش کردی ہے، انہوں نے ان دونوں کا بھی ذکر کیا ہے جو زیارت کے لئے مقرر تھے۔ نیز ان رسوم و عادات اور طور طریقوں کی تفصیل بھی بیان کی ہے جو ان تیوہاروں اور متبرک مقامات کے لئے ضروری سمجھے جاتے تھے (۱۲۱)۔ ''

بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ الہامی مذاہب میں یہودیوں اور عیسائیوں میں بھی عبادات کا تصور بالکل ویسے ہی پایا جاتا جیسے اسلام میں، فرق بس ان کے تصورات میں پایا جاتا ہے لیکن مشترک چیز بس یہی ہے کہ زیارات مقدسہ اور وہاں خدا کی عبادت اور اس کے انبیاء کی پیروی کر کے ان طریقوں پر عمل کی کوشش کی جاتی ہے۔

مبحث سوم: اسلام میں عبادات کا تصور، اہمیت، مقاصد اور اقسام

اسلام کا تصور عبادت:

اسلام کا تصور عبادت یہ ہے کہ انسان کا اپنی پوری زندگی میں ہر قدم خدا کی بندگی کی راہ میں اٹھے۔زندگی اسی کی بندگی میں بسر ہو۔وہ اپنے آپ کو دائمی اور ہمہ وقت ملازم سمجھے۔اس کی زندگی کا کوئی لمحہ بھی خدا کی عبادت سے خالی نہ ہو اس دنیا میں انسان جو کچھ بھی کرے اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق کرے۔زندگی کے ہر پہلو میں اللہ کے قانون کی پیروی کرے اور اس کا ارادہ متزلزل نہ ہو۔عبادت اللہ کے احکامات کی پیروی کا نام ہے اور اس کا مقصد رضائے الٰہی اور تقرب إلی اللہ ہے۔

انسان کی زندگی کو عبادت میں تبدیل کرنے کے لئے سب سے زیادہ جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ اس کے ذہن میں یہ بات ہر وقت زندہ اور کارفرما ہے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے۔دنیا میں سب کچھ بندہ ہونے کی حیثیت سے کرنا ہے۔اس شعور کو بار بار ابھارنے اور تازہ کرنے اور کارفرما رکھنے کے لئے صرف یہی کافی نہیں کہ آدمی خدا کی خدائی کا زبان سے اقرار کرلیا محض ایک علمی فارمولا کی حیثیت سے اس کو سمجھ لے بلکہ اس کے لئے ناگزیر ہے کہ اسے بار بار ابھارا جائے اور تازہ رکھا جائے یہی کام ہے جو نماز کرتی ہے۔انسان جب کاموں میں مصروف ہوتا ہے تو احساس بندگی کا نقش دھندلا ہو جاتا ہے تو اسے تازہ کردے۔اس طرح نماز کے ذریعے انسان کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ تم اللہ کے بندے ہو(۱۲۲)۔

انسان میں دو پہلو ہیں ایک مادیت وبہمیت کا اور دوسرا روحانیت اور ملکوتیت کا۔اور اس کا اپنے پیدا کرنے والے (خالق) کے ساتھ خاص تعلق روحانی پہلو سے اور یہی پہلو اصلی اور قیمتی پہلو ہے جس کی وجہ سے انسان اشرف المخلوقات ہے۔دنیا میں انسان جو کھاتا پیتا ہے اور اس قسم کی اپنی دوسری خواہش پوری کرتا ہے اُس سب کا تعلق اُس کے بہیمی اور مادی پہلو سے ہے جو انسان میں اس سفلی عالم کا حصہ ہے اور جس میں دوسرے حیوانات بھی انسان کے ساتھ شریک ہیں۔اس طرح کے دوسرے کاموں سے براہ راست اس مادی وبہیمی پہلو کا نشو ونما ہوتا ہے۔روحانی پہلو جو انسان میں عالم ملکوت کا حصہ ہے اور

جس کی وجہ سے وہ دوسرے حیوانات سے ممتاز ہوتا ہے اس کی ترقی اوراس کےنشوونما کا ذریعہ عبادات ہیں۔عبادات کے ذریعےانسان ملاءاعلیٰ سے ایک خاص مناسبت اورربط پیدا کرتا ہے۔گویا عبادات کرنے والےانسان کی روح فرشتوں کی اور عبادت نہ کرنے والےانسان کی ترقی یافتہ بولتا جانور بلکہ دوسرے جانوروں سے بدتر اس زمین پر چلتا ہےاوراس کا مادہ اگر چہ اس عالم سفلی کا ہےلیکن اس کی روح ملاءاعلیٰ کی ہےاس کو اپنے پیدا کرنے والے سے خاص ربط ہے۔

بہرحال انسان کے روحانی وملکوتی پہلو کی نشوونما عبادت ہی سے ہوتی ہے اورعبادت ہی عالم ملکوت اور ملاءاعلیٰ سے ربط ومناسبت پیدا کرنے کا خاص ذریعہ ہے۔عبادات کے علاوہ دین کے جو دوسرے احکام ہیں اگر چہ ان سب کی تعمیل میں بھی اجروثواب ہےاوراخلاق میں بھی اجروثواب ہے۔اگراللہ کے احکامات کی تعمیل کے مطابق کیا جائے۔لیکن ملاءاعلیٰ سے ربط اورمناسبت پیدا کرنے کی جوتاثیراورانسان کے روحانی اورملکوتی پہلو کی ترقی اورتکمیل کی جوخاصیت عبادات میں ہےوہ کسی دوسرے عمل میں نہیں ہے۔

اسکی وجہ یہ ہے کوکہ دوسرے تمام اعمال اگر چہ وہ اللہ کے حکم کے مطابق کئے جائیں اورہماری نیت بھی حکم الٰہی کی تعمیل کی اوررضاءالٰہی حاصل کرنے کی ہولیکن ان کا تعلق مخلوق سے بھی ہوتا ہے مثلاً اخلاق، معاملات، معاشرت، سیاست، حکومت، تعلیم وتعلم، امر بالمعروف ونہی عن المنکر ان سب اعمال کا رخ مخلوق کی طرف ہے۔خالق کے ساتھ اُن کا تعلق صرف اتنا ہے کہ یہ بھی اس کے احکام ہیں لیکن عبادات کا تعلق براہ راست معبود سے ہےاوراس میں بندے کا رخ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہوتا ہے غیر کی اس میں لگاوٹ نہیں یہی عبادات کا امتیاز ہےاوردین میں عبادات پرزیادہ زوراس لئے دیا گیا ہے(۱۲۳)۔

عبادت کے معنی انتہائی عجز اورتذلل کے ہیں امام راغب لکھتے ہیں

''عبودیت کے معنی اظہارفروتنی کے ہیں اورعبادت کے معنی اس سے بھی ایک درجہ آگے یعنی غایت درجہ فروتنی کے ہیں اس کی مستحق صرف وہ ذات ہےجس کی مہربانیاں بےپایاں ہیں(۱۲۴)۔

﴿اَنْ لا تَعْبُدُوا اِلاَّ اللّٰہ﴾ (۱۲۵)۔

ترجمہ: کہ تم لوگ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔

امام راغب کے مطابق عبادت دوطرح کی ہوتی ہے۔ایک عبادت بالتسخیر اوردوسری عبادت بالاختیار۔

اول الذکرعبادت سے مرادوہ عبادت جس کا صدوراز روئے فطرت اوروجدان ہوتا ہے۔اورثانی الذکراختیاری ہے مثلا عبادات شرعیہ۔

عبادت کے عام معنی پرستش کے ہیں۔جوکسی بھی شے کی ہوسکتی ہے۔مثلاآگ، پانی، سورج وغیرہ۔لیکن اصل عبادت اللہ کی ہے اوروہی حقیقی ہے۔اسی کی طرف قرآن بلاتا ہے۔عبادت کی ایک عمومی غیررسمی شکل دعا ہے لیکن شریعت کی طرف سے نافذ

عبادات میں نماز کو اپنی رسمی شکل میں نہایت اہم مقام حاصل ہے۔عبادت میں خشوع وخضوع پر زیادہ زور دیا گیا ہے جس سے رب کی عظمت اور عبد کے تذلل کا اظہار ہوتا ہے۔نمازی کے متعلق حکم ہے کہ اللہ کے حضور اس طرح کھڑے ہو کہ گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے۔اور اگر یہ حالت نہ تو گویا وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

عبادات کا اہم مقام اخلاص ہے۔عبادات میں خدا سے استعانت کا ایک احتیاجی پہلو بھی آتا ہے۔کیونکہ بے بسی سے چھٹکارا پانے کے لئے انسان اپنے رب کو پکارتا ہے۔شاہ ولی اللہ کے مطابق عبادت رب العالمین کا اس کے بے پایہ انعام کی وجہ سے بندے پر حق ہے۔اور یہ امر فطری طور سے بندے کے وجدان میں موجود ہے۔عبادت اور دعا کے قائل نہ ہونے والے ناامید اور مایوس ہو جاتے ہیں۔عبادت اس آرزو کی عملی کوشش کا نام ہے جو انسانی قلب میں روحانی مقامات کی برتری اور حصول کے لئے موجود رہتی ہے۔اس کا ایک رخ داخلی اور قلبی ہے، دوسرا خارجی، جسمانی اور مجلسی۔

ان دونوں کے متعلق مفصل احکام باطن کو ٹھیک کرنے کے لئے عملاً اس کا مظاہرہ انسان باطنی طہارت سے حاصل کرتا ہے۔ اور اپنے افعال کے ذریعے اپنے اندر اوصاف پیدا کرتا ہے۔داخلی عبادت کے بغیر ظاہری رخ ناقص ہے۔اس لئے اسلام اندرونی اور بیرونی پاکیزگی کے لئے عبادت کے مختلف طریقے بتاتا ہے(۱۲۶)۔

لسان العرب میں ہے:

عبادت کے معنی اطاعت کے ہیں۔عبد الطاغوت یعنی اس نے طاغوت کی اطاعت کی اور اسی معنی میں اللہ تعالی کا قول ہے ﴿إِيَّاكَ نعبد﴾۔لغت میں عبادت کے معنی اطاعت مع الخضوع ہیں۔چنانچہ وہ راستہ جو آمد و رفت کی کثرت سے پامال ہو گیا ہو طریق معبد کہلاتا ہے(۱۲۷)۔

عقائد کے بعد اسلام میں جس چیز کی سب سے زیادہ اہمیت ہے وہ عبادات ہیں جو انسانوں کی پیدائش کا اولین مقصد اور غرض وغایت ہیں۔﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾(۱۲۸)۔

ترجمہ: اور ہم نے جن وانس کو صرف اس لئے پیدا کیا کہ وہ عبادت کریں۔

تمام آسمانی شریعتوں نے ان کو مشروع قرار دیا ہے اور تمام آسمانی مذاہب نے اپنے اپنے دور میں ان کی دعوت دی ہے اور شریعت اسلامی نے سب سے زیادہ کامل و مکمل شکل میں ان کو پیش کیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کو ان کا ایسا اہتمام اور ان سے ایسا عشق و شفقت کا جو احاطہ بیان سے باہر ہے بیسوں آیتیں اور سینکڑوں احادیث ان کے بارے میں ترغیب و تحریض اور ان کے فضائل میں وارد ہوئی ان میں مسابقت و تنافس اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی ترغیب دی ہے۔ان کی کثرت کرنے والوں اور ان کا اہتمام کرنے والوں کا مقام مدح میں ذکر کیا گیا ہے۔اور ان سے غفلت برتنے والوں کی مذمت کی گئی ہے(۱۲۹)۔

دین کے مظاہر (عبادات) زندگی کی پوری مدت کو ایک تقدس کا رنگ دیتے ہیں۔ اسلام میں عبادات سے تمام روحانی مقاصد پورے ہو جاتے ہیں۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے۔ ایمان پر عمل ہی ایمان کو تعزیز فراہم کرتا ہے۔ اس کی بقا اور اثر آخرین کا ضامن بھی۔ اعمال صالحہ پر مداومت انسان کی روحانیت کو تسکین دیتی ہے۔ اگر انسان ٦ دن راہبانہ زندگی اور ایک دن اپنے لئے اختیار کرے تو توازن ختم ہو جائے گا۔ یا کسی ایک طرف متوجہ ہونا بھی مصیبتوں کا باعث ہوتی ہے۔ یہ اسکی قوت ارادی اور راست بازی کی آزمائش ہے۔ اس میں انسان کو کامیاب بنانے کے لئے اور اسے امداد پہنچانے کے لئے اسلام اعمال صالح اور عبادات کا جامع نظام فراہم کرتا ہے (١٣٠)۔

اسلام میں دین کا مفہوم دوسرے مذاہب کے مقابلے میں بہت وسیع ہے۔ ہر وہ مطلوب عمل جو رضائے الٰہی کے لئے ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے کیا جائے، دین کہلاتا ہے۔ خواہ اس عمل کا تعلق دنیوی امور بشری حاجتوں یا معاشی ضرورتوں ہی سے کیوں نہ ہو لیکن خاص مشروع عبادات اور ارکان و فرائض دین جیسے نماز، زکوۃ، روزہ حج، کا ایک بلند مقام اور ان کی بڑی اہمیت ہے۔ ان اعمال اور دوسرے تمام اعمال کے ذریعے انسان اجر و ثواب کا طالب ہوتا ہے ان کو برابر قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ یہ دین کی بنیادیں ہیں اسلئے کہ یہ فرائض کے زمرے میں آتے ہیں۔ عبادت معنی نہایت تعظیم، اصطلاحی معنی میں اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق اس کی تعظیم کا عملی اظہار ہے۔ عبادت کا زیادہ تر تعلق بدن سے ہے یعنی رجوع دل کے ساتھ عملی طور پر اللہ تعالیٰ کی تعظیم۔ عبادت کے تین مراتب ہیں:

١۔ ثواب کی امید اور عتاب کے خوف سے رب کی عبادت کرے۔

٢۔ ثواب کے لئے عبادت کرے۔ لیکن مرتبہ اخلاص سے باہر نہ نکلے۔

٣۔ عبدیت کا مقام اشرف حاصل کرنے کے لئے عبادت کرے اور اس کے علاوہ کوئی اور طلب نہ ہو (١٣١)۔

عبادات دین اور شریعت کی ایک خاص اصطلاح ہے۔ کسی ہستی کو غیبی طور پر نفع و ضرر کا مختار اور حاجت روا سمجھ کر اُسے راضی اور خوش کرنے کے لئے اور اس کا تقرب حاصل کرنے کے لئے جو تعبدی و تعظیمی کام کیے جاتے ہیں جیسے سجدہ، طواف، نذر قربانی اور اس کے نام کی وظیفہ خوانی وغیرہ تو ایسے اعمال کو دین کی اصطلاح میں عبادت کہتے ہیں اور یہ عبادت صرف اللہ کا حق ہے (١٣٢)۔

عبادت منطقی طور پر خدا کے تصور سے پیدا ہوتی ہے، جو کائنات کا روح رواں اور نور ہے۔ ہر وہ چیز جو وجود رکھتی ہے، وہ اسی کے توسط سے زندہ ہے۔ اگر زندگی کوئی مقصد و غایت رکھتی ہے، جس کا ماخذ وجود حقیقی ہو تو پھر اس مقصد سے آگاہی ضروری ہے تا کہ اس کے مطابق زندگی ڈھالی جا سکے۔ عبادت دراصل روحانی نظام کی زندگی سے تعلق رکھتی ہے۔ جو ایسے افراد کی اعانت کرتا ہے اور زندگی بخشتا ہے جو اپنا حیاتی رشتہ مرکزی تخلیقی محرک کے ساتھ برقرار رکھنے کی جدوجہد کرتے ہیں درخت سے تعلق توڑنے والی شاخ مرجھا جاتی ہے بالکل ایسے ہی ہم بحیثیت

ارواح کے پژمردہ ہوجاتے ہیں اس صورت میں جب ہم اپنا تعلق شجر حیات (رب) سے توڑلیں یعنی منقطع کرلیں۔عبادت خدا کے ساتھ ہماری یگانگت کا احساس ہے،اور اس احساس سے ہم حقیقی غذا پاتے ہیں (۱۳۳)۔

عبادت ایک کیفیت ہے جس میں ایک محدود غیر محدود سے ربط پیدا کرتا ہے انسان جہاں سے نور اور حیات پاتا ہے اسے اپنے وظائف ٹھیک طرح سے ادا کرنے کے لئے اپنا رشتہ روح کائنات سے جوڑنا پڑے گا۔جس طرح سے مذہبی خیالات اور کیفیات ادنیٰ سے اعلیٰ تک مختلف ہوتے ہیں،اسی طرح ایک انسان کی عبادت دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔عبادت کی نوعیت کا انحصار بالآخر خدا کے تصور پر ہوتا ہے،جس کی وہ عبادت کرتا ہے تمام حقیقی عبادات اپنی اور دوسروں کی روحانی کیفیت کو ترقی دینے کے لئے ہیں عبادت دراصل اپنی اعلیٰ وارفع حیثیت میں دعا ہے نور (صراط مستقیم پر ہدایت کیلئے) اور حیات کے لئے اور منزل مقصود صحیح ہدایت اور درست زندگی کی سمت سرفرازیوں کے حصول کے لئے جیسے نماز خیر اعلیٰ کا حصول اور فلاح کا ذریعہ ہے اسی لئے عبادت استکمال نفس کا ایک زبردست ذریعہ ہے۔

عربی زبان میں عبادت کے ایک معنٰی اطاعت وفرمانبرداری کے بھی ہیں۔اصطلاحی معنٰی میں عبادت یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی بھی عبادت جائز نہیں بلکہ مطلقاً شرک عظیم ہے۔لیکن اطاعت مخلوق کی بھی جائز ہے مثلاً بعض اطاعتوں کا اللہ تعالیٰ نے خود حکم دیا مثلاً رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم اور اولوالأمر کی اطاعت اسطرح اولاد کو ماں باپ کی اور بیوی کو شوہر کی خدمت واطاعت کا حکم ہے۔

طریق عبادت:

اسلام کا طریق عبادت اولاً اس کے اجتماعی مذہب ہونے کو ظاہر کرتا ہے اس کا ہر حکم بلاواسطہ یا بالواسطہ معاشرہ سے تعلق رکھتا ہے۔اس میں رہبانیت نہیں ہے۔عبادت مقصود بالذات نہیں ہے بلکہ شخصی اور اجتماعی اصلاح وترقی کا ذریعہ ہے۔

عبادت کا دائرہ کار:

اس خطہ ارضی میں انسان کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کرے جس نے اسے پیدا فرمایا اور اسے ٹھیک ٹھاک بنایا اور ظاہری وباطنی نعمتوں سے نوازا۔ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کیسے کریں؟

جب اللہ نے ہمیں اس لئے پیدا فرمایا ہے کہ ہم اس کی عبادت کریں یعنی ہم نہایت خضوع کے ساتھ اور انتہائی محبت کے ساتھ اس کی اطاعت کریں تو یہ اطاعت کس چیز میں ہو،خضوع ومحبت والی اطاعت؟ اور کس دائرہ کار میں اس کا ہونا واجب ہے؟ اس سوال کے جواب سے ہمیں عظیم حقیقت کی وضاحت ہوگی۔اور وہ ہے کہ اسلام میں عبادت کی حقیقت اور اس کی آفاقی وسعت کا احاطہ۔اور اس احاطہ کے دو مظاہر ہیں:

اول: پورے دین اور پوری زندگی کا احاطہ۔ ثانی: پورے انسان کی ہستی اور اس کے ظاہر و باطن کا احاطہ۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

عبادت اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اور اس کی مرضیات پر مبنی ظاہری و باطنی اقوال و اعمال پر مشتمل جامع اصطلاح ہے۔لہٰذا نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، راست گفتاری، ادائیگی امانت، والدین سے حسن سلوک، صلہ رحمی، وعدہ ایفائی، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، کفار و منافقین سے جہاد۔نیز پڑوسی، یتیم، مسکین، مسافر، زیر دستوں اور چوپایوں کے ساتھ نیکی، اللہ تعالیٰ سے دعا، اس کا ذکر اور قراءتِ قرآن جیسی چیزیں عبادت ہیں۔اور اسی طرح سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت، اللہ کی خشیت، اس کی طرف رجوع، اس کے دین کے لئے اخلاص، اس کے فیصلہ پر صبر، اس کی نعمتوں پر شکر، اس کی قضا پر رضا، اس پر توکل، اس کی رحمت کی امید، اس کے عذاب کا خوف اور

اس طرح کے اوصاف اللہ تعالیٰ کی عبادت میں سے ہیں (۱۳۴)۔

اس طرح سے ہم عبادت کے لئے وسیع افق اور وسیع دائرہ پاتے ہیں۔وہ نماز، روزہ، حج کے شعائری فرائض وارکان پر مشتمل ہے۔اور وہ ارکان کے علاوہ نفلی عبادات، ذکر، تلاوت، دعا اور استغفار نیز تسبیح، تہلیل، تکبیر اور تحمید پر مشتمل ہے۔اور وہ معاملات میں راست بازی، حقوق العباد کی ادائیگی، والدین کی توقیر، صلہ رحمی اور یتیم، مسکین اور مسافر کے ساتھ حسن سلوک، کمزوروں کے ساتھ رحم دلی اور حیوانات کے ساتھ نرمی پر مشتمل ہے۔اور وہ جملہ انسانی فضائل اور عمدہ اخلاق، راست بازی، ادائیگی امانت، وعدہ وفائی وغیرہ اخلاقی فضائل پر مشتمل ہے۔

دین پورے کا پورا عبادت ہے۔یہ انسانی زندگی کے ظاہر و باطن کے خطوط متعین کرتا ہے اور منہج الٰہی کی رہنمائی کے مطابق اس کے کردار اور تعلقات کی حدود متعین کرتا ہے۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کی عبادت پوری انسانی زندگی پر محیط ہے اور بلا استثناء اس کے جملہ معاملات یعنی کھانے پینے کے آداب، قضائے حاجت، تشکیل ریاست، عدالتی نظام، معاشی اصول، لین دین، معاملات، جرائم کی روک تھام، جزاء و سزا اور جنگ و امن میں بین الاقوامی تعلقات وغیرہ کو شامل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ عبادت، جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا ہے اور جسے اس نے انسانی زندگی کا مقصد قرار دیا ہے۔وہ انسان کے جملہ معاملات پر مشتمل ہے اور اس کی پوری کی پوری زندگی پر محیط ہے۔عبادت اللہ کے دین و شریعت کی اطاعت اور پیروی سے عبارت ہے انسان سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اعتقادات، اقوال اور اعمال، جملہ امور میں اللہ تعالیٰ کی پسند اور مرضیات کی اطاعت و پیروی کرے اور اپنی زندگی اور طرز زندگی کو اللہ تعالیٰ کی ہدایت و شریعت کے مطابق ڈھالے۔ جب اللہ تعالیٰ اسے کرنے کا کوئی حکم دے یا کسی کام سے منع کرے، یا کوئی چیز اس کے لئے حلال کرے یا اس پر کوئی چیز حرام کردے تو اس سب کچھ میں اس کا موقف ﴿سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ﴾ (۱۳۵) ہونا چاہیے۔

ترجمہ: ہم نے حکم سنا' ہم نے اطاعت قبول کی' مالک! ہم تجھ سے خطا بخشی کے طالب ہیں اور ہمیں تیری ہی طرف پلٹنا ہے۔

لہٰذا مؤمن اور غیر مؤمن میں فرق یہ ہے کہ مؤمن اپنی ذات اور دیگر مخلوقات کی عبادت سے صرف نظر کرتے ہوئے اپنے رب کی عبادت اختیار کرتا ہے اور اپنی خواہش نفس کی نہیں اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔ مؤمن آزاد نہیں ہے کہ جو اس کا جی چاہے کرے یا مخلوق میں سے کسی کی خواہش کی پیروی کرے۔ وہ تو پابند ہے ایک عہد کا کہ اسے پورا کرے' اور ایک میثاق کا کہ اس کا احترام کرے' اور ایک منہاج کا کہ اس کا اتباع کرے۔

اسی بارے میں قرآن حکیم فرماتا ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾(۱۳۶)۔

ترجمہ: کسی مؤمن مرد اور کسی مؤمن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول ﷺ کسی معاملے کا فیصلہ کر دے تو پھر اسے اپنے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔

نیز فرمایا:

﴿اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾(۱۳۷)۔

ترجمہ: ایمان والوں کا کام تو یہ ہے کہ جب وہ اللہ اور رسول ﷺ کی طرف بلائے جائیں تا کہ رسول ﷺ ان کے مقدمے کا فیصلہ کرے تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

عبادات کی اہمیت:

جس طرح امہات العقائد کو دوسرے عقائد کے لحاظ سے خصوصی اہمیت حاصل ہے اسی طرح شریعت کے دوسرے شعبوں کے مقابلے میں عبادات کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ عبد و معبود کا تعلق دوسری سب چیزوں کی بہ نسبت عبادات سے زیادہ ظاہر ہوتا ہے اور زندگی کے دوسرے شعبوں کی اصلاح اور درستی میں بھی عبادات کو خاص دخل ہے۔ عبادات سے مراد خاص وہ اعمال ہیں جو بندہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور اُس کے سامنے اپنی عاجزی' بے چارگی' بے بسی اور بندگی ظاہر کرنے کے لئے کرتا ہے۔ اس سے اس کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کا تقرب حاصل کرنا ہوتا ہے۔ عربی میں ان عبادات کو "قُربات" بھی کہتے ہیں۔

جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقات، ذکر و تلاوت، قربانی جیسے تعبدی اعمال جو صرف اللہ کی رضا حاصل کرنے کیلئے اور اپنے روحانی پہلو کی درستی اور ترقی کے لئے کئے جاتے ہیں اور وہ صرف عبد و معبود کے تعلق کو ظاہر کرتے ہیں۔

عبادات کے مقاصد:

اسلام کی رو سے عبادت کے کونا کوں مقاصد ہیں یہ عالم غیب سے تعلق قائم کرتی ہے، جو خیر کی لامحدود قوت ہے، جو پیدا کرتی ہے اور تمام موجودات کی پرداخت کرتی ہے یہ عبادت کا سب سے بڑھ کر مقصد ہے اس تعلق باللہ سے تزکیہ نفس و قلب ہوتا ہے یہ ہمارے جذبات کو روحانی اور اخلاقی بناتا ہے مثلاً نماز بے حیائی و منکرات سے روکتی ہے خدا کا ذکر ایک بڑی قوت ہے۔

عبادت کا ایک تعلق معبود سے ہے اور ایک عبد سے ہے۔ یہ بات تو صاف ظاہر ہے کہ ہماری عبادات سے معبود کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اور اس کی شان میں ذرہ برابر اضافہ نہیں ہوتا ایک حدیث قدسی میں ہے:

((۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔یا عِبادی إنکم لن تَبْلُغُوا ضُرِّی فَتَضُرُّوْنِی ' ولن تبلغوا نفعی فتنفعونی یا عبادی لو أنَّ أولَکم وآخرَکم وإنسَکم وَجِنَّکم کانوا علی أتقی قلب رجل واحد منکم.. فی ملکی شیئاً ' یا عبادی لو أنَّ أولَکم وآخرکم وإنسکم وجِنَّکم ... من ملکی شیئاً ' یا عبادی لو أنَّ أولَکم وآخرَکُم وإنْسَکم وجِنَّکم قاموا فی صعید واحد ..... یا عبادی إنما هی أعمالُکم أحصیها لکم ثم أُوفیکم إیَّاها فمن وجد خیرا فَلْیَحْمَدِ اللّٰہ' ومن وجد غیر ذلک فلا یَلُومنَّ إلا نَفْسَه))(۱۳۸)۔

ترجمہ: ۔۔۔۔۔میرے بندو نہ تو تم مجھے نقصان پہنچا سکتے ہو اور نہ فائدہ۔ میرے بندو اگر تمہارے پچھلے اور اگلے انس و جن سب کے سب متقی بن جائے تو اس سے میری بادشاہت میں ذرا برابر اضافہ نہیں ہوگا اور اگر تمہارے پچھلے اور اگلے انس اور جن سب کے سب فاجر بن جائے تو اس سے ذرا برابر میری بادشاہت میں کمی نہیں ہوگی۔ میرے بندو اگر تمہارے پچھلے اور اگلے انس اور جن سب کے سب ایک کھلے میدان میں کھڑے ہو جائیں اور مجھ سے مانگیں اور میں ہر ایک کو عطا بھی کروں تب بھی میرے خزانوں میں اتنی کمی نہیں آئی گی جتنی کمی سمندر میں سوئی ڈبو کر نکالنے سے آتی ہے۔ میرے بندو یہ تمہارے اعمال ہیں جنکو میں تمہارے لئے محفوظ کرتا ہوں پھر تمہیں پورا پورا بدلہ دیتا ہوں پس جس نے بدلہ اچھا پایا وہ اللہ کا شکر ادا کرے اور جس نے برا پایا تو وہ اپنے سوا کسی اور کو ملامت نہ کرے۔

دراصل ہماری عبادات ہمارے فائدے کی تکمیل کے لئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں عبادت کا حکم صرف اسی لئے دیا کہ اس کے ذریعے ہم ترقی کریں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کو بڑھائیں اور اس کی خاص رضا و رحمت کے مستحق بنیں۔ اللہ کی انتہائی برتری اور کبریائی اور اس کے سامنے اپنی ذلت و پستی اور عاجزی اور عبدیت و فدائیت کا اعتراف اور اپنے عمل سے اس کا عملی اظہار کرے۔ یہی چیز بندے کو پاک اور بلند کر کے اللہ کا مقرب اور محبوب بنا دیتی ہے اور وہ اللہ کے قریب ہو جاتا ہے۔

اسلام کی رو سے زندگی کا ہر صحیح عمل ایک عبادت ہے۔اور عبادت خدا کائنات کی تمام مخلوقات ارادی یا غیر ارادی شعوری یا غیر شعوری طور پر کرتی ہیں قرآن کی رو سے زندگی کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونا، جو جائز طریقے سے حاصل شدہ ہوں، ایک عمل عبادت ہے۔ارشاد ربانی ہے:

﴿اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَاللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ (۱۳۹)۔

ترجمہ: تم تو پوجا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کی اور تم گھڑا کرتے ہو زا جھوٹ بیشک جن کو تم پوجتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر وہ مالک نہیں تمہارے رزق کے۔پس طلب کیا کرو اللہ تعالیٰ سے رزق کو اور اس کی عبادت کیا کرو۔اور اسکا شکر ادا کیا کرو۔اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

موجودات کا پورا کاروبار ایک عبادت ہے۔شمس وقمر شجر وحجر خدا کے آگے سر بسجود رہتے ہیں اجرام سماوی کی سیر وگردش فطرت کا ایک تعبدانہ عمل ہے اور تمام نمود وبالیدگی بھی خدا کی اطاعت ہے۔

﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا﴾ (۱۴۰)۔

ترجمہ: ساتوں آسمان اور زمین، اور جو کچھ بھی ان میں ہے، سب اللہ کی بڑائی کا اعتراف کر رہے ہیں، اور کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو اس کی حمد و تسبیح نہ کر رہی ہو مگر تم اس تسبیح کو نہیں سمجھ سکتے۔

آسمانوں اور زمین میں تمام مخلوقات اسی کی فرمانبردار ہیں، اسی لئے ہم سے کہا گیا ہے کہ ہم اس کی اطاعت اور عبادت کریں، خود ہمارے قوانین فطرت کی اطاعت و متابعت خدا کی پرستش اور خدمت گذاری ہے۔اگر انسان ذات باری تعالیٰ کی عبادت نہ کرے تو سے فروتر چیزوں کی پرستش کرے گا جو اس سے بھی پست تر ہیں عبادت ساحرانہ فعل نہیں یہ روح حیات سے ایک انتساب ہے یہ ایسی آزادی کا حصول ہے جس میں ہم بجز اس ایک ذات کے دوسری تمام قوتوں سے انکار کرتے ہیں جو ہمیں زندگی بخشتی ہماری تطہیر کرتی اور ہمیں سربلندی عطا کرتی ہے۔

اسلام میں عبادات کی اقسام

اسلام انسان کی پوری دنیوی زندگی کو عبادت میں تبدیل کرنا چاہتا ہے اس کا مطالبہ ہے کہ آدمی کی زندگی کا کوئی لمحہ خدا کی عبادت سے خالی نہ ہو کلمہ طیبہ کا اقرار کرنے کے ساتھ ہی یہ بات لازم آجاتی ہے کہ جس اللہ کو آدمی نے اپنا رب تسلیم کیا ہے، اس کا بندہ بن کر رہے بندہ بن کر رہنے کا نام ہی عبادت ہے۔عملاً آدمی کی ساری زندگی کا اپنے تمام گوشوں کیساتھ عبادت بن جانا آسان کام نہیں اس کیلئے زبردست ٹریننگ کی ضرورت ہے جو انسان کی عادات و خصائل کو ایک سانچے میں

ڈھالے مضبوط کردار کا مالک بنائے جوانسان کوانفرادی طور بھی بہتر بنائے اوراجتماعی طور پر بھی فعال بنائے تا کہ دوسروں کی اصلاح بھی کرے اسی لئے عبادات فرض کی گئی جوانسان کواس اصلی عبادت کیلئے تیار کرتی ہیں ۔عبادت کی ضرورت اورتاثیر بالعموم تمام خدا پرست مذاہب نے تسلیم کی ہے لیکن اسلام میں عبادت چندامتیازی اوصاف کی حامل ہے خدا کا ذکر ہی عبادت کی صورت اختیار کر لیتا ہے کوئی بھی عمل جومشیت الٰہی کی موافقت میں سرانجام پائے ،وہ بیکارنہیں اسلام نیک زندگی کی کلیت کو،مثل دائمی عبادت کے دیکھتا ہے ۔اسلام ہمیں فرض عبادتو ں اوردیگرعبادات کا جامع نظام مہیا کرتا ہے یہی ارکان اربعہ نماز ،روزہ ،زکوۃ اورحج ہیں جنہیں فرض کرنے کا مقصدانسانی زندگی کا پورا نظام عبادت میں بدلنا ہے جن کی مدد سے یہ مقصد حاصل ہوتا ہے ۔ان کے بغیرانسانی زندگی عبادت الٰہی میں تبدیل نہیں ہوسکتی ۔یہی وہ ستون ہیں جن پراسلامی زندگی کی عمارت قائم ہوتی اور رہتی ہے اس کے بعد دیگرعبادات کی اقسام کا۔ انفرادی عبادات کون کون سی ہیں اوراجتماعی کون کون سی،عبادات کی اقسام کون کون سی ہیں،مثلاً نمازبدنی فعلی عملی انفرادی عبادت ہے زکوۃ مالی،انفرادی، حج مالی بدنی اجتماعی بھی نیز خدمت خلق حقوق العباد کا پورا کرنا ۔نظم وانضباط کے لئے پانچ نمازیں (جماعت کیساتھ)فرض کی گئی ہیں ۔اجتماعی عبادات کی طرح انفرادی عبادات کی اپنی جگہ بہت اہمیت ہے ۔جب انسان خدا کے ساتھ تنہائی میں ہوتو رب سے آسانی سے التجا پیش بھی کرسکتا ہے اوراپنی نفلی ضمنی اوراختیاری ہیں لیکن فرض نمازیں اپنے مقررہ اوقات میں لازمی ہیں ۔

نماز کی حقیقت:

نماز کے لئے قرآن کریم نے صلوٰۃ کالفظ استعمال کیا ہے ۔لغت میں صلوٰۃ کا مطلب کسی چیز کی طرف رخ کرنا اورقریب ہونا ۔ قرآن کی اصطلاح میں صلوٰۃ کامفہوم ہے خدا کی طرف متوجہ ہونا 'بڑھنا اورقریب سے قریب تر ہونا ۔

نماز کی حقیقت اوراس کی اہمیت وضرورت کووہی شخص سمجھ سکتا ہے اوراس کا صحیح لطف بھی وہی اٹھا سکتا ہے جواس عجیب وغریب 'بلند ولطیف اورنا قابل قیاس تعلق سے پوری طرح آگاہ ہو جورب اوربندہ کے درمیان قائم ہے' یہ ایک ایسا تعلق ہے جس کی نظیر کسی اور جگہ نہیں مل سکتی'اس کواس کائنات کی کسی دوہستیوں کے باہمی تعلق یا محض صانع ومصنوع' حاکم ومحکوم' قوی وضعیف' مفلس ومحتاج اورسائل ومعطی کے تعلق پر بھی قیاس نہیں کیا جاسکتا'اس لئے کہ یہ تعلق ان تمام رشتوں سے زیادہ لطیف اوربلند اوران سب سے زیادہ گہرا' مستحکم' جامع اوروسیع ہے ۔

اہمیت:

نمازبندوں پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا فریضہ ہے' دین کا ستون ہے' مسلمان اورکافروں کے درمیان وجہ امتیاز ہے' نجات کی شرط ہے' ایمان کی محافظ ہے اوراس کواللہ تعالیٰ نے ہدایت وتقوی کی بنیادی شرائط کے طور پر بیان کیا ہے ارشاد ہے:

﴿الٓمّٓ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ﴾(۱۴۱)

ترجمہ: الم' یہ کتاب (کہ) کوئی شبہ اس میں نہیں' ہدایت ہے (اللہ سے) ڈرر کھنے والوں کے لئے
جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے
اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى﴾ (۱۴۲)۔

ترجمہ: بامراد ہوا جو پاک ہوا اور اپنے پروردگار کا نام لیتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔

اسلام کے ارکان خمسہ میں شہادت توحید اور رسالت کے بعد جس فریضے کی بجا آوری کا حکم نص قطعی تاکید کے ساتھ آیا ہے وہ نماز ہی ہے۔حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((بنی الإسلام علی خمس شهادة أن لا إله إلا الله وأنَّ محمَّدا رسول الله وإقام الصلوٰة وإيتاء الزكوٰة وحج البيت وصوم رمضان))(۱۴۳)۔

ترجمہ: اسلام کی بنا پانچ ارکان پر ہے اس بات کی گواہی دینا کہ خدا کے سوا ان کا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول' نماز قائم کرنا' زکوٰۃ ادا کرنا' حج بیت اللہ کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔

یہ ہر آزاد اور غلام' امیر اور غریب' بیمار اور تندرست' مسافر اور مقیم پر ہمیشہ کے لئے اور ہر حال میں فرض ہے۔ کسی بالغ انسان کو کسی حال میں اس سے مستثنیٰ نہیں کیا جا سکتا' بخلاف روزہ' حج اور زکوٰۃ کے جو مختلف شرائط وصفات کے ساتھ وابستہ ہیں اور ان کے متعین اور محدود اوقات ہیں' نماز میدان جنگ میں بھی فرض ہے اور صلاۃ خوف کے نام سے موسوم ہے اس کا ذکر سورۃ النساء کی آیت ۱۰۱ تا ۱۰۳ میں ہے۔

نماز ایک ایسی چیز ہے جس کو ادا کرکے نہ آدمی آزاد اور اپنی تمام ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو جاتا ہے اور نہ اس کو چھوڑ کر کسی اور چیز سے اس کی تلافی کر سکتا ہے' یہ مومن کا سکون اور آنکھوں کی ٹھنڈک بھی ہے' مومن کی شمشیر بھی' یہ وہ ''شاہ کلید'' ہے جس سے ہر قفل کھل سکتا ہے اور ہر مصیبت ٹل سکتی ہے اور ہر قسم کا تردد' اضطراب اور حزن و یاس دور ہو سکتا ہے' اسی وجہ سے خوف کے لئے' استسقاء کے لئے' سورج گرہن کے لئے' استخارہ کے لئے' کسی ضرورت کی تکمیل کے لئے نیز موت وشہادت کی تیاری کے لئے علیحدہ علیحدہ نمازیں ہیں۔

نماز ہر نبی کی شریعت کا جز ولا ینفک رہی ہے:

ارکان اسلام میں سے یہ خصوصیت نماز ہی کو حاصل ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت محمد ﷺ تک تمام انبیاء کے ادوار میں ہر امت اور ہر ملت پر یہ یکساں طور پر فرض رہی ہے۔ کوئی نبی اور رسول ایسا نہیں گز را جس کی شریعت میں نماز کو قطعیت کے ساتھ فرضیت کا درجہ حاصل نہ رہا ہو۔ یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ شریعت محمدیہ ﷺ کی تعلیمات میں بہت

سے امور ایسے ہیں جنہیں تخصیص کے ساتھ امت محمد ﷺ پر فرض کیا گیا۔اسی طرح متعدد چیزیں جو پہلی شریعتوں میں فرض تھیں انہیں اس امت پر منسوخ کیا گیا لیکن نماز اپنی منفرد حیثیت میں برقرار رہی۔ چنانچہ ترک نماز کا تصور کسی سابقہ شریعت میں بھی موجود نہیں۔ ہر برگزیدہ نبی قرب ووصال کی نعمتوں سے سرفراز ہونے کے باوجود بارگاہ الٰہی میں نماز کے ثمرات سے متمتع ہونے کا خواہاں نظر آتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کی بارگاہ میں یوں عرض کرتے ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِی رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ﴾(۱۴۴)۔

ترجمہ: اے میرے رب! مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم رکھنے والا بنادے۔اے ہمارے رب!
اور میری دعا قبول فرمالیں۔

نماز دین کا ستون ہے۔نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

((لکل شیء عمود وعمود الدین الصلوٰۃ وعمود الصلوٰۃ الخشوع و
خیرکم عنداللّٰہ اتقاکم))(۱۴۵)۔

ترجمہ: ہر شے کے کچھ ستون ہوتے ہیں اور دین کا ستون نماز ہے جبکہ نماز کا ستون خشوع اور خضوع ہے
اور تم میں سے اللہ کے ہاں بہتر وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہیں۔

شعیبؑ کی نماز کا ذکر بھی قرآن کریم میں کیا گیا ہے۔ماضی میں دیگر اقوام کی طرح قوم شعیب کا تصور عبادت بھی ناقص تھا۔چنانچہ جب شعیبؑ نے انہیں مالی معاملات میں انصاف سے کام لینے کی تلقین کی' تو انہوں نے کہا:

﴿أصلوتک تأمرک أن نَتْرُکَ مَا یَعْبُدُ اٰبآءُ نا اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِی اَمْوَالِنَا ما نشاء ،
إنک لأنت الحلیم الرشید﴾(۱۴۶)۔

ترجمہ: کیا تمہاری نماز تمہیں یہ سکھاتی ہے کہ ہم ان چیزوں سے دست بردار ہو جائیں جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں یا یہ کہ ہم اپنے مال میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف نہ کریں (کیا خوب) بس تمہیں تو ایک دانش مند اور راست رو رہو۔

معلوم ہوا کہ حضرت شعیبؑ کا شعار حیات بھی نماز تھی۔ایک مقام لقمان حکیم اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہیں۔

﴿یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ
اَصَابَکَ اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾(۱۴۷)۔

ترجمہ: اے میرے بیٹے! نماز قائم رکھ اور دوسروں کو بھی اچھے کاموں کی نصیحت کیا کر اور برے کام سے
منع کیا کر۔اور جو مصیبت تم کو پہنچے اس پر صبر کر۔بیشک یہ بہت بڑے کاموں میں سے ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیا جانے والا نماز کا حکم قرآن کریم میں ان الفاظ میں موجود ہے:

﴿ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِی ﴾ (۱۴۸)۔

ترجمہ: اور میری یاد کی خاطر نماز قائم کیا کرو۔

ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ نماز کو اپنا مونس و معین و مددگار سمجھے اور جب بھی اس کو کوئی مشکل پیش آئے، کوئی فکر و پریشانی لاحق ہو یا کسی مصیبت اور آزمائش کا سامنا کرنا پڑے تو فوراً اس کریم کا دروازہ کھٹکھٹائے اور جب تک اس کی مراد پوری نہ ہو اس کے در پر پڑا رہے، صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کا معاملہ نماز کے ساتھ یہی تھا، ان کو نماز پر اس سے زیادہ ناز اور اعتماد تھا جتنا سپاہی کو اپنی شمشیر پر، مالدار کو اپنی دولت پر اور بچہ کو اپنی فریاد اور آہ و بکا پر ہوتا ہے اور وہ بڑی آسانی کے ساتھ ماں کی شفقت کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے۔ جب بھی ان کو کسی قسم کا اضطراب یا خوف لاحق ہوتا، یا معاملہ الجھتا نظر آتا دشمن کی فوجیں ہر طرف سے ان پر یلغار کرتیں یا فتح و نصرت میں تاخیر ہونے لگتی تو وہ فوراً نماز کے لئے دوڑ پڑتے اور اس کی پناہ میں آجاتے۔ درحقیقت آئمہ اسلام، اولیا راست اور مصلحین ملت کا ہر زمانہ میں یہی حال رہا ہے۔ یہ ایک ایسا فریضہ ہے جو کسی نبی اور رسول سے بھی ساقط نہیں ہوتا چہ جائیکہ کسی ولی اور عارف اور مجاہد سے، اللہ کا ارشاد ہے:

﴿ وَ اعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ ﴾ (۱۴۹)۔

ترجمہ: اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہیے یہاں تک کہ آپ کو امر یقین پیش آجائے۔

اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ مشاہدہ اور یقین کی منزل پر پہنچنے کے بعد یا اسلام کے راستہ میں مختلف خدمات انجام دینے کی وجہ سے یہ فریضہ ساقط ہو گیا تو وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتا ہے اور زبردست خطرہ کو دعوت دیتا ہے۔ اپنے کسی کارنامہ کسی خدمت، یا کسی کیفیت اور حال پر اعتماد کر کے نماز چھوڑ دینے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کشتی کا کوئی عالم و فاضل سوار اپنے علم و فضل کے زعم میں کسی تختہ یا کیل کو یہ کہہ کر توڑنے یا نکالنے کے درپے ہو جائے کہ اس کی کیا ضرورت ہے اور ایک تختہ یا کیل نہ ہونے سے کیا نقصان ہوگا اس کے بغیر بھی کام چل سکتا ہے وہ اس کو بلا ضرورت اور غیر مفید قرار دے کر زبردستی تختہ یا کیل کو توڑ دے اور بالآخر اس حماقت کی بدولت کشتی مع مسافروں کے غرقِ دریا ہو جائے۔

نماز دراصل فطرتِ انسانی اور تقاضہ بشری کی تسکین اور تکمیل ہے جس کو ہم ضعف و احتیاج، مجبوری و درماندگی، دعا و مناجات اور اس خدائے بزرگ و برتر کی پناہ میں آجانے کو کہہ سکتے ہیں، جو عطا کرنے والا، جاننے اور خبر رکھنے والا، سننے والا اور دینے والا ہے، درحقیقت شکر و احسانمندی، وفا شعاری اور حب الٰہی، عبودیت و تذلل اور خشوع و تواضع کے اس جذبے کی تسکین ہے جو انسان کی سرشت ہے اور اس کی انسانیت کا سب سے بڑا جوہر بھی، اس بارے میں مؤمن کی مثال مچھلی کی سی ہے جس کی زندگی پانی کے ساتھ وابستہ ہے، اگر اس کو زبردستی پانی سے نکال بھی لیا جائے تب بھی وہ پانی کے لئے بے قرار اور پانی کی محتاج رہے گی اور موقع ملتے ہی بے ساختہ اس پر ٹوٹ پڑے گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد اسی حقیقت کی طرف اشارہ

ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((...وجُعِلَ قُرَّةُ عینی فی الصلوٰة))(۱۵۰)۔

ترجمہ: اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی۔

نماز مؤمن کے لئے اس محبت کرنے والی ماں سے بھی زیادہ پناہ لینے، سر چھپانے اور آرام پانے کی جگہ ہے یا نماز بھی مؤمن کی سب سے بڑی پناہ گاہ اور رجائے قرار ہے، یہ وہ مضبوط رسی ہے جو اس کے اور اس کے رب کے درمیان پھیلی ہوئی ہے، وہ جب چاہے اس رسی کو مضبوطی سے تھام کر اپنی حفاظت کی ضمانت حاصل کر سکتا ہے، وہ جب چاہے اس رسی کو مضبوطی سے تھام کر اپنی حفاظت کی ضمانت حاصل کر سکتا ہے، یہ اس کی روح کی غذا، درد کا درماں، زخم کا مرہم، بیماری سے شفا اور اس کا سب سے بڑا ہتھیار اور سہارا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ﴾(۱۵۱)۔

ترجمہ: اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد چاہو بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی خاص مسئلہ کا سامنا ہوتا تھا تو آپ فوراً نماز کی طرف توجہ فرماتے تھے،

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

((کان النبی ﷺ اذا حزبہ امرٌ صلی))(۱۵۲)۔

ترجمہ: جب رسول اللہ ﷺ کو کوئی پریشانی درپیش ہوتی تو فوراً نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔

حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے:

((جب کبھی رات کو تیز ہوا چلتی آپ ﷺ مسجد کی طرف رخ فرماتے اور جب تک ہوا تھم نہ جاتی وہیں تشریف رکھتے، اسی طرح سورج یا چاند گرہن ہوتا تو نماز میں مشغول ہو جاتے یہاں تک کہ گرہن دور ہو جاتا))۔(۱۵۳)

نماز صرف جسمانی حرکات کا نام نہیں جس میں نہ روح ہوتی ہے نہ کوئی زندگی، نہ وہ کوئی ایسا فوجی ڈسپلن ہے جس میں ارادہ واختیار کو کوئی دخل نہیں ہوتا، وہ ایک ایسا عمل ہے جس میں جسم، عقل اور قلب سب شریک ہیں اور اس میں ان تینوں چیزوں کی حکیمانہ ومنصفانہ نمائندگی موجود ہے، جس کے حصہ میں قیام اور رکوع وسجود آیا ہے، زبان کے حصہ میں تلاوت وتسبیح آئی ہے، عقل کے حصہ میں تفکر وتدبر آیا ہے، قلب کے حصہ میں خشوع وانابت اور رقت وکیفیت آئی ہے اور قرآن مجید میں ان تینوں کا ذکر

موجود ہے جسم کے اعمال کی طرف بھی قرآن نے اشارہ کیا ہے(۱۵۴)۔اسی طرح عقل کے اعمال کے طرف بھی اشارہ ملتا ہے:(۱۵۵)۔قلب کے اعمال کی طرف ابھی قرآن نے اشارہ دیا ہے(۱۵۶)۔

نماز تمام مخلوق کی عبادت کی جامع ہے۔نماز کے اندر وہ تمام مظاہر کلی طور پر یکجا کئے گئے ہیں جو کائنات بسیط میں ہر جگہ منتشر حالت میں دیکھے جا سکتے ہیں۔عالم بالا کی مخلوق کی جتنی بھی ممکنہ حالتیں ہو سکتی ہیں انہیں سمو کر نماز میں رکھ دیا گیا ہے۔ارض وسماں کی ہر مخلوق اپنی جداگانہ احوال کی مناسبت سے کسی نہ کسی حالت میں مصروف عبادت ہے۔

نماز میں انسان اپنے آپ کو عاجز اور اللہ رب العالمین کی بڑائی کا اعتراف کرتا ہے۔اس میں شریعت اسلامیہ کی تمام فرض عبادات جمع کی گئی ہیں۔اس میں ہر ایک کا رنگ جھلکتا ہوا نظر آتا ہے۔نماز عجز اور فروتنی کی آئینہ دار ہے۔نماز کے علاوہ جتنی عبادات ہیں ان میں ایک قدر مشترک یہ ہے کہ ہر عبادت محض اس لئے عبادت قرار پائی کہ اس میں حکم خداوندی کی تکمیل کا پہلو مضمر ہے۔لیکن نماز کا امتیازی پہلو یہ ہے کہ وہ فی نفسہٖ عبادت ہے۔نماز اصل ہے اور باقی تمام عبادات فروعی ہیں۔نماز اور کی بنیادی اور اساسی حیثیت کے پیش نظر یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ کوئی عمل مقبول نہیں جب تک اس کے ساتھ نماز کی سند قبولیت شامل نہ ہو۔اسلام چونکہ دین فطرت ہے اس لئے اس نے توازن اور اعتدال کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔وہ محض عبادات پر زور نہیں دیتا بلکہ اس میں ہمہ جہت معاشی اور ملکی مسائل کی راہیں بھی کشادہ کرتا ہے۔تا کہ انسان کا ہر عمل عبادت شمار ہو اس کے لئے تربیت ارکان اربعہ (نماز ،روزہ،زکوٰۃ،حج) کے ذریعے کی گئی۔نماز کے ساتھ جس عبادت کا ذکر آتا ہے وہ زکوٰۃ ہے۔

اسلام میں زکوٰۃ کا تصور:

لغوی اعتبار سے زکوٰۃ کے معنی پاکیزگی اور بالیدگی کے ہیں۔زکوٰۃ کا اطلاق راہ خدا میں خرچ کئے جانے والے اس مال پر ہوتا ہے۔جو دولت کو ہر قسم کی آلائشوں سے پاک صاف کر دیتا ہے جسے خرچ کرنے سے مال میں کمی واقع نہیں ہوتی۔بلکہ وہ خدا کا فضل اور برکت شامل ہونے کی وجہ سے بڑھتا ہے۔زکوٰۃ صرف مستحقین کا حق ہے۔یہ دولت کو آلودگی سے پاک کرتی ہے۔زکوٰۃ بندوں کا حق بھی ہے اور خالق کا بھی اس کی عدم ادائیگی سے جہاں ایک طرف بندوں کا حق ٹھکرایا جاتا ہے وہاں لامحالہ خالق کے حق کو ٹھکرائے جانے کا پہلو بھی نکلتا ہے۔اسلام نے زکوٰۃ وصدقات کے نظام میں بہت سی ایسی تبدیلیاں کیں جن کا معاشرہ کے اخلاقی نظام پر بہت گہرا دیرپا اور انقلاب آفریں اثر پڑا۔

اسلام نے سب سے پہلے اس مذہبی اور خاندانی اجارہ داری کو ختم کیا جس سے ایک طرف خود اس اجارہ دار طبقہ کو نقصان پہنچ رہا تھا اس کے اخلاق خراب ہو رہے تھے اور ایسا آرام پسند اور عافیت کوش طبقہ بن گیا جس کی صرف صدقات پر بسر اوقات تھی اور جو مفت کے مال کا عادی ہو گیا تھا،اور اس کے شریفانہ اور قدرتی ذرائع معاش اختیار کرنے اور اپنے دست و بازو کو استعمال کرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہی تھی۔اسکے برعکس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مذہبی اور خاندانی اجارہ داری اور

اجتماعی ناانصافی کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کردیا۔ آپ ﷺ نے بنی ہاشم پر جو خود آپ ﷺ ہی کا خاندان ہے اور اسلامی تاریخ اور دینی جدوجہد کے میدان میں بھی بڑی فضیلت رکھتا ہے، زکوٰۃ اور صدقہ حرام کردیا چنانچہ حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے:

((کان النبی ﷺ اذا اوتِیَ بِشَیء سألَ عَنْه اَهدیةٌ أم صدقةٌ فإن قیل صدقة لم یأکل وإن قیل هدیة بسط یده))(۱۵۷)۔

ترجمہ: حضور ﷺ کے پاس جب کھانا لایا جاتا تو آپ ﷺ اس کے متعلق دریافت فرماتے، اگر یہ کہا جاتا کہ یہ صدقہ ہے تو نہ کھاتے اور اگر یہ کہا جاتا کہ ہدیہ ہے تو تناول فرماتے۔

آپ اپنے گھر والوں کو صدقہ و زکوٰۃ کا مال کھانے سے بہت سختی سے منع فرماتے تھے تاکہ ان کو اس کی عادت نہ پڑ جائے اور مسلمان صدقہ کے لئے اسی خاندان کو مخصوص کرلیں اور دوسرے اس سے محروم ہو جائیں۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت ہے کہ:

((اخذ الحسن بن علیؓ تمرة من تمر الصدقة فجعلها فی فیه،فقال النبی ﷺ: کخ کخ لیطرحها،ثم قال :اما شعرت انا لا ناکل الصدقة))(۱۵۸)۔

ترجمہ: حسن بن علیؓ نے صدقہ کا ایک کھجور اٹھا کر اپنے منہ میں رکھ لیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کھجور کو اس کو پھینک دو، کیا تم کو معلوم نہیں کہ ہم لوگ صدقہ نہیں کھاتے۔

یہ حکم آپ ﷺ کی زندگی میں بھی اور آپ ﷺ کی زندگی کے بعد بھی اسی طرح نافذ رہا، آپ ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ صدقہ لوگوں کا میل کچیل ہے اور یہ محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ کے لئے جائز نہیں۔

فقہ اسلامی میں یہ حکم برابر قائم رہا، اسلامی معاشرہ میں برابر اس پر عمل کیا جاتا رہا اور زکوٰۃ اور صدقہ کا دروازہ عامۃ المسلمین اور فقراء و مستحقین کے لئے ہمیشہ کھلا رہا اور ان کے حقوق پوری طرح محفوظ رہے۔ اپنے خاندان اور اقرباء کے ساتھ آپ کا ہمیشہ یہی معاملہ اور طرز عمل تھا، وہ نقصان اور تاوان میں پیش پیش رکھے جاتے اور انعامات اور مالی فوائد میں ان کو کم سے کم حصہ دیا جاتا، جب سود حرام کیا گیا تو آپ ﷺ نے سب سے پہلے اس قانون کو اپنے رشتہ داروں پر نافذ کیا، جب جاہلیت کا خون حرام کیا گیا تو آپ ﷺ نے سب سے پہلے اپنے خاندان کے ایک نوجوان کا خون معاف کیا، حجۃ الوداع کے خطبہ میں صاف طور پر ارشاد فرمایا:

((الا ان کل شیءٍ من أمرِ الجاهلیة تحت قدمی موضوع .ودماء الجاهلیة موضوعة وإن أول دم أضع من دِمائنا دم ابن ربیعة بن الحارث وکان مسترضعا فی بنی سعد فقتله هذیل ، وربا الجاهلیة موضوع وأن اول ربا أضع من ربانا ربا عباس بن عبد المطلب فإنه موضوع کله....))(۱۵۹)۔

ترجمہ: یاد رکھو کہ جاہلیت کی ہر چیز میرے پیروں کے نیچے ہے۔ میں جاہلیت کا خون ختم کرتا ہوں اور پہلا خون جو میں معاف

کرتا ہوں وہ ابن ربیعہ بن الحارث کا خون ہے جن کو قبیلہ بنی سعد میں دودھ پینے کے لئے بھیجا گیا تھا اور ہذیل نے ان کو قتل کردیا تھا' جاہلیت کا سود بھی ختم کرتا ہوں اور پہلا سود جو میں ختم کرتا ہوں وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے' اب وہ سب ختم ہے۔

اسی طرح جب زکوٰۃ فرض کی گئی تو اس کے باوجود کہ وہ رزق و آسائش کا ایک بڑا ذریعہ اور دروازہ تھا' آپ ﷺ نے اس کو بنی ہاشم' اپنے اہل بیت اور اپنے پورے خاندان پر ہمیشہ کے لئے بند کردیا یہ درحقیقت تمام انبیاء و مرسلین کا طرز نبوت و رسالت کا خاصہ ہے اور اس میں حضور ﷺ کو مقام محمود حاصل ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی میں واسطوں کی ضرورت نہیں۔

آپ ﷺ نے زکوٰۃ دینے والوں کے بیچ سے وہ سارے واسطے ختم کردیئے جو شریعت موسوی میں پائے جاتے تھے' یعنی موروثی عالم یا بیت المقدس کے کارکن' جن کا ذریعہ اختیار کیے بغیر اس فریضہ سے سبکدوش ہونا ممکن نہ تھا' اس چیز نے اس طبقہ میں مال کی حد سے بڑھی ہوئی محبت اور حرص و طمع پیدا کردی' اس نے اکثر و بیشتر اس سے ناجائز فائدہ اٹھانا شروع کردیا اور بالآخر اس پر قابض ہوگیا۔ قرآن مجید کہتا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ (١٦٠)۔

ترجمہ: اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرکر رکھتے ہیں اور اس کو خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں' آپ انہیں ایک دردناک عذاب کی خبر سنا دیجیے۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح دوسری عبادات اور دینی فرائض سے ان واسطوں کو ختم فرمادیا تھا' اسی طرح زکوٰۃ و صدقہ کے لئے بھی اس نے کسی وساطت اور ذریعہ کو باقی نہیں رکھا' مسلمان خود اپنے طور پر نماز پڑھ سکتا ہے' زکوٰۃ نکال سکتا ہے' روزے رکھ سکتا ہے اور حج کرسکتا ہے اس کے لئے اس کو صرف ان احکام سے واقفیت حاصل کرنا ضروری ہے جن کے بغیر یہ ارکان ادا نہیں ہو سکتے' اگر نیت کی تصحیح ہوگئی ہو اور شرائط پورے کر لئے گئے ہوں تو پھر ایک مسلمان کو ان فرائض کی بجا آوری کے لئے کسی سہارے اور واسطہ اور کسی رسمی مذہبی طبقہ کی منظوری کی ضرورت نہیں ہے۔

☆۔ مستحقین زکوٰۃ کے حقوق میں اضافہ:

ان چیزوں کے ساتھ ایک خصوصیت زکوٰۃ کو اور حاصل ہے' اور وہ یہ کہ زکوٰۃ پر پہلے مختلف قسم کی پابندیاں تھیں۔ زکوٰۃ لینے والوں کو اس کا اختیار نہ تھا کہ اس کو جس طرح چاہیں استعمال کریں' اس کا ایک حصہ بیت المقدس کے حجاج کے لئے مخصوص تھا جو زیادہ تر ان کی ضیافت اور کھانے کے مصارف پر خرچ ہو جاتا تھا' شریعت اسلامی نے فقراء اور مساکین اور زکوٰۃ کے مستحقین کو اس کا مالک بنادیا اور ان کو اس کا حق دیا کہ وہ اس مال میں جس طرح چاہیں تصرف کریں

﴿ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا ﴾ (١٦١)۔

میں لام اس پر دال ہے کہ وہ اس کو اپنی ضرورت و مصلحت کے لئے پوری آزادی کے ساتھ استعمال کر سکتے ہیں۔ان خوشگوار اور مفید اصلاحات نے زکوٰۃ کے اسلامی نظام کو ایک نہایت لطیف' ترقی یافتہ' جامع اور مکمل عبادتی اور اجتماعی نظام بنا دیا ہے جو تمام انفرادی و اجتماعی مصالح پر حاوی ہے۔

اسلام میں زکوٰۃ کی اہمیت اور شرعی حیثیت:

اہمیت زکوٰۃ:

ارکان اسلام میں نماز کے بعد دوسرا اہم رکن زکوٰۃ ہے۔قرآن پاک میں ۸۲ مقامات پر نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم یکجا وارد ہوا ہے۔شریعت مطہرہ میں زکوٰۃ کی اہمیت کا اندازہ تنہا اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب حضور ﷺ کے وصال کے بعد سرزمین عرب میں ہر طرف فتنے سر اٹھانے لگے اس وقت اسلامی ریاست کو نازک صورتحال میں سب سے بڑا چیلنج منکرین زکوٰۃ کا تھا اس نازک مرحلے پر ابوبکر صدیقؓ نے کمال جرات ایمانی سے اکثر صحابہ کے مشورے سے ان منکرین سے جہاد کیا اور اس شورش کا خاتمہ کیا۔

قرآن مجید میں نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر ۸۲ مقامات پر آیا ہے۔چنانچہ ﴿اَقیمو الصلوٰۃ و اٰتوا الزکوٰۃ﴾ (۱۶۲) سے پورا قرآن بھرا ہوا ہے' اس کے علاوہ مسلمانوں کے اوصاف جہاں جہاں بیان کیے گئے ہیں وہاں بھی ہمیشہ ﴿یُقیمون الصلوٰۃ ویوتُون الزکوٰۃ﴾ (۱۶۳)۔آیا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اسلام کے بنیادی ارکان میں شمار فرمایا ہے (۱۶۴)۔

حدیث نبوی ﷺ میں ہے

((........قال ما الاسلام"؟ قال الاسلام ان تعبد اللّٰہ و لا تشرک به و تقیم الصلوة و تؤدی الزکوة المفروضه و تصوم الرمضان"..............))(۱۶۵)۔

ترجمہ: آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ اسلام کیا ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو' فرض نماز قائم کرو' زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو۔

ایک حدیث میں ہے کہ:(الصدقة تؤخذ من اغنیائهم فترد علی فقرائهم) (۱۶۶)۔

ترجمہ: صدقہ ان کے مالوں سے لیا جاتا ہے اور فقراء کو لوٹایا جاتا ہے۔(اغنیاء سے زکوٰۃ حاصل کریں اور فقراء میں تقسیم کردیں)

اس موضوع پر احادیث اس کثرت سے ہیں کہ ان کا شمار کرنا مشکل ہے' وہ حدتواتر تک پہنچ چکی ہیں اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ زکوٰۃ نماز کے ساتھ لازم و ملزوم ہے اور صدیوں اور نسلوں نے اس پر عمل ہو رہا ہے۔

اللہ تعالٰی نے نماز کے قیام اور زکوٰۃ کی ادائیگی کو اسلام کی صحت وقبولیت' اس کے احکام کی بجا آوری' اللہ تعالٰی کے ساتھ صلح اور مسلمانوں کے ساتھ اخوت کی علامت قرار دیا ہے' قرآن مجید میں ہے:

﴿فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (۱۶۷)۔

ترجمہ: پھر اگر یہ توبہ کرلیں اور نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو' بیشک اللہ بڑا مغفرت والا ہے' بڑا رحمت والا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴾ (۱۶۸)۔

ترجمہ: لیکن اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز کے پابند ہو جائیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو وہ تمہارے بھائی ہو جائینگے دین میں' اور ہم آیتوں کو علم والوں کے لئے تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاس حتى يشهدوا ان لااله الا اللّٰه ويُؤمنوا بي وبما جئتُ به فاذا فعلوا ذلک عصموا منى دمائهم و اموالهم الا بحقها وحسابُهم على اللّٰه)) (۱۶۹)۔

ترجمہ: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میرے اوپر ایمان لائیں اور جو میں لایا ہوں اس کو قبول کریں۔ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو وہ مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کر لیتے ہیں مگر اس کے حق کے ساتھ' اور اس کا حساب اللہ پر ہے۔

مقاصد زکوٰۃ:

نظام صلوٰۃ کے ساتھ نظام زکوٰۃ کا قیام، اسلام کے بنیادی مقاصد میں سے ہے ایک سے انسان کی روحانی ضرورتوں کی تکمیل ہوتی ہے۔ تو دوسرے سے اس کی مادی ضرورتوں کی کفالت کی ضمانت میّسر آتی ہے ایک اسلامی معاشرہ افراد کی روحانی اور مادی تقاضوں کی تکمیل کے بعد ہی جنم لیتا ہے۔ جس کے نتیجے میں نیکیوں اور اچھائیوں کو فروغ ملتا ہے۔ اور اس کے اندر کی برائیوں کا قلع قمع ہوتا ہے امر بالمعروف کا تعلق نظام صلوٰۃ سے اور نہی عن المنکر کا تعلق نظام زکوٰۃ سے ہے روحانی نظام کے نفوذ سے نیکیوں کو فروغ ملتا ہے جب کہ اقتصادی نظام کا نفوذ برائیوں کو جڑ سے کاٹنے کا موجب بنتا ہے کیونکہ اگر اقتصادی نظام مفقود ہے تو معیشت غیر متوازن ہوگی اور دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جائے گی۔ برائیاں جنم لیں گی فسق وفجور معاشرے میں پھیلے گا بندہ اور خالق کے مابین تعلق عبودیت پیدا کر دینا اسلام کا اولین تقاضا ہے۔ خالق سے تعلق بالاخلاص استوار ہونا ضروری ہے ورنہ انسان سمجھتا ہے کہ

یہ اس کی ذاتی قابلیت اور استعداد کا نتیجہ ہے۔اسی سوچ سے اس کی زندگی کا رخ بدل جاتا ہے۔

اسلام کا تصور روزہ:

روزہ تیسرا بنیادی رکن اسلام ہے۔دوسرے مذاہب میں بعض اقسام کی اشیاء سے دور رہنا یا مشروبات یا مادی اشیاء سے اجتناب کرنا ہی روزہ ہے۔مگر وہ ان کے علاوہ متبادل اشیاء سے اپنے معدے بھر سکتا ہے اسلام میں ایسا نہیں۔مسلمان اپنے معدے کو ہر مادی شے سے خالی رکھتا ہے تا کہ اپنی روح کو امن وسلامتی اور برکات سے مالا مال کرے۔غیر اسلامی روزہ جزوی طور پر مادی اشیاء سے اجتناب ہے لیکن اسلامی انداز کا روزہ نیکی اور مطالعہ قرآن' عبادات اور پرہیز گاری لاتا ہے۔پھر اسلامی روزے کا نظام الاوقات بھی بڑا بہترین ہے۔کیونکہ یہ قمری تقویم کے حساب سے ہے۔اور رمضان کے دوران موسم بدلتا رہتا ہے۔مسلمان مختلف سطح پر روزہ رکھ کر اخلاقی تجربات سے گزرتا ہے۔یہ اسلامی تعلیم کا صحت مند جز ہے(۱۷۰)۔

ان نازک اور اعلیٰ مصالح کی رعایت اور بلند دنیوی واخروی مقاصد کی تکمیل کے لئے جو علم و ذہانت کی دسترس سے ماوراہیں' اس روح کی چارہ سازی کے لئے جو معدہ اور شکم کے بوجھ کے نیچے دب گئی تھی اور ''ہوا ہوس'' اور نائے ونوش کے جنون اور غلبہ کی وجہ سے نیم جان اور زار و نزار ہو رہی تھی نیز اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے جس کو خلافت کہا جاتا ہے اور جس میں اعتدال وتوازن اور صبر وتحمل کی سب سے زیادہ ضرورت ہے' اللہ تعالیٰ نے روزہ کا حکم مسلمانوں کے لئے نازل فرمایا' لیکن یہ روزہ ہجرت کے بعد اس وقت فرض کیا گیا جب سختیوں کے بادل چھٹ گئے' عسرت وتنگدستی کا دور ختم ہوا اور مسلمانوں نے مدینہ میں اطمینان کی سانس لی اور ان کی زندگی کشادگی اور آرام کے ساتھ بسر ہونے لگی' ایسا شاید اس لئے ہوا کہ اگر پریشان حالی کے دور میں روزہ کا حکم نازل ہوتا تو بہت سے لوگ اس کو مجبوری کا روزہ اور معاشی حالات اور اس ماحول کا نتیجہ سمجھتے جو مکہ میں تھا اور یہ محسوس کرتے کہ روزہ صرف فقراء ومساکین اور مصیبت زدوں اور مظلوموں کے لئے ہے' اغنیاء اور خوش حال لوگ جو باغات اور زمینوں کے مالک ہیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔

اس کے علاوہ روزہ کی فرضیت کی آیت اس وقت نازل ہوئی جب عقیدہ مسلمانوں کے دلوں میں اچھی طرح پیوست اور پختہ ہو چکا تھا اور نماز سے بھی ان کو غایت درجہ تعلق بلکہ عشق پیدا ہو گیا تھا' تمام مسلمان احکام الٰہی اور قوانین شریعت کے سامنے ہر لحظہ سر تسلیم خم کرنے پر تیار تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے وہ اس کے منتظر ہی ہوں۔

علامہ ابن قیم نے اس نکتہ کیطرف توجہ دلاتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''چونکہ مالوفات وخواہشات سے انسان کو چھڑانا سب سے مشکل اور دیر طلب کام ہے' اس لئے اس کی فرضیت کا حکم ہجرت کے بعد اس وقت تک نازل نہیں ہوا جب تک اس کا اطمینان نہیں ہو گیا کہ اب توحید اور نماز ان کے رگ وریشہ میں سرایت کر چکی ہے' اور اوامر قرآنیہ سے ان کے دل پوری طرح مانوس ہیں' چنانچہ ہجرت کے دوسرے سال روزہ کا حکم آیا اور

رسول اللہ ﷺ نے اس دنیا سے تشریف لے جانے سے قبل ۹ رمضانوں کے روزے رکھے(۱۷۱)۔"
جس آیت کے ذریعے روزے فرض ہوئے وہ آیت یہ تھی:

﴿یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ۔ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ فَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ مَّرِیْضًا اَوْعَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّۃٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ وَعَلَی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَہٗ فِدْیَۃٌ طَعَامُ مِسْکِیْنٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَھُوَ خَیْرٌ لَّہٗ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْھُدٰی وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَھِدَ مِنْکُمُ الشَّھْرَ فَلْیَصُمْہُ وَمَنْ کَانَ مَرِیْضًا اَوْعَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّۃٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ یُرِیْدُاللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ وَلِتُکْمِلُوا الْعِدَّۃَ وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَاھَدٰکُمْ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ﴾(۱۷۲)۔۔

ترجمہ: اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسا کہ ان لوگوں پر فرض کیے گئے تھے جو تم سے قبل ہوئے عجب نہیں کہ تم متقی بن جاؤ' (یہ روزے) گنتی کے چند روز کے (ہیں) پھر تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو اس پر دوسرے دنوں کا شمار رکھنا (لازم) ہے اور جو اسے مشکل سے برداشت کرسکیں ان کے ذمہ فدیہ ہے (کہ وہ ایک مسکین کا کھانا ہے) اور جو کوئی خوشی خوشی نیکی کرے اس کے حق میں بہتر ہے' اور اگر تم علم رکھوتو بہتر تمہارے حق میں یہی ہے کہ تم روزے رکھو۔ ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا ہے' وہ لوگوں کیلئے ہے اور (اس میں) کھلے ہوئے (دلائل ہیں) ہدایت اور (حق وباطل میں) امتیاز کے' سو تم میں سے جو کوئی اس مہینہ کو پائے لازم ہے کہ وہ (مہینہ بھر) روزہ رکھے' اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو تو (اسپر) دوسرے دنوں کا شمار رکھنا (لازم) ہے۔ اللہ تمہارے حق میں سہولت چاہتا اور تمہارے حق میں دشواری نہیں چاہتا اور یہ (چاہتا ہے) کہ شمار کرلیا کرو' اور یہ کہ تم اللہ کی بڑائی کیا کرو' اس پر کہ تمہیں وہ بتادی' عجب نہیں کہ تم شکر گزار بن جاؤ۔

یہ آیات جن میں پہلی بار روزہ فرض قرار دیا گیا ان خشک قوانین کی طرح نہیں تھیں جو محض اس سیاسی اور اجتماعی رابطہ کی بنیاد پر نافذ کیا جاتا ہے جو معاشرہ کے ایک فرد اور حکومت کے درمیان قائم ہوتا ہے' یہ آیات ایمان وعقیدہ' عقل وضمیر اور قلب وجذبات سب کو بیک وقت اپیل کرتی ہیں اور ان تمام چیزوں کو غذا پہنچاتی ہیں اور محض قانون کے اجراء ہی کے لئے نہیں خوشدلی کے ساتھ اس کے استقبال کے لئے بھی فضا سازگار کرتی ہیں' یہ قرآن کے اعجاز اصولِ دعوت' علم النفس اور حکیمانہ قانون سازی کا ایک ناقابل انکار معجزہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو اس قانون کے مکلّف ہیں "یاایُّھا الذین اٰمنوا" سے خطاب کیا ہے اور اس طرح گویا ان کو پہلے ہی سے ان تمام احکام کی تعمیل اور بجا آوری کے لئے تیار کردیا ہے جو ان کو خدا کی طرف سے دیئے جائیں' خواہ وہ ان کے نفس پر کتنے ہی شاق اور گراں کیوں نہ ہوں' اس لئے کہ ایمان کا یہی تقاضا اور مطالبہ ہے' اگر اللہ پر ایمان لاچکا ہے' اس کو اپنا

معبود اور رب' امرونہی کا مالک اور اطاعت وفرمانبرداری کے لئے تسلیم کر چکا ہے اور اپنی زمام کار اس کے حوالہ کر چکا ہے اور دل وجان سے اس کی محبت میں سرشار ہے تو اس کو بجا طور پر اس کے ہر حکم' ہر قانون' ہر فیصلہ اور ہر مطالبہ کے سامنے بے چوں و چرا سرتسلیم خم کر دینا چاہیے۔

﴿اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا﴾ (۱۷۳)۔

ترجمہ: ایمان والوں کا قول یہ ہے جب وہ بلائے جاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف کہ (رسول) ان کے درمیان فیصلہ کر دیں تو وہ کہہ اٹھتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا۔

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾ (۱۷۴)۔

ترجمہ: اور کسی مومن یا مومنہ کے لئے یہ درست نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی امر کا حکم دیدیں تو پھر ان کو اپنے (اس) امر میں کوئی اختیار باقی رہ جائے۔

یہ اس شریعت کی پابندی ہے جو اپنے تمام فرائض' عبادات اور احکام وقوانین میں نفوسِ انسانی کے لیے آبِ حیات ہے' اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے ان پر روزہ فرض کیا' لیکن یہ مذاہب کی تاریخ میں پہلا موقع یا کوئی بدعت نہ تھی' اللہ تعالیٰ نے ان سے پہلے بھی سب اہل کتاب اور مذہب وشریعت کی حامل تمام قوموں پر روزہ فرض کیا تھا' اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس گرانی اور بوجھ کو کم کر دیا ہے جو انسان کو تنہائی کے احساس سے ہوتا ہے' اگر آدمی کو معلوم ہو جائے کہ جس بات کا پابند اس کو کیا جا رہا ہے وہ کوئی نئی بات نہیں ہے اس کی نظیریں پہلے بھی گزر چکی ہیں اور بہت سی قوموں اور ملتوں نے اس کی پابندی کی ہے تو اس کو وہی چیز کسی قدر آسان معلوم ہونے لگی گی اور ہمت پہلے سے بڑھ جائیگی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ یہ کوئی ایسی چیز نہیں جس کا مقصد بلاوجہ مشقت یا آزمائش میں ڈالنا ہو' یہ ریاضت وتربیت اور اصلاح وتزکیہ کے لئے ہے' یہ دراصل اخلاقی تربیت گاہ ہے جہاں سے آدمی کامل ہو کر اس طرح نکلتا ہے کہ خواہشات کی لگام اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے' خواہشات اس پر حکومت نہیں کرتیں بلکہ وہ خواہشات پر حکومت کرتا ہے' جب وہ محض اللہ کے حکم سے مباح اور پاک چیزوں کو ترک کر دیتا ہے تو ممنوعات ومحرمات سے بچنے کی کوشش کیوں نہ کرے گا؟ جو شخص ٹھنڈے میٹھے پانی اور پاکیزہ ولذیذ غذا کو خدا کی فرمانبرداری میں چھوڑ سکتا ہے' وہ حرام اور نجس چیزوں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا کیسے گوارا کر سکتا ہے اور یہی "لَعَلَّكُم تتقون" کا مفہوم ہے۔

پھر یہ ارشاد ہوتا ہے کہ مہینہ کی گنتی کو زیادہ نہ سمجھنا' یہ چند گنے چنے دن ہیں جو مسلسل گزرتے ہیں اور دیکھتے دیکھتے ختم ہو جاتے ہیں' اس کے علاوہ اس ایک مہینہ کی (جس میں صرف دن کا روزہ ہوتا ہے) سال بھر کے شب وروز سے نسبت ہی کیا

ہے جوراحت ولذت اور سکون وفراغت کے ساتھ گزرتے ہیں؟

تاہم مریض اور مسافر نیز ان لوگوں کو جو روزہ رکھنے سے عاجز و معذور ہوں اس سے مستثنٰی کیا گیا ہے۔ پھر اس مہینہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے جس میں روزہ فرض کیا گیا ارشاد ہوتا ہے کہ یہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا اور نسل انسانی کو نئی زندگی کا پیغام ملا' ایک مسلمان کے لئے اس سے زیادہ مفید بات کیا ہوسکتی ہے کہ وہ مبارک مہینہ میں صیام وقیام کے ذریعہ نئی زندگی' نئے ایمان اور نئی قوت سے بہرہ مند ہو' یہ وہ اسلامی روزہ یا روحانی غذا ہے جو بھر پور زندگی' ہر طرح کے فوائد اور ہر قسم کی برکتوں سے معمور اور وہ ہر اس مشکل پسندی اور نا روا بوجھ سے خالی ہے جو نفس انسانی کی طاقت سے باہر اور قوتِ برداشت سے زیادہ ہے(۱۷۵)۔

روزہ کی خصوصیات اور اس کے فضائل واحکام:

اسلام نے روزہ کا جو نقشہ پیش کیا ہے وہ قوانین ومقاصد دونوں کے لحاظ سے مکمل ہے' فائدہ کا سب سے زیادہ ضامن ہے اور اس میں عزیز وحکیم اور علیم وخبیر خدا کی حکمت ومشیت پوری طرح جلوہ فگن ہے۔

﴿اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَ ھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ﴾ (۱۷٦)۔

ترجمہ: کیا وہی آگاہ نہ ہوگا جس نے پیدا کیا ہے؟ وہ تو (بڑا ہی) باریک بین اور (پورا) باخبر ہے۔

اس لئے پورا مہینہ (اور یہ رمضان کا وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا) مسلسل مہینہ بھر کے روزوں کے لئے مخصوص کیا ہے جس کے دنوں میں روزہ رکھنے کا حکم ہے اور راتوں کو کھانے پینے کی اجازت ہے' اس وقت عربوں میں روزہ کا مفہوم یہی تھا اور اسلام کی عالمی شریعت میں بھی اسی کا اعتبار اور اسی پر عمل ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں:

''روزہ میں دن کا دائرہ طلوع صبح صادق سے لے غروب آفتاب تک ہے' اس لئے کہ عربوں کے دن کا حساب اور اس کی مقدار اسی بنیاد پر ہے' اور عاشوراء کے روزہ میں ان کے یہاں یہی بات معروف ومسلم تھی مہینہ کا آغاز رویت ہلال سے ہے اور رویت ہلال تک ہے' اس لئے کہ عربوں کا حساب شمسی مہینوں پر نہیں چلتا (۱۷۷)۔''

رمضان کو روزہ کے ساتھ مخصوص کیوں کیا گیا؟

اللہ تعالیٰ نے روزے رمضان میں فرض کیے ہیں اور ان دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم قرار دیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان دو برکتوں اور سعادتوں کا اجتماع بڑی حکمت اور اہمیت کا حامل ہے اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ رمضان ہی وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا اور گم کردہ راہ انسانیت کو ''صبح صادق'' نصیب ہوئی' اس لئے یہ عین مناسب تھا کہ جس طرح طلوع صبح صادق روزہ کے آغاز کے ساتھ مربوط کردی گئی ہے اسی طرح اس مہینہ کو بھی جس میں ایک طویل اور تاریک رات کے بعد پوری انسانیت کی صبح ہوئی پورے مہینہ کے روزے کے ساتھ مخصوص کردیا جائے' خاص طور پر اس وقت جبکہ اپنی رحمت وبرکت'

روحانیت اور نسبت باطنی کے لحاظ سے بھی یہ مہینہ تمام مہینوں سے افضل تھا۔اور بجاطور پر اس کا مستحق تھا کہ اس کے دنوں کو روزے سے اور راتوں کو عبادت سے آراستہ کیا جائے۔روزہ اور قرآن کے درمیان بہت گہرا تعلق اور خصوصی مناسبت ہے' اور اسی لئے حضور ﷺ رمضان میں تلاوت کا زیادہ اہتمام فرماتے تھے' ابن عباسؓ راوی ہیں کہ:

((رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ سخی تھے' لیکن رمضان میں جب جبریل علیہ السلام آپ سے ملنے آتے اس زمانہ میں سخاوت کا معمول اور بڑھ جاتا' جبریل علیہ السلام رمضان کی ہر رات میں آپ کے پاس آتے اور قرآن مجید کا دور کرتے' اس وقت جب جبریل آپ سے ملتے آپ سخاوت' دادودہش اور نیکی کے کاموں میں تیز ہوا سے بھی تیز نظر آتے))(۱۷۸)۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

((اذا دخل شهر رمضان فُتِحَتْ ابوابُ الجنة و غُلِقَت ابوابُ النار و صفدت الشيا طين)).(۱۷۹)۔

ترجمہ: جب رمضان آتا ہےتو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین کو پابہ زنجیر کر دیا جاتا ہے۔

اس سلسلہ کی احادیث بکثرت وارد ہوئی ہیں۔ایک اور حدیث مبارکہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((هذا رمضان قد جاء كم تفتح فيه ابواب الجنة وتغلق فيه ابواب النار و تسلسل فيه الشياطين))(۱۸۰)۔

ترجمہ: رمضان کا مہینہ آ پہنچا تمہارے اوپر اس میں جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کئے جاتے ہیں اور شیطان زنجیروں سے باندھے جاتے ہیں

اعمال صالحہ اور عبادات کا عالمی موسم:

رمضان،عبادت' ذکر' تلاوت اور زہد وتقوی کا ایک ایسا عالمی موسم اور جشن عام کا زمانہ ہے جس میں مشرق ومغرب کے تمام مسلمان عالم وجاہل' امیر وفقیر' کم ہمت اور عالی حوصلہ ہر قسم اور ہر گروہ کے لوگ ایک دوسرے کے شریک ورفیق اور ہمدم وغمگسار نظر آتے ہیں' یہ رمضان ایک ہی وقت میں ہر شہر اور ہر گاؤں اور ہر دیہات میں ہوتا ہے۔امیر کے محل اور غریب کے جھونپڑی دونوں میں اس کا جلوہ نظر آتا ہے' اس کا نتیجہ یہ ہے کہ نہ کوئی شخص خودسری اور خود آرائی کرتا ہے' نہ روزے کے لئے دنوں کے انتخاب میں کوئی انتشار اور جھگڑا پیدا ہوتا ہے یہ ایک اجتماعی اور عالمی روزہ ہے جس سے خود بخود ایک ایسی سازگار اور خوشگوار فضا پیدا ہوتی ہے جس میں روزہ آسان معلوم ہوتا ہے' دل نرم پڑ جاتے ہیں اور لوگ عبادتوں اور طاعتوں اور ہمدردی وغمخواری کے مختلف کاموں کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

عالمی فضا اور سوسائٹی پر اس کے اثرات:

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی چشم بصیرت اس کیفیت کو اچھی طرح محسوس کیا تھا، وہ حدیث:
((إذا دخل رمضان فُتِحَتْ أبوابُ الجنة)) کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''روزہ چونکہ ایک عمومی اور اجتماعی شکل کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے وہ رسوم کی دسترس سے محفوظ ہے اگر کوئی جماعت اور قوم اس کی پابندی کرتی ہے اس کے لئے تو شیاطین قید کردیئے جاتے ہیں، جنتوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں(۱۸۱)۔'' دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''مسلمانوں کے مختلف طبقوں اور مختلف جماعتوں کا ایک وقت میں ایک چیز پر اجماع اور اجتماع جس میں سب ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں روزہ کو ان کے لئے آسان بنا دیتا ہے اور اس سے ان کی بہت ہمت افزائی ہوتی ہے۔ اسی طرح ان کی یہ اجتماعیت خواص وعوام دونوں کے لئے ملکوتی برکتوں کے نزول کا باعث ہے، اس میں اس کا امکان بھی بڑھ جاتا ہے کہ ان کے کاملین وواصلین پر جو انوار نازل ہوں، وہ ان سے نیچے والوں کو بھی فیضیاب کرتے جائیں اور ان کی دعائیں ان کے پیچھے والوں تک پہنچتی رہیں(۱۸۲)۔''

اسلام کا تصور حج:

اسلام کا چوتھا رکن حج، اسکے معنی زیارت کے ہیں اس رکن کی ادائیگی کیلئے مسلمان دنیا کے گوشہ گوشہ سے بیت اللہ کی زیارت کا ارادہ کرکے آتے ہیں اسلئے اسے حج بیت اللہ کہا جاتا ہے قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾ (۱۸۳)۔

ترجمہ: اور لوگوں پر واجب ہے کہ محض اللہ کیلئے اس کے گھر کا حج کریں جنہیں وہاں تک پہنچنے کی استطاعت ہو۔

حج کے موقع پر سنت ابراہیمی کی یاد میں قربانی کی جاتی ہے۔ حج کی مذہبی اہمیت ظاہر کرتی ہے کہ اللہ کے گھر کا سفر نیکی کے حصول اور رضائے الٰہی کیلئے کیا جائے۔ حج تمام مصنوعی نسلی وطنی امتیاز ہی نہیں بلکہ امارت وغربت اور بادشاہ غلام کی تفریق بھی مٹاتا ہے۔ حج عالمگیر ملی وحدت کا مظاہرہ ہے۔ عالمگیر قومیت کو فروغ دیتا ہے ایک مرکز اتنا بڑا اجتماع ایسی ہم آہنگی اور پاک مقاصد، جذبات، اعمال جیسی نعمت مسلمانوں کو اسلام ہی دیتا ہے۔ یہ حج کا اجتماع ایک منظم اجتماعیت ہے جو وحدت ملت کے اجتماع کے ساتھ مجاہدانہ زندگی کا نقشہ بھی دیتا ہے اور اللہ کے دربار میں حاضر ہوکر اپنی عاجزی کا ثبوت دینے کی ادنی سی کوشش کرتا ہے(۱۸۴)۔

اسلام میں عبادات کی دیگر اقسام

اس سے مراد بعض معروف اعمال عبادت مثلاً پرستش، دعا اور قربانی وغیرہ مراد لئے جاتے ہیں، اخلاق اور معاملات اس میں

شامل نہیں سمجھے جاتے اسلام میں اس کا لامحدود معنی مراد لیا گیا ہے اس میں بندوں کے حقوق کی ادائیگی بھی شامل ہے کیونکہ یہ بھی عبادت میں شامل ہے جس نے خدا کا حق ادا کیا اور بندوں کا حق ادا نہ کیا وہ خدا کی نظر میں عابد نہیں۔قرآن میں ہے: ﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا﴾ (۱۸۵)۔

ترجمہ: اور عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور نہ شریک بناؤ اس کے ساتھ کسی اور کو اور والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو نیز رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور پڑوسیوں جو رشتہ دار ہیں اور پڑوسی جو رشتہ دار نہیں ہیں اور ہم مجلس اور مسافر اور جو (لونڈی غلام) تمہارے قبضے میں ہیں (ان سب سے حسن سلوک کرو) بیشک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا اس کو جو مغرور ہو فخر کرنے والا ہو۔

فی الحقیقت اسلام میں انسان کا ہر عمل عبادت اور باعث اجر ہے۔خواہ وہ عمل بادی النظر میں بالکل حقیر ہو بلکہ سراسر دنیا کا کام معلوم ہوتا ہو۔بشرطیکہ اس عمل سے خدا کی رضا اور اس کا تقرب مطلوب ہو۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

((...لی مال،اوصی بمالی کله؟قال :لا،قلت:فالشطر؟.....،ان تدع و رثتک اغنیاء خیر من ان تدعهم عالة یتکففون الناس فی ایدیهم ،و مهما انفقت فهو لک صدقة حتی اللقمة ترفعها فی فی امراتک،و لعل اللّٰه یرفعک،ینتفع بک ناس،ویضر بک آخرون))(۱۸۶)۔

ترجمہ: میرے پاس مال ہے کیا میں سب کو خدا کے راستے میں خرچ کرنے کی وصیت کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔پھر پوچھا نصف ۔۔۔۔۔۔پھر آپ ﷺ نے فرمایا تو اپنے ورثاء کو اغنیاء چھوڑ کر جاؤ یہ تمہارے لئے اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرتے پھریں۔آپ ﷺ نے فرمایا سعد تم جو کچھ راہ خدا میں اس کی خوشنودی کی طلب میں خرچ کرو گے اس کا ثواب تم کو ضرور ملے گا یہاں تک کہ جو لقمہ تم اپنی بیوی کے منہ میں اس غرض سے ڈالو گے اس کا بھی تم کو ثواب ملے گا۔نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد مبارکہ ہے:

((ما اطعمت نفسک فهو لک صدقة' ما اطعمت ولدک فهو لک صدقة' ما اطعمت زوجک فهو لک صدقة وما اطعمت خادمک فهو لک صدقة))(۱۸۷)۔

ترجمہ: تم نے خود اپنے آپ کو جو کھلایا وہ تمہاری طرف سے صدقہ ہے۔جو اپنی اولاد کو کھلایا وہ بھی تمہاری طرف سے صدقہ ہے،جو اپنی بیوی کو کھلایا وہ تمہاری طرف سے صدقہ ہے اور اپنے نوکر کو جو کھلایا وہ بھی تمہاری طرف سے صدقہ ہے۔

اسلام میں ہر چیز جس کا تعلق انسانی ذات سے ہے عبادت میں شامل ہے اگر اسلام کے قوانین کے مطابق ادا کی جائے (۱۸۸)۔ نبی ﷺ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

((ما من مسلم یغرس غرساً ،او یزرع زرعاً، فیاکل منه طیر او انسان او بهیمة ،الا کان له به صدقة))(۱۸۹)۔

ترجمہ: جس مسلمان نے بھی درخت لگایا یا کھیتی کی پھر اس درخت یا کھیتی سے چڑیا یا انسان یا جانور کھائے تو یہ ضرور اس کی طرف سے صدقہ ہوگا۔

انسانی معاشرے میں مزاج اور مفادات کے مختلف ہونے کی وجہ سے بسا اوقات آپس کے تعلقات متاثر ہوتے ہیں اور دلوں میں بغض ونفرت کے جذبات پیدا ہوجاتے ہیں ان بگڑے ہوئے تعلقات کو درست کرنا بھی عبادت ہے۔

ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

((ألا أخبرکم بأفضل درجة الصیام والصلوٰة والصدقة قالوا! بلی یا رسول اللّٰه قال: اصلاح ذات البین وفساد ذات البین الحالقة))(۱۹۰)۔

ترجمہ: تم کو نفل روزہ نماز اور صدقہ سے بھی بڑھ کر درجہ کی چیز نہ بتاؤں۔صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ضرور ارشاد فرمائیں۔آپ نے کہا وہ ہے آپس کے تعلقات کا درست کرنا ،اور آپس میں تعلقات کا فساد ہلاک کردینے والا ہے۔

ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرادینا،اندھے کو راستہ دکھادینا بھی اسلام میں ایک نیکی اور صدقہ ہے۔چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

((کل سلامی من الناس علیه الصدقة کل یوم تطلع [فیه] الشمس)). قال: تعدل بین الاثنین صدقة،وتعین الرجل فی دأبته فتحمله علیها،أو ترفع له علیها متاعه صدقة)). قال:((الکلمة الطیبة صدقة،وکل خطوة تمشیها إلی صلوة صدقة، وتمیط الاذی عن الطریق الصدقة))(۱۹۱)۔

ترجمہ: لوگوں کے ہر جوڑ کی طرف سے روزانہ صدقہ کرنا واجب ہوتا ہے۔فرمایا: دو بندوں کے درمیان انصاف کا معاملہ کرنا صدقہ ہے۔آدمی کو اس کے جانور پر سوار کرا دینا یا اس کے سامان کو اس پر لاد دینا،بھلی بات کہنا،نماز کے لئے پیدل چل کر جانا اور راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا وغیرہ صدقہ ہے۔

خدمت خلق:

اسلام کے تصور عبادت میں خدمت خلق کا شمار بھی عبادت میں ہوتا ہے۔اور اس کا درجہ بہت بلند ہے۔ایک حدیث میں کل مخلوق کو اللہ کا کنبہ کہا گیا ہے۔اور وہی شخص اس کی نگاہ میں زیادہ محبوب ہے جو اس کے کنبے کے لئے زیادہ نفع بخش ہو۔حدیث مبارکہ ہے:

(الخلق كلهم عيال الله وأحبهم إليه أنفعهم لعياله)(۱۹۲)۔

ترجمہ: مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے۔اور اس کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ وہی ہے جو اس کے کنبے کیلئے زیادہ خیر خواہ ہو۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ، ۔چنانچہ فرمان نبوی ہے:

((الساعي على الأرملة والمسكين كالمجاهد في سبيل الله أو كالذي يصوم النهار ويقوم الليل)) (۱۹۳)۔

ترجمہ: مسکین اور بیوہ کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والے اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے روزہ دار اور رات کو نماز پڑھنے والے کے برابر ہے۔

منذر بن جریر اپنے والد جریر سے روایت کرتے ہیں:

((كنا عند رسول الله ﷺ في صدر النهار ، قال فجاء ه قوم حفاة عراة مجتابي النمار او العباء، متقلدي السيوف . عامتهم من مضر ،بل كلهم من مضر ،فتغير وجه رسول الله ﷺ لما رأى بهم من الفاقة،فدخل ثم خرج،فأمر بلال فإذّن وأقام،فصلى ثم خطب ....حتى رأيت وجه رسول الله ﷺ يتهلل ،كأنّه مُذهبة.........۔))(۱۹۴)۔

ترجمہ: ہم رسول اکرم ﷺ کے پاس دن کے درمیانی حصے میں بیٹھے ہوئے تھے چنانچہ کچھ لوگ ننگے پاؤں صرف کمبل اوڑھے ہوئے حاضر ہوئے۔ان کی گردن میں تلواریں لٹکی ہوئی تھیں اکثر و بیشتر کا تعلق قبیلہ مضر سے تھا۔آپ ﷺ کی نظر جیسے ہی ان کے خستہ حال چہرے پر پڑی تو چہرہ انور کا رنگ بدل گیا گھر میں تشریف لے گئے' کچھ دینے کو نہ ملا تو پریشانی کے عالم میں باہر آگئے بلال سے کہا کہ تم مسلمانوں کو جمع کرلو۔چنانچہ وہ جمع ہوگئے اور سب نے آپ کے فرمان کے مطابق بہت سارا سرمایہ جمع کردیا اور آپ ﷺ کے حوالے کردیا۔یہ دیکھ کر آپ ﷺ نہایت خوش ہوگئے۔

ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ روز آخرت فرمائے گا:

((ان اللّه عزوجل يقول يوم القيامة : يا ابن آدم مرضت فلم تعدني قال يا رب كيف اعودك وانت رب العالمين قال اما علمت أن عبدي فلانا مرض فلم تعده ؟ اما علمت انك لو عدته لوجدتني عنده' يا ابن استطعمتك فلم تطعمني قال يا رب وكيف اطعمك وانت رب العالمين قال اما علمت انه استطعمك عبدي فلان فلم تطعمه اما علمت انك لو اطعمته لوجدت ذلك عندي . يا ابن آدم استسقيتك فلم تسقني قال يا رب كيف اسقيك وانت رب العالمين قال استسقاك عبدي فلان فلم تسقه اما أنك لو سقيته وجدت ذلك عندي))(۱۹۵)۔

ترجمہ : اے ابن آدم میں بیار ہو گیا تھا مگر تو نے میری عیادت نہیں کی ۔بندہ عرض کرے گا اے رب میں بھلا تیری عیادت کیونکر کرتا تو تو پروردگار عالم ہے ۔اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ میرا فلاں بندہ بیار ہو گیا تھا اور تو نے اس کی عیادت نہیں کی ۔اگر تو اس کی عیادت کرتا تو اس کو میرے پاس پاتا ۔اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا مگر تو نے نہیں کھلایا بندہ عرض کریگا اے رب میں تجھ کھانا کیونکر کھلاتا تو تو سارے جہاں کا پروردگار ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ میرے فلاں بندے تجھ سے کھانا مانگا مگر تو نے کھانا نہیں کھلایا ؟ کیا تو نہیں جانتا کی اگر تو اسے کھانا کھلاتا تو اس کھانے کو میرے پاس پاتا ۔اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا مگر تو نے نہیں پلایا بندہ عرض کرے گا کہ اے پروردگار میں تجھے پانی کیونکر پلاتا تو تو رب العالمین ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے فلاں بندے تجھ سے پانی مانگا مگر تو نے نہیں پلایا اگر تو اس کو پانی پلاتا تو اس کو میرے پاس پاتا ۔

اسلام میں جانوروں سے حسن سلوک کی تاکید:

انسان تو انسان،اسلام تو جانوروں کے ساتھ بھی حسن سلوک کو نیکی کا کام بتاتا ہے ۔حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے:

((أن رسـول الـلّـه صلى الله عليه وآله وسلم قال : بينما رجل يمشي بطريق ،اشتد عليه العطش ،فـوجـد بـئرا فنزل فيها ،فشرب ثم خرج ،فإذا كلب يلهث يأكل الثرى من العطش،فقال الرجل:لقد بـلـغ هـذا الـكلب من العطش مثل الذى كان بلغ بى ،فنزل البئر فملاء خفه ،ثم أمسكه بفيه ،فسقى الـكـلـب ،فشـكـر الـلّه له فغفر له ،قالوايا رسول اللّه ،وان لنا فى البهائم أجراً؟فقال :فى كل ذات كبد رطبة أجر.))(۱۹۲) ۔

ترجمہ :آپ ﷺ نے فرمایا ایک آدمی جا رہا تھا اس کو شدت کے ساتھ پیاس لگی ۔اس نے ایک کنواں دیکھا پاس آکر اس سے پانی پیا۔اس دوران اس کی نظر ایک کتے پر پڑی جو پیاس کی شدت سے زبان نکالے ہوئے مٹی چاٹ رہا ہے ۔اس نے کہا اس کی وہی حالت ہے جو ابھی تھوڑی دیر پہلے میری تھی ۔چنانچہ وہ کنویں کے پاس پہنچا اور اپنا موزہ اتارکر اس میں پانی بھرا اور اس کتے کو پلایا ۔اللہ نے اس کے اس عمل کو پسند کیا اور اس کو بخش دیا ۔جب صحابہ نے یہ قصہ سنا تو تعجب سے کہا' اے اللہ کے رسول ؛ کیا جانوروں کے ساتھ حسن سلوک میں بھی اجر ہے؟ فرمایا ہر ذی حیات کے ساتھ حسن سلوک میں اجر ہے ۔

اسلام نے مخلوق خدا کے ساتھ حسن سلوک کو محض نیکی قرار نہیں دیا بلکہ اسکو اسلامی عبادات میں ایک اہم عبادت کا درجہ دیا ۔اسلام میں نماز کے بعد جو دوسری بڑی عبادت ہے وہ زکوٰۃ ہے' جو غرباو مساکین کی خبر گیری کا دوسرا نام ہے ۔قرآن مجید میں اکثر مقامات پر نماز کا ذکر زکوٰۃ کے ساتھ آیا ہے (**اقيموا الصلوٰة واتوا الزكوٰة**)اس التزام سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ نماز اور زکوٰۃ لازم اور ملزوم ہیں ۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں ایک بندہ مومن کا ہر وہ کام' خواہ چھوٹا ہو یا بڑا' خواہ آخرت سے متعلق ہو یا دنیا سے' عبادت ہے جو خدا

کی رضا اور خوشنودی کے لئے کیا جائے ۔دوسرے لفظوں میں حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی ادائیگی عبادت میں داخل ہے ۔اسلام راہبانہ تصور عبادت کی نفی کرتا ہے لیکن اس کے باوجود ایک طبقہ ایسا پایا جاتا ہے جس میں اس تصور عبادت کی جھلک نظر آتی ہے ۔جبکہ اسلام رہبانیت کے وجود تک کا منکر ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَرَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ﴾(۱۹۷)۔

ترجمہ: اور رہبانیت کو انہوں نے خود ایجاد کیا تھا اور ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا البتہ انہوں نے رضائے الٰہی کے حصول کے لئے اسے اختیار کر لیا تھا۔ پھر وہ اسے نباہ نہ سکے جیسے اس کے نباہنے کا حق تھا۔

حدیث مبارکہ میں آیا ہے: ((لا رهبانية فى الإسلام))(۱۹۸)۔

ترجمہ: اسلام میں رہبانیت (کی کوئی گنجائش) نہیں ہے۔

اگر کسی شخص کو لفظ رہبانیت سے کوئی خاص انس ہو تو وہ جان لے کہ اسلام کی لغت میں اس کا مفہوم ترک دنیا نہیں بلکہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے:

((رهبانية هذه الأمة الجهاد فى سبيل اللّٰه))(۱۹۹)۔

ترجمہ: میری امت کی رہبانیت جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے سختی کے ساتھ رہبانیت کی جملہ اعمال اور اشکال مثلاً ترک دنیا، نفس کشی، ترک لذائذ اور عبادت (پرستش) میں ریاضیات شاقہ کرنے کی نفی کی ہے۔اللہ کو اپنے بندوں سے جسمانی ریاضتیں نہیں بلکہ تقویٰ مطلوب ہے نبی ﷺ نے فرمایا:

((اياكم والغلو فى الدين ،فانه (فانما)اهلك من كان قبلكم الغلو فى الدين))(۲۰۰)۔

ترجمہ:اے لوگو!تم دین میں سختی کرنے سے بچو(یعنی افراط اور غلو سے کیونکہ تم سے پہلے لوگ دین میں اسی غلو کرنے کی وجہ سے تباہ ہوئے

اسلام میں اشکال عبادت اور رسوم عبادت:

ہر قوم میں عبادت کے کچھ طریقے اور مراسم مقرر ہیں جن کی لوگ دوران عبادت پابندی کرتے ہیں ۔یہ طریقے اور رسمیں مقصود عبادت یعنی اللہ کی یاد اور اس کی اطاعت اور بندگی کے اظہار کے لئے مقرر کی گئی تھیں لیکن امتداد زمانہ کے ساتھ عبادت کے اشکال اور مراسم کو ہی اصل اہمیت حاصل ہوگئی اور مقصود عبادت نظروں سے اوجھل ہوگیا۔اشکال عبادت کے

اختلاف کی وجہ سے مذہبی جھگڑے پیدا ہو جائے آج بھی مختلف قوموں کے درمیان مذہبی اختلافات کی بڑی وجہ عبادت کی اشکال اور اعمال کا اختلاف ہے۔ کیونکہ اس نے لوگوں کو گمراہ کیا اور نوبت جھگڑوں تک پہنچی۔ ماضی میں یہود و نصاریٰ نے اس معاملے میں کافی غلو کا مظاہرہ کیا۔ قرآن کریم کی سورہ البقرۃ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَ حِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾ (۲۰۱)۔

ترجمہ: نیکی یہ نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق کی طرف کرلو یا مغرب کی طرف ۔ بلکہ نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر روزآخرت پر' فرشتوں پر 'کتابوں پراورنبیوں پر ایمان رکھے۔ اورمال کی (حاجت اور) محبت کے باوجود اس کو رشتہ داروں' یتیموں' مسکینوں' مسافروں اور سوال کرنے والوں کو دے ۔ نیز گردن چھڑانے میں خرچ کرتا ہو' نماز قائم کرتا ہو' زکوٰۃ دیتا ہو اور(جو لوگ)عہد کر لینے کے بعد(عہد کو) پورا کرتے ہیں وہ تنگ دستی' بیماری اور جنگ میں ثابت قدم رہتے ہیں ایسے ہی لوگ سچے ہیں اور یہی لوگ (فی الواقع) خداترس ہیں۔ نیکی دراصل تقویٰ ہے۔

چنانچہ ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ لَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (۲۰۲)۔

ترجمہ: نیکی یہ نہیں کہ تم گھروں میں پیچھے سے آؤ۔ بلکہ نیکی اس کی ہے جس نے تقویٰ اختیار کیا اور گھروں میں ان کے دروازں سے داخل ہوں اور اللہ کی نافرمانی سے بچو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

ایام حج میں عرفات سے واپسی کے بعد حجاج منیٰ میں قیام کرتے ہیں اس قیام کی مدت میں اختلاف ہوا تو فرمایا گیا:

﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾ (۲۰۳)۔

ترجمہ: اور گنتی کے چند دنوں میں اللہ کو یاد کرو۔ جو شخص دو دنوں میں اٹھ کھڑا ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو ٹھہرا رہے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ وہ ڈرتا رہے اور ڈرتے رہو اللہ سے اور خوب جان لو کہ تمہیں اس کی بارگاہ میں اکٹھا کیا جائیگا۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اسلام عبادت کی اشکال اور مراسم کی بجا آوری کا حکم تو دیتا ہے کہ ان کے بغیر عبادت کی ادائیگی ممکن نہیں لیکن اس میں غلو کو پسند نہیں کرتا کہ یہ چیز عبادت گزار کو مقصد عبادت سے جو دراصل نیکی اور تقوی ہے' غافل کرسکتی ہے۔ اگر مقصد عبادت حاصل نہ ہوتو مجرد عبادت کے ظاہری اعمال اور رسوم کی ادائیگی سے نہ دنیا میں کوئی فائدہ ہے اور نہ آخرت میں۔ رسول اکرم ﷺ نے اپنے عمل سے بھی واضح کیا کہ ظواہر عبادت میں غلو کوئی پسندیدہ چیز نہیں ہے بلکہ منافی عبادت ہے۔(۲۰۴) ۔مناسک حج میں تقدیم وتاخیر سے متعلق اسامہ بن شریک سے ایک روایت میں ہے کہ:

((قال خرجت مع رسول اللّٰہ ﷺ حاجا فکان الناس یاتونه' فمن قال یا رسول اللّٰہ'

فمن قال یا رسول اللّٰہ سعیت قبل أن اطوف أو اخرت شیئا ' فکان یقول لا حرج إلا

علی رجل افترض عرض مسلم وھو ظالم فذ لک الذی حرج وھلک)) (۲۰۵) ۔

ترجمہ: کہ میں نبی علیہ السلام کے ساتھ حج کو نکلا۔ پس لوگ آپ ﷺ کے پاس آتے۔ جس نے کہا

یارسول اللہ: میں نے طواف سے پہلے سعی کر لی' یا میں نے فلاں چیز پہلے کر لی اور فلاں چیز بعد میں کی تو

آپ ﷺ فرماتے: کچھ حرج نہیں ،حرج کی بات اور ہلاک (تباہ) کرنے والی بات تو یہ ہے کہ کوئی شخص ظلم سے

اپنے مسلمان بھائی کی جان یا عزت برباد کرے۔

معلوم ہوا کہ اسلام نے اپنے ماننے والوں پر جو عبادات فرض کی ہیں ان میں اصل اہمیت اعمال اور رسوم کی نہیں بلکہ اس کی روح یعنی تقوی کو حاصل ہے اور تقوی کا مطلب نفس کی مخالفت اور دل سے خدا کے احکام وہدایات کی پیروی ہے۔

اسلام کے تصور عبادت کی اس تفصیل وتوضیح سے معلوم ہوا کہ دوسرے مذاہب کے مقابلے میں اسکا تصور عبادت زیادہ جامع اور ہمہ گیر ہے۔ یہ ایک موحدانہ تصور عبادت ہے جس میں شرک کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ اس میں عبادت کے اشکال ومراسم کے بجائے اس کی روح (تقوی) کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اسمیں عبادت کے راہبانہ تصور کی مکمل طور پر نفی کی گئی ہے۔ اور دین ودنیا کی تفریق کے قدیم مذہبی تصور کو ختم کر کے ہر اس کام کو' خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی' عبادت قرار دیا گیا جو خدا کے حکم کے مطابق اس کی رضا کے لئے کیا جائے۔ دوسرے لفظوں میں حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں پر عبادت کا اطلاق کیا گیا اور ان کو مناسب اہمیت دی گئی ہے۔ لیکن اس تلخ حقیقت کو تسلیم کرنا ہوگا کہ اسلام کا یہ وسیع تصور عبادت اب خود مسلم معاشرہ میں ایک اجنبی چیز بن چکا ہے۔ مسلمانوں نے یہود ونصاریٰ کی پیروی میں عبادت کو رسمی پرستش اور اس کے چند ظاہری اعمال ورسوم کی انجام دہی تک محدود کر دیا ہے۔

معاملات زندگی میں خدا کی فرماں برداری اس کے دائرہ سے خارج ہے۔ غربا ومساکین کی خبر گیری سے' جسے اسلام میں عبادت کا درجہ حاصل ہے' اکثر مسلمان بالکل غافل ہیں۔ اس سے بھی زیادہ افسوس ناک بات ان کا غیر موحدانہ رویہ ہے۔ بہت سے مسلمان نمازیں پڑھتے ہیں مگر بزرگان دین کے مزارات پر جا کر وہاں سجدے بھی کرتے ہیں اور ان کو کارساز سمجھ کر حاجت روائی کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ اس سے

بڑی تو ہین عبادات اور کیا ہوگی ۔مختصر یہ کہ عبادت اب ایک رسمی عمل ہے اور اس کا مقصد صرف حصول ثواب ہے نہ کہ تقوی اور تزکیہ نفس ۔ جب کہ اسلام کا حکم یہ ہے کی ایک رب کی بندگی کی جائے اسلام انسان کیلئے کس قسم کی عبادت کا تصور پیش کرتا ہے اس کے متعلق سید مودودی لکھتے ہیں:

''اسلام کا تصور عبادت یہ ہے کہ آپ کی ساری زندگی خدا کی بندگی میں بسر ہو اور وہ اپنے آپ کو ہمہ وقتی ملازم سمجھے اس کا کوئی لمحہ کوئی کام بھی خدا کی عبادت سے خالی نہ ہو اور اس دنیا میں جو کچھ بھی کریں اللہ کی شریعت کے مطابق کریں ۔آپ کا سونا جاگنا ،کھانا پینا، چلنا پھرنا ،غرض سب کچھ اللہ کے قانون شرعی کی پابندی میں ہو خدا نے جن تعلقات میں آپ کو باندھا ہے ۔ ۔ ہر کام میں خدا کی مقرر کردہ حدود کا خیال رکھیں عبادت یہ نہیں کہ دنیا کو چھوڑ کر کونوں اور گوشوں میں بیٹھ کر اللہ اللہ کریں، بلکہ دنیوی زندگی کی ساری ذمہ داریاں سنبھال کر خدا کے قانون کی پابندی کرنا عبادت ہے ۔اللہ کے قانون کی پیروی میں چاہے کل عالم دشمن بن جائے لیکن ارادہ متزلزل نہ ہو حق کا دامن تھا میں خدا کی یاد اور آخرت کی باز پرس مادی لذتوں کو بھلا دے عدل و صداقت سے کام لیں (۲۰۶) ۔''

قرآن میں اللہ رب العالمین کا ارشاد پاک ہے

﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (۲۰۷)۔

ترجمہ: پھر جب نماز پڑھ لی جائے تو زمین میں چلو پھرو اور اللہ کے فضل کو تلاش کرو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

آپ تمام عالم کے لئے خیر کا باعث بنیں یہی اصلی عبادت ہے اسی کا مطالبہ انسان سے کیا گیا اس کا تعلق چاہے کسی مذہب سے ہو اصل پیغمبروں کی تعلیمات اور اصل اسلام یہی ہے ۔اسلام ہم سے اسی بات پر عمل کی تا کید کرتا ہے تا کہ ہم اپنی دنیا اور آخرت بہتر کر سکیں ۔

ان سب باتوں سے نتیجہ نکلتا ہے کہ الہامی مذاہب میں اللہ نے جو عبادات فرض قرار دیں وہ آغاز سے سب میں موجود تھیں انبیاء نے بھی خود ایک اللہ کی عبادت کی اور اس کے لئے مختلف طریقے اختیار کئے ۔یہودیت عیسائیت میں وہ عبادات باوجود تحریف کے آج بھی موجود ہیں عیسائیت میں اس کی مثال جو میرے اپنے مشاہدے میں بھی آئی ایک تو دعا مسلمان بھی مانگتے ہیں وہ بھی صبح شام کتاب مقدس پڑھ کر دعا مانگتے ہیں اور اتوار کو خصوصی دعا کے لئے چرچ جاتے ہیں دوسرے صبح فجر کا ابھی کچھ وقت باقی ہوتا ہے تو کیتھولک کے چرچ سے ایک گھنٹی کی زور سے آواز آتی ہے جو بتاتی ہے کہ چرچ میں ان کی عبادت اور دعا کا وقت ہے یعنی ایک ہی وقت پر مسلمان اور عیسائی عبادت اللہ کر رہے ہوتے ہیں ۔طریقہ عبادت کوئی بھی ہو مسلمان ایک اللہ کی عبادت کی طرف صرف بلاتے ہیں یہی تینوں الہامی مذاہب کے پیرو کاروں کے متحد ہونے کا بنیادی نقطہ ہے ۔

حواشی وحوالہ جات

فصل اول/باب سوم

۱۔ ابن منظور افریقی، لسان العرب ص:۳/۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۲۔

۲۔ ابی نصر اسماعیل بن حماد جوہری فارابی، الصحاح، ص: ۲/۴۳۸، دار الاحیا التراث العربی بیروت، لبنان، ۲۰۰۰ء

۳۔ ڈاکٹر یوسف قرضاوی مترجم خدا بخش کلیار، اسلام میں عبادت کا حقیقی مفہوم، ص: ۵۱، الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور

۴۔ امام راغب اصفہانی، مفردات القرآن، ص: ۲/۶۶۳۔

۵۔ اُبوالحسن علی بن اسماعیل المعروف با بن سیدہ' کتاب المخصص 'ص: ۱۳/۹۶' المطبعۃ الأولی الکبری الأمیریہ ببولاق مصر' ۱۳۱۹ھ۔

۶۔ وحیدالزمان قاسمی کیرانوی، القاموس الوحید، ص: ۱۰۳۸

۷۔ Oxford Advanced Learners Dictionary,p:1764 ,ad:7,1997

۸۔ بخاری، الجامع الصحیح بخاری کتاب العتق' باب کراہیۃ التطاول علی الرقیق' رقم الحدیث: ۲۴۱۴۔
صحیح مسلم' باب حکم اطلاق لفظ العبد والأمۃ 'رقم الحدیث: ۲۲۴۹۔

۹۔ یوسف قرضاوی' اسلام میں عبادت کا حقیقی مفہوم (مترجم)' ص: ۵۲

۱۰۔ أیضاً۔

۱۱۔ مودودی، ابوالاعلی، سید، قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، ص: ۳۷' اسلامک پبلیکیشنز لاہور۔

۱۲۔ شیخ محمد عبدہ، تفسیر المنار، المنار، ص:۱/ ۵۶، الہیئۃ المصریہ العامہ للکتاب، سنہ النشر ۱۹۹۰ء

۱۳۔ أیضاً۔

۱۴۔ أیضاً، ص:۵۷

۱۵۔ Encyclopeadia Americana,v:22, p:521

۱۶۔ علامہ محمد شلتوت، الاسلام، مترجم حافظ سید عبدالرشید ندوی، ص:۹۹، نفیس اکیڈمی کراچی۔

۱۷۔ پروفیسر فضل احمد، اساسیات اسلام، ص:۵۸، ۵۹، مکتبہ تعمیر اسلام لاہور

۱۸۔ Encyclopeadia Americana,v:22, p:521

۱۹۔ ibid

۲۰۔ ایف ایس خیر اللہ، قاموس الکتاب، ص:۶۲۴، دیکھئے: سیالتی ایل نام کے معنی

۲۱۔ عہدنامہ قدیم، استثنا ۱۰:۱۲۔ عہدنامہ قدیم، یشوع ۲۲:۵۔ عہدنامہ جدید، تھسلنیکیوں، ۱:۹
وغیرہ، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے زبور جو مکمل طور پر خدائے واحد کی حمد وستائش پر مشتمل ہے۔

۲۲۔ عہدنامہ قدیم، احبار، ۲۶:۱

۲۳۔ ڈاکٹر عبدالرشید، ادیان و مذاہب کا تقابلی مطالعہ، ص:۲۷۴، طاہر سنز کراچی، ۱۹۸۶

۲۴۔ عہدنامہ قدیم، احبار، ۱:۳ تا ۹۔ ڈاکٹر عبدالرشید، ادیان و مذاہب کا تقابلی مطالعہ، ص:۲۸۳،

۲۵۔ علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الھندی، کنزالعمال، ص:۴/۲/۷، دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان۔

۲۶۔ کنزالعمال، ص:۴/۱۱۲۔ نیز دیکھئے ابوداؤد، سنن ابوداؤد، کتاب الصلوۃ، باب الصلوۃ فی النعل حدیث:۶۵۲۔
نیز دیکھئے الجامع الصحیح، کتاب احادیث الانبیاء حدیث ۲۳۷۵۔ صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب قطع السارق
حدیث:۱۶۸۸

۲۷۔ کنزالعمال، ص:۴/۱۱۴۔

۲۸۔ عہدنامہ جدید، متی، ۱۹:۲۱، ۲۲۔

۲۹۔ سید امیر علی، روح اسلام، مترجم: ہادی حسین، ص:۱۱۴۔ عہدنامہ جدید، متی، ۶:۱۶ تا ۱۸

۳۰۔ البقرۃ:۹۶۔

۳۱۔ عہدنامہ قدیم، خروج ۳۲:۸۔ گنتی ۲۵:۵ وغیرہ۔

۳۲۔ عہدنامہ قدیم، پیدائش ۴:۲۶۔ خروج ۳۴:۱۴؛ احبار ۲۶:۳۰ وغیرہ۔

۳۳۔ عہدنامہ قدیم،یسعیاہ۲۴:۱۵ '۱۷(قب سجدہ کرنا)۔دانی ایل۳:۵۔سجدہ کرنا شاخہ۔پیدائش۲۲:۵۔سجدہ کرنا۔
سموئیل ا:۳؛۔استثنا،۱۱:۱۶اوغیرہ۔

۳۴۔ عہدنامہ قدیم، پیدائش۲۴:۲۶ ۲مابعد۔عہدنامہ قدیم،خروج ۳۳:۹ '۳۴:۸لیکن زور با جماعت
عبادت پر ہے۔عہدنامہ قدیم،زبور،۱۴۲:۴عہدنامہ قدیم،؛تواریخ ۲۹:۲۰۔

۳۵۔ مثلاً عہدنامہ قدیم،زبور۹۳ '۹۵تا ۱۰۰ا وردعاؤں مثلاً عہدنامہ قدیم،زبور۶ '۷۹،۸۰۔عہدنامہ قدیم،استثنا۱۱:۱۳۔

۳۶۔ عہدنامہ جدید،لوقا۱۰: ۲۵ومابعد؛عہدنامہ جدید،متی۵:۲۳ومابعد؛عہدنامہ جدید،یوحنا۴:۲۰۔۲۴،
عہدنامہ جدید،یعقوب ا:۲۷۔

۳۷۔ Encyclopeadia of Judaism,vol:3, p:1063,1064. Topic: Prayer
مزید تفصیل کے لئے دیکھئے سید ابوالحسن علی ندوی،ارکان اربعہ،ص:۹۷،۹۸

۳۸۔ أیضا۔

۳۹۔ عہدنامہ قدیم،استثناء۱۰:۱۲۔۶:۱۳

۴۰۔ ایضاً،خروج '۳۴:۶۔

۴۱۔ ایضاً،زبور۸۵:اتا ۱۳۔

۴۲۔ ایضاً ،دانی ایل'۶:۱۰تا ۱۳۔

۴۳۔ سید ابوالحسن علی ندوی،ارکان اربعہ،ص:۹۷،۹۸۔شبلی نعمانی،سیرت النبی،ص:۴/۲۳۰

۴۴۔ Encyclopeadia of Judaism,vol:3, p:1063,1064. Topic: Prayer

۴۵۔ عہدنامہ قدیم،زبور۵۵:۱۶ '۱۷۔

۴۶۔ Judaism a way of life , p:298,

The New Encyclopeadia Britannica , v:ix, p:668

Jewish Encyclopedia ,vol: 10 p: 166 , Prayer in Jewish

۴۷۔ أیضا

۴۸۔ Ibid

۴۹۔ البقرۃ:۸۳۔

۵۰۔ المائدۃ:۱۲

۵۱۔ خیرات کالفظ پروٹسٹنٹ بائیبل میں ۱۹مرتبہ آیا ہے۔عہدنامہ قدیم میں صرف ایک مرتبہ واضح طور

پر استعمال ہوا ہے۔ دیکھئے آستر، ۲۲:۹۔ استشناء، ۱۱:۱۵۔ نیز دیکھئے امثال، ۲:۱۴۔ ۲۰:۳۱

۵۲۔ یسعیاہ، ۷:۵۸

۵۳۔ المریم: ۵۵٬۵۴

۵۴۔ عہدنامہ قدیم، احبار۔ ۳۲،۳۰:۲۷۔ ایضاً خروج۔ ۱۵٬۱۳٬۳۰۔ احبار، ۳۱:۲۷۔ نیز دیکھئے گنتی، ۲۶،۲۱:۱۸۔ استثنا، ۲۴،۲۳،۲۲:۱۴، ۲۸۔ ۱۲:۲۶۔ دیکھئے، کلیدالکتاب، ص: ۷۷۳ لفظ "دہ یکی"

۵۵۔ عہدنامہ قدیم، خروج ۲۰: ۱۶٬۲۶ تا ۲۸۔ نیز دیکھئے: سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی، ص: ۱۱۴/۵

۵۶۔ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا، ص: ۱۰۳/۳ مضمون: خیرات Charity، نیز دیکھئے عہدنامہ قدیم، خروج ۳۰: ۱۶۔ ۲۱:۳۸

۵۷۔ عہدنامہ قدیم، خروج۔ ۲۶٬۳۸٬۱۶٬۳

۵۸۔ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا، ص: ۱۰۳/۳۔

۵۹۔ البخاری، الجامع الصحیح بخاری، کتاب الزکوۃ، باب لا صدقة إلا ظهر غنى ، رقم الحديث: ۱۴۲۷ صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، باب بیان ان الید العلیا خیر من الید السفلی، حدیث: ۲۳۸۶ نیز دیکھئے حدیث: ۲۳۸۸۔

۶۰۔ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا"، ص: ۱۰۳/۳، مضمون: خیرات Charity

۶۱۔ البقرۃ: ۲۶۴۔

۶۲۔ Encyclopadia of religion and ethics , v:3, P :389 to 391.

۶۳۔ أیضا

۶۴۔ ایضاً، نیز دیکھئے أبوالحسن علی ندوی، ارکان اربعہ، ج ۵، ص: ۱۹۰۔

۶۵۔ عہدنامہ قدیم، نحمیاہ، ۱۰: ۱۳۔ ۱۳: ۱۰۔ ۳۳: ۱۰۔ ۱۰: ۳۳۔ ۳۸: ۷۔ ۷: ۳۸،

۶۶۔ Judaism G.F Moore (Prof. History of Religion) vol: ii p:67,University Harvar U.S.A

۶۷۔ Encyclopeadia of Religion and Ethics, V:iii, P:389 to 391

آل عمران ۱۸۱۔ المائدہ: ۶۴۔

۶۸۔ البقرۃ: ۸۳۔

۶۹۔ دیکھئے عہدنامہ قدیم، احبار ۱۶:۲۹٬۳۱؛ ۲۳:۲۷٬۳۲، گنتی ۲۹:۷؛ ۳۰:۱۳۔ زبور ۳۵:۱۳۔

۷۰۔ ایضاً، سموئیل ۷:۶۔

۷۱۔ عہدنامہ قدیم، یرمیاہ ۳۶:۹۔

۷۲۔ عہدنامہ قدیم،سلاطین ۲۱:۹۔۱۶۔

۷۳۔ عہدنامہ قدیم،زکریاہ ۸:۱۹۔

۷۴۔ عہدنامہ قدیم،آستر ۹:۳۱۔

۷۵۔ تفصیل کیلئے دیکھئے عہدنامہ قدیم،سموئیل دوم ۱۲:۲۲۔عہدنامہ قدیم،قضاۃ ۲۰:۲۶۔

۷۶۔ عہدنامہ قدیم،سموئیل اول ۳۱:۱۳۔سموئیل دوم:۱۲:۱۔۳:۳۵ نحمیاہ ۱:۴۔آستر ۴:۳،زبور ۳۵:۱۳'۱۴۔

۷۷۔ عہدنامہ قدیم،سموئیل اول:۷:۶۔سلاطین اول:۲۱:۲۷۔نحمیاہ:۹:۱'۲۔دانی ایل ۹:۳'۴۔یوناہ ۳:۵تا۸۔

۷۸۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے ،ایف ایس خیراللہ،قاموس الکتاب،ص:۴۵۲۔

۷۹۔ أیضا۔ نیز دیکھئے عہدنامہ جدید،اعمال،۹:۲۷۔عہدنامہ جدید،لوقا،۱۸:۱۲۔۲:۳۷

۸۰۔ أیضا۔

۸۱۔ أیضا۔

۸۲۔ الحج:۳۴،۶۷۔

۸۳۔ The New Encyclopaedia Britannica , v:ix, P:442.
Jewish Encyclopeadia , vol:10, Topic: Pantecos

۸۴۔ ایضاً

۸۵۔ ندوی،ابوالحسن علی،ارکان اربعہ،ص:۳۶۵/۵'۳۶۶۔ فادر یونس شہزاد،او پی بلطّوریا اور مومنین ص:۲۳،

۸۶۔ Encyclopeadia of Religion and Ethics, v:10, p:23, 24
نیز دیکھئے فادر یونس شہزاد،او پی بلطّوریا اور مومنین ،ص:۲۳،۲۱

۸۷۔ أیضا، A short history of our religion , D C Samereweal, p:98 ,G.bell&sons London, 1948

۸۸۔ أیضاً۔

۸۹۔ A short of history of our religion , D C Samerwail, p:157

۹۰۔ ibid, P:145, 146

۹۱۔ عہدنامہ جدید،اعمال ۲:۱'۴۔۲۰:۷۔عہدنامہ جدید،کرنتھیوں،۲:۱۶۔

۹۲۔ عہدنامہ جدید،افسیوں ۵:۱۹، کلسیوں ۳:۱۶۔کرنتھیوں باب ۱۴، ۱۱:۲۳، ۲۸ دیکھئے: قاموس الکتاب سے دعا اور حمد وثناء۔

۹۳۔ عہدنامہ جدید،متی ۲۲:۳۷

۹۴۔ ماہنامہ تہذیب الاخلاق، ''مختلف مذاہب میں عبادت کا تصور، شبانہ اعظمی ص:۶۴، شبلی روڈ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔

۹۵۔ عہدنامہ جدید،لوقا ۱۸:۱۔

۹۶۔ عہدنامہ جدید،اعمال ۱۰:۹۔

۹۷۔ ایضاً ۳:۱۔نیز دیکھئے کتاب اعمال ہی کا باب ۱۰:۳۰، اس میں بھی تیسری پہر کا واضح ذکر موجود ہے۔یونانی نسخے میں تیسرے پہر کی بجائے نویں گھڑی لکھا ہے۔جس کو ہم عصر کہتے ہیں۔پھر اسی وقت کی نماز کا ذکر اعمال میں بھی ہے۔

۹۸۔ عہدنامہ جدید،لوقا ۱۱:۲۲:۳۹۔

۹۹۔ عہدنامہ جدید،مرقس ۲:۳۵۔

۱۰۰۔ عہدنامہ قدیم،زبور ۵۵:۱۶، ۱۷۔عہدنامہ جدید،مرقس ۱:۳۵۔۳:۱۰، ۳۰، عہدنامہ جدید،لوقا ۱۱:۲۲، ۳۹۔

۱۰۱۔ The book of common Prayer ,The Church of India , ابوالحسن
علی ندوی،ارکان اربعہ، ص:۵/۳۶۵ Pakistan Burma and ceylon 963

۱۰۲۔ ایضاً ص:۵/۳۶۵، ۳۶۶

۱۰۳۔ The book of common Prayer , The Church of India , Pakistan, Burma
. مزید تفصیل کے لئے دیکھئے ابوالحسن علی ندوی،ارکان اربعہ۔ and ceylon,p: 963

۱۰۴۔ قاموس الکتاب، ص:۳۸۳، مزید تفصیل کیلئے دیکھئے: سموئیل اول ۲:۳۶۔زبور ۱۰۹:۱۰

۱۰۵۔ عہدنامہ جدید،لوقا،۶:۳۰ تا ۳۵

۱۰۶۔ Encyclopaedia of Religion and Ethics v:03, P:382 to 385 ,

۱۰۷ ibid, P:381, 382. -

۱۰۸۔ عہدنامہ جدید،متی،۱۷:۲۴ نیز دیکھئے لوقا،۱۸:۱۰۔۲۱:۱۔متی،۱۹:۲۴

۱۰۹۔ ایف ایس خیر اللہ،قاموس الکتاب، ص:۳۸۴)۔عہدنامہ جدید،مرقس ۱۲:۴۱ تا ۴۴۔

۱۱۰۔ عہدنامہ جدید،متی ۶:۱ تا ۴۔اعمال ۲۰:۳۵۔

☆ عہدنامہ جدید،کرنتھیوں ۹:۷۔مرقس ۱۲:۴۲ تا ۴۴۔اعمال ۱۰:۴۔۲:۴۵۔ تیمتھیس ۵:۱۰۔قاموس الکتاب میں (غریب اور غریبی)۔

۱۱۱۔ عہدنامہ جدید،متی ۴:۲۔۶:۱۶، ۱۸۔لوقا،۵:۳۳، ۳۵

۱۱۲۔ ایضاً،لوقا:۱۸:۱۲۔

۱۱۳۔ ایضاً، لوقا۲: ۳۷۔ متی۴: ۱تا۴۔ عہدنامہ قدیم، خروج: ۳۴: ۲۸، سلاطین اول: ۱۹: ۸۔

۱۱۴۔ عہدنامہ جدید، متی ۶: ۱۶تا ۱۸۔

۱۱۵۔ عہدنامہ جدید، متی: ۹: ۱۴تا ۱۷۔ مرقس: ۲: ۱۸تا ۲۲۔ اور لوقا: ۵: ۳۳تا ۳۹۔ اعمال: ۱۳: ۲، ۳

۱۱۶۔ ایف ایس خیر اللہ، قاموس الکتاب، ص: ۴۵۲۔

۱۱۷۔ Encyclopaedia of Religion and Ethics , v:03, P:288 to 289

۱۱۸۔ سورۃ البقرۃ: ۱۸۳۔

۱۱۹۔ Encyclopedia of relagion and Ethics ,vol:x(10),p:18
,22,topic :pilgrimege

۱۲۰۔ Jewish Encyclopaedia,topic v:9, p:442. pilgrimege,vol x

۱۲۱۔ Jewish Encyclopaedia, Encyclopaedia of Religion and Ethics.
The New Encyclopaedia Britannica ,v:9, : p:442

۱۲۲۔ مولانا عاصم نعمانی، نماز کا مقام، ص: ۱۸تا ۲۶۔

۱۲۳۔ منظور نعمانی، دین و شریعت، ص: ۱۲۵

۱۲۴۔ امام راغب اصفہانی، مفردات القرآن، ص: ۲/ ۲۶۳

۱۲۵۔ ہود: ۲۶۔

۱۲۶۔ سید قاسم محمود، شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا، ص: ۲/ ۱۱۱۴، ۱۱۱۵۔

۱۲۷۔ ابن منظور، لسان العرب، ۳: ۲۷۲

۱۲۸۔ الذاریات: ۵۶۔

۱۲۹۔ ابوالحسن علی ندوی، دستور حیات، ص: ۸۹، ۹۰، مجلس نشریات اسلام، کراچی ۱۹۸۶ء۔ ملاحظہ کیجئے: کتب احادیث
ابواب، عبادات اور آیات، سورہ السجدہ: ۱۶۔ فرقان: ۶۴، آل عمران: ۱۷، الاحزاب: ۴۲، کہف: ۲۸، انعام: ۵۲۔

۱۳۰۔ ڈاکٹر حمودہ عبد العاطی، اسلام ایک روشن حقیقت، ص: ۱۲۷تا ۱۳۰، مترجم: شریف احمد،
فیمس بکس لاہور۔

۱۳۱۔ دستور حیات، سید ابوالحسن علی ندوی، ص: ۸۹۔ سید قاسم محمود، شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا، ص: ۲/ ۱۱۱۴۔

۱۳۲۔ منظور نعمانی (مولانا): دین و شریعت، ص: ۴۷۔

۱۳۳۔ تفصیل کیلئے دیکھئے، خلیفہ عبد الحکیم، اسلام کا نظریہ حیات، ص: ۱۵۹تا ۱۷۰

۱۳۴۔ امام ابن تیمیہ،العبودیہ نیز دیکھئے: یوسف قرضاوی،اسلام میں عبادات کا حقیقی مفہوم،ص:۷۶۔

۱۳۵۔ البقرہ:۲۸۵۔

۱۳۶۔ الأحزاب۳۳:۳۶۔

۱۳۷۔ النور۲۴:۵۱۔

۱۳۸۔ امام مسلم،الصحیح مسلم،کتاب البر و الصلة، باب تحریم الظلم،حدیث، ۲۵۷۷۔نیز دیکھئے،مسند احمد،۵/۱۶۰۔

۱۳۹۔ العنکبوت:۱۷۔

۱۴۰۔ بنی اسرائیل:۴۵۔

۱۴۱۔ البقرۃ:۱تا۳۔

۱۴۲۔ الأعلیٰ:۱۴،۱۵تا۱۷۔نیز دیکھئے: المعارج،المؤمنون:۹،مدثر:۴۳،نیز نماز میں منافقت کرنے والوں کے متعلق دیکھئے:النساء:۱۴۲۔

۱۴۳۔ الجامع الصحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب الایمان وقول النبی ﷺ،رقم الحدیث:۸۔

۱۴۴۔ الابراہیم:۴۰۔نیز دیکھئے محمد طاہر القادری،ڈاکٹر،ارکان اسلام،ص:۱۵۸،۱۵۹

۱۴۵۔ امام ربیع بن حبیب،الأزدی،الجامع الصحیح مسند الامام الربیع، کتاب الصلوۃ ووجوبھا،باب فی فضل الصلوۃ،رقم الحدیث:۲۸۵۔

۱۴۶۔ ہود:۸۷۔

۱۴۷۔ لقمان:۱۷۔

۱۴۸۔ طٰہٰ:۱۴۔نیز دیکھئے محمد، طاہر القادری، ڈاکٹر،ارکان اسلام،ص:۲۱۴،۲۱۳،

۱۴۹۔ اسلام میں عبادت کا حقیقی مفہوم،نیز دیکھئے حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ،ابوزہرہ،مترجم سید رئیس جعفری،المکتبہ السّلفیہ لاہور۔ابن تیمیہ،العبودیہ،ص:۸۷۔الحجر:۹۹۔

۱۵۰۔ سنن نسائی،کتاب عشرة النساء،۱۶۹۶۔باب حب النساء،حدیث:۳۳۹۴۔

۱۵۱۔ البقرۃ:۱۵۳۔

۱۵۲۔ سنن أبو داؤد ' باب وقت قیام النبی ﷺ من اللیل 'رقم الحدیث:۱۳۱۹۔

۱۵۳۔ طبرانی،المعجم الکبیر،رقم الحدیث:۵۵۳۔فیہ زیادہ ابن حجر۔

۱۵۴۔ البقرۃ:۲۳۸۔الحج:۷۷۔

۱۵۵۔ النساء:۴۳۔

۱۵۶۔ المؤمنون:۱،۲۔السجدۃ:۱۶۔

۱۵۷۔ نسائی،السنن الصغری لنسائی ' کتاب الزکوٰة 'باب الصدقة لا تحل للنبی ﷺحدیث:۲۵۷۹۔

۱۵۸۔ بخاری،صحیح بخاری ،کتاب الزکوۃ،باب ما یذکر فی الصدقۃ النبی ﷺ و آلہٗ حدیث
: ۱۴۹۱ . نیز دیکھئے کتاب الزکوٰۃ باب اخذ الصدقۃ التمر عند الصرام حدیث: ۱۴۸۵ .

۱۵۹ . ابو داو د،سنن ابو داود، کتاب مناسک،باب صفۃ حجۃ النبی ﷺ حدیث: ۱۳۹ .
ابن ماجہ ، کتاب مناسک،باب حجۃ الرسول اللہ ﷺ حدیث:۳۰۷۴۔دارمی،کتاب مناسک،باب فی سنۃ الحاج،حدیث:۱۸۵۰،حدیث:۱۴۹۱۔أیضا ، باب اخذ الصدقۃ التمر عند صرام۔۔۔رقم الحدیث:۱۴۸۵

۱۶۰۔ التوبہ:۳۴۔

۱۶۱ . التوبۃ:۶۰

۱۶۲۔ المزمل:۲۰۔

۱۶۳ . المائدہ:۵۵

۱۶۴۔ البخاری،الجامع الصحیح ، کتاب الایمان ،باب دعائکم ایمانکم ' رقم الحدیث:۸۔دیکھئے حوالہ:۱۴۳

۱۶۵۔ البخاری،کتاب الایمان ،باب الایمان ما ھو و بیان خصالہ ،حدیث:۵

۱۶۶۔ کتاب الزکوۃ،باب اخذ الصدقۃ من الاغنیاء،و ترد فی الفقراء حیث کانوا،رقم الحدیث :۱۴۹۶،ص:۲۴۳۔کتاب الزکوۃ،نیز دیکھئے باب لاتوخذ کرائم اموال الناس فی الصدقۃ،بخاری،کتاب ۲۴،باب:۱۸؛و۶۳،
نیز دیکھئے بخاری کتاب ۵۵، باب ۹۔کتاب ۶۹،باب۲،نسائی کتاب ۲۳،باب۵۳،دارمی کتاب ۳ باب۲۱،۲۲

۱۶۷۔ التوبہ:۵۔

۱۶۸۔ التوبۃ :۱۱۔

۱۶۹۔ صحیح مسلم، کتاب الا یمان،باب الامر بقتال الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ،رقم الحدیث:۲،۴۔ ۔نیز دیکھئے طاہر القادری،ارکان اسلام،ص:۵۱۵

۱۷۰۔ ڈاکٹر حمودہ عبد العاطی،اسلام ایک روشن حقیقت'مترجم:شریف احمد'ص:۱۷۴۔

۱۷۱۔ ابن قیم'شمس الدین أبوعبداللہ ابن قیم'زادالمعاد'ص:۱/۱۵۲۔

۱۷۲۔ البقرۃ:۱۸۳تا۱۸۵۔

۱۷۳۔ النور:۵۱۔

۱۷۴۔ الاحزاب:۳۶۔الانفال:۲۴۔

۱۷۵۔ البقرۃ:۱۸۵۔

۱۷۶۔ الملک:۱۴۔

۱۷۷۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ، ص:۳۹۵، ۳۹۶۔

۱۷۸۔ امام بخاری، الجامع الصحیح البخاری، کتاب الصوم، باب أجود ما کان النبی ﷺ یکون فی رمضان، رقم الحدیث:۱۹۰۲۔

۱۷۹۔ نسائی، سنن نسائی، کتاب الصیام، باب فضل شهر رمضان رقم الحدیث:۲۱۰۲، ۲۱۰۱۔

۱۸۰۔ ایضاً، باب فضل شهر رمضان، رقم الحدیث:۲۱۰۷

۱۸۱۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، ص:۳۹۶۔

۱۸۲۔ ایضاً۔

۱۸۳۔ آل عمران:۹۷۔

۱۸۴۔ الحج:۳۷۔

۱۸۵۔ النساء:۳۶

۱۸۶۔ ہود:۸۴تا ۸۵۔امام بخاری، ادب المفرد، باب فضل من عال ابنته المردوده حدیث : ۸۲ نیز دیکھئے، صحیح بخاری، کتاب النفقات، باب، فضل النفقة على الاهل، حديث ۵۳۵۴، ص:۹۵۶.

۱۸۷۔ احمد بن حنبل، مسند احمد، ص:۵/۱۱۶، حدیث:۱۶۷۲۷، موسسۃ الرسالۃ بیروت، ط، ثانیہ، ۲۰۰۸ء۔ نیز دیکھئے: الطاف احمد اعظمی، ۲۔ مختلف مذاہب میں عبادت کا تصور، ص:۸، ۹۔

۱۸۸۔ امام مسلم، صحیح مسلم، کتاب الزکاة، باب بیان ان اسم الصدقة یقع علی کل نوع من معروف رقم الحدیث، [۲۳۲۸] ۵۲ (۱۰۰۵) ص:۴۰۶،

۱۸۹۔ متفق علیہ، صحیح بخاری، کتاب الحرث و المزارعة، باب فضل الزرع الغرس إذا اكل منه، رقم الحدیث ۲۳۲۰، نیز دیکھئے صحیح مسلم، کتاب المساقاة و المزارعة، باب فضل الغرس والزرع، حدیث ۔[۳۹۷۳] ۱۲۔(۱۵۵۳) ص:۶۸۰

۱۹۰۔ ابوداؤد، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب، اصلاح ذات البین، حدیث ۴۹۱۹۔ نیز دیکھئے، موطا، باب حسن خلق، حدیث:۷۔ مسند احمد، ۶، حدیث:۴۴۰۔

۱۹۱۔ البخاری، الجامع الصحیح البخاری، کتاب الصلح، باب فضل الاصلاح بین الناس و العدل بینهم، رقم الحدیث:۲۷۰۷ ص:۴۴۲ نیز دیکھئے بخاری کی ہی کتاب الجهاد والسير باب من اخذ بالركاب ونحوه، حدیث:۲۹۸۹ و مسلم، صحیح مسلم، کتاب الزکاة، باب بیان ان اسم الصدقۃ یقع علی کل نوع من المعروف، حدیث، [۲۳۳۵] ۵۶۔(۱۰۰۹)، ص:۴۰۷

۱۹۲۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۵:۳۶۵، رقم الحدیث:۵۵۴۱، نیز دیکھئے أبو یعلی، المسند، ۶:۶۵، رقم:۳۳۱۵۔

۱۹۳۔ البخاری، الجامع الصحیح البخاری، کتاب الأدب، باب الساعی علی ارملة، حدیث:۶۰۰۶

۱۹۴۔ امام مسلم۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوة، باب، الحث على الصدقة و لو بشق تمره او كلمة طيبة. رقم الحديث: [۲۳۵۱] ۶۹ (۱۰۱۷)

۱۹۵۔ امام مسلم،صحیح مسلم،کتاب البر و الصلة والاداب ،باب فضل عیادة المریض
رقم الحدیث:٦٥٥٢، نیز دیکھئے الأدب المفرد،امام بخاری ۲۳۴۔باب عیادۃ المرضیٰ' رقم الحدیث:۵۱۷۔
۱۹٦۔ البخاری ،صحیح بخاری،کتاب الادب ،باب رحمة الناس و البهائم ،حدیث:٦٠٠٩
۱۹۷۔ الحدید:۲۷۔
۱۹۸۔ امام احمد بن حنبل،مسند احمد،ص:۵/۲٦٦۔محمد بن علی الشوکانی 'نیل الاوطار، کتاب النکاح'
باب الحث علیه وکراهة ترکه للقادر علیه'ص:٦/۲۳۱
۱۹۹۔ أیضاً۔مسند احمد بن حنبل'حدیث رقم:۵/۱۵۲٦۔کنزالعمال' کتاب الجهاد من القسم الأقوال 'ص:۴/۱۸۲۔
۲۰۰۔ سنن ابن ماجه، کتاب المناسک ،باب قدر حصی الرمی ، حدیث:۳۰۲۹نیز دیکھئے سنن نسائی کتاب الحج
،باب التقاط الحصی،حدیث:۳۰٦۲نیز دیکھئے مسند احمد بن حنبل،۲۱۵،۳۴۷
۲۰۱۔ البقرۃ:۱۷۷۔
۲۰۲۔ البقرۃ:۱۸۹۔
۲۰۳۔ البقرۃ:۲۰۳۔
۲۰۴۔ البخاری،الجامع الصحیح البخاری، کتاب الحج ،باب الفتیا علی الدابة عند الجمرة ،حدیث:۱۷۳٦،امام مسلم ،صحیح مسلم،کتاب الحج،باب جواز تقدیم الذبح،نیز دیکھئے بخاری کی ہی اسی باب کی حدیث:۱۷۳۷
۲۰۵۔ سنن ابی داؤد،کتاب مناسک الحج ،باب ۲۹، فیمن قدم شئیا قبل شئیی فی حجه،رقم
الحدیث::۲۴۷،نیز دیکھئے مشکوۃ،کتاب المناسک،باب فی تقدیم وتاخیر بعض المناسک،حدیث:۲٦۵۸،
۲۰٦۔ ابوالاعلیٰ مودودی،سید،اسلامی عبادات پر تحقیقی نظر،ص:۱۴،۱۵،اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور
۲۰۷۔ الجمعہ:۱۰۔

فصل دوم: الہامی مذاہب میں نجات کے ذرائع

نجات کا لغوی مفہوم:

لغوی اعتبار سے نجات کے متعدد معانی و مطالب ہیں جو(ن'ج'و) سے مشتق ہے اور گرامر کے لحاظ سے یہ ثلاثی مجرد کے باب نصر ینصر کے وزن پر نجا ینجو نجاۃ ونجوا ونجاۃ ہے جبکہ زیادہ تر اس کا مصدر نجاۃ ہی مستعمل ہے اور یہ درج ذیل معنٰی میں استعمال ہوتا ہے۔

النجاء : الخلاص من الشیی ء:یعنی کسی چیز سے چھٹکارا پانا. ونجوت من کذا . میں نے فلاں چیز سے چھٹکارا پایا۔

والصدق منجاۃ :اور سچائی نجات دینے والی ہے اور انجیت غیری ونجیته ۔میں نے اپنے غیر کو بچالیا۔ارشاد ربانی ہے:

﴿فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ﴾(۱)۔

ترجمہ: آج ہم تیرے بدن کو محفوظ رکھیں گے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے: ﴿وَ كَذٰلِكَ نُنجِي الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (۲)۔

ترجمہ: اور اسی طرح مؤمنین کو ہم نجات دیتے ہیں۔

والنجوة والنجاة : ما ارتفع من الأرض فلم يعله السيل۔

یعنی نجوۃ اور نجاۃ سے مراد بلند سطح زمین ہے، جس تک سیلاب نہ پہنچ جائے۔

وناقة ناجية ، و نجاة ، سريعة "تیز رفتار اونٹنی جو اپنی سبک رفتاری سے فاصلہ طے کرے اور راونٹ کو اس لفظ سے تشبیہ نہیں دی جاتی۔ جوہری نے کہا:

الناجية والنجاة ، الناقة السريعة :وہ تیز رفتار اونٹنی جو اپنے سوار کو نجات دے، اونٹ کو بھی بعیر ناج کہہ سکتے ہیں یعنی تیز رفتا اونٹ (۳)۔

النجو کے معنٰی "السحاب" یعنی بادل کے بھی آتے ہیں اسکی جمع النجاء ہے (۴)۔

امام راغب نجات کے لغوی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

نجاءُ، کے معنی کسی چیز سے الگ ہونے کے ہیں۔نجا کے معنی نجات پانے کے اور انجیتہ و نجّیتہ کے معنی نجات دینے کے ہیں قرآن میں ارشاد باری تعالٰی ہے: ﴿وَ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ...﴾ (۵)

ترجمہ: اور ہم نے بچالیا انہیں جو ایمان لائے تھے۔

﴿نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ نَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ﴾ .(۶)۔

ترجمہ: اور جب آ گیا ہمارا حکم تو ہم نے نجات دے دی ہود کو اور ان کو جو ایمان لائے ان کے ساتھ بوجہ اپنی رحمت کے اور ہم نے نجات دے دی انہیں سخت عذاب سے

﴿ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا﴾ (۷)۔

ترجمہ: پھر ہم نجات دیں گے پرہیز گاروں کو۔

النجوة و النجاة ۔بلند جگہ، جو بلندی کی وجہ سے اپنے ماحول سے الگ معلوم ہو۔(۸)

المنجد میں اس کے درج ذیل معنٰی بیان کیے گئے:

نجا ينجو نجاة ونجوا ونجاة : زیادہ تر اس کا مصدر نجاۃ ہی مستعمل ہے۔ خلص (چھٹکارا پانا۔ اسرع وسبق (جلدی کرنا ، دوڑنا) ۔قطع (کاٹنا) خرج (نکلنا) نجا الجلد عن الذبيحة: (ذبح شدہ جانور کی کھال اتارنا)۔

اگر اسے مزید فیہ کے باب تفعیل میں لے جائیں تو بھی اس کے معنٰی چھٹکارا پانا کے ہیں (۹)۔

اردو لغت میں نجات کے معنی ومفہوم

اردو لغت اور فرہنگ آصفیہ میں بھی نجات کے لفظ کی وضاحت ملتی ہے اس کی رو سے اس کا معنی ہے:

"بخشش، مخلصی، چھٹکارہ، رہائی، بریت، مکت، مکتی، رستگاری، نروان، عفوگناہ۔ رخصت، گلوخلاصی (۱۰)۔"

الغرض مذکورہ لغوی معنٰی کا حاصل بچاؤ، نجات، خلاصی پانا، کامیاب ہونا، چھٹکارا پانا، منزل مقصود اور مقصد کا حصول ہے۔

نجات کا اصطلاحی مفہوم:

اہل کتاب کے نزدیک فقط اس قدر ہے کہ جو لوگ گناہوں سے بچتے ہیں وہ نجات پاتے ہیں ورنہ تکلیف اٹھاتے ہیں۔ انجیل یوحنا میں جنت اور دوزخ اور کچھ وہاں کے عذاب وثواب کی بھی تصریح ہے لیکن قرآن میں نجات کے عقیدے کی جامع طور پر وضاحت کردی گئی ہے اور اسلام نے اسے فلاح کا نام دیا ہے۔

اردو جامع انسائیکلوپیڈیا میں نجات کے اصطلاحی معنی کچھ یوں بیان ہوئے ہیں:

"نجات عربی زبان کا لفظ ہے اسلام کے نزدیک انسان کو نجات مل سکتی ہے جبکہ وہ اللہ تعالٰی کے احکامات کی پوری پابندی کرے۔ نجات صرف اللہ تعالٰی کی ذات سے ہی طلب کی جا سکتی ہے۔ جو وحدہ لاشریک ہے۔ قرآن نے نجات کی بجائے فلاح کا لفظ استعمال کیا ہے لغوی اعتبار سے اسکا مطلب ہے چھٹکارا، فتح مندی، زندگی اور خیر کی بقا۔ قرآن پاک میں متعدد جگہوں پر یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے جسکا ماحصل یہ ہے کہ جو لوگ غیب اور کتب الٰہی پر ایمان لاتے ہیں آخرت پر یقین رکھتے ہیں نماز قائم کرتے ہیں اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں، برے اخلاق اور غلط باتوں سے بچتے ہیں، پاکیزگی کا راستہ اختیار کرتے ہیں ان کے لئے نجات ہے، ظالموں اور بدکاروں کے لئے فلاح نہیں" (۱۱)۔

منشی محبوب عالم لکھتے ہیں:

"اگر چہ دنیا کا ہر مذہب یہی کہتا ہے کہ جو لوگ میرے پیرو ہوں گے وہی حقیقی نجات پائیں گے مگر جب سے دنیا میں اسلام آیا ہے تب سے نجات اسلام کے ساتھ وابستہ کردی گئی ہر کلمہ گو نجات پائے گا لیکن جو گناہگار ہوں گے۔ اگر ان کو اللہ بلا کسی سفارش سے بخش دے گا تو یہ سیدھے جنت میں جائیں گے اور اگر خدانخواستہ بعض کو معافی نہ دی گئی تو وہ بقدر اپنے گناہوں کے سزا پا کر آخر جنت میں داخل ہوں گے غرض گناہگار مومن بغرض تزکیہ وتصفیہ دوزخ میں جائیں گے مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ کافروں اور مشرکوں کے سوا تمام مسلمان جنت میں جائیں گے گناہگار سزا کے بعد اور نیکوکار سیدھے جنت میں داخل ہوں گے (۱۲)۔"

شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے:

نجات عربی لفظ قرآن میں متعدد بار آیا ہے۔ اس کے معنی چھٹکارا اور بخشش کے ہیں (۱۳)۔

اسلام میں نجات صرف اللہ مانگی جاتی ہے۔وہ ہی مشکلات وعذاب سے بچا سکتا ہے۔اسلام پر جو عمل کرے اسے نجات مل جاتی ہے۔نجات کے متلاشی اور نیک بندوں کو ہی نجات ملے گی کچھ کو گناہوں کے کفارے کی سزا ملے گی اور بعض جو منکر ہوں گے اور اللہ کی یاد سے غافل ہوں گے گناہ کبیرہ کرنے والے ہوں گے انہیں نجات کے بجائے جہنم ملے گی۔

اسلام نے نجات کے لئے فلاح کا لفظ بھی استعمال کیا ہے چنانچہ اس کے متعلق سید قاسم لکھتے ہیں:

''فلاح کامیابی، خوشحالی کے معنی میں مستعمل ہے اور خسران (گھاٹے اور نقصان) کی ضد۔اس سے صرف دنیاوی کامیابی کا محدود تصور مراد نہیں بلکہ اس سے مراد وہ پائیدار کامیابی ہے جو کسی خسران پر منتج نہ ہو۔افلح الرجل وہ شخص کامیاب ہوا۔قرآن میں متعدد بار آیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ کون لوگ فلاح کے مستحقین ہوں گے۔اور کون فائزین میں شمار ہوں گے (۱۴)۔''

انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا میں نجات لفظ کا ہم معنی لفظ salvation کے تحت بیان کیا گیا ہے کہ:

"Salvation is the deliverance or redemption of man from such fundamentally negative or disabling conditions as suffering evil and death. The idea of salvation is a characteristics religious nation related to an issue of profound human concern. ....salivation by divine aid , which has usually entailed the concept of a divine savior who achieves what mancannotdoforhimselfasinChristianity ,Judaismand Islam".(15)

ترجمہ: نجات سے مراد انسان کو بنیادی طور پر منفی حالات مثلاً مل کی برائی اور موت کے شر سے بچنا ہے۔نجات خالص دینی نظریہ ہے جو انسانی زندگی کے ایک انتہائی اہم پہلو سے جڑا ہے۔چنانچہ یہ نظریہ نجات پانے کا اصولوں اور طریقوں یا تصورات سے جڑا ہے۔یہ طریقہ نجات کے خیال کردہ تصور کے مطابق مختلف ہیں۔خدائی مدد کا ذریعہ یعنی خدائی نجات دہندہ کا تصور جو وہ تکمیل کرتا ہے جو انسان خود نہیں کر سکتا عیسائیت اسلام اور یہودیت میں ہے۔

Salvation کا مفہوم انسائیکلوپیڈیا آف ریلی اینڈ ایتھکس کا مقالہ نگار یوں بیان کرتا ہے:

"The idea which the term "Nijah" conveys to the religious mind is that of escape from future Punishment in Hell, "Khalas" is also used in the same sense. Thus it is not so much escape from its punishment here after that is emptied in the term salvation" (16)

ترجمہ: ایک دینی سوچ رکھنے والے انسان کے لئے لفظ نجات کا مطلب آخرت میں دوزخ کی آگ سے بچاؤ ہے۔

لفظ خلاص کے بھی یہی معنی ہیں۔چنانچہ لفظ (Salvation) آخرت میں سزا سے بچنے کے لئے اتنا نہیں استعمال ہوتا۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۔وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ﴾(۱۷)۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

''تم لوگوں کو ساری فکر بس دنیا اور اس کی راحت و آسائش اور اس کے فائدوں اور لذتوں کے لئے ہے یہاں جو کچھ حاصل ہو جائے تم سمجھتے ہو کہ بس وہی اصل فائدہ ہے جو تمہیں حاصل ہو گیا اور یہاں جس چیز سے محروم ہے تمہارا خیال ہے کہ بس وہی اصل نقصان ہے جو تمہیں پہنچ گیا آخرت دو حیثیتوں سے دنیا کے مقابلے میں قابل ترجیح ہے ایک یہ کے اس کی راحتیں اور لذتیں دنیا کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہیں اور دوسرے یہ کہ دنیا فانی ہے اور آخرت باقی، آخرت اس کے مقابلے میں بہتر اور باقی رہنے والی ہے(۱۸)۔''

سید قطب لکھتے ہیں:

''دراصل اسلام کی نظر میں حب ذات کا مفہوم ہے کہ انسان اپنے نفس کو نصیحت کرتا رہے اور اس کی صحیح سمت میں رہنمائی کرے ایسی رہنمائی جو اسے دنیا و آخرت دونوں کی فلاح کی جانب رہنمائی کرے اور آخرت کی فلاح بطور خاص ملحوظ ہو اس لئے کہ آخرت کی زندگی ہمیشہ باقی رہنے والی ہے اس کی نعمتیں اور نعمتیں دائمین ہیں جبکہ دنیاوی زندگی محض لہو ولعب اور فانی زندگی ہے اور دنیا کی فانی زندگی کو آخرت کی باقی اور دائمی زندگی پر ترجیح دینا حماقت و نادانی ہے(۱۹)۔''

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾(۲۰)۔

ترجمہ: ہر متنفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ اور تم کو قیامت کے دن تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ پس جو کوئی آتش جہنم سے دور رکھا گیا اور بہشت میں داخل کیا گیا وہ مراد کو پہنچا اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کا سامان ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

اس دنیا کی زندگی میں جو نتائج رونما ہوتے ہیں ان ہی کو اگر کوئی شخص اصلی اور آخری نتائج سمجھ بیٹھے اور انہی پر حق و باطل اور فلاح وخسران کے فیصلے کا مدار رکھیں تو درحقیقت وہ سخت دھوکے میں مبتلا ہو جائیگا۔ یہاں کسی پر نعمتوں کی بارش ہونا اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ وہی حق پر بھی ہے اور اسی کو اللہ کی بارگاہ میں قبولیت بھی حاصل ہے اور اسی طرح یہاں کسی کا مصائب اور مشکلات میں مبتلا ہونا بھی لازمی طور پر یہ معنی نہیں رکھتا کہ وہ باطل پر ہے۔ اور مردود بارگاہ الٰہی ہے۔ اکثر اوقات اس ابتدائی مرحلے کے نتائج ان آخری نتائج کے برعکس ہوتے ہیں جو حیات ابدی کے مرحلے میں پیش آنے والے ہیں۔ اور اصل اعتبار انہی نتائج کا ہے(۲۱)۔

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر لکھتے ہیں:

''حیات انسانی کی تقدیر یہ ہے کہ ہر شخص نے مرنا ہے، اور اسے قیامت کے دن اپنے کیے کی جزا سزا پانی ہے اور پوری

پانی ہے اس کی کامیابی یہ ہے کہ دوزخ کی آگ سے بچ جائے اور اسے جنت میں داخلہ مل جائے جنت کی زندگی اور اس کی نعمتیں حسن لذت اور کمیت و پائیداری کے اعتبار سے حقیقی و جاودانی ہیں، جب کہ دنیا کی نعمتیں عارضی اور فریب نظر ہیں (۲۲)۔"

نجات کا تصور ایک ایسا تصور ہے کہ دنیا کا کوئی مذہب اس کے بغیر مکمل نہیں ہوتا فرق صرف اتنا ہے کہ ہر مذہب میں نجات کا مفہوم اور اس کے حصول کے طریقے مختلف ہیں اور یہ تصور ان کی تعلیمات کا حصہ ہے۔ الہامی مذاہب میں نجات کا حصول دنیا و آخرت دونوں کو شامل ہے جیسا کہ تینوں الہامی مذاہب کے تصور نجات سے ظاہر ہے۔ الہامی مذاہب میں تصور نجات بھی واضح طور پر پایا جاتا ہے۔ یہودیت اور عیسائیت میں لفظ نجات ہی کارفرما ہے۔ یہودیت میں نجات یہ ہے کہ چونکہ ہم بنی اسرائیل ہیں اور ہم اللہ کی لاڈلی اور پسندیدہ قوم ہیں لہذا اول تو ہمیں سزا نہیں ہوگی اور اگر ہوگی تو چند روز سے زیادہ ہمیں عذاب نہ ہوگا یہاں ہم یہودی مذہب میں نجات کے تصور اور ذرائع کا جامع طور پر ذکر کریں گے اس کے بعد عیسائیت اور پھر اسلام میں نجات کے تصور اور ذرائع کا ذکر آئے گا۔

مبحث اول: یہودیت میں نجات کا تصور اور ذرائع

یہودیت میں تصور نجات اور تعلیمات:

یہودیت میں احکام عشرہ پر عمل کرنے سے نجات حاصل ہوتی ہے لیکن مرور زمانہ سے احکام عشرہ پر عمل کرنے کے ساتھ حضرت عزیر کو ابن اللہ قرار دینا بھی نجات کیلئے ضروری قرار دیا گیا ہے۔ احکام عشرہ توحید اور حقوق العباد پر مشتمل ہیں۔(۲۳)

قرآن کے مطابق یہود کا عقیدہ ہے کہ ہم خدا کی پسندیدہ اور لاڈلی قوم ہیں اسلئے ہمیں جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی۔ اسکی تائید موجودہ عہد نامہ قدیم سے بھی ہوتی ہے مثلاً انہیں برگزیدہ کہا گیا اور منتخب بھی جیسا کہ لکھا ہے:

برگزیدہ قوم:

بنی اسرائیل کے برگزیدہ ہونے پر استشنا میں واضح طور پر یوں لکھا ہے:

''تم کو سب قوموں میں سے برگزیدہ کیا(۲۴)''۔

یعنی تمہارے باپ دادا سے خوش ہو کر تم کو فضیلت دی نیز تم کو بہت سی اقوام میں سے چن لیا جیسے لکھا ہے کہ:

''سب قوموں سے چن لیا ہے (۲۵) ''۔

''کیونکہ تو خداوند اپنے خدا کی مقدس قوم ــ اور خداوند نے تجھ کو روئے زمین پر چن لیا ہے تا کہ تو اس کی خاص قوم ٹھہرے (۲۶)''۔

نیز استشنا ہی میں لکھا ہے کہ:

''آج کے دن تجھ کو جیسا اس نے وعدہ کیا تھا اپنی خاص قوم قرار دیا ہے تا کہ تو اس کے حکموں کو مانے (۲۷) ''۔

ایک جگہ کہا گیا

''کہ سب قوموں سے ــ میں تجھ کو ممتاز کرے تو ــ ــ خداوند اپنے خدا کی مقدس قوم بن جائے (۲۸)۔ ''

یہودی مذہب کی کتب کا مطالعہ کریں تو عہد نامہ قدیم میں نجات کا لفظ ان معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ وگرنہ ان کے ہاں عیسائیوں کی طرح کا نجات اور نہ مسلمانوں میں نجات کے متبادل فلاح کی طرح کا مفہوم نہیں لیا جاتا۔ نجات کے متعلق چند آیات عہد نامہ قدیم میں سے اس طرح سے ہیں

جیسا کہ پیدائش میں لکھا ہے کہ:

''اے خداوند میں تیری نجات کی راہ دیکھتا آیا ہوں(۲۹)۔''

خروج میں درج ہے کہ موسیٰ نے کہا:

''خداوند کی نجات کے کام کو دیکھو جو وہ آج تمہارے لئے کرے گا(۳۰)۔''

یعنی کے ظالموں سے وہ خود نمٹ لے گا اور تم کو بچالے گا۔

''خداوند میری روشنی اور میری نجات ہے۔(۳۱)''۔

یعنی خدا کی مدد ہو تو کسی سے ڈرنے کی پرواہ نہیں کرنا چاہیے۔

''اور تیری نجات سب قوموں پر۔(۳۲)۔''

دشمن کے حملے کے وقت بچنے کی دعا کرتے ہوئے زبور میں ذکر ہے کہ:

''نجات خداوند کی طرف سے ہے(۳۳)۔''

تواریخ اول میں دعائیہ انداز میں لکھا ہے کہ

''اے ہماری نجات کے خداوند ہم کو بچالے(۳۴)۔''

ایک ویب سائٹ پر یہودی مذہب میں نجات کے تصور کے متعلق لکھا ہے کہ

Salvation is not a proper concept in Judaism...What is the salvation for Judaism? Salvation: a source, cause, or means of being saved or protected from harm, risk, etc. Judaism's salvation is God and the Scripture. They do not have a trinity such as Christianity or a leader...,,(35)

ترجمہ: عیسائیت کی طرح یہودیت میں نجات کا کوئی مناسب تصور موجود نہیں ہے۔ یہودیت کے لئے نجات کیا ہے؟ نجات: ایک وسیلہ، وجہ یا محفوظ ہونے یا نقصان، خطرے سے بچنے کے ذرائع ہیں۔ یہودیت کی نجات خدا اور الہامی کتابیں ہیں ۔ان کے ہاں عیسائیت کی طرح تثلیث یا کوئی رہنما نہیں ہے۔

In Judaism, salvation is closely related to the idea of redemption..... salvation depends on the human being himself. Judaism stresses that salvation cannot be obtained through anyone else ...In Judaism, salvation is open to all people ...; the only important consideration being that the people must observe and practise the ethical pattern of behaviour.. in the Ten Commandments. When Jews refer to themselves as the chosen people of God, they do not imply they have been chosen for special favours and..,,(36)

ترجمہ: یہودیت میں نجات کا تعلق فدیہ دے کر چھڑانے سے متعلق ہے۔۔چھوٹ جانا یا نجات انسان کے اپنے اوپر منحصر ہے۔

یہودیت اس بات پر زور دیتی ہے کہ نجات طاقت یا اثر سے باہر کسی پر یقین کرنے سے حاصل نہیں ہوتی ۔یہودیت میں نجات تمام لوگوں کیلئے ہے اور صرف ان لوگوں کیلئے نہیں جو یہودیت پر یقین رکھتے ہوں صرف اہم بات یہ ہے کہ لوگ اخلاقیات کے وہ طریقے جو دس ان خدائی فرامین میں سے ہیں، کی پیروی اور ان پر عمل کریں ۔جب یہودی خود کو خدا کے پسندیدہ بندے کہتے ہیں تو اس سے ان کی مراد نہ صرف وہ خاص عنایتیں اور حقوق ہیں جن کے لئے وہ چنے گئے ہیں بلکہ ان پر یہ ذمہ داری بھی عائد ہے کہ وہ تمام لوگوں کو اصول اخلاق سکھائیں ۔

دنیاوی تصور نجات:

دنیا میں بھی اچھے کاموں پر نجات ملتی اس کا تذکرہ زبور میں ملتا ہے

''جو زمین پر نجات بخشتا ہے (۳۷)''۔

نجات کیلئے خلاصی اور چھٹکارا کے معنی بھی عہدنامہ قدیم کی مختلف کتب میں آتے ہیں جیسا کہ:

''اپنی رحمت سے تو نے ان لوگوں کی جن کو تو نے خلاصی بخشی راہنمائی کی (۳۸)''۔

آستر میں لکھا ہے کہ:

''کیونکہ اگر تو اس وقت خاموشی اختیار کرے تو خلاصی اور نجات یہودیوں کے لئے کسی اور جگہ سے آئے گی۔۔۔۔(۳۹) ''

یعنی خاموشی کا تم کو نجات کی صورت میں فائدہ ملے گا۔

خروج میں لکھا ہے کہ:

''فرعون کے ہاتھ سے نجات بخشی (۴۰)''یعنی تم پر انعام کیا اور ظالم بادشاہ سے نجات بخشی

''تم اپنے دشمنوں سے نجات پاؤ گے (۴۱) ''

یعنی تم اپنے ظالم دشمن سے نجات پاؤ گے اگر تم مظلوم ہو۔

تواریخ دوم میں ہے کہ:

''اور خداوند کی نجات جو تمہارے ساتھ ہے دیکھنا (۴۲) ''

یعنی اگر تم حق پر ہو تو خداوند تمہاری مدد کرے گا جب تم جنگ کی حالت میں ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔

اُخروی تصور نجات

''صادقوں کی نجات خداوند کی طرف سے ہے (۴۳) ''

یعنی سچے لوگوں کو پرواہ نہیں کرنی چاہیے ان کو سچ کی بنیاد پر نجات ملے گی

عہد نامہ قدیم میں یسعیاہ کی اس آیت کو پورا پڑھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جو شریعت پر عمل کرتے اور انسان کی ملامت سے نہیں ڈرتے ان کو میں ہمیشہ نجات دوں گا یعنی یہودی عقیدہ کے مطابق انکی قوم کو نجات ملے گی

بتوں کو بنانے والے پشیمان ہوں گے اور خدا اسرائیل کو بچائے گا اور نجات دے گا چنانچہ فرمایا گیا

''اسرائیل کو بچا کر ابدی نجات بخشے گا(۴۴)''۔

نیز یسعیاہ ہی میں لکھا ہے

''اور نجات دینے پر قادر ہوں (۴۵)''۔

یعنی انسان کو کسی مشکل سے نجات صرف خدا ہی دے سکتا ہے۔

''وہ حلیموں کو نجات سے زینت بخشے گا(۴۶)''۔

یسعیاہ میں خداوند کی طرف منسوب آیت میں کچھ یوں بیان ہوا ہے

''لیکن میری صداقت ابد تک رہے گی اور میری نجات پشت در پشت(۴۷)''

یوایل میں کہا گیا ہے کہ؛

''اور جو کوئی خداوند کا نام لے گا نجات پائے گا(۴۸)''

یعنی خدا کا نام لیوا ہی کامیاب ہو سکتا ہے۔

قرآن مجید اور عہد نامہ قدیم کی روشنی میں یہود کا تصور نجات:

یہودی علماء کتاب اللہ کی اطاعت کرنے کی جگہ کتاب اللہ کو اپنی خواہشوں اور آراء کے مطابق کام میں لانا چاہتے تھے۔وہ اس کی آیتوں میں تحریف کر دیتے یعنی یا تو کسی آیت کا مطلب اس طرح ٹھہراتے کہ بات کچھ سے کچھ ہو جاتی یا کتاب اللہ کی آیات سناتے ہوئے اس طرح گھٹا بڑھا دیتے کہ اصلی مطلب ظاہر نہ ہو اور جو بات بنانا چاہتے ہیں کسی نہ کسی طرح بن جائے (۴۹)۔یہودیوں کے اس میثاق کا ذکر جو انہوں نے اللہ سے باندھا تھا قرآن میں ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَاللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِیْ وَاثَقَكُمْ بِهٖ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاتَّقُوااللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾(۵۰)۔

حضرت موسیٰ صاحب شریعت نبی تھے انہیں اللہ تعالیٰ نے تورات عطا کی اور اس میں نجات کا وہ تصور بیان کیا جو اس سے پہلے بیان نہیں کیا گیا تھا یعنی ایمان اور عمل صالح ۔لیکن موجودہ یہودیت جس کی بنیاد عہد نامہ قدیم اور تالمود پر رکھی گئی ہے یہود نے اس کا مطلب اور تصور نجات میں بھی تبدیلی کر دی۔

مظہر الدین صدیقی لکھتے ہیں

''یہودیت جو دنیا کے موجودہ مذاہب میں سے سب سے پرانا مذہب ہے۔اس کی بنیاد دو عقائد پر ہے۔اولاً: خدا کی وحدانیت، دوم: بنی اسرائیل کے ساتھ خدا کا مخصوص تعلق۔یہودی عقیدہ کی رو سے عالم کائنات خیر ہے اور انسان حصول خیر کا پورا پورا اہل ہے۔یہودی اس امر پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ انسان اپنے افعال کا مختار و ذمہ دار ہے وہ ایمان کی بہ نسبت اعمال کو زیادہ اہم قرار دیتے ہیں اس طرح یہودیت صرف ایک عقیدہ ہی نہیں بلکہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔جو ہر عمل انسانی کو رضائے الٰہی کا تابع بنانا چاہتا ہے حق و باطل، خیر و شر کے معیارات کو یہودی صرف عبادت اور پرستش تک محدود نہیں کرتا بلکہ وہ زندگی کے ہر گوشے اور اعمال کی ہر شاخ میں ان تصورات سے مطابقت پیدا کرنا چاہتا ہے اس لئے اس کی مذہب ایک تفصیلی ضابطہ حیات ہے(۵۱)۔

تورات جو یہودیوں کی الہامی کتاب ہے اور جو حضرت موسیٰ پر نازل ہوئی اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے میں ہی یہودیت کی اصلاً نجات ہے ان تعلیمات میں احکام عشرہ کو خصوصی اہمیت حاصل ہے چنانچہ یہودیت کی تعلیمات میں خصوصی طور پر ان اصولوں پر کاربند رہنے کا حکم دیا گیا مثلاً دن میں تین بار نماز ادا کرے، کھانے سے پہلے دعائے شکرانہ پڑھے، زندگی کی ہر لذت و مسرت پر اظہار تشکر کرلے، ہر روز کتاب مقدس کی آیات کی کچھ آیات کی تلاوت کرے اور صبح کی نماز کے وقت خاص لباس میں ملبوس ہو(۵۲)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے صاحب شریعت نبی تھے انہیں تورات عطا کی گئی تھی اور اس میں تصور نجات کا وہی عقیدہ بیان کیا گیا تھا جو ان سے قبل انبیاء مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پیش کیا تھا یعنی ایمان اور عمل صالح' لیکن موجودہ یہودیت جس کی بنیاد عہدنامہ قدیم اور تالمود پر رکھی گئی اس کے مطابق یہود نے تصور نجات میں تبدیلی کرلی۔موجودہ یہودی آخرت، جزا سزا کے قائل ہیں اگر چہ ان کے لٹریچر میں جنت دوزخ کا ذکر کم ملتا ہے مگر ساتھ ہی ساتھ نجات کے تصور میں تضاد ہے۔خروج میں ہے:

''باپ دادا کے گناہوں کی سزا ان کے بیٹوں اور پوتوں کو تیسری اور چوتھی پشت تک دیتا ہے(۵۳)۔ ''

یعنی اپنا بار بھی اٹھائے گا اور اپنے والدین کے گناہوں کا بار بھی۔دوسری طرف ان کا کہنا ہے کہ ہر انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے۔واعظ میں لکھا ہے:

> اے جوان! تو اپنی جوانی میں خوش ہو اور اس کے ایام میں اپنا جی بہلا اور اپنے دل کی راہوں میں۔۔۔۔۔لیکن جان (یاد) رکھ کہ ان ساری باتوں کے لئے خدا تجھ کو عدالت میں لائے گا (۵۴)۔

عقیدہ نجات:

یہودی عقائد اور عہد نامہ قدیم کے مطابق قیامت اور انصاف کا دن بیشک آئے گا اور لوگوں کے اعمال کا محاسبہ ہوگا مگر یہواہ کے ساتھ ان کا تعلق انفرادی نہیں بلکہ قومی ہے اس لئے سب اسرائیلی نجات پائیں گے مگر ان کے دشمن ابدی سزا پائیں گے اسی عقیدے کی بنا پر ان میں دوسری اقوام سے تعصب نفرت دشمنی کے جذبات پیدا ہو گئے تھے۔ یہود کو نہ صرف اخلاقی تعلیمات سے نوازا گیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر بے شمار انعامات بھی کیے۔ بنی اسرائیل پر کئے گئے انعامات کا تذکرہ قرآن کریم میں واضح طور پر ملتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس قوم سے وعدے بھی لئے تھے کہ وہ خدائی احکامات پر سختی سے عمل پیرا ہوں گے اور وحی پر کاربند رہیں گے لیکن انہوں نے وہ میثاق توڑ دیا جو اللہ تعالیٰ سے کیا تھا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے تمام انعامات ونوازشات کا بطلان کفران کیا اور وہ اپنی خواہشات نفسانی کے پیچھے لگ گئے ان کے دلوں میں خدا پرستی کی جگہ دنیا پرستی نے لے لی۔ کتاب اللہ کی جو آیات اپنی منشا اور خواہش کے مطابق پائے انہیں مان لئے اور جن آیات کو اپنے خلاف پاتے انہیں رد کر دیتے یا سرے سے خارج کر دیتے۔ قرآن کریم میں ان کو بتایا گیا کہ جو نعمتیں تمہارے اوپر کی گئی ہیں ان کو یاد رکھا کرو اور یہ کہ اس نے تمہیں عالمین پر فضیلت دی۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ﴾ (۵۵)۔

یہود کے کتمان حق کے بارے میں بتایا:

﴿يٰٓاَھْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (۵۶)۔

ترجمہ: اے اہل کتاب کیوں حق کو باطل کا رنگ چڑھا کر مشتبہ بناتے ہیں؟ کیوں جانتے بوجھتے حق کو چھپاتے ہو۔

یہودیوں کے علماء کی یہ شقاوت کہ کتاب اللہ کی اطاعت کرنے کی جگہ کتاب اللہ کو اپنی خواہشوں اور اپنی آراء کے مطابق کام میں لانا چاہتے تھے۔ وہ اس کی آیتوں میں تحریف کر دیتے یعنی یا تو کسی آیت کا مطلب اسطرح ٹھہراتے کہ بات کچھ سے کچھ ہو جاتی یا کتاب اللہ کی آیتیں سناتے ہوئے اس طرف سے گھٹا بڑھا دیتے کہ اصلی مطلب ظاہر نہ ہو اور جو بات بنانا چاہتے ہیں کسی نہ کسی طرح بن جائے (۵۷)۔ یہود کے اس میثاق کا ذکر جو انہوں نے اللہ سے باندھا قرآن میں کیا گیا ہے (۵۸)۔

مفتی محمد شفیع یہود کی ان ہی اعتقادی اور عملی خرابیوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

''جب بنی اسرائیل کے پاس ان کا رسول کوئی حکم لاتا جو ان کے مزاج کے مطابق نہ ہوتا تو عہد و پیمان توڑ کر خدا سے غداری کرتے پھرتے۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں میں سے کسی کو جھٹلایا، کسی کو قتل کیا یہ تو ان کے ایمان باللہ اور عمل صالح کا حال تھا۔ ایمان بالیوم الآخر کا اندازہ اس سے کرلو کہ اس قدر شدید مظالم اور باغیانہ جرائم کا ارتکاب کر کے بالکل بے فکر ہو بیٹھے۔ ان بداعمالیوں کے ساتھ ساتھ یہودی اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ وہ اللہ کی محبوب امت ہیں اس لئے وہ جو چاہیں کرتے پھریں انہیں کسی قسم کی سزا نہیں دی جائیگی اور اگر انہیں سزا دی گئی تو گنتی کے چند دن تک ہوگی اس خوش فہمی نے یہود کے اندر بہت سی عملی اور اعتقادی خرابیاں پیدا کر دیں یہاں تک کہ شرک جیسے گناہ کبیرہ میں

بھی مبتلا ہو گئے اور ان میں یہ عقیدہ قرار پایا کہ حضرت عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور اس عقیدہ پر ایمان لائے بغیر نجات نہیں مل سکتی۔لہٰذا یہود کے ان بگڑے ہوئے عقائد کے مطابق نجات کا کوئی خاص اصول یا ضابطہ نہیں رہا کیونکہ وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی لاڈلی اور چہیتی قوم ہونے کے باعث پہلے سے ہی فلاح یافتہ سمجھتے ہیں (۵۹)۔''

عقیدے میں خرابی کی وجہ:

ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ ان کا آخرت کا عقیدہ ہی بگڑ گیا تھا وہ اس زعم میں مبتلا تھے کہ وہ جلیل القدر انبیاء کی اولاد ہیں بڑے بڑے اولیاء صالحین اور زہاد سے انکی نسبت ہے بخشش تو انہی بزرگوں کے صدقے میں ہو جائے گی۔ان کا دامن گرفتہ ہو کر بھلا کوئی سزا کیسے پاسکتا ہے انہی جھوٹے بھروسوں نے انہیں غافل اور گناہوں کے چکر میں مبتلا کر دیا تھا(۶۰)۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی غلط فہمی دور کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَّ لَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ﴾(۶۱)۔

ترجمہ: اور ڈرو اس دن سے جس دن کوئی کسی کے ذرہ برابر کام نہ آئے گا نہ کسی کی طرف سے سفارش قبول کی جائے گی نہ کسی کو فدیہ لے کر چھوڑا جائے گا۔

اور ایک فرقہ تو آخرت کا ہی منکر ہو گیا تھا جس کا نام کتاب مقدس میں صدوقی بتایا گیا ہے۔

یہود اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ ان کا عقیدہ کتنا ہی بگڑا ہوا کیوں نہ ہو ان کے اعمال کتنے ہی خراب کیوں نہ ہوں جنت ان کی ہے۔اللہ نے ان کی اس غلط فہمی کو رد کر دیا ہے اور فرمایا کہ نجات وفلاح ایمان وعمل کے بغیر حاصل نہیں ہو سکے گی

﴿ قُلْ اِنْ کَانَتْ لَکُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَاللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾(۶۲)

ترجمہ: ان سے کہو اگر واقعی اللہ کے نزدیک آخرت کا گھر تمام انسانوں کو چھوڑ کر صرف تمہارے ہی لئے مخصوص ہے تب تو تمہیں چاہیے کہ موت کی تمنا کرو اگر تم اپنے اس خیال میں سچے ہو

ابوالکلام آزاد کے مطابق:

جس دل میں نجات اخروی کا سچا یقین ہے وہ موت سے خائف اور حیات دنیوی کے پجاری نہیں ہو سکتے۔بنی اسرائیل کی دنیا پرستی اور حیات دنیوی کی حرص سے ان کے ایمان سے محرومی پر استشہاد ہوتا ہے(۶۳)۔

جس کے دل میں نجات اخروی کا سچا یقین ہے وہ موت سے خائف اور حیاۃ دنیوی کے پجاری نہیں ہو سکتے۔

اور یہودی جنت میں کوئی آدمی داخل نہیں ہو سکتا' جب تک کہ وہ یہودی نہ ہو۔اسی طرح عیسائی کہتے ہیں' جنت میں کوئی داخل

نہیں ہوسکتا جب تک کہ عیسائی نہ ہو۔(یعنی ان میں سے ہرگروہ سمجھتا ہے' آخرت کی نجات صرف اُسی کے حصے میں آئی ہے اور جب تک ایک انسان اس کی مذہبی گروہ بندی میں داخل نہ ہو نجات نہیں پا سکتا۔ یہ ان لوگوں کی (جاہلانہ) امنگیں اور آرزوئیں ہیں۔نہ کہ حقیقت حال۔تم ان سے کہو اگر تم ا پنے اس زعم میں سچے ہو تو ثابت کرو تمہارے دعوے کی دلیل کیا ہے)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴾(۲۴)۔

ترجمہ: یہودی کہتے تھے جب تک ایک انسان یہودی گروہ بندی میں داخل نہ ہو نجات نہیں پا سکتا۔عیسائی کہتے تھے جب تک عیسائی گروہ بندی میں داخل نہ ہو نجات نہیں مل سکتی

جب کہ اسلام کہتا ہے:

﴿وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ. بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ

فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾(۲۵)۔

ترجمہ: ان کا کہنا ہے کہ کوئی شخص جنت میں نہیں جائے گا جب تک کہ وہ یہودی نہ ہو یا عیسائی نہ ہو یہ ان کی تمنائیں ہیں ان سے کہو اپنی دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو حق یہ ہے کہ جو بھی اپنی ہستی کو اللہ کی اطاعت میں سونپ دے اور عملاً نیک روش پر چلے اس کے لئے اس کے رب کے پاس اس کا اجر ہے اور ایسے لوگوں کے لئے کسی خوف یا رنج کا کوئی موقع نہیں

ترجمان القرآن کے مصنف لکھتے ہیں:

یہودی کہتے تھے جب تک ایک انسان یہودی گروہ بندی میں داخل نہ ہو نجات نہیں پا سکتا۔عیسائی کہتے تھے جب تک عیسائی گروہ بندی میں داخل نہ ہو نجات نہیں مل سکتی قرآن کہتا ہے نجات کا دارومدار خدا پرستی اور نیک عمل پر ہے نہ کہ کسی خاص گروہ بندی پر۔جو انسان بھی خدا پرست اور نیک عمل ہوگا نجات پائے گا خواہ تمہاری گھڑی ہوئی گروہ بندیوں میں داخل ہو یا نہ ہو(۲۶)۔

سید اَبوالاَ علیٰ مودودی لکھتے ہیں:

"یعنی دراصل یہ ہیں تو محض ان کے دل کی خواہش اور آرزوئیں مگر وہ انہیں بیان اس طرح کرتے ہیں کہ گویا فی

الواقع یہی کچھ ہونے والا ہے(۶۷)۔"

ہاں بلا شک نجات کی راہ کھلی ہوئی ہے مگروہ کسی خاص گروہ بندی کی راہ نہیں ہوسکتی وہ تو ایمان اور عمل کی راہ ہے جس کسی نے بھی اللہ کے آگے سر جھکادیا اور وہ نیک عمل بھی ہوا تو آخرت میں اپنے پروردگار سے اپنا اجر ضرور پائے گا(۶۸)۔

یہودی کہتے ہیں کہ جب تک انسان یہودی گروہ بندی میں داخل نہیں ہوا تو نجات نہیں پا سکتا جبکہ قرآن کیمطابق نجات کا دارومدارخدا پرستی اور نیک عملی پر ہے۔

ضیاء القرآن میں ہے:

"یہ سب دعوے باطل ہیں نجات کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے ایمان اور عمل صالح۔جس نے اپنی ذات اپنی خواہشات کو اللہ تعالٰی کے حکم کے سامنے جھکا دیا وہی بارگاہ الٰہی میں سرخرو ہوگا۔رُومی و زنگی، عربی و عجمی کی کوئی قید نہیں(۶۹)"

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾(۷۰)۔

ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور وہ جو یہودی ہوئے اور یا عیسائی ہوں یا صابی، جو ایمان لائے اللہ پر اور یوم آخر پر اور نیک عمل کرے تو ان کے لئے ان کا اجر ہے اور ان کے رب کے ہاں، اور نہ ان کو کوئی خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے۔

تفہیم القرآن میں لکھا ہے:

یہاں پر صرف یہودی گروہ کے اس زعم باطل کی تردید مقصود ہے کہ وہ صرف یہودی گروہ کو نجات کا اجارہ دار سمجھتے ہیں وہ اس خیال خام میں مبتلا تھے کہ ان کے گروپ سے اللہ کا کوئی خاص رشتہ ہے جو دوسرے انسانوں سے نہیں ہے۔لہٰذا جو ان کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے وہ خواہ اعمال اور عقائد کے لحاظ سے کیسا ہی ہو بہر حال نجات اس کے لئے مقدر ہے۔اور باقی تمام انسان جو ان کے گروہ سے باہر ہیں وہ صرف جہنم کا ایندھن بننے کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے فرمایا جارہا ہے کہ اللہ کے ہاں اصل چیز تمہاری یہ گروہ بندیاں نہیں بلکہ وہاں جو کچھ اعتبار ہے وہ ایمان اور عمل صالح کا ہے۔جو انسان بھی یہ چیز لیکر حاضر ہوگا وہ اپنے رب سے اپنا اجر پائے گا۔خدا کے ہاں فیصلہ آدمی کی صفات پر ہوگا نہ کہ تمہاری مردم شماری کے رجسٹروں پر(۷۱)۔

ترجمان القرآن میں ہے:

اس اصل عظیم کا اعلان کہ سعادت ونجات ایمان اور عمل سے وابستہ ہے نسل خاندان یا مذہبی گروہ بندی کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ یہودی جب ایمان اور عمل سے محروم ہو گئے تو نہ ان کو ان کی نسل کام آئی نہ یہودت کی گروہ بندی سودمند ہو سکی۔ خدا کے قانون نے یہ نہیں دیکھا کہ وہ کون ہیں اور کس گروہ بندی سے تعلق رکھتے ہیں۔ بلکہ صرف یہ دیکھا کہ عمل کا کیا حال ہے اور آزمائش میں پورے نہ اترے تو معذوب و نامراد ہوئے (۷۲)۔

یہودیوں کی گروہ بندیوں کا غرور یہاں تک بڑھ گیا تھا کہ وہ کہتے تھے کہ خدا نے دوزخ کی آگ ہم پر حرام کردی ہے۔ اگر ہم میں سے کوئی آدمی جہنم میں ڈالا جائے گا تو اس لئے نہیں کہ اسے عذاب میں ڈالا جائے بلکہ اس لئے کہ گناہ کے داغ دھبوں سے پاک صاف کردیا جائے اور پھر جنت میں جا داخل ہو۔ قرآن ان کا یہ زعم باطل جا بجا نقل کرتا ہے اور اس کا رد کرتے ہوئے پوچھتا ہے یہ بات تمہیں کہاں سے معلوم ہوگئی کہ یہودی گروہ بندی کا ہر فرد نجات یافتہ ہے۔ اور عذاب اخروی سے اسے چھٹکارا (نجات) مل چکا ہے۔

چنانچہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

﴿ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ﴾ (۷۳).

ترجمہ: اس (بیباکی) کی وجہ یہ تھی کہ وہ کہتے تھے کہ بالکل نہ چھوئے گی ہمیں دوزخ کی آگ مگر چند دن گنے ہوئے۔

جیوش انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے کہ

"آتش دوزخ گناہگاران قوم یہود کو چھوئے گی ہی نہیں۔ اس لئے کہ وہ جہنم پر پہنچتے ہی اپنے گناہوں کا اقرار کرلیں گے اور خدا کے پاس واپس آجائینگے (۷۴)۔"

بنی اسرائیل کہا کرتے تھے کہ ہم خدا کے لاڈلے اور محبوب ہیں دوزخ کی آگ ہمیں جلا نہیں سکتی اس آیت کی تفسیر میں ضیاء القرآن کے مصنف رقمطراز ہیں:

"بعض یہود کا عقیدہ یہ تھا انہیں صرف چالیس روز کا عذاب ہوگا یہ وہ مدت ہے جس میں بنی اسرائیل سے بچھڑے کی پوجا کی تھی خدا کے متعلق ان کا تصور بڑا نرالا تھا۔ ایک طرف اس کے جبر وقہر کا یہ عالم کہ جو گناہ ان کے آباؤاجداد سے سرزد ہو

اس کی سزا صرف ان مجرموں تک محدود نہیں رکھتا بلکہ ان کی نسل سے قیامت تک جو اولاد ہوگی وہ اس نا کردہ گناہ کی سزا بھگتنے کی اور دوسری طرف اس کے عفوو درگزر کی یہ کیفیت کہ کسی سنگین سے سنگین گناہ کے بارے میں اس کی اصلی مجرم سے بھی باز پرس نہیں افراط وتفریط کا یہ ہوش ربا چکر خرد کے لئے نا قابل حل معمہ ہے(۷۵)۔"

سید مودودی لکھتے ہیں:

"یہ یہودیوں کی عام غلط فہمی کا بیان ہے جس میں ان کے عامی اور عالم سب مبتلا تھے ۔وہ یہ سمجھتے تھے کہ ہم خواہ کچھ کریں بہرحال ہم یہودی ہیں لہذا ہم پر جہنم کی آگ حرام ہے اور بالفرض ہمیں سزا دی بھی گئی تو بس چند روز کے لئے وہاں بھیجے جائیں گے اور پھر سیدھے جنت کی طرف لوٹا دیے جائیں گے(۷٦)۔"

اللہ تعالیٰ یہودیوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ ان کی آرزوئیں اور امیدیں ہی ان کا سرمایہ دین ہیں چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءً ا يُّجْزَ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۔ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴾(۷۷)۔

ترجمہ:(نجات) نہ تو تمہاری آرزوؤں پر ہے اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر۔جو شخص برے عمل کرے گا اسے اسی (طرح) کا بدلہ دیا جائے گا۔اور وہ خدا کے سوا نہ کسی کو حمایتی پائے گا۔اور نہ مددگار۔اور جو نیک کام کرے گا مرد ہو یا عورت اور وہ صاحب ایمان بھی ہوگا تو ایسے لوگ بہشت میں داخل ہوں گے اور انکی تل برابر بھی حق تلفی نہ کی جائے گی۔

عمل وحقیقت کی جگہ صرف آرزوئیں اور امیدیں ہی ان کا سرمایہ دین ہے۔یہودی کہتے ہیں کہ ہم خدا کی خاص امت ہیں ہم پر آتش دوزخ حرام ہے۔یہودیوں نے کہا کہ ہمارا دین سب سے بہتر ہے نجات صرف ہمارے ہی لئے ہے۔(۷۸)۔رہی بات سزا کی تو وہ اگر ہے بھی تو چند دن گنتی کےان کا یہ قول قرآن نے یوں بیان کیا ہے

﴿ وَ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ﴾(۷۹).

ترجمہ:انہوں نے کہا کہ ہرگز نہیں چھوئے گی آگ مگر چند دن۔

مسلمانوں کے مطابق اسلام سب سے بہتر ہے کیونکہ سب کے بعد آیا اور تم سب کی نجات اسی پر موقوف ہے مودودی لکھتے ہیں:

''دراصل یہ ہیں تو محض ان کے دل کی خواہشیں اور آرزوئیں مگروہ انہیں بیان
اس طرح کررہے ہیں کہ گویا فی الواقع یہی کچھ ہونے والا ہے(۸۰) ۔''

یہودی تصورنجات کے متعلق انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا میں یوں لکھا ہے:

"judaism poists a collective salvation for the people of israel .In the old testament the redemption is usually described as dileverance from material disaster .but in ps.130,It is promised that God will redeem israel from all his iniquites; .The restoration of the holy notion and the vindication of the jews as God ,s chosen people in the last judgement are regarded as the salvatory culumination of history"(81)

ترجمہ: یہودیت اسرائیل کے لوگوں کے لئے اجتماعی نجات کا تصور دیتی ہے ۔قدیم کتاب (تورات) میں نجات سے مرادلوگوں کو مالی نقصان سے بچانا ہے مگر زبور کے باب،۱۳۰ میں یہ وعدہ کیا گیا ہے کہ اللہ پاک اسرائیل کواپنے غضب سے محفوظ رکھے گا ۔مقدس خیال کی نصیحت نشاۃ ثانیہ اورقیامت کے دن یہودیوں کوخدا نے چنا ۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نجات کے تصور کے بارے میں یہود کی کیارائے ہےاوروہ کس چیز کونجات تصور کرتے ہیں ۔وہ کون سےاعمال ہیں جن کے کرنے سے یہودی نجات پاسکتے ہیں اوراخروی نجات میں ان کی ایک رائے یہ بھی ہے کہ وہ لاڈلی قوم ہونے کے باعث جنت کے مکین ہوں گےاصل بات یہ ہے کہ آخرت کا تصور بھی ہےاورحساب کا بھی جس کی بدولت سزا بھی پاسکتے ہیں اوراس کے متعلق ہم آج بھی کتاب مقدس کے عہدنامہ قدیم اور یہودکی تورات میں مواد دیکھتے ہیں اور یہی نیک اعمال کے کرنے کی وجہ ہےاوراسی بنیادپر شریعت کے قانون پرعمل درآمد بھی کیا جاتا ہے

مبحث دوم: عیسائیت میں نجات کا تصوراور ذرائع

تصورنجات:

عیسائیت میں نجات کا واضح تصور پایا جاتا ہے حضرت عیسیٰؑ نے نجات کے تصوراوراس کے متعلق وہی تعلیم دی جو باقی اسرائیلی انبیاء نے دی ۔جس نجات اورفلاح کی بات عیسیٰؑ نے کی،موجودہ عیسائی اورعیسائیت اس سے یکسر مختلف طریق پرعمل پیرا ہیں ۔موجودہ عیسائیت کا عقیدہ عہدنامہ جدید میں کچھ یوں بیان ہوا ہے بہرحال نجات کا عقیدہ کسی نہ کسی صورت عیسائیت میں موجود ضرور ہے ۔

متی میں لکھا ہے کہ:

''اوراس کے بیٹا ہوگا اور تو اس کا نام یسوع رکھنا ۔کیونکہ وہ اپنے لوگوں کوان کے گناہوں

سے نجات دے گا۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا وہ پورا ہو (۸۲)۔"

نجات کا تصور مسیحی دعوت کا اہم ستون ہے۔ہبوط آدم کی وجہ سے انسان ہر وقت گناہ کی حالت میں ہے اور اس حالت سے نکلنے کے لئے عمل نہیں فضل خداوندی کی ضرورت ہے اور وہ صرف اس صورت میں حاصل ہو سکتی ہے جب کوئی شخص مسیح کے نام پر بپتسمہ لے ۔اس اصطباغ کے ذریعے وہ نئی زندگی حاصل کرے اور اصطباغ کے بعد وہ ہمیشہ فضل خداوندی کا محتاج رہے گا۔ اس فضل خداوندی کی یہ دائمی اعانت صرف کیتھولک کلیسا کے حوالے سے حاصل کی جاتی ہے۔نجات کے اس تصور کا عقیدہ کفارہ سے گہرا تعلق ہے۔نیز نجات عیسائیت کی ایک خاص اصطلاح ہے جس کے معنی رہائی یا مخلص کے ہیں لفظ نجات جو اردو زبان میں بھی مستعمل ہے مسلمانوں کے نزدیک وہ معنی نہیں رکھتا جو مسیحی علماء کے نزدیک رکھتا ہے چنانچہ عہد نامہ جدید کے معنی یہ ہیں" نئے عہد نامہ کی اصل زبان (یونانی) میں جس لفظ کا ترجمہ نجات ہوا ہے اس کا مطلب رہائی ہے پس ایک حقیقی مسیحی وہ آدمی ہے جسے رہائی مل چکی ہے یعنی وہ بچ چکا ہے (۸۳)۔

اللہ تعالیٰ عادل بھی ہے اور رحیم بھی۔اس لئے اس نے انسانوں کو گناہوں کے اثرات سے نجات دینے کے لئے خود اپنے بیٹے کو چنا اور اس کو انسانی جسم میں دنیا کے اندر بھیجا۔اس نے یہ قربانی پیش کی خود سولی پر چڑھ کر مر گیا اور اس کی موت تمام انسانوں کی طرف سے کفارہ ہو گئی اور اس کی وجہ سے تمام انسانوں کا نہ صرف اصلی گناہ معاف ہو گیا بلکہ انہوں نے اصلی گناہ کے سبب جتنی گناہ کیے تھے وہ بھی معاف ہو گئے (۸۴)۔

گناہ جہنم کا موجب:

آپ نے گناہ کو جہنم کا وسیلہ قرار دیا آپ فرماتے ہیں:

"اے ریاکار و فریسیو:۔۔۔۔راست باز لوگ اپنے باپ کی بادشاہی میں آفتاب کی مانند چمکیں گے (۸۵)۔"

آپ کے مطابق نجات کا دارومدار صرف ایمان اور احکام الٰہی کی پیروی اور گناہوں سے اجتناب پر ہے ایک جگہ فرمایا:

"خبردار اپنی راست بازی کے کام آدمی کے سامنے دکھانے کے لئے نہ کریں نہیں تو تمہارے باپ کے پاس جو آسمان میں ہے تمہارے لئے کچھ اجر نہیں۔پس جب تو خیرات کرے تو اس کی بڑائی کریں میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ اپنا اجر پا چکے ہیں بلکہ جب تو خیرات کرے۔تو جو تیرا دایاں ہاتھ کرتا ہے اسے تیرا بایاں ہاتھ نہ جانے کہ تیری خیرات پوشیدہ رہے اس صورت میں تیرا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے تجھے بدلا دیگا (۸۶)۔

راست باز ہی مشکل سے نجات پائے گا چنانچہ لکھا ہے کہ:

''جب راست باز ہی مشکل سے نجات پائے گا(۸۷)۔''

ہر نبی نے انسان کی روحانی اور اخلاقی اصلاح کا کیمیا نسخہ تو یہ بتایا ہے تو یہ سے خدا خوش ہوتا ہے۔اور ہر نبی نے نجات حاصل کرنے کے لئے ایمان اور خدا کی پابندی پر زور دیا ہے۔اسی اصول کی تبلیغ حضرت عیسیٰ نے دی اور اعمال صالح پر زور دیتے ہوئے فرمایا:

''جب تم میرے کہنے پر عمل نہیں کرتے تو کیوں مجھے خداوند کہتے ہو جو کوئی میرے پاس آتا ہے اور میری باتیں سن ان پر کر عمل کرتا ہے میں تمہیں بتاتا ہوں وہ کس مانند ہے وہ اس آدمی کی مانند ہے جس نے گھر بناتے وقت زمین گہری کھود کر چٹان پر بنیاد ڈالی جب دھارا آئی تو اس کے گھر پر زور سے گری مگر زور سے ہلا نہ سکی لیکن جو سن کر عمل نہیں کرتا تو وہ اس آدمی کی مانند ہے جس نے زمین پر گھر کو بے بنیاد بنایا جب دھارا اس پر زور سے گری تو وہ فی الفور گر پڑا اور گھر بالکل برباد ہو گیا(۸۸)۔''

عیسائیت میں عقیدہ نجات کو یوں بیان کیا گیا ہے:

"Jesus clearly offered to his followers the glorious hope of a progressive spiritual life, but only upon the condition of a person, present loving attitude towards personalities. The alternative consequences have been variously formulated".(89)

ترجمہ: حضرت عیسیٰ نے بہت واضح طور پر اپنے پیروکاروں کو صرف ایک شرط، دوسروں کے لئے پیار اور محبت، کی بنیاد پر ایک بتدریج پھلتی پھولتی روحانی زندگی کی امید دی تھی۔اس سے بہت سے متبادل نتائج اخذ کئے ہیں۔

آکسفورڈ ڈکشنری میں لکھا ہے کہ:

Salvation in (christianity)the state of being saved from the power of evil:to pray for the salvation of the world. (90)

رومیوں میں لکھا ہے

''گناہ کی مزدوری موت ہے مگر خدا کی بخشش ہمارے خداوند مسیح یسوع میں ہمیشہ کی زندگی ہے(۹۱)۔''

ڈاکٹر ٹی ایل آسبورن لکھتے ہیں:

''بائبل کے لفظ نجات کا اصل مطلب ہے معاف شدہ، نجات یافتہ، بچایا ہوا، شفایافتہ اور جسمانی، روحانی اور ذہنی طور پر شفایافتہ ہونا، محفوظ ہونا، زیر نگرانی ہونا، کامیاب اور خوشحال ہونا، چیزوں کی فراوانی ہونا اور کثرت میں رہنا ابدی زندگی رکھنا اور معجزات میں رہنا(۹۲)۔''

اس حقیقت سے انکارنہیں کیا جا سکتا کہ حضرت عیسیٰؑ کی تشریف آوری کے وقت دنیا میں روحانیت کا کوئی تصور نہ تھا پہلے انبیاء کی تعلیمات تو یکسر طور پر فراموس کی جا چکی تھیں یا ان میں ترامیم کر کے ان کی صورت کچھ سے کچھ ہو گئی تھی روحانیت صرف اور صرف چند یہودی عابد علماء تک محدود تھی اور لوگوں کی اکثریت ایسی تھی جن کا مطمع نظر صرف اور صرف دینوی اور مادی خواہشات اور لذائذ کا حصول تھا اس لئے انہوں نے روحانی زندگی اور اعلیٰ اخلاق اقدار سے مکمل طور پر رشتہ منقطع کر دیا تھا اس لئے اس وقت اس امر کی شدید ضرورت تھی کہ انسانیت کو اعلیٰ اور پاکیزہ روحانی اقدار سے روشناس کرایا جائے تا کہ ان کی زندگیاں مادیت اور روحانیت کے امتزاج کا نمونہ بن جائیں لیکن مسیح کے پیرو کار اس میں حد اعتدال سے تجاوز کر گئے جس کے نتیجے میں رہبانیت کا تصور وجود میں آیا جو حصول نجات کا ایک ذریعہ قرار پایا لیکن حضرت عیسیٰؑ جن کے آنے کا مقصد بنی نوع انسان کی اصلاح تھی انہوں نے بھی فلاح ونجات کے لئے وہی راستہ تجویز کیا جو اسلام کا تجویز کردہ ہے، اللہ تعالیٰ کا تجویز کردہ ہے اور جو تمام انبیاء کی شریعت کا مقصود ہے (۹۳)۔

حضرت عیسیٰؑ کی مصلوبیت سے پہلے عیسائیت نجات کے انہی اصول وقوانین پر چلتی رہی جو حضرت عیسیٰؑ کے بتائے ہوئے تھے مگر مسیح کی مصلوبیت کے بعد تمام اصول بدل گئے اور روحانی نجات کے طریقہ حصول میں تبدیلی واقع ہونے لگی اور شریعت پر عمل کر کے نجات حاصل کرنے کی بجائے اب مسیحؑ کے خون پر ایمان لانا نجات حاصل کرنے کے لئے ضروری ٹھہرا۔ چنانچہ عیسائیت کے جدید نظریات وعقائد جو پولوس کی تعلیمات کا نتیجہ ہیں ان کے مطابق مسیحی نجات کا انحصار عقیدہ تثلیث اور عقیدہ کفارہ پر ایمان لانا ہے۔ عیسائیت نے عقیدہ تثلیث کے علاوہ عقیدہ کفارہ کو مدار نجات ٹھہرایا ہے

تصور نجات اور عقیدہ کفارہ کے لئے اناجیل کی درج ذیل آیات پیش کی جاتی ہیں۔

☆۔ ''اس کا بیٹا ہوگا تو اس کا نام یسوع رکھنا' کیونکہ وہی اپنے لوگوں کو ان کے گناہوں سے نجات دیگا (۹۴)۔''

☆۔ ''فرشتے نے ان سے کہا: تمہارے لئے ایک منجی پیدا ہوا ہے یعنی مسیح خداوند (۹۵)۔''

☆۔ ''ابن آدم کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈنے اور نجات دینے آیا ہے (۹۶)۔''

☆۔ ''ابن آدم اس لئے نہیں آیا کہ خدمت لے بلکہ اس لئے کہ خدمت کرے اور اپنی جان بہتیروں کے بدلے فدیے میں دے (۹۷)۔''

انہی جملوں کی تعبیرات سے نجات کا تصور مستحکم ہوا ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کی مصلوبیت سے پہلے عیسائیت نجات کے انہی اصول وقوانین پر چلتی رہی جو حضرت عیسیٰؑ کے بتائے ہوئے تھے مگر مسیحؑ کی مصلوبیت کے بعد تمام اصول بدل گئے اور روحانی نجات کے طریقہ حصول میں تبدیلی واقع ہونے لگی اور شریعت پر عمل کر کے نجات حاصل کرنے کی بجائے اب مسیح کے خون پر ایمان لانا نجات حاصل کرنے کے لئے ضروری ٹھہرا چنانچہ عیسائیت کے جدید نظریات وعقائد جو پولوس کی تعلیمات کا نتیجہ ہیں ان کے مطابق مسیحی نجات کا انحصار عقیدہ تثلیث اور

عقیدہ کفارہ پر ایمان لاتا ہے عیسائیت نے عقیدہ تثلیث کے علاوہ عقیدہ کفارہ کو مدار نجات ٹھہرایا ہے۔
اس لحاظ سے ادیان عالم میں مسیحیت منفرد ہے کہ اس کے پیروکار انسان کی نجات کے لئے کفارہ کے باطل اور غیر فطری نظریہ پر ایمان رکھتے ہیں یہ عقیدہ بھی پولوس کی اس تعلیم کا شاخسانہ ہے جس سے مراد ہے کہ تمام انسان پیدائشی طور پر گناہگار پیدا ہوتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے اکلوتے بیٹے کو زمین پر بھیجا کہ وہ انسانوں کے گناہوں کو اپنے سر پر لے کر صلیب پر چڑھ جائے اور اپنے خون سے انسان کے کفارہ (نجات) ادا کرے۔

> ''مسیح کتاب مقدس کے مطابق ہمارے گناہوں کے لئے مرا اور دفن ہوا اور تیسرے دن کتاب مقدس کے مطابق جی اٹھا (۹۸)۔''

جبکہ مسیح کے اقوال و فرمودات سے اس عقیدہ کا کوئی ثبوت نہیں ملتا یہ عیسائیوں کا اپنا خود ساختہ عقیدہ ہے جس کے باعث وہ حد اعتدال سے تجاوز کر گئے اور پھر غیر عقلی نتیجہ یہ نکلا کہ مسیح خدا کا مظہر ہیں اور انہیں دنیا میں اس لئے بھیجا کہ وہ انسانوں کے گناہوں کو اپنے ذمہ لے کر صلیب پر چڑھ جائیں اور اس طرح اپنے خون سے ان کے گناہوں کا کفارہ (نجات) ادا کریں۔ تورات میں ہے

> ''جسم کی جان خون میں ہے اور میں نے مذبح پر تمہاری جانوں کے کفارے کے لئے اسے تم کو دیا ہے کہ اس سے تمہاری جانوں کے لئے کفارہ ہو کیونکہ جان رکھنے ہی کے سبب سے خون کفارہ دیتا ہے (۹۹)۔''

عیسائی عقیدہ کے مطابق مندرجہ بالا آیت میں کفارہ کی تعلیم کی طرف واضح اشارہ ہے جس کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ نے گناہگار انسان کی نجات کا سامان انتظام کیا ہے اللہ کے نزدیک گناہوں کی معافی کا واحد ذریعہ خون سے کفارہ دینا ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا جانوروں کا خون انسان کے گناہوں کا حقیقی کفارہ ہو سکتا ہے؟ جواب نفی میں ہے۔ کیونکہ انسان کا حقیقی بدل تو انسان ہی ہے۔
خدا تعالیٰ اپنی قدرت اور علم کے وسیلے سے پہلے ہی جانتا تھا کہ انسان گناہ میں گھرے گا۔ اس لئے اس نے اس کی نجات کا منصوبہ بھی ازل سے بنا رکھا تھا چنانچہ اس نے اپنی نجات کو بتدریج ظاہر کیا۔ پہلے اس نے خود آدمؑ اور حواؑ کے گناہ کا کفارہ خون سے دیا اور پھر قربانیاں مقرر کیں۔ یہ سب عارضی انتظام تھا جو آنے والی کامل قربانی کی طرف اشارہ کرتا تھا۔ انسان کا حقیقی بدل انسان ہی ہے جانور نہیں لیکن اس میں قباحت یہ ہے کہ گناہگار ہونے کے باعث کوئی شخص بھی ایسا نہیں جو دوسرے کا کفارہ دے سکے واعظ میں لکھا ہے:

> ''زمین پر کوئی راستباز انسان ایسا نہیں کہ نیکی ہی کرے اور خطا نہ کرے (۱۰۰)۔''

جو شخص اپنے گناہوں کے سبب سے خود مردہ ہے۔وہ دوسرے مردہ شخص کو زندگی دینے کا ذریعہ کیسے بن سکتا ہے اور نہ ہی کوئی گناہگار اپنا کفارہ خود دے سکتا ہے۔کیونکہ اس صورت میں وہ کفارہ گناہ آلودہ ہوگا اور بے مقصد ٹھہرے گا پس انسان کو ایسے نجات دہندہ کی ضرورت ہے۔جو خود بالکل پاک اور بے عیب ہونے کے باعث اسکے گناہوں کا کفارہ دے سکے تو ریت زبور اور صحائف انبیاء اس نجات دہندہ کے کفارہ کے حق میں متعدد پیشین گوئیاں درج ہیں۔یہ پیشین گوئیاں اس وقت پوری ہوئیں جب اس نجات دہندہ کے مبعوث ہونے کے بارے میں جبرائیل فرشتہ نے یوسف کو خوشخبری سنائی اور ساتھ ہی آپ کی بعثت کے مقصد کو بیان کر دیا(۱۰۱)۔

کہ آج نجات کا عقیدہ مسیحیت میں بنیادی عقیدہ بن چکا ہے جب کہ ان کی بائبل میں براہِ راست کفارے کے مفروضات کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔پادری برکت اللہ لکھتا ہے:

''گناہ ایک غلامی ہے جس سے کلمتہ اللہ ہمیں رہائی دیتا ہے وہ ایک بیماری ہے جس سے ابن اللہ شفاء بخشتا ہے مسیح گناہ کی نسبت تعلیم دینے کے لئے نہیں بلکہ گناہ سے نجات دینے کے لئے دنیا میں آئے تھے(۱۰۲)۔''

ڈاکٹر احسان الحق رقمطراز ہیں:

''مسیحیت کے پیرو کار سمجھتے ہیں کہ یسوع پر ایمان لانے سے ان کی صلیبی موت کفارہ (نجات) بن کرانسان کو اس کے پیدائشی گناہ سے پاک کر دیتی ہے(۱۰۳)۔''

نجات (کفارہ) کی تشریح کرتے ہوئے جے۔ای۔چرچ کہتا ہے:

پرانے عہد نامہ میں نجات یعنی کفارے کا جو ترجمہ کیا گیا ہے وہ عبرانی کے لفظ ''کفر'' سے کیا گیا ہے جس کے معنی ہیں ''ڈھانپنا'' قربانی کے خون سے گناہ ڈھانپے جاتے ہیں اب علم الٰہی میں مسیح کے خون کے وسیلے سے نجات کے تمام موضوع کو کفارے میں شامل کر لیا گیا ہے(۱۰۴)۔

ڈاکٹر جان مکڈول کفارے کی تشریح اس طرح کرتا ہے:

''مسیح کی کہانت کے دو کام ہیں یعنی کفارہ دینا اور سفارش کرنا ہمارے بچانے والے نے گناہ گاروں کے عوض اپنے آپ کو کفارہ میں دیا(۱۰۵)۔''

Leon Morris کفارے کے بارے میں کہتا ہے:

"The atonemtent means that Jesus Christ in his death dealt completely with the problem that man's sin had set." (106)

ترجمہ: گناہوں پر ندامت کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے اپنی موت کے ذریعے اس گناہ کا ازالہ کر دیا جس جس کی ابتدا انسان نے زمین پر آنے سے پہلے کی تھی

عیسائیوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ کی ولادت کا مقصود ہی کفارہ بنا تھا ان کے ہاں آدم نے خطا کی تو جنت سے نکالے گئے گناہ

وراثتاً مشتمل ہوتا تھا حتیٰ کہ بنی نوع انسان گنہگار ہوگئی اور عذاب کی مستحق ٹھہری چونکہ اللہ کی صفات رحیم اور غفور بھی ہیں اس کی رحمت کا تقاضا معاف کرنا ہے اور گنہگار کا کفارہ گنہگار نہیں ہوسکتا لہٰذا اپنے بیٹے کو بھیجا تا کہ صلیب پر چڑھ کر کفارہ کریں ۔ڈاکٹر احمد شلبی لکھتا ہے:

"ولم یکن هناک من طریق للجمع بین العدل و الرحمه الا بتوسط ابن اللّٰه ووحیده وقبوله ان یظهر فی شکل انسان وان یعیش کما یعیش الا نسان ثم یصلب ظلماً لیکفر عن خطیئته البشر (۱۰۷)."

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کی صفت عدل اور صفت رحمت کے درمیان جمع کی صورت سوائے اس کے اور کوئی نہیں ہوسکتی تھی کہ اللہ تعالیٰ خود انسانی شکل میں ظاہر ہو جائے اور عام انسانوں کی طرح زندگی گزارے پھر تمام انسانوں کی خطاؤں کو ختم کرنے کے لئے کفارہ کے طور پر مظلوم بن کر صلیب پر چڑھایا جائے ۔

تصور نجات عیسائی مذہب کی جان ہے چنانچہ انجیل متی میں لکھا ہے

"اس کے بیٹا ہوگا اور تو اس کا نام یسوع رکھنا کیونکہ وہی لوگوں کو ان کے گناہوں سے نجات دے گا ۔(۱۰۸)"

Encyclopedia Britannica میں مقالہ کفارہ کا مصنف رقمطراز ہے:

"متی ومرقس میں ہے کہ ابن آدم اس لئے نہیں آیا کہ خدمت لے بلکہ اس لئے کہ خدمت کرے اور جان بہتوں کے بدلے فدیہ میں دے ۔(۱۰۹)"

متی میں ہے کہ

"یہ میرا وہ عہد کا خون ہے جو بہتوں کے لئے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے(۱۱۰) ۔"

پس یہ ہیں اناجیل متفقہ کے وہ جملے جن سے عقیدہ کفارہ پر استدلال کیا جاتا ہے(۱۱۱) ۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اپنی تعلیمات میں نجات اور "آسمان کی بادشاہی" کے حصول کے لئے، نیکوکاری اور توبہ کی ضرورت پر زور دیا گیا تھا۔انجیل کے مطابق، جب ایک بدچلن عورت نے ندامت کے آنسو بہائے تو مسیح نے "اس عورت سے کہا کہ تیرے گناہ معاف ہوئے (۱۱۲) ۔"

پولس کی تعلیم کے مطابق تو

"بغیر خون بہائے معافی نہیں ہوتی (۱۱۳) ۔"

مگر مسیح کی تعلیم کے مطابق ایمان اور توبہ نجات اور معافی کے لئے کافی ہیں ۔(۱۱۴)

انجیل لوقا کے باب ۱۵ میں نیکی کے لئے خدا کی طرف رجوع اور توبہ کی فضیلت و اہمیت واضح کرنے کے لئے حضرت عیسیٰ کی زبان مبارک سے تین عمدہ تمثیلیں موجود ہیں۔ان میں سے پہلی تمثیل ملاحظہ فرمائیں: ''تم میں کون آدمی ہے جس کے پاس سو بھیڑیں ہوں اور ان میں سے ایک کھو جائے تو ننانوے کو بیابان میں چھوڑ کر اس کھوئی ہوئی کو جب تک مل نہ جائے ڈھونڈتا نہ رہے۔ پھر جب مل جاتی ہے تو وہ خوش ہو کر اسے کندھے پر اٹھا لیتا ہے اور گھر پہنچ کر دوستوں اور پڑوسیوں کو بلاتا اور کہتا ہے میرے ساتھ خوشی کرو، کیونکہ میری کھوئی ہوئی بھیڑ مل گئی۔ میں تم سے کہتا ہوں کہ اس طرح ننانوے راستبازوں کی نسبت جو توبہ کی حاجت نہیں رکھتے ایک توبہ کرنے والے گناہ گار کے باعث آسمان پر زیادہ خوشی ہوگی (۱۱۵)۔

نیز عمل کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے، مسیح نے کہا:

''اگر تو زندگی میں داخل ہونا چاہتا ہے تو حکموں پر عمل کر (۱۱۶)۔''

مسیح کے اس قول کی اہمیت واضح کرتے ہوئے معروف جرمن مسیحی فاضل ہارنیک لکھتا ہے:

''وہ (مسیح) اپنی ذات کے متعلق کسی اور اعتقاد یا عقیدت کی خواہش نہیں رکھتے تھے۔وہ صرف یہ چاہتے تھے کہ لوگ احکام پر عمل کریں (۱۱۷)۔''

چنانچہ قبول عیسائیت کے ابتدائی زمانہ میں پولس کا نظریہ بھی باقی یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح یہ تھا کہ نجات کے لئے توبہ اور عمل کی ضرورت ہے چنانچہ اس نے اگرپا(Agrippa) بادشاہ کے روبرو اپنے بیان میں کہا: ''میں ----- سارے ملک یہودیہ کے باشندوں کو اور غیر قوموں کو سمجھاتا رہا کہ توبہ کریں اور خدا کی طرف رجوع لا کر توبہ کے موافق کام کریں (۱۱۸)۔''

''جس نے ساری شریعت پر عمل کیا اور ایک ہی بات میں خطا کی وہ سب باتوں میں قصور وار ٹھہرا۔(۱۱۹)۔''

نیز: ''اے نکمے آدمی کیا تو یہ بھی نہیں جانتا کہ ایمان بغیر اعمال کے بے کار ہے؟ جب ہمارے باپ ابرہام نے اپنے بیٹے اضحاق کو قربان گاہ پر قربان کیا وہ اعمال سے راستباز نہ ٹھہرا؟ پس تو نے دیکھا ہے کہ ایمان نے اس کے اعمال کے ساتھ مل کر اثر کیا وہ اعمال سے ایمان کامل ہوا (۱۲۰)۔''

یعقوب کا یہ قول مسیح کے اس فرمان کے مطابق تھا:

''جس کے پاس میرے حکم ہیں اور وہ ان پر عمل کرتا ہے وہی مجھ سے محبت رکھتا ہے اور جو مجھ سے محبت رکھتا ہے وہ میرے باپ کا پیارا ہوگا، اور میں اس سے محبت رکھوں گا (۱۲۱)۔''

عام یہودیوں کی طرح حضرت عیسیٰ کے حواریوں کا عقیدہ بھی یہی تھا کہ نجات شریعت پر عمل میں مضمر ہے اور عمل میں کمی کی تلافی توبہ سے ہوتی ہے۔ کفارہ کا عجیب و غریب عقیدہ، جس کی رو سے مسیح کی مزعومہ قربانی کو انسانیت کے پاک کرنے

کی کلید قرار دیا گیا، بعد کی پیداوار ہے۔نیز لکھا ہے

"اے محنت اٹھانے والے اور بوجھ سے دبے ہوئے لوگو سب میرے پاس آؤ میں تم کو آرام دوں گا" (۱۲۲)۔

"میرے نام کے باعث سے سب لوگ تم سے عداوت کریں گے مگر جو آخر تک برداشت کرے گا وہ بس نجات پائے گا۔" (۱۲۳)۔انجیل لوقا میں لکھا ہے کہ:

"آج داؤد کے شہر میں تمہارے لئے ایک منجی پیدا ہوا ہے یعنی مسیح خداوند (۱۲۴)۔"

"تم جسے نہیں جانتے اس کی پرستش کرتے ہو ہم جسے جانتے ہیں اس کی پرستش کرتے ہیں (۱۲۵)۔"

"لیکن میں اپنی نسبت انسان کی گواہی منظور نہیں کرتا۔تو بھی میں یہ باتیں اس لئے کرتا ہوں کہ نجات پاؤ (۱۲۶)۔"

"دروازہ میں ہوں اگر کوئی مجھ سے داخل ہو تو نجات پائے گا اور اندر باہر آیا جایا کرے گا اور چارہ پائیگا (۱۲۷)۔"

ایک جگہ واضح طور پر لکھا پایا جاتا ہے کہ جو خدا کا نام لے گا یعنی اسی کی عبادت اسی کا ذکر اسی کے احکامات پر عمل کرے گا تو وہ کامیابی ضرور پائے گا اور اللہ کا نام لیوا کبھی رسوا نہیں ہوتا صرف یقین کامل کی بات ہے یوحنا اور رومیوں میں خدا کا نام لینے والوں کی نجات کا ذکر موجود ہے جیسا کے لکھا ہے:

"جو کوئی خدا کا نام لے گا نجات پائے گا (۱۲۸)۔"

کرنتھیوں میں یوں تحریر ہے

"اس لئے کہ جب خدا کی حکمت کے مطابق دنیا نے اپنی حکمت سے خدا کو نہ جانا تو خدا کو یہ پسند آیا کہ اس منادی کی بے وقوفی کے وسیلے سے ایمان لانے والوں کو نجات دے (۱۲۹)۔"

انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا کے مطابق عیسائیت میں نجات کا مفہوم یوں بیان کیا گیا۔

Christianity has been described as the salvation religion par excellence. Its primary premise is that the incarnation..., Jesus Christ formed the climax of a divine plan for mankind's salvation. This plan was conceived by God ..., The progenitor of the human race , and it would be completed at the last Judgment , when the second coming of Christ would.. end of the world. This stereological evaluation of history finds expression in the Christian division of time into two periods: before Christ (B.C) and..(AD)...(130)

ترجمہ: عیسائیت کو نجات کا بہترین مذہب قرار دیا گیا ہے۔اس کی بنیاد اس بات پر ہے کہ خدا کا زمین پر عیسیٰ کی صورت میں آنا اور قربانی کی صورت میں اپنی جان دینا خدا کا انسانی نجات کے لئے عروج ہے۔خدا نے اس منصوبے کو نسل انسانی کے بابا

،آدمؑ کے زمین پر آنے کے بعد سوچا اور اور یہ امتحان قیامت کے دن مکمل ہوگا جب عیسیٰؑ دوبارہ آئے گے اور زمین کا تباہی سے بھرپور خاتمہ ہوگا۔تاریخ کی یہ دوطرفہ جانچ عیسائیوں کے وقت کا دو حصوں میں تقسیم کو ظاہر کرتی ہے؛ b.c. عیسیٰ سے پہلے اور عیسیٰ کی آمد کے بعد۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں salvation کو Redemtion لکھا گیا ہے

Salvation also called redemption ,in relgion , the diliverance of mankind from fundamentally negative disabling conditions; such as suffering , evil fintude and death ;also in some relgions the restoration or raising up of the na tura l worl d to a higher real m or state.. (131)

ترجمہ:مذہبی اعتبار سے نجات کا مفہوم انسانیت کو بنیادی طور پر منفی غیر فعال کرنے والے حالات سے بچانا ہے مثلاً مشکل میں مبتلا ہونا ، شیطانی اثرات اور موت۔کچھ مذاہب میں اس سے مراد فطری دنیا کو ایک اونچے مقام اور معیار پر لینا ہے۔مزید لکھا ہے .

According to new testament ,'In him we have redemption through his blood the forgiveness of our trespasses according t o t he riches of the grace 132)

ترجمہ: عہدنامہ جدید کے مطابق حضرت عیسیٰؑ میں ہماری نجات ہے ان کے خون کی قربانی ہی خدا کی رحمت سے ہماری غلطیوں اور خطاؤں کی معافی ہے۔

ان سب باتوں کا لب لباب یہ ہے کہ موجودہ عیسائیت کے عقیدے کے مطابق نجات یہ ہے کہ یسوع مسیح کی تعلیم میں نجات اکثر دکھوں مثلاً بیماری سے رہائی ظاہر کرتی ہے لیکن عموماً اس کا مطلب نئی الٰہی زندگی میں داخل ہونے کے وسیلے سے گناہ سے رہائی پانا ہے نیز ان کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ مسیح نے جو نجات مہیا کی وہ محض آئندہ سزا سے ہی بچنا نہیں بلکہ موجودہ سزا سے بھی بچنا ہے۔جبکہ حضرت عیسیٰؑ کی تعلمات کے مطابق نجات یہ کہ ایک اللہ او راس کے رسولوں کی لائی تعلیمات پر خلوص دل سے عمل کیا جائے۔

مبحث سوم: اسلام کا تصور نجات (فلاح) اور ذرائع:

فلاح کا لغوی مفہوم:

لغوی اعتبار سے ''فلاح'' کے کئی معانی ہیں یہ لفظ ثلاثی مجرد کے باب فتح اور باب سمع ' یسمع دونوں کے وزن پر آتا ہے(۱۳۳)۔

ابن منظور ''لسان العرب'' میں فلاح کے معانی کو مختلف انداز سے بیان کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں۔

الفلح والفلاح ، الفوز والنجاۃ والبقاء فی النعیم والخیر :(۱۳۴)۔

یعنی نعمتوں اور بھلائیوں میں کامیابی ٗنجات اور دوام قال اللہ عزوجل (قد افلح المؤمنون)أی اصیروا إلیٰ الفلاح۔یعنی کامیابی کی طرف گامزن کیے گئے۔

قال الأزھری: وإنما قیل لأھل الجنۃ مفلحون لفوزھم ببقاء الأبد۔

اہل جنت کو مفلحون اس لئے کہا گیا ہے کیونکہ وہ ابدی بقاء سے فائزالمرام ہوئے۔

اورحدیث میں ہے کہ پوچھا گیا''وما الفلاح ''فلاح کیا ہے۔آپ نے فرمایا:''السحور ''یعنی سحری۔وأفلح الرجل: ظفر ، وفی حدیث الأذان : حی علی الفلاح : یعنی ھلم علی بقاء الخیر کہ بھلائی کے دوام کی طرف آؤ۔ وقیل حی ای عجل وأسرع علی الفلاح کہ کامیابی کی طرف جلدی اور تیزی سے آؤ۔ وقیل أی اقبل علی النجاۃ :یعنی نجات کی طرف متوجہ ہو۔ابن اثیر نقل کرتے ہیں:''وھو الصلوٰۃ فی الجماعۃ کہ اس سے مراد نماز باجماعت ہے (۱۳۵)''۔

تاج العروس کے مصنف فلاح ونجات کے معنی اس طرح بیان کرتے ہیں:

''الفلح محرکۃ والفلاح : الفوز' وفی الحدیث أبی الدحداح

: بشر اللّٰہ بخیر وفلح ای بقاء وفوز.(۱۳۶)''۔

فلح فلاح اور کامیابی کو کہتے ہیں اور حدیث ابودحداح میں ہے کہ فرمایا:اللہ تجھے دوام اور کامیابی عطا کرے۔

وقولھم : لا افعل ذلک فلاح الدھر ۔اوران کا یہ قول کہ میں ایسا زمانہ بھر یعنی کبھی بھی نہیں کروں گا۔اور شاعر نے کہا ہے:''ولکن لیس فی الدنیا فلاح' ۔ای بقاء یعنی دنیا میں ثبات نہیں ہے۔ابن اثیر نے کہا ہے کہ ''فلاح'' افلح سے مشتق ہے جیسے نجاح أنجح سے مشتق ہے۔اور نجات کا معنی ہے

''کامیابی ٗ درستی حال اور بقائے نجات(۱۳۷)''۔

مادہ نجو۔النجا سے النجاۃ۔اس کا متبادل اسلام میں لفظ فلاح استعمال ہوتا ہے فلح یفلح فلحاً الفلاح :البقاء والفوز(۱۳۸)۔

قرآن نے نجات کی بجائے فلاح کی اصطلاح استعمال کی ہے۔اور فلاح کے لغوی معنی ہیں ٗنعمتوں اور بھلائیوں میں کامیابی اور دوسرا اس کا معنی ہے نجات اور دوام ۔۔جنتیوں کو مفلحون اس لئے کہا گیا کہ وہ ابدی فلاح سے فائز ہوئے۔(۱۳۹)

جوہری ''الصحاح''میں فلاح کے درج ذیل معانی بیان کرتے ہیں۔کہ فلاح کی اصل بقاءودوام ہے

فلح:الفلاح:الفوز ،والنجاة ،واالنجاة،والبقاء ،والسحور (۱۴۰)۔

فلاح سے مراد کامیابی اورانجام،دوام اورسحری ہے ۔یقول الرجل لامرأتہ:استفلحی بأمرک ای فوزی بأمرک ۔ زمانہ جاہلیت میں آدمی اپنی بیوی کوطلاق دینے کے لئے کہا کرتا تھا(۱۴۱)۔

فلاح کے معنی کامیابی اور کامرانی کے ہیں اور یہ دوقسم پر ہے۔دنیوی اوراخروی،فلاح دنیوی ان سعادتوں کوحاصل کرلینے کا نام ہے،جن سے دنیوی زندگی خوشگوار بنتی ہو۔یعنی بقاءمال اورعزت ودولت ۔فلاح اخروی چار چیزوں کے حاصل ہوجانے کا نام ہے۔

۱۔ بقاءبلافنا۔ ۲۔غناءبلافقر۔ ۳۔ عزت بلاذلت۔ ۴۔ علم بلاجہل۔

مندرجہ بالا چار چیزیں اخروی فلاح کے ضمن میں ہی آسکتی ہیں کیونکہ دنیا میں ان کاحصول ممکن نہیں ہے۔پھرسحوریعنی طعام سحرکوبھی فلاح کہا گیا ہے کیونکہ ''حی علی الفلاح'' کی آواز بلند کی جاتی ہے اوراذان میں حی علی الفلاح کے معنی یہ ہیں کہ: اس کامیابی کی طرف آؤ جونماز کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مقدرکررکھی ہے(۱۴۲)۔

مصباح اللغات میں فلاح کے درج ذیل معانی بیان کیے گئے ہیں:

فلح (ف) فلحا: الأرض زمین جوتنا۔ فلاح فلانا:مکرکرنا۔بالقوم خریدوفروخت میں دھوکہ دینا۔افلح الرجل:مطلوب پرکامیاب وفتح مند ہونا۔کوشش میں کامیاب ہونا۔استفلح بہ:کامیاب وفتح مند ہونا (۱۴۳)۔

اسی طرح الفلح والفلاح کامیابی،درستی حال،بقا،نجات کہاجاتا ہے:''حی علی الفلاح'' یعنی کامیابی اورنجات کے راستے کی طرف آؤ۔الفلاح:سحری۔(۱۴۴)۔

فلاح کااصطلاحی مفہوم:

قرآن مجید میں کامیابی اورنجات کے لئے فلاح کالفظ زیادہ استعمال ہوا ہے کیونکہ یہی لفظ اپنے معنی کی وسعت کے اعتبار سے دنیوی واخروی تمام تر کامیابیوں کواپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔کتاب ''الصحاح'' کے مصنف امام جوہری کے نزدیک دنیااورآخرت کی تمام بھلائیوں کے لئے پوری لغت عرب میں اس سے جامع کوئی لفظ نہیں ہے۔لفظ فلاح کواکثر آئمہ لغت نے الفوز والخیر سے تعبیر کیا ہے کیونکہ ''الفوز'' میں وہ تمام نعمتیں اوربھلائیاں شامل ہیں جواس دنیوی زندگی میں میسر آسکتی ہیں اورجس میں معاشی،سیاسی اورمعاشرتی گویا کہ ہرقسم کے شعبے شامل ہیں(۱۴۵)۔

قرآن مجید نے ان کامیابیوں کے لئے صرف ایک معیار قائم کیا ہے بلکہ اس کامیابی کے حصول کے طریقے بھی متعین کردیئے ہیں۔لیکن یہ فلاح کا مکمل تصور نہیں ہے کیونکہ اس کا دائرہ کار صرف دنیوی زندگی تک محدود ہے۔اس کے برعکس فلاح کا مکمل تصور "الخیر" یعنی اخروی زندگی کی ابدی خوشحالی، دائمی نعمتیں اور آسودگی سے وابستہ ہیں۔لہذا فلاح کو صرف مادی خوشحالی یا اس دنیا کی نعمتوں میں محدود کرنا سخت غلط فہمی ہے۔کیونکہ فلاح کا کوئی مادی پیانہ مقرر نہیں ہے۔بلکہ یہ انسان کے اندورنی کیفیت ہے جواس کو اچھے اعمال کے باعث ذہنی سکون اور طمانیت قلبی کی شکل میں میسر ہے۔فرمان خداوندی ہے:

﴿**قد افلح من تزکی**﴾ (۱۴۶)۔

ترجمہ: تحقیق جس نے تزکیہ نفس کیا کامیاب ہوگیا۔

یعنی نفس کو گناہوں سے پاک کرنے اور تقوی سے ترقی دینے کا نتیجہ فلاح ہے۔گویا فلاح تزکیہ نفس کے نتیجے میں میسر آتی ہے۔کامیابی اور نجات اخروی کے لئے لفظ فلاح قرآن کی مخصوص اصطلاح ہے۔جبکہ دوسرے مذاہب میں فلاح کے بجائے نجات، مکتی، نروان، موکش وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔مگر ان سب الفاظ میں اس جامعیت اور کاملیت کا فقدان ہے۔جو لفظ فلاح میں پائی جاتی ہے۔نیز یہ بنی نوع انسان کی حقیقی اور دائمی کامیابی کا ہرگز ضامن نہیں ہوسکتے۔اصطلاح شریعت میں فلاح کے معنی مولانا مودودی کے الفاظ میں یہ ہیں۔

"کامیابی وخوشحالی" یہ لفظ خسران کی ضد ہے جو گھاٹے اور نامرادی کے معنوں میں بولا جاتا ہے۔"**افلح الرجل**" کے معنی ہیں فلاں شخص کامیاب ہوا اپنی مراد کو پہنچا۔آسودہ حال ہوگیا، اس کی کوشش بار آور ہوئی، اس کی حالت اچھی ہوگئی (۱۴۷)۔"پھر فرمایا:

"بعض نادان لوگ "فلاح" کو طویل عمر یا دنیوی خوشحالی یا دنیوی فروغ کے معنی میں لے لیتے ہیں------ فلاح کا لفظ بھی قرآن میں دنیوی فلاح کے محدود معنی میں نہیں آیا بلکہ اس سے مراد وہ پائیدار کامیابی ہے جو کسی خسران پر منتج ہونے والی نہ ہو۔قطع نظر اس سے کہ دنیوی زندگی کے اس ابتدائی مرحلہ میں اس کے اندر کامیابی کا کوئی پہلو ہو یا نہ ہو۔ہوسکتا ہے کہ ایک داعی ضلالت دنیا میں مزے سے جئے، خوب پھلے پھولے اور اس کی گمراہی کو بڑا فروغ نصیب ہو مگر یہ قرآن کی اصطلاح میں فلاح نہیں، عین خسران ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک داعی حق دنیا میں سخت مصیبتوں سے دوچار ہو شدت آلام سے نڈھال ہوکر یا ظالموں کی دست درازیوں کا شکار ہوکر دنیا سے جلدی رخصت ہوجائے اور کوئی اسے مان کر نہ دے مگر یہ قرآن کی زبان میں خسران نہیں عین فلاح ہے (۱۴۸)۔"

لہذا فلاح کو صرف دنیوی اور مادی خوشحالی تک محدود نہیں کیا جاسکتا۔مولانا مودودی اسی حقیقی اور دائمی فلاح کے بارے میں رقمطراز ہیں:

''اگر چہ قرآن میں حقیقی فلاح آخرت میں انسان کی کامیابی اور حقیقی خسارہ وہاں اس کی ناکامی ہے۔لیکن دنیا میں بھی جس چیز کا نام لوگوں نے فلاح رکھ چھوڑا ہے وہ دراصل فلاح نہیں ہے بلکہ اس کا انجام خود اسی دنیا میں خسارہ ہے اور جس چیز کو لوگ خسارہ سمجھتے ہیں وہ دراصل خسارہ نہیں ہے بلکہ اس دنیا میں بھی فلاح کا ذریعہ ہے(۱۴۹)۔''

خلاصہ یہ کہ کامل ومکمل فلاح تو صرف جنت میں مل سکتی ہے۔دنیا اس جگہ نہیں البتہ اکثری حالات کے اعتبار سے فلاح یعنی بامراد ہونا اور تکلیفوں سے نجات پانا یہ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عطا فرماتے ہیں۔مکمل فلاح کا انحصار اخروی زندگی کی کامیابی پر ہے۔مزید فلاح کے مفہوم کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

''کامیابی و ناکامی کا اصل معیار موجودہ زندگی کی خوشحالی و بدحالی نہیں ہے بلکہ درحقیقت کامیاب انسان وہ ہے جو خدا کے آخری فیصلے میں کامیاب ٹھہرے اور ناکام وہ ہے جو وہاں ناکام ہو(۱۵۰)۔''

غرض فلاح ونجات کا اصطلاحی مفہوم جس کی طرف مذکورہ بحث ہماری رہنمائی کرتی ہے وہ کوئی معمولی، نامکمل یا ناقص فلاح نہیں بلکہ ہرلحاظ سے کامل اور مہتم بالشان فلاح ونجات ہے۔یہ تصور فلاح ہمیں دنیا وآخرت کی سعادتوں کی بشارت دیتا ہے۔دنیا میں سربلندی وسرفرازی اور آخرت میں اکمل ترین فوز وفلاح کا وعدہ کرتا ہے۔حقیقی فلاح ہی اخروی نجات کا حصول ہے۔اسلامی تصور فلاح جامع ہے۔قرآن نے تمام ذرائع وشرائط کو واضح کردیا جو انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں۔گویا انسان کی نجات کا واحد راستہ اسلام کے تصور فلاح سے ممکن ہے۔کیونکہ انسانی فطرت پر عمل پیرا ہو کر انسان دائمی فلاح سے ہمکنار ہوسکتا ہے(۱۵۱)۔

دنیوی زندگی سے نجات کا تعلق:

ہم پہلے ان آیات کو لیتے ہیں جن میں لفظ نجات کا تعلق اس دنیاوی زندگی سے ہے انمیں بے شمار آیتیں ہیں۔ہم صرف چند پر اکتفا کرتے ہیں۔یونس علیہ السلام کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱۔ ﴿ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَ كَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِينَ﴾ (۱۵۲)۔

ترجمہ: پس ہم نے ان کی پکار کو قبول کرلیا اور نجات بخش دی انہیں غم واندوہ سے اور یوں ہی ہم مومنوں کو نجات دیا کرتے ہیں۔

۲۔ ﴿وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا﴾ (۱۵۳)۔

ترجمہ: اور تمہیں یاد ہے جب تم نے مار ڈالا تھا ایک شخص کو پس ہم نے نجات دی تھی تمہیں غم واندوہ سے اور ہم نے تمہیں اچھی طرح جانچ لیا تھا۔

۳۔﴿قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا لَنُنَجِّيَنَّهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ كَانَتْ مِنَ

الْغٰبِرِيْنَ ﴾(۱۵۴)۔

ترجمہ: آپ نے کہا اس میں تو لوط بھی رہتا ہے۔فرشتوں نے عرض کی ہم خوب جانتے ہیں جو وہاں رہتے ہیں ہم ضرور بچالیں گے اسے اور اس کے گھر والوں کو سوائے اس کی عورت کے۔وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے۔

ان چند آیتوں پر غور کیجئے' ان میں نجات کے وہ دونوں مفہوم موجود ہیں جو اوپر بیان ہوئے ہیں۔پہلی دو آیتوں میں مصیبت میں پھنس کر اس سے نجات پانے کا ذکر ہے اور آخری آیت میں محض اندیشہ عذاب سے نجات دینے اور نجات پانے کے لئے نجات کا لفظ استعمال ہوا ہے۔اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جہاں تک دنیاوی نجات کا تعلق ہے' قرآن مجید نے نجات کا لفظ دونوں مفاہیم کے لئے استعمال کیا ہے۔

نجات کے لفظ کے استعمال کے لئے یہ ضروری نہیں کہ جہنم کے ازلی مصائب کا حصار کھینچا جائے اور نہ اس امر کی ضرورت ہے کہ ہر شخص کے لئے دخول نار لازمی مانا جائے۔ان باتوں کے مانے بغیر بھی اس کامیابی کے لئے نجات کا لفظ استعمال کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔نجات کے لئے کسی مصیبت میں پھنس جانا اور پڑ جانا ضروری نہیں' کسی مصیبت کے اندیشہ اور خطرے سے چھوٹنا بھی نجات ہے اور قرآن نے اس مفہوم کے لئے اس لفظ کو استعمال کیا ہے۔اور مسلمانوں میں عام طور پر یہ لفظ اسی معنی کے لحاظ سے مستعمل ہے۔اور یہ بالکل قرآنی مفہوم ہے۔

ہم کو اس امر سے انکار نہیں کہ آخرت کی کامیابی کے لئے فوز وفلاح کے الفاظ استعمال کیے جائیں۔بلا شبہ یہ الفاظ قرآن مجید نے استعمال کیے ہیں اور تعبیر حقیقت کے لئے نہایت موزوں ہیں۔لیکن اس کے لئے نجات کا لفظ بھی قرآن نے استعمال کیا ہے۔اور اس کی بلاغتیں اور حکمتیں بالکل مستقل ہیں۔اور بعض خاص معاملات کی طرف اشارہ کررہی ہیں۔مثلا بشریت کے عام ضعف' امتحان کے ہمت آزما مراحل' کامل ایمان' کامل خشیت' ہر آن کے تذکر اور ہر لمحہ کے تفکر کی وجہ سے اہل ایمان کے سامنے عذاب آخرت کا ایک مجسم اندیشہ اور خطرہ جو ہر وقت رہتا ہے اس سے بچ جانے اور محفوظ رہنے کی جس قدر موزوں تعبیر لفظ نجات سے ہوسکتی ہے دوسرے لفظ سے نہیں ہوسکتی۔اور اہل ایمان اس خطرہ کا جس شدت کے ساتھ احساس کرتے ہیں اس کا اندازہ ذیل کی آیات سے ہوسکتا ہے۔

۱۔ ﴿ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا٥ فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ﴾(۱۵۵)۔

ترجمہ: ہم ڈرتے ہیں اپنے رب سے ایک دن اداسی والے کی سختی سے پھر بچالیا ان کو اللہ نے برائی سے اس دن کی اور ملادی ان کو تازگی اور خوش وقتی۔

۲۔ ﴿يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ﴾(۱۵۶)۔

ترجمہ: جس دن نہ کام آئے کوئی مال اور نہ بیٹے، مگر وہ شخص جو لے آیا اللہ کے حضور قلب سلیم۔

اس قسم کی آیتیں بے شمار ہیں، استقصاء مقصود نہیں۔ مقصود صرف یہ دکھانا ہے کہ (جہنم کے بندھن نہ سہی) عذاب اخروی تو ہے جو انسان کی نگاہوں کے سامنے (اگر غافل نہیں) اس عالم فانی میں ہر وقت موجود رہتا ہے۔ اور جس سے رہائی حاصل کرنے کیلئے وہ ہر وقت فکرمند ہے۔ اسی رہائی اور نجات کو آپ فوز و فلاح سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں کیونکہ قرآن پاک نے بھی اس کو فوز عظیم کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

﴿ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ (۱۵۷)۔

ترجمہ: اور بچا ان کو برائیوں سے اور جس کو تو بچائے برائیوں سے اس دن، مہربانی کی تو نے اس پر اور یہی ہے بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت میں یہ بات قابل غور ہے کہ عذاب کو سیآت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ گویا عذاب اور سیآت دونوں مرادف ہیں۔ اس کی تائید دوسری آیتوں سے بھی ہوتی ہے بالخصوص سورہ مومن کی آیت ذیل۔

﴿وَيٰقَوْمِ مَالِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَ تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ﴾ (۱۵۸)۔

ترجمہ: اے قوم مجھ کو کیا ہوا ہے بلاتا ہوں تم کو نجات کی طرف اور تم بلاتے ہو مجھ کو آگ کی طرف۔ تم بلاتے ہو مجھ کو کہ میں خدا کا انکار کر دوں۔

اس آیت پر غور کیجئے۔ اس سے دو باتیں نہایت واضح طور پر ثابت ہوتی ہیں۔

ا۔ اس میں آخرت کی کامیابی کو نجات سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ لفظ بغیر قرآن کی رہنمائی کے مسلمانوں کے اندر پھیل گیا۔ باقی رہی یہ بات کہ مسلمان نجات کو عیسائیوں کے (Salvation) کے ہم معنی لیتے ہیں تو یہ خیال ٹھیک نہیں۔ مسلمان نجات کا وہی مفہوم لیتے ہیں جو قرآن نے لیا ہے۔ یہ لفظ اور اس کا مفہوم دونوں قرآنی ہیں۔ جو لوگ اس لفظ کا اس کے علاوہ کوئی اور مفہوم لیتے ہیں ان کی نظر قرآن مجید میں اس کے استعمالات پر نہیں ہے۔ اس میں سیآت کو عذاب کا قائم مقام قرار دیا گیا ہے۔ اخروی فلاح کی تعبیر قرآن میں نجات کے لفظ سے کی گئی ہے۔ جیسا کہ سورہ الزمر میں ہے:

﴿وَيُنَجِّى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ (۱۵۹)۔

ترجمہ: اور خدا ان لوگوں کو ان کی کامیابی کے ساتھ نجات دے گا جنہوں نے تقوی اختیار کیا، نہ انہیں برائی چھوئے گی اور نہ وہ غمگین ہونگے۔

سورہ مریم میں ہے:

﴿ثُمَّ نُنَجِّى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا﴾ ۔(۱۶۰)

ترجمہ: پھر بچادیں گے ہم ان کو جوڈرتے رہے اور چھوڑ دیں گے گنہگاروں کو اس میں اوندھے گرے ہوئے

ان دونوں آیتوں میں آخرت کی کامیابی کو نجات کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔فو زوفلاح کا لفظ نہیں اختیار کیا گیا اور یقیناً یہ اسی مفہوم کے اعتبار سے ہے جس کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے ۔یعنی نجات کا لفظ ''نہ جنم کے بندھن'' کے تخیل کو مستلزم ہے نہ دخول نار کو بلکہ اندیشہ عذاب جو بندہ خاشع کو اس دنیا میں ہر آن لاحق ہے ۔اسی سے محفوظ بچ جانے کے لئے نجات کی تعبیر اختیار کی گئی ہے اور جہاں تک ہم جانتے ہیں مسلمانوں نے اس لفظ کا یہی مفہوم سمجھا اور من حیث القوم ان کو وہ غلط فہمی کبھی نہیں ہوئی ۔

جہاں کہیں سچا دین ہوگا وہاں نجات کی اجارہ داری نہیں ہوگی قرآن کہتا ہے

﴿مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّ لَا نَصْرَانِيًّا وَّ لٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا﴾ (۱۶۱)

ترجمہ: نہ تھے ابراہیم یہودی نہ نصرانی بلکہ وہ ہر گمراہی سے الگ رہنے والے مسلمان تھے

نہ ابراہیم یہودی تھے نہ نصرانی ،ان کا مذہب وہی ازلی وابدی اسلام تھا یعنی وہ مذہب جس میں خدا اور انسان کی مشیت ایک ہو جائے تا کہ وہ کامل ہم آہنگی پیدا ہو سکے جو نہ صرف انسانیت بلکہ تمام مخلوقات کے لئے ایک مثالی محرک اور منزل مقصود ہے یہودی اور عیسائی نجات کی اجارہ داری کے دعویدار ہیں قرآن سچائی اور نجات کی اجارہ داری کے جملہ تصورات کی بالکلیہ تردید کرتا ہے ۔نجات اور امن اس جہان میں اور مابعد زندگی میں صرف اس کیلئے ہے ۔جو خود کو خالق کائنات کے سپرد کردے اور نیک اعمال ہو یہی اعتقاد ایک انسان کے ایمان کی تکمیل کرتا ہے، بشرطیکہ وہ نیک اعمال ہو اس کے بعد اسلام کی تمام چیزیں ضمنی نتائج ہیں جو منطقی طور پر اس بنیادی نظریہ سے پیدا ہوتے ہیں جس نے یہ نقطہ نگاہ رکھا اس نے صداقت اور سچائی پالی خواہ وہ رسمی اسلام کی حدود میں ہو یا اس سے باہر ۔قرآن متعدد جگہوں پر مختلف طریق سے اس صورت حال پر زور دیتا ہے ۔(۱۶۲) ۔انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے تحت اسلام میں نجات کا مفہوم کچھ یوں بیان کیا گیا ہے:

Muhammad (SAW) Regarded ... and as the last and greatest of a line of Prophet's whom the word "Najat" (salvation) is used only once in the Quran. The basic aim of Islam is salvation in the sense of escaping future punishment which will be pronounced on sinner at the last judgment. Muhammad (SAW) did teach ..; but ... is that submission to Allah is the means to salvation, for Allah is Merciful. ..., in later Muslim devotion he came to be venerated as the mediator between God and man,whose i n t e r cession was decisive". (163)

ترجمہ:رسول پاک ﷺ نے خود کو ہمیشہ انبیاء کے سلسلے کا آخری نبی اور خبردار کرنے والا بتلایا جن کے لئے نجات کا لفظ قرآن میں ایک ہی

بار استعمال ہوا ہے ۔اسلام میں نجات کا بنیادی مفہوم یہ ہے کہ اس کی سزا سے نجات جو کے گناہگاروں کو فیصلہ کے دن سنائی جائے گی ۔آپ ﷺ نے سکھلایا کہ اللہ نے کچھ لوگوں کے لئے نجات اور کچھ کیلئے دوزخ کو مقرر کر رکھا ہے مگر ان کے پورے پیغام کی منطق یہ ہے کہ اللہ کے سامنے سرخم کرنا نجات کا ذریعہ ہے کیونکہ اللہ انتہائی مہربان ہے ۔سرخمی اسلام کا بنیادی تصور ہے جیسا کہ لفظ اسلام خود ہی ظاہر کرتا ہے <بنیادی طور پر اللہ کے ایک پیغمبر ہیں ۔لیکن بعد کے مسلمانوں کی نظر میں آپ ﷺ ،اللہ اور بندوں کے بیچ میں شفاعت کرنے والے ہیں کہ جن کی شفاعت حتمی ہے ۔

دنیاوی اور اخروی تصور نجات کا تحقیقی جائزہ قرآن اور حدیث کی روشنی میں:

انسانوں کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسلام کی تعلیم بھیجی اور کامل نجات کے مقام تک پہنچنے کے لئے انسانوں کی ہدایت کے لئے پیغمبر بھیجے اور انہوں نے یہ تعلیم بھی دی کہ دنیا میں جی نہ لگائیں ۔دنیا سے بقدر ضرورت استفادہ حاصل کریں ۔ اصل منزل تو آخرت ہی کی ہے ۔اخروی فلاح کے لئے دنیا کی حیثیت کچھ بھی نہیں اور انسان کا رخ اور سوچ آخرت ہی کی طرف ہونی چاہیے ۔

﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (۱۶۴)۔

ترجمہ: جولوگ دنیا کی زندگی اور اس کی زیب وزینت کے طالب ہوں ہم ان کے اعمال کا بدلہ انہیں دنیا میں ہی دے دیتے ہیں اور اس میں ان کی حق تلفی نہیں کی جاتی ۔وہی لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں آتش (جہنم) کے سوا کچھ نہیں اور جو عمل انہوں نے دنیا میں کئے سب برباد اور جو کچھ وہ کرتے رہے سب ضائع ۔

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر لکھتے ہیں:۔

''اس آیات جلیلہ میں ایک انتہائی فکر انگیز نکتہ یہ ہے کہ طلب وآرزو حقیقت میں وہ ہوتی ہے، جس کو پورا کرنے کی نیت کے لیے عمل کیا جائے ،اس کا مطلب یہ ہوا کہ طلب وآرزو کا اعتبار ''عمل'' ہے ۔آرزو ہی کا دوسرا نام دُعا ہے، جو عمل چاہتی ہے ۔عمل کا ردِعمل ہوتا ہے، جسے نتیجہ، ثمرہ، جزا، سزا وغیرہ کئی ناموں سے مَوسوم کیا جاتا ہے ۔دوسرا قابل غور نکتہ یہ ہے کہ جو لوگ صرف دُنیوی زندگی کی متاع اور زیب وزینت کے لیے جد وجُہد کرتے ہیں اور اُخروی زندگی کی پَروا نہیں کرتے اور اسے فراموش کر دیتے ہیں ،ان کو دنیا میں ان کی سعی وجہد کے مطابق ثمرہ تو مِل جاتا ہے لیکن اُن کی محنت ومَشق چونکہ آخرت کے لیے نہیں ہوتی ،لہٰذا قدرت کے قانون احترام آرزو کی رُو سے انہیں اُخروی زندگی میں کچھ نہیں ملتا (۱۶۵)۔''

ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

''اللہ نے دنیا کے لئے ایسا ہی قانون ٹھہرادیا ہے کہ انسان کا ہر عمل ایک نتیجہ رکھتا ہے اور جیسا کچھ عمل ہوتا ہے اسی کے مطابق یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے اگر ایک انسان آخرت کی طرف سے غافل ہے اور صرف دنیاوی زندگی کا ہی خواہش مند ہے جب بھی ایسا نہ ہوگا کہ اس کی سعی وطلب بے اثر ہو جائے جیسے کچھ کوشش کرے گا اس کے مطابق نتیجہ حاصل کر لے گا اگر اچھی طرح ہل جوتے گا اور تخم ریزی کرے گا تو اچھی فصل پیدا ہو جائے گی۔ادھورا کام کرے گا تو ادھورا نتیجہ نکلے گا البتہ ایسے آدمی کے لئے آخرت میں کچھ نہ ہوگا وہاں اسے نظر آئے گا کہ اس کے سارے کام اکارت گئے آخرت کے لئے کچھ سودمند ہوئے (۱۶۶)۔''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((إنما الأعمال بالنيات))(۱۶۷)۔

مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں:

''انسان کے ہر عمل کے مقبول اور باعث نجات آخرت ہونے کی پہلی شرط یہ ہے کہ وہ عمل اللہ کے لئے کیا گیا ہو اور اللہ کے لئے کرنا وہی معتبر ہے جو اس کے رسول کے بتلائے ہوئے طریقہ پر کیا گیا ہو۔جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان ہی نہیں رکھتا اس کے تمام اعمال واخلاق ایک بے روح ڈھانچہ ہے جس کی شکل وصورت تو اچھی بھلی ہے مگر روح نہ ہونے کی وجہ سے دار آخرت میں اس کا کوئی وزن اور اثر نہیں۔البتہ دنیا میں چونکہ اس سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے اور ظاہری صورت کے اعتبار سے وہ نیک عمل ہے اس لئے اللہ جل شانہ نے اپنے کمال عدل وانصاف کی بنا پر اس عمل کو بھی بالکل ضائع نہیں قرار دیا بلکہ اس کے کرنے والے کے پیش نظر جو مقصد تھا کہ دنیا میں اس کی عزت ہو لوگ اس کو سخی وکریم بڑا آدمی سمجھیں دنیا کی دولت تندرستی راحت نصیب ہو اللہ تعالیٰ سب کچھ دنیا میں دے دیتے ہیں۔آخرت کا تصور اور وہاں کی نجات اس کے پیش نظر ہی نہ تھی اور نہ اس کا بے روح عمل وہاں کی نعمتوں کی قیمت بن سکتا تھا اس لئے ان اعمال کا وہاں کچھ عوض نہ ملے گا اور کفر ومعصیت کی وجہ سے جہنم میں رہے گا (۱۶۸)۔''

امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

''جو لوگ خدا کی زمین پر بستے ہیں اپنے آپ کو خدا سے بے نیاز اس کے امر وحکم سے اپنے آپ کو بالاتر اور اس کی بخشی ہوئی نعمتوں کو اپنا استحقاق ذاتی سمجھیں گے اللہ ان کو ان ہدایات کی طرف مائل ہونے کی توفیق نہیں دیگا۔آخرت کے جھٹلانے والوں کے سارے اعمال اکارت اور بے ثمر ہو جائیں گے ۔ آخرت میں صرف اس عمل کی قدر وقیمت ہے جو خدا کی رضا کے لئے آخرت کو سامنے رکھ کر کیا جائے (۱۶۹)۔''

امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

''یہ دنیا اور اس کی زینتیں نیک اعمال کے صلے کے طور پر نہیں ملیں کہ جو نیک اعمال کریں وہ ان سے محروم رہیں۔ یہ دنیا تو نیک اور بد دونوں کو ملتی ہے البتہ جو دنیا کے طالب ہوتے ہیں آخرت کی جن کو پروا نہیں ان کا سارا کھاتہ یہاں بے باک کیا جاتا ہے۔ آخرت میں ان کے لئے دوزخ کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔ چونکہ وہ کوئی کام آخرت کو مقصود بنا کر نہیں کرتے اس وجہ سے ان کے سارے اعمال حبط ہو جائیں گے۔ دنیا آخرت کے بغیر مجرد باطل رہ جاتی ہے اور اس باطل کو مقصود قرار دے کر جو کچھ بھی کیا جاتا ہے سب باطل ہوتا ہے اگرچہ وہ بظاہر نیکی کے کام ہی کیوں نہ ہوں (۱۷۰)۔''

سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

''جس کے پیش نظر محض دنیا اور اس کا فائدہ ہو وہ اپنی دنیا کے بنانے کی جیسی کوشش یہاں کریگا ویسا ہی اس کا پھل اسے یہاں مل جائے گا۔ لیکن جب کہ آخرت اسکے پیش نظر نہیں ہے اور اس کے لئے اس نے کوئی کوشش نہیں کی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کی دنیا طلب مساعی کی بارآوری کا سلسلہ آخرت تک دراز ہو۔ وہاں پھل پانے کا امکان تو اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب کہ دنیا میں آدمی کی سعی ان کاموں کے لئے ہو جو آخرت میں بھی نافع ہوں (۱۷۱)۔''

حدیث نبوی ہے:

((واللّٰہ ما الدنیا فی الآخرۃ إلا مثل ما یجعل احدکم اصبعه فی الیم فلینظر بما یرجع))(۱۷۲)۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا کہ دنیا کی مثال آخرت کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنی انگلی سمندر کے اندر ڈالے پھر دیکھے کہ کتنا پانی اسکی انگلی میں لگ آتا ہے

﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا﴾(۱۷۳)۔

ترجمہ: جو عاجلہ (دنیا) کا خواہشمند ہوا سے یہیں ہم دے دیتے ہیں جو کچھ بھی اسے دینے چاہیں، پھر اس کی قسمت میں جہنم لکھ دیتے ہیں جسے وہ تاپے گا ملامت زدہ اور رحمت سے محروم ہو کر اور جو آخرت کا خواہشمند اور اس کے لئے سعی کرے جیسی کہ اس کے لئے سعی کرنی چاہیے، اور ہو وہ مومن تو ایسے ہر شخص کی سعی مشکور ہوگی۔

اسلام میں ''نجات'' کے بجائے لفظ فلاح کا ذکر ہے ۔اس لئے ذیل میں فلاح کا مفہوم، حصول فلاح کا طریقہ اور شرائط نیز دنیوی اور اخروی تصور فلاح درج ہے ۔

حصول فلاح کا طریقہ:

ویسے تو قرآن کریم میں بے شمار آیات میں حصول فلاح کے طریقے ارشاد ہوئے لیکن ذیل میں چند ایک کا ذکر ہے ۔
 سورۃ المؤمنون میں حصول فلاح کا ذریعہ چند اوصاف مخصوصہ سے متصف ہونا بتادیا گیا ہے ارشاد ربانی ہے:

﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْن . الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْن .وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْن .وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْن .وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْن .اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْن .فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْن .وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْن .وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْن .اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْن .الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْن﴾ (۱۷۴)۔

ترجمہ: یقیناً ایمان لانے والے فلاح پا گئے جو نماز میں عجز و نیاز کرتے ہیں اور جو بیہودہ باتوں سے منہ موڑے رہتے ہیں اور جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں سے کنیزوں سے جو ان کی ملکیت ہوتی ہیں کہ ان سے مباشرت کی ان سے انہیں ملامت نہیں اور جو ان کے سوا اوروں کے طالب ہوں وہ خدا کی مقرر کی ہوئی حد سے نکل جانے والے ہیں اور جو امانتوں اور اقراروں کو ملحوظ رکھتے ہیں اور جو نمازوں کی پابندی کرتے ہیں یہی لوگ میراث حاصل کرنے والے ہیں ۔یعنی جو بہشت کی میراث حاصل کرینگے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے ۔آیات بالا میں وہ سات اوصاف بیان کیے گئے ہیں جن کی بنیاد پر فلاح دنیا و آخرت کے حصول کا وعدہ ہے ۔

☆۔ **اول وصف:**

نماز میں خشوع، خشوع کے لغوی معنی سکون کے ہیں ۔اصطلاحاً خشوع یہ ہے کہ قلب میں بھی سکون ہو ۔یعنی غیر اللہ کے خیال کو قلب میں بالقصد حاضر نہ کرے اور اعضاء بدن میں بھی سکون ہو کہ عبث حرکتیں نہ کرے ۔

☆۔ **دوسرا وصف:**

لغو سے پرہیز کرنا ہے ۔لغو کے معنی فضول کلام یا کام جس مین کوئی دینی فائدہ نہ ہو ۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیہ)) (۱۷۵)۔

ترجمہ: بندے کے اسلام کی بہتری کی خوبی یہ ہے کہ وہ بے فائدہ چیزوں کو چھوڑ دے۔

☆۔ تیسرا وصف:

زکوٰۃ ہے۔اسکے معنی لغت میں پاک کرنے کے ہیں۔اصطلاح میں شرح مال کا ایک خاص حصہ کچھ شرائط کے ساتھ صدقہ کرنے کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے

☆۔ چوتھا وصف:

شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔یعنی وہ لوگ جو اپنی بیویوں اور شرعی لونڈیوں کے علاوہ سب سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں اور کسی سے ناجائز طریقہ پر شہوت رانی میں مبتلا نہیں ہوتے۔

☆۔ پانچواں وصف:

امانت کا حق ادا کرنا ہے۔امانت کے لغوی معنی ہر اس چیز کو شامل ہیں جس کی ذمہ داری کسی شخص نے اٹھائی ہو اور اس پر اعتماد وبھروسہ کیا گیا ہو۔اس کی بے شمار قسمیں ہیں۔خواہ وہ حقوق اللہ سے متعلق ہوں یا حقوق العباد سے۔حقوق اللہ سے متعلق امانات تمام شرعی فرائض وواجبات کا ادا کرنا اور تمام محرمات ومکروہات سے پرہیز کرنا ہے۔اور حقوق العباد سے متعلق امانات میں مالی امانت کا داخل ہونا تو معروف ومشہور ہے اس کے علاوہ کسی نے کوئی راز کی بات کسی سے کہی وہ بھی اس کی امانت ہے۔بغیر اذن شرعی کے کسی کا راز ظاہر کرنا امانت میں خیانت ہے۔

☆۔ چھٹا وصف:

عہد پورا کرنا ہے۔عہد ایک تو وہ معاہدہ ہے جو دو طرف سے کسی معاملے کے سلسلے میں لازم قرار دیا جائے۔اس کا پورا کرنا فرض اور اس کے خلاف کرنا عذر اور دھوکا ہے جو حرام ہے۔دوسرا وہ جس کو وعدہ کہتے ہیں یعنی یک طرفہ صورت سے کوئی شخص کسی شخص سے کسی چیز کے دینے کا یا کسی کام کے کرنے کا وعدہ کرے اس کا پورا کرنا بھی شرعاً لازم واجب ہوجاتا ہے۔

☆۔ ساتواں وصف:

نماز پر محافظت ہے اُس سے مراد نماز کی پابندی کرنا اور ہر ایک نماز کو اس کے وقت مستحب میں ادا کرنا ہے۔

غور کیا جائے تو ان سات اوصاف مذکورہ میں تمام حقوق اللہ اور حقوق العباد اور ان سے متعلق احکام آجاتے ہیں۔جو شخص ان اوصاف کے ساتھ متصف ہوجائے اور اس پر جما رہے وہ مومن کامل فلاح دنیا وآخرت کا مستحق ہے۔ اوصاف مذکورہ کے حامل لوگوں کو اس آیت میں جنت الفردوس کا وراث فرمایا ہے۔لفظ وارث میں اشارہ اس طرف ہے کہ جس

طرح مورث کا مال اس کے وارث کو پہنچنا قطعی اور لازمی ہے اسی طرح ان اوصاف والوں کا جنت میں داخلہ یقینی ہے (۱۷۶)۔



سورۃ الجمعہ میں ذکراللہ کو حصول فلاح کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (۱۷۷)۔

ترجمہ: جب نماز ادا کر چکو تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو اور خوب اللہ کا ذکر کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

اس آیت کی تفسیر میں احمد مصطفیٰ المراغی لکھتے ہیں:

جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اپنے دنیوی امور کی انجام دہی میں لگ جاؤ کیونکہ تم نے اپنی اخروی کامیابی اور منفعت کے حصول کا کام سرانجام دے لیا ہے۔ان تمام دنیوی اور اخروی نجات کے کاموں کی انجام دہی میں اپنے رب سے ثواب کے طلب گار رہو اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا خوب ذکر کیا کرو اور اپنے ہر معاملہ میں اس کی نظر کرم پر نگاہ رکھو کیونکہ وہ تمام خفیہ باتوں اور اسرار کو خوب جانتا ہے۔تمہارا کوئی خفیہ امر اس سے پوشیدہ نہیں ہے اور یہ احکام اس لئے دیئے جارہے ہیں تا کہ تم دنیا و آخرت میں فلاح سے ہمکنار ہو جاؤ (۱۷۸)۔



سورۃ المائدہ میں تقویٰ اور جہاد اور قرب خداوندی کو فلاح کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِي سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (۱۷۹)۔

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس تک وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔



سورہ آل عمران میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو حصول فلاح کا طریقہ قرار دیا گیا ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (۱۸۰)۔

ترجمہ: اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا

حکم دے اور برے کاموں سے روکے یہی لوگ ہیں جوفلاح پانے والے ہیں۔



سورہ القصص میں توبہ اور عمل صالح کوحصول فلاح کا طریقہ بتایا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ﴾۔(۱۸۱)۔

ترجمہ: پس جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیئے تو امید ہے کہ وہ فلاح پانے والوں میں ہو۔

سورۃ الأعلیٰ میں تزکیہ نفس کوحصول فلاح کا طریقہ بتایا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى. وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى﴾ (۱۸۲)

ترجمہ: فلاح پا گیا جس نے پاکیزگی اختیار کی۔ اور اپنے رب کے نام کا ذکر اور نماز پڑھی وہ فلاح پا گیا۔

فلاح کی شرائط:

قرآن مجید میں جگہ جگہ فلاح پانے والوں کی صفات اور نشانیوں کا ذکر ہے۔

☆۔ سورہ البقرۃ میں متقین کی درج ذیل صفات گنوا کر انہیں مفلحون قرار دیا گیا:

۱۔ وہ غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ ۲۔ نماز قائم کرتے ہیں۔

۳۔اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مال سے اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

۴۔ الہامی کتب پر ایمان رکھتے ہیں۔۵۔ یوم آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

جب یہ متقین ان صفات سے متصف ہوئے تو ان کوفلاح کی خوشخبری دی گئی ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (۱۸۳)۔

ترجمہ: وہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔

☆۔ سورۃ آل عمران میں شرائط فلاح کا ان الفاظ میں تذکرہ ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (۱۸۴)۔

ترجمہ: اے اہل ایمان ثابت قدم رہو اور استقامت رکھو اور مورچوں پر جمے رہو اور خدا سے ڈرو تا کہ مراد حاصل ہو۔

اس آیت میں اہل ایمان کودرج ذیل چار باتوں پر گامزن رہنے کا حکم دیا جارہا ہے۔

۱۔اصبروا(صبر کرو): یہ صبر دنیا کے آلام اور مشکلات پر ہے۔جیسے مرض،بھوک اور خوف وغیرہ۔

۲۔صابروا: یعنی اپنے دشمن کے مقابلے میں صبر کے ساتھ اس طرح ڈٹ کر مقابلہ کرو جسطرح وہ تمہارے ساتھ ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہیں اور ان کے لئے کسی قسم کی کوئی بزدلی نہ دکھانا۔

۳۔ رابطوا:(دشمن سے مقابلے کی تیاری) ارشاد ربانی ہے:

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ﴾ (۱۸۵)۔

ترجمہ: اور جہاں تک ہو سکے(فوج کی جمعیت کے) زور سے اور گھوڑوں کے تیار رکھنے سے ان کے(مقابلے کے) لئے مستعد رہو کہ اس سے خدا کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں اور ان کے سوا اور لوگوں پر جن کو تم نہیں جانتے اور خدا جانتا ہے۔ہیبت بیٹھی رہے گی اور تم جو کچھ راہ خدا میں خرچ کرو گے اس کا ثواب تم کو پورا پورا دیا جائے گا اور تمہارا ذرا نقصان نہیں کیا جائے گا سرحدوں کی حفاظت کے لئے اور دشمن کے مقابلے کے لئے گھوڑے باندھو جیسا کہ دشمن تمہارے ساتھ لڑنے کے لئے گھوڑے باندھتا ہے۔

۴۔ وَاتَّقُوا اللّٰه (اور اللہ سے ڈرو):

اللہ تعالیٰ نے اپنی مبارک میں تقوی کا کثرت سے ذکر کیا ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے غضب سے بچنا ہے اور یہ بچاؤ اسی صورت میں ممکن ہے جب اس کی ذات کی پہچان ہو جائے اور جن چیزوں سے وہ راضی ہوتا یا جن چیزوں سے وہ ناراض ہوتا ہے ان سب کا علم ہو جائے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کتاب اور اس کے محبوب کریم کی سنت اور امت اسلامیہ کے سلف صالحین کی سیرتوں کو جانے بغیر ناممکن ہے۔پس جس نے مندرجہ بالا احکام پر عمل کیا وہ اپنے رب کے ہاں سعادت سے سرفراز ہوا اور فلاح پا گیا اور یہ فوز وفلاح کبھی دنیوی امور میں ہوتی ہے اور کبھی اخروی امور میں حاصل ہوتی ہے۔(۱۸۶)۔

☆۔ ایک مقام پر حصول فلاح کی شرائط کا ذکر اس طرح سے کیا گیا۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ

عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (۱۸۷)۔

ترجمہ: اے اہل ایمان بے شک شراب' جوا' تیر اور پانسے شیطانی اعمال ہیں ان سے بچو تا کہ تمہیں فلاح حاصل ہو۔

ان ناپاک چیزوں کو ترک کرو اور کوئی بھی ایسا عمل نہ کرو جو ان کاموں کی طرف لے کر جاتے ہیں۔ اسی سے تم کامیابی حاصل کرو گے اور تزکیہ نفس کا حصول ممکن ہوگا (۱۸۸)۔

فلاح کے حصول کے لئے خوف خدا ہی وہ واحد ذریعہ ہے جو انسان کو آلائشوں سے کو پاک کرکے دنیا اور آخرت کی بھلائیوں سے فائز المرام کرتا ہے۔ فلاح کی شرائط میں اس قدر جامعیت ہے کہ قرآن حکیم کی تمام تعلیمات اس میں سمٹ آتی ہیں۔ مختصر یہ کہ کامل فلاح تو صرف جنت میں ہی مل سکتی ہے۔ یہ دنیا تو دار العمل ہے۔ البتہ اکثر حالات میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے دنیا میں بھی بامراد اور تکالیف سے نجات عطا فرماتا ہے۔ ان شرائط پر عمل پیرا ہو کر کامیابی حاصل کرنے والوں کو قرآن کریم مفلحون کی اصطلاح سے تعبیر کرتا ہے۔ نیز قرآن حکیم فلاح کے حصول کا طریقہ بھی واضح کرتا ہے۔

اسلام میں حصول نجات کے ذرائع:

اسلام میں نجات و فلاح کے حصول کیلئے مختلف طریقے اور ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں اور بنیادی طور پر وہ اعمال صالحہ ہی کی مختلف اقسام ہیں جن مین عبادات معاملات اور اخلاقیات اور ایمان مجمل ومفصل ہے۔ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ:

''عمل کے تین حصے ہیں۔ عبادات' معاملات' اخلاق۔ انہی چار چیزوں پر ایمان' عبادات' معاملات اور اخلاق کی سچائی اور درستی ہماری فلاح کا ذریعہ ہے۔ اعمال صالحہ ہی اخروی فلاح کی ضمانت ہے (۱۸۹)۔''

چونکہ اعمال صالحہ ہی کے ذریعے سے نجات حاصل کی جا سکتی ہے۔ اللہ ہی کی ذات پاک جو انسان کو دنیا میں بھی مشکل اور مصیبت کے وقت میں نجات دیتی ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿قُلْ مَنْ یُّنَجِّیْکُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَةً لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الشّٰکِرِیْنَ قُلِ اللّٰهُ یُنَجِّیْکُمْ مِّنْهَا وَمِنْ کُلِّ کَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِکُوْنَ﴾ (۱۹۰)۔

ترجمہ: آپ فرمائیے کون نجات دیتا ہے تمہیں خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں جسے تم پکارتے ہو گڑگڑاتے ہوئے اور آہستہ آہستہ (اور کہتے ہو) اگر نجات دی اللہ نے ہمیں اس (مصیبت) سے تو ہم ضرور ہو جائیں گے اسکے شکر گزار بندے۔ فرمایا اللہ ہی نجات دیتا ہے تمہیں اس سے اور ہر مصیبت سے پھر تم شریک ٹھہراتے ہو۔

دنیا کی زندگی عارضی ہے قرآن مجید میں ہے

﴿وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لِّلَّذِیْن
یَتَّقُوْنَ اَفَلَاتَعْقِلُوْنَ﴾ (۱۹۱)۔

ترجمہ: اور نہیں ہے دنیا کی زندگی مگر کھیل اور تماشا اور بیشک آخرت کا گھر بہتر ہے ان کے لئے جو اللہ سے ڈرتے ہیں تو کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔

یہ ایک عارضی چیز ہے۔اس میں انسان جو اعمال کرتا ہے اس کا بدلہ قیامت کے دن ضرور دیکھے گا۔آپ ﷺ نے بھی دنیا کی زندگی کو عارضی اور خطرے کی علامت قرار دیا ہے۔حضور ﷺ نے فرمایا:

((مَا الفقر أخشی علیکم ولکن اخشی علیکم أن تُبْسَطَ عَلَیْکم الدنیا کما بُسطت علی مَن
کان قَبْلَکم فتنافسوھا کما نافسوھا فَتُھْلِکُکم کما اَھْلَکَتْھُم))(۱۹۲)

ترجمہ: خدا کی قسم تمہارے فقر وافلاس سے میں نہیں ڈرتا بلکہ اس سے ڈرتا ہوں کہ دنیا تم پر کشادہ کردی جائیگی جس طرح ان لوگوں پر کشادہ کی گئی تھی جو تم سے پہلے گزرے پھر تم دنیا کی رغبت کروگے جس طرح تم سے پہلے لوگوں نے کی اور یہ دنیا تمہیں ہلاک کرڈالے گی جسطرح تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کردیا۔

آخرت کی زندگی ابدی ہے (۱۹۳)۔آخرت سے مراد موت کے بعد کی زندگی ہے۔یعنی یہ ایمان لایا جائے کہ موجودہ نظام کائنات عارضی ہے۔ہر ذی روح نے موت کا مزہ چکھنا ہے۔آخرت میں تمام بنی نوع انسان کے دنیاوی اعمال کا حساب ہوگا۔جنہیں اچھے اعمال کی جزا اور برے اعمال کی سزا ملے گی۔موت برحق ہے۔قرآن مجید میں ہے۔

﴿کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ کُنْتُمْ اَمْوَاتاً فَاَحْیَاکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾(۱۹۴)۔

ترجمہ: کیسے تم اللہ کا انکار کرتے ہو حالانکہ تم بے جان تھے اس نے تمہیں زندگی دی پھر وہی تمہیں موت دے گا اور وہی تمہیں دوبارہ زندہ کرے گا۔

لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ موت سے قبل اپنے اعمال درست کرے اور نیک اعمال کرکے نجات حاصل کرسکے۔کیونکہ موت کے آنے کے بعد اسے سزا جزا دی جائیگی اور وہ حسی طور پر بھی موت اور سزا و جزا سے نہیں بچ سکے گا۔اسلام انسانوں سے صرف اس بات کا مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اللہ پر ایمان لائے اس کے رسولوں، کتابوں اور فرشتوں اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور نیک عمل کریں اور گناہ سرزد ہونے پر توبہ واستغفار کریں تا کہ نجات حاصل کرسکیں۔اور یہی نجات کے حصول کے طریقے ہیں۔ اسلام میں چھ ارکان ایمان وعقائد اسلام ہیں جنکا اقرار نجات کے حصول کے لئے لازمی ہے۔خدا پر ایمان اور اچھی اور نیک زندگی نجات کا بہترین ذریعہ ہے توحید کا اقرار کرنا نجات کے لیے لازم ہے۔اس کے بغیر باقی ایمانیات اور عقائد بے معنی ہیں۔یہ تمام عقائد اور ایمانیات کی اصل ہے (۱۹۵)۔قرآن مجید میں ہے:

﴿وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴾ (۱۹۶)۔
ترجمہ: اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ بہت رحم کرنے والا اور نہایت مہربان ہے۔

رسولوں پر ایمان، اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کا بندہ آخرت اور دنیا دونوں میں کامیاب وکامران ہو۔وہ اپنی منزل کا صحیح تعین کرے۔پھر اسے حاصل کرنے کے لئے صحیح راہِ عمل اختیار کرے۔ظاہر ہے اس کے لئے کسی راہنما کی ضرورت ہے اور اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو صحیح سمت دکھانے کے لئے رسالت کا سلسلہ شروع کیا۔چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (۱۹۷)
ترجمہ: ہم نے ہر رسول اس لئے بھیجا ہے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت ہو جائے۔اور اگر یہ لوگ جب ظلم کر بیٹھے تھے اپنے آپ پر حاضر ہوتے آپ کے پاس اور مغفرت طلب کرتے اللہ تعالیٰ سے نیز مغفرت طلب کرتا ان کے لئے رسول کریم (ﷺ) بھی تو وہ ضرور پاتے اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرنے والا اور نہایت رحم کرنے والا۔

فرشتوں پر ایمان سے مراد یہ ہے کہ ہمارا پختہ یقین ہو کہ یہ عظیم مخلوق اپنا وجود رکھتی ہے۔یہ وہ نورانی مخلوق ہیں جو اللہ کے احکام کی نافرمانی نہیں کرتی اور اللہ کی طرف سے دی گئی ذمہ داریوں کو پوری تندہی کے ساتھ سرانجام دے رہی ہے۔فرشتے اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ طاقتور، معصوم اور غیبی مخلوق ہیں جنہیں انسان عام حالات میں نہیں دیکھ سکتا۔ان پر ایمان لانا بھی نجات کے حصول کا ذریعہ ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ﴾ (۱۹۸)
ترجمہ: تم پر نگہبان فرشتے مقرر ہیں جو باعزت ہیں اور تمہارے اعمال کو لکھنے والے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو اس کو جانتے ہیں۔

آسمانی کتابوں سے مراد وہ کتابیں ہیں جو اللہ نے وحی کے ذریعے اپنے رسولوں پر بذریعہ جبرائیل امین نازل فرمائیں۔یہ سب اللہ کا کلام لوگوں کے نام تھا۔جو اللہ کی طرف سے اپنی مخلوق کے لئے ایک محبت تھی۔آسمانی کتابوں پر ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنے کلام خاص کو وحی کے ذریعے جن جن انبیاء کرام پر اتارا ہے ان پر ایمان رکھا جائے۔اور یہی قرآن کریم کا مطالبہ ہے۔قرآن کریم نے جہاں بھی ایمانیات کا ذکر کیا وہاں ﴿وکتبہ﴾ کا ذکر بھی کیا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ
لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ﴾ (۱۹۹)
ترجمہ: رسول ایمان لایا اس پر جو اس کی طرف اتارا گیا اور مومن بھی ایمان لائے۔سارے ایمان لے آئے اللہ پر اور اس

کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر۔
اس سے یہ واضح ہوا کہ مومن پر شرعی اعتبار سے واجب ہے ان پر ایمان نجات کے حصول کا ذریعہ ہے۔
آخرت پر ایمان یعنی عالم آخرت اور مرنے کے بعد پھر اس طرح دوبارہ زندہ کیے جانے کی حکمت یہ ہے کہ دنیا کی زندگی میں بندوں نے اپنے ارادے اور اختیار سے جو کچھ کیا اس کا ٹھیک بدلہ انہیں دیا جائے گا۔اس طرح دنیا عمل کی جگہ ہے اور آخرت جزا اور بدلے کی جگہ۔سورۃ آل عمران میں ارشاد باری تعالٰی ہے:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ (۲۰۰)۔

ترجمہ: ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔اور تم کو قیامت کے دن تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ۔پس جو کوئی آتش جہنم سے دور رکھا گیا اور بہشت میں داخل کیا گیا وہ مراد کو پہنچا اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کا سامان ہے۔

اسلام میں عبادات حصول نجات کا بہترین ذریعہ:

اسلام میں عبادات بھی نجات کے حصول کا ذریعہ ہیں۔مثلاً:

☆۔ نماز:

نماز ہی ایمان کا سب سے پہلا مظہر ہے۔نماز فرض ہو یا نفل، افضل ترین اعمال میں سے ہے۔اور اللہ تعالٰی کے نزدیک پسندیدہ ترین فعل ہے۔قرآن کریم میں اکثر مقامات پر نماز کا حکم ہے۔آپ ﷺ سے جب افضل ترین عمل کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((**الصلوٰة علی وقتها**))۔(۲۰۱) ترجمہ: نماز کو اسکے وقت پر ادا کرو

حدیث میں آیا ہے:

(**إن اوّل ما يُحاسَب به العبد بصلاته فإن صلحت فقد افلح وأنجح وإن فسدت فقد خاب وخسر**). (۲۰۲)

ترجمہ: قیامت کے دن پہلی چیز جسکا بندے سے حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے۔اگر یہ درست نکل آئی تو کامیاب ہوا اور نجات پائی اور اگر یہ فاسد نکل آئی تو ناکام اور نامراد ہوا۔

چنانچہ ہر مومن مرد اور عورت جو قرب الٰہی کا خواہش مند ہو اسے چاہیے کہ وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کریں۔اور پابندی سے ادا کریں۔کیوں کہ نماز ایمان اور کفر میں حد فاصل بھی ہے۔اور مومن ہونے کی علامت بھی اسی سے ثابت ہے۔جب یہ چونکہ

قربِ الٰہی کا ذریعہ ہے تو جب اللہ کی خوشنودی اور قرب حاصل ہو گیا تو خود بخود نجات مل گئی۔سورہ طٰہٰ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى﴾ (۲۰۳)۔

ترجمہ: اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور خود بھی اس پر قائم رہو۔ایک اور حدیث میں ہے:

((إن بين الرجل وبين الشرك والكفر ترك الصلوٰة)) (۲۰۴)۔

ترجمہ: بیشک انسان اور شرک اور کفر کے درمیان فرق پیدا کرنے والی چیز نماز ہے۔

☆۔ زکوٰۃ:

زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر مسلمان پر فرض ہے۔جو کسی مال کے نصاب کا مالک ہو۔یہ فرزندانِ توحید کی مالی عبادت ہے۔اس فرض کی پابندی کے بغیر وہ اپنی عبدیت اور ایمان کا پورا حق ادا نہیں کر سکتا اس لئے اگر چہ خالصتاً رب تعالیٰ کی رضا جوئی اور خوشنودی کے لئے ادا کی جاتی ہے قرآن مجید جہاں زکوٰۃ دینے والوں کے لئے خیر و برکت اور اجر و ثواب کا وعدہ کرتا ہے وہیں غریبوں کی حق تلفی کرنے اور اپنی تجوریاں بھرنے والوں کے لئے ہولناک اور سخت ترین وعیدوں کا اعلان بھی کرتا ہے۔زکوٰۃ دینا بھی نجات کا ذریعہ ہے۔(۲۰۵)۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ (۲۰۶)۔

ترجمہ: ان کے مالوں میں سے صدقہ وصول کر کے انہیں پاک بنا لیں۔اور ان کا تزکیہ کر لیں۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَأَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّ أَعْظَمَ أَجْرًا وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (۲۰۷)

ترجمہ: اور نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور خدا کو خلوص نیت سے قرض دیتے رہو اور جو نیک عمل تم اپنے لئے آگے بھیجو گے اس کو خدا کے ہاں بہتر اور صلے میں بزرگ تر پاؤ گے اور خدا سے بخشش مانگتے رہو۔بیشک خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

☆۔ روزہ:

اسلام کی بنیادی تعلیمات میں زکوٰۃ کے بعد روزے کا درجہ ہے۔روزہ دار کے لئے آخرت کا یقین ہی ایسی دولت

ہے جس کی بنا پر وہ بارہ سے سولہ گھنٹے تک بھوکا پیاسا رہ سکتا ہے ۔کیونکہ اس کے دل میں یہ بات پختہ ہے کہ اگر اس نے روزہ نہ رکھا تو قیامت کے دن اس سے اس بات کا حساب لیا جائیگا ۔(۲۰۸)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (۲۰۹)۔

ترجمہ: اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تا کہ تم متقی بنو۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

((الصیام جُنَّة من النار کجنة اَحَدِکم من القتال)) ۔(۲۱۰)۔

ترجمہ: روزہ جہنم سے ڈھال ہے جس طرح لڑائی میں تمہیں بچانے کے لئے ڈھال ہوتی ہے ۔

☆۔ حج:

حج بھی فرض عبادات میں سے ایک عبادت ہے ۔ یہ ہر صاحب استطاعت پر عمر بھر میں ایک مرتبہ فرض ہے ۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (۲۱۱)۔

ترجمہ: اور لوگوں پر اللہ کا حق ہے کہ جو اس کے گھر کی طرف جانے کی استطاعت رکھتا ہے وہ بیت اللہ کا حج کرے ۔اور جو انکار کرے تو بے شک اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں سے بے نیاز ہے ۔

اس کی فرضیت کے ساتھ ساتھ اس کی بڑی فضیلت یہ بھی ہے کہ حج کرنے سے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور اس کے بعد جنت بھی ملتی ہے ۔اور اللہ کے گھر کی زیارت بھی نصیب ہوتی ہے ۔اور آخرت کا تصور بھی پختہ ہو جاتا ہے ۔اور حج بھی دنیاوی اور اخروی نجات کا ذریعہ ہے ۔اور اس سے دین اور دنیا کی تمام بھلائیاں حاصل ہوتی ہیں ۔

اسلام جس نجات کے تصور کا ذکر کرتا ہے وہ دائمی فلاح ہے اور اس کے لئے انسان کو اپنے معاملات اپنے عقائد درست کرنا ہوں گے اور اپنی زندگی کا ہر لمحہ عبادت سمجھ کر گزارنا ہوگا یہی دنیاوی اور اخروی فلاح کی طرف انسان کو لے جاتی ہیں اسی کا تمام انبیاء اور ان کی شریعتوں اور ان کے مذاہب میں حکم دیا گیا محمد ﷺ کی بھی یہی تعلیم تھی ۔

اس باب کی پہلی فصل میں الہامی مذاہب کی مشترکہ عبادات کا جائزہ لیا گیا جس سے ثابت ہوا کہ ہر نبی نے اپنے پیروکاروں کو نظم وضبط سکھانے اور اللہ کو ایک ماننے کے ساتھ یہ بھی بتلایا کہ زندگی گذارنے کے آداب کیا ہیں ہم روزمرہ زندگی میں مشاہدہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ جب انسان کسی مصیبت میں ہوتا ہے تو فوراً رب کو پکارتا ہے اور اس سے مدد مانگ کر عبادت کر کے دعا

کر کے سکون پاتا ہے اسی لئے ایک سیدھے راستے پر چلنے کے لئے ہر دور میں راہنما بھیجے گئے تا کہ انسان رب کو راضی کر کے اپنی دنیا وآخرت بہتر کر سکے اور سلسلہ انبیاء کی آخری کڑی محمد ﷺ تھے، اسی باب کی دوسری فصل میں تینوں الہامی مذاہب میں نجات کے تصور اور فلاح کے حصول کے طریقوں کو مفصل بیان کیا گیا ہے اور ان پر تحقیقی روشنی ڈالی گئی ہے تا کہ الہامی مذاہب کے ماننے والے صرف اختلافات ہی تلاش نہ کریں ان تینوں مذاہب میں مشترکہ عبادات بھی ہیں اور ہر نبی نے انہی تمام پر عمل کی تلقین کی ہے اس لئے چاہئے کہ تینوں الہامی مذاہب کے پیروکار اپنے اپنے دائرے میں رہتے ہوئے اخروی نجات حاصل کرنے کی کوشش کریں اور اللہ اور اپنے انبیاء اور ان کی لائی کتب کے احکامات کو زندگی پر لاگو کرتے ہوئے امن عامہ قائم کریں اور اختلافی مسائل کو مجالس تقاریب اور places public پر زیر بحث نہ لائیں۔

حواشی وحوالہ جات

فصل دوم/باب سوم

۱۔ یونس:۹۲۔

۲۔ الأنبیاء:۸۸۔

۳۔ ابن منظور الإفریقی 'لسان العرب' ۱۵/۳۰۴،۳۰۶،مطبوعہ نشر ادب الجوزۃ ایران ۱۴۰۵ھ۔

۴۔ ابن فارس بن زکریا 'معجم مقاییس اللغۃ' ۵/ ۳۹۷۔۳۹۹، دار إحیاء الکتب العربیۃ' قاہرہ ۱۳۶۹ھ

۵۔ النمل:۵۳

۶۔ ۵۸:۱۱

۷۔ المریم:۷۲

۸۔ امام راغب اصفہانی، مفرادت القرآن، ص:۲/ ۱۰۲۹ تا ۱۰۳۲ (مترجم)

۹۔ المنجد فی اللغۃ والاعلام ص:۹۳۷۔ دار المشرق بیروت، لبنان، ۱۹۷۳ء۔ وحید الزمان قاسمی کیرانوی، القاموس الوحید، ص:۱۶۱۷۔ س

طرح باب انفعال سے بھی یہی معنٰی دیتا ہے۔اگر اسے باب استفعال سے یہ استنجی بنے گا اور چھٹکارا پانا اور جلدی کرنا کے علاوہ اسکے معنٰی انہزم شکست کھانا، جڑ سے کاٹنا اور پھل توڑنا بھی ہیں۔ النجاۃ کا ایک معنیٰ ''چھٹکارا' خلاصی'' بھی ہے

۱۰۔ لکھنوی، مہذب، مہذب اللغات، ص:۶۴۵۔۱۲۔دہلوی، احمد، فرہنگ آصفیہ، ص ۴\۱۲۷۔
نیز دیکھئے حقی، الحق، شان، فرہنگ تلفظ، ۵۴۱، دانش، احسان، اردو مترادفات، ص، ۵۸۷۔

۱۱۔ اردو جامع انسائیکلوپیڈیا ص:۲:۱۰۱۷، ۱۰۸۲۔

۱۲۔ منشی محبوب عالم' اسلامی انسائیکلوپیڈیا، ص:۶۹۹۔

۱۳۔ سید قاسم محمود، شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا، ج:۲' ص:۱۵۳۸۔

۱۴۔ ایضاً ص:۲/۱۶۵۴

۱۵۔ Encyclopedia Britannica, London 1943 - 1973, 16/20

۱۶۔ Encyclopedia of Religion and Ethics, New yark, xi/149

۱۷۔ الأعلیٰ:۱۶تا۱۷۔

۱۸۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی' تفہیم القرآن ۶/ ۳۱۶۔

۱۹۔ شہید، سید قطب' اسلام کا نظام تربیت' ص:/۲۳۳' محمد قطب اسلامک پبلی کیشنز لاہور۔

۲۰۔ آل عمران:۱۸۵۔

۲۱۔ سید مودودی، تفہیم القرآن ۱/ ۳۰۹۔

۲۲۔ نصیر احمد ناصر، ڈاکٹر' فلسفہ آخرت' ص:۱۱۸۔

۲۳۔غلام رسول، چوہدری، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، ص:۸۹۱

۲۴۔عہد نامہ قدیم، استثنا، ۱۰:۱۵

۲۵۔ایضاً، استثنا، ۷:۶

۲۶۔عہد نامہ قدیم، استثنا، ۱۴:۲

۲۷۔عہد نامہ قدیم، استثنا، ۲۶:۱۸

۲۸۔عہد نامہ قدیم، استثنا، ۲۶:۱۹

۲۹۔عہد نامہ قدیم، پیدائش، ۴۹:۱۸

۳۰۔عہد نامہ قدیم، خروج، ۱۴:۱۳

۳۱۔عہد نامہ قدیم، زبور، ۲۷:۱۔نیز دیکھئے ۳۵:۳۔۸۵:۷

۳۲۔عہد نامہ قدیم، زبور، ۲۷:۲

۳۳۔عہدنامہ قدیم، زبور،۳:۸

۳۴۔عہدنامہ قدیم، تواریخ اول،۱۶:۳۵

35.http://wiki.answers.com/Q/What_does_salvation_mean_to_Judaism

36.The writer is priest and Hon Secy, Judah Hyam Synagogue, New Delhi.

Read more: THE SPEAKING TREE: Concept of Salvation In Judaism - The Times of India http://timesofindia.indiatimes.com/hom

۳۷۔عہدنامہ قدیم، زبور،۴۷:۱۲

۳۸۔عہدنامہ قدیم، خروج،۱۵:۱۳

۳۹۔عہدنامہ قدیم، آستر،۴:۱۴۔نیز دیکھئے یرمیاہ،۷:۱۰نیز دیکھئے کلیدالکتاب، ص:۱۴۷۲، ۱۴۷۳۔

۴۰۔ عہدنامہ قدیم، خروج،۱۸:۱۰۔نیز دیکھئے استثنا۔۲۶:۹

۴۱۔عہدنامہ قدیم، گنتی،۱۰:۹

۴۲۔عہدنامہ قدیم، تواریخ دوم،۲۰:۱۷

۴۳۔عہدنامہ قدیم، زبور،۳۷:۳۹

۴۴۔عہدنامہ قدیم، یسعیاہ،۴۵:۱۷

۴۵۔عہدنامہ قدیم، یسعیاہ،۶۳:۱

۴۶۔عہدنامہ قدیم، زبور،۱۴۹:۴

۴۷۔عہدنامہ قدیم، یسعیاہ۔۵۱:۸نیز دیکھئے یسعیاہ،۵۱:۶۔۵۰:۲۶

۴۸۔عہدنامہ قدیم، یوایل،۲:۳۲

۴۹۔ اُبوالکلام آزاد، ترجمان القرآن، ج۱، ص:۴۱۱، اسلامی اکادمی اردو بازار لاہور۔

۵۰۔ المائدہ:۷۔مزید تفصیل کے لئے البقرۃ:۸۲،۸، ۱۲۲، ۱۲۴۔

۵۱۔ صدیقی، مظہرالدین، اسلام اور مذاہب عالم، ص:۵۴، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور،۱۹۶۵ء

۵۲۔ ایضاً، ص:۵۵۔

۵۳۔ عہدنامہ قدیم، خروج ۳۴:۷۔

۵۴۔ عہدنامہ قدیم، واعظ،۱۱:۹۔

۵۵۔ البقرۃ:۱۲۲۔

۵۶۔ آل عمران:۷۱۔

۵۷۔ ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن، ص: ۱/۴۱۱۔

۵۸۔ المائدہ: ۷۔

۵۹۔ مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ص: ۳/۲۱۲۔

۶۰۔ ڈاکٹر سید حسن قادری، فلسفہ مذہب واخلاق، ص: ۱۸۱، تخلیقات لاہور، ۲۰۰۳۔ نیز دیکھئے پروگرام: اسلام اور عیسائیت ایک تقابلی جائزہ۔ عنوان، نجات کا تصور ڈاکٹر شعیب سید، جنوری، ۲۰۱۰, peace tv۔

۶۱۔ البقرہ: ۴۸۔

۶۲۔ البقرہ: ۹۴۔

۶۳۔ ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن، ص: ۱/۲۴۵۔

۶۴۔ البقرہ: ۱۱۳۔

۶۵۔ البقرہ: ۱۱۱، ۱۱۲۔

۶۶۔ اُبوالکلام آزاد، ترجمان القرآن، ص: ۱/ ۲۴۹۔

۶۷۔ سید اُبوالأعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، ۱/۱۰۳۔

۶۸۔ ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن، ص: ۱/ ۲۴۹۔

۶۹۔ محمد کرم شاہ، ضیا ءالقرآن، ص: ۱/ ۷۱

۷۰۔ البقرۃ: ۶۲۔

۷۱۔ سید مودودی، تفہیم القرآن، ص: ۱/ ۸۲۔

۷۲۔ ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن، ص: ۱/ ۲۳۶۔

۷۳۔ آل عمران: ۲۴، البقرۃ: ۸۰، ۸۱۔

۷۴۔ جیوش انسائیکلوپیڈیا، ص: ۵/۵۸۳۔

۷۵۔ محمد کرم شاہ، ضیاء القرآن، ۱/ ۷۰۔

۷۶۔ سید مودودی، تفہیم القرآن، ص: ۱/ ۸۹، ۹۰۔

۷۷۔ النساء: ۱۲۳، ۱۲۴۔

۷۸۔ ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن، ۱/ ۳۹۲۔

۷۹۔ البقرۃ:۸۰

۸۰۔ سید مودودی، تفہیم القرآن، ص:۱/۱۰۳۔

81.Encyclopedia of Britanica , vol 10/369

http://www.britannica.comEBchecked/topic/520007/salvaton/33996/ ۔

۸۲ ۔عہدنامہ جدید، متی، ۱:۲۱، ۲۲۔ نجات کیلئے خلاصی کا لفظ بھی عہدنامہ جدید میں آتا ہے مثلاً ''خلاصی دو۔ تم بھی خلاصی پاؤ گے''۔لوقا، ۶: ۳۷'' اور جو کوئی خداوند کا نام لے گا نجات پائے گا'' ۔اعمال ۲:۲۱۔'' اور ابدی خلاصی کرائی''۔عبرانیوں، ۹:۱۲'' ہم کو گناہوں سے خلاصی بخشی''۔مکاشفہ، ۱:۱۵

۸۳۔ ڈیوڈ، ڈائی (ڈاکٹر)، مسیحی نجات، ص ۱۶، پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی لاہور۔

۸۴۔ ڈاکٹر خالد علوی، پیغمبرانہ منہاج دعوت، ص:۲۸۸، الفیصل ناشران وتاجران کتب خانہ لاہور، اگست ۲۰۰۲ء۔

۸۵۔ عہدنامہ جدید، متی ۱۳:۴۳

۸۶۔ مقالہ: ڈاکٹر حمید اللہ، عالم اسلام اور عیسائیت، جولائی ۱۹۸۳

۸۷۔ نوید عثمانی، اگر اب بھی نہ جاگو گے، ص:۱۱۶، روشنی پبلشنگ ہاؤس، رامپور، انڈیا

۸۸۔ عہدنامہ جدید، پطرس، ۴:۱۸

۸۹۔ R.E. Hume, the world's living religions, Edinburgh T and Clark 1927, p: 27/1

۹۰۔ Oxford Advance Learners ,s Dictionary, ,p:1343,

۹۱۔ ibid۔عہدنامہ جدید، رومیوں، ۶:۲۳

۹۲۔ آسبورن، ٹی ایل، (ڈاکٹر)، نئی پیدائش کیسے ہوگی، مترجم نعیم پرستاد، ص:۱۷، وائس آف گلوری کوٹ لکھپت، لاہور، ۱۹۸۸

۹۳۔ صدرالدین، عیسائی معتقدات تعلیم انجیل کی روشنی میں، ص:۲۶، احمدیہ انجمن اشاعت لاہور ۱۹۶۱

۹۴۔ عہدنامہ جدید، متی، ۱:۲۱۔

۹۵۔ عہدنامہ جدید، لوقا، ۲:۱۱

۹۶۔ عہدنامہ جدید، لوقا، ۱۹:۱۰۔

۹۷۔ عہدنامہ جدید، متی، ۲۰:۲۸)۔عہدنامہ جدید، مرقس، ۱:۴۵۔

۹۸۔ عہدنامہ جدید، کرنتھیوں، ۱۵:۳، ۴۔

۹۹۔ عہدنامہ قدیم، احبار، ۱۷:۱۱۔

۱۰۰۔ عہدنامہ قدیم، واعظ، ۷:۲۰۔

۱۰۱۔ عہدنامہ جدید، متی، ۱:۲۱

۱۰۲۔ برکت اللہ، پادری، کلمتہ اللہ کی تعلیم، ص: ۶۷، پنجاب بک ریلجس سوسائٹی لاہور۔

۱۰۳۔ احسان الحق، (ڈاکٹر، رانا)، یہودیت ومسیحیت، ص: ۳۱۶، مسلم اکادمی، ۱۸، محمد نگر لاہور۔

۱۰۴۔ چرچ، جے، ای، تعلیم الٰہی، ص: ۲۲، خاطر پرنٹرز، لاہور ۱۹۹۴ء۔

۱۰۵۔ مکڈول، جان (ڈاکٹر)، تعلیم الایمان، ص: ۱۴۴، پنجاب ریلجس بک سوسائٹی لاہور۔

۱۰۶۔ Henry, F.H, Carl, Basic Christian Doctrines, P. 152.

۱۰۷۔ شلبی، احمد (ڈاکٹر)، مقارنۃ الادیان المسیحیۃ، ص: ۲/۱۵۹، مکتبۃ النھضۃ المصریہ شارع عربی القاہرہ ۱۹۸۴ء۔

۱۰۸۔ عہدنامہ جدید، متی ۱:۲۱

۱۰۹۔ عہدنامہ جدید، متی ۲۰:۲۸۔، عہدنامہ جدید، مرقس ۱۰:۴۵

۱۱۰۔ عہدنامہ جدید، متی ۲۶:۲۸

۱۱۱۔ Encyclopedia Britannica, vol: 2, P.651, 1950

۱۱۲۔ عہدنامہ جدید، لوقا، ۷:۴۸۔

۱۱۳۔ عہدنامہ قدیم، عبرانیوں ۹:۲۲۔

۱۱۴۔ عہدنامہ جدید، لوقا، ۷:۴۸۔ نیز دیکھئے: عہدنامہ جدید، متی ۹:۲۔

۱۱۵۔ عہدنامہ جدید، لوقا ۱۵:۳۔۷۔

۱۱۶۔ عہدنامہ جدید، متی ۱۹:۱۷۔

۱۱۷۔ Harnack, Adolf: What is Christianity? p:129

۱۱۸۔ عہدنامہ جدید، اعمال ۲۶:۱۹۔۲۱۔

۱۱۹۔ عہدنامہ جدید، یعقوب کا عام خط، ۲:۱۰۔

۱۲۰۔ ایضاً ۲:۲۰۔۲۲۔

۱۲۱۔ عہدنامہ جدید، یوحنا ۱۴:۱۲

۱۲۲۔ عہدنامہ جدید، متی، ۱۱:۲۸

۱۲۳۔ عہدنامہ جدید، متی، ۱۰:۲۲۔

۱۲۴۔ عہدنامہ جدید، لوقا، ۲:۱۱

۱۲۵۔ عہدنامہ جدید، یوحنا، ۴:۲۲

۱۲۶۔ عہدنامہ جدید، یوحنا، ۵:۳۴۔

۱۲۷۔ عہدنامہ جدید، یوحنا، ۱۰:۹، ۱۰۔

۱۲۸۔ عہدنامہ جدید، یوحنا، ۱۲:۴۷ نیز دیکھئے، عہدنامہ جدید، رومیوں، ۱۰:۱۳

۱۲۹۔ عہدنامہ جدید، اعمال، ۲:۲۱

۱۳۰۔ عہدنامہ جدید، کرنتھیوں، ۱:۲۱

۱۳۱۔ Encyclopedia Britannica, 16/213

۱۳۲۔ عہدنامہ جدید، افسیوں ۱:۷، Encyclopedia Britanica ,vol.10/369

۱۳۳۔ نجات لفظ کے معنی فصل کے آغاز میں بیان کئے جا چکے ہیں

۱۳۴۔ ابن منظور افریقی، لسان العرب ۲/ ۲۴۷۔۲۴۸

۱۳۵۔ ایضاً

۱۳۶۔۔ سید محمد مرتضی الحسینی الزبیدی، تاج العروس من جواہر القاموس، ج:۷، ص:۲۶۔

۱۳۷۔ ایضاً

۱۳۸۔ دیکھئے تفصیل، ابن فارس بن زکریا، معجم مقاییس اللغۃ، ص:۷۹۷، ۳۴۴۔

۱۳۹۔ ابن منظور، لسان العرب، ص:۲/ ۵۴۷، ۵۴۸۔

۱۴۰۔ اسماعیل بن حماد الجوہری، الصحاح، ص:۱/۳۹۲۔

۱۴۱۔ ایضاً

۱۴۲۔ امام راغب اصفہانی، مفردات القرآن، ص:۲/ ۱۰۹۔ مترجم ص:۸۰۹، ۸۱۰

۱۴۳۔ ابوالفضل عبدالحفیظ بلیاوی، مصباح اللغات، ص:۶۴۴۔

۱۴۴۔ اُیضا۔

۱۴۵۔ جوہری، الصحاح، ص:۲/۵۰

۱۴۶۔ الاعلیٰ:۱۴

۱۴۷۔سید أبوالأ علی مودودی، تفہیم القرآن،ص:۳/ ۲۶۰۔

۱۴۸۔ایضاً،ص:۲/ ۲۷۴، ۲۷۵۔

۱۴۹۔أیضا،ص:۱/ ۴۵۱۔

۱۵۰۔ أیضا،ص:۱/ ۵۲

۱۵۱۔ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، ص:۶/ ۷۰۰۔

۱۵۲۔الانبیاء:۸۸۔

۱۵۳۔ طٰہٰ:۴۰۔

۱۵۴۔ العنکبوت:۳۲۔

۱۵۵۔الدہر:۱۰، ۱۱۔

۱۵۶۔ الشعراء:۸۷، ۸۸۔

۱۵۷۔ المومن:۹

۱۵۸۔المومن:۴۱

۱۵۹۔الزمر:۶۱۔

۱۶۰۔المریم:۷۲

۱۶۱۔آل عمران:۶۷۔

۱۶۲۔ البقرہ:۶۲

۱۶۳۔ Encyclopedia Britannica, 16/204

۱۶۴۔ ہود:۱۵، ۱۶

۱۶۵۔ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، فلسفہ آخرت، ص:۱۳۹

۱۶۶۔ ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن، ۲/ ۱۸۷، ۲۱

۱۶۷۔ الجامع الصحیح البخاری، کتاب الایمان، باب کیف کان بدء الوحی إلی رسول اللہ ﷺ، رقم الحدیث:۱۔

۱۶۸۔ مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ص:۴/ ۶۰۲، ۶۰۳، ادارۃ المعارف کراچی۔

۱۶۹۔ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، ص:۳/ ۳۶۴۔

۱۷۰۔ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، ص:۴/ ۱۱۴۔

۱۷۱۔ سید مودودی، تفہیم القرآن، ص:۲/ ۳۲۹۔

۱۷۲۔ امام عیسی الترمذی، السنن الترمذی، کتاب الزہد، رقم الحدیث:۲۲۴۵۔ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد
، باب مثل الدنیا، حدیث:۴۱۰۸سنن ابن ماجہ میں آغاز میں الفاظ ہیں ما مثل الدنیا فی الآخرۃ۔

۱۷۳۔ بنی اسرائیل:۱۸،۱۹۔

۱۷۴۔ المؤمنون:۱تا۱۱۔

۱۷۵۔امام ترمذی، سنن ترمذی، کتاب الزہد، باب[حدیث: من حسن الاسلام لمرء ترکہ ما لا یعنیہ]حدیث: ۲۳۱۷ نیز دیکھئے، حدیث :۲۲۳۹، ۲۲۴۰ نیز دیکھئے ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، ابواب الفتن، باب کف اللسان فی الفتنہ (۱۲) حدیث: ۳۹۷۶، باب:۱۲، امام مالک، موطا امام مالک کتاب الجامع، ماجاء فی حسن الخلق، رقم الحدیث:۱۴۰۲۔المومنون:۱۰،۱۱

۱۷۶۔ مولانا مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ۶/۲۹۲۔۲۹۹۔

۱۷۷۔ الجمعہ:۱۰۔

۱۷۸۔ احمد مصطفیٰ المراغی، تفسیر المراغی، ۱۔۲/۲۸ دار الأحیاء التراث العربی، بیروت۔

۱۷۹۔ المائدہ:۳۵

۱۸۰۔ آل عمران:۱۰۴

۱۸۱۔ القصص:۶۷۔

۱۸۲۔الأعلیٰ:۱۴،۱۵۔نیز دیکھئے، آل عمران:۱۳۰۔

۱۸۳۔البقرۃ:۵

۱۸۴۔آل عمران:۲۰۰۔

۱۸۵۔ الأنفال:۶۰

۱۸۶۔احمد مصطفیٰ المراغی، تفسیر المراغی، ص:۴/۱۷۱،۲۷ انیز شرائط فلاح کیلئے دیکھئے الحج:۷۷

۱۸۷۔ المائدہ:۹۰

۱۸۸۔ احمد مصطفیٰ المراغی، تفسیر المراغی، ص:۷/۲۳، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: المائدہ:۱۰۰

۱۸۹۔ سید سلیمان ندوی، خطبات مدراس" ص:۱۹۴، ادارہ اسلامیات لاہور

۱۹۰۔ الانعام:۶۳‘۶۴۔

۱۹۱۔ الانعام:۳۲

۱۹۲۔البخاری،الجامع الصحیح البخاری‘ کتاب الجزیۂ باب:الجزیہ والموادعۃ مع اہل الحرب‘ رقم الحدیث:۲۹۲۴۔

۱۹۳۔ البقرۃ:۳

۱۹۴۔ البقرۃ:۲۸

۱۹۵۔ پروفیسر محمد نعیم صدیقی،تیسیر الحدیث‘ص:۲۳۵؛،مکتبہ دانیال،لاہور،۲۰۰۶ء۔

۱۹۶۔ البقرۃ:۱۶۳، ۱۶۵۔

۱۹۷۔ النساء:۶۴۔الفاطر:۲۴۔

۱۹۸۔ انفطار:۹ تا ۱۲

۱۹۹۔ البقرۃ:۲۸۵۔

۲۰۰۔ آل عمران :۱۸۵۔

۲۰۱۔ امام نسائی،سنن نسائی‘ کتاب المواقیت‘باب فضل الصلوٰۃ لمواقیتھا۔حدیث:۶۰۶۔

۲۰۲۔ امام نسائی،سنن نسائی‘ کتاب الصلوٰۃ‘باب المحاسبہ علی الصلوٰۃ‘رقم الحدیث:۴۶۱

۲۰۳۔ طہٰ:۱۳۲۔البقرہ:۲۳۸۔

۲۰۴۔ امام ترمذی،سنن الترمذی‘ کتاب الایمان‘،باب ماجاء فی ترک الصلوۃ،حدیث:۶۲۳،نیز دیکھئے۲۵۴۳،۲۵۴۴،۲۵
‘امام نسائی،سنن نسائی‘ کتاب الصلوٰۃ‘باب الحکم فی تارک الصلوۃ‘رقم الحدیث:۴۶۵،۴۶۰،۴۵۹

۲۰۵۔ علامہ محمد قطب الدین،مظاہر حق‘ ص۱/۱۶۴۔

۲۰۶۔ التوبہ:۱۰۳

۲۰۷۔ المزمل:۲۰۔

۲۰۸۔ محمد موسیٰ خان جلالزئی‘اسلامی فلسفہ حیات‘ص:۱۵۰،،ادارہ اسلامیات لاہور۱۹۹۴ء۔

۲۰۹۔ البقرۃ:۱۸۳۔

۲۱۰۔ امام نسائی،سنن نسائی،کتاب الصیام،باب ذکر اختلاف علی محمد بن ابی یعقوب فی حدیث ابی امامہ۔۔،رقم الحدیث:۲۲۳۱

۲۱۱۔آل عمران:۹۷

باب چہارم
الہامی مذاہب میں مشترکہ قوانین کا علمی جائزہ

فصل اول: الہامی مذاہب میں قانون کا تصور

مبحث اول: یہودیت کا قانونِ شریعت، ضرورت ومقاصد

مبحث دوم: عیسائیت کا قانونِ شریعت، ضرورت ومقاصد

مبحث سوم: اسلام کا قانونِ شریعت، ضرورت ومقاصد

فصل دوم: الہامی مذاہب میں تصور جزاءسزا

مبحث اول: یہودیت میں تصورِ جزاءوسزا

مبحث دوم: عیسائیت میں تصورِ جزاءوسزا

مبحث سوم: اسلام میں تصورِ جزاءوسزا

الہامی مذاہب میں مشترکہ قوانین کا علمی جائزہ

قانون کسی بھی مذہب کے ماننے والی قوم کو مہذب بناتا ہے۔اللہ تعالی کی طرف سے نازل کردہ مذاہب کے قوانین چونکہ الہامی ہیں اس لئے انسانی ذہن کے بنائے گئے قوانین سے بہتر ہیں۔یہاں ان ہی مذاہب کے مشترکہ قوانین کا جائزہ لیا جائے گا۔

الہامی شرائع کا بنیادی عقیدہ ایک ہی رہا ہے اور وہ توحید، یعنی صرف ایک معبود، اللہ تعالی کی عبادت کی شکلیں اور طریقے مختلف شریعتوں میں مختلف رہے لیکن ہر شریعت میں عبادت کی روح اور فلسفہ ایک ہی تھا۔آسمانی شرائع بہت سی ہیں۔ تمام الہامی مذاہب یعنی شرائع سماویہ کا بنیادی عقیدہ ایک ہی رہا ہے اور وہ توحید، یعنی صرف ایک معبود، اللہ تعالیٰ کی عبادت کی شکلیں اور طریقے مختلف شریعتوں میں مختلف رہے لیکن ہر شریعت میں عبادت کی روح اور فلسفہ ایک ہی تھا۔کوئی امت ایسی نہیں گزری جس کی ہدایت کے لئے اللہ تعالی نے رسول اور نظام زندگی (قانون شریعت) نازل نہ کیا ہو۔ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْر﴾(۱)۔

ترجمہ: کوئی ایسی امت نہیں گزری جس میں اللہ تعالیٰ نے ڈرانے والے نہ بھیجے ہوں۔

الہامی شرائع یا شرائع سماویہ کا باہمی تعلق بہت مضبوط ہے۔شریعت اسلامی اور شرائع سابقہ کا آپس میں اس لحاظ سے گہرا تعلق ہے کہ ان سب کا منبع اور شارع ایک ہی ہے یعنی اللہ تعالی، جس نے ہر زمان و مکان میں انسانوں کی ہدایت کے لیے ،انبیاء اور کتابیں بھیجیں۔جن میں سے آخری رسول حضرت محمد ﷺ اور آخری کتاب الٰہی قرآن مجید ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے نبی ﷺ نے فرمایا:

((والانبیاء اخوة لعلات امهاتهم شتٰی دینهم واحد))(۲)۔

ترجمہ: تمام انبیاء علیہما السلام آپس میں بھائی ہیں کہ ان کی مائیں مختلف اور دین (جو مثل والد کے ہے) ایک ہے۔

یہ تمام شریعتیں دین اور عقیدے کے اصول میں متفق تھیں۔اللہ تعالی کی عبادات اعمال میں اسکے لئے اخلاص اور یوم آخرت پر ایمان جیسے عقائد پر تمام الہامی شرائع متفق ہیں۔قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ (۳)۔

ترجمہ: ہم نے آپ سے پہلے آنے والے تمام رسولوں کی طرف وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری ہی عبادت کرو۔

آسمانی اور الہامی شریعتوں کا مصدر ایک ہی ہے۔ان کے اصول، عقائد اور مقاصد مشترک ہیں لیکن عملی احکام اور

تفصیلات کے ضمن میں کچھ اختلافات ہیں۔ کیونکہ وہ حالات کے تقاضوں کے مطابق تھیں۔قرآن کریم میں سورہ مائدہ میں اس کا تذکرہ ملتا ہے۔

﴿وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ﴾ (۴)۔

ترجمہ: اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن وہ تمہیں آزمائے گا جو اس نے تم کو دیا پس تم نیکی کے کاموں میں آگے بڑھو تم سب کو اللہ کی طرف لوٹنا ہے پس وہ تم کو خبر دے گا ان چیزوں کے بارے میں جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے تھے۔

تمام الہامی شرائع ایک دوسرے سے متشابہ ہیں اور تشریح کے عمومی مقاصد میں بھی متفق قوانین رکھتی ہیں۔اچھے اعمال کے لئے تزکیہ نفس صراط مستقیم کے ذریعے لوگوں کو ہدایت اور نیکی کا حکم دینا جس کے ذریعے دنیا میں اصلاح ہو اور آخرت میں سعادت نصیب ہو اصول اور مقاصد کی واضح مثالیں ہیں۔ چونکہ اسلام کا قانون شریعت ناسخ ہے اس لئے کہ یہ الہامی قوانین کو مکمل کرنے والی شریعت ہے اب اس شریعت کے علاوہ کوئی دوسری شریعت پیروی کیلئے درست نہیں۔تمام الہامی شرائع سماویہ کا بنیادی عقیدہ ایک ہی رہا ہے اور وہ توحید، یعنی صرف ایک معبود، اللہ تعالیٰ کی عبادت کی شکلیں اور طریقے مختلف شریعتوں میں مختلف رہے لیکن ہر شریعت میں عبادت کی روح اور فلسفہ ایک ہی تھا۔لیکن چونکہ ہر مذہب میں کچھ مشترک قوانین موجود ہیں۔ تینوں الہامی مذاہب میں موجود مشترک قوانین کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

فصل اول: الہامی مذاہب میں قانون کا تصور

قانون کا لغوی معنی:

قانون لفظ اصلاً سریانی یا یونانی زبان میں کینن تھا جس کے معنی اصل میں چیز، سطر کتاب، جدول، مقیاس ہر شے، کینن بگڑ کر عربی زبان میں قانون ہو گیا (۵)۔

قنن کے تحت لسان العرب میں لکھا ہے کہ:

" وقانون کل شیء طریقه و مقیاسه. قال ابن سیده: واراها دخیلة والقوانین: الاصول، الواحد قانون (٦)۔"

ترجمہ: ہر شے کا طریقہ اور مقیاس قانون ہوتا ہے۔ ابن سیدہ کے نزدیک یہ لفظ غیر عربی سے عربی میں داخل ہوا ہے۔

قوانین اصول ہوتے ہیں اور اس کا واحد قانون ہے۔ صاحب تاج العروس نے قانون کا معنی یہ بیان کیا ہے:

" والقانون. مقیاس کل شیء و طریقه (٧)۔"

ترجمہ: قانون سے مراد ہر چیز کی پیمائش اور اس کا طریقہ ہے۔

فرہنگ آصفیہ میں قانون کا معنی یوں بیان کیا گیا ہے:

"ہر ایک چیز کی اصل۔ مادہ، جڑ، بنیاد، مبداء، قاعدہ، دستور، آئین، ضابطہ، شرع، طور طریقہ، ڈھنگ، اصول، شرع، شریعت وغیرہ (٨)۔"

قانون کا اصطلاحی معنی:

قانون کی تعریف بیان کرتے شریف جرجانی لکھتے ہیں کہ؛

"امر کلی منطبق علی جمیع جزئیاته التی یتعرف احکامها منه (٩)۔"

ترجمہ: ایک ایسا جامع امر جس کی تطبیق اس سے متعلق تمام جزئیات پر ہو سکے۔

یعنی کہ وہ امر کلی جو اپنی تمام جزئیات پر منطبق ہو جائے

سید قاسم محمود کے خیال میں قانون کی اصطلاحی تعریف کچھ اس طرح ہے کہ:

"انسان کو زندگی گزارنے کے لئے چند احکام و ضوابط کی پابندی کرنا ہوتی ہے۔ ان احکام و ضوابط کو جو حکمران کی طرف سے نافذ کئے جاتے ہیں قانون کہتے ہیں (١٠)۔"

نیز ان کے مطابق قانون کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے قومی یا ملکی قانون کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(١)۔ پبلک قانون (٢)۔ پرائیویٹ قانون۔

١۔ پبلک قانون:

ملکی آئین اور نظم ونسق کے ضوابط پر مشتمل ہوتا ہے۔ جو رعایا اور حکومت کے تعلقات پر مبنی ہوتا ہے۔

۲۔ پرائیویٹ قانون:

فوجداری (Crimnal) اور دیوانی (Civil) قوانین میں تقسیم کیا جاتا ہے۔جس میں افراد کے معاشرتی اور تعزیری معاملات پر بحث کی جاتی ہے۔(۱۱)۔

شریعت کا لغوی معنیٰ:

لغت میں شریعت سے مراد مذہب اور طریق مستقیم ہے۔شریعت کے متعلق لسان العرب میں لکھا ہے کہ:

"شرع .یشرع شرعاً و شروعاً. وقال محمد بن یزید : شرعة معناها ابتداءُ الطریق،والمنهاج الطریق المستقیم. وقال ابن عباس :شِرعة ومِنهاجاً سبیلاً وسُنَّةً. وقال قتادہ،شرعة و منهاجا الدین الواحد و الشریعة المختلفة(۱۲)۔"

ترجمہ:شرعۃ کا معنی ہے راستے کا آغاز۔منہاج سے مراد سیدھا راستہ ہے۔ابن عباسؓ کے نزدیک شرعۃ و منہاجا سے مراد راستہ اور طریقہ ہے۔قتادہ کہتے ہیں شرعۃ و منہاجا یعنی دین واحد ہے اور شرائع مختلف ہیں۔

ماہر لغت زبیدی اور جوہری شریعت کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"دین' ملت' منہاج' راستہ' مثال' نمونہ اور مذہب کو بھی شریعت کہتے ہیں۔اہل عرب صرف اس پانی کو شریعت کا نام دیتے تھے جو کھلے چشمے کی صورت میں ہو اور جو منقطع نہیں ہو اور جہاں سیرابی بغیر کسی ڈول یا رسی کے میسر آسکے"۔ دینی مصطلحات میں شریعت اور شرعہ سے مراد،وہ طریقہ زندگی (دین) ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے مقرر کر دے اور اس پر چلنے کا حکم دے جیسے نماز،روزہ،حج،زکوٰۃ اور دیگر اعمال صالحہ(۱۳)۔"

لفظ شریعت کے لغوی معنی امام راغب کے بقول:

"واضح راستہ اور طریقہ کے ہیں اس کے معنی بدلہ اور شریعت کے بھی ہیں(۱۴)۔"

الشریعۃ کے متعلق شریف جرجانی کا کہنا ہے کہ:

"هی الإئتمار بالتزام العبودية وقيل :الشريعة ،هی الطريق فی الدين(۱۵)۔"

ترجمہ: شریعت بندگی کو لازم پکڑنا ہے۔اور یہ بھی کہا گیا کہ شریعت دین کا راستہ ہے۔

یعنی لغت کے اعتبار سے شرع کے معنٰی ہیں اظہار و بیان،کہا جاتا ہے:شرع اللہ کذا،یعنی اللہ نے یہ ایک راستہ اور مسلک ظاہر

فرمایا۔اسی طرح شریعت ایک مذہبی راستہ ہے جہاں بندہ اپنی زندگی کے پورے اظہار کےطور پر اللہ کا حکم بجالاتا ہے۔قاموس المترادفات میں شریعت کے معنی یہ دیئے گئے ہیں:

''شریعت شرع ،طریق ،طریقہ: مسلک ،مذہب ،قاعدہ ،قانون ۔دستور، راہ ظاہرو راست ۔وہ قانون جو حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کے واسطے مقرر فرمایا ۔۲۔دینی قانون، قانون اسلام ۔طریقہ۔راستہ وغیرہ (۱۶)۔''

شریعت کے اصطلاحی معنی قرآن اور کتاب مقدس کی روشنی میں:

قرآن مجید میں ''شریعت'' لفظ چار مقامات پر آیا ہے(۱۷)۔

شریعت کا اصطلاحی معنی قرآن مجید کی بعض آیات کی طرف راجع ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ثُمَّ جَعَلْنٰکَ عَلٰی شَرِیْعَۃٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْھَا وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَ الَّذِیْنَ لَایَعْلَمُوْن﴾ (۱۸)۔

ترجمہ: یعنی ہم نے تمہیں دین کی ایک واضح راہ پر(قائم) کر دیا' پس اس کی پیروی کرو اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو نہیں جانتے ۔

المائدہ کی آیت ۴۸ کی تفسیر کرتے ہوئے عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں:

''شرعۃ سے مراد وہ احکام ہیں جو قرآن مجید میں وارد ہوئے ہیں اور منہاج سے مراد وہ مسائل شریعت ہیں جو حدیث نبوی میں آئے ہیں گویا نصوص قرآنیہ بنیادی اصول اور اساسی عقائد مہیا کرتی ہیں، جبکہ احادیث نبویہ ان اصول وعقائد کی تفصیلات اور ان کی عملی تطبیق کا لائحہ عمل ہیں (۱۹)۔''

شرعی اصطلاح میں شریعت سے مراد اللہ کے اپنے بندوں کے لئے احکامات ہیں چاہے یہ احکام قرآن مجید سے مستنبط کیے گئے ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت مبارکہ سے (جس میں قولی' فعلی اور تقریری سنت شامل ہے)۔پس شریعت اسلامیہ قرآن اور سنت میں موجود اللہ کے وہ احکام ہیں جو اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے نازل فرمائیں(۲۰)۔

ڈاکٹر ساجد الرحمٰن صدیقی شریعت کے اصطلاحی معنی اسطرح بیان کرتے ہیں :

''زندگی گذارنے کا راستہ،وہ طریقہ، زندگی جو دین نے مقرر کیا ہو،اللہ کے نبی کے لائے ہوئے احکام(۲۱)۔

نیز شریعت کے متعلق تفصیل سے رقمطراز کچھ یوں ہیں:

شریعت شرائع کی جمع ہے اور شرائع ماقبلنا سے مراد انبیاء کرام کی شریعتیں ہیں گذشتہ انبیاء کی شریعت پر عمل کرنے کے سلسلے چار ہیں۔ان میں سے تین صورتوں پر تمام علماء کا اتفاق ہے اور وہ یہ ہیں:

وہ احکام جن کا ذکر گذشتہ پیغمبروں کی کتابوں میں آیا ہو مگر قرآن کریم میں اس کا ذکر نہ ہو اور نہ سنت رسول ﷺ سے صحیح ثبوت ملتا ہو ایسے احکام کے متعلق حکم ہے کہ ہم اس کے پابند نہیں کیونکہ یہ ہمیں غیر معتبر طریقے سے معلوم ہوئے ہیں۔

☆ بعض احکام کا ذکر پچھلی شریعتوں میں آیا ہے لیکن اسلامی شریعت نے انہیں واضح طور پر منسوخ و باطل کر دیا ہے ان کا تعلق بھی اسلامی شریعت سے نہیں ہے اس کی مثال وہ اشیاء خوردنی ہیں جو بنی اسرائیل پر حرام کردہ گئی تھیں مگر اسلام میں حلال اور جائز ہیں(۲۲)۔

اس کا اشارہ ہمیں المائدہ سے ملتا ہے۔بعض ایسے احکام کی طرف حدیث نبوی میں بھی اشارہ ملتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

((وجُعِلَتْ لِی الارضُ مَسْجِداً وطهوراً ، وایّما رَجل من امتی اُدرکته الصلوة فَلْیُصَل، واُحِلَّتْ لِي الغنائم))(۲۳)۔

ترجمہ: روئے زمین میرے لئے مسجد اور پاک وصاف بنائی گئی ہے لہٰذا میری امت کے جس آدمی کے لئے نماز کا وقت آئے تو وہ زمین پر نماز پڑھے اور میرے لئے مال غنیمت حلال کیے گئے ہیں مجھ سے پہلے یہ کسی کے لئے حلال نہیں کیے گئے۔

☆۔ گزشتہ شریعتوں کے بعض احکام ایسے ہیں جنہیں اسلامی شریعت نے برقرار رکھا ہے لہٰذا اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہم بھی اس کے پابند ہیں۔کیونکہ وہ اب ہماری شریعت میں داخل ہے۔اس کی مثال قربانی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ قربانی کرو کیونکہ یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔

((سنة أبیکم ابراهیم))(۲۴)۔

☆۔ گزشتہ شریعتوں کے بعض احکام اللہ تعالٰی نے گزشتہ الہامی کتب میں بیان کیے یا وہ سنت نبوی میں مذکور ہیں مگر ہماری شریعت اس کے متعلق خاموش ہے نہ تو اس کی تائید کی گئی ہے اور نہ اسے منسوخ کیا گیا ہے۔اس کے متعلق علماء کرام کی رائے ہے کہ ہم ان احکام کے پابند نہیں ہیں۔کیونکہ کتاب وسنت پر عمل کرنے سے تمام شریعتوں پر خود بخود عمل ہو جاتا ہے(۲۵)۔

شریعت اور شرعہ سے مراد وہ راستہ ہے جو دنیوی بھلائی کے لئے بھی ہو سکتا ہے اور اس صورت میں یہ اصلاح وتعمیر اور امن وسکون پر منتج ہوگا، یا دینی واخروی بھلائی کیلئے اور اس صورت میں روح اور سیرت کی تعمیر پر منتج ہوگا(۲۶)۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالٰی ہے:

﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا ﴾(۲۷)۔

ترجمہ: ہم نے تم میں سے ایک کے لئے شریعت اور طریقہ کار متعین کیا۔

عہد نامہ قدیم اور جدید میں شریعت کے معنٰی:

عبرانی الفاظ میں سب سے زیادہ مستعمل لفظ تورات سے مراد انسانی تعلیم، خدا کی شریعت، شرع، موسیٰ کی شریعت یا طریقہ ہے موسیٰ کی شریعت کے لئے تورات خاص اصطلاح ہے۔ عہد نامہ جدید میں بھی یہ لفظ مختلف معنی میں استعمال ہوا ہے۔ تورات کا بذات خود معنی قانون یا تعلیمات کیا گیا ہے اسے انگریزی زبان میں pentateuch یعنی اسفار خمسہ بھی کہاجاتا ہے (۲۸)۔

الغرض ہر وہ چیز جو مذہبی قانون سے متعلق ہو، شریعت کے مطابق ہو یا قانوناً جائز ہو، شرعی کہلاتی ہے۔ دین، ملت، منہاج، راستہ، مثال، نمونہ اور مذہب کو بھی شریعت کہتے ہیں۔ لفظ شارع رسول اللہ ﷺ کے لئے بطور اصطلاحی لفظ کے استعمال ہوتا ہے، لیکن زیادہ کثرت کے ساتھ اللہ کے لئے بمعنی قانون بنانے والے کے مستعمل ہے۔ مشروع وہ چیز ہے جو شریعت میں مقرر کر دی گئی ہو۔

دراصل شریعت آئین الٰہی کے تفصیلی ضابطوں کا نام ہے۔ اسی طرح صاحب شریعت ملتیں چھ ہیں:
حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد ﷺ کی ملتیں۔ ان سب ملتوں کی شرائع، شارع ایک ہونے کی بناء پر ایک وحدت ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ احکام معاملات میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ شریعت نوحؑ کے احکام شریعتِ ابراہیمیؑ سے مختلف ہیں۔ اسی طرح موسوی شریعت اور شریعت اسلامی کے مابین احکام معاملات میں فرق ہے۔ احکام کا یہ اختلاف زمان و مکان کے تقاضوں اور ضرورتوں کے لحاظ سے تھا، جن کے بدلنے سے شرائع کے احکام میں بھی تبدیلی آتی گئی۔ تمام شرائع ایک ہی شارع اللہ تعالیٰ کی غرض و منشاء کی مختلف شکلیں ہیں جن کا مقصود انسانی رویوں کو اپنے دائرہ بندگی میں لانا ہے تا کہ انسان کی دنیاوی فلاح اور اخروی نجات ہو سکے۔
شریعت کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آخرت کے ساتھ ساتھ ہم دنیاوی زندگی کو ایک ڈگر پر نظم وضبط کے ساتھ چلا سکتے ہیں اور زندگی کے معاملات کو شریعت کی بنیاد پر گزار سکتے ہیں۔ الہامی مذاہب کو احکام ہر دور کے مطابق دیے گئے تھے یہاں تینوں الہامی مذاہب کے قانون شریعت کا تذکرہ ہے۔

مبحث اول: یہودیت کا قانونِ شریعت؛ضرورت ومقاصد

شریعت کی ارتقائی تاریخ:

جس طرح کائنات کی ہر چیز اپنے وجود کے لیے مختلف مدارج طے کرتے ہوئے آگے بڑھتی ہے اور جس طرح انسان اپنے بچپن اور جوانی کے مراحل سے نکل کر اپنی پختگی کو پہنچتا ہے اس طرح شریعت بھی متعدد منازل سے گزر کر بالآخر حضور علیہ اسلام کے زمانے میں اپنی تکمیل کو پہنچی۔ارتقاء کا یہ سفر ہزاروں سالوں پر محیط اور سینکڑوں رسولوں کی تعلیمات کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔یہ ارتقاء صرف شریعت کا ہی ارتقاء نہیں بلکہ درحقیقت نسل انسانی کا ارتقاء ہے کہ جوں جوں معاشرہ آگے بڑھا،ضرورتیں اور تقاضے پیدا ہوئے ہدایت وشریعت اترتی گئی۔حتی کہ حضور علیہ السلام کے دور میں شریعت کا یہ گلشن پر بہار ہوا اور پھر ۱۴۰۰ سال قبل اسکی جو سرسبزی وشادابی تھی وہ آج بھی قائم ہے اور نسل انسانی اس سے خوشہ چین ہو رہی ہے۔

سب سے پہلے حضرت آدم علیہ اسلام کے جنت سے خروج کے وقت ہدایت کا لفظ بولا گیا تھا(۲۹) جو کہ عقائد احکام اخلاق یعنی تمام اسلامی تعلیمات پر حاوی ہے پھر یہ لفظ تمام انبیاء کی تعلیمات کے لیے بھی اختیار کیا گیا۔اس سلسلے کے دوسرا لفظ دین ہے۔جس کا اولین اطلاق حضرت نوح علیہ اسلام کی نسبت سے ہوا۔چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ﴾(۳۰)۔

ترجمہ:اس نے تمہارے لئے دین کا وہی راستہ مقرر کیا جس کے اختیار کرنے کا نوح کو حکم دیا تھا۔اور جس کی (اے محمد ﷺ) ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا وہ یہ کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔

تاہم اب اس کا زیادہ تر استعمال عقائد پر ہوتا ہے اس قسم کا تیسرا لفظ ملت ہے۔جس کا پہلا اطلاق حضرت ابراہیمؑ کے حوالے سے ہوا۔حضرت موسیٰؑ کوہ طور سے واپس آئے اور توراۃ کی شکل میں احکام الٰہی کا مجموعہ لائے۔اس لفظ کے معنی ہی شریعت کے ہیں۔حضرت عیسیٰؑ تشریف لائے آپ کی تعلیمات میں احکام وقوانین کا حصہ کم اور اخلاق کا زیادہ تھا۔غالباً اسی لیے آپ کی نسبت سے کوئی نیا لفظ نہیں ملتا سلسلہ نبوت کی آخری کڑی یعنی حضور علیہ اسلام کی تعلیمات کیلئے سبیل اور صراط کے نئے الفاظ نظر آتے ہیں۔نیز نور کا لفظ بھی ہے جو کہ ہدایت کا مترادف ہے۔ہدایت اور نور کے یہ الفاظ توراۃ کیلئے بھی استعمال ہوئے ہیں۔

مثلاً سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ﴾ (۳۱)۔

ترجمہ: بے شک ہم نے تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔

(اسی طرح یہ الفاظ قرآن کیلئے بھی ہیں۔مثلاً: ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ (۳۲)۔

ترجمہ: ہدایت صرف متقین کے لئے

مگر دونوں جگہ انداز بیان میں فرق ہے یعنی قرآن کوسراپا ہدایت ونور کہا گیا۔جبکہ تورات کو جزوی طور پر ہدایت ونور کہا گیا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت:

آپ کی شریعت پر باقاعدہ بحث سے پہلے شرعی احکام کی ترتیب بیان کی جاتی ہے تاکہ شریعت کی ارتقائی تاریخ سمجھنے میں آسانی ہو۔چنانچہ فقہی ابواب کی ترتیب یہ ہے ۔عبادات ،ماکولات یعنی خوردونوش ،مناکحات ،نظام منزلی ،احکام سلطانی ،عقوبات۔قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔کہ شریعت کا باقاعدہ آغاز حضرت نوح علیہ السلام سے ہوا۔کیونکہ اسکی پہلی نسبت آپ ہی کی طرف کی گئی ہے۔مثلاً

اس طرح حضرت آدم علیہ السلام کی ذات کے حوالے سے کو شریعت کا ذکر نہیں ملتا مگر فی الجملہ اس آغاز آپ کی ذات سے ہوگیا تھا کیونکہ جس طرح آپ کو ابوالبشر ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔اسی طرح پہلے نبی ہونے اعزاز بھی آپ کو حاصل ہے۔حضور علیہ السلام سے سوال ہوا؟

انبیا کان آدم؟ قال ((نعم مُكَلَّمٌ)) (۳۳)۔

ترجمہ: کیا آدم نبی تھے آپ نے کہاہاں !ان سے کلام بھی کیا گیا

جب آپ نبی تھے تو لازم ہے کہ آپ کے پاس شریعت بھی ہو۔سورۃ الذریات میں جن وانس کی تخلیق کا بنیادی مقصد عبادت بتایا گیا ہے۔تو پھر اس کے طور طریقے بھی ضرور بتلائے گئے ہونگے (۳۴)۔

امام قرطبی نے ابونصیر قشیری کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اللہ نے کوئی زمانہ شریعت سے خالی نہیں رکھا اور نہ ہی کوئی شریعت نماز سے خالی رہی (۳۵)۔''

نماز کوتسلیم کر لینے کے بعد طہارت اور ستر عورت کا احکام کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا کیونکہ انکے بغیر نماز نہیں ہوتی ویسے بھی ستر عورت انسانی فطرت میں شامل ہے جیسا کے حضرت آدم وحوا کے واقعہ سے ظاہر ہے کہ جب شجر ممنوعہ کے کھانے پر ان کا ستر کھل گیا تو پتوں کے ذریعے انہوں نے اپنے جسم کو ڈھانپا۔ابوبکر جصاص کے بقول اس آیت سے ستر عورت کی فرضیت ظاہر ہوتی ہے (۳۶)۔

نماز کے بعد زکوٰۃ کی بحث ہے۔حسن کا قول ہے کہ ایسا کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا جس پر نماز اور زکوٰۃ فرض نہ ہوئی'

پچھلی امم کے حوالے سے روزے کے ذکر قرآن نے بھی کیا(۳۷)۔
خازن نے اس آیت کی تفسیر میں روزے کی فرضیت کا ذکر حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے کیا ہے۔(۳۸)۔
قربانی:
یہ بھی حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت میں نظر آتی ہے۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔
﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ م اِذْقَرَّ بَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ قَالَ لَاَ قْتُلَنَّكَ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ﴾(۳۹)۔
ترجمہ: آدم کی دو بیٹوں(ہابیل اور قابیل) کے حالات جو بالکل سچے ہیں ان کو پڑھ کر سنا دو۔کہ جب ان دونوں نے خدا کی جناب میں کچھ نیازیں چڑھائیں تو ایک کی نیاز تو قبول ہوگئی اور دوسری کی قبول نہ ہوئی۔تب قابیل ہابیل سے کہنے لگا کہ میں تجھے قتل کردوں گا۔اس نے کہا کہ خدا پرہیزگاروں ہی کی نیاز قبول فرمایا کرتا ہے

۔ حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں نے قربانی پیش کی ان میں سے ایک(ہابیل) کی قربانی قبول ہوئی اور دوسرے (قابیل) کی قربانی نامنظور ہوئی۔تاہم اس جگہ ایک بحث بھی ہے۔حسن کا قول ہے کہ آدم کے بیٹوں سے مراد حقیقی بیٹے نہیں۔بلکہ یہ لفظ مجازا بولا گیا ہے اور اس واقعہ کا تعلق بنی اسرائیل سے ہے۔کیونکہ قربانی ہونے کی حسی علامت اس سے پہلے نہیں تھی جبکہ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مردہ شخص کو دفن کرنے کا طریقہ کوے سے سیکھا۔اگر واقعہ کا تعلق بنی اسرائیل سے ہوتا تو مردہ کو دفن کرنے کا طریقہ پہلے سے رائج ہونے کی بناء پر معلوم ہوتا لہذا اس قربانی کا تعلق حضرت آدم کے حقیقی بیٹوں سے ہے۔(۴۰)

اس بحث سے معلوم ہوا کہ آپکی شریعت میں عبادت کا باب تھا۔جس میں نماز اور زکوۃ کے علاوہ روزہ بھی موجود تھا۔مزید یہ کہ حج کرنے کی روایت بھی ملتی ہے(۴۱)۔
کچھ ایسی چیزیں ہیں جن کا تعلق ابدی صداقتوں کے ساتھ ہے۔اس لیے انکی حلت وحرمت مسلمہ ہے اور شریعت کا حصہ رہی ہیں۔قرآن کریم میں بھی ہابیل کے قربانی کے واقعے کا تذکرہ ملتا ہے۔(۴۲)۔
اس لیے قرطبی نے اسکی تفسیر میں لکھا کہ اللہ نے تمام شریعتوں میں قتل کو حرام ٹھہرایا ہے زنا برا راستہ کہا گیا اس لئے اس سے منع کیا گیا(۴۳)۔
پاکیزہ خوراک:
خوردونوش کے متعلق قرآن مجید کا عموی حکم ہے۔

﴿يَآيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا﴾ (۴۴)۔

ترجمہ: اے رسولوں پاکیزہ خوراک کھاؤ اور نیک عمل کرو۔

اس آیت میں تمام انبیاء کو خطاب ہے اور پاکیزہ چیزیں کھانے کا حکم دیا ہے۔ظاہر ہے وہ یہ حکم بھی ابدی صداقت ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کے دور سے ہی نافذ ہوگا اسی طرح غیر طیب چیزوں کی بھی کچھ وضاحت ہے ۔مثلاً حضرت ابو ذرؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا:

((ا نبیاء کان آدم مرسلاً قال نعم وانزل علیھم تحریم المیتة والدم ولحم الخنزیر))(۴۵)۔

ترجمہ: کیا آدم نبی رسول تھے آپ نے کہاہاں،اوران پر مردار،خون اور سور کی حرمت کے احکام نازل کئے

یہ مختصر سا بیان ہے۔البتہ تورات کے حوالے سے ماکولات کی ایک فہرست ملتی ہے۔اور خداوند نے کہا دیکھو میں تمام روئے زمین کی کل بیج دار سبزی اور ہر درخت جس میں اس کا بیج دار پھل ہو تم کو دیتا ہوں۔یہ تمہارے کھانے کو ہیں۔اور زمین کے کل جانوروں کیلئے اور ہوا کے کل پرندوں کیلئے اور ان سب کیلئے جو زمین پر رینگنے والے ہیں۔جن میں زندگی کا دم ہے کل ہری بوٹیاں کھانے کو دیتا ہوں(۴۶)۔

نکاح کے متعلق حکم تھا کہ جڑواں بہن سے شادی نہ کی جائے (۴۷)۔اس طرح آپ کی شریعت میں پہلے دو ابواب یعنی عبادات اور ماکولات سے متعلق احکام تھے۔معاملات کے احکام بھی تھے۔مگر حدود اور تعزیرات کے بغیر۔مجموعی طور پر اس شریعت میں آزادیاں زیادہ تھیں اور پابندیاں کم۔اس بناء پر اس دور کو شریعت کا بچپن کہہ سکتے ہیں۔غالباً یہی وجہ تھی کہ قرآن نے لفظ شریعت کا باقاعدہ اطلاق نہیں کیا۔یا پھر قرآن کی اصطلاح میں عقائد یعنی توحید کا بیان اور شرک کی تردید بھی شریعت کا حصہ ہے اور چونکہ حضرت آدم کے دور میں کفروشرک نہ تھا اس لیے شریعت کی ضرورت نہ تھی۔لہذا شریعت کا لفظ نہیں بولا گیا۔بہر حال اس شریعت کا تعلق صرف مسلمانوں سے تھا۔کیونکہ اس وقت کافروں کا وجود نہ تھا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت:

آپ کا شمار اولوالعزم انبیاء میں ہوتا ہے اور آپکو اساس الانبیاء بھی کہا گیا ہے۔آپکی نسبت سے قرآن مجید نے کسی صحیفے کا ذکر نہیں کیا۔تاہم دیگر مذاہب مثلاً ہندومت اور صابی مذہب کے حوالے سے اس کے آثار ملتے ہیں۔(۴۸)۔

قرآن مجید کے بیان کے مطابق آپ پہلے صاحب شریعت نبی تھے۔ابن خلدون کا بیان ہے۔

"سب سے پہلے نوحؑ کو یہ شرف حاصل ہوا ہے کہ ادریس کے بعد نبوت سے سرفراز کئے گئے۔یہ پہلے نبی ہیں جنکی شریعت نے آدم کی شریعت کو منسوخ کیا ہے(۴۹)۔"

ابن کثیر کا بیان ہے:

"نوح علیہ السلام جب کشتی سے اترے۔تب تمام حیوانات کا کھانا جائز تھا۔لیکن پھر بعض کی حلت منسوخ ہوگئی،شریعت سے

متعلق تیسرا حوالہ یہ ملتا ہے ۔حضرت نوح علیہ السلام پہلے نبی ہیں جنہوں نے بیٹیوں، بہنوں اور ماؤں کے ساتھ حرمت نکاح کے احکام بتلائے ۔حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت میں روزے رکھنے کا واضح ذکر نہیں ملتا ۔مگر حضرت نوح علیہ السلام کے ہاں ماہ رمضان کے روزوں کا ثبوت ملتا ہے ۔اسی طرح قربانی کا بھی واضح ثبوت ہے کہ نوح نے مذبح پر سوختنی قربانیاں چڑھائیں ۔غالباطوفان سے نجات پر یہ شکر کی قربانی تھی (۵۰)۔

اس مجموعی بحث سے معلوم ہوا کہ آپ کی شریعت نے عبادات کے باب کو وسعت دی، ماکولات میں ترمیم وتنسیخ کی مناکحات میں قدم رکھا، اس طرح شریعت کے ارتقاء کی تین مدارج طے ہوئے ۔

حضرت ابراہیمؑ کی شریعت:

جدید مورخین کے مطابق:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت ۲۲۰۰ ق م ہے ۔آپ نے اپنی قوم کو توحید کی تبلیغ کی (۵۱)۔

حضرت ابراہیمؑ پر دس صحیفے نازل ہوئے ان صحیفوں کے نزول کا ذکر قرآن میں موجود ہے

﴿صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى﴾ (۵۲)۔

ترجمہ: ابراہیم اور موسیٰ کے صحائف ۔

اسی طرح آپ کے پیروکاروں کے حوالے سے غسل جنابت کا ذکر بھی ملتا ہے ۔چونکہ کوئی شریعت نماز سے خالی نہیں اس لئے نماز کا ہونا تو مسلّم ہے ۔تورات میں اس کی طرف اشارہ ملتا ہے ۔،خدا کا نام لینا پرانے صحیفوں میں نماز کی اصطلاحی تعبیر ہے جس کی تائید قرآن سے بھی ہوتی ہے (۵۳)۔

آپ کے حوالے سے عبادت گاہوں اور قربان گاہوں کا ذکر خصوصیت سے ملتا ہے جن میں سرفہرست بیت اللہ ہے جسے آپ نے اپنے بیٹے اسماعیل کے ساتھ مل کر بنایا تھا اسی طرح مزید دو قربان گاہوں کا ذکر بائیبل کے حوالے سے ملتا ہے ۔عبادات کے ضمن میں ایک اہم حکم قربانی کا ہے ابراہیمؑ نے اس مقصد کے لئے اپنے بیٹے اسماعیلؑ کی قربانی کرنا چاہی مگر پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے دنبہ کی قربانی پیش کی (۵۴)۔

کچھ تبدیلی کے ساتھ اس واقعہ کی تفصیل بائیبل میں بھی موجود ہے (۵۵)۔

قبل از اسلام اہل عرب دو چیزوں کو خاص طور پر ابراہیمی باقیات میں سے شمار کرتے، حج اور ختنہ، اس ختنہ کا ذکر بائیبل میں بھی موجود ہے سب سے پہلا عہد جو ابراہیم سے ہوا وہ ختنہ کا ہے اپنی اولاد کا بھی اور زرخرید (غلام) کا بھی (۵۶)۔

عبادات کا اہم رکن زکوٰۃ ہے ۔اسلامی روایات سے اس پہلو پر کوئی روشنی نہیں پڑتی البتہ بائیبل کی روایات سے کچھ معلومات حاصل ہوتی ہیں مثلاً ابراہیم نے مال کا دسواں حصہ (کاہن) کو دیا (۵۷) ۔غالبًا یہ وہی صدقہ ہوگا جو موسوی شریعت میں دہ

کی اور اسلام میں زمین کی پیداوار پر عشر کے نام سے نافذ ہے۔اس دور میں آمدنی کا بڑا حصہ زمین ہی ہوتی تھی لہٰذا اس کا ذکر خصوصیت سے موجود ہے۔

معاملات میں چند امور معلوم ہوتے ہیں وہ بھی اولاد کے حوالے سے مثلاً ''یعقوبؑ کے بیٹے یہوداہ نے ایک عورت کے پاس رہن رکھا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوران سفر کاروبار کے لئے رہن کا استعمال ہوتا تھا اور یہ معاملہ صرف مردوں تک محدود نہیں بلکہ عورتیں بھی یہ کاروبار کرتی تھیں وراثت کے معاملے میں پہلوٹھے کا خاص مقام تھا کہ اس کا دوگنا حق دیا جاتا(۵۸)۔

لوطؑ کے حوالے سے لواطت اور ڈاکہ زنی کی حرمت ثابت واضح ہوتی ہے

﴿ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَ تَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ وَ تَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾(۵۹)۔

ترجمہ: کیا تم (لذت کے ارادے سے) لونڈوں کی طرف مائل ہوتے اور (مسافروں کی) راہزنی کرتے ہو اور اپنی مجلسوں میں ناپسندیدہ کام کرتے ہو۔تو ان کی قوم کے لوگ جواب میں بولے تو یہ بولے کہ اگر تم سچے ہو تو ہم پر عذاب لے آؤ۔

تعزیرات کی بھی چند مثالیں ملتی ہیں: مثلاً یوسفؑ کے بھائی جب دوسری مرتبہ غلہ لینے گئے تو چوری کے الزام میں بنیا مین کو روک لیا گیا یعقوبؑ کے دین میں اصول تھا کہ چوری کرنے پر غلام بنالیا جائے۔معاشرے کا ایک عمومی جرم زنا ہے۔اس کی سزا بھی سخت رہی معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم سے زنا بدترین جرم سمجھا جاتا تھا(۶۰)۔

حضرت ابراہیمؑ کو عبادت سے خاص شغف تھا۔اس مقصد کے لئے آپ نے عبادت گاہیں بنائیں۔جن میں سے تین کا ذکر خصوصیت سے ملتا ہے جن میں سرفہرست خانہ کعبہ ہے۔علاوہ ازیں دوقربان گاہوں کا ذکر ہے۔جہاں خدا کی خوشنودی کے لئے قربانی پیش کی جاتی اس کی صورت یہ ہوتی کہ کسی خاص مقام پر ابراہیمؑ کو خدا کا جلوہ دکھائی دیتا۔آپ اس جگہ پتھر کھڑا کرتے اور وہ جگہ قربان گاہ بن جاتی۔بعدازاں عبادت گاہیں بنانے کا یہ سلسلہ آپکی اولاد میں بھی جاری رہا(۶۱)۔

یہودیت کا قانون شریعت (موسوی شریعت):

جلیل القدر،اولوالعزم صاحب شریعت نبی حضرت موسیٰ کی ولادت ۱۳ویں صدی قبل مسیح یا ۱۵۷۱ق م ہوئی۔قرآن مجید نے آپ کی شریعت کا ذکر تیسرے نمبر پر کیا ہے(۶۲)۔

آپکی شریعت کو دوحصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے

۱۔قبل ازخروج مصر ۔ ۲۔بعد ازخروج مصر

قبل از خروج، آپ اپنی قوم بنی اسرائیل سمیت مصر میں آباد تھے۔ آپ کی قوم نہ صرف یہ کہ محکوم تھی بلکہ نہایت مظلوم بھی تھی۔ غالبًا اسی دور میں آپ پر دس صحیفے نازل ہوئے۔ ان صحیفوں کا ذکر قرآن کریم میں بھی موجود ہے(۶۳)۔

ہر مذہب میں قانون کا تصور موجود ہوتا ہے۔ جس میں ان کی شریعت اور اس مقاصد ذکر کیے جاتے ہیں تا کہ اس مذہب کے لوگ اپنے دین کو ٹھیک طرح سے سمجھ سکیں اور اس پر عمل کر سکیں۔ اسی طرح یہودی مذہب میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی شریعت سے نوازا جس میں مذہب کی اخلاقیات، فوجداری اور عائلی قوانین وغیرہ کی تفصیل درج ہیں۔ یہاں ہم یہودی مذہب کا قانون شریعت اور ضرورت اور اسکے مقاصد سے بحث کریں گے۔ یہودیت میں احکام عشرہ اخلاقی احکام کے زمرے میں آتے ہیں۔ نئے عہدنامہ میں اخلاقی شریعت کے الفاظ کی بجائے اس کی روح کو برقرار رکھا گیا ہے اور اسے زیادہ واضح الفاظ پہنائے گئے ہیں پولس رسول تصدیق کرتا ہے کہ خدا ایک ہی ہے۔ اور وہ بالواسطہ اور بلاواسطہ بت پرستی سے خبردار رہنے کو کہتا ہے(۶۴)۔

شریعت کا لفظ عہدنامہ قدیم میں درج ذیل جگہوں پر استعمال ہوا ہے۔ یہودی مذہب میں شریعت اور قانون کیلئے شرع کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً قربانی الہامی مذاہب میں سے ہر مذہب کا جزو رہی ہے۔ چنانچہ قربانی کے بارے میں بھی شرع کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

❁ ''قربانی کے بارے میں شرع(۶۵)۔''

اس طرح احبار میں ہی لکھا ہے کہ یہودیوں کے لئے ایک ہی قانون ہے۔ یعنی ایک ہی شرع۔ تو اس پر عمل کرنا چاہیے۔

❁ ''ان کے لئے ایک شرع ہے(۶۶)۔''

❁ '' ایک ہی شرع اور او را یک ہی قانون ہو(۶۷)۔''

استثنا میں یہودیت کے پیروکاروں کو شرع، آئین اور فرمانوں پر عمل کی ہمیشگی پر زور ہے

❁ ''اس کی شرع اور آئین اور احکام اور فرمانوں پر سدا عمل کرنا (۶۸)۔''

اللہ کے دیئے ہوائے قوانین اور شریعت پر عمل کرنا رب کی خوشنودی کا حصول ہے چنانچہ لکھا ہے کہ:

''تیری شریعت میری خوشنودی ہے(۶۹)۔'' نیز لکھا ہے کہ:

''میں تیری شریعت پر چلوں گا(۷۰)۔''

قانون کے متعلق ایک جگہ لکھا ہے کہ:

''اس نے اٹل قانون مقرر کر دیا ہے(۷۱)۔''

اور یہ قانون آنے والی نسلوں کیلئے بھی رہے گا

"نسل درنسل دائمی قانون رہے گا(۷۲)۔"

اور خدا کی شریعت پر نا فرمانی کرنے والوں کی قانونی سزا کا ذکر بھی عزرا میں یوں درج ہے:

''اور جو کوئی تیرے خدا کی شریعت پر اور بادشاہ فرمان پر عمل نہ کرے اس کو بلاتوقف قانونی سزا دی جائے (۷۳)۔''

عبادات کی ادائیگی:

عبادات کی ادائیگی میں اجتماعی انداز حضرت ابراہیمؑ کے دور سے شروع ہو چکا تھا۔قبل از خروج ،مصر میں بنی اسرائیل کیلئے نماز کی ادائیگی کا اجتماعی طریقہ بھی تھا اور عبادت خانے بھی تھے جنہیں فرعون نے منہدم کر دیا تھا اس بنا پر یہ حکم ہوا کہ یہ لوگ اپنے گھروں میں نماز ادا کریں اور قبلہ رخ کا خیال کریں قبلہ رخ بیت المقدس تھا یا بیت اللہ ۔دونوں قسم کی روایات ملتی ہیں ۔اگر کعبہ تھا تو نزول تورات کے بعد بیت المقدس بنا دیا گیا ۔اس دور میں اجتماعی قربانی کا بھی پتہ چلتا ہے ۔اس کی ادائیگی میں بھی فرعون رکاوٹ ڈالتا تھا ۔غالباً اسی دور میں قتل کا واقعہ پیش آیا۔جس کا قاتل معلوم کرنے کے لئے حضرت موسیٰ نے قوم کو حکم دیا کہ گائے ذبح کریں(۷۴)۔

مصر سے خروج کے بعد بنی اسرائیل فرعون کی غلامی سے آزاد ہو چکے تھے ۔اب حضرت موسیٰؑ مذہبی امور کے علاوہ دنیوی معاملات میں بھی ان کے سربراہ تھے آپکے بھائی ہارونؑ بھی نبی اور آپکے معاون کار تھے ۔بنو اسرائیل لاکھوں کی تعداد میں تھے ۔جنہوں نے مصر کے متمدن معاشرے میں زندگی گزاری تھی ۔اب انہیں اپنے لئے آئین وقوانین کی ضرورت تھی ۔چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے ارشاد خداوندی کے مطابق کوہ طور پر چالیس راتیں گزاریں ۔پھر انہیں تورات کے نام سے شریعت عطا کی گئی پتھر کی سلوں پر اس کی تحریر من جانب اللہ تھی یا حضرت موسیٰ نے خود ان ہدایات کو تحریر کیا تھا(۷۵)۔
دونوں قسم کی روایات ملتی ہیں ۔نیز الواح کے ٹوٹنے کے بعد متبادل تختیاں عطا کی گئی ۔تورات احکام وقوانین کا ایک تفصیلی مجموعہ تھا۔جس کے مفصل ہونے کا ذکر قرآن میں بھی موجود ہے(۷۶)۔
موسیٰؑ پر نازل شدہ تورات کے احکامات کی یہ تفصیل آج بھی بائبل میں موجود ہے ۔یعنی بائبل کے مختلف اجزا مثلاً خروج ،احبار اور استثناء میں ان کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے ۔یہ قوانین زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہیں ان شعبوں کا مختصر تعارف درج ذیل ہے۔

☆ عبادات میں پہلا نمبر نماز کا ہے ۔جو کہ ہر مذہب کا جز ہے بنو اسرائیل مصر میں نماز ادا کرتے تھے

☆دوسرے نمبر پر روزہ ہے جوخصوصی اہمیت کا حامل ہے(۷۷)۔

☆زکوۃ کو دہ یکی کہاجا تا ہے جو کہ زمین کی پیداوار کا دسواں حصہ ہے۔اسی طرح درختوں کے پھلوں اور جانوروں پر بھی وصول کی جاتی ہے۔نقدی کی صورت میں آدھا مثقال دینا واجب ہے(۷۸)۔

تورات کے نزول کے وقت بنو اسرائیل صحرائے سیناء میں مقیم تھے جہاں ان کی دولت کھیت اور غلہ وغیرہ تھے اس لئے ان کا تذکرہ بھی زیادہ ہے جبکہ نقدی اور سکے وغیرہ اس جگہ کم تھے اس لئے ان کا ذکر برائے نام ہے۔نیز اس کے مصارف اور مقدار کی تفصیل بھی کم ہے بعض اسلامی روایات میں ہے کہ یہود پر پچاس نمازیں فرض تھیں۔ربع مال کی زکوۃ تھی اور نجاست والے کپڑے کا دھونا فرض تھا(۷۹)۔

ماکولات

یہ ایک وسیع باب ہے جس میں جانوروں کی حلت وحرمت پر بحث ہے۔اس میں چوپائے،پرندے،رینگنے والے جانور اور بحری جانوروں کے متعلق خاصی وضاحت ہے یعنی بیس کے قریب حلال جانوروں کا ذکر نام کے ساتھ موجود ہے اسی طرح دس بحری جانوروں کے ذکر کے علاوہ کچھ اصول بھی بتلائے گئے ہیں۔مثلاً جن کے پاؤں چیرے ہوئے ہوں اور وہ جگالی کرتے ہوں،حلال ہیں۔حرام جانوروں میں سے مردار،سور،درندے کے پھاڑے ہوئے،بتوں کے نام پر مذبوح جانور اور خون وغیرہ۔بحری جانوروں میں سے پر والے اور چھلکے والے حلال ہیں(۸۰)۔

مناکحات

نکاح کے محرمات میں تقریباً قرآن والی فہرست ہے،اس طرح زنا کی حرمت،ہم جنسی جانوروں سے بدکاری کی حرمت بھی تفصیلی انداز میں موجود ہے۔تاہم رضاعی رشتوں کی حرمت کا ذکر نہیں،جو کہ قرآن میں موجود ہے۔اسی طرح مشترکہ عورت سے نکاح کی حرمت اور بہت سی بیویوں کی ممانعت بھی ہے دیگر احکام مثلاً پاک دامن پر تہمت لگانا لعان کرنا ،مہر ادا کرنا بھی موجود ہیں(۸۱)۔

مالی معاملات:

اس میں بھی متعدد قسم کے احکام موجود ہیں۔مثلاً سود کی حرمت وزن اور پیائش میں راستی مزدور کی مزدوری غروب آفتاب سے قبل دینا گمشدہ چیز بھائی کو واپس کرنا (۸۲)۔

تورات کی یہ تعلیمات اسلام سے ملتی جلتی ہیں تاہم وراثت سے متعلقہ احکام کی تفصیل نہیں ملتی۔

احکام سلطانیہ:

نزول تورات کے زمانے میں جمہوریت تو کہیں بھی نہ تھی ۔امور سلطنت کی انجام دہی کے لئے بادشاہت ہوتی تھی ۔جو کہ موروثی چیز ہے۔جبکہ موسیٰ بحیثیت نبی ہونے کے ان کے مذہبی راہنما تھے اور دنیوی سیاست بھی انہیں حاصل تھی ۔اس سلسلے میں تورات کی ہدایات یہ ہیں:

''اپنے بھائیوں میں سے کسی کو بادشاہ بنانا اور پردیسی کو جو کہ تیرا بھائی نہیں اپنے اوپر حاکم نہ بنانا(۸۳)۔''

جنگ وجہاد کے احکام بھی ہیں۔مثلاً کسی شہر سے جنگ کرنے پہنچو تو صلح کا پیغام دینا،اگر وہ صلح کریں تو سب باشندے تیرے باج گزار بن کر تیری خدمت کریں ۔اگر صلح نہ کریں تو اس کا محاصرہ کرنا اور قبضہ کرکے ہر مرد کو تلوار سے قتل کرنا عورتوں بچوں اور جانوروں کو اپنے لئے رکھ لینا (۸۴)۔اس عبارت میں پانچ احکام کا ثبوت ملتا ہے۔

۱۔ جہاد ۲۔ صلح، ۳۔ جزیہ ۴۔ غلام بنانا ۵۔ قتل کرنا۔

قتل کا یہ حکم اسلامی شریعت سے زیادہ سخت ہے البتہ درختوں کے متعلق حکم ہے۔

''دشمن کے شہر کے محاصرے کے وقت درخت نہ کاٹنا(۸۵)۔''

تعزیرات:

اس عنوان پر بھی خاصی تفصیل موجود ہے مثلاً قتل کا بدلہ قتل،اعضا میں قصاص،حمل کا اگر اسقاط ہو جائے تو شوہر کی مرضی کے مطابق جرمانہ ادا کرے(۸۶)۔قتل خطا کی صورت میں قاتل واجب القتل نہیں ۔غلام یا لونڈی کی آنکھ پھوڑنے پر اس کو آزادی دے دی جائے(۸۷)۔

''اگر چوپایہ کسی کو ٹکر وغیرہ مار دے تو اس کے تفصیلی احکامات ہیں۔جادوگرنی کو قتل کردیا جائے(۸۸)۔''

مرتد اور مدعی نبوت کی سزا کا یوں ذکر کیا گیا ہے:

''مرتد کو قتل کردیا جائے مدعی نبوت کو قتل کیا جائے(۸۹)۔''

زانی کو جرم کی سزا ملے گی چنانچہ لکھا ہے کہ:

''زانی کو سنگسار کیا جائے،تہمت لگانے کی صورت میں لڑکی کے باپ کو سو مثقال جرمانہ دے(۹۰)۔''

اس طرح مختلف خطاؤں پر مالی سزائیں یعنی کفارہ ۔نیز آزاد اور غلام کی سزاؤں میں امتیاز بھی رکھا گیا ہے(۹۱)۔اس بحث سے معلوم ہوا کہ یہودی (موسوی) شریعت ایک مفصل شریعت تھی۔جس میں ہر باب سے متعلق تفصیلی احکامات،اصول و ضوابط اور بعض مسائل کی جزئیات تک موجود تھیں

قربانی:

تورات میں جانوروں کی قربانی بالخصوص پہلوٹھے جانور کی قربانی پر زور دیا گیا۔بعض اوقات تو دو دو قربانیاں دینی

پڑتی ۔لیکن نیت کے اعتبار سے اس کی دو قسمیں ہیں ایک خطاؤں سے معافی حاصل کرنے کے لئے بطور کفارہ اور دوسری اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے بطور عبادت ۔پھر ادائیگی کے اعتبار سے بھی دو قسمیں ہیں ایک تو سوختنی قربانی جس میں گوشت کو جلا دیا جاتا اور دوسرے ذبحی قربانی ۔

☆یہودی شریعت ایک تو ساڑھے تین ہزار سال قدیم ہے اس اعتبار سے اس دور کی حضری زندگی موجودہ دور کی بدوی زندگی سے بھی پیچھے ٹھہرتی ہے ۔دوسرے اس شریعت کا تعلق ان لوگوں کے ساتھ تھا جو صحرائے سیناء میں مقیم تھے ۔ جہاں کی ضروریات زندگی نہایت محدود تھیں اس بنا پر شریعت "کھیت جانور، لڑائی جھگڑا، غلام اور شادی کے مسائل کے اردگرد گھومتی ہے ۔جو کہ بدوی زندگی کا خاصہ ہے ۔

حضرت موسیٰؑ کے حالات چار حصوں یعنی خروج ،احبار، گنتی اور استثناء میں مذکور ہیں ۔ پہاڑ پر الواح کی شکل میں جو شریعت عطا ہوئی وہ خروج میں مذکور ہے ۔اور نسبتاً اصولی احکام پر مشتمل ہے ۔نکاح وغیرہ کے احکام جزئیات پر مشتمل ہیں اور احبار میں مذکور ہیں ۔نبوت کے چالیس برس بعد کے مسائل و احکام ،جبکہ موسیٰؑ سیناء سے اردن چلے گئے تھے،استثناء میں درج ہیں اس طرح مجموعی طور پر اس شریعت میں تدریج ہے اور مسائل کے بیان میں تکرار بھی ہے ۔

یہودیت میں مقاصد شریعت:

بنیادی طور پر ہر مذہب مقاصد شریعت رکھتا ہے اسی مقصد کیلئے اللہ نے یہود میں یکے بعد دیگرے لوگوں کی اصلاح کے لئے انبیاء ورسل بھیجے اور موسیٰؑ پر تورات نازل کی اس کا ذکر ہمیں قرآن میں بھی ملتا ہے ۔اور یہودی قوم بھی اس پر متفق ہے کہ اللہ نے موسیٰ کو کتاب سے نوازا ۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت اور تورات کے نزول کے مقاصد بیان کرتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَ جَعَلْنٰهُ هُدًی لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴾(۹۲) ۔

ترجمہ: ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، اور اسے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنایا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موسی کو جو شریعت دی گئی اور آپ کو شریعت دینے کا مقصد عظیم بنی اسرائیل کی ہدایت تھا تا کہ لوگ خیرو فلاح کے راستے پر چل کر خدا کے حضور اسکی رضا اور کامیابی حاصل کریں ۔اسی میں انسانیت کی خیرو بہبود ہے اسی مقصد کی ترغیب موسیٰؑ ،داؤد اور دیگر انبیاء بنی اسرائیل نے دی، اسی راستے پر چل کر ہی آج بھی موجودہ یہودی نفع پا سکتے ہیں اسی کی یہودیوں کو تاکید کی گئی تھی ۔کہ ایک خدا کو مانتے ہوئے اس کے انبیاء کی پیروی کریں یہی یہودی شریعت کا مقصد خاص تھا تا کہ اصلاح معاشرہ ہو اور معاشرہ میں عدل کا قیام ہو اور یہ امن کا گہوارہ بن جائے ۔

مبحث دوم: عیسائیت کا قانونِ شریعت ٗضرورت ومقاصد

تمام الہامی مذاہب قانون شریعت رکھتے ہیں اس کا ثبوت ہمیں ان کی کتب سے ملتا ہے بالکل اسی طرح الہامی مذاہب میں سے ایک مذہب عیسوی میں بھی ہمیں ،شریعت اور اسکی کی ضرورت پر عہد نامہ جدید سے حوالے ملتے ہے۔خداوند نے شریعت پر پورا پورا عمل کیا اور اپنے لوگوں کی جگہ شریعت کی عدولی کی سزا اپنے اوپر اٹھالی۔شریعت کے متعلق موجودہ کتاب مقدس کا عہدنامہ جدید کیا کہتا ہے۔لوقا میں لکھا ہے کہ:

''شریعت کے دستور پر عمل کریں(۹۳)۔''

نیز لوقا ہی میں لکھا ہے کہ:

''جب وہ خداوند کی شریعت کے مطابق سب کر چکےتو (۹۴)۔''

یوحنا کے پہلے خط میں لکھا ہے کہ:

''وہ شرع کی مخالفت کرتا ہے گناہ شرع کی مخالفت ہے(۹۵)۔''

کتاب مقدس میں شریعت پر با قاعدہ عمل کا حکم ہے۔جیسا کہ اعمال میں ہے: ''شریعت پر عمل کرنے کا حکم دینا(۹۶)۔''

چونکہ شریعت پر عمل نہ کرنے والا گنا ہگار ہوتا ہے جب وہ شریعت کی نافرمانی کرتا ہے۔جہاں قانون ہوگا وہی شریعت ہوگی چنانچہ لکھا ہے: ''جہاں شریعت نہیں وہاں عدول حکمی بھی نہیں(۹۷)۔''

شریعت کوئی گناہ نہیں بلکہ رومیوں میں واضح طور پر لکھا ہے کہ: ''پس شریعت پاک ہے(۹۸)۔''

رومیوں میں ہی لکھا ہے کہ شریعت پر عمل نہ کرنے کی وجہ میرے اندر کے گناہ ہیں چنانچہ لکھا ہے کہ:

''ہم جانتے ہیں کہ شریعت تو روحانی ہے۔۔۔مانتا ہوں کہ شریعت خوب ہے پس اس صورت میں اس کے کرنے والا میں نہیں رہا بلکہ گناہ ہے جو مجھ میں بسا ہوا ہے(۹۹)۔''

پولس رسول رومیوں کے خط میں ہی خدا کی شریعت کی پسندیدگی کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''باطنی انسانیت کی رو سے تو میں خدا کی شریعت کو بہت پسند کرتا ہوں(۱۰۰)۔''

عیسوی مذہب ہمیں کیا قانون شریعت مختلف معاملات میں فراہم کرتی ہے اس کی مختصر اور جامع تفصیل یہ ہے

عیسوی شریعت قرآن اور کتاب مقدس کی روشنی میں:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام آج سے تقریباً دو ہزار سال قبل فلسطین کے علاقے بیت الحم میں پیدا ہوئے۔یروشلم، گلیلی اور ناصرہ کے علاقے میں تبلیغ کی۔تقریباً ۳۳ سال کی عمر میں اس دنیا سے اٹھالئے گئے۔حضرت یحییٰؑ کی تبلیغ سے متصلاً بعد آپ نے اپنے مشن کا آغاز کیا۔آپ پر نازل شدہ کتاب انجیل کا ذکر قرآن میں متعدد مقامات پر ہے۔قرآن کے مطابق حضرت نوح، ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کی طرح آپ بھی صاحب شریعت نبی ہیں(۱۰۱)۔

عیسی علیہ السلام کلی طور پر نبی اور مستقل شریعت کے حامل نہیں بلکہ سابقہ شریعت کے پیروکار ہیں ۔جس میں آپ نے جزوی ترمیم کی ہے ۔اس طرح آپ کو دو حیثیتیں سامنے آتی ہیں اور موجودہ بائیبل سے بھی اسی مفہوم کی تائید ہوتی ہے ۔مثلاً موسوی شریعت میں قربانی اور سبت کی انتہائی اہمیت تھی ۔مگر آپ نے دونوں کی یہ حیثیت ختم کر دی ۔جیسا عیسی علیہ السلام کے حالات میں درج ہے کہ:

''بالیاں توڑ کر کھانے پر اعتراض ہوا کہ آپ سبت کا احترام نہیں کرتے ۔تو آپ نے جواب دیا کیا تم نے توراۃ میں نہیں پڑھا کاہن سبت کے دن ہیکل میں سبت کی بے حرمتی کرتے ہیں ۔اور بے قصور رہتے ہیں ۔لیکن اگر تم اس کی معنی جانتے تو بے قصوروں کو قصوروار نہ ٹھہراتے'' کیونکہ ابن آدم سبت کا مالک ہے ۔پھر آپ نے مزید کہا میں قربانی کو نہیں بلکہ رحم کو پسند کرتا ہوں(۱۰۲)۔''

اس طرح آپ نے عبادات کے باب میں دو ترمیم کر دیں ۔یہ دونوں ترامیم محمدی شریعت کے ساتھ مطابقت رکھتی ہیں ۔طلاق وزنا کے متعلق آپ کے ارشادات ملتے ہیں(۱۰۳)اسی طرح توراۃ میں مذکور تھا:

''بالکل قسم نہ کھانا ۔آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت ،لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا ، بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے ،دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے(۱۰۴)۔''

ان عبارتوں سے تین ترامیم سامنے آتی ہیں ۔طلاق کی مکمل ممانعت ،قسم کھانے کی ممانعت اور بدلہ لینے کی مخالفت ،مگر مجموعی طور پر دیکھیں تو آپ نے موسوی شریعت پر ہی عمل کیا ۔نیز آپ نے کہا کہ میں توراۃ کی تنسیخ کرنے آیا ہوں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں(۱۰۵)۔''

اسی طرح ایک موقعہ پر یسوع نے کوڑی کو تندرست کیا ۔اور کہا:

''جو نذر موسی نے مقرر کی ہے اسے گزار وتا کہ ان کیلئے گواہی ہو(۱۰۶)۔''

اس سے معلوم ہوا کہ آپ موسوی شریعت پر عامل تھے اور اس کی تبلیغ بھی کرتے تھے ۔نیز اگر آپ کے پاس مستقل شریعت ہوتی تو اس کی تفصیلات وکلیات بھی ہوتے مگر ان میں سے کچھ بھی دستیاب نہیں ۔حضرت عیسیٰ کے حالات میں درج ہے کہ آپ کی تدفین ہوئی خوشبودار چیزوں کے ساتھ ،جس طرح کہ یہودیوں میں دفن کرنے کا اصول ہے(۱۰۷)۔

صلیب کے موقع پر حضرت عیسی علیہ السلام کے حواری موجود تھے اگر وہ چاہتے تو آپ کی تدفین یہودی طریقہ کی بجائے آپ کے طریقہ پر کرتے ۔خلاصہ کلام یہ کہ چند جزوی ترامیم کے علاوہ مجموعی طور پر آپ موسوی شریعت پر ہی عامل تھے ۔حضرت عیسی علیہ السلام کے پاس تفصیلی شریعت نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا تبلیغی دور محض تین سال پر مشتمل تھا ۔اس قدر قلیل عرصے میں اصلاح عقائد اور تزکیہ نفس پر ہی زور دیا جاتا ہے ۔شریعت کا نفاذ ممکن نہیں ہوتا ۔کیونکہ یہ اگلی منزل ہوتی ہے ۔جیسا کہ حضور ﷺ کے مکی دور سے واضح ہے کہ آپ نے شریعت کا اعلان یا نفاذ مکہ میں نہیں کیا ۔ایک وجہ یہ کہ آپ کے اصحاب کی تعداد نہایت کم تھی ۔رومی حاکم تھے ،جس میں یہود کا بھرپور اثر ورسوخ تھا اور وہ آپ

کے شدید مخالف تھے۔تیسری وجہ یہ کہ حضرت عیسی علیہ السلام کا انداز بیان اس قدر اشارتی تھا کہ بغیر تمثیل کے ان سے کچھ نہ کہتے (۱۰۸)۔یہ انداز بیاں تبلیغ کیلئے تو بوجہ مجبوری کام دے سکتا ہے۔کیونکہ آپ کمزور تھے اور دشمنوں میں گھرے ہوئے تھے۔مگر یہ انداز شریعت کیلئے موزوں نہیں۔کیونکہ اس کیلئے واضح بیان،ٹھوس انداز اور قطعی الفاظ کی ضرورت ہوتی ہے۔

عیسوی مذہب کی خصوصیات:

موسوی شریعت کے برعکس حضرت عیسی علیہ السلام کی تعلیمات میں ظاہر کی بجائے باطن اور شریعت کی بجائے تزکیہ نفس پر زیادہ زور ہے۔جس کی واضح مثال آپ کا مشہور پہاڑی وعظ ہے جس کے اہم نکات یہ ہیں۔صبر،حلم،راستباز،صلح جوئی،دل کی پاکی،دشمن سے رواداری،غریبوں مریضوں سے ہمدردی ومحبت،توکل،خدا سے معافی مانگنا،عیب جوئی کی ممانعت،ریاکاری اور مال جمع کرنے کی مذمت۔آپ نے انہی صفات کی حامل لوگوں کو آسمانی بادشاہت،میں داخلہ کی بشارت سنائی۔انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ شدید ترین جرائم میں بھی آپ کو معافی کا اختیار تھا (۱۰۹)۔

رسمی شریعت:

اس کے متعلق یہ جاننا نہایت اہم ہے کہ یہ اپنی خاصیت میں راہ فضل کی نمائندگی کرتی ہے۔اس کا یہی مقصد ومدعا تھا لیکن توریت میں اس نے شریعت کی صورت اختیار کرلی۔باغ عدن میں انسان نے اخلاقی شریعت کو توڑا اور اس وقت سے لے کر وہ اپنی فطرت اور عمل دونوں کے لحاظ سے گنہگار ہے۔خدا نے ابتداء ہی سے وہ راستہ ظاہر کیا جس کے باعث انسان کو رفاقت مل سکتی ہے۔خدا نے باغ عدن میں بھی جانوروں کی قربانی کی۔نیز ہم دیکھتے ہیں کہ ہابل کے برہ کی قربانی مقبول ہوئی لیکن قائن کی اجناس کی قربانی رد کی گئی۔پھر ہم نوح اور کشتی کے سلسلے میں دیکھتے ہیں کہ وہ شریعت کی عدالت کے فضل سے بچایا گیا۔ ''ابرہام خدا پر ایمان لایا اور یہ اس کے لئے راست بازی گنا گیا (۱۱۰)۔''

داؤد اس بھید سے پوری طرح آگاہ تھا۔وہ کہتا ہے:

''مبارک وہ ہیں جن کی بدکاریاں معاف ہوئیں اور جن کے گناہ ڈھانپے گئے۔مبارک وہ شخص ہے جس کے گناہ خداوند محسوب نہ کرے گا (۱۱۱)۔''

ابرہام اور داؤد کے درمیانی عرصے میں ہی موسوی رسمی شریعت دی گئی لیکن اس کا اصل مقصد فضل کی راہ کی تعلیم تھا۔چنانچہ خیمہ اجتماع اور ہیکل کی متعدد پابندیوں کے وسیلے سے یہ سبق ذہن نشین کرانا تھا کہ گناہگار خدا کے حضور کسی طرح بھی داخل نہیں ہوسکتے۔توبہ کرنے والے اور تابع فرمان ہونے والے کے لئے کفارہ کے خون اور طہارت کے وسیلے سے خدا تک رسائی کا ایک راستہ ہے۔لیکن یہ تصویری زبان اور علامتوں سے سکھائی گئیں اور اس کے ساتھ شریعت کے روپ میں ایک مفصل ضابطہ قوانین دیا گیا۔درحقیقت رسمی شریعت نے ایک توبہ کرنے والے گناہگار اور اس کے قربانی کے برہ میں اختصار فضل کا راستہ محفوظ کیا۔ ''تب مسیح آئے وہ شریعت کے ماتحت

پیدا ہوا(۱۱۲)۔

حضرت عیسیٰ نے خود اس پر عمل کیا۔مسیحیوں کے لئے رسمی شریعت کے بہت سے فائدے ہیں ۔رسمی شریعت حتمی اور مکمل ہے ۔اس سے صرف فضل کا سبق سکھانا مقصود تھا۔۔یعقوب رسول کہتے ہیں ''جس نے ساری شریعت پر عمل کیا اور ایک ہی بات میں خطا کی وہ سب باتوں میں قصوروار ٹھہرا(۱۱۳)۔

بالفاظ دیگر شریعت کے ٹوٹنے کے لئے ایک ہی گناہ کافی ہے ۔نتیجے کے طور پر مجرم سزا کا حق دار ٹھہرتا ہے۔

عیسائیت کے مقاصد شریعت :

عیسائی مذہب کا قانون شریعت بھی ہدایت واصلاح کے اہم مقاصد رکھتا ہے اس مقصد کے لئے اللہ نے ان میں حضرت عیسیٰؑ کو مبعوث فرمایا جنہوں نے ان کو اللہ کے احکام بتلائے ۔انسانی معاملات میں ہمیں بڑی باریک بینی سے شریعت اور فضل او رعدل اور رحم میں امتیاز کرنا چاہیے ۔شریعت عیسوی کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ توحید کی طرف دعوت دی جائے اور اچھے راستے کی طرف بلایا جائے نیکی کی ترغیب کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ بیحد ضروری ہے جزا سزا کے عقیدے کا اس بات سے گہرا تعلق ہے۔ذمہ دار انسان معاشرے کی فلاح و بہبود بہترین طریق پر کرسکتا ہے آمد عیسیٰؑ کا اور ان کی شریعت کا بنیادی مقصد غلط عقائد جو معاشرے میں رواج پا گئے تھے ان کی اصلاح اور مخلوق خدا سے اخلاق سے پیش آنا تھا(۱۱۴)۔

مبحث سوم: اسلام کا قانون شریعت ضرورت و مقاصد

اسلام کا قانون شریعت:

شریعت(path way) شرع ،شراع ،شرعہ،مشرعۃ اور شروع) عربی زبان کا اسم مصدر ہے جسکے لفظی معنی ہیں گھاٹ، پنگھٹ ،وہ جگہ جہاں آسانی سے پانی پینے کے لئے پہنچا جا سکے،دریا اور سمندر کے کنارے ایسی جگہ جہاں جانور پانی پینے کیلئے آسکیں۔؛دہلیز،چوکھٹ،عادت بیان اظہار اور وضاحت(۱۱۵)۔

قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا﴾ (۱۱۶)۔

ترجمہ: اور ہر ایک کے دوسرے پر درجے بلند کیے تاکہ ایک دوسرے سے خدمت لیں۔

شریعت دین کا راستہ ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا﴾ (۱۱۷)۔

ترجمہ: تمہیں دین کے کھلے راستے پر قائم کردیا تو اسی راستے پر چلو۔

ابن عباس کا قول ہے کہ شرعۃ وہ راستہ ہے جسے قرآن نے بیان کر دیا اور منہاج وہ ہے جسے سنت نے بیان کر دیا ہے۔شریعت کو شریعت اس لئے بھی کہا جاتا ہے کہ اس کی صحیح حقیقت مطلع ہونے سے سیرابی اور طہارت حاصل ہوتی ہے۔سیرابی سے مراد معرفت الٰہی کا حصول ہے(۱۱۸)۔

الغرض شریعہ سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ تمام احکام ہیں جو انسان کے اختیاری اعمال سے متعلق ہیں۔ان میں سے ان احکام کو جن کا تعلق اخلاقیات سے ہے ایک علیحدہ صنف قرار دیں تو انہیں آداب کہتے ہیں(۱۱۹)۔

اسلامی شریعت کی بنیاد وحی الٰہی پر ہے۔اسی وجہ سے یہ شریعت ہر لحاظ سے مکمل ہے۔اسلامی شریعت میں انفرادی مصالح اور مفادات کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہے۔"ضرورت" کا بھی خیال رکھا گیا ہے۔ضرورت کا مفہوم یہ ہے کہ کسی انسان کو کسی ایسے خطرے یا شدید مشقت کی صورت میں پیش آجائے جس سے اس کے جان و مال یا کسی حصہ جسم کو سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔یا کسی ایسے حادثے یا صدمے کا ڈر ہو جس سے اس کی عقلی و ذہنی قوت و استعداد کو نقصان پہنچے۔قرآن مجید میں مندرجہ ذیل احکام کو اجمالی طور پر بیان کیا گیا ہے:

۱۔احکام عقائد(توحید اور علم کلام)۔ ۲۔احکام عبادات(نماز،روزہ،حج اور زکوٰۃ وغیرہ)۔

۳۔احکام اخلاق و آداب۔ ۴۔احکام ازواج و طلاق۔نان نفقہ وغیرہ۔

۵۔احکام تجارت(خرید و فروخت،شراکت وغیرہ)۔ ۶۔احکام قصاص(قتل وغیرہ کے احکام و تعزیرات)

۷۔احکام حرب و صلح۔جنگ وغیرہ کے احکام۔ ۸۔حقوق اور واجبات اور شوریٰ وغیرہ کے احکام۔

۹۔احکام وراثت(۱۲۰)۔

سورۃ المائدہ میں ہے:﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا﴾(۱۲۱)۔

ترجمہ: ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور طریق بنا دیا ہے۔

محمدی شریعت کی ضرورت:

یہ امر غور طلب ہے کہ ایک مفصل قانون یعنی موسوی شریعت کے ہوتے ہوئے کسی نئی شریعت کے نزول کی کیا ضرورت تھی۔موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں سینکڑوں نبی آئے۔انہوں نے اسی شریعت پر عمل کیا اور اپنی قوم کو بھی اسی کی تلقین کی۔حتیٰ کہ اسی سلسلے کی آخری کڑی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی کے اجراء کا اعلان کیا۔

تقریباً دو ہزار سال تک نافذ رہنے کے بعد پھر کیوں اس شریعت کو منسوخ کیا گیا؟

اس اشکال کے متعدد جواب ہیں:

ا۔تحریف وتبدل:

دوہزار سال کا عرصہ بہت طویل ہوتا ہے ۔اس مدت میں بیسیوں نسلیں پیدا ہوتی ہیں اور گزر جاتی ہیں ۔متعدد اقوام عروج وزوال کے مرحلوں سے گزرتی ہیں ۔کئی اقوام کا نام ونشان تک مٹ جاتا ہے ۔بچ جانے والی اقوام کی زبان تہذیب رسم ورواج بدل جاتے ہیں ۔تہذیبیں بوڑھی ہوجاتی ہیں اور حقائق مسخ ہوجاتے ہیں ۔جس طرح خستہ دیواروں اور پرانی عمارتوں کی اصلاح ومرمت کی بجائے زیادہ بہتر یہ ہوتا ہے ۔کہ ان کو گرا کر نئی عمارت بنا دی جائے ،اسی طرح پرانی شریعت میں جزوی یا کلی تبدیلی کی بجائے نئی شریعت کا نزول ہی بہتر تھا ۔اس کی مزید تشریح یہ ہے ۔کہ موسوی شریعت تحریف وتبدل کا شکار ہونے کی وجہ سے اپنی اصلیت کھو بیٹھی تھی ۔یہ تحریف ایک تو شعوری تھی کہ خود یہودی علماء نے مختلف مقاصد مثلاً فرقہ وارانہ نظریاتی حمایت ،رشوت خوری ،سہو وغفلت اور بڑوں کی رعایت کیلئے احکامات تبدیلی کیے ۔جیسا کہ قرآن کا بیان ہے :

﴿یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ﴾ (۱۲۲)۔

ترجمہ:وہ کلمات کو اپنی جگہوں سے تبدیل کرتے ہیں ۔

دوسری وجہ غیر تھی کہ یہودی قوم کئی مرتبہ تباہی وبربادی کا شکار ہوئی ۔جن میں سے دو حوادث بہت شدید تھے ۔تقریباً ۶۰۰ قبل مسیح میں عراقی بادشاہ بخت نصر کے حملے سے یہودی قوم اور مذہب کو شدید نقصان پہنچا ۔تورات تباہ ہوگئی ۔پھر شاہ روم طیطس نے ۷۰ قبل از مسیح بیت المقدس پر حملہ کیا ۔ہیکل کو تباہ کیا ۔تورات کے نسخوں کو جلا دیا ۔اس طرح تورات متعدد مرتبہ تباہی سے دوچار ہوئی ۔جس کی وجہ سے اس کا استناد اور تواتر ختم ہوگیا ۔بنی اسرائیل ایک چہیتی اور لاڈلی قوم تھی ۔لاڈلی بننے کی وجہ یہ تھی کہ اس قوم میں توحید کا تصور موجود تھا ۔جبکہ دیگر اقوام شرک کے اندر غرق تھیں گو بنی اسرائیل کا تصور توحید بھی دیگر اقوام کے اختلاط کی وجہ سے دھندلا ہو چکا تھا ۔مگر بہر حال موجود تھا ۔دوسری وجہ یہ کہ نبی زادے ہونے کی وجہ سے یہ لوگ احساس برتری میں مبتلا تھے ۔اخروی عذاب سے بچ جانے کے مدعی تھے (۱۲۳)۔

☆۔ آفاقی دین کی ضرورت:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے متصل حالات تیزی سے تغیر پذیر ہو رہے تھے ۔سیاسی اتحاد اور جغرافیائی وسعتیں پیدا ہو رہی تھیں ۔چھوٹی اور مقامی حکومتوں کی بجائے وسیع حکومتیں قائم ہو رہی تھیں ۔مثلاً ذوالقرنین نے براعظم ایشیاء یورپ اور افریقہ یعنی تینوں براعظموں پر مشتمل حکومت قائم کر لی تھی ۔بعد ازاں سکندر اعظم بھی اسی طرح وسیع وعریض علاقے پر چھا گیا تھا ۔حضرت عیسیٰؑ کے بعد آپ کا مذہب ملک شام ،روم ،یونان اور مصر تک تیزی سے پھیلا ۔اسی طرح عرب کے ذریعے چین اور ہندوستان کے تجارتی روابط یورپ سے قائم ہوگئے تھے ۔گویا اب حالات خود اس بات کا تقاضا کر رہے تھے ۔کہ ایسا آسمانی مذہب آئے جو ان سیاسی ،جغرافیائی اور تجارتی وسعتوں کی طرح تمام علاقوں پر پھیل جائے ۔اور آفاقی مذہب ہے ۔اس

مقصد کیلئے عیسوی مذہب وشریعت موزوں نہ تھی کیونکہ دیگر اقوام سے اختلاط کے باعث ان کے نظریات بگڑ گئے تھے اور اپنی حقیقت واصلیت کھو بیٹھے تھے۔اس طرح یہودی مذہب بھی غیر تبلیغی ہونے کی وجہ سے اس کا اہل نہ تھا۔نیز اس مذہب میں طبقاتی نظام ہے۔یعنی مذہبی رسومات کی ادائیگی کیلئے مخصوص افراد کی سیادت ہے۔علم یا تقوی کسی استحقاق کی بنیاد نہیں بلکہ مخصوص خاندان کو تحقق وتفوق حاصل ہے اس طرح بنو اسرائیل میں بھی عملی طور پر ہندو مذہب والا ذات پات کا نظام ہے کہ اس میں تو چار درجے نہیں اور برہمن کو تفوق ہے۔مگر بنو اسرائیل میں تین درجے ہیں۔

☆ بنو لاوی، یعنی ہارون کی اولاد ☆ عام اسرائیل ☆ دیگر لوگ

اس قسم کی قوم دیگر اقوام سے میل ملاپ کو نا پسند کرتی ہے اور آفاقی بننے کی اہلیت نہیں رکھتی۔

۴۔ جدید حالات کے ناموافق: موسوی شریعت میں بعض قوانین تھے جو موجودہ حالات کا ساتھ نہیں دے سکتے تھے۔مثلاً سبت کے دن کام کرنے کی شدید ممانعت ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ تمام دن کیلئے دنیوی کاروبار بند کر دیا جائے۔اس طرح قربانی اور مختلف جرائم کے کفاروں میں جانور ذبح کرنے کا حکم ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بعض مسائل میں ترمیم کی۔مثلاً طلاق کی ممانعت کی مگر معاملہ سلجھنے کی بجائے افراط وتفریط کا شکار رہا۔جس کا اندازہ موجودہ دور میں طلاق کی اونچی شرح سے ہوسکتا ہے۔اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دشمن کے مقابلے میں انتہائی تحمل و رواداری کی تعلیم دی تھی۔مگر عیسائیوں نے اپنے مجموعی کردار سے ثابت کر دیا کہ یہ تعلیمات نا قابل عمل ہیں۔جیسا کہ صلیبی جنگوں میں انہوں نے مظاہرہ کیا۔

۵۔ یہود کی اصل زبان عبرانی تھی اور تورات بھی عبرانی زبان میں تھی۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ عبرانی زبان ختم ہوگئی اور اس کی جگہ آرامی زبان نے لے لی۔اب یہودی کتب کے نسخے اصل زبان کی بجائے آرامی اور یونانی زبانوں میں دستیاب ہیں۔شریعت اور قانون میں حرفیت پسندی اور ظاہریت کی خاصی اہمیت ہوتی ہے۔اگر کسی عبارت کا ترجمہ دوسری زبان میں کیا جائے تو پہلی زبان کی اصلیت اور حقیقت گم ہو جاتی ہے۔کیونکہ اصل زبان کے تمام مفاہیم اور تقاضے دوسری زبان میں منتقل نہیں ہوسکتے۔اس طرح آسمانی شریعت کی روح ختم ہوگئی (۱۲۴)۔

اسلامی شریعت کی بنیاد

اسلامی شریعت کی بنیاد واساس وحی الٰہی پر ہے۔اس وجہ سے یہ شریعت ہر لحاظ سے کامل ومکمل ہے۔اسی طرح قانون شریعت بھی ہر لحاظ سے افضل واحسن اور کامل ومکمل ہے۔اسلامی شریعت میں انفرادی مصالح اور مفادات کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہے۔انسانوں کے وضع کردہ قوانین ہنگامی حالات اور وقتی ضروریات کے پیش نظر بنائے جاتے ہیں' اس لئے حالات میں تبدیلی آنے سے ان میں خامیاں اور نقائص نمودار ہو جاتے ہیں' لیکن خالق کائنات کے مقرر کردہ قوانین اس قسم کے عیوب ونقائص سے پاک اور مبرا ہیں۔شرعی قوانین عدل ورحمت اور مصلحت وحکمت کے حامل ہیں اور مرور زمانہ اور تبدیلی حالات سے ان میں کوئی

فرق رونما نہیں ہونے پاتا۔ دنیوی اور اخروی مصالح کے پیش نظر اسلامی شریعت میں سہولت اور آسانی کا پہلو بھی ہے۔

اسلامی قانون شریعت کی ضرورت

قانون شریعت میں "ضرورت" کا بھی خیال رکھا جاتا ہے۔ ضروریات کا مفہوم یہ ہے کہ کسی انسان کو کسی ایسے خطرے یا شدید مشقت کی صورت پیش آجائے جس سے اس کے جان و مال یا کسی حصہ جسم کو سخت نقصان پہنچنے کا خدشہ ہو' یا کسی ایسے حادثے یا صدمے کا ڈر ہو جس سے اس کی عقلی و ذہنی قوتوں اور استعدادوں کو نقصان پہنچے۔

یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہے کہ اسلام نے آکر اپنے سے پہلے کی تمام شریعتوں اور قوانین کو منسوخ قرار دے دیا؛ چنانچہ یہودی شریعت بھی منسوخ ٹھہری۔ منسوخ شدہ شریعت سے اثر قبول کرنا بالکل بے معنی بات نظر آتی ہے اور پھر اسلام ایسا مکمل اور جامع دین' جسے اپنے نظام حیات' نظام عقائد و عبادات' نظام معاملات اور نظام عدلیہ وغیرہ پر بجا طور پر فخر ہے۔ یہودی شریعت اور اسلامی شریعت کا سرچشمہ ایک ہی تو ہے' یعنی اللہ تعالیٰ' ہر دور میں شریعت الٰہی کا یہ تقاضا رہا ہے کہ مفاد عامہ اور بہبود عوام کو پیش نظر رکھا جائے' انسانوں کے لئے سہولت اور آسانی بہم پہنچائی جائے۔ اگر کہیں مشابہت نظر آتی ہے تو اس کا سبب یہی ہے کہ دونوں شریعتیں الہام اور وحی الٰہی پر مبنی ہیں۔

محمدی شریعت:

مسطورہ بالا حالات و اسباب خود اس بات کے متقاضی تھے کہ ایسی آسمانی شریعت نازل ہو جو ہر قسم کے عیوب و نقائص سے پاک ہو۔ چنانچہ عرب کے شہر مکہ مکرمہ اور قریش کے معزز خاندان بنو ہاشم میں حضور ﷺ کی ولادت ہوئی۔ ۴۰ برس کی عمر میں نبوت ملی۔ دوسری وحی پر تبلیغ شروع کی۔ توحید کے پیغام کے ساتھ شریعت کا آغاز ہوا۔ یہ شریعت دائمی، ہمہ گیر اور جامع تھی۔ انسانی زندگی کے تمام گوشوں پر حاوی اور تمام ضرورتوں کی کفیل تھی۔ یہ احکام تقریباً ۲۲ سالہ دور نبوت یعنی دوسری وحی کے بعد بتدریج نازل ہوئے۔ اور وقتاً فوقتاً پیش آمدہ ضرورتوں کے مطابق بیان ہوئے۔ مناسب ہوگا کہ سالوں کی ترتیب کے ساتھ ان کا ذکر کیا جائے۔ تاکہ سن نزول بھی معلوم ہو سکے۔ اس سلسلے میں کچھ ابواب میں تقسیم کیا جا سکتا ہے

❁ ماکولات:

اس سلسلے میں چند اصولی اور عمومی احکام مکہ میں نازل ہوئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اللہ کی عطا کردہ حلال اور پاکیزہ چیزیں کھاؤ۔ ساتھ ہی مردار، بہنے والا خون، خنزیر اور غیر اللہ کے نام پر مذبوح جانور کو حرام قرار دے دیا (۱۲۵)۔ دوسرا عمومی حکم الاعراف: ۳۱ میں ہے۔ الاعراف سورہ بھی مکی ہے۔ بقیہ احکام ۷ھ میں مدینہ میں نازل ہوئے۔ جن کی تفصیل یہ ہے۔ جانوروں کی حلت و حرمت' شکار اور بحری جانوروں کے احکام' اہل کتاب کا ذبیحہ اور شراب و جوئے کی حرمت وغیرہ (۱۲۶)۔

مناکحات:

ہجرت کے دوسرے سال مناکحات سے متعلق جو احکام نازل ہوئے ان کی تفصیل یہ ہے:

حیض٬ مہر٬ رضاعت٬ ایلاء٬ قذف٬ لعان٬ طلاق اور خلع کے احکام (۱۲۷)۔

ہجرت کے تیسرے سال سے لیکر ساتویں سال تک مناکحات سے متعلق یہ احکام نازل ہوئے:

چار بیویوں تک کی اجازت٬ محرمات بیویوں سے نکاح کی اجازت بیویوں سے اختلاف اور مصالحت٬ ظہار٬ مشرکہ سے نکاح کی ممانعت٬ باندیوں سے نکاح کی اجازت٬ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کی اجازت معاشرتی مسائل پر مبنی احکام بھی اس باب سے متعلق ہیں کیونکہ معاشرتی اعتبار سے وہ اس کے قریب ہیں۔قتل اولاد کی ممانعت، والدین کا احترام، یتیموں کی سرپرستی، وراثت کے احکام، پردہ کے احکام، گھر میں داخل ہونے کیلئے اجازت آنکھیں نیچی رکھنا (۱۲۸)۔

معاملات

پورا ناپ تول، یتیم کے مال کی حرمت، عہد کی پابندی، رشوت اور حرام مال، رہن، بوقت جمعہ تجارت کی ممانعت، تجارت اور سود کا فرق، قرض کے احکام، یتیم کے مال کی حرمت، نزدیکی رشتہ داروں کا طعام، عہد کی پابندی (۱۲۹)۔

احکام سلطانیہ

مشاورت، جہاد کی ترغیب، مصالحت، جنگی قیدی، مال غنیمت کی تقسیم، پسپائی کی ممانعت، قتال کی مدت، جہاد کا مقصد مصالحت، غنیمت میں خیانت، فئی کا مال، مشاورت، معاہدہ شکنی کا جواب، جہاد کا سبب، جہاد اور جزیہ (۱۳۰)۔

حدود و تعزیرات

حدود و تعزیرات کے ضمن میں درج ذیل احکام کا نزول ہوا۔قتل اور معافی، دیت و کفارہ، زنا میں اسی کوڑے، قذف میں اسی کوڑے، چوری میں ہاتھ کاٹنا، ڈاکہ کی سزائیں، بائیکاٹ٬ نافرمان بیوی کی سزا٬ ظہار کی سزا میں کفارے کی قسمیں٬ قسم توڑنے کا کفارہ٬ قانون شہادت٬ عورتوں کی شہادت (۱۳۱)۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مکہ میں چند احکام ہی نازل ہوئے جبکہ بقیہ تمام احکام ہجرت مدینہ کے بعد نازل ہوئے۔بالخصوص ۲۔۷ھ میں۔سورتوں کے لحاظ سے دیکھیں تو سورہ مائدہ میں ماکولات کے احکام البقرہ٬ النساء٬ الطلاق٬ احزاب اور النور میں گھریلو معاملات کے مسائل سورہ انفال میں جنگ و جہاد کے احکام زیادہ ہیں۔بقیہ سورتوں میں احکامات کا بیان کم ہے۔قرآن کے بہت سے احکام مسلمانوں یا غیر مسلموں کے سوالات پر نازل ہوئے (۱۳۲)۔

وہ احکام جو بغیر کسی واقعہ یا سوال کے نازل ہوئے۔ان کی تعداد بہت کم ہے۔بلکہ ہم کو کوئی ایسا حکم نظر نہیں آتا۔جس کے متعلق مفسرین نے کوئی ایسا واقعہ بیان نہ کیا ہو جو اس کا شان نزول ہے۔ (۱۳۳)۔

مقاصد شریعت:

اسلام میں مقاصد شریعت:

بعثت محمدی علیہ الصلوۃ والسلام کے مقصد بیان کرتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَ مَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾ (۱۳۴)۔

ترجمہ: اے نبی ﷺ ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔

قرآن مجید کے نزول سے انسانیت بالعموم اور مسلمہ بالخصوص کی جو مصلحتیں وابستہ ہیں۔ اس کا بطور خاص ذکر کرتے ہوئے اللہ نے فرماتا ہے:

﴿کِتٰبٌ اَنزلناہ اِلَیکَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِم﴾ ۔(۱۳۵)۔

ترجمہ: یہ کتاب قرآن حکیم جس کو ہم نے آپ ﷺ پر نازل فرمایا تاکہ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم سے لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئیں۔

الغرض انبیاء کرام اور الہامی کتابوں کا بنیادی مقصد حیات انسانی کی فلاح و سعادت ہے، کن پر عمل پیرا ہو کر وہ اپنی دنیاوی زندگی کو کامیاب اور اخروی زندگی میں اجر و ثواب کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔

شریعت کے مقاصد اور افکار:

شریعت کے مقاصد اور افکار کا ذکر کرتے ہوئے امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔

''شریعت کے اہداف سے مراد وہ مقاصد ہیں جن کے حصول کے لیے شرعی احکام مقرر کیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ شرعی احکام بندوں کی دنیاوی اور اخروی مصالح اور مفادات کے لیے دیئے ہیں۔ ان کا حصول انسانیت کو فائدہ پہنچانا ہے اور اس سے ضرر و نقصان کا خاتمہ کرنا ہے (۱۳۶)۔''

اسلام دین فطرت ہے، اور یہ تمام شعبہ زندگی چاہے ان کا تعلق سیاست و معاشرت سے ہو یا اخلاق و قانون سے ہر ان کے بارے میں مکمل ہدایت و راہنمائی عطا فرماتا ہے۔ خالق کائنات نے اس کائنات اور اس کے مظاہر کو عبث پیدا نہیں کیا۔ بلکہ ہر ایک میں مقصدیت ہے، اسی طرح انسانی زندگی کے انفرادی اور اجتماعی کاموں میں مقصدیت کی کارفرمائی واضح حقیقت ہے۔ ہر انسانی عمل و قدم کسی نہ کسی مقصد کے حصول کی خاطر ہوتا ہے۔

شریعت اسلامیہ کے احکام کے مقاصد

شریعت اسلامیہ کے مقاصد اور اسکے احکام کے مقاصد کیا ہیں اس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔ قرآن و سنت میں جب احکام شرعیہ کے اسباب پر تحقیق کی جائے تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ شارع کے کچھ مقاصد ہیں جن کو

حاصل کرنا مقصد ہے ۔ علامہ عز الدین بن عبد السلام لکھتے ہیں کہ:

"ان الشریعة کلها مصالح، اماّ در مفاسد أ و جلب منافع(۱۳۷)۔

ترجمہ: شریعت مصلحت ہی مصلحت ہے یا تو مفاسد کو رفع کرنا ہے اور یا منفعت کو لانا ہے۔

شریعت کا مقصد انسانیت سے تنگی کا دور کرنا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ﴾(۱۳۸)۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں کی۔

جبکہ قانون سازی میں بھی شریعت اسلامیہ میں بھی انسانوں کے لیے آسانی وسہولت کا حکم دیا ہے۔ارشاد ربانی ہے:

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لا يريدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾(۱۳۹)۔

ترجمہ:اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے،تمہیں تنگی میں ڈالنا نہیں چاہتا

ان آیات مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کے اہم مقاصد میں سے ایک مقصد تیسر یعنی سہولت اور آسانی پیدا کرنا ہے۔سورۃ النساء میں اللہ نے فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰى اَهْلِهَا وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا﴾(۱۴۰)۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل لوگوں کے سپرد کردو،اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔

عدل کے معنی افراط وتفریط سے اجتناب اور توازن واعتدال کے ہیں پوری کائنات اسی عدل پر قائم ہے شریعت اسلامیہ کا مقصد عدل و انصاف کا قیام ہے۔قرآن وسنت میں بہت سارے احکام بیان ہوئے ہیں۔جن کے اسباب وعلل بیان کیے گئے ہیں اوران احکام میں شارع کے کیا مقاصد اور حکمتیں ہیں ان کی بھی وضاحت کی گئی ہے۔مثلاً نماز کی فرضیت اور اس کے مقاصد،روزوں کی حکمت اور مقاصد قرآن میں اللہ تعالیٰ نے بیان کیے ہیں (۱۴۱)۔مقاصد شریعت سے مراد امور پنجگانہ کا تحفظ ہے۔امام غزالی فرماتے ہیں کہ "جلب منفعت(منفعت کا حصول)اور رفع مضرت(مضرت کو دور کرنا)مقاصد خلق ہیں اور مخلوق کی اصلاح یا اصلاح،ان مقاصد کے حصول میں مضمر ہے۔مگر مصلحت سے مراد مقاصد شریعت کا تحفظ ہے اور باعتبار مخلوق مقاصد شریعت پانچ ہیں۔:

۱۔ تحفظ دین　۲۔ تحفظ عقل　۳۔ تحفظ نسل　۴۔ تحفظ نفس　۵۔ تحفظ مال

جو امور ان پانچ اصول کا تحفظ کرنے والے ہوں وہ مصلحت ہیں اور جو ان کو نقصان پہنچانے والے ہوں وہ مفسدہ ہیں (۱۴۲)۔"

یہ پانچوں مقاصد وہ ہیں جن کو شریعت محفوظ رکھنا چاہتی اور جنکا شریعت تحفظ کرنا چاہتی ہے ۔شریعت کے تمام احکام کا تعلق ان پانچوں مقاصد سے ہے۔نمازوں کا حکم شریعت نے بھی دیا ہے تو دین کو مضبوط بنانے کے لئے' اللہ اور اس بندے کے درمیان تعلق کو مضبوط کرنے کے لئے' بندے کے اندر جذبہ عبودیت برقرار رکھنے کے لئے' روحانی ذوق پیدا کرنے کے لئے' جو دین کے تحفظ کے لئے درکار اور دین کا اصل مقصد ہے اور دین کا اصل مقصد مرتبہ احسان کا حصول ہے ۔جیسا کہ ارشاد نبوی ہے:

((أنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ)) (۱۴۳)۔

ترجمہ: اللہ تعالٰی کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے تو وہ تو تم کو دیکھ رہا ہے۔

لہٰذا عبادات سے متعلق اور اخلاقیات سے متعلق جو احکام ہیں یا بعض معاملات میں سزائیں ہیں اور بعض میں انعام ان سب کا مقصد دین کا تحفظ ہے۔ان مقاصد کے تحفظ کے لئے شریعت نے بعض مثبت احکام بھی دیئے ہیں جن کا مقصد یہ ہے کہ مقاصد قائم ہوں۔ انہیں فروغ اور تقویت حاصل ہو۔مثبت احکام کے ساتھ شریعت نے منفی پہلوؤں کے متعلق بھی جامع ہدایات فراہم کی ہیں جس کا مقصد ان راستوں کو بند کرنا ہے جن کے ذریعے کسی مقصد کے خلاف کوئی پیش قدمی ہو سکے ۔شریعت بدعات اور خرافات کی ممانعت کرتی ہے ۔مشرکانہ اعمال سے روکتی ہے ۔الحاد اور زندقہ پھیلانے کی کوششوں کو ناپسندیدہ قرار دیتی ہے اور ان کے خلاف کاروائی اور سزا کی ہدایت کرتی ہے یہ سارے وہ احکام ہیں جو خلاف شریعت منفی قوتوں کے راستے کو روکنے کے لئے ہے (۱۴۴)۔

دوسرا مقصد انسانی جان کا تحفظ ہے ۔ظاہر ہے کہ جب انسان اس دنیا میں موجود ہوگا تو اس کی جان کا تحفظ ہوگا تو شریعت پر عمل درآمد بھی ہوگا ۔انسانی جانوں کا ضیاع ہو جائے تو شریعت اور دین پر عمل کون کریگا۔

اللہ کے ازلی مقاصد کی تکمیل کون کریگا ۔(۱۴۵)۔

اللہ تعالٰی نے جب زمین میں جانشین بنانے کا فیصلہ کیا تو یہ طے کیا ﴿ولکم فی الأرض مستقر ومتاع الی حین﴾ ایک مقررہ مدت تک تمہیں یہاں ٹھہرنا ہے' یہاں تمہیں استقرار حاصل ہوگا' تم یہاں کے نعمتوں سے مستفید ہوتے رہو گے لہٰذا جب وہ وقت نہ آئے' جب تک وہ مرحلہ جو اللہ کو معلوم ہے اس وقت تک انسانوں کو یہاں رہنا ہے ۔اور اللہ کی دی ہوئی نعمتوں سے بھی مستفید ہونا ہے لیکن یہ سب کچھ ہدایت الٰہی کی روشنی میں ہوگا (۱۴۶)۔

اس عظیم منصوبے کا تقاضا ہے کہ انسانی زندگی یہاں باقی رہے اور اسی لئے شریعت نے رہبانیت کی اجازت نہیں دی۔انسانوں کی زندگی کے تحفظ کے لئے ضروری ہے کہ ایسے اسباب پیدا کیے جائیں جو وسائل زندگی کا حصول ہے ۔یہ شریعت کے مقاصد میں سے ہے ۔یہ سب چیزیں اسباب معیشت اور وسائل رزق کے لئے ناگزیر ہیں ۔انسان کو بطور خلیفہ زندہ رہنے کے لئے تحفظ جان کی ضرورت ہے ۔اور صاحب مال کے طور پر زندہ رہنے کے لئے اسے

کھانا پینا اور رہنے کے لئے سب چیزوں کی ضرورت ہے۔ یہاں بھی شریعت دو طرح کے احکام دیتی ہے۔ایک انسان کے وجود اس کی جان کے تحفظ اور بقاء کے لئے ناگزیر ہیں'اسی طرح کچھ احکام وہ ہیں جوان قوتوں کا راستہ روکتے ہیں جوانسانی جان کے خلاف کارفرما ہیں۔اور اس کی صحت کے لئے نقصان دہ ہیں۔صحت کو بہتر بنانے والے اقدامات جائز ہیں۔اسلئے وہ پسندیدہ ہیں۔جسمانی'اخلاقی'روحانی'علمی اور فکری تربیت پسندیدہ احکام میں آتی ہیں۔

شریعت کا تیسرا اہم مقصد ہےاور وہ یہ کہ انسانی عقل کا تحفظ کیا جائے۔یہ مقصد کسی دوسری قوم میں نہیں پایا جاتا۔ صرف جان اور مال کے تحفظ کا سب دعوی کرتے ہیں لیکن عقل کے تحفظ کی بات ہمیں صرف شریعت اسلامی میں ملتی ہے۔انسان اگر جانشین الٰہی ہےاور خلافت کے منصب پر فائز ہےاور اشرف المخلوقات ہے۔

﴿وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا﴾(۱۴۷)۔

ترجمہ: اور ہم نے بنی آدم کو عزت دی اور ان کو خشکی اور تری میں سواری دی اور ہم نے پاکیزہ روزی عطا کی اور ہم نے اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔

انسانی عقل ہی کی بناء پر فرشتوں نے انسان کے علم میں برتری کو تسلیم کیا اور آدم کی برتری علم کے ذریعے سے ثابت ہوئی۔اور علم کا سب سے بڑا ذریعہ انسانی عقل ہے۔اسی سے انسان اور حیوان میں فرق کیا جاتا ہے۔اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو خلافت کے منصب پر فائز کیا۔ انسانی عقل کمپیوٹر کی طرح اور کمپیوٹر انسانی عقل کی طرح ہے۔ انسان کا عقیدہ ایک سافٹ ویر کی طرح ہے۔شریعت نے ہمیں پہلے جو ہدایت کی ہے وہ یہی سافٹ وئر ہے اگر یہ سافٹ ویئر درست ہوا تو انسانی کمپیوٹر بھی درست ہے۔یعنی انسانی عقل سافٹ وئر کی مانند ہے شریعت جہاں عقل کو ایک نعمت بتاتی ہے وہاں عقل کے صحیح استعمال کی ہدایت کرتی ہے۔اس لئے انسانی کمپیوٹر کو درست استعمال کر کے انسان کو شریعت کے موافق عمل کرنا چاہیے(۱۴۸)۔

شریعت کا چوتھا مقصد نسل کا تحفظ ہے۔نسل کا تحفظ برقرار ہے تو انسان کا وجود بھی برقرار ہے۔جس طرح انسان اور حیوان میں فرق ہے اس طرح عقل کے معاملے میں بھی فرق ہے۔اخلاق اور حیاء میں بھی فرق ہے۔انسانوں کا وجود عقل وحیاء کے ساتھ اخلاقی تقاضوں کے مطابق ایک ذمہ داری کے احساس کے ساتھ آپس میں تعلق اور حقوق وفرائض کے ساتھ برقرار رہنا چاہیے۔شریعت نے جب نسل کا تحفظ کیا ہے تو اس میں آبرو کا تحفظ بھی شامل کیا ہے۔اور اس کا تعلق انسانی نسل سے ہوتا ہے۔انسان اپنے حسب ونسب سے پہچانا جاتا ہے۔اس لئے نسل کا تعلق عزت وآبرو سے بھی ہے۔اسی طرح اس کا تعلق اخلاق اور حیاء سے بھی ہے جو کہ انسانوں کی تربیت حاصل کرنے سے آتی ہے۔بعض برائیاں انسان کو بہت شرمندہ کرتی ہیں اس لئے انہیں حرام اور مکروہ قرار دیا گیا ہے۔محرمات میں سے بعض قبیح قسم کے محرمات ہیں۔یہ سب کچھ انسانی نسل اور انسان کے خاندان کے تحفظ کے لئے ہے(۱۴۹)۔

پانچواں مقصد مال اور جائیداد کا تحفظ ہے جسے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا فضل کہا گیا ہے۔اسی کی مدد سے وہ وسائل

حاصل ہوتے ہیں جن کی مدد سے دین کے بہت سے احکام پر عمل درآمد ہوتا ہے۔ زکوۃ، صدقات واجبہ، کفارہ، نفقہ، حج، جہاد ان سب کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے مال و دولت کا وجود اور تحفظ ضروری ہے۔

یہ مقاصد شریعت اپنے اندر شریعت کے تمام احکام کو سموئے ہوئے ہیں چاہے ان کا تعلق تصوف سے ہو، تزکیہ نفس سے ہو یا اخلاق اور اجتماعیات کا دائرہ ہو۔ ان سب کا تعلق انہی پانچ مقاصد سے ہے۔ شریعت اسلامی ایک منفرد شریعت ہے۔ شریعت نے انسان کی ہر حاجت کا خیال رکھتے ہوئے انسانی اخلاقی حدود کا خیال رکھتے ہوئے اسے دنیا اور آخرت کی آسانی فراہم کی ہے اور ایسی شریعت کی ہمیں کہیں مثال نہیں ملتی دراصل شریعت ایک پیراڈائم ہے جو مخصوص ذہنی رویے کی تشکیل کرتا ہے۔ وہ ذہنی رویہ جس سے اک نئی ثقافت ابھرتی ہے، ایک نئی تہذیب جنم لیتی اور وجود میں آتی ہے۔ جو رنگ و نسل کے امتیازات اور لسانی اور جغرافیائی تعصبات سے ماورا ہے۔ جو انسانوں کو عقیدہ و نظریہ اور طرز حیات کی بنیادوں پر یکجا کرتی ہے (۱۵۰)۔

عربی زبان میں شریعت سے مراد وہ واضح اور کشادہ راستہ ہے جو انسانوں کو پانی کے مصدر و ماخذ تک پہنچا دے قدیم عربی شعراء نے شریعہ شرائع کا لفظ ان راستوں کیلئے استعمال کیا ہے جن پر چل کر انسان پانی کے ذخیرے تک پہنچ سکے وہ بستی یا وہ جگہ جہاں سے پانی لانے لے جانے کے راستے بہت آسان کشادہ اور وسیع ہوں۔ اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ شریعت سے مراد وہ راستہ ہے جو انسانوں کو مادی زندگی کے مصدر اور ماخذ تک پہنچا دے۔ قرآن مجید کی رو سے حقیقی اور دائمی آخرت کی زندگی ہے (۱۵۱)۔

لہٰذا وہ راستہ صراط مستقیم ہے، سواء السبیل اور امام مبین ہے جس پر چل کر انسان حقیقی زندگی تک پہنچ سکتا ہے۔ اس کے لئے بھی شریعت کی اصطلاح اختیار کی گئی قرآن مجید اور احادیث نبویہ سے پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ماضی میں مختلف اقوام کو شریعت کے مختلف احکام عطا فرمائے ان شریعتوں کی اساس اور بنیاد ایک ہی تھی لیکن ان کی عملی تفصیلات مقامی ضروریات اور زمانی تقاضوں کے مطابق مختلف تھیں جس قوم کو جس طرح کی تعلیم اور قوانین کی زیادہ ضرورت تھی اس کو اسی نوعیت کے قوانین اور احکام دیئے گئے۔ چونکہ ان احکام کی عملی تفصیلات میں مقامی حالات اور زمانے کی رعایت سے بعض خاص پہلوؤں پر زور دیا گیا، اس لئے احکام و قوانین کے ان مجموعوں کو مختلف شریعتوں کے نام سے یاد کیا گیا چنانچہ ہمیں شریعت موسوی اور عیسوی کا تذکرہ تاریخ سے ملتا ہے۔ انسان کی فلاح و بہبود اور معاشرے میں امن و سلامتی اور عدل و انصاف قائم کرنا قانون شریعت کا بنیادی مقصد ہے۔ اس لئے جرائم کی روک تھام کے لئے ایسی سزائیں تجویز کی گئی ہیں جو عبرت ناک اور سنگین ہیں۔ اور ان سزاؤں کی موجودگی، ان کا نفاذ اور ان پر عمل درآمد کرنے سے معاشرہ جرائم سے بہت جلد پاک ہو جاتا ہے۔ قتل، چوری، زنا، قذف، شراب نوشی وغیرہ سے متعلق اسلامی قوانین اسی لحاظ سے قابل قدر ہیں کہ ان کا واحد مقصد یہ ہے کہ معاشرے کو جرائم سے پاک اور دنیا میں عدل و انصاف قائم کر کے انسانی وقار و شرافت اور احترام آدمیت کو برقرار رکھا جائے۔ حاصل بحث قرآن اور موجودہ کتب مقدسہ کے مطابق یوں کیا جا سکتا ہے کہ قانون کی پیروی انسان کو ممتاز کرتی ہے اور جانوروں سے ممیز کرتی ہے ضروری امر ہے کہ احکام خداوندی پر عمل کے خود بھی اور مخلوق خدا کے لئے آسانیاں پیدا کی جائیں یہ قانون شریعت ہی ہے جس نے انسان کو اشرف بنایا ہے دوسری مخلوقات پر۔ اسی میں امن عامہ کا قیام ممکن ہے اور انسان سکون کی زندگی الہامی مذاہب کے مشترکہ قوانین کے ذریعے نجات اخروی حاصل کر سکتے ہیں۔

حواشی وحوالہ جات

فصل اول/ باب چہارم

۱۔ فاطر:۲۴
۲۔ البخاری،الجامع صحیح البخاری،کتاب احادیث الانبیاء،باب واذکر فی کتاب مریم،رقم الحدیث:۳۴۴۳۔ص:۵۸۰
۳۔ الأنبیاء:۲۵۔
۴۔ المائدہ:۴۸
۵۔ منشی محبوب عالم،اسلامی انسائیکلوپیڈیا،ص:۵۵۳،
۶۔ لسان العرب،ص:۱۳/ ۳۴۹،۳۵۰
۷۔ زبیدی،تاج العروس،۸/۴۶۶
۸۔ شان الحق حقی،فرہنگ آصفیہ،ص۳:۳۶۵،وارث سرہندی،قاموس المترادفات،ص:۸۴۷
۹۔ شریف جرجانی،کتاب التعریفات،ص:۱۲۱
۱۰۔ سید قاسم محمود،شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا،ص:۲/۱۳۱۵
۱۱۔ ایضاً
۱۲۔ ابن منظور،لسان العرب(باب العین)،ص:۸/۱۷۵،
۱۳۔ زبیدی،تاج العروس،ص:۱۱/ ۲۳۷ومابعدہٗ،باب العین
۱۴۔ امام راغب اصفہانی،مفردات القرآن،ص:۲۵۸
۱۵۔ الشریف الجرجانی،کتاب التعریفات،ص:۱۳۲ ،۹۱،۔
۱۶۔ وارث سرہندی،قاموس المترادفات،ص:۷۵۴،،علمی کتب خانہ،لاہور،۲۰۰۳ء۔فرہنگ آصفیہ،ص:۳/۱۷۶۔
۱۷۔ الشوریٰ:۱۳،۲۱۔الجاثیہ:۱۸۔المائدہ:۴۸
۱۸۔ الجاثیہ:۱۸
۱۹۔ امام راغب،مفردات القرآن،۲۵۸۔
۲۰۔ حافظ محمد،فلسفہ ومقاصد شریعہ،کوڈنمبر۴۵۷۰،ص:۷۸
۲۱۔ ڈاکٹر ساجد الرحمٰن صدیقی،کشاف اصطلاحات قانون(اسلامی)،ص:۲/ ۸۸۔مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد۔

۲۲۔ ایضاً،ص:۸۵تا۸۷۔

۲۳۔ البخاری،الجامع الصحیح،کتاب الصلوۃ،باب قول النبیؐ جعلت لي الار ض مسجدو طهوراً، ،رقم الحدیث:۴۳۸۔تفصیل دیکھئے المائدہ کا پہلا رکوع۔

۲۴۔ ابن ماجۂ سنن ابن ماجۂ کتاب الأضحیٰ ۴/ ۳۱۲۷

۲۵۔ ڈاکٹر ساجد الرحمٰن صدیقی،کشاف اصطلاحات قانون،ص:۸۵تا۸۷۔

۲۶۔ امام راغب،مفردات القرآن،ص:۲۵۸

۲۷۔ المائدہ:۴۸

۲۸۔ عہدنامہ قدیم،امثال،۱:۸۔یسیعاہ،۱:۱۰۔احبار،۷:۷۔سلاطین اول،۲:۳۔سموئیل،۷:۱۹
عہدنامہ جدید،اعمال،۱۵:۵،نیوانسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا،۲۴/ ۳۶۱

۲۹۔ دیکھئے البقرہ:۳۸

۳۰۔ شوریٰ:۱۳

۳۱۔ الانعام:۱۵۴۔ المائدہ:۴۴

۳۲۔ البقرہ:۱،۔الاعراف:۱۵۷

۳۳۔ عبدالوحید،قصص الانبیاء،ص:۱/۸۳،

۳۴۔ الذریات:۵۶

۳۵۔ القرطبی:الجامع لإ حکام القرآن،ص:۱/ ۱۶۹

۳۶۔ ابوبکر الجصاص:احکام القرآن،ص:۳/ ۳۰

۳۷۔ القرطبی،الجامع لإ حکام القرآن،ص:۹/ ۸۷۔ البقرہ:۱۸۳

۳۸۔ خازن،بغدادی،علاءالدین علی بن محمد بن ابراہیم،تفسیر خازن المسمی لباب التأويل في معاني التنزيل،دارالنشر : دارالفکر بیروت لبنان،۱۳۹۹ھ۔ص:۱/ ۱۰۹۔انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا۔عنوان:روزہ،جدید تحقیقات کے مطابق بھی روزے کی قدامت مسلمہ ہے۔اور یہ مختلف قدیمی مذاہب کی عبادات کا حصہ رہا ہے۔

۳۹۔ المائدہ:۲۷

۴۰۔ القرطبی،الجامع لإ حکام القرآن،ص:۲/ ۳۰۴

۴۱۔ ابن کثیر،البدایہ والنھایہ ص:۱/ ۱۸۰

۴۲۔ المائدہ:۲۸،۲۹

۴۳۔ القرطبی،الجامع لإ حکام القرآن،ص:۶/ ۱۴۶۔ص:۳/ ۲۰۰،بنی اسرائیل:۳۲۔اللہ تعالیٰ نے زنا کو فحش سے تعبیر کیا اسلیے شریعت نزول سے قبل

ہی وہ براعمل ٹھہرا ۔اسی بناء پر دیگر ایسے افعال بھی اسی قبل میں داخل ہیں ۔مثلاً چوری ڈاکہ وغیرہ۔

۴۴۔ المومنون:۵۱

۴۵۔ القرطبی، الجامع لِا حکام القرآن، ص:۱/۲۶۴

۴۶۔ عہدنامہ قدیم، کتاب پیدائش،۱:۲۹

۴۷۔ ابن کثیر، البدایہ والنھایہ، ص:۱/۱۷۸

۴۸۔ محمد بن ابی یعقوب، الفہرست لا بن ندیم، ص:۵۸، الطبعہ الثانیہ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان ۱۴۲۲ھ۔

۴۹۔ الشوریٰ:۱۳۔ ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، ص:۱/۱۳۷۔ اس سے مستنبط ہوتا ہے کہ ادریسؑ کی نبوت کا زمانہ، نوحؑ سے پہلے ہے ۔آدمؑ کے پاس بھی شریعت تھی ۔انکی شریعت منسوخ ہوئی اور حضرت نوحؑ کے پاس جو شریعت تھی وہ ناسخ بنی۔

۵۰۔ ابن کثیر، البدایہ والنھایہ، ص:۱/۱۶۴

۵۱۔ سید قاسم محمود، شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا، ص:۱/عنوان ابراہیم، سلیمان ندوی، سیرت النبی، ص:۵/۲۷

۵۲۔ الاعلیٰ:۱۹، نیز دیکھئے فہرست لا بن ندیم، ص:۵۸۔آپ کے بیٹے حضرت اسماعیل واسحٰق اور پوتے یعقوب پر بھی صحیفے نازل ہوئے مگران کی شریعتوں کا ذکر ضمنی طور پر ابراہیم کی شریعت ہی میں درج کر دیا جاتا ہے۔کیونکہ نہ تو ان کی شریعتوں کا صاف اور واضح خاکہ نظر آتا ہے نہ ہی قرآن نے انہیں صاحب شریعت نبی قرار دیا ہے نہ تورات آپ کی شریعت کے ذکر سے یکسر خاموش ہے بہرحال آپکی نسبت سے جن احکام کا ثبوت ملتا ہے ان میں سرفہرست طہارت کے احکام ہیں ۔جو کہ عبادت کے مبادیات ہیں مثلاً ابن عباس سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دس فطری احکام سے آپکی آزمائش، جن میں سے پانچ کا تعلق سر کے ساتھ ہے ۔پانچ کا تعلق جسم کے ساتھ ہے ۔تفسیر خازن ص:۱/۷۹

۵۳۔۔تفسیر خازن، ص:۱/۲۶۷۔نیز دیکھئے عہدنامہ قدیم، کتاب پیدائش،۱۲:۱۴ ۔الاعلیٰ:۱۵

۵۴۔ عہدنامہ قدیم، کتاب پیدائش،۱۲:۷۔۱۴:۱۸۔عبادت گاہ بننے کے بعد ضرورت ہوتی ہے کہ عبادت کے لئے مخصوص وقت اور مقررہ دن ہو چنانچہ ہفتے کے ساتھ دنوں میں سے جمعہ کا دن اس مقصد کے لئے مقرر کیا گیا قصص القرآن، ص:۳/۵۰۔الصٰفٰت:۱۰۷

۵۵۔ عہدنامہ قدیم، کتاب پیدائش،۲۱:۳

۵۶۔ تفسیر خازن، ص:۱/۸۶ ۔عہدنامہ قدیم، کتاب پیدائش،۱۷:۱۵

۵۷۔ پیدائش،۲۲:۲۸

۵۸۔ پیدائش،۱۸:۳۸۔۲۰:۴۸

۵۹۔ العنکبوت:۲۹

۶۰۔ القرطبی، الجامع لِا حکام القرآن، ص:۹/۳۴۴۔عہدنامہ قدیم، کتاب پیدائش،۲۹:۲۴

۶۱۔عہدنامہ قدیم، پیدائش،۱۲:۷۔سہ ماہی منہاج، جولائی تا دسمبر ۱۹۹۹ء، ج:۱۷، شمارہ نمبر:۳،۴۔آپکی شریعت میں معاملات یا تعزیرات

کے احکام دستیاب نہ ہونے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ تبلیغی مصروفیات اور معاشرتی حالات کی وجہ سے اس کے مواقع ہی کم پیدا ہوئے ہوں۔آپکی شریعت کے جو احکام دستیاب ہیں وہ بھی بائیبل سے ضمناً اخذ ہیں یا اہل عرب کی صدری روایات سے۔قرآن نے آپکے تبلیغی کارناموں کو نقل کیا ہے۔

۶۲۔انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا ص:۳۶۱/۲۴،شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا بذیل موسیٰ،ص:۴۸۴/۲۔نیز دیکھئے شوری:۱۳

۶۳۔ ابن ندیم،فہرست لابن ندیم:۵۸۔الاعلیٰ:۱۹

۶۴۔ عہدنامہ جدید،افسیوں،۴:۱ ،۱۔کرنتھیوں۔۱۰:۱۴۔رومیوں،۱:۲۱ومابعد۔

۶۵۔ عہدنامہ قدیم،احبار،۶:۹

۶۶۔ عہدنامہ قدیم،احبار،۷:۷

۶۷۔ عہدنامہ قدیم،گنتی،۱۵:۱۶

۶۸۔ عہدنامہ قدیم،استثنا،۱۱:۱

۶۹۔ عہدنامہ قدیم،زبور،۱۱۹:۷۷

۷۰۔ ایضاً،۱۱۹:۳۴

۷۱۔ عہدنامہ جدید،عبرانیوں،۱۰:۱۶نیز دیکھئے ۸:۱۰۔عہدنامہ قدیم،زبور،۱۴۸:۶

۷۲۔ عہدنامہ قدیم،احبار،۳:۱۷

۷۳۔ عہدنامہ قدیم،عزرا،۷:۲۶

۷۴۔ معارف القرآن،سورہ یونس:۸۷،عہدنامہ قدیم،خروج،۳:۱۹۔البقرہ:۱۹،محکومیت اور مظلومیت کا یہ دور فرعون کی تباہی کے ساتھ ختم ہوا یہ دور حضرت محمد ﷺ کی مکی زندگی سے مشابہت رکھتا ہے۔

۷۵۔ عہدنامہ قدیم،خروج،۳:۸۔ایضاً ۲۴:۴

۷۶۔ ایضاً،۳۴:۱۔الانعام:۱۵۵

۷۷۔عہدنامہ قدیم،سموئیل اول،۷:۶۔سموئیل دوم،۱۲:۱۶نحمیاہ،۹:۱۔نیز دیکھئے کلید الکتاب،ص:۸۵۳۔لفظ،''روزہ''

۷۸۔احبار،۲۷:۳۰،۳۱،۳۲۔نیز دیکھئے گنتی،۱۸:۲۱،۲۶۔استثنا،۱۴:۲۲،۲۳،۲۴،۲۸۔۲۶:۱۲۔دیکھئے کلید الکتاب لفظ''دہ یکی''،ص:۷۷۳

۷۹۔ ایضاً،پیدائش،۳۵:۲۔احبار،۶:۲۷لفظ''کپڑے''۔

۸۰۔ عہدنامہ قدیم،احبار،۱۱:۱۹

۸۱۔ عہدنامہ قدیم، ایضاً، ۱۹:۱۸۔ استثنا، ۱۷:۱۸۔ ایضاً، ۱۸:۲۲۔ گنتی، ۲۶:۵۔ خروج، ۱۶:۲۲

۸۲۔ عہدنامہ قدیم، خروج، ۹:۲۳۔ ۹۹۔ احبار، ۱۹:۱۹۔ عہدنامہ قدیم، استثنا، ۱۰:۲۴۔ ۲:۲۲

۸۳۔ عہدنامہ قدیم، استثنا، ۱۲:۱۸

۸۴۔ عہدنامہ قدیم، استثنا، ۱۴:۲۰

۸۵۔ عہدنامہ قدیم، استثنا، ۱۴:۲۰

۸۶۔ عہدنامہ قدیم، خروج، ۲۵:۳۱

۸۷۔ عہدنامہ قدیم، استثنا، ۴:۱۹

۸۸۔ عہدنامہ قدیم، احبار، ۲۲:۲۵ عہدنامہ قدیم، خروج، ۱۸:۲۲

۸۹۔ عہدنامہ قدیم، استثنا، ۱۷:۱۲، ۵:۱۳

۹۰۔ ایضاً، ۱۸:۲۲۔

۹۱۔ عہدنامہ قدیم، احبار، ۲۰:۱۹۔

۹۲۔ بنی اسرائیل: ۲

۹۳۔ عہدنامہ جدید، لوقا، ۲۷:۲

۹۴۔ عہدنامہ جدید، لوقا، ۳۹:۲ نیز دیکھئے یوحنا، ۱۹:۷

۹۵۔ ایضاً، یوحنا کا پہلا خط، ۴:۳

۹۶۔ ایضاً، اعمال۔ ۵:۱۵۔ دیکھئے۔ رومیوں، ۳۱:۳

۹۷۔ ایضاً، رومیوں، ۱۵:۴

۹۸۔ ایضاً، ۱۲:۷

۹۹۔ عہدنامہ جدید، رومیوں، ۱۴:۷

۱۰۰۔ عہدنامہ جدید، رومیوں، ۲۲:۷۔

۱۰۱۔ شوریٰ: ۱۳۔ آل عمران: ۶۵

۱۰۲۔ عہدنامہ جدید، متی، ۱:۱۲ تا ۷، ۸

۱۰۳۔ عہدنامہ جدید، متی، ۲۷:۵، ۳۱، ۳۲،،۔ ۷:۱۹۔ مرقس،، ۴:۱۰۔ ۹:۱۱، ۱۲

۱۰۴۔ ایضاً، ۳۴:۵، ۳۸، ۳۹

۱۰۵۔ ایضاً، ۱۷:۵

۱۰۶۔ ایضاً، ۴:۸

۱۰۷۔ عہدنامہ جدید، یوحنا، ۱۹:۴۱

۱۰۸۔ عہدنامہ جدید، متی، ۱۳:۳۴ تفصیل دیکھئے کلیدالکتاب، ص: ۱۸۴ پر لفظ تمثیل

۱۰۹۔ عہدنامہ جدید، متی، ۴:۱۷، باب ۵ مکمل، ۷:۲۱۔ ۱۳۱۔ عہدنامہ جدید، یوحنا، ۸:۳ تا ۱۱

۱۱۰۔ عہدنامہ قدیم، پیدائش باب: ۶، ۷۔ عہدنامہ جدید، رومیوں ۴:۳۔

۱۱۱۔ عہدنامہ جدید، رومیوں ۴:۷، ۸۔

۱۱۲۔ عہدنامہ جدید، گلتیوں ۴:۴۔ یوحنا ۱:۲۹۔ لوقا، ۲۲:۳۷۔، ا کرنتھیوں ۵:۷۔ عہدنامہ قدیم، یسعیاہ: ۵۳۔

۱۱۳۔ عہدنامہ جدید، یعقوب ۲:۱۰۔

۱۱۴۔ عہدنامہ قدیم، زبور ۸۵:۱۰۔

۱۱۵۔ ڈاکٹر ساجد الرحمٰن صدیقی، کشاف اصطلاحات قانون، ص: ۸۵ تا ۸۷۔

۱۱۶۔ الزخرف، ۴۳:۳۲

۱۱۷۔ الجاثیۃ، ۴۵:۱۸

۱۱۸۔ الشوریٰ: ۱۳ ۔ امام راغب، مفردات القرآن، ص: ۲۵۸۔

۱۱۹۔ سید قاسم محمود، شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا، ص: ۲/۱۳۱۷

۱۲۰۔ ایضاً، ص: ۲/۱۳۱۷، سورۃ ق: ۲

۱۲۱۔ المائدہ: ۴۸

۱۲۲۔ النساء: ۴۶۔ البقرہ: ۴۲

۱۲۳۔ البقرہ: ۴۷

۱۲۴۔ مدیر حافظ محمد سعد اللہ، سہ ماہی منہاج جولائی تا دسمبر ۱۹۹۹، ص: ۱۷/۳۰، ۳۱

۱۲۵۔۔ النحل: ۱۵ـ۱۱۴، الانعام: ۱۴۶۔

۱۲۶۔ المائدہ آیت نمبر ۱ـ۳، ۴، ۹۴، ۹۵، ۵، ۹۲

۱۲۷۔ البقرہ: ۲۲۲، الطلاق: ۱، ۴، البقرہ: ۲۳۶ـ۲۳۷، البقرہ: ۲۳۳، الطلاق: ۲، البقرہ: ۱۲۶، ۱۲۹ـ۲۳۲، النور: ۴، ۶

۱۲۸۔ النساء: ۳، ۴، ۲۲، ۲۳، ۲۵، ۱۲۸، ۱۲۹۔ المجادلہ: ۲ـ۴، النور: ۳، ۲۴، ۲۵، المائدہ: ۵۔ بنی اسرائیل: ۲۴، ۳۱، الانعام: ۱۵۲، البقرہ ۲۳۰، النساء: ۲، ۹، ۲، ۱۲، ۶، ۱۷، الاحزاب: ۵۹، النور ۵۸، ۶۱، ۳۱۔

۱۲۹۔ المطففین: ۱، انعام: ۱۵۲، ۱۵۳، النحل: ۹۱ـ۹۲، البقرہ: ۱۸۳، ۲۸۳، ۱۷۵، الجمعہ: ۹، ۱۰، ۲۷۲، النساء: ۶، النورر: ۶۱، التوبہ ۱ـ۴۔

۱۳۰۔الشوریٰ:۳۸،الحج:۴۰،محمد:۴۷،انفال:۶۰، ۶۷، ۴۱، ۱۵۔۱۶، ۱۳۹النساء:۷۵، ۹۰:۹۲‘ ۳۴، آل
عمران:۱۶۱، ۱۵۹،التوبہ:۱۲، ۱۳۱۲۹، ۱۰۶۔البقرہ:۱۷۔۱۸۹، ۲۸۲۔، ۱۹۰۔۱۹۴۔النور:۲‘۴‘المائدہ۳۳
‘ ۳، ۸۹‘۸‘المجادلہ:۴‘الحشر:۷

۱۳۲۔ البقرہ:۱۹۸‘۲۱۷‘۲۲۲۔

۱۳۳۔ محمد خضری‘ تاریخ تشریع الاسلامی،ص:۱۴۔،دارالفکر بیروت، ۱۹۱۸ء۔

۱۳۴۔ الانبیاء:۱۰۷۔

۱۳۵۔ الابراھیم:۱۔ بنی اسرائیل:۹

۱۳۶۔ امام غزالی،شفاء العلیل،ص:۱۰۳،،المطبعہ المیز یہ بولاق مصر ۱۳۲۵ھ۔۔شاطبی‘الموافقات ۲/۳۲۷۔

۱۳۷۔ ڈاکٹر محمد ضیاء الحق،فلسفہ مقاصد شریعہ،ص:۱۷۰،علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد۔

۱۳۸۔ الحج:۷۸

۱۳۹۔ البقرۃ:۱۸۵

۱۴۰۔ النساء:۵۸۔النحل:۹۰

۱۴۱۔ العنکبوت:۴۵،البقرۃ:۱۸۳

۱۴۲۔ امام غزالی،المستصفیٰ:۱/۲۸۷،المطبعہ المیز یہ بولاق مصر،۱۳۲۶ھ۔

۱۴۳۔ البخاری،الجامع الصحیح،کتاب الایمان،باب سؤال جبرئیلؑ،رقم الحدیث:۵۰،ص:۱۲

۱۴۴۔ محمود احمد غازی،محاضرات شریعت،ص:۹۵تا۱۰۲۔،الفیصل ناشران وتاجران کتب اردو بازار لاہور۔

۱۴۵۔ البقرہ:۳۰

۱۴۶۔ البقرہ:۳۸

۱۴۷۔ بنی اسرائیل:۷۰

۱۴۸۔ محاضرات شریعت،محمود احمد غازی،ص:۹۵تا۱۰۲۔

۱۴۹۔ ایضاً،ص:۹۵تا۱۰۲۔۔

۱۵۰۔ ایضاً،ص:۱۰۳۔

۱۵۱۔ ایضاً،ص:۱۰۳۔العنکبوت:۶۴

فصل دوم: الہامی مذاہب میں تصورِ جزاءوسزا

درحقیقت مذاہب کا حقیقی تعلق اسی عقیدہ سے ہے کہ انسان اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے۔اوراچھایابرا جیسا کام اس سے صادر ہوتا ہے اس کے مطابق اچھایابرا معاوضہ اس کو دوسری دنیا میں ضرور ملے گا۔اس عقیدہ کا نشان مصروبابل جیسی دنیا کی قدیم قوموں میں بھی ملتا ہے۔الہامی مذاہب نے،موجودہ دنیا کے بعد ایک ہی دنیا اور تسلیم کی ہے جس میں لوگوں کو اچھے اور برے اعمال کی پوری پوری جزا ملی گی۔اسلام سے پہلے دیگرالہامی مذاہب میں بھی جزاوسزااور جرم کا تصور موجودتھا اگرچہ جرائم کی تعداد بہت زیادہ تھی مگر ساتھ ہی ان جرائم کی سزائیں بھی مقرر تھیں ذیل میں تینوں الہامی مذاہب میں جزاوسزا کے تصور کا ذکر ہے

جزا کا لغوی مفہوم:

عربی میں جزاکوجزي بھی لکھا جاتا ہے چنانچہ لسان العرب میں ابن منظور تحریر فرماتے ہیں

"جزي:الجزاء :المکافاة علی شیئی جزاء به وعلیه جزاءً و جازا و مجازاة

قال ابو الهیثم : الجزاء یکون ثواباً و یکون عقاباً؛ و منه قوله تعالیٰ

﴿فما جزاؤه ان کنتم کاذبین﴾(۱)۔"

ترجمہ: لفظ جزاثواب اورعقاب دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:اگرتم جھوٹے ہوتو اس کا کیا

بدلہ ہے؟ جزا کسی کام کا بدلا دینے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

امام راغب کہتے ہیں:

"هو ما فيه الكفاية إن خيرا فخير وإن شرا فشر. لم يجئى في القرآن إلا جزي دون جازى ، وذلك أن المجازاة هي المكافاة وهي المقابلة من كل واحد من الرجلين ، والمكافأة من مقابلة نعمة بنعمة هي كفوها ، ونعمة الله تعالى عن ذلك فلهذا لا يستعمل في الله تعالى وهذا ظاهر (۲)۔"

ترجمہ: وہ جس میں کفایت (بدلہ) ہو خیر کا خیر سے اور شر کا شر سے۔ قرآن نے جزا تو استعمال کیا لیکن مجازات استعمال نہیں کیا کیونکہ اس سے مراد دو مردوں کے درمیان مقابلہ ہوتا ہے۔ اور مکافات نعمت کا مقابلہ اس جیسی نعمت سے ہوتا ہے اور خدا کی نعمتیں اس سے زیادہ ارفع و اعلیٰ ہیں۔ اس لئے اللہ کے لئے یہ استعمال نہیں ہوتا۔

جزا کے لغوی معنی ہیں صلہ، بدلہ، انعام، اجر، عوض، کسی چیز کا بدلہ، نیکی کا عوض جو اگلے جہان میں ملے گا۔ انعام، سزا، مکافات عمل، پھل، نتیجہ اور حاصل، مزدوری، ثواب (۳)۔

John Shakespear لکھتا ہے کہ جزا کے معنی ہیں:

Retaliation, Requital, Return, Recompense (4)

یعنی مکافات، انتقام، لوٹانا، واپس آنا یا جانا، کرنا، اجر دینا بدلہ دینا

جزا کا اصطلاحی مفہوم:

جزا اچھے اور برے اجر دونوں معنوں میں آتا ہے۔ یہ لفظ دنیوی زندگی کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے لیکن اخروی زندگی کے لیے بالخصوص مستعمل ہے (۵)۔

جزاء کی دلیل قرآن پاک سے:

قرآن حکیم میں لفظ "جزا" بدلہ، سزا، کفایت، انعام سب معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْم﴾ (۶)۔

ترجمہ: اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو، ان کے کرتوتوں کے عوض عبرت ناک سزا کے طور پر۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا﴾ (۷)۔

ترجمہ: اور نہ بیٹا ہی اپنے والد کے کچھ کام آسکے گا۔

پھر ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى﴾ (۸)۔

ترجمہ: اور یہی ہے انعام اس کا جو پاک ہوا۔

یہاں "جزا" سے مراد کفایت ہے یعنی قیامت کے روز ہر شخص اپنے اعمال وعقائد کا خود ذمہ دار گردانا جائے گا نہ والد بیٹے کے حق میں کافی سمجھا جائے گا اور نہ بیٹا والد کے حق میں۔ ہر شخص کو اس بناپر صلہ وجزا کا مستحق قرار دیا جائے گا اس نے کیا کیا، اور کیا مانا۔ کسی کے آگے جھکا، کس کی عبادت، کتاب وسنت کی راہ پر چلایا نہیں۔ نیکیوں کی اشاعت وفروغ میں براہ راست حصہ لیا یا نہیں، برائیوں سے دامن کشاں رہا ان سے پینگ بڑھائے رکھی۔ اسلام کا عقوبت واجر اس عادلانہ اساس پر استوار ہے کہ کسی بھی شخص پر نہ تو دوسروں کے گناہوں کا بار ڈالا جائے گا اور نہ کسی ایک کی پرہیز گاری اور نیکی ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا سکے گی۔ جس نے دنیوی زندگی میں اس کے حکموں کو ٹھکرایا (۹)۔

سزا کا لغوی مفہوم:

سزا کو عربی زبان میں "عقوبہ" کہا جاتا ہے۔ جس کی جمع "عقوبات" ہے۔ سزا کے معنی "بدی" کا بدلہ، پاداش کے ہیں۔ (۱۰)

صاحب تاج العروس سزا کو عقبہ کے تحت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

والعقبىٰ أيضاً: جزاء الأمر يقال ؛ العقبى لك في الخير ، أي العاقبة . وأعقبه بطاعته ، وأعقبه على ما صنع أي جازاه .(۱۱)۔

ترجمہ: اور عقبٰی (بدلہ، جزا) بھی ہے۔ کسی کام کی جزا، کہا جاتا ہے: نیکی میں آپ کے لئے بدلہ ہے یعنی نیک بدلہ، اور اس نے اسے اسکی فرمانبرداری کا صلہ دیا۔ اور اس نے اسے اسکے کئے کی سزا دی یعنی اسے بدلہ دیا۔

ابن منظور عقوبت کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

"واعتقب الرجل خيراً أو شراً بما صنع : كافأ به. والعقاب والمعاقبة ان تجزى الرجل بما فعل سوءً ا ،والاسم العقوبة. وعاقبة بذنبه معاقبة وعقاباً : أخذه به . وتعقبت الرجل اذا أخذته بذنب كان منه،(۱۲)۔"

ترجمہ: اس نے آدمی کو اس کے فعل پر اچھایا برا بدلہ دیا یعنی اس نے اسے بدلہ دیا۔اور سزا یہ ہوتی ہے کہ تو آدمی کو اس کے برے کام پر بدلہ دے ۔اور اسم عقوبہ (سزا) ہے ۔اور اس نے اسے اس کے قصور پر سزا دی۔اور تو آدمی کی گرفت کرتا ہے جب تو اس سے ہونے والے گناہ پر اسے پکڑتا ہے۔

اسی طرح سے اردو لغات کے ماہرین کے مطابق سزا نام ہے۔

سرزنش، دھونس، خوشامد، تدبیر، روک، علاج، سدباب، تدارک، دھمکی، لائق، موافق،

مناسب، مطابق، بدلہ نقصان وخمیازکے ہیں (۱۳)۔

عقوبت سے مراد وہ بدلہ ہے جو خدا اور رسول اللہ ﷺ کی نا فرمانی کرنے پر اجتماعی مفاد کی خاطر کیا گیا ہو

اصطلاحی مفہوم:

☆ ماوردی کے مطابق:

''سزا، ڈانٹ ڈپٹ اور تنبیہ کی وہ شکلیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے خود مقرر کیا ہے ۔تا کہ انسان ممنوعہ کاموں سے ارتکاب سے باز آجائے اور جن باتوں کا حکم دیا گیا ہے اس کو ترک نہ کرے (۱۴)۔''

ابوزہرہ کے مطابق:

''یہ ایک مادی اور نادیبی سرزنش ہے جو مجرم کو دی جاتی ہے ان سزاؤں سے مکلّف آدمی جرائم کے ارتکاب سے باز آتا ہے ۔اب اگر اس نے ایک بار جرم کیا تو تنبیہ کے لیے اسے سزا دی جاتی ہے جس سے وہ دوبارہ جرم کا ارتکاب نہیں کرتا۔ساتھ ہی دوسروں کو بھی عبرت حاصل ہوتی ہے (۱۵)۔''

حاصل بحث یہ کہ یہ سزائیں جرم سرزد ہونے سے پہلے روک دیتی ہیں اور جرم صادر ہو جانے کے بعد تنبیہ کا کام دیتی ہیں ۔یعنی اس کی مشروعیت سے واقف ہو جانے کے بعد آدمی اس کام کے ارتکاب سے رک جاتا ہے ۔اور اگر اس نے ایک بار ارتکاب کر لیا تو سزا کے بعد دوبارہ سے باز آجاتا ہے ۔سزائیں تجویز کیے جانے کی مصلحت یہ ہے کہ تمام لوگوں کے حسب ونصب ، مال و دولت، عقل وشعور اور عزت وآبرو کا تحفظ کیا جا سکے اور بگاڑ کے جس راستے سے کسی کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو بروقت اس پر تنبیہ کر دی جائے (۱۶)۔

مبحث اول: یہودیت میں تصور جزا وسزا

یہودیت میں دنیوی جزا وسزا کا تصور:

یہودی شریعت میں نیکی کی ترغیب اور برائی سے بچانے کے لئے دنیاوی انعامات اور سزاؤں کا ذکر ہے ۔اخروی عذاب کی وعید یا نعمتوں کی بشارتیں بہت کم ملتی ہیں ۔مثلاً اگر تم میری شریعت پر چلوں تو میں تمہارے لئے ہر وقت مینہ برساؤں گا ۔زمین سے اناج پیدا کروں گا ۔تمہارے گناہوں کے موافق تمھارے اوپر سات گنی بلائیں لاؤں گا نیز جو کوئی اپنی چچی یا تائی سے برا کام کرے گا وہ لاولد رہے گا یہ تمام دنیاوی سزائیں ہیں (۱۷)۔

اسی طرح آخرت میں خدا سزا جزدے گا چنانچہ یسعیاہ میں لکھا ہے کہ؛

''خدا سزا و جزا لئے آتا ہے (۱۸)۔''

تصور جزا:

یہودیت میں دنیوی جزا:

یہودیت میں دنیوی جزا کا واضح تصور ہمیں کتاب مقدس کی مختلف کتب میں ملتا ہے ۔جیسا کہ سموئیل اول میں لکھا ہے ۔

''سو خداوند اس نیکی کے عوض جو تو نے مجھ سے آج کے دن کی تجھ کو نیک جزا دے (۱۹)۔''

ایک اور جگہ پر اسی کتاب میں لکھا ہے:

''دیانتداری کے موافق جزا دے (۲۰)۔''

سموئیل دوم میں دنیوی جزا کے متعلق لکھا ہے کہ:

''یہی جزا میں نے اسے اسکی خبر کے بدلے دی (۲۱)۔''

ایک اور جگہ پر راستی اور عدل کے مطابق جزا کا تذکرہ ہے چنانچہ لکھا ہے کہ:

''راستی کے موافق جزا دی (۲۲)۔''

سلاطین اول میں دینوی سزا صداقت سے دینے کی تاکید ہے درج ہے کہ:

''صداقت کے مطابق اسے جزا دینا (۲۳)۔''

ایوب میں دنیا اور آخرت دونوں کی جزا کا ذکر ہے ۔چنانچہ لکھا کہ:

''وہ انسان کو اس کے اعمال کے مطابق جزا دے گا ۔اور ایسا کرے گا کہ ہر کسی کو اپنی راہوں

کے مطابق بدلہ ملے گا (۲۴)۔"

انعام اخروی:

اخروی نعمتوں میں سے ایک نعمت اور انعام گناہوں کا بخشا جانا ہے چنانچہ یسعیاہ میں لکھا ہے کہ:

"ان کے گناہ بخشے جائیں گے (۲۵)۔"

نیز لکھا ہے کہ:

"اور خطا کاروں کی شفاعت کی (۲۶)۔"

سلاطین اول میں لکھا ہے کہ:

"میں تجھے انعام دوں گا (۲۷)۔"

جس نے جو عمل کیا ہوگا اسے اس کا ٹھیک ٹھیک بدلہ مل جائے گا چنانچہ امثال میں تحریر ہے:

"ہاتھوں کے کئے کی جزا اسکو ملے گی (۲۸) ۔"

نیکی کرنے پر اچھا بدلہ ملے گا لکھا ہے کہ:

"وہ اپنی نیکی کا بدلہ پائے گا۔(۲۹)۔" اس دن صادقوں کو نیک جزا انعام میں ملے گی جیسا کہ امثال میں لکھا ہے:

"صادقوں کو نیک جزا ملے گی (۳۰)۔"

جس نے ذرہ برابر بھی نیکی ہوگی یا برائی کی ہوگی اس کو اس کا ٹھیک ٹھیک بدلہ دیا جائے گا چنانچہ ہوسیع میں لکھا ہے:

"وہ اعمال کے موافق اس کو جزا دے گا(۳۱)۔"

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے ہاں بھی دنیوی و اخروی جزا کا تصور پایا جاتا ہے اور ان کے نزدیک بھی اچھے کام پر انعام دنیوی و اخروی ملے گا۔ جیسے اعمال ہوں گے ویسی جزا ہوگی

اخروی تصور جزا و سزا:

کتاب پیدائش میں دنیا کی محنت و مشقت اٹھانے کے بعد پھر جنت میں داخلہ کا اشارہ ہے (۳۲)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں اخروی جزا و سزا کے اصول مذکور ہیں۔ نیکوکاروں کیلئے ایک "ستھری آبادی" کا ذکر ہے جس میں دودھ اور شہد کی نہریں بہتی ہیں۔ بدکاروں کیلئے ہلاکت، بربادی اور دردناک عذابوں کی خبر ہے مگر مترجمین نے ہر جگہ اس کو دنیاوی ثواب اور عذاب بلکہ ارض موعودہ کی ظاہری سلطنت کے معنوں میں دکھایا ہے۔ حالانکہ بعض مقامات پر یہ بے جوڑ سی بات لگتی ہے۔ حضرت آدمؑ کی جنت عدن اور اس کے چار دریاؤں کا ذکر کتاب پیدائش کے میں ہے۔ اس کے علاوہ تورات میں موت کے بعد کی زندگی کی وضاحت ملتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ اور حضرت یعقوب علیہما السلام کی موت کی تعبیر ان لفظوں میں کی گئی ہے کہ جاں بحق ہوا اور وہ اپنے لوگوں میں

جاملا۔ساتھ ہی ہمیشہ کی بھلائی کا تذکرہ ہے۔اور جہنم کی آگ کا بھی بیان ہے۔اور ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ دیئے جانے کا ذکر ہے۔روح کی بقا اور آسمان پر چڑھنے کی تعلیم بھی ان صحیفوں میں موجود ہے۔مرنے کے بعد روح کے خدا کے پاس واپس جانے کا تذکرہ ہے (۳۳)۔

یہودیت میں دنیوی واخروی سزا کا تصور:

اسلام سے پہلے دیگر مذاہب عالم میں بھی جرم وسزا کا تصور تھا۔اگر چہ جرائم کی تعداد بہت زیادہ تھی مگر ساتھ ہی ان جرائم کی سزائیں بھی مقرر تھیں۔ذیل میں یہودیت میں جرم وسزا کے تصور پر بحث کی جارہی ہے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی اور آپ جوان ہوئے تو اپنی قوم بنی اسرائیل کی خستہ حالی کو آپ نے دیکھا ذلت کی انتہا ہو چکی تھی۔حاکم قوم پر چھوٹا موٹا کام ڈنڈے کے زور پر بنی اسرائیلیوں سے لیتی تھی حتیٰ کہ بازاروں میں ان کو مارنا پیٹنا عام ہو گیا تھا (۳۴)۔

اس ذلت ورسوائی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو گوارا نہ کر سکے۔انہوں نے بنی اسرائیل کی آزادی کے لیے جدوجہد کی کامیاب ہوئے اور قوم کو لے کر مصر سے نکلے۔حضرت موسیٰ فرعون کے ظالمانہ پنجے سے چھٹکارا دلا کر بنی اسرائیل کو جب مصر سے آئے تو ان کو دینی تعلیم دینا ضروری تھی چنانچہ جہاں انہوں نے مذہبی اخلاقی اصلاح کی وہاں عدل وانصاف کے طریقے بھی رائج کیے اور جرائم کے انسداد کے لیے سزائیں تجویز کیں۔

خدا عدالت بھی لگائے گا اور غلط کاموں پر سزا بھی ملے گی چنانچہ لکھا ہے۔

> ''تیری روش کے مطابق تیری عدالت کرونگا اور تیرے سب گھنونے کاموں کی سزا تجھ پر لاؤں گا میری آنکھ رعایت نہیں کرے گی اور میں ہرگز رحم نہیں کروں گا اور میں خداوند سزا دینے والا ہوں (۳۵)۔''

یہودیت میں دنیوی اصول سزا:

سزا کا اصول حیثیت کے مطابق مقرر کیا جاتا تھا۔چنانچہ اسی اصول کے مطابق سزائیں مقرر کیں۔(۳۶)

قتل کی سزا قتل:

اگر کوئی شخص کسی کو مار دے اور وہ مر جائے تو قاتل کو قتل کر دینا چاہیے (۳۷)۔

چوری کی سزا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو چوری کرنے سے منع فرمایا اور چور کی سزا یہ مقرر کی کہ اگر چوری کی چیز اس طرح کے ہاتھ میں پائی جائے خواہ وہ بیل ہو یا گدھا ہو۔خواہ بھیڑ ہو تو ایک کے عوض دو بیل، دو گدھے یا دو بھیڑیں دے۔چوری کے

جرم میں ہاتھ کاٹنے کی سزا کا ذکر موجودہ زبور میں نہیں ہے۔اس سزا کا ذکر ابن الاثیر اور ابوالفداء نے کیا ہے(۳۸)۔

جھوٹے گواہوں کی سزا:

''اگر کوئی شخص کسی شخص کے خلاف اس کے گناہ جرم کے بارے میں جھوٹی گواہی دیتا تو اس کا اس کو کاہن اور قاضیوں کے سامنے پیش کیا جاتا تھا(۳۹)۔''

شراب پینے اور کم ناپ تول کی ممانعت:

شراب پینے کی زبور میں ممانعت ہے۔سزا کا ذکر نہیں ہے اسی طرح کم ناپنے اور تولنے کی بھی ممانعت ہے لیکن سزا کا ذکر نہیں ہے۔(۴۰)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی مذہب میں سزا و جزا کا تصور کس حد تک آج بھی پایا جاتا ہے۔اور ان کے ہاں اچھے کاموں پر دنیوی و اخروی جزا اور برائی پر دنیوی و اخروی سزا دیے جانے کا تصور ہے۔

سزا اخروی یہودیت میں:

اسی طرح خروج میں لکھا ہے کہ:

''ان کو ان کے گناہ کی سزا دوں گا(۴۱)۔''

یرمیاہ میں، خدا کے سزا دینے کے متعلق لکھا ہے:

''میں انکو سزا دوں گا(۴۲)۔''

برے لوگوں کو انعام نہ ملے گا چنانچہ لکھا ہے کہ؛

''تجھے کوئی انعام نہیں ملے گا(۴۳)۔''

یرمیاہ میں خطا کار کی دوگنی سزا کا ذکر موجود ہے

''اور خطا کاری کی دونی سزا دوں گا(۴۴)۔''

ہوسیع میں سزا کا تذکرہ کرتے لکھا ہے کہ:

''لیکن خطا کار لوگ اس میں گر پڑے گے(۴۵)۔''

نیز لکھا ہے کہ:

''گناہوں کی سزا کا بوجھ اٹھاؤ گے(۴۶)۔''

نیز تحریر ہے کہ:

''وہ تمہاری خطائیں نہیں بخشے گا(۴۷)۔''

حزقی ایل میں جب خدا سزا کا فیصلہ کرے گا اس کے متعلق لکھا ہے کہ:

"وہ قوموں کی سزا کا وقت ہوگا (۴۸)۔"

عاموس میں لکھا ہے کہ:

"اسرائیل کے گناہوں کی سزا دوں گا (۴۹)۔"

نیز لکھا ہے کہ:

"گھنونے کاموں کی سزا پائیں گے (۵۰)۔"

شریروں کو آخرت میں کیا سزا ملے گی اور ان کے انجام سے متعلق لکھا ہے کہ:

"شریروں کا انجام ہلاکت ہے۔(۵۱)۔"

نیز تحریر ہے کہ:

"ان کے اعمال کا بدلہ ان کو بدلہ دوں گا (۵۲)۔"

مبحث دوم: عیسائیت میں تصور جزا وسزا

عیسائیت میں دنیوی واخروی تصور جزا وسزا:

عیسائیوں میں بھی جزا سزا کا تصور موجود ہے اس کی مختلف مثالیں ہمیں کتاب مقدس کے عہدنامہ جدید میں ملتی ہیں مثلاً Encyclopaedia of Religion And Religion کا مقالہ نگار لکھتا ہے کہ:

"In christian belief, the last Day when the present world will come to an end , the dead will rise from their graves ,and wil be summoned to appear before the judgement - seat of God."(53)

ترجمہ: عیسائی لوگوں کا عقیدہ ہے کہ جس دن یہ دنیا ختم ہو جائے گی اور مردہ لوگ اپنی قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے اور خدا منصف کے سامنے حاضر ہونے کو کہا جائے گا۔

دنیوی تصور جزا وسزا

"جو کوئی اپنے بھائی پر غصہ ہوگا وہ عدالت کی سزا کے لائق ہوگا اور جو کوئی اپنے بھائی کو پاگل

کہے گا وہ صدر عدالت کی سزا کے لائق ہوگا(۵۴)۔"

۲۔پطرس میں لکھا ہے

"عدالت کے دن تک سزا میں رکھنا(۵۵)۔"

نیز لکھا ہے کہ:

"اس بڑی کسبی کو سزا دکھاؤں (۵۶)۔"

مذہب دل سے اختیار نہ کرنے پر قتل کی سزا:

نصرانی شریعت کا بانی قسطنطین تھا اس بادشاہ نے یہودیوں کو مذہب نصرانی اختیار کرنے پر مجبور کیا۔بہت سے لوگ بہ ظاہر نصرانی ہوئے لیکن جب ان کو سور کھلایا گیا تو عریاں ہو گئے جس پر اکثر قتل کر دیئے گئے(۵۷)۔

پیشواؤں کی سزا ناک کاٹنا:

اس بادشاہ سے قبل جو بادشاہ تھے وہ صابی مذہب کے پیروکار تھے۔جو بتوں کو پوجتے تھے۔چنانچہ قسطنطین بادشاہ نے ان کے دو ہزار اڑتالیس پیشواؤں کو جمع کیا اور ان میں سے تین سو اٹھارہ پیشواؤں کو منتخب کر کے ان کی ناکیں کٹوا ڈالیں(۵۸)۔

اخروی تصور جزا و سزا:

جیسے جزا کے متعلق لکھا ہے کہ:

"ہر اچھی بخشش اور ہر کامل انعام۔۔(۵۹)۔"

"جو کوئی اپنے بھائی پر غصہ ہوگا۔۔۔اور جو اس کو احمق کہے گا وہ آتش جہنم کا سزاوار ہوگا(۶۰)۔"

متی میں لکھا ہے:

"اور یہ ہمیشہ سزا پائیں گے(۶۱)۔"

لوقا میں لکھا ہے کہ

"قیامت میں بدلہ ملے گا(۶۲)۔"

یہ اس کا ثبوت ہے کہ قیامت برپا ہوگی اور اللہ تعالی انسانوں کو ان کے کیے کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ دنیا میں اگر اچھا کام کریں تو اس کا بدلہ دنیا میں اور آخرت میں بھی ملتا ہے جیسا کہ لکھا ہے کہ:

"وہ اپنے کاموں کا بدلہ پا رہے ہیں(۶۳)۔"

برے کام کا برا بدلہ ملنے کا تصور ملتا ہے جیسا کہ کلسیوں میں تحریر ہے:

''وہ اپنی برائی کا بدلہ پائے گا(۶۴)۔''

عبرانیوں میں نافرمانی کی سزا کے متعلق لکھا ہے کہ:

''نافرمانی کا ٹھیک ٹھیک بدلہ ملے گا(۶۵)۔''

مکاشفہ میں بھی جزا سزا کا ذکر آتا ہے چنانچہ تحریر ہے:

''تو اسکے کاموں کے موافق بدلہ دوں گا(۶۶)۔''

دنیوی واخروی سزا کے متعلق رومیوں میں لکھا ہے کہ:

''ان کی سزا شریعت کے موافق ہوگی(۶۷)۔''

آخرت میں بدکاروں کو بدکاری کی سزا دی جائے گی چنانچہ کہا گیا:

''بدکار کو سزا دیتا ہے(۶۸)''

ایک اور جگہ لکھا ہے کہ:

''ہم سب خدا کے تختِ عدالت کے آگے کھڑے ہوں گے(۶۹)۔''

چنانچہ یہ لکھا ہے کہ

''خداوند فرماتا ہے مجھے اپنی حیات کی قسم ہر ایک گھٹنا میرے آگے جھکے گا اور ہر ایک زبان خدا کا اقرار کرے گی پس ہم میں سے ایک خدا کو اپنا حساب دے گا(۷۰)۔''

متی میں لکھا ہے کہ:

''آتشِ جہنم کا سزاوار ہوگا(۷۱)۔''

غرض نتیجہ بحث یہ کہ عیسائیت مذہب جو کہ الہامی مذہب ہے، کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوا کہ اس مذہب میں دنیوی سزا کا تذکرہ ملتا ہے گو کہ عیسیٰؑ نے انکے عقیدے کے مطابق صلیب پر جان دی اور ان کے مذہب کے تمام لوگوں کا کفارہ ادا کر دیا لیکن پھر بھی ان کے ہاں آخرت کا واضح تصور ملتا ہے۔

مبحث سوم: اسلام میں تصورِ جزاء وسزا

تصور جزا اور سزا قرآن وحدیث کی روشنی میں :

اس دنیا میں لوگوں کے اطوار اور اعمال جدا جدا ہیں کوئی نیک ہے کوئی بد ہے، کوئی اچھا ہے کوئی برا، لہذا اس زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی کا تصور انتہائی ضروری ہے جہاں اعمال کی جزا سزا دی جائے گی کیونکہ دنیا دار العمل ہے۔ بدلہ کی جگہ نہیں۔

اسی طرف سورہ آل عمران میں اشارہ ہے۔

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾(۷۲).

ترجمہ: ہر شخص ایک دن موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور قیامت کے دن تم سب کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ تو (اس دن) جو شخص دوزخ سے دور رکھا گیا اور جنت میں داخل ہو گیا وہ کامیاب ہوا اور دنیا کی زندگی تو محض دھوکے کا سودا ہے۔

ابن کثیر اس آیت کے ضمن میں فرماتے ہیں:

''اس روز مخلوق کو ان کے کل اعمال کے چھوٹے بڑے چھپے کھلے صغیرہ کبیرہ سب کی جزا سزا ملے گی کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں ہوگا۔'' اسی آیت کی تفسیر میں آگے چل کر ایک اور آیت ذکر فرماتے ہیں کہ

﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الحَيٰوةَ الدُّنْيَا . وَالاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَ اَبْقٰى﴾(۷۳)۔

ترجمہ: یعنی تم تو دنیا کی زندگی پر ریجھے جاتے ہو حالانکہ دراصل بہتری اور بقا والی چیز آخرت ہے۔

سورہ البقرہ میں بھی نیک عمل کرنے والوں کی اچھی جزا کا تذکرہ ہے

﴿وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَ اُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا وَ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾(۷۴)۔

ترجمہ:اور جولوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کوخوشخبری سنادو کہ ان کے لئے (نعمت) کے باغ ہیں جن کے نیچےنہریں بہ رہی ہیں ۔جب انہیں ان میں سے کسی قسم کا میوہ کھانے کودیا جائے گا تو کہیں گے ،یہ تو وہی ہے جو ہم کو پہلے دیا گیا تھااور ان کوایک دوسرے کے ہم شکل میوے دیے جائے گے اور وہاں ان کے لئے پاک بیویاں ہوگی اور وہ بہشتوں میں ہمیشہ رہیں گے ۔

ابن کثیر کے مطابق:

''اس آیت میں ایماندا روں اور نیک صالح لوگوں کے جزا ثواب اور سرخروئی کا بیان کیا گیا ہے(۷۵).''

نیز فرمایا

﴿اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ﴾(۷۶).

ترجمہ:وہی خلقت کو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر وہی اس کو دوبارہ پیدا کرے گا تا کہ ایمان والوں اور نیک کام کرنے والوں انصاف کیساتھ بدلہ دے اور جو کافر ہیں ان کے لئے پینے کونہایت گرم پانی اور درد دینے والا عذاب ہوگا کیونکہ وہ کفر کرتے تھے۔

اس آیت کے متعلق تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے کہ:

''قیامت کے دن ایک بھی نہ بچے گا۔سب اپنے اللہ کے سامنے حاضر کئے جائیں گے جیسے اس نے شروع میں پیدا کیا تھا ۔ایسے ہی دوبارہ اعادہ کرے گا اور یہ اس پر بہت آسان ہوگا اس کے وعدے اٹل ہیں۔عدل کے ساتھ وہ اپنے نیک بندوں کواجر دے گااور پورا پورا بدلہ عنایت فرمائے گا۔کافروں کوبھی ان کے کفر کا بدلہ ملے گا۔طرح طرح کی سزائیں ہوں گی۔گرم پانی 'گرمی' گرم لوان کے حصے میں آئیں گےاور بھی قسم قسم کے عذاب ہوتے رہیں گے۔وہ جہنم جیسے یہ جھٹلا رہے تھے ان کا اوڑھنا بچھونا ہوگی ۔اس کے اور گرم پگھلے ہوئے تانبے جیسے پانی کے درمیان یہ حیران و پریشان ہوں گے(۷۷).

سورہ انعام میں مومنین کو ملنے والی چھوٹی چھوٹی نیکیاں کرنے پر بھی جزا کا تذکرہ ہے

﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ لَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا﴾(۷۸).

ترجمہ: جوکوئی خدا کے حضور نیکی لے کر آئے گا اس کو ویسی دس نیکیاں ملے گی اور جو برائی لائے گا اسے ویسی ہی سزا ملے گی۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کتنے رحیم ہیں کہ ایک نیکی کرنے پر دس گنا نیکیاں لکھیں گے اور ایک برائی پر صرف ایک ہی برائی، یعنی برابر برابر سزا دیں گے یعنی یوم آخر، یوم الدین یا یوم جزا پر ایمان لانے سے اسلام کا حقیقی منشا یہ ہے کہ لوگ اس کا یقین کریں کہ انہیں ان کے ہر عمل کا بدلہ روز جزا دیا جائے گا جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی یا ذرہ برابر برائی کی ہوگی اس کا بدلہ دیا جائے گا یعنی اس کو اس کی جزا ملے گی(۷۹)۔

﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا وَ هُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾(۸۰)

ترجمہ: جو شخص نیکی لے کر آئے گا تو اس کے لئے اس سے بہتر (بدلہ تیار) ہے اور ایسے لوگ (اس روز) گھبراہٹ سے بے خوف ہوں گے۔ اور جو برائی لے کر آئے گا تو ایسے لوگ اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیے جائے گے تم کو تو ان ہی اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے رہے ہو۔

سورہ سبا میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

﴿مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَ هُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ. وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ﴾(۸۱)۔

ترجمہ: جو ایمان لائیں اور عمل نیک کریں ان کے لئے ان کے اعمال کا دوہرا اجر ہے اور وہ نڈر اور بے خوف ہو کر بالا خانوں میں رہیں گے۔ اور جو لوگ ہماری آیتوں کے مقابلے کی تگ ودو میں لگے رہتے ہیں یہی ہیں جو عذاب میں پکڑ کر حاضر رکھے جائیں گے۔

یہ ایمان و عمل صالح والوں کا حال بتلایا گیا ہے کہ اللہ کے نزدیک مقبول یہی لوگ ہیں، دنیا میں کوئی ان کی قدر پہنچانے یا نہ پہچانے، آخرت میں ان کو جزائے ضعف ملے گی۔ جس طرح دنیا میں دولت والے اپنی دولت کو بڑھانے میں لگے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کی جزاء کو آخرت میں بڑھا دیں گے۔ اس میں بھی منحصر نہیں، اس کے اخلاصِ عمل اور دوسرے اسباب سے ایک عمل کی جزا اس کے سات سو گنا تک ملنا بھی احادیث صحیحہ میں ثابت ہے۔ امین احسن اصلاحی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"خدا کے ہاں تقرب کا ذریعہ مال اور اولاد نہیں بلکہ عمل صالح ہے۔ جو لوگ ایمان اور عمل صالح کی روش اختیار کریں گے ان کیلئے ان کے اعمال کا مضاعف صلہ ہوگا۔ جو لوگ مال و اولاد کو آخرت کی فلاح کا ذریعہ بناتے ہیں ان کو جو اس کا صلہ ملے گا وہ

ابدی اورلازوال ہوگا(۸۲)۔''

دنیا کی آرزو میں اندھا ہوکر جنت اوراس کی بے قیاس حسین وسرورانگیز' نعمتوں سے صرفِ نظر کرنے والا شخص سخت ظالم و جاہل شخص نہیں تو اور کیا ہے؟ ایسے لوگوں کی چونکہ دنیا میں اکثریت رہی ہے' لہٰذا تاریخی عمل کے حوالے سے قرآن مجید نے کیا پتے کی بات کہی ہے:

﴿وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ﴾(۸۳)۔

ترجمہ: اورزمانے کی قسم، بیشک انسان خسارے میں ہے۔

تاریخی عمل شاہد ہے کہ انسان فی الحقیقت خسارے میں ہے''۔لیکن اس مسلسل خسارے سے مستثنیٰ وہ لوگ ہیں' جومؤمن ہیں جو ایک دوسرے کوحق وصداقت اورصبرو استقلال کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔معرفتِ نفس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے قلب ونفس کی سچی آرزواورحسین وقبیح خواہشات' نیز خیروشراور میں امتیاز کرنا ہو'اوراسے اس حقیقت کاعرفان ہو۔ اسے اس حقیقت کا حق الیقین ہوتا ہے کہ اس کے نفس کی سچی آرزو حقیقت میں اس کے اِلٰہ ورب کےقُرب کی طلب وجستجو ہوتی ہے۔قرآن مجید جب یہ کہتا ہے کہ انسان مسلسل گھاٹے میں اورحد سے زیادہ ظالم وجاہل اورجلد باز ہےتو اس میں ایک نکتہ یہ بھی مضمر ہوتا ہے کہ انسان قلیل متاعِ دنیا کو جنت کی ابدی زندگی اوراس کی لامتناہی اورسرورانگیز ومسحورکن نعمتوں پرترجیح دیتا ہے۔ایسا شخص وحی وتنزیل ہی کی نہیں' بلکہ اپنی فطرت وعقلِ سلیم کی بھی تکذیب کرتا ہے

۔

اسلام میں دنیوی اعمال کی سزا:

اسلام دنیوی اعمال کی جزا کے ساتھ سزا کا تذکرہ بھی کرتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشادفرمایا ہے کہ:

﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ﴾(۸۴)۔

ترجمہ: جومصیبت تم کوپہنچتی ہےوہ تمہارےاعمال کی وجہ سےپہنچتی ہے۔

لوگوتمہیں جو کچھ مصیبتیں پہنچتی ہیں وہ سب دراصل تمہارےاپنے کئے گناہوں کابدلہ ہیں،اورابھی تو وہ اللہ تمہاری بہت سی حکم عدولیوں سےچشم پوشی فرماتا ہےاورانہیں معاف فرمادیتا ہے،اگر ہرایک گناہ پر پکڑےتو تم زمین پرچل پھربھی نہ سکو۔

صحیح حدیث میں ہے کہ:

((ما من مصيبة تصيب المسلم إلا كفر الله بها عنه حتى الشوكة يُشاكها)) (۸۵)۔ترجمہ:مومن کوجو تکلیف سختی غم اورپریشانی ہوتی ہےاس کی وجہ سےاللہ تعالیٰ اس کی خطائیں معاف فرماتا ہے یہاں تک کہ ایک کانٹا لگنے کےعوض بھی۔

جب آیت فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرًا لخ' اتری اس وقت حضرت صدیقؓ کھانا کھا رہے تھے آپ نے اسے سن کر کھانے سے ہاتھ ہٹالیا اور کہایا رسول ﷺ کیا ہر برائی بھلائی کا بدلہ دیا جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا سنو طبیعت کے خلاف جو چیزیں ہوتی ہیں یہ سب برائیوں کے بدلے ہیں اور ساری نیکیاں اللہ کے پاس جمع شدہ ہیں(۸۶)اور آنحضرت ﷺ نے اس آیت کی تفسیر میں کہ:

﴿ وَ اِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْکُمْ بِهِ اللّٰهُ ﴾(۸۷)۔

ترجمہ: جو تمہارے دلوں میں ہے خواہ تم اس پر ظاہر کر دیا مخفی رکھو اللہ اس کا حساب تم سے لے گا۔

اور اس ارشاد میں کہ ﴿ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ ﴾(۸۸)۔

ترجمہ: جو برا کام کرے گا اس کو اس کی سزا دی جائے گی۔

آپ ﷺ نے فرمایا: سنو!صدیقؓ تم اور تمہارے ساتھی یعنی مومن تو دنیا میں ہی بدلہ دے دیئے جاؤ گے اور ان مصیبتوں کے باعث تمہارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔قیامت کے دن پاک صاف اٹھو گے۔ہاں اور لوگوں کی برائیاں جمع ہوتی جاتی ہیں اور قیامت کے دن انہیں سزا دی جائے گی۔ایک حدیث میں ہے'حضرت عائشہؓ نے کہا'یا رسول اللہ ﷺ یہ آیت سب سے زیادہ ہم پر بھاری پڑتی ہے تو آپؐ نے فرمایا'مومن کا یہ بدلہ وہی ہے جو مختلف قسم کی پریشانیوں اور تکلیفوں کی صورت میں اسے دنیا میں یہ مل جاتا ہے۔اور حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا' یہاں تک کہ مومن اپنی نقدی جیب میں رکھ لے' پھر ضرورت کے وقت تلاش کرے' تھوڑی دیر نہ ملے' پھر جیب میں ہاتھ ڈالنے سے نکل آئے تو اتنی دیر میں جو اسے صدمہ ہوا اس سے بھی اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور یہ بھی اس کی برائیوں کا بدلہ ہو جاتا ہے۔یونہی مصائب دنیا اسے کندن بنا دیتے ہیں کہ قیامت کا کوئی بوجھ اس پر نہیں رہتا جس طرح سونا بھٹی میں تپا کر نکال لیا جائے' اس طرح یہ دنیا میں پاک صاف ہو کر اللہ کے پاس جاتا ہے۔رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا مومن کو ہر چیز میں اجر دیا جاتا ہے یہاں تک کہ موت کی سختی کا بھی(۸۹)۔

شاہ ولی اللہ کے مطابق:

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے اس عتاب کا بیان ہے جو بندہ بخار اور مصیبت کے پہنچنے سے ہوا کرتا ہے۔حتیٰ کہ وہ کوئی سامان اپنی قمیص میں رکھتا ہے اور اس کے کھو جانے سے گھبرا جاتا ہے ایسے حالات کی وجہ سے وہ بندہ گناہ سے ایسا صاف نکل

جاتا ہے۔ جیسے لوہار کی بھٹی سے سرخ لوہا۔(۹۰)۔

اُخروی جزا:

اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

﴿بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾(۹۱)۔

ترجمہ: ہاں جو لوگ برے کام کریں ان کی خطا ان کو گھیر لے تو یہ لوگ جہنمی ہیں ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں:

''جس کے اعمال سراسر بد ہیں جو نیکیوں سے خالی ہیں وہ جہنمی ہے اور جو شخص اللہ رسول پر ایمان لائے اور سنت کے مطابق عمل کرے وہ جنتی ہے۔ جیسے ایک جگہ فرمایا نہ تو تمہارے منصوبے چل سکیں گے اور نہ اہل کتاب کے' ہر برائی کرنے والا اپنی برائی کا بدلہ دیا جائے گا اور ہر بھلائی کرنے والا ثواب پائے گا۔ اپنی نیکوکاری کا اجر پائے گا مگر برے کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ کسی مرد کا' عورت کا اور بھلے آدمی کا کوئی عمل برباد نہ ہوگا(۹۲)۔''

الغرض مختصر یہ کہ انسان برے کام کرے گا تو برا بدلہ پائے گا تا کہ اچھے کام کرنے والوں کو اچھا صلہ ملے۔ برا کام چاہے کفر کرنا جو کہ سب برائیوں میں سے سے بڑی برائی ہے کو اللہ نے ناپسندیدہ کاموں میں سے سب سے زیادہ برا کام جو انسان کو جہنم میں لے جاتا ہے اور اللہ کی ناراضگی کا سبب اول ہے جبکہ اس کے برعکس نیک کام کرنے والوں کو آخرت میں بہترین جزا دی جائے گی اچھے اعمال کا بدلہ جنت کی صورت میں دیا جائے گا قرآن مجید میں نیک کام کرنے والوں سے واضح طور پر جنت کا وعدہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے جابجا جنت کی تفصیلات بتاتے ہوئے پانی کے چشموں، دودھ، شہد اور شراب کی نہروں، پھلوں، باغات، گھنے سایوں، ٹھنڈی چھاؤں، پرندوں کے گوشت نادر اور قیمتی مسندوں اور حوروں قصور کا ذکر فرمایا ہے۔ دنیاوی اعتبار سے یہ ساری چیزیں عیش وعشرت کا عروج سمجھی جاتی ہیں۔

قرآن مجید کی تعلیمات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ جنت بلاشبہ عیش وعشرت کی جگہ ہے۔ لیکن اس عیش وعشرت کا تصور تقویٰ، نیکی، پرہیزگاری کیزگی کے اس معیار کے ساتھ واسطہ ہے جس کا مطالبہ اللہ تعالیٰ نے عبادالرحمٰن سے اس دنیا میں کیا تھا۔ جو کوئی دنیا میں اعمال خیر کرے گا خدا اس کو ان اچھے کاموں کی بناء پر جنت میں لے جائے گا تو وہاں وہ اس

شان سے رہے گا کہ گویا وہ ایک عظیم الشان سلطنت کا مالک ہے۔قرآن نے ایسی آیات بھی ذکر کیں جن میں بدکار گنا ہگار کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ اس دن ٹھیک ٹھیک بدلہ دیا جائے گا۔

قرآن مجید میں سورۃ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾(۹۳)۔

ترجمہ: دوڑو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی (صرف) چوڑائی آسمانوں اور زمین (کی وسعت) جیسی ہے جنت متقی لوگوں کے لیے تیاری کی گئی ہے۔

چونکہ متقی لوگ وہ ہیں جو رب سے ڈرتے ہیں اور اس کے حکموں پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو اس کے بدلے میں ان کو بہترین جزا عطا کی جائے گی۔اہل جنت کی آمد پر فرشتے جنت کے دروازے کھولیں گے۔دروازوں سے داخل ہوتے وقت فرشتے ان کے لیے سلامتی کی دعا کریں گے۔

روزے کا ذکر ہمیں ہر الہامی مذہب میں ملتا ہے اسی طرح اسلام میں بھی اس کا ذکر ہے۔چونکہ روزہ اللہ کے پسندیدہ کاموں میں سے ہے اور اسی لئے جنت کے آٹھ دروازوں میں سے ایک دروازے کا نام روزے کے نام پر ہے۔روزہ اللہ کے بندے صرف اس کی رضا کے حصول کیلئے رکھتے ہیں اس لئے اس کی بہترین جزا ملے گی۔چنانچہ حدیث مبارکہ میں سہل بن سعد سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((فی الجنة ثمانية ابواب فيها باب يُسمى الريان لا يدخله الا الصائمون))(۹۴)۔

ترجمہ: جنت میں آٹھ دروازے ہیں جن میں سے ایک نام ''ریان'' ہے جس میں سے صرف روزہ دار ہی داخل ہوں گے۔اسی طرح نیک لوگوں کو مومنین کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾(۹۵)۔

ترجمہ: مومن مردوں اور عورتوں سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ انہیں ایسے باغ دے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہے گا ان باغوں میں ان کے لیے پاکیزہ قیام گاہیں ہوں گی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انہیں اللہ

تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوگی یہی بڑی کامیابی ہے۔

جنت کے محلات میں تمام برتن سونے اور چاندی کے ہوں گے۔جنتیوں کے محلات میں ہر وقت عود جلتی رہے گی، جس کی خوشبو سے ان کے محلات معطر رہیں گے۔جنتیوں کے پسینہ سے مشک کی خوشبو آئے گی جنت کے محلات سونے اور چاندی کے اینٹوں سے بنے ہوئے ہیں جنت کے سنگریزے موتی اور یاقوت کے ہیں اور مٹی زعفران کی ہے(۹۲)۔

ازروئے حدیث اچھے اعمال کی جزا:

جو اچھے کام کرے ظاہر ہے انعام میں اسے جنت اور اس کی بیش بہا نعمتوں سے نوازا جائے گا چنانچہ جنت کسطرح کی ہوگی نیکی کی ترغیب کے لئے چنانچہ ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ فرمان نبوی ہے:

((قال: قلت یا رسول اللّٰہ مما خلق الخلق قال من الماء' قلنا الجنة ما بناء ها ؟ قال لبنة من فضة ولبنة من ذهب وملاطها المسک الأذخر وحصبائها اللؤلؤ والیاقوت ' تربتها الزعفران من یدخلها ینعم لا یبأس ویخلد لا یموت ولا تبلی ثیابهم ولا یفنی شبابهم))(۹۷)۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہﷺ مخلوق کس چیز سے پیدا کی گئی ہے؟ آپﷺ نے ارشاد فرمایا: "پانی سے" ہم نے عرض کیا جنت کس چیز سے بنی ہوئی ہے؟ آپﷺ نے ارشاد فرمایا: اس کی ایک اینٹ چاندی کی اور ایک سونے کی اس کا سیمنٹ تیز خوشبو والا ہے۔اس کے سنگریزے موتی اور یاقوت کے ہیں۔اس کے مٹی زعفران ہے جو شخص اس میں داخل ہوگا وہ عیش کرے گا۔کبھی تکلیف نہ دیکھے گا۔ہمیشہ زندہ رہے گا کبھی نہیں مرے گا۔جنتیوں کے کپڑے کبھی پرانے نہیں ہوں گے اور ان کی جوانی کبھی فنا نہیں ہوگی۔ہر جنتی کے محل میں خوبصورت خیمے ہوں گے جن میں اہل جنت کے حوریں قیام پذیر ہوں گی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ حُوْرٌ مَّقْصُورٰتٌ فِی الْخِیَامِ ۚ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴾(۹۸)۔

ترجمہ: اہل جنت کے لیے خیموں میں حوریں ٹھہرائی گئی ہوں گی پس اے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کا انکار کروگے۔

حوریں جنت کی دوسری نعمتوں کی طرح جنتی مردوں کے لیے ایک نعمت ہوں گی ۔بعض حوریں یاقوت اور مرجان کی طرف رنگت میں سرخ ہوں گی ۔۔بے مثال حسن و جمال کے ساتھ ساتھ حوریں عفت مآبی اور حیا میں بھی اپنی مثال آپ ہوگی ۔نوع انسانی کی حوروں کو اس سے پہلے کسی جن نے ہاتھ نہیں لگایا ہوگا ۔حوریں اس قدر حیادار رہوں گی کہ اپنے شوہر کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھیں گے(۹۹)۔

جنت میں ہر طرح کے پھل دار درخت ہوں گے لیکن کھجور،انار اور انگور کے درخت بکثرت ہوں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔﴿ فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّان. فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰن ﴾(۱۰۰)۔

ترجمہ: دونوں باغوں میں(ہرقسم کے) پھل ہیں(خاص طور پر) کھجور اور انار کے،پھر اے جن وانس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

دنیا میں ہم طرح طرح کی لذیذ مختلف ذائقوں اور مختلف رنگوں والے پھل کھاتے ہیں جو مختلف موسموں کے حساب سے ہوتے ہیں اور ہر پھل کا رنگ اور ذائقہ ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔جنت میں بھی اللہ تعالیٰ نے انواع واقسام کے پھل جنتیوں کے لیے رکھے ہیں ۔اور جنت کے پھل اہل جنت کے لیے وافر مقدار میں موجود ہوں گے ۔اور ان کا دنیاوی پھلوں سے کئی گنا لذیذ ہوگا۔ جنت میں ہر موسم کا پھل ہر وقت میسر ہوگا یعنی بے موسمی پھل ہوں گے جنت کے پھل حاصل کرنے کے لیے کسی سے اجازت نہیں لینی پڑے گی ۔اور جنت کے پھلوں کا ذخیرہ کبھی ختم نہیں ہوگا۔اور پھل گلنے سڑنے سے بھی محفوظ ہوں گے ۔ہر وقت تر وتازہ رہیں گے(۱۰۱)۔

اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کو جزا اور انعام میں جنت عطا کرے گا

﴿ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّ ظِلُّهَا تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ﴾(۱۰۲)۔

ترجمہ: جنت میں پھل سدا بہار اور اسکا سایہ لازوال ہوگا یہ انعام ہے متقی لوگوں کا۔

جنت میں ہر جنتی کے من پسند تمام پھل موجود ہوں گے جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّ عُيُوْنٍ .وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ .كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔام بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ. اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ﴾(۱۰۳)۔

ترجمہ: متقی لوگ (جنت) کے سایوں اور چشموں میں ہوں گے اور جو پھل وہ چاہیں گے ان کے لیے حاضر کیے جائیں گے

اور کہا جائے گا کھاؤ اور پیو مزے سے ان اعمال کے بدلے میں جو تم کرتے رہے، نیک لوگوں کو ہم ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔

جنت کے پھل ہر وقت جنتیوں کی پہنچ میں ہوں گے۔ کھڑے بیٹھے چلتے پھرے جب چاہیں گے توڑ سکیں گے۔ دنیا میں جو نہریں ہیں وہ صرف پانی کی ہیں یعنی اس سے پانی کی ضرورت پوری ہوتی ہے۔ مگر جنت میں میٹھے پانی، خوش ذائقہ دودھ لذیذ شراب اور شفاف شہد کی نہریں بہہ رہی ہیں اور ان نہروں کے مشروبات کا رنگ اور ذائقہ ہمیشہ ایک جیسا ہی رہے گا(۱۰۴)۔

صیحان، جیحان، فرات اور نیل جنت کے نہریں ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((صیحان و جیحان والفرات والنیل کل من أنھار الجنة))(۱۰۵)۔

ترجمہ: صیحان جیحان، فرات اور نیل جنت کی نہروں میں سے ہیں۔

اہل جنت حسب خواہش جنت کے نہروں میں سے چھوٹی چھوٹی نہریں نکال کر اپنے اپنے محلات میں لے جاسکیں گے۔

دنیوی و اخروی تصور سزا اسلام میں:

اسلام میں دنیوی سزا کے لئے حدود و تعزیرات قائم کر کے اور اخروی کیلئے خدا نے برے لوگوں، نافرمان و سرکش یا اس کا انکار کرنے والوں کیلئے اور مختلف برائیوں پر سزائیں مقرر کی گئی ہیں۔ دنیاوی سزاؤں کے لئے حدود اور تعزیرات کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔

حد کا معنی و مفہوم:

حد حدود کی جمع جس کے عربی زبان میں معنی ہیں، دو چیزوں کے درمیان کی چیز، جو ایک کو دوسری سے ملنے نہ دے اور جدا کر دے، کسی شے کی انتہا کو بھی حد کہتے ہیں۔ یعنی باڑھ، سرحد، آخری کنارہ کسی شے کا دفع کرنا اور اس سے بچنا، روکنا، منع کرنے کے ہیں اور اسی معنی کے حد کے لحاظ سے حدود وقید خانے کے دربان کو کہا جاتا ہے (۱۰۶)۔

قرآن ہر برائی پر سزا کا حکم لاگو کرتا ہے۔ حدود قائم کرنا انسانوں پر اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے تا کہ دنیا میں بھی ان برے قبیح افعال کی سزا دی جا سکے جو انسان کو انسان کی بجائے حیوان بنا کر انسانیت کی تذلیل کرتے ہیں جس سے انسانیت شرم سے جھک جاتی ہے۔ حدود قائم کرنے کا مقصد شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کے فتاویٰ میں مذکور ہے وہ فرماتے ہیں:

''جاننا چاہیے کہ حدود قائم کرنا اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کے بندوں پر رحمت ہے اس لیے حکام کو حد قائم کرنے میں

سخت ہونا چاہیےاوراس کا خیال رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کے معاملہ میں نرمی کا ایسا جذبہ نہ ابھرے جس کے سبب وہ سزا کومعطل کردیں۔حاکم باپ کے قائم مقام ہوتا ہے جو اپنے بچے کے خلاف تادیبی کارروائی کرتا ہے،اگر باپ تادیبی کارروائی نہ کرے جیسے ماں محض نرمی اور مہربانی سے سمجھاتی ہےتو بچہ بگڑ جائے گا،حالانکہ باپ بھی ہمدردی اوراس کی اصلاح حال کے لیے ہی سزا دیتا ہے۔دل سے یہ چاہتا ہے،اوراس کی ترجیح دیتا ہے کہ سزا دینے کی نوبت نہ آئے،جس طرح حاکم کی حیثیت معالج کی سی ہوتی ہے،جو اپنے مریض کوکڑوی،کسیلی دوا پلاتا ہے۔کبھی اس کے زخم خوردہ عضو کو کاٹ دینے پر مجبور ہوتا ہے۔نیز اس کی مثال اس اذیت او رمشقت کی سی بھی ہوتی ہے۔جس کاانسان اس لیے خوگر ہوتا ہےتا کہ آئندہ اسے راحت نصیب ہو(۱۰۷)۔"

حد کاشرعی مفہوم از روئے قرآن وحدیث :

قرآن کریم میں لفظ "حدّ" کا استعمال بہت جگہوں پر آتا ہے۔

﴿ تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَاتَقْرَبُوْهَا ﴾ (۱۰۸)۔

ترجمہ: یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں ان کے پاس نہ جانا۔

﴿ وَ مَنْ يَّعْصِ اللهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًافِيْهَا وَ لَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْن ﴾ (۱۰۹)۔

ترجمہ: اور جو خدااوراس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اوراس کی حدوں سے نکل جائے گا اس کو خدا دوزخ میں ڈالے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گااوراس کوذلت کا عذاب ہوگا۔

بے شماراحادیث میں حد کالفظ استعمال کیا گیا ہےمثلاً۔((اقامةُ حَد كفارة للذنب)) (۱۱۰)۔

ترجمہ: یعنی حد قائم کرنا معصیت کا کفارہ ہے۔

اسلامی قانون میں دنیاوی سزا کاتصور:

شریعت میں جن اصولوں پر سزا کی بنیاد رکھی ہے۔ان اصولوں کا مرجع دواہم قواعد ہیں بعض اصول جرم سے برسر پیکار ہیں اور مجرم کی شخصیت کونظر انداز کیے ہوئے ہیں اوربعض اصول مجرم کی شخصیت کومدنظر رکھتے ہوئے ترتیب دیے گئے ہیں۔گویا جو اصول جرم سے برسر پیکار ہیں ان کا مقصد معاشرے کوجرم سے محفوظ رکھنا ہےاور وہ اصول جومجرم کی شخصیت کوملحوظ رکھتے ہوئے بنائے گئے ہیں ان کا مقصد مجرم کی اصلاح ہے۔

☆ وہ سزائیں جومعاشرے کے وجود پراثر ڈالتی ہیں اس قسم میں وہ تمام سزائیں داخل ہیں جومعاشرے کے وجود کوبری

طرح متاثر کرتی ہیں اس کی بھی دو قسمیں ہیں جن میں سے ہر ایک کا حکم جداگانہ ہے۔ معاشرے کے وجود پر اثر انداز ہونے والے جرائم کی یہ نوع جرائم حدود پر مشتمل ہے جو سات ہیں۔

۱۔ زنا ۲۔ قذف ۳۔ مےنوشی ۴۔ سرقہ

۵۔ خونریزی ۶۔ ارتداد ۷۔ بغاوت۔

مذکورہ بالا ساتوں جرائم کی شریعت نے سزائیں مقرر کردی ہیں جن میں عدالت کو کمی بیشی یا تبدیلی کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ اس لیے جو شخص بھی ان جرائم میں سے کسی جرم کا ارتکاب کرے گا وہ لازماً اس کی سزا پائے گا ورنہ اولی الامر کو یہ اختیار حاصل ہوگا کہ وہ کسی بھی صورت میں مجرم کو یا مجرم کی سزا کو معاف کردے(۱۱۱)۔

ان جرائم میں اتنی شدت اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ جرائم اس قدر خطرناک ہیں کہ ان کی گرفت میں تعامل برتنے سے معاشرہ اخلاقی زوال، فساد اور اضطراب کا شکار ہوجائے گا اور جس معاشرے کو یہ گھن لگ جائے وہ پارہ پارہ ہوجاتا ہے۔ شریعت کا مقصد یہ ہے کہ معاشرے کا اخلاقی حسن برقرار رہے، سماجی نظام ٹوٹنے نہ پائے یا بالفاظ دیگر ان جرائم کی سزاؤں میں شدت سے معاشرتی مفاد کو فرد کے وقار پر ترجیح دی گئی ہے۔

☆ معاشرے کے وجود پر اثر انداز ہونے والے جرائم کی دوسری نوع جرائم قصاص اور دیت پر مشتمل ہے اور یہ جرائم قتل اور جرح ہیں خواہ عمداً ہوں یا خطاء، ہر جرم کی وجہ تحدید درج ذیل ہیں:

۱۔ قتل عمد ۲۔ قتل شبہ عمد ۳۔ قتل خطاء

۴۔ جرح عمد ۵۔ جرح خطاء

شریعت اسلامیہ نے اس میں دو سزائیں مقرر کی ہیں۔ قصاص اور دیت حالت عمد میں قصاص اور دیت اور حالت خطاء میں صرف دیت۔ ان سزاؤں میں عدالت کو کمی بیشی کا اختیار نہیں اور نہ ہی حاکم کو سزا معاف کرنے کا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جرائم قصاص و دیت میں شریعت کی اصل توجہ معاشرے کے تحفظ کی جانب ہے(۱۱۲)۔

دیگر جرائم:

اس قسم کے تحت وہ تمام جرائم داخل ہیں جو اول قسم کے ذیل میں نہیں آتے کیونکہ یہ قسم ان جرائم پر مشتمل ہے جن پر شریعت نے غیر مقررہ عقوبات لاگو کی ہیں اس لیے اس قسم میں وہ تمام جرائم داخل نہیں جن پر تعزیری سزائیں جاری کی جاتی ہیں

اور ان کی تین انواع ہیں۔

۱۔ اصل تعزیری جرائم: یعنی ہر وہ جرم جو جرائم حدود اور جرائم قصاص اور دیت سے نہ ہو۔

۲۔ وہ جرائم حدود: جن میں مقررہ سزا جاری نہ کی جائے یعنی نامکمل جرائم حدود اور وہ جرائم حدود جن میں حد ساقط ہو جائے۔

۳۔ وہ جرائم قصاص و دیت، جن پر مقررہ سزاؤں کا اجراء نہ ہو اور یہ جرائم وہ ہیں جن میں قصاص اور دیت نہیں ہے (۱۱۳)۔

تعزیر کا لغوی مفہوم:

سزا کی ایک قسم تعزیر بھی ہے جو حد کے مقابلے پر ہے اور اس کی سزا حاکم تجویز کرتا ہے۔ تعزیر کا مادہ ع، ز، ر اور باب تفصیل ہے۔ تعزیر کے معنی منع کرنا، روکنا، تنبیہ کرنا ہے اور تنبیہ و تادیب کر کے کسی کو احکام پر قائم کرنا ہے۔

تعزیر کا لفظ عزر سے ماخوذ ہے اس کے اصلی معنی ''روکنا'' ہے اس اعتبار سے مدد کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے کہ مدد کرنے کا مطلب بھی یہی ہے کہ دوسروں کو روکا جائے کہ اس شخص کو نقصان نہ پہنچائیں جس کی مدد کرنا مقصود ہو (۱۱۴)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی یہی ہے کہ

﴿ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ﴾ (۱۱۵)۔

ترجمہ: اور اسکی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو۔

قرآن میں ارشاد ربانی ہے کہ:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ﴾ (۱۱۶)۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کو امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو۔ اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔ خدا تمہیں بہت خوب صورت نصیحت کرتا ہے۔ بے شک اللہ سنتا اور دیکھتا ہے۔

حضرت علیؓ کے دور خلافت کا ایک مشہور واقعہ ہے۔ حضرت علیؓ کے پاس ایک شخص نقب زنی کے جرم میں لایا گیا تو آپؓ نے اسے ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی بلکہ کوڑے لگانے کی تعزیر دی (۱۱۷)۔

الماوردی لکھتے ہیں کہ:

''تعزیر دراصل ایسے گناہوں پر تادیب کرنے کو کہتے ہیں جس کی شریعت میں حدود

متعین نہ کی گئی ہیں (۱۱۸)۔"

اصطلاح میں تعزیر سے مراد وہ سزائیں ہیں جنہیں کتاب وسنت نے ضرورت کے مطابق متعین نہیں کیا بلکہ حاکم وقت اس کے ایماپر قاضی موقع کے اعتبار سے یا ضرورت کے مطابق متعین کرسکتا ہے۔ یہ سزائیں تعزیر کے ضمن میں آتی ہیں (۱۱۹)۔

۴۔ تعزیراتی سزائیں:

تعزیر بھی عربی کالفظ ہے۔ اس کا ع۔ز۔ر اور باب تفصیل ہے۔ جس کے معنی روکنے باز رکھنے منع کرنے۔ تنبیہ دنا دیت کر کے کسی احکام پر قائم کرنا ہے۔ اصطلاح میں تعزیر سے مراد وہ سزائیں جنہیں کتاب وسنت نے ضرورت کے مطابق متعین کیا بلکہ حاکم وقت اس کے ایماپر قاضی موقع کے اعتبار سے یا ضرورت کے مطابق متعین کرسکتا ہے۔ یہ سزائیں تعزیر کے ضمن میں آتی ہیں (۱۲۰)۔

شریعت میں تعزیرات کی متعدد اقسام ہیں جن میں سے چند اہم کو ذیل میں مختصراً بیان کیا جارہا ہے۔

۱۔ سزائے قتل ۲۔ کوڑوں کی سزا ۳۔ سزائے حبس ۴۔ قید محدود

۵۔ قید غیر محدود ۶۔ جلاوطنی ۷۔ پھانسی ۸۔ نصیحت

۹۔مقاطعہ ۱۰۔ سرزنش ۱۱۔سزائے تہدید ۱۲۔تشہیر ۱۳۔ سزائے تاوان (۱۲۱)۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جب انسانیت کے لیے خوش گوار زندگی کا ارادہ فرمایا تو فرد اور جماعت کے حقوق کی حفاظت کے واسطے اسلام آیا، پس اس دین نے فرد کے جان ومال اور عقل وعزت اور جماعت کے امن واستقرار کی حفاظت کی اور معاشرہ کے امن وسکون کو برباد کرنے والے کے لیے سزائیں مقرر کیں (۱۲۲)۔

سزا اخروی کا اسلام میں تصور

جنت کے انعام کی طرح برے کام پر سزا کے متعلق اسلام کا کیا تصور ہے اور جہنم کی سزا کن کو ملے گی اس سلسلے میں قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿وَ الَّذِیْنَ کَسَبُوا السَّیِّاٰتِ جَزَآءُ سَیِّئَۃٍ بِمِثْلِھَا﴾ (۱۲۳)۔

ترجمہ: جن لوگوں نے برے کام کیۓ انہیں ان کے مطابق ہی بدلہ ملے گا۔

ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ:

''نیکوں کی نیکیاں بڑھا کر ان کی برائیاں برابر ہی رکھی جائیں گی۔ نیکی کم مگر بدکاریاں ان کے چہروں پر سیاہیاں بن کر چڑھ جائیں

گی ذلت وپستی سے ان کے منہ کالے پڑ جائیں گے۔ یہ اپنے مظالم سے اللہ کو بے خبر سمجھتے رہے حالانکہ انہیں اس دن تک کی ڈھیل ملی تھی، آج آنکھیں چڑھ جائیں گی، شکلیں بگڑ جائیں گی۔کوئی نہ ہوگا جو کام آئے اور عذاب سے بچائے۔کوئی بھاگنے کی جگہ نہ نظر آئے گی۔اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے۔کافروں کے چہرے ان کے کفر کی وجہ سے سیاہ ہوں گے، اب کفر کا مزہ اٹھاؤ (۱۲۴)۔"

﴿ لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ﴾ (۱۲۵)۔

ترجمہ: یہ وہ دن ہے کہ اس سے تو غافل ہو رہا تھا اب ہم نے تجھ سے پردہ اٹھا دیا تو آج تیری نگاہ تیز ہے۔

سورہ ق کی اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ نتائج بد اس دنیا میں بھی دیکھے جا سکتے ہیں لیکن انسان کی آنکھ پر لذات دنیا کا پردہ ہے۔بدی کی سزا کے متعلق اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ جب وہ کچھ نیکیوں کے ساتھ ملی رہتی ہے اس وقت تک کھلے طور پر بدی کی سزا ظاہر نہیں ہوتی۔لیکن جب ایک قوم کی اکثریت بدکاریوں میں مبتلا ہو جاتی ہے تو اس کے نتائج کھلے رنگ میں ظاہر ہو جاتے ہیں۔اس قوم کی تباہی لازمی ہو جاتی ہے۔قرآن مجید میں ایسی بہت سی قوموں کا ذکر موجود ہے جنہیں اپنی بدکاریوں کی وجہ سے تباہی سے دوچار ہونا پڑا (۱۲۶)۔

سورہ الزخرف میں ارشاد ربانی ہے:

﴿ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَ هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ. وَ مَا ظَلَمْنٰهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ.﴾ (۱۲۷)۔

ترجمہ: بے شک نافرمان دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔وہ عذاب ان سے ہلکا نہ کیا جائے گا اور وہ اس میں مایوس ہو کر پڑے رہیں گے۔اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔

یعنی بداعمال کے نتیجے میں سزا اور عذاب ہوتا ہے اللہ کی رحمت اور منصفانہ دستور کے تحت جزا اور سزا کا نفاذ عمل میں آتا ہے اگر انسان خدا کی نافرمانی کرتا ہے اس کے پسندیدہ افعال عمل میں نہیں لاتا تو وہ رب کی ناراضگی کا سبب بنتا ہے جس سے وہ سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ارشاد ربانی ہے کہ:

﴿ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ﴾ (۱۲۸)۔

ترجمہ: عنقریب اللہ انہیں ان کے بیہودہ کاموں کی سزا دے گا بیشک وہ حکمت والا ہے۔

برے اعمال کا بدلہ عذاب اور سزا کی صورت میں خدا دیتا ہے قرآن نے جابجا تفصیلاً دوزخ اور جہنم کا ذکر کیا ہے ایک اور جگہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ. لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ﴾ (۱۲۹)

ترجمہ: ان سب کیلئے جہنم کے عذاب کا وعدہ ہے اسکے سات دروازے ہیں، ہر دروازے کے لئے ان کا ایک حصہ بٹا ہوا ہے۔

اسی طرح منافقین کی سزا کا ذکر قرآن یوں کرتا ہے:

﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ (۱۳۰)۔

ترجمہ: بیشک منافق دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے

نیز جن لوگوں نے کفر کیا انکی سزا بھی دوزخ ہے۔

﴿وَ سِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا﴾ (۱۳۱)۔

ترجمہ: کافروں کے غول کے غول جہنم کی طرف ہنکائے جائیں گے

﴿قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ﴾ (۱۳۲)۔

ترجمہ: کہا جائے گا کہ اب جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ جہاں ہمیشہ رہیں گے، پس سرکشوں کا ٹھکانہ بہت ہی برا ہے۔

ایک جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَ تَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِى الْاَصْفَادِ. سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّ تَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ .لِيَجْزِىَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾ (۱۳۳)۔

ترجمہ: آپ اس دن گناہ گاروں کو دیکھو گے کہ زنجیروں میں ملے جلے ایک جگہ جکڑے ہوئے ہوں گے۔ان کے لباس گندھک کے ہوں گے اور آگ ان کے چہروں پر بھی چڑھی ہوگی۔یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے کیے ہوئے اعمال کا بدلہ دے بیشک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والے ہیں۔

﴿ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ (۱۳۴)۔

ترجمہ: جاؤ دوزخ میں، اب تمہارا صبر کرنا اور نہ کرنا تمہارے لئے برابر ہے تمہیں فقط تمہارے کئے کا بدلہ دیا جائے گا۔

﴿وَ قَالَتْ اُوْلٰهُمْ لِاُخْرٰهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ﴾(۱۳۵)۔

ترجمہ: اور پہلے لوگ پچھلے لوگوں سے کہیں گے پھر تم کو ہم پر کوئی فوقیت نہیں سو تم بھی اپنی کمائی کے بدلے میں عذاب کا مزہ چکھو۔

جنہوں نے رب کی آیات کو جھٹلایا ان کی سزا کا ذکر اللہ تعالیٰ یوں کرتا ہے

﴿وَ نَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّ بُكْمًا وَّ صُمًّا مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا. ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا ...﴾(۱۳۶)۔

ترجمہ: اور ہم بروز قیامت ایسے لوگوں کا اوندھے منہ حشر کریں گے' درآنحالیکہ وہ اندھے' بہرے' گونگے ہوں گے۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ جب کبھی وہ بجھنے لگے تو ہم ان پر اسے اور بھڑکائیں گے۔ یہ سب ہماری آیتوں سے کفر کرنے اور اس کہنے کا بدلہ ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

((أن النبی صلی اللّٰه علیه و آله وسلم قال: نارکم هذه التی یوقد ابن آدم جزء من حر جهنم قالوا واللّٰه ان کانت لکافیة یا رسول الله قال فإنها فضلت علیها بتسعة وستین جُزءاً کلها مثل حرها))(۱۳۷)۔

ترجمہ: جس آگ کو تم جلاتے ہو دوزخ کی آگ کی گرمی کے سترہویں (۷۰ویں) حصے میں سے ایک ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! خدا کی قسم یہی کافی تھی! فرمایا: اس میں ۶۹ واں حصہ اس میں گرمی زیادہ ہے۔

قرآن میں ایک جگہ پر خدا تعالیٰ برے کام کرنے اور اس کی نافرمانی پر سزا کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا. يُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ يَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا. ﴾(۱۳۸)۔

ترجمہ:: اور جو ایسے کام کرے گا سخت سزا پائے گا۔ اسے قیامت کے دن دوہرا عذاب دیا جائیگا اور وہ ذلت خواری کے ساتھ ہمیشہ اسی میں رہیگا۔

جزاوسزا کا یہ اسلامی تصور واضح ہونے سے معلوم ہوتا ہے اسلام اپنے پیروکاروں کو ایک بہتر انسان اور معاشرے کا کامیاب فرد بنانا چاہتا ہے

۔اسی لئے جرم پر سزا حد یا تعزیر کی صورت میں اوراخروی انعام ربانی حاصل کرنے اور رب کی رضا کے حصول کے لئے اللہ سے ڈر کر قانون کے دائرے میں انسان رہتا ہے تا کہ آسان حساب ہو سکے ۔اور حسن جزا چاہتے ہوئے اپنے اعمال بہتر کرتا ہے اور اصلاح انسانیت بھی یہی تمام انبیاء کی دعوت کا مقصد تھا۔

غرض کہ یہودیت اور عیسائیت الہامی مذاہب ہیں اس لیے ان دونوں مذاہب میں تقریباً جرم وسزا کا وہی تصور ہے جو شریعت اسلامیہ میں ہے۔زنا کاری پر،چوری کرنے پر،شراب نوشی کی ان تمام چیزوں کی ان مذاہب میں بھی ممانعت رہی ہے اوران پر سزائیں بھی مقرر کی گئی ہیں۔غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ سزااور جزا کا ضابطہ انصاف پر مبنی ہے۔بندہ دنیا اور آخرت میں نیکی پر جزا اور برائی پر سزا کیوں پاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ فطری آئین بعینہ قضاءوقدر کا الٰہی نظام ہے۔جو باہم ایک دوسرے سے پیوست اور مربوط ہے ان میں کوئی تضاد یا منافرت نہیں ہے۔بندہ جن اختیاری امور کوبا ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے ازل سے اس کے اندر خاص تاثیر پیدا کر رکھی ہے اب جیسی تاثیر ہوتی ہے ویسی ہی جزا اور سزا ہوتی ہے۔صرف غیر ارادی کاموں پر سزا یا جزا نہیں ہوتی نیک کام اسی اثر اور تاثیر کو کہا جاتا ہے کیونکہ ارادی اور اختیاری کاموں کا اثر دل پر بھی ہوتا ہے۔اگر کوئی کام برا ہے تو خدا کے ازلی قانون سے اس کی تاثیر بھی بد واقع ہے کیونکہ سیئات اور فسق وفجور میں ملوث ہوکر مرنے کے بعد جہنم میں جاتا ہے۔قرآن میں ارشاد ہے:

﴿ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰهَا. وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا(۱۳۹).

ترجمہ: بے شک اس شخص نے فلاح پائی جس نے اپنے نفس کو پاک کیا اور وہ نا کام رہا جس نے اسے گناہوں میں دبادیا۔

سورۃ الانفطار میں ہے:

﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْم .وَ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْم ﴾(۱۴۰)۔

ترجمہ: بے شک نیک لوگ آرام میں ہوں گے اور برے لوگ دوزخ میں ہوں گے۔

اس فصل میں تینوں الہامی مذاہب میں جزا اور سزا کے تصور کو واضح کیا ہے جس کی تعلیم تمام انبیاء نے دی کہ اچھے اعمال کرنے سے نفس کو پاکیزگی اوراطمینان حاصل ہوتا ہے۔جبکہ برے کام کرنے سے دل بھی مطمئن نہیں ہوتا اور قیامت کے روز اللہ کی ناراضگی کے سبب جہنم کا حقدار ٹھرایا جائے گا۔اور یہ قدر تینوں مذاہب میں مشترک ہے اور جزا سزا کا تصور موجود ہے کیونکہ اللہ عدل وانصاف کرنے والا ہے اس لیئے نیکوں کو اچھا صلہ انعام میں ملے گا اور برے کام کا نتیجہ برا ہوتا ہے اس کا بدلہ دوزخ ہے۔

اس باب کی پہلی فصل میں الہامی مذاہب کے مشترکہ قوانین کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے دوسری فصل میں تینوں مذاہب میں جزاوسزا کے تصور کی وضاحت کی گئی ہے نیز اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ کون کون سی اقدار پر عمل پیرا ہو کر تینوں الہامی مذاہب کے پیروکار آج بھی ایک

دوسرے کے نزدیک آسکتے ہیں گو کہ موجودہ دور میں اختلافات اتنے زیادہ ہیں کہ الہامی ادیان اور مذاہب کو یکجا اور متحد نہیں کر سکتے پر ہم انہیں مشترک اقدار کے ذریعے ایک دوسرے کے قریب ضرور کر سکتے ہیں یوم الدین دراصل انسان کے حساب کتاب کا دن ہے ۔اس روز جو کوئی بھی اس کائنات میں موجود رہا وہ اپنے اعمال کے مطابق انعام یا سزا حاصل کرے گا۔ وہاں اللہ کی عدالت میں پورے عدل کے ساتھ اپنے کئے کا بدلہ پائیں گے ہر ایک کی منزل کا تعین اس کے نتائج کے مطابق ہوگا۔قرآن بتاتا ہے کہ روز محشر ہر فرد کا علیحدہ علیحدہ حساب ہوگا اور جو کچھ اس نے اپنی دنیاوی زندگی میں کمایا ہوگا اس کے مطابق جزا وسزا مل جائے گی وہاں قوموں کا حساب نہیں ہوگا ۔قوموں کیلئے یہ دنیا بھی مکافات عمل ہے اور آخرت میں تو سب کا حساب ہونا ہی ہے اور سب نے اپنے کئے کی جزا سزا کا پھل پانا ہی ہے۔

اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر مذہب کے پیروکار اپنے انبیاء کی لائی گئی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر معاشرے کو سکون اور امن کا گہوارہ بنائیں اور ہر فرد ایک اعلیٰ مثال قائم کرے ۔اختلافات کو جو ہوا دے اسے اس کے مذہب کے مطابق سزا دی جائے تاکہ باقی لوگ عبرت پکڑیں ۔شاید ایک فرد تو توبہ کر کے اللہ کے احکام کی نافرمانی پر سزا سے بچ سکتا ہے لیکن معاشرے کی اکثریت یا پوری قوم اللہ تعالیٰ کے اوامر کی نفی کرتی ہے تو اسے ضرور اس کے گناہوں کی اجتماعی سزا ملتی ہے اس وقت اجتماعی توبہ بھی کرنی چاہیئے ۔ جب اللہ کا حکم آجاتا ہے تو گنہگار اور نیک سبھی اس میں پس جاتے ہیں بلکہ ایسی آبادیوں کے نام نہاد نیک لوگوں پر عذاب پہلے آتا ہے ۔اس لئے ہمیں چاہیے کہ انفرادی طور پر اور پھر اجتماعی طور پر، تینوں مذاہب کے تمام پیروکاران تمام مشترک اقدار کو فروغ دیں جن کی تعلیم انبیاء بنی اسرائیل اور حضرت محمد ﷺ نے دی ہے ۔اس کی وجہ سے جزا اچھے انعام کی صورت میں ہو سکتی ہے اور قانون شریعت پر عمل بھی اسی صورت ہو سکتا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

فصل دوم/ باب چہارم

۱۔ یوسف:۴۷۔ابن منظور،لسان العرب،ص:۱۴/۱۴۳، زبیدی،تاج العروس،ص:۱۹/۲۸۳

۲۔ راغب اصفہانی،مفردات القرآن ص:۹۳

۳۔وراث سرہندی،علمی اردو لغت،ص:۵۳۳۔محمد حنیف ندوی،لسان القرآن،ص:۳۴۵۔فیروزالدین،فیروزاللغات،ص:۴۸۵۔

۴۔ Dictionary John Shakespear, P:60

۵۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ:ص:۲۱۸۔

۶۔ المائدہ:۵/۳۸۔

۷۔ لقمان:۳۱/۳۳۔

۸۔ طہٰ:۲۰/۷۶۔

۹۔ محمد حنیف ندوی،لسان القرآن،ص:۳۴۶،ادارہ اسلامیات لاہور۔۔

۱۰۔ فیروزالدین،فیروزاللغات،ص:۲۱،فیروزسنزاردوبازارلاہور۔۔

۱۱۔ زبیدی،تاج العروس من جواھرالقاموس،ص:۲۵۱/۲

۱۲۔ ابن منظور،لسان العرب،ص:۱/۷۱۹

۱۳۔ احسان دانش،اردومترادفات،ص:۳۰۲،اردوڈکشنری بورڈکراچی۱۹۸۳ء۔

۱۴۔ محمد بشیرالحسین،اسلامی قانونِ سزا،ص:۱۸'

۱۵۔ الماوردی،الاحکام السلطانیہ،ص:۲۲۱۔دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان۱۳۹۰ھ۔

۱۶۔ محمد امین الشہیر ابن عابدین،حاشیہ ابن عابدین،ص:۳/۴،،مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی مصر۔

۱۷۔ منہاج جولائی تا دسمبر ۱۹۹۹۔سوچنے کی بات یہ ہے کہ تورات میں اخروی عذاب کا ذکر نہیں بہت سے بدکار اور ظالم لوگوں کو اس دنیا میں سزا نہیں ملتی اگر دنیاوی گناہوں کی سزا آخرت میں بھی نہ ملے تو پھر کہاں ملے گی نیز اخروی عذاب کا خوف نہ ہونے کی وجہ سے نیکی کی اندرونی تحریک ختم ہو جائے گی دنیاوی آرام اور تکلیف کو جزا سزا کہنا مشکل ہے کیونکہ بسااوقات نافرمانوں اور بدکرداروں پرانعامات نظر آتے ہیں کیونکہ وہ دنیاوی محنت یا مکاری سے خوشحالی سے پیدا کر لیتے ہیں جو درحقیقت قدرت کی طرف سے ڈھیل ہوتی ہے نہ کہ انعام اسی طرح بعض نیک لوگوں پر مصائب نظر آتے ہیں جو کہ اللہ کی طرف سے آزمائش ہے نہ کہ عذاب۔

۱۸۔ عہدنامہ قدیم، یسعیاہ،۳۵:۴

۱۹۔ ایضاً،سموئیل اول،۲۴:۱۹

۲۰۔ ایضاً،سموئیل اول،۲۶:۲۳

۲۱۔ ایضاً،سموئیل دوم،۴:۱۱

۲۲۔ ایضاً،سموئیل دوم،۲۲:۲۱

۲۳۔ ایضاً،سلاطین اول'۸:۳۲نیز دیکھئے:عہدنامہ قدیم،تواریخ دوم'۶:۲۳۔

۲۴۔ ایضاً،ایوب'۳۴:۱۱۔نیز دیکھئے:عہدنامہ قدیم،یسعیاہ'(۱۸:۵۹)۔

۲۵۔ ایضاً، یسعیاہ،۳۲:۲۴نیز دیکھئے گنتی،۱۴:۸

۲۶۔ ایضاً، یسعیاہ،۵۳:۱۲

۲۷۔ ایضاً، ا۔سلاطین،۱۳:۷

۲۸۔ ایضاً،امثال،۱۳:۱۴

۲۹۔ ایضاً،امثال،۱۹:۱۷۔

۳۰۔ ایضاً،امثال،۱۳:۲۱۔

۳۱۔ ایضاً،ہوسیع،۱۲:۲۔حزقی ایل،۷:۸،۹،۱۰

۳۲۔ ایضاً،پیدائش،۲:۱۹۔پیدائش، باب۲مکمل

۳۳۔ ایضاً،پیدائش،۲۵:۸،۹،۴۹:۳۳۔استثنا،۲:۲۴۔۳۲:۲۲۔یرمیاہ،۱۷:۱۱۔واعظ،۳:۲۱۔۱۲:۱۳،۱۴۔

۳۴۔ عبدالقادرعودۃ،اسلام کا فوجداری قانون،ص:۲/۱۱۔

۳۵۔ عہدنامہ قدیم،حزقی ایل،۷:۸،۹،۱۰

۳۶۔ایضاً،خروج،۲۱:۲۱،۲۲۔چنانچہ اگر کسی غلام کو کوئی آقا آنکھ پھوڑ دیتا تھا تو اس کے بدلے میں اس کی آنکھ نہ پھوڑی جاتی تھی بلکہ آقا کو یہ سزا ملتی تھی کہ وہ غلام کو آزاد کردے۔اسی طرح اگر کوئی آقا اپنے غلام یا لونڈی کے لاٹھیاں مارتا اور وہ مرجاتی تو اس کو موت کے گھاٹ اتارا نہ جاتا تھا بلکہ اس کو سزا دی جاتی تھی۔غلام کو زدوکوب کرنا جائز تھا۔زدوکوبی کے عوض سزا نہ دی جاتی تھی۔لیکن اس کے علاوہ غلام کے عام لوگوں سے چیز کا قصاص لیا جاتا تھا۔جان کا بدلہ جان،آنکھ کے بدلے آنکھ،دانت کے بدلے دانت،ہاتھ کے بدلے ہاتھ وغیرہ جلانے کے بدلے جلانا اور چوٹ کے بدلے چوٹ۔

۳۷۔ایضاً،گنتی،باب:۲۵۔اگر یہ قتل ادا تا ہوا ہے تو قتل بالاادادہ کی شکلیں حسب ذیل ہیں۔اگر کوئی شخص کسی کو لوہے کے ہتھیار سے مارے اور وہ مرجائے یا ایسا پتھر کھینچ کر مارے جس سے وہ مرجائے یا ایسا لٹھ مارے جس سے وہ مرجائے تو یہ قتل بالارادہ قتل کہلائیں گے اور اس کی سزا قتل ہی ہوگی۔

۳۸۔ایضاً،خروج:۲۲۔ابن اثیر،الکامل فی التاریخ/۱/۷۵۔قارون وموسیٰ کے حسب ذیل واقعہ میں کیا ہے کہ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل میں وعظ فرمارہے تھے کہ جو شخص چوری کرے اس کے ہاتھ کاٹ ڈالے جائیں اور جو کسی پر بہتان لگائے اس کو کوڑے لگاؤ اور جو زنا کرے اس کو سنگسار کردو۔یہ سن کر قارون بولا اگر آپ ہی ایسی حرکت کے مرتکب ہوں تو آپ نے فرمایا مجھ کو بھی یہی سزا دیں۔اگر کوئی شخص بیل یا بھیڑ کو چرا کر ذبح کرتا تو ایک بیل کے بدلے پانچ بیل اور ایک بھیڑ کے بدلے چار بھیڑیں دینی پڑتی تھیں۔

۳۹ ۔ایضاً،استثناء:۲۱۔۔قاضی اس کی تحقیق کرتا تھا۔اگر وہ جھوٹا گواہ ثابت ہوتا تو اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جاتا تھا جو اس نے اپنی گواہی دے کر مجرم کے ساتھ کرنے کی کوشش کی تھی۔گویا جان کا بدلہ جان،آنکھ کا بدلہ آنکھ اور ہاتھ کا بدلہ ہاتھ۔

۴۰ ۔ ایضاً،گنتی:۲۰۔

۴۱۔ ایضاً،خروج،۳۲:۳۴نیز دیکھئے ہوسیع،۸:۱۳،۹:۹

۴۲۔ ایضاً،یرمیاہ،۲۲:۱۱نیز دیکھئے ہوسیع،۴:۱۴۔یسعیاہ،۳۵:۴نیز دیکھئے کلید الکتاب،ص:۹۲۴،۹۲۵

۴۳۔ ایضاً،سموئیل،۲۲:۱۸

۴۴ ۔ ایضاً،یرمیاہ،۱۸:۱۶

۴۵ ۔ ایضاً،ہوسیع،۹:۱۴

۴۶۔ ایضاً،حزقی ایل،۴۹:۲۳

۴۷۔ ایضاً،یشوع،۱۹:۲۴

۴۸۔ ایضاً،حزقی ایل،۳:۳۰

۴۹۔ عہدنامہ قدیم،عاموس،۱۴:۳

۵۰۔ ایضاً،حزقی ایل،۱۳:۴۴،یسعیاہ،۸:۳۴۔یرمیاہ،۵۶:۵۱

۵۱۔ ایضاً،زبور،۳۸:۳۷

۵۲۔ ایضاً،ہوسیع،۹:۴

۵۳۔ Encyclopaedia of Religion And Religions ,Royston, p:217.

۵۴۔عہدنامہ جدید،متی،۲۲:۵

۵۵۔ ایضاً،۲۔پطرس،۹:۲

۵۶۔ ایضاً،مکاشفہ،۱:۱۷

۵۷۔ ابن خلدون،تاریخ ابن خلدون،ص:۲/۱۷۔

۵۸۔ ابوالفداء عمادالدین،اسماعیل،تاریخ ابوالفداء،ص:۱/۱۵۹،نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۹۴ء۔

۵۹۔ عہدنامہ جدید، یعقوب،۱:۱۷

۶۰ ایضاً،متی،۲۲:۵

۶۱ ۔ ایضاً،متی ۲۶:۲۵۔

۶۲ ۔ ایضاً،لوقا ۱۴:۱۲۔

۶۳ ۔ ایضاً،لوقا'۲۳:۴۱۔

۶۴ ۔ ایضاً،کلسیوں'۳:۲۵۔عہدنامہ جدید، تھسلنیکیوں'۴:۶

۶۵۔ عہدنامہ جدید، عبرانیوں'۲:۲۔نیز دیکھئے رومیوں،۱۳:۲

۶۶۔ ایضاً،مکاشفہ'۲:۲۳۔

۶۷۔ ایضاً،رومیوں'۲:۱۲

۶۸۔ عہدنامہ جدید، رومیوں،۱۳:۴۔

۶۹ ۔ ایضاً،رومیوں کے نام خط،۱۴: ۱۰،۱۱،۱۲

۷۰ ۔ ایضاً۔

۷۱۔ عہدنامہ جدید،متی،۵:۲۲

۷۲۔ آل عمران:۱۸۵

۷۳۔ الأعلی:۱۶/۷

۷۴. البقرہ:۲۵

۷۵۔ ابن کثیر،تفسیر ابن کثیر،ص:۱/۱۰۱

۷۶۔یونس:۴۔نیز دیکھئے،اللیل:۴تا۱۱۔

۷۷۔ ابن،تفسیر ابن کثیر:۲/۴۹۵

۷۸۔الانعام:۱۶۰ابن کثیر نے اس آیت کے ضمن میں بہت سی حدیثیں نقل کی ہیں ۔

۷۹۔دیکھئے تفسیر سورہ انعام:۱۶۰۔ص:۲/۱۳۸نیز دیکھئے العنکبوت:۵۸

۸۰۔ النمل:۸۹،۹۰

۸۱۔ السبا:۳۷،۳۸ ۔مفتی محمد شفیع،معارف القرآن،ص:۷/۳۰۰

۸۲۔ امین احسن اصلاحی،تدبر قرآن،ص:۶/۳۲۷،۳۲۸۔نیز دیکھئے

السجدہ:۱۹،۲۰،۲۱۔الشوریٰ:۲۲،۴۰۔الحدید:۱۱،۱۸،۱۹۔التغابن:۱۷

۸۳۔ العصر:۱تا۲

۸۴۔ الشوریٰ:۲۹

۸۵۔ البخاری،الجامع الصحیح بخاری' کتاب المرضی' باب ما جاء فی کفارة المرض'رقم الحدیث:۵۳۲۵

۸۶۔مفتی محمد شفیع،معارف القرآن۔ص:۵/۲۲۔المائدة:۶۶

۸۷۔ البقرہ:۲۸۴؛ابن کثیر،تفسیرابن کثیر،ص:۳/۱۴۹،نیزتفصیل کیلئے دیکھئے،اعراف:۹۶،حدید:۲۷

۸۸۔النساء:۱۲۳

۸۹۔ابن کثیر،تفسیرابن کثیر،ص:۲/۴۱۷،نیزدیکھئےترمذی،کتاب التفسیرالقرآن:باب ومن سورۃالنساء،
رقم الحدیث:۲۹۶۴،۲۹۶۵،ابوداؤد،سنن ابی داؤد،کتاب الجنائز:باب عیادۃالنساء،رقم الحدیث
:۳۰۹۵،ترمذی،کتاب تفسیرالقرآن:باب ومن سورۃالبقرۃ،رقم الحدیث:۲۹۹۱۔

۹۰۔ شاہ ولی اللہ،حجۃاللہ البالغہ،ص:۲۶

۹۱۔ البقرۃ:۸۱۔

۹۲۔ابن کثیر،تفسیرابن کثیر،ص:۱/۱۸۷،نیزدیکھئے☆سورۃنساءکی آیت نمبر۱۲۵تفصیل کیلئے
دیکھئے۔الانعام:۱۲۴،۱۴۷۔یونس:۱۷۔ابراہیم:۴۹۔الکھف:۲۳۔مریم:۸۵،۸۶۔طٰہٰ:۷۴۔السجدہ:۱۲
۔یٰس:۵۹۔العنکبوت:۲۳،۲۴۔الرحمٰن:۴۱۔المعارج:۱۱۔المطففین:۷،۸،۹۔الانفطار:۱۴۔

۹۳۔ آل عمران:۱۳۳،۱۴۔الزمر: ۷۳۔

۹۴۔ البخاری،الجامع الصحیح،کتاب بدءالخلق،باب صفۃالجنۃ،رقم حدیث:۳۲۵۷،ص:۵۴۳۔

۹۵۔ التوبۃ: ۷۲۔

۹۶۔ محمداقبال کیلانی،جنت کابیان،ص:۷۲،حدیث پبلیکیشنز لاہور،

۹۷۔ الترمذی،جامع الترمذی،ابواب صفۃالجنۃ،باب ماجاءفی صفۃالجنۃونعیمھا،رقم حدیث:۲۴۴۹

۹۸۔ الرحمٰن:۷۲،۷۳،۹۰،۵۶،۵۹۔

۹۹۔ محمداقبال کیلانی،جنت کابیان،ص:۱۲۸

۱۰۰۔ الرحمٰن:۲۷۔۲۹۔النباء:۳۲۔۳۳۔

۱۰۱۔ محمداقبال کیلانی،جنت کابیان،ص:۹۱۔

۱۰۲۔ الرعد: ۳۵۔نیزدیکھئے محمد:۱۵۔الواقعہ:۲۷۔۳۲،

۱۰۳۔ المرسلات: ۴۱تا۴۴۔

۱۰۴۔ محمد اقبال کیلانی، جنت کا بیان، ص:۹۵۔

۱۰۵۔ المسلم، صحیح مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، باب مافی الدنیا من انھار الجنۃ، حدیث:۲۸۳۹،

الترمذی، الجامع الترمذی، کتاب صفۃ الجنۃ، باب ماجاء فی صفۃ انھار الجنۃ۔ حدیث:۲۰۷۱،

۱۰۶۔ المعجم الوسیط، ص:۱/ ۹۷۔ ابوزہرہ، الجریمۃ والعقوبۃ فی الفقہ الاسلامی، ص:۵۸

اردو دارہ معارف اسلامیہ، ص:۹۵۲۔ الازہری، تہذیب اللغۃ، ص:۳/ ۴۱۹

سید تقی زبیدی، تاج العروس، ص:۲/ ۱۳۳۱

۱۰۷۔ امام ابن تیمیہ، فتاوی امام ابن تیمیہ، ص:۸/ ۳۲۹، بادارۃ المساحۃ العسکریۃ بالقاھرۃ، مکتبہ النھضۃ الحدیثۃ

عبدالشکور۔ مکہ، ۱۴۰۴ھ

۱۰۸۔ الطلاق:۱

۱۰۹۔ النساء:۱۴

۱۱۰۔ الکاسانی، البدائع والصنائع، ص:۷/ ۵۶، البدائع والصنائع، ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی، ۱۴۰۰ھ۔

عبدالقادر عودۃ، اسلام کا فوجداری قانون، ص:۲/ ۲۹، اسلامک پبلی کیشنز لاہور

۱۱۱۔ عبدالقادر عودۃ، اسلام کا فوجداری قانون، ص:۲/ ۷۔ ۸

۱۱۲۔ عبدالعزیز عامر، اسلام میں جرم وسزا، ص:۲۲، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور۔ میاں محمد صدیقی، قصاص ودیت،

ص:۸۵۔ اقبال شام، اسلام کا تصور جرم وسزا، ص:۸۔ عبدالقادر عودۃ، اسلام کا فوجداری قانون، ص:

۲/ ۸۷۔ دیکھئے بنی

اسرائیل:۳۱، ۳۲

۱۱۳۔ میاں محمد صدیقی، قصاص ودیت، ص:۸۵، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد، طبع ششم ۲۰۰۲۔

الکاسانی، البدائع الصنائع، ص:۷/ ۵۶۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۱۳/ ۹۵۲ اقبال شام، اسلام کا تصور

جرم وسزا، ص:۸۔

۱۱۴۔ شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا، ص:۷۱۹۔ ڈاکٹر طفیل قریشی، حدود آرڈی نینس، کتاب وسنت

کی روشنی میں،ص:۵۱

۱۱۵۔ الفتح:۹۔شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری، اسلام میں سزائے قید۔اور جیل کا تصور،ص:۱۲۔

۱۱۶۔ النساء:۵۸

۱۱۷۔ علاالدین علی المتقی، کنزالعمال،ص:۳/ ۱۱۷۔

۱۱۸۔ سید قاسم محمود، شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا،ص:۲۰۷۔الماوردی، الاحکام السلطانیہ،ص:۲۰۷۔

۱۱۹۔ مولانا سلامت علی خان، اسلامی قانون فوجداری (کتاب الاختیار)ص:۳ ، اسلامی قانون فوجداری‘

سنگ میل پبلشرز لاہور۔

۱۲۰۔ سید قاسم محمود، شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا،ص:۳۲۸۔

۱۲۱۔ عبدالقادر عودۃ، اسلام کا فوجداری قانون،ص:۲/ ۷۸

۱۲۲۔ عبدالقادر عودۃ، اسلام کا فوجداری قانون،ص:۲/ ۱۰

۱۲۳۔ یونس:۲۷

۱۲۴۔ ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر،ص:۱/ ۶۵۰۔

۱۲۵۔ ق:۲۲ ۹۴۔

۱۲۶۔ شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا،ص:۱/ ۳۶۵

۱۲۷۔ الزخرف:۷۴تا۷۶

۱۲۸۔ الانعام:۱۳۹

۱۲۹۔ الحجر:۴۳،۴۴

۱۳۰۔ النساء:۱۴۵

۱۳۱۔ الزمر:۷۱،

۱۳۲۔ الزمر: ۷۲

۱۳۳۔ الابراہیم:۴۹،۵۰،۵۱

۱۳۴۔ طور:۱۶

۱۳۵۔ الاعراف:۳۹

۱۳۶۔ بنی اسرائیل:۹۷،۹۸

۱۳۷۔ امام مسلم، صحیح مسلم، کتاب الجنة وصفة نعیمها، باب فی شدة حر نار جهنم، رقم الحدیث:۲۸۴۳

۱۳۸۔ الفرقان ۶۸،۶۹ نیز دیکھئے النحل:۸۸

۱۳۹۔ الشمس:۹ تا ۱۰

۱۴۰۔ الانفطار:۱۳ تا ۱۴

حاصلِ بحث

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں اپنی ان گنت مخلوقات بسائیں اور انسان کو تمام پر فضیلت دی اسے شرف وعظمت کے اعلیٰ مقام پر پہنچایا ،انسان کو تخلیق کرکے یوں ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ اس کی ہدایت کے لئے انبیاءکو مبعوث فرمایا اور ان کے ساتھ کتب نازل کیں ۔تمام آسمانی شریعتیں بالعموم اور شریعت اسلامیہ بالخصوص انسانوں کی اصلاح اور رشد وہدایت کے لئے نازل ہوئیں ۔کیونکہ رب کے سامنے جوابدہی کا احساس انسان کو اللہ رب العالمین کے نزدیک کردیتا ہے۔اقوام میں جنم لینے والی برائیاں خدا کی بندگی اور وفاداری سے دور ہوتی ہیں ۔توحید اصل اور اساس ہے اور اسی کے ذریعے اخروی فلاح اور نجات حاصل ہوتی ہے ۔معاشرے میں امن اور سکون اور عدل وانصاف کا بول بالا ہوتا ہے ۔تمام انبیاء کی بنیادی تعلیم توحید ہی تھی ۔مسلمان آج زوال اور عدم استحکام کا شکار اپنے اعمال اور غلط پالیسیوں کی بدولت ہے ۔غرض کہ مسلمان خود بھی اور دیگر الہامی مذاہب کے پیروکار مشترکہ اقدار اور تعلیمات پر عمل پیرا ہوں اور انبیاء کی دی گئی تعلیم کا صحیح نمونہ اپنے اپنے عقائد اور احکامات پر رہتے ہوئے ایک دوسرے کا احترام کریں ۔تینوں الہامی مذاہب کے پیروکار جب ایک نکتہ توحید پر اور انبیاء کی عصمت کی حفاظت کرکے بہترین انسان ہونے کا ثبوت پیش کریں یہ معاشرے میں امن کا پیش خیمہ اور اقوام عالم کی ترقی کا باعث ہوسکتا ہے۔اور اسی کے نتیجے میں اقوام میں روابط اور مشترکہ معاملات بہتر ہوسکتے ہیں ۔اللہ رب العالمین کی عبدیت میں رہتے ہوئے معتقدین الہامی مذاہب اپنی مشتر اقدار کی حفاظت کریں اور اصل الأصول پر عمل پیرا ہوں تاکہ دنیا جنت کا نمونہ بن جائے ۔دنیا کو جن چیلنجز کا سامنا ہے ان میں امن عامہ کا قیام ٴعدل وانصاف کا حصول اور پاکیزہ عالمی معاشرے کی تشکیل سرفہرست ہے ۔اس کے لئے مشترکہ اقدار مدومعاون ثابت ہوسکتی ہیں ۔ان کو ہم یوں ہی بیان کرسکتے ہیں:

☆۔ الہامی مذاہب یعنی ادیان سماوی کی اساس وحی الٰہی پر ہے ۔بالفاظ دیگر یہ الہامی مذاہب اپنی مبدأاور مصدر کے لئے متحد، یکجا اور ہم آہنگ ہے۔

☆۔ تمام شریعتوں کے مبادی عامہ اور اصول اخلاق یکساں تھے۔

☆۔ جو تعلیمات موسیٰ علیہ السلام لائے وہی عیسیٰ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لیکر اس دنیا میں آئے ۔

☆۔ ان کے عقائد اور عام تعامل (معاملات) کی اساسیات متحد اور مشترک ہیں ۔اختلاف اصول جزئیات میں تھا کیونکہ حالات اور زمانہ مختلف نوعیت کے تھے۔

☆۔ سب انبیاء کاہدف ایک تھااوران کی دعوت صرف خدائے واحد پرایمان تھا۔

☆۔ سابقہ شریعتوں کے اصول اوراعتقادات کی مزید تکمیل کے لئے محمد ﷺ کومبعوث کرکے شرائع کومزید واضح کیا گیا۔

☆۔ موجودہ دور میں الہامی ادیان اورمذاہب کویکجااورمتحدنہیں کرسکتے پرہم انہیں مشترک اقدار کے ذریعے ایک دوسرے کے قریب ضرورکرسکتے ہیں۔

☆۔ ان مذاہب کے پیروکاروں میں تقارب اورتفاہم ان کے تعیش کے لئے ضروری ہے جوبقائے باہمی کے لئے ضروری ہے۔اس میں قطعامنافقت کی ضرورت نہیں کہ غلط اورباطل عقائدکودرست قراردیا جائے۔بلکہ رواداری اختیارکرکے ان پرنقطہ چینی کرنے کی بجائے ان کے غلط عقائدکوصبر سے برداشت کیاجائے اوراپناعقیدہ ان پرٹھونسہ نہ جائے۔

☆۔ تمام آسمانی کتابوں میں دین کے بنیادی اصول ایک ہی رہے ہیں اورتمام انبیاء علیہم السلام نے انہی کی تعلیم دی ہے۔

☆۔ توحید پرایمان اورشرک کاقلع قمع ہرنبی کی روش رہی ہے۔

☆۔ تقدیرالٰہی،ملائکہ اورآسمانی کتب پرایمان تینوں مذاہب کے بنیادی عقائد میں سے ہیں۔

☆۔ قیامت کے دن جنت،دوزخ اورآخرت کے حساب پرایمان بھی انبیاء کی تعلیمات کاحصہ تھا۔

☆۔ فضائل اخلاق کاقیام اوررذائل اخلاق کاخاتمہ انبیاءکرام کی اولین ترجیح تھی۔

☆۔ تمام الہامی مذاہب نے عدل وانصاف کے قیام پرزوردیاہےاورظلم اورزیادتی کی تمام شکلوں کی ممانعت کی ہے۔

☆۔ حدودالٰہی کاقیام اوراللہ کے راستے میں جہادکی تعلیم بھی تمام انبیاءکرام نے دی۔

☆۔ انسانیت کواس کے بنیادی اوصاف سے متصف کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم کو نبوت سے سرفرازفرمایا۔چنانچہ ارشادباری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ﴾۔

اور(یہی نہیں بلکہ)ہم نے ان کو (اپنی امتوں کا) پیشوا بنایا جو ان کو ہمارے حکم سے ہدایت دیتے تھے او ر ہم نے ان کی طرف بھی (یہی)وحی بھیجی تھی کہ نیک کام کرنا اور نماز قائم کرنا او رزکوٰۃ دیتے رہنا اور وہ (ان احکام پر کاربند رہیں اور) ہمارے بندگی میں (دل وجان سے)لگے رہے۔
گو کہ موجودہ دور میں اختلافات اتنے زیادہ ہیں کہ الہامی ادیان اور مذاہب کو یکجا اور متحد نہیں کر سکتے پر ہم انہیں مشترک اقدار کے ذریعے ایک دوسرے کے قریب ضرور کر سکتے ہیں ۔ان مذاہب کے پیروکاروں میں تقارب ضروری ہے جو بقائے باہمی کے لئے ضروری ہے ۔اس میں قطعا منافقت کی ضرورت نہیں کہ غلط اور باطل عقائد کو درست قرار دیا جائے ۔ بلکہ رواداری اختیار کر کے ان پر نقطہ چینی کرنے کی بجائے ان کے غلط عقائد کو صبر سے برداشت کیا جائے اور اپنا عقیدہ ان پر ٹھونسہ نہ جائے اسی سے باہمی اختلافات کو کم کیا جا سکتا ہے اور اپنی رائے کا اظہار کار کے مختلف طریقے اپنائے جا سکتے ہیں ۔

تجاویز:

☆۔ امتہ مسلمہ کہ وہ باعمل مسلمان بنیں اور قرآن وحدیث کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے صہیونی طاقتوں کو منہ توڑ جواب دیں منہ توڑ جواب کا مطلب جنگ نہیں بلکہ اپنے کاموں کے ذریعے سے، اور اسکا ایک بہترین طریقہ اسوہ حسنہ پر عمل ہے۔

☆۔ اگر آج تمام مسلمان ایمان اور اتحاد کے ساتھ یکجا ہو جائیں تو وہ ایک بہترین نظام تشکیل دے سکتے ہیں جس میں کسی صہیونی طاقت کو دخل اندازی کی اجازت نہیں ہوگی ۔اس طرح نہ تو ڈاکٹر عافیہ صدیقی جیسا کوئی اور معاملہ پیش آئے گا اور نہ فلسطینیوں کے خلاف اسرائیل کا ظلم اور بربریت برقرار رہے گی ۔ یہ صرف مسلمانوں کے انتشار اور غلط پالیسیوں کا نتیجہ ہے ۔

☆۔ امت مسلمہ کواسلام کی سربلندی کے لئے کام کرنا چاہیے اور ایسے معاملات سے اجتناب کرنا چاہیے جو اسلام کے خلاف مدد و معاون ہوں ۔ بلکہ مسلم اور غیر مسلم مما لک میں مشترکہ اقدار کوفروغ دینا چاہیے ۔

☆۔ مشترکہ اقدار کے فروغ کے لئے مختلف سیمینارز اور بین الاقوامی نمائشوں کا اہتمام کیا جائے جن میں ایک دوسرے کے رسوم و رواج کو متعارف کروایا جائے' یکجہتی اقوام کے فروغ کے لئے یہ سب ضروری ہے ۔

☆۔ امۃ مسلمہ ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں ۔ بنیادی اختلافات کے باوجود جوعناصر مشترک ہیں انکی بنیاد پر باہمی اشتراک پر عمل پیرا ہوتے ہوئے معاندانہ طرز عمل ختم کیا جانا چاہیے ۔

☆۔ آج دنیا امن کی متلاشی ہے تمام انسانوں کے مابین اخوت واتحاد کے فروغ کے لئے رسول کریم ﷺ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوتے ہوئے تمام انبیاء کرام کا احترام لازمی ہے ۔

☆۔ اجتماعی طور پر ایک تنظیم بنانے پر دنیا کو مدعو کیا جائے جو اللہ اور رسول ﷺ کی تعلیم کے عین مطابق ہو جس کے نتیجے میں حلم و بردباری، صبر وتحمل' مذہبی رواداری، اخوت و مساوات اور عدل وانصاف پر مبنی ایسا نظام قائم ہو سکے جو عالم انسانیت کی رنگ ونسل زبان ووطن اور مذہب اور عقیدہ سے بالاتر ہو کر خدمت کر سکے اور یہ صرف کاغذی کاروائی تک محدود نہ ہو ۔

☆۔ تمام مذاہب کا یکساں طور پر احترام کیا جائے ۔ مذہبی بنیادوں پر کسی سے ناانصافی اور زیادتی نہیں ہونی چاہیے باہمی مفاہمت کے لئے مکالمے اور ڈائیلاگ اور کانفرنسز میز کی حد تک نہ ہوں بلکہ عملی اقدام کئے جانے چاہیے تاکہ مما لک کے درمیان اختلافات اور تعصب کو ختم کیا جا سکے اور قوت اتحاد پیدا ہو اور دنیا امن کا گہوارہ بنایا جا سکتا ہے

☆۔ تکریم انسانیت سے ☆۔ رواداری وبرداشت سے

☆۔ عدل وانصاف سے ☆۔ مخلصانہ طور پر خیر کے لئے تعاون کرنے سے

☆۔ مسلمانوں کو ٹیکنالوجی کے میدان میں آگے آنا چاہئے اور سائنسی علوم کی طرف توجہ دینی چاہیے علماء کرام کی بھی ذمہ داری ہے کہ خود باعمل ہوں اور امۃ مسلمہ اور پوری دنیا پر اپنے طرز عمل سے واضح کریں کہ چلتی پھرتی تصویر ہوں ایک ایسے انسان کی جو درس توحید پر اللہ کے قوانین پر عمل پیرا ہوں بقول مقالہ نگار

علم کے سمندر سے موتی کچھ چنے آپ نے پایا پیغام یہی کہ رب ہمارا ایک ہے
الہام ہوئی جو تعلیم تھی، سب انبیاء کو ایک کہ یکساں ہیں لوگ سارے

مذہب ہو جو کوئی بھی، احترام آدمیت باقی رہنے دو
خدا کی ہستی کی رضا پنہاں ہے اس میں

اورانسان باعمل بن جاؤ
اللہ کی رضا پا جاؤ مخلوق خدا کو خوش کر کے

جزو ایمان یہی ہے محبت خدا یہی ہے
انبیاء کا درس یہی ہے اور صبر سے دامن بھر لو اپنا

میرا پیغام امن ہے
امن ہی سکون ہے یہی رحمت ہے جہاں کیلئے

امن کو رواج دو فروغ رواداری دو
پوشیدہ ہے راز اس میں اقوام کی ترقی کا

کل عالم کو بھر دو امن سے سکون سے
یہی ترقی فلاح ہے

امن کے داعی بن کے نکلے ہیں ہم آسیہ
ہو امن انسانیت میں میرا پیغام یہی ہے

مصادرومراجع

☆۔ القرآن الکریم

☆۔ کتاب مقدس، بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور

کتب تفاسیر

عربی تفاسیر

☆۔ آلوسی، شہاب الدین السید محمد، روح المعانی، داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان

☆۔ ابن کثیر، ابوالفدا ءعمادالدین، حافظ، تفسیر القرآن العظیم، دارالسلام ریاض ط / ثانیہ ۱۹۹۸ء

☆۔ ابن العربی، ابوبکر ابن العربی المالکی، احکام القرآن، داراحیاء التراث العربی بیروت لبنان ۱۴۱۵ھ

☆۔ بیضاوی، ناصرالدین، ابوالخیر، عبداللہ بن عمر، تفسیر البیضاوی، دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان، ط :۱، ۱۴۰۸ھ

☆۔ بغوی، حسین بن مسعود، تفسیر بغوی، دارالمعرفۃ للطباعۃ والنشر، بیروت لبنان

☆۔ خازن، بغدادی، علاءالدین علی بن محمد بن ابراہیم، تفسیر خازن المسمی لباب التأویل فی معانی التنزیل، دارالنشر، دارالفکر بیروت لبنان، ۱۳۹۹ھ۔

☆۔ الجصاص، ابوبکر، احمد بن علی الجصاص، احکام القرآن، مطبعہ البہیہ المصر ۱۳۴۷ھ

☆۔ رازی، فخر الدین، تفسیر الکبیر (مفاتیح الغیب)، دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان، ۱۹۹۰ء

☆۔ رضا، محمد رشید بن علی، تفسیر المنار، الہیئۃ المصریہ العامہ للکتاب، سنہ النشر ۱۹۹۰ء

☆۔ زمخشری، علامہ ابوالقاسم محمود، تفسیر الکشاف عن حقائق التنزیل و عیون الاقاویل من وجوہ التنزیل، دارالمعرفۃ بیروت، بدون الطبع

☆۔ شہید، قطب، سید، تفسیر فی ظلال القرآن، اسلامی اکیڈمی لاہور، ۱۹۷۸

☆۔ طبری، ابن جریر، تفسیر طبری، دارحیاء لاالتراث العربی بیروت لبنان

☆۔ قرطبی، ابوعبداللہ محمد الانصاری، الجامع لاحکام القرآن، ناشر: داراحیاء التراث-بیروت

☆۔ مراغی، احمد مصطفیٰ، تفسیر المراغی، دارالأحیاء التراث العربی، بیروت۔

اردو تفاسیر

☆۔ آزاد، ابوالکلام، ترجمان القرآن، اسلامی اکادمی اردو بازار لاہور۔
☆۔ ابن کثیر، ابوالفداء عماد الدین، حافظ، تفسیر القرآن العظیم، دارالسلام ریاض ط/ ثانیہ ۱۹۹۸ء
☆۔ ازہری، شاہ، کرم محمد، پیر، ضیا القرآن، ضیا القرآن پبلیشرز، لاہور
☆۔ اصلاحی، امین احسن، مولانا، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن لاہور دارالاشاعت، کراچی، ۲۰۰۴ء
☆۔ حقانی، عبدالحق، محمد، تفسیر حقانی، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور
☆۔ سید احمد حسن، احسن التفاسیر، مکتبہ السلفیہ، لاہور، ۱۹۹۴ء
☆۔ محلی، جلال الدین، سیوطی، جلال الدین، تفسیر کمالین شرح اردو تفسیر جلالین۔ دارالاشاعت، کراچی، ۲۰۰۴ء
☆۔ محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ناشر: ادارۃ المعارف کراچی، ۲۰۰۸۔
☆۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ۲۰۰۰ء۔
☆۔ نسیم، حمید، تعارف الفرقان، فضلی سنز، اردو بازار، کراچی، ۱۹۸۸ء

کتب احادیث

☆۔ ابن ماجہ، ابوعبداللہ محمد بن یزید، سنن ابن ماجه، دارالسلام ریاض، ۱۴۲۸ھ
☆۔ ابوداؤد، بحستانی سلیمان بن اشعث، سنن ابو داؤد، دارالسلام ریاض، ۱۴۲۷ھ
☆۔ ابویعلی، احمد بن علی بن المثنی، تمیمی، الموصلی، مسند ابی یعلی، دارالمامون للتراث دمشق، ط۱، ۱۴۰۴ھ
☆۔ احمد بن حنبل، مسند احمد، موسسۃ الرسالۃ بیروت، ط، ثانیہ، ۲۰۰۸ء
☆۔ بخاری، محمد بن اسماعیل،، الجامع الصحیح البخاری، ناشر دارالسلام ریاض، ط/ ثانیہ ۲۰۰۸ء
☆۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ بن موسیٰ،، جامع الترمذی، ناشر: دارالسلام ریاض، سعودی عرب، طبعہ ثانیہ ۲۰۰۸ء۔
☆ الھندی، علی المتقی کنز العمّال فی سنن الأقوال و الأفعال، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۸ء۔

☆۔ امام مسلم بن حجاج بن مسلم،امام' الصحیح ،دارالسلام ریاض۲۰۰۰ء
☆۔ تبریزی ،خطیب،ولی الدین،امام مشکوٰۃ المصابیح،مکتبہ دارالسنہ،۲۰۰۱
☆۔ حاکم،نیشاپوری'امام،مستدرک علی الصحیحین،دارالکتب العربی بیروت لبنان،۱۴۱۱ھ
☆۔ ربیع بن حبیب،الأزدی' الجامع الصحیح لامام الربیع،(مسند الإمام الربیع)،دارالکتب العربی بیروت لبنان،۱۴۱۷۔
☆۔ شوکانی محمد بن علی،نیل الأوطار،مصطفیٰ البابی الحلبی،مصر۱۹۳۷ء
☆۔ طبرانی،سلیمان بن احمد،ابوالقاسم، المعجم الکبیر،داراحیاالتراث العربی،الطبعہ الثانیہ،۱۹۸۳
☆۔ طبرانی'سلیمان بن احمد،المعجم الأوسط ،مکتبہ العلوم والحکم الموصل،ط: ثانیہ،۱۹۸۳
☆۔ فوادعبدالباقی،اللؤ لؤ والمرجان،ص:۱۶۸،۱۶۹' دارالحدیث،القاہرہ،مصر۔
☆۔ فوادالباقی،مفتاح الکنوز السنہ،دارالحدیث،القاہرہ،مصر۔
☆۔ نسائی،احمد بن شعیب،، سنن النسائی ،دارالسلام ریاض۲۰۰۰ء
☆۔ دکتور ونسنک،المعجم المفهرس لألفاظ الأحادیث،

۞ کتب احادیث (اردو)

☆۔ صدیقی،محمد نعیم،پروفیسر، تیسیر الحدیث،مکتبہ دانیال،لاہور،۲۰۰٦ء
☆۔ عبدالباقی،محمد فواد،اللؤ لؤ والمرجان، مترجم مکتبہ قدوسیہ لاہور

۞ کتب فقہ (عربی)

☆۔ ابن تیمیہ،تقی الدین،ابوالعباس،امام،مجموع فتاویٰ امام احمد بن تیمیہ ،جمع وترتیب عبدالرحمٰن محمد بن قاسم ،بادارۃ المساحۃ العسکریۃ بالقاھرۃ،مکتبہ النھضۃ الحدیثۃ عبدالشکور۔مکہ،۱۴۰۴ھ
☆۔ ابن حزم'معجم فقه 'الامیریہ،بولاق مصر،۱۳۲۰ھ
☆۔ ابن عابدین،محمد امین،شیخ،رد المختار علی الدر المختار،الامیریہ،بولاق مصر۱۳۱٦ھ
☆۔ ابن عابدین' رد المختار علی الدر المختار شرح تنویر الابصار حاشیه ابن عابدین، مکتبہ الماجدیہ،کوئٹہ پاکستان۔
☆۔ ابن قدامہ،المقدسی،محمد،،ابی محمد عبداللہ' المغنی،طبع مصر۱۳۴۸ھ۔
☆۔ ابن نجیم،بحر الرائق،مطبہ مصطفیٰ البابی الحلبی،مصر،۱۳۵۵ء

☆۔ ابن ہمام، کمال الدین محمد، فتح القدیر، طبع بولاق مصر ۱۳۱٦ھ
☆۔ ابوحنیفہ ' الفقه الأکبر مع شرح علی قاری، مکتبہ العلم، لاہور
☆۔ الکاسانی، ابوبکر بن مسعود، البدائع و الصنائع، ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی، کراچی، ۱۴۰۰ھ۔
☆۔ سرخسی، شمس الدین، المبسوط، مطبعۃ السعادۃ، مصر، ۱۳۲۴ھ
☆۔ شاطبی ابراہیم بن موسیٰ، ابواسحٰق، الموافقات فی اصول الشریعه، المطبعۃ الرحمانیہ، قاہرہ مصر ۱۳۹۵ھ
☆۔ عبدالمنعم، عبدالعظیم، جیزہ، امام القضاۃ فی المملکۃ السعودیۃ العربیۃ ۱۹۸۸، مطبعۃ معہد الادارۃ العامہ
☆۔ غزالی محمد بن احمد، ابوحامد، امام، المستصفی من علم الاصول، المطبعہ الممیز یہ بولاق
مصر، ۱۳۲٦ھ۔
☆۔ ماوردی، ابوالحسن علی، الاحکام السلطانیه والولایات الدینیه، دارالکتب العلمیہ بیروت،
لبنان ۱۳۹۰ھ۔
☆۔ ماوردی، ابوالحسن، علی بن محمد، تسهیل النظر و التعجیل الظفر، دار النشر بیروت،
لبنان، ۱۳۹۷ھ۔
☆۔ محمد امین الشہیر بن عابدین، حاشیه ابن عابدین، مطبعۃ مصطفی البابی الحلبی مصر۔
☆۔ محمد بن یوسف، واسطة السلوک فی سیاسة الملوک، پبلشرز، ندارد۔
☆۔ محمد الخضری، تاریخ التشریع الاسلامی، دارالفکر بیروت، ۱۹۱۸ء۔
☆۔ معجم الفقه الحنبلی ' الامیریہ، بولاق مصر
☆۔ نسفی، ابوالبرکات عبداللہ، کنز الدقائق، المطبعہ الکبریا الامیریہ، بولاق مصر ۱۳۱٦ھ۔

کتب فقہ (اردو)

☆۔ اورنگ زیب، ابو المظفر الدین، فتاوی عالمگیری، مترجم محمد سعید صادق، لاہور ناظم مجلس اشاعت ۱۹۷۳
☆۔ تنزیل الرحمٰن، مجموعہ قوانین الا سلام، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد
☆۔ حافظ محمد، فلسفہ و مقاصد شریعہ، کوڈ نمبر ۴۵۷۰، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد۔
☆۔ حسن، احمد، جامع الاصول،، (اردو ترجمہ الوجیز فی اصول فقہ) لاہور ۱۹۸٦ء۔
☆۔ حسینی، سید صادق، اسلامی قانون سزا، جامعہ تعلیمات اسلامی، کراچی، طبع اول، ۱۹۹۳ء

☆ ۔ خان علی سلامت، مولانا، اسلامی قانون فوجداری، سنگ میل پبلشرز لاہور۔

☆ ۔ ڈھلوں، خالد، عرفان، ڈاکٹر، علم اصول فقہ، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، ۲۰۰۶

☆ ۔ صدیقی، ڈاکٹر ساجد الرحمٰن، کشاف اصطلاحات قانون (اسلامی) مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد

☆ ۔ صدیقی, نجات اللہ، مقاصد شریعت، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد

☆ ۔ ضیاء الحق، محمد ڈاکٹر، فلسفہ مقاصد شریعہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

☆ ۔ عبد الشکور، علم الفقہ، مکتبہ رحمانیہ لاہور

☆ ۔ عبد القادر عودۃ، اسلام کا فوجداری قانون، اسلامک پبلی کیشنز لاہور

☆ ۔ محمد بشیر الحسین، اسلامی قانونِ سزا، پبلشر زندارد۔

☆ ۔ ندوی، عبد السلام، تاریخ فقہ اسلامی، شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، لاہور۔

☆ ۔ شام اقبال شہزاد، اسلام کا تصور جرم و سزا، شریعہ اکیڈمی اسلام آباد

☆ ۔ عبد الرحمٰن بن عبد العزیز، اسلام کا نظام تعزیرات، طارق اکیڈمی فیصل آباد

☆ ۔ عبد العزیز عامر، اسلام میں جرم و سزا، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور

☆ ۔ غازی، محمود احمد، محاضرات شریعت، الفیصل ناشران و تاجران کتب اردو بازار لاہور۔

☆ ۔ غازی، محمود احمد، محاضرات فقہ، الفیصل ناشران و تاجران کتب اردو بازار لاہور۔

☆ ۔ قادری، ڈاکٹر محمد طاہر، اسلام میں سزائے قید اور جیل کا تصور، ادارہ منہاج القرآن لاہور

☆ ۔ قاسمی، مجاہد الاسلام، مولانا، اسلام کے عائلی قوانین، ادارہ القرآن گارڈن ایسٹ لسبیلہ کراچی

☆ ۔ قرضاوی، یوسف، اسلام میں حلال و حرام، اسلامک پبلیکیشنز لاہور

☆ ۔ قریشی، طفیل، ڈاکٹر، حدود آرڈی نینس، کتاب و سنت کی روشنی میں، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد۔

☆ ۔ ہاشمی متین، محمد، سید، اسلامی حدود اور ان کا فلسفہ، مکتبہ دیال سنگھ لائبریری، ۱۹۹۹ء۔

کتب سیرت، تاریخ و ادیان (عربی)

☆ ۔ ابن اثیر، عز الدین، الکامل فی التاریخ، المکتبۃ السلامیہ ۱۲۸۶ھ

☆ ۔ ابن اسحٰق، ابو عبداللہ محمد، تاریخ ابن اسحق، دار المعرفہ بیروت، لبنان، ۱۴۲۰

☆ ۔ ابن تیمیہ، تقی الدین، ابو العباس، امام، العبودیہ، دار احیاء الکتب العربیۃ، ط: ۷، قاہرہ ۱۳۶۹ھ

☆ ۔ ابن سعد، ابو عبداللہ محمد، طبقات ابن سعد، دار الصادر، بیروت۔

☆۔ ابن عساکرؒ حافظ ابوالقاسم، علی بن حسن، تاریخ ابن عساکر، دارالمعرفہ بیروت۔
☆۔ ابن قیمؒ ابوعبداللہ، شمس الدین، زاد المعاد، نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۹۰ء۔
☆۔ ابن کثیر، عمادالدین، البدایہ و النہایہ، دارالمعرفہ بیروت، لبنان، ۱۹۶۹ء۔
☆۔ ابوالبرکات، عبدالرؤف، اصح السیر، نورمحمد کارخانہ بازار کراچی۔
☆۔ أبوعطاء اللہ عبدالباری، فرج اللہ، الدکتور، الیوم الآخر بین الیہودیۃ والمسیحیہ والإسلام' دارالوفاء الطباعۃ والنشر والتوضیع، المصورہ۔
☆۔ ابوالفداءؒ عمادالدین، اسماعیل، الملک، المؤید، تاریخ ابو الفداء نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۹۴ء۔
☆۔ الندیم، اسحاق محمد بن ابی یعقوب، الفہرست، الطبعہ الثانیہ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان ۱۴۲۲ھ۔
☆۔ بلاذری، ابوجعفر، احمد بن یحییٰ، فتوح البلدان، مطبع الموسوعات القاہرہ، ۱۹۰۱
☆۔ شلبی، احمد (ڈاکٹر)، مقارنۃ الا دیان، الیہودیہ، بکلیۃ دارلعلوم جامعہ القاہرہ، ۱۹۸۴ مکتبہ النہضۃ المصریہ شارع عربی القاہرہ۔
☆۔ شلبی، احمد (ڈاکٹر)، مقارنۃ الا دیان المسیحیتہ، بکلیۃ دارلعلوم جامعہ القاہرہ، ۱۹۸۴ مکتبہ النہضۃ المصریہ شارع عربی القاہرہ۔
☆۔ سلیمان بن عبداللہ، شیخ، تیسیر العزیز الحمید فی شرح کتاب التوحید' دارالکتب العلمیہ، بیروت لبنان
☆۔ شہرستانی، ابوالفتوح، محمد بن عبدالکریم، الملل والنحل، مکتبہ الحسین التجاریہ، القاہرہ، ۱۹۴۸ء۔
☆۔ طبریؒ محمد بن جریر، تاریخ طبری، داراحیاء لاالتراث العربی بیروت لبنان
☆۔ عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، شہاب الدین، فتح الباری، دارالریان للتراث، القاہرہ مصر۔ ۱۴۰۷
☆۔ عفیف، عبدالفتاح طیارہؒ روح الدین الإسلامی، دارالعلم للملا یین، لبنان
☆۔ غزالی محمد بن احمد، ابوحامد، امام، شفاء العلیل، المطبعہ المیزیہ بولاق مصر ۱۳۲۵ھ۔
☆۔ محمد بن صالح، شرح العقیدۃ الواسطیۃ دار ابن جوزی، سعودیہ، ط:۴۔
☆۔ ہیثمی، نورالدین ابوالحسن علی بن ابی بکر، مجمع الزوائد، دارالکتب العربی، بیروت۔

کتب سیرت، تاریخ وادیان (اردو)

☆۔ آزاد،ابوالکلام،انبیائے کرام،مرتب غلام رسول مہر،شیخ غلام علی اینڈ سنز۔
☆۔ آسبورن،ٹی ایل،(ڈاکٹر)،نئی پیدائش کیسے ہوگی،مترجم نعیم پرستاد،وائس آف کلوری کوٹ لکھپت لاہور،۱۹۸۸۔
☆۔ آفاقی،قدر،اسلامی تعلیمات،پولیمر پبلیکیشنز لاہور
☆۔ ابن خلدون،عبدالرحمٰن،ابوزید،ولی الدین،علامہ،تاریخ ابن خلدون،مترجم حکیم احمد حسین الہ آبادی،نفیس اکیڈمی،کراچی ۱۹۸۶ء
☆۔ ابن کثیر،عمادالدین،البدایہ والنہایہ مترجم ابوطلحہ محمد اصغر،دارالاشاعت کراچی،۲۰۰۸ء۔
☆۔ ابن ہشام،الحمیری،عبدالملک،سیرت ابن ہشام،نفیس اکیڈمی کراچی،۲۰۰۰ء
☆۔ ابوزہرہ،حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ،مترجم سید رئیس احمد جعفری،ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور،۲۰۰۴ء۔
☆۔ ابوزھرہ،حیات ابن تیمیہ مترجم:سید رئیس جعفری مکتبہ السلفیہ لاہور
☆۔ ابوغضنفر،حیات انبیاء،مکتبہ رحمانیہ لاہور۔
☆۔ احمد،بشیر،فری میسنری اسلام دشمن یہودی تنظیم اسلامک اسٹڈی فورم۔راولپنڈی۔
☆۔ احمد،بشیر،بائبل کا تحقیقی جائزہ،اسلامک اسٹڈی فورم۔راولپنڈی۔۲۰۰۰
☆۔ احمد،بشیر،مطالعہ بائیبل وقرآن،علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد
☆۔ احمد،رشید،تاریخ مذاہب،زمرد پبلی کیشنز جناح روڈ کوئٹہ،۲۰۰۰۔
☆۔ احمد،خورشید،پروفیسر،اسلامی نظریہ حیات،شعبہ تصنیف وتالیف کراچی ۲۰۰۲ء
☆۔ ارنسٹ،پال،(علامہ)،حقائق بائبل مقدس،اسلامی کتب خانہ لاہور
☆۔ اشرف محمد شریف،اللہ کے احکام،الفیصل ناشران وتاجران کتب اردو بازار لاہور۔
☆۔ اصلاحی،الدین،صدر،عیسائی معتقدات تعلیم انجیل کی روشنی میں،احمدیہ انجمن اشاعت لاہور ۱۹۶۱
☆۔ اصلاحی،صدرالدین،اسلام ایک نظر میں،مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند دہلی
☆۔ الحق،احسان،(ڈاکٹر،رانا)،یہودیت ومسیحیت،مسلم اکادمی،۱۸ محمد نگر لاہور
☆۔ الحق،امین،محمد،سید،بائبل اور قرآن،جامع مسجد قلعہ شیخوپورہ،۱۹۳۷۔
☆۔ امیر علی،سید،روح اسلام مترجم،ہادی حسین،ناشر:ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور
☆۔ انجم،وسیم محمد،ڈاکٹر،قرآن اور قانون جدید،انجم پبلشرز راولپنڈی،۲۰۰۶ء

☆ ۔ انور علی، رہبر کامل ﷺ ادارہ اسلامیات لاہور

☆ ۔ انور، محمد، مولوی تاریخ الانبیاء، نگارشات لاہور

☆ ۔ بخاری، سہیل، ڈاکٹر، تصور الوہیت، مکتبہ دانیال لاہور، ۲۰۰۴

☆ ۔ برکت اللہ، پادری، کلمۃ اللہ کی تعلیم، پنجاب بک ریلجس سوسائٹی لاہور

☆ ۔ بشیر احمد، بائیبل کا تحقیقی جائزہ، اسلامک اسٹڈی فورم راولپنڈی ۲۰۰۳ء

☆ ۔ برنٹن، کرسٹوفر کرین، تاریخ تہذیب، مرتب غلام رسول مہر، شیخ غلام علی اینڈ سنز ۱۹۶۵

☆ ۔ بلال، فلپس ابوامینہ، ڈاکٹر، توحید کے بنیادی اصول، مکان ۵۲۵، اسٹریٹ ۱۸، جی۔ایٹ/۱۱ اسلام آباد

☆ ۔ بوالٹد فاضل ہیز پیچ، تاریخ بنی اسرائیل، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور۔

☆ ۔ پاریکھ، عبدالکریم، یہودیت قرآن کی روشنی میں،، اسلامک پبلشرز لاہور ۱۹۸۷

☆ ۔ تالمود، مترجم: ہیٹیشن بشیر، مکتبہ عناویم پاکستان گوجرانوالہ

☆ ۔ تقی عثمانی، مولانا، عیسائیت کیا ہے؟، دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۷۶ء

☆ ۔ ثانی، محمد حافظ، رسول اکرم ﷺ اور رواداری ۱۹۹۸ء، فضلی سنز کراچی

☆ ۔ جعفری، احمد، رئیس، اسلام اور رواداری، ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور، ۱۹۵۵ء

☆ ۔ جلالزئی، خان، محمد موسی اسلامی فلسفہ حیات، ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۹۴ء

☆ ۔ جمیل احمد، انبیائے قرآن، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور۔

☆ ۔ جے سموئیل، عہدنامہ عتیق کا تاریخی سفر، خاطر پرنٹرز، لاہور ۱۹۹۴ء۔

☆ ۔ چرچ، جے، ای، تعلیم الٰہی، خاطر پرنٹرز، لاہور ۱۹۹۴ء۔

☆ ۔ حافظ مبشر حسین، قیامت کی نشانیاں، مبشر اکیڈمی لاہور، ۲۰۰۶

☆ ۔ حدوئی، رشید محمود، مطالعہ مذاہب، مکتبہ آب حیات، لاہور، ۲۰۰۵ء۔

☆ ۔ حسن، یعقوب، کتاب الہدیٰ، شمع ادب، کتاب مارکیٹ اردو بازار کراچی ۲۰۰۰ء

☆ ۔ حلبی، یوسف، متولی، مسیحیت علمی اور تاریخی حقائق کی روشنی میں، مترجم مولانا شمس تبریز خان، ادارہ اسلامیات، لاہور۔

☆ ۔ حماد، عبدالستار، مولانا مسئلہ ایمان وکفر، مکتبہ قاسمیہ لاہور

☆ ۔ خان، امیر علی، تذکرۃ الأنبیاء، اسلامی کتب خانہ، فضل الٰہی مارکیٹ لاہور۔

☆ ۔ خان، فاروق، محمد، (ڈاکٹر)، اسلام کیا ہے، دارالتذکیر لاہور

☆ ۔ خان،محمد یوسف'تقابل ادیان' بیت العلوم'لاہور
☆ ۔ خورشید احمد، پروفیسر'امریکہ مسلم دنیا کی بے اطمینانی،منشورات لاہور
☆ ۔ ڈیوڈ، ڈائی (ڈاکٹر)، مسیحی نجات، پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی لاہور۔
☆ ۔ رابرٹ وین ڈی ور'یہودیت'مترجم: ملک اشفاق، بک ہوم لاہور،۲۰۰۴۔
☆ ۔ رانا محمد اکرم، پروفیسر ڈاکٹر' بین الاقوامی مذاہب، پورب اکیڈمی اسلام آباد ۲۰۰۹۔
☆ ۔ ریاض، جاوید، اسلامی تعلیمات، مکتبہ دانیال لاہور
☆ ۔ سکھ دا راجی، رسول عربی ﷺ ۱۹۹۸ء، سیرت اکیڈمی لاہور۔
☆ ۔ سیوہاروی، حفظ الرحمٰن، اخلاق اور فلسفہ اخلاق، خالد مقبول پبلشرز،۱۹۷۶۔
☆ ۔ سیوہاروی، حفظ الرحمٰن، قصص القرآن، الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور ۲۰۰۰ء۔
☆ ۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، مکتبہ رحمانیہ لاہور۔
☆ ۔ شعیب، سید، ڈاکٹر، اسلام اور عیسائیت ایک تقابلی جائزہ۔عنوان، نجات کا تصور، جنوری،۲۰۱۰ ۔peace tv,۔
☆ ۔ شلتوت، محمد، علامہ، الاسلام، مترجم حافظ سید عبدالرشید ندوی، نفیس اکیڈمی کراچی ۔
☆ ۔ شکیل، مصباح الدین،، شاہ، نشانات اُرض قرآن، فضلی سنز اردو بازار کراچی ۲۰۰۵
☆ ۔ شوقی'ابو خلیل، اطلس سیرت النبی، دارالسلام لاہور۔
☆ ۔ شہزاد، فادر یونس، اوپی، لظو ریا اور مومنین مکتبہ عناویم گوجرانوالہ
☆ ۔ شہید، قطب، سید'اسلام کا نظام تربیت، محمد قطب اسلامک پبلی کیشنز لاہور۔
☆ ۔ شیخ امین اللہ پشاوری، الفوائد، مکتبہ محمدیہ پشاور
☆ ۔ شیخ عبداللہ بن زید المحمود، اسلامی عقائد، دارالکتب السلفیہ لاہور، ۲۰۰۷ء
☆ ۔ صدیقی رضا، نادر، محمد، پاکستان میں مسیحیت، مسلم اکادمی، محمد نگر، لاہور، ۱۹۷۹ء
☆ ۔ صدیقی، محمد میاں، قصاص اور دیت، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد، طبع ششم ۲۰۰۲
☆ ۔ صدیقی، میاں، محمد، ڈاکٹر، مرد مومن، نوائے وقت لاہور
☆ ۔ صفی الرحمان مبارکپوری، الرحیق المختوم، المکتبہ السلفیہ، شیش محل روڈ لاہور، ۱۹۹۵ء
☆ ۔ طبری، جریر، محمد بن جریر، تاریخ طبری، مترجم ڈاکٹر محمد صدیق ہاشمی، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی ۲۰۰۴ء۔

☆ ۔ عبدالرشید، ڈاکٹر، ادیان ومذاہب کا تقابلی مطالعہ، طاہر سنز کراچی، ۱۹۸۶ء

☆ ۔ عبدالعاطی، جمودہ، ڈاکٹر اسلام ایک روشن حقیقت' مترجم: شریف احمد، فینس بکس لاہور۔

☆ ۔ عبدالوحید، قصص الانبیاء، مکی ایڈیشن لاہور۔

☆ ۔ عبدالوحیدخان، عیسائیت قرآن اور بائبل کی روشنی میں، اسلامک پبلیکیشنز لاہور ۱۹۷۵ء۔

☆ ۔ علوی، ڈاکٹر خالد، انسان کامل، الفیصل ناشران وتاجران کتب خانہ لاہور، اگست ۲۰۰۲ء۔

☆ ۔ غزالی، محمد بن احمد، ابوحامد، امام، احیاءالعلوم الدین، پروگریسو بکس اردو بازار لاہور۔۔

☆ ۔ غلام رسول، پروفیسر، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، علم وعرفان پبلشرز اردو بازار لاہور، ۲۰۰۶

☆ ۔ قادری، سید حسن' ڈاکٹر' فلسفہ مذہب واخلاق، تخلیقات لاہور، ۲۰۰۳

☆ ۔ قادری، طاہر محمد، ڈاکٹر، تعلیمات اسلام، ادارہ منہاج القرآن، لاہور، ۲۰۰۱ء

☆ ۔ قاسمی، ندیم محمد، حافظ اسلام ایک عالمگیر مذہب، مکتبہ قاسمیہ لاہور

☆ ۔ قاضی محمد سلیمان، منصور پوری، رحمۃ للعالمین، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۲۰۰۰ء۔

☆ ۔ کاندھلوی، ادریس' محمد اسلام اور عیسائیت، علمی کتب خانہ، لاہور، ۱۹۸۹ء

☆ ۔ کریچن، ولیم، پادری، مسیحی مسائل، پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی لاہور

☆ ۔ کیرانوی' رحمت اللہ، بائبل سے قرآن تک، مولانا اکبر علی، تقی عثمانی، مکتبہ دارالعلوم کراچی ۲۰۰۴ء

☆ ۔ کیرانوی، رحمت اللہ، مولانا، اعجاز عیسوی، ادارہ اسلامیات لاہور

☆ ۔ کیرن، آرم سٹرانگ، یروشلم، ایک شہر تین مذاہب، مترجم، منصور طاہر، ادارہ تحقیقات لاہور ۲۰۰۳ء

☆ ۔ لیوس مور، مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا، مترجم یاسر جواد، نگارشات پبلشرز۔

☆ ۔ مرتضیٰ انجم، سقوط بغداد، یو پبلشرز لاہور۔

☆ ۔ مسدوسی' احمد عبداللہ' مذاہب عالم کا ایک معاشرتی وسیاسی جائزہ، مکی دارالکتب، لاہور۔

☆ ۔ مسعودی، ابوالحسن بن حسین بن علی، تاریخ المسعودی، نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۶۵ء۔

☆ ۔ مشتاق احمد، راجہ، جہلمی، قرآن، بائبل، تورات کا تقابلی جائزہ، بک کارنر شوروم، بک سٹریٹ جہلم، ۲۰۰۸ء۔

☆ ۔ نوید جاوید، پادری سیل، پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی لاہور

☆ ۔ مظہر الدین صدیقی۔ اسلام اور مذاہب عالم، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۶۵ء۔

☆ ۔ مکڈول، جان (ڈاکٹر)، تعلیم الایمان، پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی لاہور۔

☆ ۔ ممتاز، لیاقت، تاریخ بیت المقدس، سنگ میل پبلیکیشنز لاہور، ۱۹۸۳ء۔
☆ ۔ مودودی، ابوالاعلیٰ اسلامی تہذیب اور اس کے اصول ومبادی اسلامک پبلیکیشنز لاہور۔
☆ ۔ مودودی، ابوالاعلیٰ اسلامی عبادات پر تحقیقی نظر، ص: ۱۴، ۱۵، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور۔
☆ ۔ مودودی، ابوالاعلیٰ یہودیت قرآن کی روشنی میں، ادارہ ترجمان القرآن لاہور ۲۰۰۰ء۔
☆ ۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سیرت سرور عالم، ادارہ ترجمان القرآن لاہور۔
☆ ۔ مودودی، ابوالاعلیٰ یہودیت ونصرانیت، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور۔
☆ ۔ میر، ساجد پروفیسر، عیسائیت کا تجزیہ ومطالعہ، دارالسلام لاہور۔
☆ ۔ نائیک ذاکر ڈاکٹر تقابل ادیان، ملت پبلی کیشنز فیصل مسجد اسلام آباد۔
☆ ۔ نجار، عبدالوہاب، قصص الأنبیاء۔ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان۔
☆ ۔ ندوی، ابوالحسن، ارکان اربعہ، مجلس نشریات اسلام، کراچی ۱۹۸۶ء۔
☆ ۔ ندوی، ابوالحسن، مذہب وتمدن، مجلس نشریات اسلام کراچی۔
☆ ۔ ندوی، سید سلیمان تاریخ ارض قرآن، دارالاشاعت کراچی۔
☆ ۔ ندوی، عثمانی محسن، (ڈاکٹر)، مطالعہ مذاہب، مجلس نشریات اسلام کراچی۔
☆ ۔ نعمانی شبلی، سیرت النبی ﷺ المیزان ناشران وتاجران کتب اردو بازار لاہور ۲۰۰۴ء۔
☆ ۔ نواب علی، پروفیسر سید، آسمانی صحائف، سٹی بک پوائنٹ نوید سکوائر اردو بازار کراچی۔
☆ ۔ نیازی، کوثر آئینہ تثلیث، فیروز سنز، لاہور، ۱۹۷۳ء۔
☆ ۔ وکٹر ای مارڈسن یہودی پروٹوکولز مترجم یحییٰ خان بک ہوم لاہور۔
☆ ۔ ہزاروی، محمد شریف، اسرائیل کیوں تسلیم کیا جائے، جمعیۃ پبلیکیشنز لاہور، ۲۰۰۴ء۔

۞ کتب لغات (عربی)

☆ ۔ ابن سیدہ ابوالحسن علی بن اسماعیل المعروف کتاب **المخصص**، المطبعۃ الأولی الکبری الأمیریہ بولاق مصر ۱۳۱۹ھ۔
☆ ۔ ابن فارس، ابوالحسین، أحمد، قزوینی، **معجم مقاییس اللغۃ** دار إحیاء الکتب العربیۃ قاہرہ، مصر، ۱۳۶۹ھ۔
☆ ۔ ابن منظور، افریقی، محمد بن مکرم، ابوالفضل، جمال الدین، **لسان العرب**، داراحیاء التراث العربی، بیروت لبنان، ۱۳۹۰ھ۔

☆۔ احمد رضا الشیخ معجم متن اللغة، دار مکتبۃ الحیاۃ، بیروت، لبنان۔

☆۔ اصفہانی، راغب، امام، مفردات فی غریب القرآن، شیخ شمس الحق لاہور، سن اشاعت ۱۹۸۷ء

☆۔ أزدی، جمهرة اللغة، دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۰ء۔

☆۔ أزہری معجم تهذیب اللغة، دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۸ء۔

☆۔ الیاس انطون الیاس، القاموس العصری، المطبعۃ المصریۃ قاہرہ، ۱۹۰۴۔

☆۔ بستانی، معلم، محیط المحیط، مکتبہ لبنان بیروت۔

☆۔ بعلبکی، روحی، الدکتور، المورد، دار العلم للملایین، بیروت، ط:۴، ۱۹۹۲۔

☆۔ بلیاوی، عبد الحفیظ ابو الفضل، مصباح اللغات، دار الحدیث ملتان۔

☆۔ جرجانی، سید الشریف علی بن محمد، کتاب التعریفات، تہران ۱۹۹۱ء

☆۔ جوالیقی، ابو منصور، المعرب من الکلام الاعجمی علی حروف المعجم، دار الفکر بیروت لبنان ۱۴۲۴ھ

☆۔ جوہری ابی نصر اسماعیل بن حماد فارابی الصحاح۔ دار الاحیا التراث العربی بیروت لبنان ۱۴۱۹ھ۔

☆۔ حموی، یاقوت، معجم البلدان، دار المعرفہ بیروت، لبنان، ۱۴۲۰ھ۔

☆۔ زبیدی، محب الدین ابی، امام، تاج العروس من جواهر القاموس، دار الفکر بیروت لبنان ۱۴۱۱ھ۔

☆۔ فراہیدی، خلیل بن احمد، کتاب العین دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان ۲۰۰۳

☆۔ کبار العلام، مصر، جماعۃ من العلماء، المعجم الوسیط دار احیاء التراث، بیروت، لبنان

☆۔ معلوف، لوئس، المنجد فی اللغة والاعلام دار المشرق بیروت ۱۹۷۳ء

لغات (اردو)

☆۔ اردو لغت، اردو ڈکشنری بورڈ کراچی ۱۹۸۳ء

☆۔ امروہی، نسیم، نسیم اللغات، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور۔

☆۔ برق، جیلانی، غلام، معجم القرآن، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور۔

☆۔ تھانوی، محمد بن علی، کشاف اصطلاحات الفنون، شرکۃ خیاط بیروت۔

☆۔ جالبی، جمیل، قومی انگریزی اردو لغت، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۲۰۰۶

☆۔ حقی، الحق، شان، فرہنگ تلفظ، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد

☆۔ خیراللہ،ایف ایس٬ قاموس الکتاب٬ مسیحی کتب خانہ فیروزپور روڈ لاہور
☆۔ دانش،احسان،اردو مترادفات،اردو ڈکشنری بورڈ کراچی ۱۹۸۳ء۔
☆۔ دہلوی،سید احمد،فرہنگ آصفیہ،مکتبہ حسن سہیل لمیٹڈ لاہور،۱۹۷۴ء
☆۔ سرہندی،وارث،علمی اردو لغت جامع،علمی کتب خانہ،لاہور،۲۰۰۳ء۔
☆۔ سرہندی،وارث،قاموس مترادفات،شیخ غلام علی اینڈ سنز اردو بازار لاہور،۲۰۰۱ء
☆۔ سعید اے شیخ،رابعہ اردو لغت جامع،رابعہ بک ہاؤس،اردو بازار،لاہور
☆۔ شوقی ابوخلیل،اطلس القرآن،دارالسلام لاہور
☆۔ صدیقی،ساجد الرحمٰن،ڈاکٹر،کشاف اصطلاحات قانون،مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد۔
☆۔ عبدالحمید٬ جامع اللغات،دارالاشاعت کراچی
☆۔ عبدالرشید نعمانی،لغات القرآن،دارالاشاعت،کراچی،۱۹۹۴ء
☆۔ فیروزالدین٬مولوی،فیروزاللغات،فیروز سنز اردو بازار لاہور۔
☆۔ کلیدالکتاب،مسیحی اشاعت خانہ ۳۶ فیروزپور روڈ لاہور۔
☆۔ کیرانوی،قاسمی،وحیدالزمان،القاموس الوحید،ادارہ اسلامیات،انارکلی،لاہور،۱۹۹۰ء
☆۔ لکھنوی،مہذب،مہذب اللغات،اردو بک ڈپو نیا محل منصور نگر لکھنو یوپی انڈیا ۱۹۸۱ء
☆۔ معلوف،لوئس،المنجد عربی اردو،دارالاشاعت کراچی
☆۔ مولوی نورالحسن،نوراللغات،سنگ میل پبلیکیشنز لاہور،
☆۔ میرٹھی٬سجاد زین العابدین٬ قاموس القرآن،دالاشاعت،کراچی،۱۹۷۷ء
☆۔ ندوی،حنیف،لسان القرآن،ادارہ اسلامیات لاہور۔
☆۔ نعمانی،عبدالرشید٬لغات القرآن٬ دارالاشاعت کراچی

❁ متفرق کتب

☆۔ جاحظ،تھذیب الاخلاق،دارالصحابہ للتراث،ط:۱،۱۹۸۹
☆۔ جامی،محمد بن علی،علامہ ،العقیدہ الاسلامیہ وتاریخھا،دارالمنھاج قاہرہ۔
☆۔ حمیداللہ،محمد،صدیقی،ڈاکٹر،عہد نبوی ﷺ کا نظام حکمرانی''،اردو اکیڈمی کراچی
☆۔ سالک،عبدالمجید،مسلم ثقافت ہندوستان میں،ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور

☆۔ سلیمان بن عبداللہ، شیخ، تیسیر العزیز الحمید فی شرح کتاب التوحید' دارالکتب العلمیہ، بیروت لبنان۔

☆۔ طاہر محمد، مولانا، عقائد اسلام، ادارہ اسلامیات، لاہور ۱۹۸۸ء

☆۔ عبدالحکیم، خلیفہ، ڈاکٹر، اسلام کا نظریہ حیات، ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور

☆۔ عبدالحکیم، خلیفہ، ڈاکٹر، اسلام کی بنیادی حقیقتیں، ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور

☆۔ عبدالسلام بستوی' اسلامی خطبات' مکتبہ السّلفیہ شیش محل روڈ لاہور

☆۔ علامہ اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال، فضلی سنز، اردو بازار لاہور

☆۔ غلام مرتضی، ملک، ڈاکٹر، وجود باری تعالٰی اور توحید، مرتضی ایجوکیشنل ٹرسٹ لاہور، ۲۰۰۲

☆۔ فضل احمد، پروفیسر' اساسیات اسلام، مکتبہ تعمیر اسلام لاہور

☆۔ فواد، عبدالباقی، المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم، دارالحدیث قاہرہ، مصر

☆۔ قرضاوی، یوسف، ڈاکٹر اسلام میں عبادت کا حقیقی مفہوم، مترجم: خدا بخش کلیار، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور،

☆۔ قطب الدین' علامہ' مظاہر حق' الفیصل ناشران وتاجران کتب اردو بازار لاہور

☆۔ کاظمی، سعید، احمد، سید، خطبات کاظمی، کاظمی پبلیکیشنز، جامعہ اسلامیہ عربیہ، انوارالعلوم، ٹی بلاک نیو ملتان پاکستان

☆۔ کیلانی، اقبال، محمد، جنت کا بیان، حدیث پبلیکیشنز لاہور

☆۔ کیلانی، اقبال، محمد، توحید کے مسائل، حدیث پبلیکیشنز لاہور،

☆۔ کیلانی' مولانا عبدالرحمٰن، آئینہ پرویزیت، مکتبہ السلام وسن پورہ لاہور

☆۔ گوندلوی، محمد یحیٰ، الشیخ ابوانس عقیدہ مسلم، دارالحسنی، گوجرانوالہ

☆۔ محفوظ الحق' سید، کتاب قیامت، پبلشر زندارد

☆۔ محمود، بشیر، سلطان، قیامت اور حیات بعد الموت، مترجم، امیر افضل خان، اٹامک انرجی کمیشن آف پاکستان.

☆۔ مصطفٰی، محمد، مولانا، توحید اور عدل، مجلس المسلمین بین الاقوامی، ۱۹۶۲

☆۔ مودودی، ابوالاعلی، قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور

☆۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سود، ادارہ ترجمان القرآن لاہور

☆۔ مودودی،ابوالاعلیٰ،اسلامی تہذیب اوراس کے اصول ومبادی،اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور۱۹۷۸ء
☆۔ مودودی،ابوالاعلیٰ ،الجہاد فی الاسلام،اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور۱۹۹۵ء
☆۔ مودودی،ابوالاعلیٰ،دینیات،اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور۱۹۹۹ء
☆۔ ناصرنصیر،احمد،ڈاکٹر،اسلامی معاشرے کی تعمیر نو،فیروزسنز لاہور۲۰۰۲ء
☆۔ ناصر،نصیر،احمد،ڈاکٹر'فلسفہ آخرت،فیرزسنز کراچی۱۹۸۸ء
☆۔ ناصر،نصیراحمد، ڈاکٹر،فلسفہ رسالت،فیروزسنز کراچی۱۹۸۸ء
☆۔ ندوی،الدین،معین،شاہ،خلفائے راشدین،مکتبہ اسلامیہ اردو بازار لاہور
☆۔ ندوی،سلیمان،خطبات مدراس،ادارہ اسلامیات لاہور۲۰۰۵ء
☆۔ ندوی،علی،ابوالحسن علی،دستورحیات،مجلس نشریات اسلام،کراچی۱۹۸۶ء
☆۔ ندوی،محمد حنیف'مطالعہ قرآن،ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور۱۹۷۸ء
☆۔ نعمانی،شبلی،غزوہ احد،نیشنل بک فاؤنڈیشن،اسلام آباد۔
☆۔ نعمانی منظوراحمد،مولانا،دین وشریعت،ادارہ اسلامیات لاہور۔
☆۔ نویدعثمانی،اگراب بھی نہ جاگو گے،روشنی پبلشنگ ہاؤس،رامپور،انڈیا،۱۹۸۹
☆۔ ہاشمی،انوار،عقائدونظریات،ملیر بک ڈپو کراچی
☆۔ یحییٰ،محمد ہارون اسلامی اخلاق کے رہنما اصول،دارالاشاعت کراچی،۲۰۰۷ء

انسائیکلو پیڈیاز

☆۔ اردو جامع انسائیکلوپیڈیا،شیخ غلام علی اینڈ سنز،لاہور
☆۔ اردودائرہ معارف اسلامیہ دانش گاہ پنجاب لاہور
☆۔ انٹرنیشنل انسائیکلوپیڈیا آف سوشل سائنس،میکملن کمپنی اینڈ دی فری پریس،۱۹۶۸ء
☆۔ ایس ایم ناز'مسلم شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا' شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور
☆۔ محمد یامین قریشی،انسائیکلوپیڈیا آف اسلام،الفیصل ناشران وتاجران کتب،لاہور۔
☆۔ محمود'سید قاسم،شاہکاراسلامی انسائیکلوپیڈیا،شاہکار بک فاؤنڈیشن۔
☆۔ محبوب عالم'مفتی'اسلامی انسائیکلوپیڈیا'الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور
☆۔ ورلڈ بک انسائیکلوپیڈیا،یوایس اے

رسائل

☆۔ حافظ محمد سعد اللہ، سہ ماھی منھاج جولائی تا دسمبر ۱۹۹۹

☆۔ ڈاکٹر محمد ضیاء الحق، معارف اسلامی، علمی وتحقیقی مجلّہ، جنوری تا جون ۲۰۰۷ء، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

☆۔ ربو ومضاربت ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد

☆۔ ساجد الرحمن، معارف اسلامی، علمی وتحقیقی مجلّہ شمارہ:۲، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۶ء علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

☆۔ سہ ماہی رسالہ ''فکر ونظر ماہ اپریل۔ جون ۱۹۸۳ء

☆۔ سہ ماہی منہاج، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور جولائی تا دسمبر ۱۹۹۹ء

☆۔ سید قطب شہید، عالم الغیب، در ماہنامہ ایشیا شمارہ ۲۴، جون ۲۰۰۹

☆۔ عبد الوہاب، السلطات الثلاث فی الاسلام، مجلۃ القانون والاقتصاد، السنۃ السادسۃ اپریل ۱۹۳۲ء

☆۔ عمار بن بوضیاف بن التھامی، معالم استقلال القضاۃ فی الشریعۃ الاسلامیۃ، مجلۃ البحوث الفقھیۃ المعاصرۃ القانون

☆۔ ماہنامہ تہذیب الاخلاق عنوان ''مختلف مذاہب میں عبادت کا تصور، شبانہ اعظمی بانی سر سید احمد خان' شبلی روڈ' علی گڑھ مسلم یونیورسٹی' علی گڑھ۔

☆۔ محمد غوری صدیقی، آخرت پر ایمان ماہنامہ ''میثاق'' شمارہ ۹ ستمبر ۱۹۸۸

☆۔ مقالات سیرت ۲۰۰۵ء، وزارت مذہبی امور زکوۃ وعشر حکومت پاکستان

☆۔ مقالہ: ڈاکٹر حمید اللہ، عالم اسلام اور عیسائیت، جولائی ۱۹۸۳

☆۔ ملک الرحمن، قرآن کا معاشرتی نظریہ، مقالہ ایم فل اسلامیات، نمل، ۲۰۰۶

English Dictionaries

Prof. Dr. S.G.F Broandon,

A Dictionary of Comparative Religion,.D. 1974

Edward William , lexicon lane Arabic , English Dictionary

Oxford Advanced Learners Dictionary, ad: 7, Oxford University press, 1997

F. Streingass, Arabic, English Dictionary,

World Book Dictionary, Army Education Publishing House, Rawalpindi.

Goring , Rosemary , Larousse Dictionary of beliefs and Religions, Rose mery

Goring LAROUSSE publisher,Edinburg,1994.

The New BIBLE Dictionary,The interversity Fellowship London

lahore 1996. shakespare Dictionary, Sang,e mele publishers

Encyclopedia,s

Encyclopedia of Islam, E,J,Brill Leinde, Netherland

ConciseEncyclopediaofIslam,CyrilGlasse,staceyinternationalLondon.

Collier's Encyclopedia,crowell -collier educational corporation.

Encyclopaedia of Religion and Religions, Royston, George alllen LTD london

International Encyclopeadia of the Social Sciences

The Encyclopeadia Americana international Edition.

Encyclopaedia Of Religion and Religions ,Roston pike, George Allen and Unwin

Ltd london

Collier's Encyclopedia Crowell-collier Educational corporation, USA,1971

Compton's Encyclopedia F.E. Compton & Company, Chicago, 1963.

Encyclopeadia Americana Grolier incorporated USA International Edition

Encyclopeadia of Judaism,

The Encyclopeadia of Religions,Mircea Eliade macmilan publishing company

New york

Encyclopeadia of Religion and Ethics ,James Hastings,T&T Glark 38 george street new

yark.

New Encyclopedia Britannica, USA, 2003.

The Catholic Encyclopedia, 'Robert C. Broderick, Thomas Nelson Publishers, P. 73, 1986 .

Encyclopedia of Philosophy

Jewish Encyclopedia

English Books

marj Pat Fisher , living Religion, I,B,taurs publishing London 1997

Harnack, Adolf: What is Christianity? (English Translation)

Raemers, Sidney A, The Rev, Bible History, P. 1, B. Herder Book Co. USA, 1939.

God's Blue Print for your marriage Emmaus Bible College USA, 1998

Pierre Bagot , How to understand marriage , Sem Press , ltd, Tottenham Road , London,

James . A Coriden, The Code of canon Law, Theological Publications India, Banglore, 1991, ktva publishing housed, INC

haim Deasrz Brooks, A book of Jews Knowledge

Jesus in his times by , David , Ropes, Eng translation by R.W.Miller, London 1956

Dr. Abdullah, Encyclopedia of Seerah,adara tahqeqatay islami,islamabad.

Dr. Anwar Iqbal Qureshi, "Islam and Theory of Interest", Sheikh Muhammad Ashraf, Lahore (1974)

Kitto John 'An illustrated History of the Bible 1902

D C Samereweal,A short history of our religion,G.bell&sons London, 1948

University

Judaism, G.F Moore Prof. History of Religion, Harvar,U.S.A)

Liberius Pieterse, english Urdu dictionary of christian Terminology, A..Q CSC ,

Rawalpindi cantt, 2001,

Maulana Abdul Majid, Tafsir-ul-Quran, ,delhi india

The book of common Prayer , The Church of India ,Pakistan, Burma and Ceylon

963 Pakistan,

Pfeiffer. Robert H, Introduction to old testament, Ny , 1948.

P.N. Joshua, A Manual of law for Christians, The Punjab religious) Book , Society

Anarkali, Lahore, 1957,

R.E. Hume, The world's living religions, Edinburgh T and Clark 1927,

Henry, F.H, Carl, Basic Christian Doctrines

The Interpreter's Dictionary of the bible, Illustrated Encyclopedia, New York Abingdon

Press, Nashvile, 1962, p:859.

Web sites

Wikipedia the free Encyclopedia islam.htm

http://www.britannica.comEBchecked/topic/520007/salvaton/33996/

http://www.bragohuti,com/islam/meaning. islamic forum .com

http://www.irf.com.

.http://wiki.answers.com/Q/What_does_salvation_mean_to_Judaism

.The writer is priest and Hon Secy, Judah Hyam Synagogue, New Delhi.

Read more: THE SPEAKING TREE: Concept of Salvation In Judaism - The Times of India http://timesofindia.indiatimes.com/hom

۸	﴿اَلا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ﴾	۱۱۱
۹	﴿الا یعلمُ مَنْ خَلَقَ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الخَبِیْر﴾	۳۹۲
۱۰	﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی وَھَبَ لِی عَلَی الْکِبَرِ وَاسْمَاعِیْل وَاسْحٰقَ ....﴾	۲۱
۱۱	﴿اَلَّذِیْنَ یَأْکُلُونَ الرِّبَا لا یَقُومُونَ اِلَّا کَمَا یَقُومُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیْطٰن.... ﴾	۲۷۶
۱۲	﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَھُمْ علی بَعْضٍ ...... ﴾	۲۲۹
۱۳	﴿اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا مِائَۃَ جَلْدَۃٍ﴾	۲۸۷
۱۴	﴿اَلطَّلا قُ مَرّٰتٰنِ فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَان﴾	۲۴۹
۱۵	﴿الٓمّٓ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لا رَیْبَ فِیْہِ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ ... ﴾	۳۷۷
۱۶	﴿اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا﴾	۱۶۸
۱۷	﴿اَللّٰھُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآئِدَۃً مِّنَ السَّمَآءِ تَکُوْنُ لَنَا عِیْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا ..... ﴾	۲۵۷
۱۸	﴿اَیَوَدُّ اَحَدُھُمْ لَوْیُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَۃٍ وَمَا ھُوَ بِمُزَحْزِحِہٖ مِنَ الْعَذَابِ ... ﴾	۳۳۶
۱۹	﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً ... ﴾	۱۰۴،۹۸
۲۰	﴿اَم خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ ھُمُ الْخَالِقُوْنَ ...... ﴾	۱۳۶،۱۱۰
۲۱	﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ ... ﴾	۴۶۴
۲۲	﴿اَنْ لا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰہ﴾	۳۶۸
۲۳	﴿اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِکَۃُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکِ بِکَلِمَۃٍ مِّنْھُق اسْمُہُ الْمَسِیْحُ عِیْسٰی	۷۴
۲۴	﴿اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ... ﴾	۷۶
۲۵	﴿اِذْقَالَ لَہٗ رَبُّہٗ اَسْلِم قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْن﴾ ۹۴	
۲۶	﴿اِسْمُہُ الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَم ﴾ ۳۹	

۲۷	﴿اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْلَا تَصْبِرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ..﴾ ۵۵۲	
۲۸	﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ وَ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ﴾ ۵۵۴	
۲۹	﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾	۱۰۵،۹۸
۳۰	﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُوْلٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِم ...﴾	۱۱۷
۳۱	﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِئِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ...﴾	۴۳۰،۵۳
۳۲	﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ...﴾	۱۰۶
۳۳	﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ فَمَنْ نَّكَثَ...﴾	۲۰۶
۳۴	﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّ عُيُوْنٍ .وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓئًا...﴾	۵۴۴
۳۵	﴿اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ . يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَ هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ﴾	۵۵۱
۳۶	﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾	۵۵۲
۳۷	﴿اِنَّ اِلَيْنَا اِيَابَهُمْ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ﴾	۱۱۶
۳۸	﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ﴾	۲۰۲
۳۹	﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰى اَهْلِهَا وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا ...﴾	۵۴۹،۵۱۰
۴۰	﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى الْاَلْبَابِ﴾	۱۳۶
۴۱	﴿اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ. وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ..﴾	۱۳۶
۴۲	﴿اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ ...﴾	۱۱۷
۴۳	﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ﴾	۲۸۸،۴۵
۴۴	﴿اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْ بَعْدِهٖ﴾	۱۱۴
۴۵	﴿اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ....﴾	۱۰۸
۴۶	﴿اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا۰ فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ ....﴾	۴۴۹

۴۷	﴿إنَّا هُدنا إلَيْکَ﴾	۳
۴۸	﴿إنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ ... ﴾	۱۸۸
۴۹	﴿إنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ .... ﴾	۳۷۵
۵۰	﴿إنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا...... ﴾	۲۹۴
۵۱	﴿إنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ...... ﴾	۳۹۰
۵۲	﴿إنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى﴾	۱۵۹
۵۳	﴿إنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِىَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ... ﴾	۵۳۶
۵۴	﴿إنِّىْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ .فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ ... ﴾	۱۸۶
۵۵	﴿إيَّاکَ نَعْبُدُ وَإيَّاکَ نَسْتَعِيْنُ﴾	۱۳۳
۵۶	﴿اُكُلُهَا دَائم وَظِلّها تلک عُقْبَى الذين اتقوا﴾ ۵۴۴	
۵۷	﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ﴾ ۳۲	
۵۸	﴿اُولٰٓئِکَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ ۴۷۲	
۵۹	﴿ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى﴾	۴۱۸
۶۰	﴿بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾	۵۴۰
۶۱	﴿تَبَارَکَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا﴾ ۱۴۷	
۶۲	﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَىْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ﴾	۳۷۶
۶۳	﴿تعالوا إلى كلمةٍ سوآءٍ بيننا وبينكم﴾	۱۳۶
۶۴	﴿تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا﴾	۵۴۶
۶۵	﴿ثُمَّ جَعَلْنٰکَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾	۴۸۳، ۵۰۳
۶۶	﴿ثُمَّ نُنَجِّى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا﴾	۴۱۶، ۴۵۱

۸۷	﴿ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ﴾	۱۶۲
۸۸	﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُـْجِى الْمُؤْمِنِيْن﴾	۴۴۸
۸۹	﴿فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ﴾	۲۰۰
۹۰	﴿فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْن﴾	۱۳۳
۹۱	﴿فاليوم نُنَجِّيك بِبَدنِك﴾	۴۱۵
۹۲	﴿فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِن النساء﴾	۲۲۹،۲۲۳
۹۳	﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا... ﴾	۴۵۷‘۴۰۳
۹۴	﴿فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْن﴾ ۴۵۸	
۹۵	﴿فَإِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْ ف عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْن﴾	۹۸،۲
۹۶	﴿فَإِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىْ تَبْغِىْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰىٓ اَمْرِ اللّٰهِ﴾	۲۰۴
۹۷	﴿فَإِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْم﴾	۳۸۷
۹۸	﴿فَإِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِى الدِّيْن......﴾	۳۸۷
۹۹	﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِىَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْم﴾	۱۳۳
۱۰۰	﴿فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْساً فَكُلُوْهُ هَنِيْئًا مَّرِيْئًا﴾	۲۵۲
۱۰۱	﴿فَبَشَّرْ نٰه بِغلٰم حَلِيْم﴾	۲۱
۱۰۲	﴿فَتُوْبُوا اِلٰى بَارِئِكُم﴾	۳
۱۰۳	﴿فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا﴾	۷۸
۱۰۴	﴿فَلاَ وَرَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ث...... ﴾	۱۱۵
۱۰۵	﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِىَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْن﴾	۱۵۹

۱۰۶	﴿فَلا تَمِیلُوْا کُلَّ الْمَیْلِ فَتَذَرُوْھَا کَالْمُعَلَّقَةِ﴾	۲۳۲
۱۰۷	﴿فَلَمَّآ اَحَسَّ عِیْسٰی مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ ... ﴾	۷۹
۱۰۸	﴿فَمَا جَزَاؤُه اِنْ كُنْتُم كَاذِبِیْنَ﴾	۵۲۳
۱۰۹	﴿قَالَ اِنَّ فِیْهَا لُوْطًا قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِیْهَا لَنُنَجِّیَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ.....﴾	۴۴۸
۱۱۰	﴿قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَه﴾	۸۲
۱۱۱	﴿قَالُوْا یٰمُوْسٰی اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِیْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ....﴾	۱۲
۱۱۲	﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْن0 الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْن0 وَالَّذِیْنَ هُمْ ... ﴾	۴۵۵،۴۶۸
۱۱۳	﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰی وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰی﴾	۳۷۸،۴۵۸
۱۱۴	﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا﴾	۵۵۴
۱۱۵	﴿قُلِ اللّٰهُ یُحْیِیْكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یَجْمَعُكُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَا رَیْبَ فِیْهِ ... ﴾	۱۵۸
۱۱۶	﴿قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَاللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ... ﴾	۴۲۸
۱۱۶	﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُم....﴾	۱۴۹
۱۱۷	﴿قُلْ مَنْ یُّنَجِّیْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَةً لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ ... ﴾	۴۶۱
۱۱۸	﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ. اَللّٰهُ الصَّمَدُ. لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ .وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾	۱۳۲
۱۱۹	﴿قِیْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا فَبِئْسَ مَثْوَی الْمُتَكَبِّرِیْنَ﴾	۵۵۲
۱۲۰	﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْکَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ﴾	۵۰۹
۱۲۱	﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ ... ﴾	۱۵۴،۴۱۹ ۵۳۵
۱۲۲	﴿كَمَا بَدَاْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُهٗ وَعْدًا عَلَیْنَا اِنَّا كُنَّا فٰعِلِیْنَ﴾	۱۱۶
۱۲۳	﴿كَیْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾	۱۵۷،۴۶۲

۱۲۴	﴿كُنْتُم خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ ۱۹۹	
۱۲۵	﴿لا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلادِ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَأْوٰاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ... ﴾	۱۵۷
۱۲۶	﴿لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ...... ﴾	۲۶۴
۱۲۷	﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا﴾	۴۸۵،۵۰۴
۱۲۸	﴿لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ﴾	۳۵۰
۱۲۹	﴿لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا﴾	۳۸۵
۱۳۰	﴿لا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾	۲۰۰
۱۳۱	﴿لا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَالَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً﴾	۲۲۵
۱۳۲	﴿لا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَأْخُذُواْ مِمَّا اٰتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئاً إِلاَّ أَن يَخَافَا أَلاَّ يُقِيْمَا حُدُودَ اللّٰهِ﴾	۲۲۷
۱۳۳	﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾	۱۹۶
۱۳۴	﴿لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآئَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ﴾	۵۵۰
۱۳۵	﴿لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوة واٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ﴾	۳۴۳
۱۳۶	﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ ... ﴾	۴۰۰،۱۰۸
۱۳۷	﴿لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ وَلا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ ... ﴾	۴۳۲
۱۳۸	﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَّهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾	۱۳۴
۱۳۹	﴿مَا كَانَ اِبْرَاهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾	۱۹۴،۴۵۱
۱۴۰	﴿ مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلٰكِن رَّسُولَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ . ﴾	۱۰۵،۱۱۴
۱۴۱	﴿مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا ...... ﴾	۵۳۷
۱۴۲	﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ وَمَنْ جَآءَ ... ﴾	۵۳۷
۱۴۳	﴿مَن جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ أَمْثَالِهَا وَمَن جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلاَ يُجْزٰى إِلا مِثْلَهَا﴾	۱۱۶،۵۳۶

۱۴۴	﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا... ﴾	۴۵۲
۱۴۵	﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ... ﴾	۴۵۵
۱۴۶	﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا﴾	۲۹۸
۱۴۷	﴿مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ﴾	۵۳۹
۱۴۸	﴿نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا﴾	۱۵۷
۱۴۹	﴿نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ نَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ﴾	۴۱۶
۱۵۰	﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ﴾	۲۵
۱۵۱	﴿واتخذالله ابراهيم خليلا﴾	۵۵
۱۵۲	﴿وَاتَّقُو اللّٰه واعلموا انکم ملقوه﴾	۱۶۱
۱۵۳	﴿وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْٓ اُعِدَّتْ لِلْكَافِرِيْنَ﴾	۱۲۱
۱۵۴	﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّ لَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا ....﴾	۴۴۰
۱۵۵	﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَیْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ م اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ....﴾	۵۰۳
۱۵۶	﴿وَ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ جَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾	۴۹۸
۱۵۷	﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾	۲۸۶
۱۵۸	﴿ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى...﴾	۱۱۵
۱۵۹	﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ ذِی الْقُرْبٰى	۳۴۷
۱۶۰	﴿وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً اِنِّیْٓ اَرٰىكَ وَ قَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾	۱۸
۱۶۱	﴿وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا﴾	۱۹۶
۱۶۲	﴿ وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ﴾	۲۴۹

۱۶۳	﴿ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ﴾	۲۰۶
۱۶۴	﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَاَخَّرَ...	۴۱۱.
۱۶۵	﴿وَاذْكُرُواْ نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ ....﴾	۲۸۵
۱۶۶	﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَاللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ....﴾	۴۳۷
۱۶۷	﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا....﴾	۲۲
۱۶۸	﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ....﴾	۵۳۹،۳۰۰
۱۶۹	﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾	۲۰۶
۱۷۰	﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى ....﴾	۴۰۵
۱۷۱	﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ﴾	۴۷۳
۱۷۲	﴿وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعاً مَّا اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ....﴾	۲۷۶
۱۷۳	﴿وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا...﴾	۴۱۵
۱۷۴	﴿وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ....﴾	۲۳۱
۱۷۵	﴿وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾	۹۵
۱۷۶	﴿وَاٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا﴾	۲۲۶
۱۷۷	﴿وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً﴾	۲۲۴
۱۷۸	﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقاً لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِناً عَلَيْهِ﴾	۱۱۴
۱۷۹	﴿وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ﴾	۲۰۱
۱۸۰	﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ﴾	۳۸۰
۱۸۱	﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا﴾	۱۹۵
۱۸۲	﴿وَ الَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا﴾	۵۵۰

۲۹۸	﴿وَ الَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَق.....﴾	۱۸۳
۳۹۵	﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾	۱۸۴
	﴿وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ﴾ ۵۳۸	۱۸۵
۲۹۶	﴿وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا.. ﴾	۱۸۶
۲۰۶	﴿وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ﴾	۱۸۷
۱۱۱،۴۶۳	﴿وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴾	۱۸۸
۲۷۸	﴿وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ﴾	۱۸۹
۵۳۹	﴿وَ اِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ﴾	۱۹۰
۲۰۵	﴿وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ....﴾	۱۹۱
۵۵۱	﴿وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ. لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ....﴾ .	۱۹۲
۲۲۶	﴿وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً﴾	۱۹۳
۴۶۳	﴿وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ﴾	۱۹۴
۱۴۶،۴۷۹	﴿وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ﴾	۱۹۵
۱۵۴	﴿وبالآخرة هم يوقنون﴾	۱۹۶
۵۳۵	﴿وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ... ﴾	۱۹۷
۵۵۲	﴿وَ تَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ... ﴾	۱۹۸
۵۴۸	﴿وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ﴾	۱۹۹
۵۲۴	﴿وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى﴾	۲۰۰
۵۰۳	﴿وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا﴾	۲۰۱

۲۰۲	﴿وَرَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنَهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا .. ﴾	۳۹۹
۲۰۳	﴿وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ كُلٌّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾	۳۷
۲۰۴	﴿وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾	۵۴۱
۲۰۵	﴿وَ سِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا﴾	۵۵۲
۲۰۶	﴿وَسْئَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رُّسُلِنَا أَجَعَلْنَا مِن دُونِ الرَّحْمٰنِ آلِهَةً يُعْبَدُونَ﴾	۱۳۶
۲۰۷	﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَل ... ﴾	۲۳۲‘۲۲۹
۲۰۸	﴿وَعَدَاللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَاالْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ... ﴾	۵۴۲
۲۰۹	﴿وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾	۴۵۰
۲۱۰	﴿وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ﴾	۸۲
۲۱۱	﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَىْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ ... ﴾	۴۴۱
۲۱۲	﴿وَ قَالَتْ اُوْلٰهُمْ لِاُخْرٰهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ﴾	۵۵۳
۲۱۳	﴿وَ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً﴾	۴۳۳
۲۱۴	﴿وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْنَصٰرٰى تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوْا ... ﴾	۴۲۹
۲۱۵	﴿وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا﴾	۴۴۸
۲۱۶	﴿وَ كَذٰلِكَ نُنْجِى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾	۴۱۵
۲۱۷	﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا﴾	۱۹۵
۲۱۸	﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا﴾	۱۹۴
۲۱۹	﴿وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ﴾	۲۵۱
۲۲۰	﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا... ﴾	۲۹۷

۲۲۱	﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّکَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِیْ الْأَرْضِ مَرَحاً إِنَّ اللَّهَ لَا یُحِبُّ ... ﴾	۱۹۰
۲۲۲	﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ فِیْمَا تَرَاضَیْتُمْ بِهٖ مِنْ بَعْدِ الْفَرِیْضَةِ﴾	۲۲۷
۲۲۳	﴿وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَیْئًا﴾	۵۲۳
۲۲۴	﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ أُمَّةٍ رَّسُوْلًا أَنِ اعْبُدُوْا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوْا الطَّاغُوتَ فَمِنْهُم ... ﴾	۱۳۷،۱۱۴
۲۲۵	﴿وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ... ﴾	۵۱۳
۲۲۶	﴿ولکم فی الأرض مستقرومتا ع الی حین﴾	۵۱۲
۲۲۷	﴿وَلِکُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَکًا لِّیَذْکُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰی مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ... ﴾	۳۵۰
۲۲۸	﴿وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوهُ بِهَا وَذَرُواْ الَّذِیْنَ یُلْحِدُونَ فِیْ أَسْمَآئِهٖ سَیُجْزَوْنَ ... ﴾	۱۳۴،۱۱۲
۲۲۹	﴿وَلِلّٰهِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا﴾	۳۹۴
۲۳۰	﴿وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِکَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾	۳۸۰،۲۰۱
۲۳۱	﴿وَلَوْ تَرٰی إِذِ الظَّالِمُونَ فِیْ غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلآئِکَةُ بَاسِطُواْ أَیْدِیْهِمْ ... ﴾	۱۱۸
۲۳۲	﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَکُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لٰکِنْ لِّیَبْلُوَکُمْ فِیْ مَآ اٰتٰکُم ... ﴾	۴۸۰
۲۳۳	﴿وَلَیْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰی وَاْتُوا الْبُیُوْتَ ... ﴾	۴۰۰
۲۳۴	﴿وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ ... ﴾	۴۵۸،۱۹۸
۲۳۵	﴿وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَاسَبَقَکُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ... ﴾	۲۸۸
۲۳۶	﴿وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَ فِیْ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ﴾	۲۷۱
۲۳۷	﴿وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَسُوْلٍ اِلا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰه ....﴾	۱۴۹
۲۳۸	﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِکَ مِن رَّسُوْلٍ إِلَّا نُوحِیْ إِلَیْهِ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ﴾	۱۳۶
۲۳۹	﴿وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾	۵۰۹،۱۴۸

۲۴۰	﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ﴾	۵۳۸
۲۴۱	﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ اَفَلَاتَعْقِلُوْنَ﴾	۴۱۶
۲۴۲	﴿وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾	۵۱۰
۲۴۳	﴿وما خَلَقْتُ الْجِنَّ والانْسَ اِلا لِيَعْبُدُون﴾	۳۶۹
۲۴۴	﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُم........وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا﴾	۸۰
۲۴۵	﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَىْءٍ﴾	۱۴۸
۲۴۶	﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ... ﴾	۳۹۰،۳۷۳
۲۴۷	﴿ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِىْ مِنْ بَعْدِى اسْمُهٗ اَحْمَد﴾	۸۵
۲۴۸	﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا﴾	۲۰۲
۲۴۹	﴿وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْناً فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُو.....﴾	۱۰۵
۲۵۰	﴿وَ مَنْ يَّعْصِ اللهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًافِيْهَا وَ لَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْن﴾	۵۴۶
۲۵۱	﴿ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا. يُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾	۵۵۳
۲۵۲	﴿وَ مِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَ جَعَلَ بَيْنَكُمْ ... ﴾	۲۳۰،۲۲۲
۲۵۳	﴿وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ﴾	۱۳۶
۲۵۴	﴿وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا﴾	۲۸۳
۲۵۵	﴿وَ نَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّ بُكْمًا وَّ صُمًّا	۵۶۸
۲۵۶	﴿وَنُوْحاً اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَه﴾	۱۱۰
۲۵۷	﴿وَوَهَبْنَا لَه اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً﴾	۲۳
۲۵۸	﴿وَهُوَ الَّذِىْٓ اَحْيَاكُم ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْر﴾	۱۵۸
۲۵۹	﴿وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا وَّكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا﴾	۲۳۹

۲۶۰	﴿وَ هُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِالَّیْلِ وَ یَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبْعَثُکُمْ ....﴾	۱۵۴
۲۶۱	﴿وَیٰقَوْمِ مَالِیْٓ اَدْعُوْکُمْ اِلَی النَّجٰوةِ وَ تَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَی النَّارِ﴾	۴۵۰
۲۶۲	﴿وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَا اکْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ وَاِذَا کَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ یُخْسِرُوْنَ﴾	۲۶۴
۲۶۳	﴿وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ کَاَنْ لَّمْ یَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ یَتَعَارَفُوْنَ بَیْنَهُمْ قَدْ خَسِرَ... ﴾	۱۵۸
۲۶۴	﴿وَیُنَجِّی اللّٰهُ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ لَا یَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾	۴۵۰
۲۶۵	﴿هدی للمتقین﴾	۴۸۸
۲۶۶	﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾	۲۳۳
۲۶۷	﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ....﴾	۱۰۵
۲۶۸	﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾	۴۵۸
۲۶۹	﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ... ﴾	۲۷۵
۲۷۰	﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ﴾	۳۸۱
۲۷۱	﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾	۴۵۹
۲۷۲	﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْهُ﴾	۲۷۸
۲۷۳	﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰهِ... ﴾	۲۶۵
۲۷۴	﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ ... ﴾	۲۸۴
۲۷۵	﴿یٰٓاَیُّهَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا﴾	۴۹۰
۲۷۶	﴿ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا ﴾	۲۲۲
۲۷۷	﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ ... ﴾	۳۸۹،۳۶۵
۲۷۸	﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً﴾	۲۷۱
۲۷۹	﴿یآیها الذین امنوا لا تُبطِلوا صَدقَاتِکُم بالمَنّ والاذی﴾	۳۴۵،۱۹۰

فہرست احادیث

۱۸	((التاجر الأمین الصدوق المسلم مع الشهداء یوم القیامة))	۲۶۶
۱۹	((الخلق کلهم عیال اللّٰه واحبهم إلیه أنفعهم لعیاله))	۳۹۶
۲۰	((الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِیْرُ. وَالتَّمْرُ.. وَالْمِلْحُ.. مَثَلاً بِمَثَلٍ یَدًا))	۲۷۴
۲۱	((الذهب بالذهب و الفضه بالفضه.... والملح بالملح مثلاً بمثل سواء.... .))	۲۷۲
۲۲	((الساعی علی الأرملة والمسکین کالمجاهد فی سبیل الله او کالذی یصوم النهار ..))	۳۹۷
۲۳	((الصدقة توخذ من اغنیائهم فترد علی فقرائهم))	۳۸۶
۲۴	((الصلوٰة علی وقتها))	۴۶۴
۲۵	((الصیام جنة من النار کجنة احدکم من القتال))	۴۶۶
۲۶	((اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِه وَیَدِه))	۹۴
۲۷	((اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاس حتی یشهدوا ان لا اله الا اللّٰه و یُؤمِنوا بی وبما جئتُ به.. .))	۳۸۷
۲۸	((ا نبیا کان آدم مرسلاً قال نعم وانزل علیهم تحریم المیتة والدم ولحم الخنزیر))	۴۹۰
۲۹	((انما الاعمال بالنیات ، و انما لکل امرئ ما نوی ،............)).	۴۲۶،۱۸۵،۱۲۵
۳۰	((اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الأَخْلَاق))	۱۹۰
۳۱	((اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ، وَمَلٰئِکَتِه، وَکُتُبِه، وَرُسُلِه، وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ، وَتُؤْمِنُ بِالْقَدْرِ خَیْرِهٖ وَشَرِّه))	۱۰۹
۳۲	((ان اللّٰه یدنی المومن فیضع علیه کنفه و یستره فیقول: أتعرف ذنباً کذا؟ فیقول...))	۱۱۶
۳۳	((إنّ الصدق یهدی إلی البر وان البر یهدی إلی الجنة.....))	۲۰۳
۳۴	((أنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ کَأَنَّکَ تَرَاهُ فَإنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاهُ فَإنَّهٗ یَرَاکَ))	۵۱۱
۳۵	((أن النبی ﷺ ضرب فی الخمر بالجرید والنعال ،وجلد ابوبکر أربعین))	۲۸۵
۳۶	((أنه لیس بدوأ ولکنه داء))	۲۸۵

۳۷	ا((أنَّ رسول ﷺ طلّق حفصه، ثم راجعها))	۲۵۳
۳۸	((إن اول ما يُحاسَب به العبد بصلاته فإن صلحت فقد افلح وأنجح وإن فسدت...))	۴۶۵
۳۹	((إن بين الرجل وبين الشرک والكفر ترک الصلوٰة))	۴۶۵
۴۰	((إن لكل قوم عيد وهذا عيدُنا))	۲۵۷
۴۱	((انّ اربى الرّبا استطالة الرجل فی عرض أخيه))	۲۷۰
۴۲	((إنَّ العَبدَ إذَا أخطأَ خطيئة نكتت نكة سوداء فاذا هو نزع و استغفر و تاب ....))	۱۸۵
۴۳	((ان الله عزوجل يقول يوم القيامة : يا ابن آدم مرضت فلم تعدنی قال يا رب .....))	۳۹۷
۴۴	((اياكم والغلو فی الدين ،فانه(فانما)اهلک من كان قبلكم الغلو فی الدين))	۳۹۹
۴۵	((بنی الإسلام على خمس شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله' ..))	۳۷۸
۴۶	((بُنِیَ الْإسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ: شَهَادَةِ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُه..))	۱۰۷
۴۷	((بينما رجل يمشی بطريق ،اشتد عليه العطش ،فوجد بترا فنزل فيها ،فشرب	۳۹۸
۴۸	((تزوّجوا الودود الولود فانیّ مكاثر بكم الامم))	۲۳۱
۴۹	((تنكح المرءاة لا ربع لما لها ولحسبها ولجما لها ولدينها بذات الدين تربت))	۲۳۱
۵۰	((ثلاث جدهن جد وهز لهن جد النكاح والطلاق والرجعة))	۲۵۴
۵۱	((جَاءَ بِلَالٌ اِلَی النَّبِيِّ ﷺ بِتَمرٍ بَرْنِی((فَقَالَ لَهُ النَّبِیُّ ﷺ مِنْ اَيْنَ هٰذَا ...))	۲۷۳
۵۲	((خذوا عنی خذوا عنی 'قد جعل الله لهن سبيلاً' البكر بالبكر جلد مئة....))	۲۸۸
۵۳	((خرجت مع رسول الله ﷺ حاجا فكان الناس ياتونه 'فمن قال يا رسول الله،سعيت ..))	۴۰۱
۵۴	((خيركم خيركم لأهله و أنا خيركم لأهلی))	۲۳۰
۵۵	((رهبانية هذه الأمة الجهاد فی سبيل الله))	۳۹۹
۵۶	((سَمِعْتُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سُئِلَ عَنْ شَرَی التَّمرِ بِالرُّطَبِ فَقَالَ اَيَنْتَقِصُ الرَّطَبُ ..)).	۲۷۳

۵۷	((سنة أبيكم ابراهيم))	۴۸۵
۵۸	((صيحان وجيحان والفرات والنيل كل من أنهار الجنة))	۵۴۵
۵۹	((طلق ابن عمر امراته وهى حائض فذكر عمر للنبى ﷺ فقال ليراجعها قلت ...))	۲۵۲
۶۰	((طلقها زوجها البتة، فقالت: فخاصمتة الى الرسول اللهﷺ فى السكنى....))	۲۵۳
۶۱	((فَإِذَا اخْتَلَفَ هٰذِهِ الْاَصْنَافُ فَبِيْعُوْهُ كَيْفَ شِئْتُمْ إِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ))	۲۷۴
۶۲	((فى الجنة ثمانية ابواب فيها باب يُسمى الريان لا يدخله الا الصائمون))	۵۴۲
۶۳	((قلت يا رسول اللّٰه مما خلق الخلق قال من الماء ' قلنا الجنة ما بناء ها ؟ قال لبنة ..))	۵۴۲
۶۴	((كان النبى ﷺ اذا اوتى بشىء سأل عنه اهدية أم صدقة' فإن قيل صدقة لم يأكل وإن قيل ..))	۳۸۳
۶۵	((كان النبى ﷺ اذا حزبه امرٌ صلى))	۳۸۱
۶۶	((كان زكريا نجاراً))	۶۴
۶۷	((كفى بالمرء إثما أن يحدث بكل ما سمع))	۲۰۴
۶۸	((كل سلامى من الناس عليه الصدقة كل يوم تطلع [فيه] الشمس))قال : تعدل...))	۳۹۶
۶۹	((كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فأبواه يهودانه أو ينصرانه))	۱۳۵،۳
۷۰	((كنا عند رسول الله ﷺ فى صدر النهار ، قال فجاءه قوم حفاة عراة ....))	۳۹۷
۷۱	((لا تغضب ، فردد مرارا ، قال : لا تغضب))	۲۰۶
۷۲	((لا تقطع يد سارق إلا فى رُبع دينار فصاعدا)) ۳۰۱	۲۹۳
۷۳	((لا رهبانية فى الإسلام))	۳۹۹
۷۴	((لا طلاق الا فيما تملک،ولا عتق الا فيما تملک))	۲۵۴
۷۵	((لا نذر لابن آدم فيما لا يملک ولا عتق له فيما لا يملک ولا طلاق له فيما..))	۲۵۴

۷۶	((لا یدخل الجنة من کان فی قلبه مثقال ذرة من کبر))	۲۰۵
۷۷	((لا یَقُلْ احدُکم لِمَمْلُوکِه عَبْدِی وَ اَمَتِی وَلْیَقُل فَتَایِی وَفَتَاتِی))	۳۲۸
۷۸	((لعن الله الخمر و شاربها و ساقیهاو بائعها ومبتاعها و عاصرها و معتصرها ....))	۲۸۴
۷۹	((لکل شیء عمود وعمود الدین الصلوٰة وعمود الصلوٰة الخشوع و خیرکم عندالله..))	۳۷۹
۸۰	((لی مال ،اوصی بمالی کله؟قال :لا،قلت:فالشطر؟،ان تدع و رثتک اغنیاء خیر ..))	۳۹۵
۸۱	((ما احل الله شیئا ابغض الیه من الطلاق))	۲۵۵
۸۲	((ما اطعمت نفسک فهو لک صدقة ' ما اطعمت ولدک فهو لک صدقة '. ..))	۳۹۵
۸۳	((ما أکل أحد طعاماً قط خیراً من أن یا کل من عمل یده،وان نبی َالله داؤد علیه السلام کان))	۳۳
۸۴	((مَا الفقر أخشی علیکم ولکن اخشی علیکم أن تُبْسَطَ عَلَیْکم الدنیا ....))	۴۶۲
۸۵	((ما عال من اقتصد))	۱۹۵
۸۶	((مامن مسلم یغرس غرساً ،او یزرع زرعاً، فیاکل منه طیر او انسان او بهیمة ..))	۳۹۵
۸۷	((ما من مصیبة تصیب المسلم ألا کفر الله بها عنه حتی الشوکة یُشاکها))	۵۳۸
۸۸	((مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ، فَاَبَوَاهُ یُهَوِّدَانِهِ اَوْ یُنَصِّرَانِهِ اَوْ یُمَجِّسَانِهِ))	۱۰۹
۸۹	((مَنْ أحْیَا سُنَّتی فَقَدْ اَحبنّي وَمَن أحَبَّنِيْ کَانَ مَعِی فِی الجَنَّة))	۱۴۹
۹۰	((من حسن اسلام المرء ترکه ما لا یعنیه))	۴۵۶
۹۱	((من رغب عن سنتی فلیس منی))	۲۲۳
۹۲	((من وجدتموه یعمل عمل قوم لوط فاقتلوا الفاعل والمفعول))	۲۸۹
۹۳	نارکم هذه التی یوقد ابن آدم جزء من حر جهنم قالوا والله ان کانت لکافیة ..))	۵۵۳
۹۴	((نعم مُکَلَّمٌ))	۴۸۸

۱۱۳	((فرجم رسول الله ﷺ و رجمنا بعده،فأخشیٰ ان طال بالناس زمان،أن یقول قائلٌ:ما نجد ....))	۲۸۸
۱۱۴	((قَالَ اَبُوْ سَفْیَانَ اِنْطَلَقْتُ فِی الْمُدَّۃِ الَّتِیْ کَانَتْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ قَالَ فَبَیْنَا..))	۱۳۷

فہرست اعلام

۳	اسرائیل	۱۰
۴	اسرائیلی	۱۷
۵	اسماعیل	۱۹،۱۶،۲۱،۴۹۲
۶	اضحق	۲۱
۷	انیٹیوکس ثالث	۱۴
۸	ایشاع	۶۵
۹	آدم وحوا	۱۶،،۴۸۹
۱۰	آزر	۱۸
۱۱	آسیہ	۶۱
۱۲	بنی اسرائیل	۱۶،۱۷
۱۳	بنیامین	۲۴
۱۴	پطرس	۳۵۵
۱۵	تارح (تارخ)	۱۸
۱۶	جوپیٹر/ جوپیٹر	۱۳۸،۱۷۲
۱۷	جحوان	۱۹
۱۸	داؤد	۳۱
۱۹	رعمسیس ثانی	۲۷
۲۰	زکریا بن برخیا	۶۷
۲۱	زکریا	۳۶
۲۲	زیوس	۱۳۸،۱۷۲
۲۳	سارہ	۱۹
۲۴	سلیمانؑ	۳۳،۳۴
۲۵	طالوت	۳۳
۲۶	عزیز	۲۵

۵۰	یہوداہ	۵۲،۹
۵۱	یہوداہ اسکریوتی	۴۱،۴۰
۵۲	یہوواہ	۲۹
۵۳	یعقوب	۲۳،۱۱،۹
۵۴	یوسف	۴۹۲،۲۴،۱۱
۵۵	یشع	۱۰
۵۶	یہواہ	۱۷۷،۱۴۲

فہرست اماکن

نمبر شمار	اماکن	صفحہ نمبر
۱	ادوم	۶۳،۱۲
۲	اریحا	۵۴،۱۲
۳	اُقصر	۲۶
۴	اور/ار	۱۸
۵	ایلیاہ	۱۹
۶	بابل	۱۸
۷	بحر قلزم	۲۹
۸	بیت المقدس	۵۰۵،۹۴،۳۶
۹	بیتھلیہن الناصرہ	۹۳
۱۰	تیہ	۶۰،۳۱
۱۱	جبل ہور	۶۰،۳۱

۱۰	جوڈیا	۱۲
۱۹،۵۵	حبرون (الخلیل)	۱۳
۲۳	حجر اسود	۱۴
۹۴،۱۸،۵۶	حران	۱۵
۳۸،۸۳،۹۴	دمشق	۱۶
۹۴	رملہ	۱۷
۳۴	شہر داؤد	۱۸
۳۸	صخرہ	۱۹
۲۲	صور	۲۰
۳۴	صیہون	۲۱
۲۶:	طیبہ	۲۲
۲۶	فلاک	۲۳
۱۲	فلسطین	۲۴
۳۱،۶۳	قادس	۲۵
۳۱،۶۳	قادس برنیع	۲۶
۲۶	قلمون	۲۷
۱۳۰	کثیب احمر	۲۸
۱۹	کعبہ	۲۹
۲۲،۱۸	کنعان	۳۰
۳	کوہ شعیر	۳۱
۶۳‘۲۸	کوہ طور	۳۲
۱۲	کوہ عباریم	۳۳
۱۲	کوہ ہور	۳۴
۳۸	مسجد اموی	۳۵

۳۶	مصر	۱۱،۹۴
۳۷	مکفیلہ	۱۹
۳۸	ممفس	۴۷،۶۱
۳۹	میزاب	۲۳
۴۰	میسوپوٹیما	۵۲
۴۱	نابلس	۲۶،۶۰
۴۲	وادی ایمن	۶۱
۴۳	ورکا	۱۸
۴۴	یروشلم	۳۵